سنن ابی داؤد
کی جامع اور مکمل شرح
مع متن، اعراب، ترجمہ احادیث وتخریج
الجزء الأول
الدر المنضود
علی
سنن أبي داود
کتاب الطہارۃ
(مکمل)
افادات درسیہ مع اضافات ونظر ثانی
حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ
صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور
تلمیذ رشید
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر
مکتبۃ الشیخ
۳/۴۴۵، بہادر آباد، کراچی ۵ فون: 021-34935493
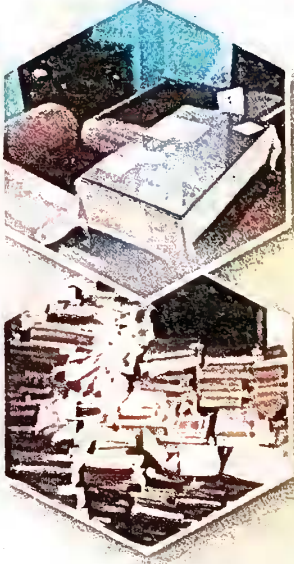
سنن ابی داؤد کی جامع اور مکمل شرح
مع متن، اعراب، ترجمہ احادیث وتخریج

الدر المنضود
على
سنن أبي داود

الجزء الأول

افادات درسیہ مع اضافات وتعلیقات

حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ (صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور)

تلمیذ رشید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ

الناشر

مکتبۃ الشیخ

۳/۴۴۵ - بہادر آباد - کراچی ۵

مؤلف دامت برکاتہم کی طرف سے تصحیح اغلاط اور اضافات کے ساتھ،
احادیث کے مکمل متن، ترجمہ اور تخریج کے ساتھ منفرد ایڈیشن

نام کتاب : الدرس المنضود علی سنن أبي داود ﴿الجزء الأول﴾

افادات درسیہ : حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ
صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

ترجمہ : مولانا محمد زکریا مدنی مدظلہ (استاذ معہد الخلیل الاسلامی، کراچی)

تخریج و ترتیب جدید : اراکین الخلیل اکیڈمی
معراج منزل علامہ بنوری ٹاؤن،
کراچی۔ 0321 - 235 7 200

ناشر : مکتبۃ الشیخ ۳/۴۴۵، بہادر آباد کراچی ۵

اشاعت طبع جدید : ذو القعدہ ۱۴۳۷ھ اگست 2016ء

فہرست مضامین

عرضِ مترجم

اللہ رب العزت نے دین اسلام کو ایسی شریعت بنایا ہے جو صبح قیامت تک باقی رہے گی اور قرآن پاک نے واضح اعلان کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے دین اسلام کو تمام ادیان سابقہ پر غالب کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے، اسلام دشمن اور مخالفین جتنا بھی ایڑی چوٹی کا زور لگالیں اللہ کا یہ دین غالب ہو کر آسمان کے افق پر چمکتا رہے گا۔

قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ اللہ پاک نے خود ہی اپنے ذمہ لیا ہے نزول قرآن کے زمانہ سے لے کر آج تک اللہ پاک اپنے خاص بندوں کے ذریعہ اس قرآن کریم کے الفاظ، معانی اور تشریحات کی حفاظت فرماتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ صبح قیامت تک جاری رہے گا۔

جس طرح قرآن پاک کے الفاظ محفوظ ہیں، ایسی ہی قرآن کی تشریح اور اس کے معانی بھی سینہ بہ سینہ محفوظ ہیں۔ الفاظ قرآن کے حفاظت کرنے والے ''حفاظ کرام'' کہلاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور افعال اور سیرت و کردار اور صحابہ کرام تابعین عظام کے اقوال و افعال جو در حقیقت قرآن کی سب سے اعلیٰ تشریح ہیں، ان کو حسن و عن سینہ بسینہ محفوظ رکھنے والی جماعت ''محدثین عظام'' کہلاتی ہے۔

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ کسی بھی نبی اور پیغمبر کے پیروکاروں نے اپنے نبی کے ایک ایک قول، فعل، کردار، سیرت اور ایک ایک اداء کو اس طرح محفوظ نہیں رکھا جیسا کہ اس امت محمدیہ نے اپنے نبی کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد تقریباً پندرہ سو سال کے عرصہ تک سینہ بہ سینہ ان کی ایک ایک اداء کو خوشی، غمی، صحت، بیماری، قول، فعل، سیرت، کردار غرض ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محفوظ رکھ کر آنے والی نسل انسانی تک اس کو پہنچانے کا ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ انسانی عقلیں اس پر حیران رہ جاتی ہیں۔

حضرات محدثین نے حدیث پاک کی حفاظت اپنے ذمہ لی، عہد نبوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اصحاب صفہ جیسی جماعت اور اس کے بعد ہر زمانہ میں ایک جماعت علم حدیث کو یاد کر کے اپنے سینوں میں اور صحیفوں میں محفوظ کر کے اپنے پیروکاروں تک اس نعمت کو پہنچاتی رہی، یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے باقاعدہ سرکاری طور پر علم حدیث کی جمع و تدوین کا عمل شروع ہوا۔ پھر ''مسند امام ابو حنیفہ، کتاب الآثار، موطا امام مالک'' جیسی کتابیں لکھی گئیں، پھر اس دوسرے دور کی تدوین حدیث کے تیسرے مرحلہ میں ''مسند امام احمد بن حنبل'' جیسی دیگر مسانید لکھی گئیں۔ پھر تیسری صدی ہجری میں احادیث صحیحہ کو یکجا جمع کرنے کی محنت کی گئی جس کے نتیجہ میں صحاح ستہ کا ذخیرہ مدون ہوا۔ صحاح ستہ میں امام ابوداؤد سجستانی کی کتاب ''سنن ابی داؤد'' کو ایک خاص مقام اور مرتبہ حاصل رہا۔ کتب صحاح ستہ میں سب سے زیادہ فقاہت کا درجہ بھی اسی کتاب کو ملا اور صحیحین کے بعد صحت اسناد کے اعتبار سے اسی کتاب کو

مقبولیت ملی۔ امام ابوداؤد کی رجال حدیث پر گہری نظر اور اس پر کلام بھی ایک مستقل کارنامہ ہے جو "قال ابوداؤد" کے عنوان سے حضرت مصنف بیان فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی "سنن ابی داؤد" میں تمام ائمہ کے دلائل کو احسن انداز میں پیش کرتے میں بھی مصنف کا کوئی ثانی نہیں۔ صحیحین کے بعد سنن ابی داؤد سے امت مرحومہ نے شرقاً وغرباً فائدہ حاصل کیا اور تیسری صدی ہجری میں لکھی جانے والی اس کتاب کے سیکھنے سکھانے کا عمل آج تک جاری وساری ہے۔

ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتب صحاح ستہ کی درس و تدریس کے عمل کو شروع فرمایا اور ان کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی اور ان کے بعد ان کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب اور پھر ان کے بعد ان کے شاگرد حضرت شاہ عبدالغنی مجددی اور ان کے بعد ان کے شاگردان رشید میں دارالعلوم دیوبند کے بانی اور مؤسس حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اسی سلسلہ کو جاری وساری رکھا اور ان کے بعد سے دارالعلوم دیوبند اور اس کے ملحقات میں صحاح ستہ کی درس و تدریس کا عمل اسی طرح آج بھی جاری وساری ہے۔

حضرت مولانا رشید گنگوہی سرپرست اعلیٰ دارالعلوم دیوبند، گنگوہ میں تن تنہا صحاح ستہ کی تدریس فرمایا کرتے تھے اور ان کتابوں میں سب سے پہلے تحقیق و امعان سے جامع ترمذی کا درس دیا کرتے تھے، پھر اس کے بعد "سنن ابی داؤد" کا درس دیا کرتے۔ حضرت گنگوہیؒ کی جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد کی ان درسی تقاریر کو عربی میں محفوظ کیا گیا۔ اس کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ایک عرصہ تک اس کتاب کی تدریس فرمائی اور پھر اپنی زندگی کا سارا علمی نچوڑ اور خلاصہ "بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد" میں بیان فرمایا۔ حضرت والا کے بعد حضرت کے جانشین برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی ثم المہاجر المدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب "سنن ابی داؤد" اور دیگر صحاح ستہ کی عرصہ نصف صدی تک تدریس فرمائی، حضرت موصوف اپنے شیخ مربی مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ساتھ دس سال تک بذل المجهود کی تالیف میں معاون رہے۔ حضرت شیخ الحدیث کے داماد اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے صدر المدرسین حضرت مولانا محمد عاقل صاحب دامت برکاتہم وہ خوش نصیب شخصیت ہیں جنہوں نے اس مبارک سلسلے اور سلسلۃ الذہب کو جاری وساری فرمایا۔ عرصہ ساٹھ سال سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہیں اور نصف صدی سے زائد عرصہ دیگر کتب حدیث کی تدریس کے ساتھ سنن ابوداؤد کی تدریس کے ذریعہ علم حدیث کے تشنہ گان کو سیراب فرمارہے ہیں۔ آپ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد اور علوم کے صحیح جانشین اور امین بھی ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے علوم و افادات اور ان کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی بذل المجهود سے استفادہ فرماکر علم حدیث کا بہت ہی جاندار اور شاندار اور مقبول عام وخاص درس دیا کرتے ہیں۔ آپ کا یہی درس ہزاروں طلبہ نے قلم بند کیا جس میں آپ کے سسر اور شیخ کے علمی افادات اور بالخصوص آپ کے دادا شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کی مشہور زمانہ اور شہرہ آفاق تصنیف "بذل المجهود فی حل ابی داؤد" کی تقریباً تمام مباحث اور اس کا خلاصہ ونچوڑ آگیا۔ اس لیے اس تقریر کو حضرت والا نے نظر ثانی حذف واضافہ جات کے بعد شائع فرمایا۔ یہ تقریر ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، سعودی

عرب اور بہت سے اسلامی ممالک میں ہاتھوں ہاتھ قبول کی گئی اور اکابر کے علوم اور ان کے نادر علمی افادات پر حضرت مولف کو داد تحسین و خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ اس تقریر کو طلبہ برادری "الدر المنضود" اور "تقریر سنن ابی داود" کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اس علمی ذخیرے سے علماء کرام اور طلبہ عظام نے بھرپور استفادہ کیا، لیکن عوام الناس میں سے ہر عام وخاص کے لیے اس سے استفادہ ذرا مشکل تھا۔ اس جہت کو دیکھ کر بطور ابتدائی کوشش اس کتاب کے "کتاب الاطعمۃ" سے کتاب کے آخر تک منتخب ابواب پر سنن ابی داود کا متن اور اس متن کا ترجمہ لکھ دیا گیا، جس سے یہ تقریر "الدر المنضود" ایک مکمل شرح بن گئی جس میں سنن ابی داود کا متن مع اعراب اور اس کا ترجمہ اور پھر حضرت مولف دام ظلہم کی تقریر کو رکھا گیا اور الحمد للہ ملک پاکستان میں طلبہ کے علاوہ طالبات بلکہ ہر طبقہ کے حضرات کے لیے اس کا استفادہ آسان ہو گیا بلکہ بعض مدارس میں کم فرصت خواتین کے لیے اس کتاب کو باقاعدہ داخل نصاب کر دیا گیا۔ راقم الحروف کی اس کاوش کو اللہ پاک نے شرف قبولیت سے نوازا اور اس کی افادیت بحمد اللہ سامنے آنے لگی۔

آج سے چند سال قبل کراچی میں مکتبۃ الخبیب کے مدیر بھائی محمد عمران صاحب نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے اس تقریر ابو داود کی نئی ترتیب بنا کر اس کتاب کو شروع سے آخر تک مرتب کیا اور اس کتاب کی مزید افادیت کے لیے اس پر درج ذیل اضافات کیے:

1. مکتبۃ الباز مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والا نسخہ سنن ابی داود جو محمد محی الدین عبد الحمید کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا۔ اس متن کو اعراب کے ساتھ اس تقریر میں شامل کیا اور نسخوں کے اختلاف میں اس نسخہ اور شیخ عوامہ کی تحقیق سے شائع ہونے والے نسخے کو ترجیح دی۔
2. تقریر میں موجود احادیث کی کتب تسعہ مدولہ سے مفصل تخریج کا اہتمام کیا۔
3. امام ابو داود کا مشہور رسالہ "رسالۃ الی اہل مکۃ" جو مختلف نسخوں میں شائع ہو تا رہا اس کا اردو ترجمہ کرا کے اس کو بھی شامل اشاعت کیا گیا۔
4. تقریر سنن ابی داود میں علماء اور محدثین کرام کے اقوال اور آراء کے حوالہ جات کا بھی اہتمام کیا گیا اور ان حوالہ جات کو جلد اور صفحہ کے ساتھ نقل کیا گیا تاکہ اصل کے ساتھ مراجعت ہو سکے۔

اس کام کے بعد مکتبۃ الخبیب معراج منزل علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مدیر جناب ابو خبیب محمد عمران صاحب نے مکتبۃ الشیخ کے ناظم مولانا محمد اسماعیل مدنی صاحب سے مشاورت کی اور مشورہ میں یہ بات رکھی کہ کتاب "سنن ابی داود" کی تمام احادیث کا مکمل اردو ترجمہ کر دیا جائے اور پھر اس کتاب کو از سر نو کمپوز کرا کے شائع کیا جائے۔ مشورے کے بعد راقم الحروف کے نام قرعہ فال نکلا اور سنن ابی داود کے ترجمے کی ذمہ داری بندے کو سونپی گئی۔ بحمد اللہ تعالیٰ سنن ابی داود کے مکمل متن کا ترجمہ توفیق الٰہی سے پورا ہوا اور اب یہ تقریر سنن ابی داود مکمل عربی متن مع اعراب اور مکمل ترجمے مع تخریج احادیث اور تقریر میں موجود اور محدثین اور علماء کے اقوال کے مفصل حوالہ جات کے ساتھ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کتاب کی کمپوزنگ، تصحیح اور تقابل میں انسانی اور بشری وسعت کے بقدر ایک تصحیح نہیں کئی تصحیح کا اہتمام کیا گیا، لیکن کام کے طویل ہونے نیز مختلف نشیب و فراز کے سبب بہت ممکن ہے کہ کسی مرحلے میں کمی کوتاہی رہ جائے، اس لیے قارئین کرام بنظر اصلاح اس کو پڑھ کر نشاندہی فرمائیں۔ ان شاء اللہ فوری اصلاح کی جائے گی۔

راقم: محمد زکریا مدنی

خادم حدیث "معہد الخلیل الاسلامی بہادر آباد کراچی"

تقریظ

از صدیق مخلص صاحب التألیف والتعالیق محترم مولانا الحاج ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری
أستاذ حدیث جامعة الإمارات العربية المتحدة، العین

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين محمد وآله
وأصحابه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

میرے لئے سعادت ومسرت کا مقام ہے کہ فاضل گرامی مولانا محترم محمد عاقل صاحب دام مجدہم کی گراں قدر کتاب الدر المنضود علی سنن أبي داؤد یعنی تقریر ابو داؤد شریف پر چند سطریں تحریر کروں، سنن أبو داؤد کا صحاح ستہ میں جو مقام ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں، اس لئے ہمارے بڑے دینی مدارس میں جہاں دورۂ حدیث کا اہتمام ہے سنن أبو داؤد کو تدریسی لحاظ سے بہت اہمیت حاصل ہے، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں اس کتاب کا بے حد اہتمام تھا سنن أبو داؤد پر علماء کی متعدد شروح وحواشی [1] کے باوجود حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ نے ایک جامع شرح کی ضرورت محسوس کی جو ان سب کا خلاصہ ہو، اور جو مشکل مقامات قابل حل رہ گئے ہیں ان کی تشریح کر دی جائے، حضرت اقدس نے اس عظیم الشان کام کا آغاز اس وقت فرمایا جب عمر شریف کا اکثر حصہ گزر چکا تھا، اور اپنے شاگرد رشید حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو اس کام میں شریک بنایا، چنانچہ استاذ وشاگرد کی مسلسل دس سال پانچ ماہ دس دن کی محنت اور جانفشانی کے بعد یہ شرح مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پایۂ تکمیل کو پہنچی، جو ہندوستان میں پانچ ضخیم جلدوں میں متعدد بار شائع ہو چکی ہے، اور آخر میں استاذ محترم حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خصوصی عنایت سے قاہرہ سے بیس جلدوں میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے حواشی کے ساتھ شائع

---

[1] ان میں سے بعض شروح وتعلیقات کا تعارف ناچیز نے اپنی کتاب "محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے" میں، اور زیادہ تفصیل سے اپنی تصنیف الإمام أبو داؤد المحدث الفقيه میں کرایا ہے، یہ عربی تصنیف دمشق وبیروت سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ منہ

ہوئی، اس ناچیز کو بھی تقریباً دو سال تک اس کی طباعت اور حواشی کے ترتیب وغیرہ میں اشتغال کی سعادت حاصل رہی۔
حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی علماء بالخصوص ہمارے اکابر کی طرف سے علم حدیث پر جو تصنیفات منصۂ شہود پر آئی ہیں ان میں فنی لحاظ سے اس کتاب کو بہت اہمیت حاصل ہے جس کا اعتراف مصر و شام کے بڑے بڑے علماء نے بھی کیا ہے۔
بذل المجہود میں بعض مقامات پر بہت ہی دقیق بحثیں اور مشکل مسائل آ گئے ہیں، ضرورت تھی کہ کوئی ایسا فاضل جس کو حضرت اقدس شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے علوم سے پوری مناسبت ہو اور سنن أبو داؤد کو متعدد بار پڑھا چکا ہو، اس کی باریکیوں سے واقف ہو وہ بذل المجہود کا اردو زبان میں شگفتہ اور سادہ اسلوب میں ملخص تیار کر دے، تاکہ طلبہ و مدرسین اور باحثین و مصنفین کیلئے ان مباحث کا سمجھنا آسان ہو جائے۔
محترم مولانا محمد عاقل صاحب صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم جو حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے ارشد تلامذہ میں ہیں، حضرت کی ان پر خصوصی شفقت کی نظر تھی، خلافت و اجازت سے بھی ان کو سرفراز فرمایا ہے اور انہوں نے اپنے تعلیمی و تدریسی و تالیفی مراحل حضرت ہی کی زیر نگرانی و سرپرستی طے کئے ہیں، اور عرصہ دراز سے حدیث پاک اور سنن أبو داؤد کا درس دے رہے ہیں، نیز سنن أبو داؤد کو حضرت اقدس نے ان کو دوبارہ خاص طور سے پڑھایا تھا، ان سب خصوصیات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کو طویل بحث کو مختصر اور واضح کر کے بیان کرنے کا خاص ملکہ عطا فرمایا ہے۔
ان تمام خصوصیات کی بناء پر اور کتاب پر نظر ڈالنے کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ کتاب طلبۂ مدارس کے لئے نادر تحفہ ہے، اور علماء و مدرسین کے لئے بہترین رہنما ثابت ہوگی، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب اور ان کی دیگر تالیفات کو قبول فرمائے اور دوام بخشے۔ آمین، وما ذالك علی اللہ بعزیز۔

ڈاکٹر تقی الدین ندوی

أستاذ حدیث جامعۃ الإمارات العربیۃ المتحدۃ، العین

۵ ربیع الأول ۱۴۱۳ھ

پیش لفظ

الحمد للہ حمدا یوافی نعمہ ویکافی مزیدہ والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد النبی الامی وآلہ وصحبہ، وبعد:

موجودہ دور میں علم دین سے جو بے رغبتی برتی جارہی ہے وہ سبھی دیکھ رہے ہیں، اور جن کو اس علم کے حاصل کرنے کی توفیق ہوتی بھی ہے ان میں سے اکثر وبیشتر بے شوقی کا شکار ہیں، خصوصاً نصاب کی ابتدائی کتب میں جن سے استعداد پیدا ہوتی ہے اس کی حالت اور بھی زیادہ قابل شکایت ہے، کچھ نفوس ایسے ہوتے ہیں جن کو تعلیم کے ابتدائی درجات کو عبور کرنے کے بعد درجہ علیا میں پہنچ کر اپنی حالت کا احساس ہوتا ہے، اور اس درجہ میں پہنچ کر وہ کسی قدر کتاب دیکھنے اور مطالعہ کرنے کی طرف متوجہ ہونے لگتے ہیں، اب ظاہر ہے کہ اس وقت کی توجہ و محنت سے حل کتاب کی استعداد پیدا ہونا تو بہت مشکل ہے، اب وہ زیادہ سے زیادہ اتنا کرسکتے ہیں کہ اساتذہ کی تقاریر کو درس میں بیٹھ کر قلمبند کرلیتے ہیں، چنانچہ اساتذہ کی درسی تقاریر کو ضبط کرنے کا سلسلہ آج کل قائم ہے اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق لکھنے والے طلبہ لکھتے ہیں ان میں بعض باصلاحیت اچھے لکھنے والے بھی ہوتے ہیں۔

اب سے تقریباً بیس سال قبل ہمارے مدرسہ کے ایک متعلم (مولوی ثناء اللہ ہزاری باغی) نے بندہ کی ابوداؤد شریف کی درسی تقریر کو ضبط کیا تھا، احقر کی نظر سے بھی وہ گزری تو اس وقت مجھے متعلم موصوف کی محنت وکاوش پسند آئی، اسلئے بندہ نے اسکو نقل کرالیا تھا، اور بوقت مطالعۂ کتاب (أبو داؤد شریف) اس پر کہیں کہیں حواشی کا بھی اضافہ کرتا رہا، اس طرح اس میں کافی مفید باتیں جمع ہوگئیں، بعض مدرسین نے اسکو اپنے لئے نقل بھی کرایا، اور بعض احباب نے اسکو طبع کرنے کا مشورہ دیا کہ مختصر اور مفید ہے، طباعت کتب کا سلسلہ میرے یہاں کچھ نہ کچھ چلتا رہتا ہے اپنی یا حضرت شیخ قدس سرہٗ کی، اسلئے امسال کے شروع میں بندہ نے بہ نیت طباعت اس پر نظر ثانی شروع کردی، نظر ثانی میں حذف واضافہ توضیح وتنقیح حسب ضرورت ہورہی ہے۔

میرے اس کام کی ابتداء کا علم کسی طرح محترم حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ کو بھی ہوگیا، موصوف نے اپنی سہارنپور تشریف آوری پر بندہ کو اس کی تکمیل کا تقاضا فرمایا اور اپنے مبارک کلمات سے سے بندہ کی ہمت افزائی بھی فرمائی۔ حضرت مولانا کا علمی ذوق وانہماک اس طرح کا ہے کہ وہ دوسرے طلبہ وفضلاء سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی رغبات وتوجہات کا رخ علمی کاموں کی طرف لگائے رکھیں، اب بحمد اللہ تعالیٰ موصوف کی دعاء کی برکت سے اخیر سال تک ایک جلد کے بقدر مسودہ تیار ہوگیا، کتابت کا کام پہلے ہی سے شروع ہے، اس تقریر کی جلد اول میں کتاب الطہارۃ مکمل آگئی ہے، سنن ابو داؤد کی کتاب الطہارۃ کافی طویل ہے۔ جلد ثانی میں اندازہ یہ ہے کہ کتاب الصلوۃ والزکوۃ اور کچھ حصہ کتاب

الحج کا آجائے گا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ تیسری جلد آخر کتاب تک ہو جائے گی، وما ذلك على الله بعزيز وهو الميسر لكل عسير۔

اس تقریر میں جہاں تک حل کتاب کا تعلق ہے اسکا زیادہ تر ماخذ بذل المجہود شریف ہے، اسکے علاوہ دوسرے مضامین یا تو وہ ہیں جن کو احقر نے حضرت شیخؒ کے حواشی بذل و دیگر شروح حدیث و کتب فقہ سے اخذ کیا، یا وہ ہیں جن کو میں نے حضرت شیخ قدس سرہ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے درس میں سنا، اسلئے کہ احقر کو سنن أبو داؤد شریف ان دونوں بزرگوں سے الگ الگ دو مرتبہ پڑھنے کی نوبت آئی ہے مؤخر الذکر سے ۱۳۸۰ھ میں جو احقر کے دورۂ حدیث کا سال تھا، اور اول الذکر سے ۸۷ھ میں جو بندہ کی تدریس سنن أبو داؤد کا پہلا سال ہے جس کی شکل یہ ہوئی تھی کہ لامع الدراری کی تالیف کا کام جب سال مذکور میں پورا ہو گیا تو چونکہ حضرت شیخؒ کا یہ وقت فارغ ہو گیا تھا اس لئے حضرت نے خود ہی احقر سے فرمایا کہ میری کتاب (سنن أبو داؤد) پر جو میرے حواشی و بین السطور ہیں تو ان کو مجھ سے سمجھ لے، احقر نے عرض کیا کہ باقاعدہ کتاب ہی نہ پڑھ لوں! حضرت نے اسکی تحسین فرمائی اور پڑھنے کا سلسلہ وہیں حضرت کی دار التصنیف میں شروع ہو کر اخیر سال کتاب پوری ہو گئی فالحمد للہ علی ذلك۔

دراصل اسی لئے احقر نے بھی چاہا کہ جب حضرت والا نے اس نالائق و ناکارہ کو اس قدر شوق سے پڑھایا تو جو کچھ حضرت کی برکت سے حاصل ہوا اس کو طبع ہی کر دیا جائے تاکہ اس کا نفع عام ہو، امید ہے کہ اس تقریر کے مطالعہ سے بہت سوں کیلئے بذل المجہود سے استفادہ بھی آسان ہو گا، اسی لئے خیال تھا کہ اسکا نام تیسر الوصول الی بذل المجہود رکھا جائے، مگر پھر یہ سوچا کہ کہیں بعض والوں کو نام سے یہ شبہ نہ ہو کہ یہ بذل المجہود کا حاشیہ ہے اس لئے پھر یہ دوسرا [1] نام تجویز ہوا۔

اس جلد اول کی نظر ثانی کے وقت نقل و املاء اور تصحیح و مقابلہ میں احقر کا تعاون عزیزم مولوی عبید الرحمن مظاہری گلبرگوی (کرناٹک) نے خوب انجام دیا، فجزاہ اللہ احسن الجزاء، ایسے ہی جو صاحب بھی آئندہ مسودہ کی تکمیل میں احقر کی اعانت کریں ان کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی شایان شان جزاء خیر عطا فرمائے، دعاء ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اس کام کی بسہولت تکمیل فرمائے اور اس کو احقر کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے، والدین اور اساتذہ خصوصاً حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حق میں موجب اجر فرمائے اور طالبین کیلئے اس کو زائد سے زائد نافع بنائے۔ آمین

والحمد للہ أولا وآخرا

محمد عاقل عفا اللہ عنہ

۱۲ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ

---

[1] لیکن اس تسمیہ میں بھی تامل رہا اسلئے کہ یہ نام حضرت شیخ نے ابوداؤد کی حضرت گنگوہیؒ کی تقریر (جمع کردہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ) کیلئے تجویز فرمایا تھا، لیکن چونکہ مستقبل قریب میں اس تقریر کے شائع ہونے کی توقع نہیں، اگر شائع ہوئی تو اسی نام کو مقید بعربی کر دیا جائے گا: الدر المنضود على سنن أبي داؤد (عربی)

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَحْمَدُكَ وَأَسْتَعِينُكَ [1]

بحث بدایۃ[2] السبق یوم الأربعاء: ہمارے مشائخ واساتذہ نور اللہ مراقدہم کا معمول رہا ہے کہ یَوْمُ الْأَرْبِعَاء یعنی چہار شنبہ کو اسباق کے شروع کرانے کا، فی الجملہ اہتمام اور رعایت فرماتے تھے، اب اسلاف کے اس اہتمام کی دلیل اور اصل معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

اس سلسلہ میں صاحب ھدایۃ کے شاگرد نے تعلیم المتعلم میں اپنے استاذ صاحب ھدایۃ کی عادت نقل کی ہے: کان استاذنا الشیخ الإمام برھان الدین رحمہ اللہ یوقف بدایۃ السبق علی یوم الأربعاء، ہمارے استاذ یعنی صاحب ھدایہ سبق کی ابتداء کیلئے بدھ کے دن کا انتظار کرتے تھے، اور دلیل میں اپنی سند سے ایک حدیث بیان کرتے تھے، جسکے الفاظ یہ ہیں:

ما من شيء بدئ به یوم الأربعاء إلا وقد تم [3]

مگر بعض محدثین کو اس حدیث پر کلام ہے، جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے المقاصد الحسنۃ میں لکھا ہے کہ لم أقف له علی أصل یعنی مجھے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ملی ہے۔ اس کے بعد علامہ سخاویؒ نے مندرجہ بالا حدیث کا معارضہ کیا ہے، طبرانی کی اس حدیث سے جس میں یَوْمُ الْأَرْبِعَاء کو یَوْمُ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ [4] کا مصداق ٹھہرایا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ علامہ سخاویؒ کا لم أقف له علی أصل کہنا اپنے علم کے اعتبار سے ہے، کیونکہ صاحب ھدایۃ جیسا فقیہ محدث ایک حدیث اپنی سند سے مرفوعاً بیان کرتا ہے، اور اس پر عمل کرتا ہے تو یہ اس حدیث کے ثبوت کیلئے کافی ہے، گو متداول کتب حدیث میں یہ حدیث نہ ملے۔ اور طبرانی کی روایت کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ ضعیف ہے، اور اگر اس کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ چونکہ اس دن کفار پر عذاب نازل ہوا تھا، اس لئے یہ دن کفار واعداء اسلام کے حق میں منحوس ہے، تو مسلمانوں کے حق میں یقیناً مسعود ومبارک ہوا۔

---

[1] بندہ کی عادت ہے کہ ہر روز سبق شروع کرنے سے پہلے یہ دعاء پڑھتا ہے، اس کا مأخذ فعل بلال مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو باب الأذان فوق المنارۃ کی روایت (۵۱۹) میں آرہا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] ذکرہ مولانا عبد الحی فی الفوائد البھیۃ من ترجمۃ صاحب الھدایۃ.

[3] المقاصد الحسنۃ للسخاوی الباب الأول حرف المیم رقم الحدیث ۹۴۳ ص ۵۷۴

[4] المعجم الأوسط ۔ باب الألف ۔ من اسمہ أحمد ۷۹۷ (دار الحرمین ۱۴۱۵ھ)

صاحب ہدایۃ اور اکابر کے اس معمول کی تائید بعض علماء نے اس حدیث سے بھی فرمائی ہے جو صحیح مسلم شریف جلد ثانی میں واقع ہے: ان اللہ خلق النور یوم الاربعاء [1] کہ اللہ تعالیٰ نے نور کو چہار شنبہ کے دن پیدا فرمایا، اور ظاہر ہے کہ علم بھی سراسر نور ہے اس لئے بھی بدھ [2] کے دن اسباق کے شروع کرنے کی مناسبت ظاہر ہے۔ یہ ساری بحث حضرت مولانا عبد الحئی صاحبؒ نے ذکر فرمائی ہے، ابھی قریب میں اس سلسلہ کی دوسری حدیث علم میں آئی، جس میں یہ ہے کہ علم دو شنبہ کو طلب کیا جائے، اس سے سہولت رہتی ہے، واللہ أعلم بصحة الحدیث۔ اب ہم مقدمة العلم شروع کرتے ہیں۔

مُقَدِّمَةُ الْعِلْمِ

اساتذہ و علماء کا درس میں ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ کتاب کے شروع کرانے سے پہلے جس فن میں وہ کتاب ہے اس فن کے مبادی اور مقدمة العلم کو بڑے اہتمام سے بیان فرماتے ہیں، اور علماءِ میزان و منطق نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ فن کو شروع کرنے سے پہلے اس کا مقدمة العلم جاننا ضروری ہے۔

جاننا چاہئے کہ مقدمة کی دو قسمیں ہیں: ایک مقدمة العلم اور دوسرا [3] مقدمة الکتاب۔ ان دونوں میں فرق آپ حضرات مختصر المعانی میں پڑھ چکے ہیں، اس کو یہاں بیان کرنے کی حاجت نہیں، تاہم یہ بات تو بدیہی ہے کہ مقدمة العلم کا تعلق فن سے اور مقدمة الکتاب کا تعلق کتاب سے ہوتا ہے۔ آپ حضرات کے سامنے دونوں مقدمے بیان کئے جائیں گے۔

اولاً مقدمة العلم [4]۔

سنئے مقدمة العلم کے ذیل میں بعض حضرات صرف تین امور بیان کرتے ہیں: ① تعریف، ② موضوع، ③ غرض و غایت، اور بعض حضرات آٹھ امور ذکر کرتے ہیں، جن کو رؤس ثمانیة بھی کہتے ہیں، اور بعض حضرات نے امور عشرہ لکھے

---

[1] وَخَلَقَ النُّورَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ. (صحیح مسلم- کتاب صفة القیامة والنار- باب ابتداء الخلق آدم علیہ السلام ۲۷۸۹)

[2] اس سلسلہ میں گذشتہ سال رفیق محترم شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب سے ایک اور حدیث سننے میں آئی جس کا بظاہر تقاضا یہ ہے کہ سبق کی ابتداء یوم الاثنین (دو شنبہ) کو ہو تو زیادہ بہتر ہے، اس سے حصول علم میں سہولت رہتی ہے، جسکے الفاظ یہ ہیں: اُطْلُبُوا الْعِلْمَ يَوْمَ الاثْنَيْنِ، فَإِنَّهُ مُيَسَّرٌ لِصَاحِبِهِ. ابو نعیم اصفہانی نے اس کو تاریخ اصفہان (ج ۱ ص ۴۴۸) میں بسندہ حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے لیکن حدیث کی صحت و قوت کا حال معلوم نہیں (اس روایت کی مزید تحقیق ضمیمہ میں دیکھی جاسکتی ہے)۔

[3] متقدمین کے یہاں صرف مقدمة العلم تھا، اور مقدمة الکتاب کی اصطلاح بعد کی ایجاد ہے، علامہ تفتازانیؒ نے اس کا اختراع کیا ہے، جیسا کہ مطول شرح تلخیص سے معلوم ہوتا ہے، اور منشاء اختراع بھی وہیں سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

[4] جملہ صحاح ستہ ایک ہی فن یعنی فن حدیث کی کتابیں ہیں، لہٰذا یہ مقدمة العلم جو ہم یہاں بیان کریں گے ان تمام کتب سے اس کا تعلق ہوگا اور سب جگہ یہ مقدمة کام دے گا۔ بخلاف مقدمة الکتاب کے، کہ وہ ہر کتاب کا الگ الگ ہوتا ہے، اس لحاظ سے مقدمة العلم عام اور مقدمة الکتاب خاص ہوا، اور ترتیب میں باعتبار ذکر کے عام خاص پر مقدم ہوا کرتا ہے، اسی لئے مقدمة العلم کو ہم یہاں پہلے ذکر کر رہے ہیں۔

ہیں:

ع	اعلم إن مبادیٔ کل فن عشرۃ	الحد والموضوع ثم الثمرۃ
	الاسم والاستمداد وحکم الشارع	وفضله ونسبة والواضع
	ومسائل والبعض بالبعض اکتفی	ومن دری الجمیع حاز الشرفا

ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کتاب کے شروع میں مقدمۃ العلم والکتاب کے ذیل میں بیس امور بیان فرمایا کرتے تھے۔ مقدمۃ العلم کے اندر نو ① تعریف ② موضوع ③ غرض وغایت ④ سمہ ⑤ مدون ⑥ نسبت ⑦ مرتبہ ⑧ قسمت تبویب، یہ آٹھ امور وہ ہیں جو رؤس ثمانیۃ کہلاتے ہیں، اور علماء اسلام نے اس پر نویں چیز یعنی حکم شارع کا اضافہ کیا ہے۔ اور حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ مقدمۃ الکتاب میں بھی یہی چیزیں ہیں، سوائے تعریف کے، کہ کتاب کی تعریف ❶ نہیں ہوتی ہے۔ اور موضوع علم اور کتاب دونوں کا ایک ہی ہوا کرتا ہے، ان دو کے علاوہ مقدمۃ الکتاب میں باقی وہی سات چیزیں ہیں جو مقدمۃ العلم میں ہوتی ہیں، نو اور سات سولہ امور ہوئے، اور ان کے علاوہ چار چیزیں متفرقات واشتات کے قبیل سے ہیں: ① نسخ کتاب ② شروح وحواشی ③ سند حدیث ④ آداب طالب، یہ کل بیس امور ہو گئے۔

اب ہم مقدمۃ العلم اسی مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق بیان کرتے ہیں۔

تعریف حدیث: جاننا چاہئے کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں، ایک: علم حدیث یعنی فن حدیث، دوسرے: حدیث یعنی نفس حدیث۔ جیسے تمہیں معلوم ہوگا کہ ایک تو ہے علم بلاغت وفن بلاغت اور ایک ہے بلاغت جو فصاحت کا مقابل ہے، اسی لئے دونوں کی تعریف الگ الگ کی جاتی ہے، علم بلاغت کی الگ جو معانی اور بیان کے مجموعہ کا نام ہے اور نفس بلاغت کی الگ، یعنی کلام کا مقتضی الحال کے مطابق ہونا، اسی طرح یہاں بھی دو چیزیں ہیں، حدیث اور فن حدیث۔ پھر فن حدیث کی دو قسمیں ہیں، ایک: علم روایت حدیث، دوسرے: علم درایت حدیث یا اس طرح کہئے: ① علم الحدیث روایةً، ② علم الحدیث درایةً، اور ہمارے سامنے جو کتاب ہے بلکہ دورۂ حدیث کی تمام کتابیں علم روایت حدیث سے تعلق رکھتی ہیں، اور اسی کی تعریف بیان کرنا اصل اور مقصود ہے۔ مناسب ہے کہ فن حدیث کی تعریف جاننے سے پہلے نفس حدیث کی تعریف جان لی جائے۔

حدیث: حضور اقدس ﷺ کے اقوال، افعال، احوال اور تقریرات کو کہتے ہیں۔

تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کسی امتی نے آپ ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا، اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی نہ اس وقت نہ بعد میں، تو اس کو حضور ﷺ کی تقریر کہا جاتا ہے۔ اور جو چیز اس طرح ثابت ہوگی اس کے بارے میں کہا جائیگا: یہ

❶ اس سے مراد حد منطقی کی نفی ہے، ورنہ تعریف بمعنی تعارف وہ کتاب کا بھی ہوتا ہے۔

چیز حدیث سے ثابت ہے، یعنی آپ ﷺ کی تقریر سے، وجہ اس کی یہ ہے کہ [1] نبی کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ اس کے سامنے کوئی ناجائز کام کیا جائے یا اس کے علم میں آئے، اور وہ اس پر نکیر نہ فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے جس طرح اقوال، وافعال امت کیلئے حجت ہیں، اسی طرح آپ ﷺ کا سکوت بھی حجت ہے، بلکہ یہ کہئے نبی کی ہر چیز حجت ہے، سبحان اللہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کیا شان ہے، ان کی ہر چیز حجت ہے، پس جو چیز حضور ﷺ کی تقریر سے ثابت ہوگی اس کو کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیز حدیث سے ثابت ہے۔

"تقریر" توبالاتفاق بین المحدثین والاصولیین حدیث کی تعریف میں داخل ہے، لانہ حجۃ ایضاً، اور احوال دو قسم کے ہیں: اختیاریہ اور غیر اختیاریہ، جیسے آپ کا حلیہ مبارک، قد، چہرہ وغیرہ، یایوں کہیے خُلقیۃ اور خِلقیۃ، محدثین کی اصطلاح میں دونوں قسمیں حدیث میں داخل ہیں، بلکہ ہر وہ چیز جو آپ ﷺ کی طرف منسوب ہو، حدیث ہے، کل مانسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی الحرکات والسکنات فی الیقظۃ والمنام، اور اصولیین یعنی اصول فقہ والوں کی اصطلاح میں قسم ثانی (یعنی احوال غیر اختیاریہ) حدیث کی تعریف میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ وہ تو اس چیز سے بحث کرتے ہیں جو حجت اور دلیل کے قبیل سے ہو، اور اوصاف خِلقیۃ یعنی احوال غیر اختیاریہ کا تعلق کسی حکم شرعی سے نہیں ہے، لہٰذا وہ حجت بھی نہیں۔

یہ تو تعریف ہوئی نفس حدیث کی، اب ہم علم حدیث کی تعریف بیان کرتے ہیں، اولاً علم الحدیث روایۃً کی، جو یہاں مقصود [2] ہے، اس کے بعد علم الحدیث درایۃً کی۔

تعریف علم حدیث: اسکی ایک مشہور تعریف تو یہ ہے کہ هو علم يعرف به أقوال النبي صلى الله عليه وسلم وأفعاله وأحواله، علامہ کرمانی ؒ وعینی ؒ نے یہی لکھی ہے، علامہ سیوطی ؒ نے اس پر لکھا ہے: هذا غير محرر، یعنی یہ تعریف واضح اور منقح نہیں ہے، ان کا یہ اشکال صحیح ہے، اس لئے کہ یہ تعریف تو سیرت کی ہر کتاب پر صادق آسکتی ہے، خواہ اردو میں ہو یا عربی میں، سند سے ہو یا بلا سند کے، اور خود علامہ سیوطی ؒ نے اس کی ایک دوسری تعریف بیان فرمائی ہے، جس پر کوئی اشکال نہیں ہے، اور میرے نزدیک سب سے بہتر وہی ہے: هو علم يشتمل على نقل أقوال النبي صلى الله عليه وسلم وأفعاله وروايتها وضبطها وتحرير ألفاظها [3]، یعنی علم روایت حدیث وہ فن ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال کو صحت الفاظ اور تحقیق سند

---

[1] اس کی مثال حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام کا قصہ ہے جو مشہور ومعروف ہے، اور قرآن کریم میں مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود معاہدہ کے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام کے کسی فعل پر کچھ نہ فرمائیں گے، بلکہ خاموش رہیں گے، مگر جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی جانب ایسے کاموں کا صدور دیکھا، جو ظاہر شریعت کے خلاف تھے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خاموش نہ رہا گیا اور فوراً نکیر فرمائی۔

[2] حضرت شیخ فرماتے تھے کہ گویہ کتب جو ہمارے سامنے ہیں، روایۃ حدیث کی ہیں، لیکن ہمارے مدارس میں یہ درایۃ ہی پڑھائی جاتی ہیں، گویا ہم لوگوں نے علم روایت حدیث کو علم درایت حدیث بنا رکھا ہے، انتہی بلفظہ

[3] تدریب الراوي في شرح تقريب النواوي - مقدمة السيوطي - فوائد من المقدمة - الفائدة الأولى في حد علم الحديث وما يتبعه ص ٢٥-٢٦

کے ساتھ نقل کیا جائے، غالباً اس تعریف میں احوال کو اختصاراً حذف کر دیا گیا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر جو حدیث کی تعریف میں داخل ہے گو یہاں مذکور نہیں ہے، لیکن آپکی تقریرات افعال میں آسکتی ہیں، اس لئے کہ تقریر کہتے ہیں سکوت اور ترک نکیر کو، اور یہ بھی فعل من الأفعال ہے۔

علم دراية حديث [1] کی تعریف جو نہایت [2] مختصر و جامع ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس طرح فرمائی ہے: مَعْرِفَةُ الْقَوَاعِدِ الْمُعَرِّفَةِ بِحَالِ الرَّاوِي وَالْمَرْوِيِّ [3] یعنی فن درایت حدیث ان قواعد و اصول کا جاننا ہے جن کے ذریعہ رواۃ اور روایات کے احوال پہچانے اور پرکھے جا سکیں۔ اسی تعریف کو علامہ سیوطیؒ نے اپنے ألفية في علم الحديث (ص ۳) میں اس طرح بیان کیا ہے:

عِلْمُ الْحَدِيثِ: ذُو قَوَانِينَ تُحَدّ ... يُدْرَى بِهَا أَحْوَالُ مَتْنٍ وَسَنَدْ

فَذَانِكَ الْمَوْضُوعُ، وَالْمَقْصُودْ ... أَنْ يُعْرَفَ الْمَقْبُولُ وَالْمَرْدُودْ

ان دو اشعار کے اندر علم اصول حدیث کی تعریف، موضوع اور غرض وغایت تینوں چیزیں آگئیں، یعنی علم اصول حدیث ان چند قوانین کا نام ہے جن سے حدیث کی سند اور متن کے احوال معلوم ہوں، اور یہی دو چیزیں یعنی متن اور سند اس علم کا موضوع ہیں، اور غرض اس فن کی یہ ہے کہ مقبول اور مردود روایات کی معرفت حاصل ہو جائے، کہ کونسی حدیث مقبول اور قابل استدلال ہے، اور کونسی حدیث مردود و غیر معتبر ہے۔

موضوع علم حديث: علامہ کرمانیؒ بڑے محدث ہیں اور حافظ ابن حجر و علامہ عینی وغیرہ سب سے مقدم ہیں، انہوں نے شرح بخاری میں علم حدیث کے موضوع کے بارے میں فرمایا ہے: هو ذات رسول الله صلى الله عليه وسلم [4]، یعنی علم حدیث کا موضوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اس پر علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ علامہ کافیجیؒ ہمیشہ تعجب فرماتے تھے کہ انہوں نے ذات رسول کو کیسے علم حدیث کا موضوع قرار دیا، حالانکہ یہ تو علم طب کا موضوع ہے، اس لئے کہ

---

[1] جس کا دوسرا نام علم مصطلح الحدیث اور اصول حدیث بھی ہے، نیز اس کو علوم الحدیث بھی کہا جاتا ہے، صاحب منہل نے لکھا ہے کہ علم دراية حديث اور علم اصول حديث دونوں ایک ہی ہیں، وهو كما قال، كما في مقدمة التهذيب ص ٥ وكذا يفهم من مطالعة الكتب، لا كما يتوهم من مقدمة الاوجز انهما علمان متغائران، فتامل۔

[2] علم درایت حدیث کی ایک مفصل تعریف سیوطیؒ نے یہ بیان کی ہے: هو علم يعرف منه حقيقة الرواية وشروطها وأنواعها وأحكامها وحال الرواة وشروطهم وأصناف المرويات وما يتعلق بها. یعنی وہ علم جس کے ذریعہ روایت حدیث کی حقیقت معلوم ہو کہ روایت کیسے کی جائے اس کے معتبر طرق کیا ہیں، شرائط اور انواع کیا ہیں، نیز ان کے احکام کہ کون سی روایت مقبول ہوتی ہے اور کون سی مردود، اسی طرح رواۃ کے جرح و تعدیل کے اسباب اور طرق اور دیگر اصطلاحات فن معلوم ہوں، روایت کہتے ہیں نقل الحديث بالسند کو۔

[3] تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي - مقدمة السيوطي - فوائد من المقدمة - الفائدة الأولى في حد علم الحديث وما يتبعه ص ٢٦

[4] تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي - مقدمة السيوطي - فوائد من المقدمة - الفائدة الأولى في حد علم الحديث وما يتبعه ص ٢٧

رسول اللہ ﷺ انسان ہیں، اور بدنِ انسان علم طب کا موضوع ہے۔ شراح نے علامہ سیوطیؒ کے اپنے استاذ کے اس اشکال کو نقل کرنے کے بعد خود ان کے خاموش رہنے پر تعجب کیا ہے، کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشکال سیوطی کے نزدیک بھی درست ہے، حالانکہ یہ اشکال غلط ہے اس لئے کہ ذات رسول میں دو چیزیں ہیں: ایک وصف انسانیت، اور ایک وصف رسالت، اور کرمانیؒ کی مراد یہ ہے کہ ذاتِ رسول وصفِ رسالت کے اعتبار سے علم حدیث کا موضوع ہے، نہ کہ وصفِ انسانیت اور بدن کے اعتبار سے، اور ظاہر ہے کہ وصفِ رسالت کو موضوعِ طب سے کیا واسطہ؟ اور انسان وبدن انسان علم طب کا موضوع ہے صحت ومرض کے لحاظ سے، پس یہ دو چیزیں الگ الگ ہوئیں۔

ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی رائے مقدمۂ اوجز میں یہ ہے کہ ذات الرسول ﷺ کو تو مطلق علم حدیث کا موضوع قرار دیا جائے، خواہ وہ علم حدیث کی کوئی سی قسم ہو، اور علم روایت حدیث جس میں ہم بحث کر رہے ہیں، چونکہ خاص ہے مطلق علم سے اس لئے اس کا موضوع بھی خاص ہونا چاہئے، چنانچہ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ علم روایت حدیث کا موضوع الروایات والمرویات من حیث الاتصال والانقطاع ہے یعنی آپ ﷺ کی احادیث سند کے اتصال و انقطاع وغیرہ اوصاف وکیفیات سند کے لحاظ سے۔

علمِ حدیث کی غرض و غایت: غرض کہتے ہیں ما لاجله الفعل کو یعنی جس شئی کو حاصل کرنے کیلئے کوئی کام کیا جائے پھر اس کام پر جو شئی مرتب ہوتی ہے اس کو "غایت" کہا جاتا ہے، پس اگر وہ مرتب ہونے والی شئی آدمی کے منشاء و مقصود کے مطابق ہے تو وہ غرض بھی ہے اور غایت بھی، اور اگر ترتب منشاء کے خلاف ہوا ہے تو اس کو غایت یعنی نتیجہ تو کہا جائے گا لیکن غرض نہیں کہیں گے، لہٰذا غرض خاص اور غایت عام ہوئی، جیسے تاجر حصول نفع کیلئے تجارت کرتا ہے، پھر اس تجارت پر کبھی نفع مرتب ہوتا ہے اور کبھی نقصان، تو اس نقصان کو غایت تو کہیں گے لیکن غرض نہیں کہہ سکتے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ بخاری شریف کے سبق میں اس کی تین غرضیں بیان فرمایا کرتے تھے:

پہلی غرض: ان بشارتوں اور دعاؤں کا مصداق بننا جو حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، مثلاً

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ۔ [1] اور ابوداؤد شریف میں یہی مضمون زید بن ثابتؓ کی حدیث مرفوع میں وارد ہے: اللہ تعالیٰ تروتازہ خوشحال اور سرسبز وشاداب رکھے اس شخص کو جو میری بات سنے اور پھر اس کو محفوظ رکھے، اور دوسروں تک اسکو پہنچائے [2]۔ اس میں دونوں احتمال ہیں کہ جملہ دعائیہ ہو یا جملہ خبریہ۔ آگے

---

[1] جامع الترمذي - كتاب العلم - باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع (٢٦٥٨)، اور مسند الشافعي کے الفاظ یہ ہیں: نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ. (مسند الإمام الشافعي ص ٢٤٠)

[2] سنن أبي داود - كتاب العلم - باب فضل نشر العلم ٣٦٦٠

حضور ﷺ نے دوسروں تک روایت پہنچانے کا فائدہ بیان فرمایا، وہ یہ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے وہ لوگ جن کو روایت پہنچائی جارہی ہے وہ روایت پہنچانے والے سے زیادہ فہیم اور سمجھ دار ہوتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے: فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَىٰ لَهُ مِنْ سَامِعٍ [1] یعنی جن کو روایت پہنچائی جارہی ہے وہ زیادہ محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں حدیث کو بہ نسبت سننے والے کے۔ اس حدیث سے ایک نکتہ معلوم ہوا وہ یہ کہ بعض شاگرد فہم وحفظ وغیرہ اوصاف میں استاذ سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں، جیسا کہ مشاہدہ بھی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کے ذیل میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ ما من رجل يطلب الحديث الا كان على وجهه نضرة، یعنی جو شخص حقیقی معنی میں طالب حدیث ہوتا ہے اس کے چہرے پر رونق اور تروتازگی کے آثار ہوتے ہیں، میں کہتا ہوں: اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اہل جنت کے بارے میں ارشاد ہے: تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ [2] اور اگر کسی طالب حدیث میں یہ صفت نہ پائی جائے تو اس کو اس کی طلب کی کمی پر محمول کیا جائے گا، یا یہ کہ اس کی طلب، طلب صادق نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً [3] یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ قریب مجھ سے وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھتے ہوں۔ ابن حبان کہتے ہیں: اس حدیث میں بیانِ صریح ہے اس بات کا کہ بروز محشر سب سے زیادہ قرب نبوی اصحاب حدیث ہی کو حاصل ہوگا، اسلئے کہ کثرۃ صلوٰۃ کے ساتھ یہی حضرات موصوف ہوتے ہیں، ان ہی حضرات کو صلوٰۃ و سلام پڑھنے اور لکھنے کی سب سے زیادہ نوبت آتی ہے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللَّهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي [4] اے اللہ میرے خلفاء کے ساتھ رحم کا معاملہ فرما، صحابہؓ نے پوچھا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَنْ خُلَفَاؤُكَ؟ اے اللہ کے رسول! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الَّذِينَ يَرْوُونَ أَحَادِيثِي وَيُعَلِّمُونَهَا النَّاسَ یعنی وہ لوگ میرے خلفاء ہیں جو میری احادیث کو روایت کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتے ہیں، اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کو اپنا نائب اور خلیفہ قرار دیا ہے، اور اس کے علاوہ دعائے رحمت فرمارہے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت و سعادت کی بات ہوگی۔ تو خلاصہ یہ کہ یہ دعائیں اور بشارتیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں ان کا مصداق بننے کیلئے ہم علم

---

[1] صحيح ابن حبان - كتاب العلم - باب الزجر عن كتبة المرء السنن مخافة أن يتكل عليها دون الحفظ لها - ذكر البيان بأن هذا الفضل إنما يكون لمن أدى ما وصفنا كما سمعه سواء من غير تغيير ولا تبديل فيه (٦٨)

[2] پہچان لے گا تو ان کے منہ پر تازگی نعمتوں کی (سورۃ المطففين ٢٤)

[3] جامع الترمذي - كتاب الصلاة - أبواب الوتر - باب ما جاء في فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم (٤٨٤) و صحيح ابن حبان - كتاب الرقائق - باب الأدعية - ذكر البيان بأن أقرب الناس في القيامة يكون من النبي صلى الله عليه وسلم من كان أكثر صلاة عليه في الدنيا (٩١١)

[4] فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي رقم الحديث ١٥٤٤ (ج ٢ ص ١٨٨)

حدیث پڑھتے ہیں۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ طالب حدیث کو اپنے فضائل سن کر جو احادیث بالا میں ذکر کئے گئے ہیں مغرور اور اپنے بارے میں زیادہ خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اپنے اندر تواضع کی صفت پیدا کرنی چاہئے۔ دیکھئے! ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ جو اپنے زمانہ کے رأس المحدثین تھے، ساری عمر اشتغال بالحدیث کتب حدیث کی شروح کی تصنیف و تالیف میں گذری، مگر اس کے باوجود مقدمۂ لامع میں مراتب اہل حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: نحن لسنا بمحدثین، یعنی ہم جیسے لوگ فی الواقع محدث نہیں ہیں، محدث کہلانے کے مستحق نہیں ہیں، محض اشتغال بالحدیث کی وجہ عرفاً محدث کہا جاتا ہے، دراصل ہم تو مبتدئین ہیں۔

دوسری غرض: یہ ہے کہ دین اور شریعت کا مدار قرآن پاک پر ہے، اور قرآن پاک میں اصول بیان کئے گئے ہیں، جزئیات کی تفصیل اور تشریح اس میں نہیں ہے، اور حدیث پاک قرآن کریم اور اس کے مجملات کی تشریح ہے، لہٰذا حدیث پاک کے بغیر نہ صحیح معنی میں فہم قرآن حاصل ہو سکتا ہے، اور نہ اس پر صحیح عمل ممکن ہے۔ پس فہم قرآن اور عمل بالقرآن کیلئے ہم حدیث کو پڑھتے ہیں۔

تیسری غرض: جسے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ "چکی[1] کا پاٹ" فرمایا کرتے تھے، ہم سب مسلمانوں کو حضور ﷺ سے محبت ہے اور ہر شخص آپ ﷺ کی محبت کا دعویدار ہے، تو حضور ﷺ ہمارے محبوب ہوئے اور محب کو محبوب کی ہر ادا اور اس کی ہر بات پسند ہوتی ہے، یہ احادیث طیبہ آپ ہی کے الفاظ اور آپ ہی کی باتیں ہیں، پس آپ کی محبت حدیث پاک پڑھنے پڑھانے کو مقتضی ہے، اور محبوب کے کلام سے لطف اندوز ہونا خود ایک مستقل غرض[2] ہے۔ من احب شيئاً اكثر من ذكره مقولہ مشہور ہے۔

چوتھی غرض: ہمارے استاذ محترم مولانا امیر احمد صاحبؒ بیان فرماتے تھے کہ علم حدیث پڑھنے کی غرض معرفة كيفية الاقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم، یعنی نبی کریم ﷺ کا اتباع اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر کیسے چلا جائے، اس کا طریقہ معلوم ہو، اس لئے ہم حدیث پڑھتے ہیں، اور میں کہتا ہوں (یعنی استاذ محترم مولانا عاقل صاحب) کہ یہ غرض صاحب مشکوٰۃ کے کلام[3] سے جو خطبہ مشکوٰۃ میں ہے مستفاد ہوتی ہے، اور اسی مضمون کو صاحب مفتاح السعادۃ نے اس طرح لکھا ہے: التحلی بالآداب

---

[1] یہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کی تشریح تقریر بخاری میں دیکھ لی جائے۔

[2] حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ اگر فرض کرو حدیث پڑھنے پڑھانے میں کچھ بھی فائدہ نہو، کچھ بھی ثواب نہو، اس کے پڑھنے کیلئے یہی ایک غرض کافی ہے کہ حدیث پاک کلام محبوب ہے اور محب کو کلام محبوب میں لذت حاصل ہوتی ہے۔

[3] خطبہ مشکوٰۃ کے الفاظ یہ ہیں: أَمَّا بَعْدُ؛ فَإِنَّ التَّمَسُّكَ بِهَدْيِهِ لَا يَسْتَتِبُّ إِلَّا بِالِاقْتِفَاءِ لِمَا صَدَرَ مِنْ مِشْكَاتِهِ، وَالِاعْتِصَامَ بِحَبْلِ اللهِ لَا يَتِمُّ إِلَّا بِبَيَانِ كَشْفِهِ۔ جملۂ اولیٰ سے مولانا امیر احمد صاحبؒ کی بیان کردہ غرض مستفاد ہو رہی ہے، اور جملۂ ثانیہ سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے کلام میں جو غرض ثانی آئی ہے، وہ پائی جا رہی ہے، فالحمد للہ علی ذلک

النبویۃ والتوقی عما یکرھہ وینھاہ [1]، یعنی حضور ﷺ کے اخلاق واوصاف کے ساتھ اپنے آپ کو آراستہ کرنا، اور جو چیزیں آپ کو ناپسند تھیں، ان سے بچنا۔

پانچویں غرض: وہ ہے جو صاحب منہل نے لکھی ہے: الاحتراز عن الخطأ فی الانتساب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2]، یعنی حضور ﷺ کی طرف کسی چیز کے غلط انتساب ہونے سے محفوظ ہونا، اس لئے کہ یہ بات کہ فلاں بات حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے یا نہیں، اس کو اچھی طرح محدثین ہی سمجھ سکتے ہیں، حدیث وغیر حدیث، کلام رسول وکلام غیر رسول میں امتیاز وہی حضرات کرسکتے ہیں جو فن حدیث سے واقف ہوں۔

چھٹی غرض: علماء نے بیان کیا ہے کہ ہر فن کی ایک تاثیر ہوتی ہے، جیسا کہ منطق کی تاثیر بکواس یعنی قدرت علی الکلام ہے، اسی طرح اگر صحیح معنی میں اخلاص اور محبت کے ساتھ حدیث پاک میں مشغول ہوا جائے تو اس سے طالب حدیث میں شان صحابیت پیدا ہوتی ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی احادیث اور صحبت سے، اور طرز عمل کو دیکھنے ہی سے صحابہ بنے ہیں، اور طالب حدیث بھی ہر وقت آپ ﷺ ہی کے احوال واوصاف کے مطالعہ اور اس کی چھان بین میں لگا رہتا ہے، پھر کیسے ان سے متاثر نہ ہوگا؟ گویا طالب حدیث کو آپ ﷺ کی صحبت حاصل ہے۔

ساتویں غرض: اور غرض مشترک تمام علوم دینیہ کی "الفوز بسعادۃ الدارین" بیان کی جاتی ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ ان بیان کردہ اغراض میں کوئی تضاد وتباین نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب چیزیں حدیث پاک میں مشغول ہونے کے فوائد وثمرات ہیں، جو انسان کی حسب حیثیت وصلاحیت اس کے اندر پیدا ہوتے رہتے ہیں، ایک شئی کے بہت سے فوائد ومنافع ہوسکتے ہیں۔

سمہ: سمہ یعنی فن کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ۔ سو اس فن کا نام علم حدیث ہے۔ اب یہ کہ حدیث کو حدیث کیوں کہتے ہیں؟ حافظ ابن حجرؒ نے دو قول ذکر کئے ہیں:

۱۔ حدیث کے معنی حادث کے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے اعتبار سے قدیم ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن پاک) بھی قدیم ہے، اس کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ کی ذات حادث ہے، اس لئے آپ کا کلام بھی حادث ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ کے کلام کو حدیث (بمعنی حادث) کہا جاتا ہے۔

۲۔ حدیث کہتے ہیں بات اور کلام کو، اور یہ چونکہ حضور ﷺ کی باتیں ہیں، اس لئے اس کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حدیث میں صرف باتیں کہاں ہیں، اس میں تو آپ ﷺ کے احوال وافعال بھی داخل ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے احوال وافعال کو تغلیباً احادیث کہا جاتا ہے۔

---

[1] وغایتہ: التحلي بالآداب النبویۃ، والتخلي عما یکرھہ وینھي عنہ. (مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ في موضوعات العلوم - ج ۲ ص ۱۱۳)

[2] الاحتراز عن الخطأ في نقل ما أضیف إلی النبي صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ وسلم (المنھل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ۱ ص ۳)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے اقوال وافعال واحوال کو حدیث سے تعبیر کرنا خود ساختہ اصطلاح نہیں ہے، بلکہ خود قرآن کریم سے مستنبط ہے، وہ اس طور پر کہ آپ کے ارشادات جن کو حدیث کہا جاتا ہے، وہ سراسر بیانِ دین ہیں، اور سورۂ والضحیٰ میں اسی بیان دین کو تحدیث سے تعبیر کیا ہے: وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ [1] یہاں پر نِعْمَة سے مراد دین ہے جیسا کہ بعض دوسری آیات [2] میں ہے۔ پس حدیث کا تسمیہ حدیث کے ساتھ اسی تحدیث سے ماخوذ ہے، اس کی قدرے مزید وضاحت یہ ہے کہ دراصل وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ مربوط ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ [3] کے ساتھ اور آیت کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے آپ کو انجان اور ناواقف پایا تو ہم نے آپ کو علوم ومعارف عطا کئے، پھر آگے چل کر کہتے ہیں: سو آپ ان علوم ومعارف کو (جو آپ کی احادیث میں موجود ہیں) لوگوں کے سامنے بیان کیجئے، اس بیان کرنے کو آیت شریف میں تحدیث سے تعبیر فرمایا، پس اسی سے یہ لفظ حدیث ماخوذ ہے۔

حدیث کے قریب المعنی چند الفاظ اور ان کا باہمی فرق: جاننا چاہئے کہ یہاں پر چند اصطلاحی الفاظ اور ہیں: حدیث، خبر، اثر اور سنت۔ یہ الفاظ آپس میں مترادف ہیں یا مختلف؟ جس کو محدثین بھی لکھتے ہیں اور اصولیین بھی، جیسا کہ آپ نور الأنوار اور شرح نخبة وغیرہ میں پڑھ چکے ہیں:

جمہور محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیث اور خبر دونوں مترادف ہیں۔ پھر حدیث کی تعریف میں اختلاف ہے، بعضوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واحوال ہی کے ساتھ مخصوص رکھا ہے، اور بعض نے صحابہ کے اقوال کو بھی حدیث کی تعریف میں داخل مانا ہے، اور بعض نے تابعین کے اقوال کو بھی شامل کیا ہے۔ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیث اور خبر میں تباین ہے۔

"حدیث" ماجاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور "خبر" ماجاء عن غیرہ، اور بعض نے حدیث کو خاص یعنی، ماجاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خبر کو عام یعنی ماجاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعن غیرہ کہا ہے۔

اب رہا فرق درمیان سنت وحدیث کے، سو بعض نے تو ان کو ایک دوسرے کے مرادف کہا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ حدیث کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف اقوال پر ہوتا ہے، اور سنت عام ہے، اس کا اطلاق آپ کے اقوال وافعال اور احوال سب پر ہوتا ہے۔ اور اثر کا اطلاق تو محدثین کے یہاں حدیث مرفوع وموقوف دونوں پر ہوتا ہے، چنانچہ امام طحاویؒ

---

[1] اور جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر (سورۃ الضحی ۱۱)

[2] چنانچہ ارشاد ہے وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ الآیۃ (سورۃ البقرۃ ۲۳۱) اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي الآیۃ (سورۃ المائدۃ ۳) ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دین کو نعمت سے تعبیر کیا ہے۔

[3] اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی (سورۃ الضحی ۷) اور فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ، أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ سے مربوط ہے، وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ، وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ سے مربوط ہے، گویا لف ونشر غیر مرتب ہے۔ ۱۲

نے اپنی کتاب کا نام شرح معانی الآثار رکھا اور اس میں وہ روایات مرفوعہ وموقوفہ سب ہی لائے ہیں۔ اور بعض علماء نے اثر کو خاص قرار دیا ہے، موقوف کے ساتھ، مرفوع پر اس کا اطلاق نہیں کرتے ہیں۔

مدون اول (اور تدوین حدیث): تدوین حدیث کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وکبار تابعین کے یہاں تو تدوین اور ترتیب کا سلسلہ نہیں تھا، ان کے یہاں تو علوم نبویہ سینوں میں محفوظ تھے، تصنیف وتالیف کا ان کے یہاں دستور نہیں تھا، اس لئے کہ عربوں کے حافظے بڑے قوی ہوتے تھے، ان کو لکھنے کی ضرورت کیا تھی؟ غرضیکہ اس وقت عام طور سے احادیث صحابہ کرام وتابعین کے سینوں میں محفوظ تھیں، صحابہ کرام اور تابعین جب دنیا سے رخصت ہونے لگے اور قریب تھا کہ دنیا صحابہ کے متبرک نفوس سے خالی ہو جائے، اسلئے کہ حضور ﷺ کے وصال کو تقریباً سو برس ہو رہے تھے، ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس اندیشہ سے کہ ایسا نہ ہو کہ ان متبرک ہستیوں کے اٹھنے کے ساتھ یہ علوم بھی جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں، انکے ساتھ قبروں میں چلے جائیں، اس لئے انہوں سنہ ۹۹ھ میں اپنے زیر اثر ممالک کے علماء وحفاظ حدیث کے نام فرامین روانہ فرمائے کہ حضور اقدس ﷺ کی احادیث کو جمع کیا جائے، چنانچہ حافظ ابو نعیم اصفہانی، تاریخ اصفہان میں لکھتے ہیں: كتب عمر بن عبد العزيز إلى الآفاق انظروا حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاجمعوه [1] اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خاص طور سے قاضی ابو بکر بن حزمؒ کو، جو آپ کی طرف سے مدینہ منورہ کے قاضی اور امیر تھے، یہ فرمان لکھا، جیسا کہ مؤطا محمد میں امام محمدؒ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے، اور امام بخاریؒ نے صحیح بخاری باب كيف يقبض العلم کے ذیل میں تعلیقاً ذکر فرمایا ہے: كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ: انْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ [2] یعنی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ابو بکر بن حزمؒ کے نام فرمان بھیجا کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کو تلاش کرو، ان کو لکھ کر میرے پاس بھیجو اس لئے کہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے، چنانچہ خلیفہ عادل عمر بن عبد العزیزؒ کی تحریک پر اس وقت کے حضرات محدثین نے احادیث کو جمع کیا، ابتداء جن حضرات نے احادیث کو جمع کیا، ان میں دو نام زیادہ مشہور اور منقول ہیں، ایک ابن شہاب الزہریؒ (جن کا پورا نام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہریؒ) ہے، دوسرے ابو بکر بن حزمؒ (ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم)۔ چونکہ یہ دونوں حضرات معاصر وہم زمانہ ہیں، ابن شہاب زہری کی وفات ۱۲۵ھ میں ہے اور ابو بکر بن حزم کی وفات ۱۲۰ھ میں ہے اس لئے یقین کے ساتھ یہ تعیین نہیں کی جاسکتی کہ اول مدون ان دو میں سے کون ہے؟ اکثر حضرات کا میلان ابن شہاب الزہریؒ کی طرف ہے، یہی امام مالکؒ، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ کی رائے ہے، اور امام بخاریؒ کا

---

[1] تاريخ أصبهان ج ۱ ص ۳۱۲ (دار الكتاب الإسلامي)

[2] صحيح البخاري - كتاب العلم - باب كيف يقبض العلم (تعليقا)

میلان بظاہر ابوبکر بن حزمؒ کی جانب ہے، اس لئے کہ حضرت امام بخاریؒ نے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، ان ہی کے نام کی تصریح فرمائی ہے۔

جمہور کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن عبد البرؒ نے التمہید میں امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ وفات پاچکے تھے قبل اسکے کہ قاضی ابوبکر بن حزم اپنی جمع کردہ احادیث انکی خدمت میں بھیجیں، اور مزید برآں ابن عبد البرؒ نے جامع بیان العلم وفضلہ میں لکھا ہے کہ امام زہریؒ نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ہمیں جمع سنن کا حکم فرمایا، فَكَتَبْنَاهَا دَفْتَرًا دَفْتَرًا [1]، تو ہم نے احادیث کے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور ان کو خلیفۂ راشد کی خدمت میں بھیج دیا، انہوں نے ان کو اپنے ماتحت ملکوں میں بھیج دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن شہاب الزہریؒ نے احادیث، ابن حزم سے پہلے لکھ دی تھیں، لہٰذا اولیت کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔

اس سلسلہ میں ایک تیسرا نام شعبی کا لیا جاتا ہے جن کا نام عامر بن شراحیل ہے [2]، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے نقل کیا ہے کہ أما جمع حديث إلى مثله في باب واحد فقد سبق إليه الشعبي [3] یعنی صرف ایک مضمون کی احادیث کو جمع کرنے کا کام سب سے پہلے شعبی نے کیا ہے، اور انہوں نے طلاق سے متعلقہ احادیث کو جمع کیا، اور لکھا هذا باب من الطلاق جسیم یعنی احادیث متعلقہ بالطلاق کا یہ ایک بہت بڑا باب ہے اور قرین قیاس بھی یہی قول معلوم ہوتا ہے کہ شعبی کو مدون اول قرار دیا جائے تقدم زمانی کی وجہ سے، اسلئے کہ شعبی کی ولادت ۱۷ھ اور زہری کی ولادت ۵۰ھ ہے لیکن اس کے باوجود مدونین میں ان کا نام مشہور نہیں ہوا، وجہ یہ ہے کہ ان کی تدوین کا تعلق ایک خاص مضمون کی احادیث سے تھا، یعنی جن کا تعلق طلاق سے ہو، ہر نوع کی روایات کو انہوں نے جمع نہیں فرمایا۔

بس اس کا خلاصہ اور تحقیق واللہ اعلم یہ ہے کہ صرف ایک نوع اور ایک مضمون کی احادیث کو جمع کرنے کا کام سب سے پہلے عامر بن شراحیل شعبی کا کارنامہ ہے اور مطلقاً جمع حدیث کے سلسلہ میں دو قول ہیں، عند الاکثر الزهري وعند البعض ابوبکر بن حزم، ويظهر اليه ميل البخاريؒ۔

فائدہ: مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ تدوین حدیث کا یہ اہم ترین کام حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی تحریک پر ہوا جو یقیناً ایک تجدیدی کارنامہ ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: [4] حق تعالیٰ شانہ اس امت میں ہر سو سال پر ایک ایسی شخصیت یا جماعت کو پیدا فرمائیں گے جو احیاء دین کے سلسلہ میں ایک نمایاں خدمت انجام دے گی، چنانچہ علماء نے خلیفۂ عادل عمر

---

[1] جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر - ج ١ ص ١٥٥

[2] أبو عمرو عامر بن شراحيل الشعبي، الحميري، الكوفي متوفى ١٠٩-١٠٢ھ

[3] تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي- أنواع الحديث- النوع الأول الصحيح- أول مصنف في الصحيح المجرد صحيح البخاري ص ٩٤

[4] من حديث أبي هريرة مرفوعًا: إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا. أخرجه أبو داود في كتاب الملاحم باب ما يذكر في قرن المائة ٤٢٩٣ وكذا الطبراني في المعجم الأوسط ٦٥٢٧ والحاكم في المستدرك ٨٥٩٢

بن عبد العزیزؒ کو پہلی صدی کا مجدد قرار دیا ہے، اور علامہ سیوطیؒ نے اس پر علماء کا اتفاق لکھا ہے، سو یہ احادیث شریفہ کا جو مبارک ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے، موصوف ہی کی حسن تدبیر اور سعی مشکور کا نتیجہ ہے [1]۔ تقبل الله مساعیه، وجزاه الله عنا وعن جميع المسلمين خيراً۔

ویسے علماء نے ہر زمانہ میں ہر صدی کے مجدد کی اپنی اپنی تحقیق اور معلومات کے مطابق تعیین فرمائی ہے اور اس پر کتابیں لکھی گئی ہیں، بہت سے ارباب علم واصحاب بصیرت کی رائے یہ ہے کہ حضرت مولانا الیاسؒ نور اللہ مرقدہٗ کی دعوت و تبلیغ کی یہ مبارک تحریک چودہویں صدی ہجری کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے۔

طبقات المدونین: اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تدوین حدیث کے مختلف دور ہیں، پہلا دور تو وہ ہے جو اوپر گذرا جس کو تدوین علی الاطلاق کہا جائے گا، یعنی کیف ما اتفق ہر نوع کی روایات و احادیث کو بلا کسی خاص ترتیب اور مضمون کی رعایت کے یکجا کتابی شکل میں جمع کرنا، دوسرا دور تدوین علی الابواب کا ہے، یعنی احادیث کے مخلوط ذخیروں میں سے ہر مضمون کی حدیثیں الگ الگ چھانٹ کر الگ الگ ابواب میں ترتیب دی جائیں، اس کے بعد پھر تیسرا دور آتا ہے تدوین علی الصحاح کا، جس میں حضرات محدثین نے یہ اہتمام کیا کہ موجودہ ذخیروں میں سے احادیث صحیحہ کو سقیمہ سے ممتاز کیا جائے، اور صرف صحیح احادیث کا الگ انتخاب کیا جائے، سب سے پہلا دور پہلی صدی کے اختتام پر پایا گیا، دوسرا دور دوسری صدی کے وسط میں پایا گیا، اور تیسرا دور تیسری صدی کے اوائل میں پایا گیا۔

پہلے دور کے حضرات کی تعیین تفصیل کے ساتھ اوپر گذر چکی، اور دوسرے دور کے حضرات میں یہ نام زیادہ مشہور ہیں: ابن جریجؒ، ان کا نام عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج ہے۔ ہشیم بن بشیر الواسطیؒ، معمر بن راشد الیمنیؒ، امام مالکؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ وغیرہ۔ اور تیسرے دور کے حضرات میں سب سے پہلے نام نامی اسم گرامی حضرت امام بخاریؒ کا ہے اور اس کے بعد امام مسلم کا۔ ان تینوں ادوار (طبقات ثلثہ) کا ذکر علامہ سیوطیؒ نے اپنے ألفية [2] میں اس طرح فرمایا ہے:

أَوَّلُ جَامِعِ الْحَدِيثِ وَالْأَثَرْ	اِبْنُ شِهَابٍ آمِرًا لَهُ عُمَرْ
وَأَوَّلُ الْجَامِعِ لِلْأَبْوَابِ	جَمَاعَةٌ فِي الْعَصْرِ ذُو اقْتِرَابِ
كَابْنِ جُرَيْجٍ وَهُشَيْمٍ مَالِكِ	وَمَعْمَرٍ وَوَلَدِ الْمُبَارَكِ

[1] انکی سوانح وسیرت پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، منجملہ انکے ایک کتاب وہ ہے جس کو حضرت امام مالکؒ کے بلا واسطہ شاگرد رشید ابو محمد عبد اللہ بن عبد الحکم المالکی المصری المتوفی ۲۱۴ھ نے تالیف فرمایا ہے، جس میں موصوف کے زہد، قناعت، تقویٰ وطہارت، خوف وخشیت اور زمانہ خلافت میں عدل و انصاف اور تواضع کے قصے بہت اچھے انداز میں جمع کئے ہیں، جس کا اردو میں ترجمہ ابھی قریب میں مکتبہ خلیلیہ سے شائع ہوا ہے، کتاب کے مترجم مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

[2] ألفية بھی ایک نوع ہے تصنیف کی کہ ایک ہزار اشعار میں کسی بھی فن کی ایک کتاب لکھی جائے، اصول حدیث میں ألفية سیوطی اور ألفية عراقی مشہور ہیں۔

وَأَوَّلُ الجَامِعِ بِاقْتِصَارِ عَلَى الصَّحِيحِ فَقَطْ البُخَارِي [1]

یعنی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حکم سے حدیث کو جمع کرنے والی سب سے پہلی ہستی ابن شہاب الزہری کی ہے۔ اور خاص ابواب کی ترتیب پر سب سے پہلے احادیث کو جمع کرنے والے حضرات کی ایک جماعت ہے جو تقریباً ہم زمانہ ہیں، جیسے ابن جریجؒ، ہشیمؒ، امام مالکؒ معمر بن راشد الیمنیؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ۔ اور صرف صحیح احادیث کو جمع کرنے والوں کے پیش رو حضرت امام بخاریؒ ہیں۔

ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے مقدمۂ اوجز میں لکھا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے طبقات مدونین چار معلوم ہوتے ہیں، انہوں نے آخری طبقہ سے پہلے ایک طبقہ کا اضافہ کیا ہے، یعنی تدوین علی المسانید، "مسند" انواع کتب حدیث میں سے ایک خاص قسم کا نام ہے، جس میں احادیث صحابہ کے اسماء کی ترتیب پر ذکر کی جاتی ہیں، مضمون کا لحاظ اس میں نہیں ہوتا، اس طبقہ میں حافظ نے دو شخصوں کا نام پیش کیا ہے، عبید اللہ بن موسیٰ العبسی اور نعیم بن حماد الخزاعی اور پھر اس کے بعد تو سلسلہ قائم ہو گیا، اور بہت سی مسانید لکھی گئیں، مسندِ ابوداؤد الطیالسی، مسند حمیدی، مسند ابویعلی اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی مسند تو بہت ہی مشہور ہے، اور میرے خیال میں وہ اس وقت موجودہ کتب حدیث میں سب سے ضخیم اور بڑی ہے، سنا ہے کہ ان میں تیس ہزار حدیثوں کا ذخیرہ ہے، اور بہت بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ باوجود اس کثرتِ تعداد روایات کے اس کی روایات قوی ہیں چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ نے اس کتاب کو طبقات کتبِ حدیث میں سے دوسرے طبقہ میں شمار فرمایا ہے، یعنی سنن ثلاثہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) کے درجہ میں لیا ہے۔

کتابت حدیث: اس پانچویں نمبر کا (جو مدونِ حدیث کی بحث ہے) ایک تکملہ باقی ہے یعنی کتابتِ حدیث، اور حاصل اس کا یہ ہے جیسا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ درس بخاری میں فرماتے تھے کہ فرقۂ ضالہ یعنی منکرین حدیث نے یہاں پر یہ اشکال کیا کہ تدوین حدیث کا سلسلہ جیسا کہ مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے حضور ﷺ کے وصال سے تقریباً سو سال بعد شروع ہوا، جو کلام متکلم کے انتقال کے سو سال بعد لکھا اور مرتب کیا گیا ہو، وہ کیونکر قابل قبول ہو سکتا ہے؟ اس طویل مدت میں بہت کچھ سہو ونسیان کا قوی امکان ہے، اسلئے کہ موجودہ کتبِ حدیث میں سب سے قدیم مجموعہ موطأ مالک ہے، اور اس کا وجود دنیا میں بقول ابو طالب مکی کے حضور ﷺ کے وصال سے تقریباً ایک سو دس سال یا ایک سو بیس سال بعد ہے، کیونکہ موطأ ۱۲۰ھ یا ۱۳۰ھ میں تیار ہوئی، منکرین حدیث کے اس نوع کے اشکالات و تفوہات کے ہمارے علماء نے جوابات دیئے ہیں، مستقل کتابیں [2] چھپی ہیں، ہمیں یہاں یہ کہنا ہے کہ منکرین کی جانب سے یہ سراسر مغالطہ ہے، وہ

---

[1] ألفية السيوطي في علم الحديث ص ٧

[2] حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی تصنیف "نصرة الحديث" کے نام سے اسی موضوع پر اردو میں ایک عمدہ اور مستند کتاب ہے، اور "السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي" عربی میں مصطفی حسنی السباعی کی (اسکا اردو ترجمہ بھی دو جلدوں میں مطبوعہ ہے)۔

کتابت حدیث اور تدوین حدیث میں فرق نہیں کر رہے ہیں، حالانکہ دونوں میں فرق ظاہر ہے، وہ یہ کہ تدوین حدیث جس کا بیان ابھی ہوا وہ اور ہے، اور نفس کتابتِ حدیث اور چیز ہے، تدوین سے مراد باقاعدہ کتابی شکل میں یکجا جمع کرنا ہے، یہ بے شک حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں اور حضور ﷺ کے وصال کے تقریباً ایک سو سال بعد شروع ہوا، لیکن نفس کتابت حدیث کا سلسلہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی سے شروع ہو چکا تھا، بہت سی احادیثِ صحیحہ اس پر دال ہیں، اور اکثر مصنفین صحاح ستہ نے کتابۃ العلم کے عنوان سے مستقل ابواب قائم فرمائے ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں باب كِتَابَةِ الْعِلْمِ کے ذیل میں تین احادیث ذکر فرمائی ہیں:

۱۔ سب سے پہلے حضرت ابو جحیفہؓ کی روایت نقل کی ہے، جو شاگرد ہیں حضرت علیؓ کے انہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ (جس میں احادیث نبویہ یا بعض خصوصی احکام اہل بیت سے متعلق لکھے ہوئے ہوں) اس پر حضرت علیؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا: لَا، إِلَّا كِتَابُ اللهِ، أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ [1]. یعنی میرے پاس کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں ہے سوائے کتاب اللہ کے کہ وہ لکھی ہوئی موجود ہے، یا ہمارے پاس وہ فہم اور سمجھ ہے جو ایک مسلمان شخص کو عطا کی گئی ہو، یا وہ امور ہیں جو اس صحیفہ میں درج ہیں، حضرت ابو جحیفہؓ نے پوچھا: فَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ اس صحیفہ میں کیا باتیں ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا الْعَقْلُ وَفَكَاكُ الْأَسِيرِ، وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ یعنی بعض دیات و قصاص اور قیدیوں سے متعلق احکام ہیں، اور نسائی کی روایت میں ہے فَأَخْرَجَ كِتَابًا مِنْ قِرَابِ سَيْفِهِ [2] یعنی حضرت علیؓ نے اپنی تلوار کی میان سے ایک نوشتہ نکال کر دکھایا۔

ابو جحیفہؓ کے اس سوال کا منشا یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے بارے میں بہت سے لوگ یہ کہتے تھے کہ ان کے پاس مخصوص علوم ہیں، اور حضور ﷺ نے ان کو کچھ خاص وصیتیں فرمائی ہیں، جیسا کہ روافض کہتے ہیں، حضرت علیؓ نے اپنے جواب میں اس کی پوری پوری تردید فرما دی۔

۲۔ مذکورہ بالا باب کی دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ فتح مکہ والے سال مکہ میں ایک رجل خزاعی نے رجل لیثی کو قتل کر دیا تھا تو اس موقع پر حضور اقدس ﷺ نے حرم محترم کی حرمت اور تعظیم کے بارے میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا، اس وقت ایک یمنی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ خطبہ مجھ کو لکھ دیجئے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: أُكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ کہ یہ خطبہ ان کو لکھ کر دیا جائے [3]۔

۳۔ تیسری حدیث بھی ابو ہریرہؓ ہی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدٌ أَكْثَرَ

---

[1] صحيح البخاري - كتاب العلم - باب كتابة العلم ۱۱۱

[2] سنن النسائي - كتاب القسامة - باب القود بين الأحرار والمماليك في النفس ٤٧٣٤

[3] صحيح البخاري - كتاب العلم - باب كتابة العلم ۱۱۲

حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ[1] یعنی صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ احادیث روایت کرنے والا نہیں ہے، بجز حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اسلئے کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ بخاری کی روایت میں تو صرف اتنا ہی ہے، اور سنن ابو داؤد کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ خود فرماتے ہیں: میں حضور اقدس ﷺ کی ہر بات کو لکھا کرتا تھا، تو مجھ کو بعض قریش نے اس سے منع کیا کہ حضور ﷺ بعض مرتبہ غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، اور بعض مرتبہ فرطِ خوشی میں ہوتے ہیں، غرضیکہ ہر حالت کی بات قابلِ نقل نہیں ہوا کرتی، اس پر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسکا ذکر جناب رسول اللہ ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے سن کر ارشاد فرمایا کہ نہیں، ضرور لکھ لیا کرو، خواہ غضب کی حالت ہو خواہ رضا کی، فَإِنِّي لَا أَقُولُ فِيهِمَا إِلَّا حَقًّا کہ میری زبان سے ہر حال میں حق بات ہی نکلتی ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنے اس مجموعے کا نام الصحیفة الصادقة رکھا تھا، اور وہ فرمایا کرتے تھے: مَا يُرَغِّبُنِي فِي الْحَيَاةِ إِلَّا الصَّادِقَةُ وَالْوَهْطُ مجھے دنیا میں رہنے کی رغبت صرف دو چیزوں کی وجہ سے ہے، ایک تو یہی صحیفہ صادقہ، دوسرے اپنی ایک زمین کا نام لیا، جس میں وہ کھیتی وغیرہ کرتے ہوں گے، جس کو وہط کہا جاتا تھا، جسکا ذکر نسائی شریف کی ایک روایت میں بھی آیا ہے، یہ صحیفہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبد اللہ کو ملا تھا، اور شعیب سے ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں، چنانچہ حدیث کی کتابوں میں جتنی حدیثیں اس سلسلہ سے منقول ہیں یعنی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده، وہ سب الصحیفة الصادقة ہی سے لی گئی ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: لیکن بخاری کی اس حدیث پر دو اشکال ہوتے ہیں، پہلا اشکال یہ کہ اس حدیث کا مقتضی تو یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی مرویات حضرت ابو ہریرہؓ کی مرویات سے زائد ہونی چاہئیں، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ابو ہریرہؓ اصحاب الالوف میں سے ہیں:

کن حدیث بوہریرہ را شمار پنج الف وسہ صد وہفتادہ چہار

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں، اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اصحاب مئین میں سے ہیں، ان سے صرف سات سو کے قریب حدیثیں مروی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری[2] میں اس اشکال کے متعدد جوابات دیئے ہیں:

یہ استثناء منقطع ہے اور اس صورت میں اشکال سرے سے ہی ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کلام کا مطلب یہ ہوگا

---

[1] صحیح البخاري - كتاب العلم - باب كتابة العلم ۱۱۳

[2] فتح الباري شرح صحيح البخاري — ج ۱ ص ۲۰۷

کہ صحابہ میں سے مجھ سے زیادہ کسی کے پاس حدیثیں نہیں ہیں، گو یہ بات ضرور ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص کتابت حدیث کرتے تھے اور میں نہ کرتا تھا، سو اس میں امکان ہے اس بات کا کہ ان کی احادیث مجھ سے زائد ہو جائیں (جس کو میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا) ہاں! عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کے مقابلہ میں وہ بالجزم یہ بات کہہ رہے ہیں کہ میری احادیث ان سے زائد ہیں۔

اور اگر استثناء متصل مانتے ہیں تو پھر اس صورت میں بے شک ابو ہریرہؓ کے کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی احادیث میری احادیث سے زائد ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ کتب حدیث میں ان کی روایات ابو ہریرہؓ کی روایات سے بہت کم ہیں، جیسا کہ پہلے گذر گیا، سو اس کا سبب کیا ہے؟ ان کی روایات کہاں چلی گئیں؟ علماء نے عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی قلتِ احادیث کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں۔

أ. ایک سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کا اشتغال بالعبادۃ تعلیمی اشتغال سے زائد تھا، اس لئے ان کی روایات میں قلت ہوئی۔

ب. دوسرا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی فتوحات کے بعد ان کا زیادہ تر قیام مصر یا طائف میں رہا ہے، اور ان دونوں جگہوں کی طرف علماء کی رحلت علمیہ اتنی نہیں تھی جتنی مدینہ منورہ کی طرف تھی، اور ابو ہریرہؓ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا، وہاں طالبین علم حدیث حاصل کرنے کیلئے کثرت سے جاتے تھے، اور خود ابو ہریرہؓ وہاں پر تحدیث روایات میں منہمک تھے اور آخر عمر تک رہے، اس لئے ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والوں کی تعداد دنیا میں بہت ہوئی اور ان کی روایات عالم میں خوب نشر ہوئیں، چنانچہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والے اور ان کے شاگرد آٹھ سو تابعین ہیں، یہ بات کسی اور صحابی کو حاصل نہیں ہوئی۔

ج. اور ایک سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابو ہریرہؓ کے حق میں آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ وہ کسی روایت کو نہ بھولیں، اسلئے ان کی روایات عبد اللہ بن عمروؓ کی روایات سے بھی زائد ہو گئیں۔

د. اور ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کو شام کی فتوحات میں بہت سی کتابیں اور صحائف اہل کتاب کے صحائف میں سے دستیاب ہوئے تھے جن کا وہ مطالعہ کرتے تھے اور ان سے مضامین نقل بھی کیا کرتے تھے، تو ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے بہت سے تابعین نے ان سے حدیث لینی چھوڑ دی تھی۔

یہ تمام جوابات حافظ نے فتح الباری میں ذکر کئے ہیں، جن صحائف کا ذکر حافظ کے کلام میں آیا ہے ان کی طرف اشارہ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر ● میں کیا ہے، خاص طور سے صحیفۃ یرموکیۃ کا ذکر جو حضرت عبد اللہ کو یرموک سے

● ذکرہ لی الشیخ محمد یونس الجونفوری۔

حاصل ہوا تھا، اس کا ذکر ان کی تفسیر میں کئی جگہ ہے۔ نیز أبو داؤد شریف باب أمارات الساعة میں ہے: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَكَانَ يَقْرَأُ الْكُتُبَ کہ عبد اللہ بن عمروؓ کتب سماویہ توراۃ وانجیل کا مطالعہ کیا کرتے تھے [1]۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ بخاری شریف کی اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ احادیث لکھتے نہ تھے، اور مستدرک حاکم وغیرہ کتب کی روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھتے تھے، اس لئے کہ حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں ایک روز ابو ہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث پڑھی گئی تو حسن کہتے ہیں اس پر ابو ہریرہؓ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور وہاں جا کر بہت سی حدیث کی کتابیں اور مجموعے انہوں نے ہم کو دکھائے اور فرمایا کہ دیکھئے یہ حدیث میرے پاس لکھی ہوئی موجود ہے۔

اس تعارض کا ابن عبد البرؒ نے یہ جواب دیا کہ حدیث ھمام (بخاری کی حدیث جس کے راوی ہمام ہیں) أصح ہے، اور وہ دوسری روایت ضعیف ہے۔ دوسرا جواب انہوں نے یہ دیا کہ دونوں روایتوں کے درمیان جمع بھی ممکن ہے، بایں طور کہ یوں کہا جائے کہ ابو ہریرہؓ عہد نبوی میں نہ لکھتے تھے، بعد میں لکھنے لگے تھے، اس پر حافظ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ قوی جواب یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ کے پاس حدیث کے مکتوب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ان یکون بخطه کہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہوں، سو جب بخاری کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ وہ نہ لکھتے تھے، لہٰذا یہ بات متعین سی ہے کہ وہ حدیث ان کے پاس دوسرے کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی [2]۔

اسی طرح دیگر صحابہ کرام کے مکتوبات اور نوشتے ملتے ہیں، چنانچہ مکتوب سمرہ اپنے صاحبزادوں کے نام مشہور ہے، مسند بزار میں جس کی ایک سو روایات ہیں اور امام ابو داود نے بھی اپنی سنن میں اس مکتوب سمرہ سے چھ روایات مختلف مضامین کی متفرق ابواب میں ذکر فرمائی ہیں جو سب کی سب ایک ہی سند سے مروی ہیں، اور ہر حدیث کے شروع میں أما بعد [3] مذکور ہے۔ ایسے ہی ہمام بن منبہ کا صحیفہ عن ابی ہریرہؓ معروف ومشہور ہے جو کچھ روز ہوئے حیدر آباد میں طبع ہو چکا ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن أبو داؤد - كتاب الملاحم - باب أمارات الساعة ٤٣١٠

[2] فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ١ ص ٢٠٧

[3] سوال ہوتا ہے کہ ہر حدیث کے شروع میں اما بعد کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ دراصل صورت حال یہ ہے کہ مکتوب سمرہ احادیث کا ایک جزء یعنی رسالہ ہے، اس رسالہ کی جملہ احادیث ایک ہی سند سے مروی ہیں گویا تمام احادیث سند میں مشترک ہیں اس لئے مرتب کتاب یعنی حضرت سمرہؓ نے یہ کیا کہ رسالہ کے شروع میں وہ سند لکھدی، جس سے وہ سب احادیث مروی ہیں، اس کے بعد رسالہ میں مسلسل متون احادیث کو ذکر فرمایا، اور چونکہ یہ رسالہ انہوں نے اپنے صاحبزادوں کیلئے لکھا تھا، یعنی یہ احادیث اس رسالہ میں ان کیلئے جمع کی تھیں، تو جس طرح مواعظ وغیرہ کے شروع میں خطبہ کے بعد لفظ اما بعد ہوتا ہے، اسی طرح اس رسالہ کے شروع میں بھی ہے، اب بعد میں آنے والا ہر مصنف جب اس رسالہ میں سے کوئی حدیث لیتا ہے اول سے یا آخر سے یا درمیان سے، تو اس حدیث کے شروع میں وہ سند لگا دیتا ہے جو اس رسالہ کے شروع میں مذکور ہے، امام ابو داودؒ نے اس رسالہ سے مختلف قسم کی چھ احادیث اپنی پوری کتاب میں ذکر فرمائی ہیں، سب کے شروع میں وہ سند جوڑ دی جو رسالہ کے شروع میں ہے، اس لئے ان سب چھ حدیثوں کی سند کے ساتھ اما بعد پایا جا رہا ہے۔

کے دعوت نامے اور خطوط اور بعض احکام صدقات و فرائض وغیرہ جو قلمبند کرا کر آپ نے اپنے عمال کو عطا فرمائے، چنانچہ کتاب الصدقات جو آپ نے عمرو بن حزم کو لکھوا کر عطا فرمائی جب کہ وہ نجران کے عامل بنا کر بھیجے جا رہے تھے، مشہور و معروف ہے۔

لیکن باقاعدہ کثرت سے اہتمام کے ساتھ کتابت حدیث حضور ﷺ کے زمانہ میں جمہور صحابہ نے نہیں کی، جس کی متعدد وجوہ ہیں:

أ. اول یہ کہ کتابت خود مقصود بالذات نہیں، بلکہ یہ تو صرف حفاظت کا ایک ذریعہ ہے، اگر کسی کا حافظہ نہایت قوی ہو تو اسے کتابت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، اور عربوں کے حافظے بڑے قوی ہوتے تھے، بڑے بڑے قصیدے وہ نہایت سہولت سے ازبر کر لیتے تھے۔

ب. دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر ان میں سے کتابت سے واقف ہی نہیں تھے، کم لوگ کتابت جانتے تھے۔

ج. اسکے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض روایات سے کتابت حدیث کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً مروی ہے: لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ[1]، اسی بناء پر صحابہ میں کتابت حدیث کے بارے میں اختلاف ہو گیا تھا، بعض جائز اور بعض ناجائز سمجھتے تھے، ان وجوہ سے صحابہ کرام نے کثرت سے روایات کو نہیں لکھا۔

مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ کتابت حدیث کے بارے میں روایات میں تعارض ہو گیا، بعض سے جواز بلکہ امر اور بعض سے منع ثابت ہو رہا ہے، اس کے کئی جواب ہیں:

أ. مسلم شریف کی روایت میں محدثین کو کلام ہے، امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ حدیث مسلم کا رفع ثابت نہیں بلکہ وہ موقوف ہے صحابی پر۔

ب. دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت عارضی اور وقتی تھی تاکہ قرآن کے ساتھ حدیث کا التباس نہ ہو جائے۔

ج. تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے منع فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یکجا دونوں کو نہ لکھا جائے۔ اور اگر ایسا لکھا ہو تو اسکو مٹا دو۔

د. اور کہا گیا ہے کہ نہی مقدم ہے اور اذن کی روایات بعد کی ہیں جو اس کیلئے ناسخ ہیں۔

بہر حال اسلاف میں تو کتابت حدیث کے جواز و عدم جواز میں اختلاف رہا، لیکن بعد میں خلیفہ عادل عمر بن عبد العزیزؒ کے دور خلافت میں جواز کتابت بلکہ استحباب کتابت پر سب کا اجماع ہو گیا تھا، کما قال الحافظ، بلکہ حافظ نے مزید لکھا ہے کہ یہ بھی کہہ

---

[1] صحیح مسلم - کتاب الزهد والرقائق - باب التثبت في الحديث وحكم كتابة العلم ۳۰۰۴

سکتے ہیں کہ جس شخص پر تبلیغ علم واجب ہو اور حال یہ کہ اس کو اپنے نسیان کا اندیشہ ہو تو اس کے حق میں کتابت حدیث واجب ہے۔

نسبت[1]: جاننا چاہئے کہ علوم کی اجناس مقرر ہیں، اولاً علم کی دو قسمیں ہیں: ① عقلیہ ② نقلیہ۔ پھر نقلیہ کی دو قسمیں ہیں ①: شرعیہ ② غیر شرعیہ، پھر شرعیہ کی دو قسمیں ہیں: ① اصلیہ اور ② فرعیہ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ علم حدیث کونسی جنس میں سے ہے؟ سو علم حدیث کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وغیرہ سے ہے، جو از قبیل منقول ہے اور ہمارے دین کا دارومدار چونکہ قرآن وحدیث پر ہے، اور دونوں چیزیں اصل دین سے ہیں، لہٰذا علم حدیث علوم نقلیہ شرعیہ اصلیہ میں سے ہوا، اور علم فقہ گو علوم نقلیہ شرعیہ میں سے ہے لیکن فرعیہ ہے نہ کہ اصلیہ اور نحو وصرف معانی وغیرہ گو علوم نقلیہ میں سے ہیں لیکن غیر شرعیہ ہیں۔

مرتبہ: حضرت شیخؒ فرماتے تھے، مرتبہ دو اعتبار سے ہوتا ہے: ایک تعلیم وتعلم، دوسرے شرافت اور فضیلت کے لحاظ سے۔

تعلیم کے اعتبار سے علم حدیث کا مرتبہ یہ ہے کہ علوم عربیہ آلیہ کے بعد ہونا چاہئے اس لئے کہ ہم عجمیوں کیلئے ان علوم کے بغیر حدیث کا سمجھنا مشکل ہے۔ دراصل علوم عربیہ کی دو قسمیں ہیں: آلیہ اور عالیہ یا مقصودہ اور غیر مقصودہ، نحو وصرف معانی وغیرہ علوم آلیہ میں سے ہیں کہ قرآن وحدیث سمجھنے کیلئے آلہ ہیں۔ اور تفسیر، حدیث وفقہ علوم عالیہ اور مقصودہ ہیں، ترتیب اس طرح ہے تعلیم کی کہ اولاً علوم آلیہ کو پڑھا جائے اس کے بعد علوم عالیہ کو، جیسا کہ ہمارے ان مدارس عربیہ میں ہوتا ہے کہ نحو وصرف کی تعلیم ابتداء میں دی جاتی ہے، اس کے بعد حدیث اور تفسیر کی۔

علم حدیث کی فضیلت: اور فضیلت کے اعتبار سے یہ ہے کہ علم حدیث افضل العلوم الشرعیۃ ہے، سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: لا اعلم علمًا افضل من علم الحدیث، علوم شرعیہ پانچ ہیں: ① حدیث ② فقہ ③ تفسیر ④ اصول فقہ اور ⑤ علم العقائد، اور بعض علماء نے علم تصوف کو مستقل شمار کر کے علوم دینیہ بجائے پانچ کے چھ قرار دیئے ہیں۔ شرح عقائد کی مشہور شرح النبراس کے مصنف نے ایسا ہی کیا ہے۔

علامہ سیوطیؒ تدریب میں اس علم کی شرافت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیگر تمام علوم شرعیہ اس علم کی طرف محتاج ہیں، فقہ کا محتاج ہونا تو ظاہر ہے (کہ زیادہ تر فقہی مسائل حدیث اور پھر دوسرے درجہ میں قیاس ہی سے ثابت ہیں) اور تفسیر کی احتیاج اس علم کی طرف ایسے ہی ہے کہ مفسرین نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ اولی التفاسیر ماجاء عن النبی صلی اللہ

---

[1] دوسری تعبیر اس کی "جنس" یا "اجناس" ہے جیسا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی تقریر بخاری میں ہے، اور صاحب شرح تہذیب نے بھی جنس ہی کا لفظ اختیار کیا ہے، حاصل دونوں تعبیروں کا ایک ہی ہے، کیونکہ نسبت کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس علم کو فلاں علم سے کیا نسبت ہے، اور دونوں میں کیا تعلق اور فرق ہے، آیا یہ علم اس دوسرے علم ہی کی جنس سے ہے، یا اس کے علاوہ دوسری جنس سے۔

علیہ وسلم کہ بہترین تفسیر وہ ہے جو حدیث سے ثابت ہو لیکن عجیب بات یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ اتقان فی علوم القرآن میں بجائے علم حدیث کے علم تفسیر کو افضل العلوم فرمارہے ہیں، اور بظاہر بھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ علم کی افضلیت کا مدار اس کے موضوع پر ہوتا ہے، جتنا زائد افضل موضوع ہوگا اسی قدر علم افضل ہوگا، اور علم حدیث کا موضوع اگر حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے تو علم تفسیر کا موضوع قرآن کریم ہے جو کلام اللہ ہے، اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے، جو علم حدیث کے موضوع سے افضل ہے، بہت عرصہ کی بات ہے کہ میں نے مولانا عبدالحئی صاحب لکھنویؒ کی کسی تصنیف میں دیکھا تھا انہوں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ ماہِ رمضان المبارک میں چند لوگ میرے پاس آئے جن کا آپس میں اس بات میں اختلاف ہو رہا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی افضل ہے قرآن کریم سے یا قرآن کریم افضل ہے؟ مولانا لکھتے ہیں میں نے جواب دیا قرآن کریم افضل ہے، اور وجہ وہی بیان کی جو ابھی گذری یعنی حادث اور قدیم کا فرق کہ قدیم افضل ہوتا ہے، حادث سے۔ اس مضمون کی ایک حدیث المقاصد الحسنة میں ملی ہے جسکے لفظ یہ ہیں آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ [1] مگر علامہ سخاویؒ نے اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ مجھے یہ روایت کہیں نہیں ملی، لیکن آگے چل کر انہوں نے بہت سی روایات فضائل قرآن سے متعلق ایسی جمع کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت آسمان وزمین اور دنیا ومافیہا سے افضل ہے، لیکن اس قسم کی روایات سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

بندہ کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن کریم افضل ہے، حضور ﷺ کی ذات گرامی سے، تب بھی یہ کہا جائے گا کہ علم حدیث کا موضوع حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے، بحیثیت وصف رسالت کے، اور علم تفسیر کا موضوع قرآن کریم ہے باعتبار بیان معنی وایضاح مراد کے، جو بندوں کی صفت ہے، نہ باعتبار صفت باری ہونے کے، یعنی علم تفسیر میں قرآن کریم سے بحث اس حیثیت سے نہیں ہوتی کہ وہ کلام الٰہی وصفت باری ہے، بلکہ ایضاح معنی کے لحاظ سے بحث ہوتی ہے، لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ علم حدیث کا موضوع افضل ہے علم تفسیر کے موضوع سے، وقد بقي بعض خبايا في الزوايا [2]۔

قسمة وتبويب: جس طرح کتاب کی قسمۃ اور تبویب ہوتی ہے، جیسا کہ بعض مرتبہ مصنف شروع کتاب میں لکھ دیتا ہے کہ میری یہ کتاب اتنے ابواب اور فصول پر مشتمل ہے، اسی طرح علم کی بھی قسمۃ اور تبویب ہوتی ہے۔ مثلاً مناطقہ علم منطق

---

[1] المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة للسخاوي - الباب الأول الأحاديث بحسب ترتيب الأحرف - حرف الهمزة ٥.

[2] اسکی وضاحت یہ ہے کہ یوں تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ حضور کی ذات گرامی افضل ہے یا قرآن کریم؟ جو حضرات قرآن کو افضل قرار دیتے ہیں وہ اس بنا پر کہ قرآن کریم کلام الٰہی وصفت باری ہے، اور تمام صفات باری قدیم ہیں، اور حضور اکرم ﷺ حادث ہیں، اور قدیم افضل ہوتا ہے حادث سے۔ اور علم تفسیر کا موضوع قرآن کریم ہے جو قدیم ہے۔ یہاں پر بحث یہ ہے کہ لفظ قرآن کا اطلاق کلام نفسی اور لفظی دونوں پر آتا ہے، اور صفت باری جو قدیم ہے وہ قرآن بمعنی کلام نفسی ہے، نہ کہ قرآن بمعنی کلام لفظی، اس لئے کہ وہ تو حادث مرکب من الحروف ہے، اور علم تفسیر کا موضوع قرآن بمعنی کلام لفظی ہے نہ بمعنی کلام نفسی، کما هو ظاهر فتأمل

کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کے مباحث دو حصوں میں منقسم ہیں: تصورات اور تصدیقات یا قول شارح اور حجت۔ صاحب تلخیص نے علم معانی کے بارے میں لکھا ہے الفن الاول في علم المعاني وهو ينحصر في ثمانية ابواب کہ علم معانی کے مضامین آٹھ ابواب میں منحصر ہیں، اسی طرح جاننا چاہئے کہ علم حدیث کے مضامین منحصر ہیں ابواب ثمانیہ میں یعنی حدیث کی کتابوں میں آٹھ قسم کے مضامین بیان کئے جاتے ہیں، جس حدیث کو بھی آپ دیکھیں گے اس کا مضمون ان ابواب ثمانیہ سے خارج نہیں ہو گا، بلکہ ان ہی میں سے کوئی سا ایک مضمون اس میں پایا جائے گا، اور وہ ابواب ثمانیہ یہ ہیں:

۱۔ عقائد	۲۔ احکام	۳۔ تفسیر	۴۔ تاریخ
۵۔ رقاق	۶۔ مناقب	۷۔ آداب	۸۔ فتن

حضرات محدثین نے ان ابواب ثمانیہ میں سے [1] ہر مضمون پر الگ الگ مستقل تصنیفات بھی لکھی ہیں، اور حدیث پاک کی جو کتاب ان جملہ ابوابِ ثمانیہ پر مشتمل ہوتی ہے، اس کو جامع کہا جاتا ہے (علی القول المشهور)۔

حکم شارع: جس علاقہ میں اس کی صلاحیت رکھنے والا صرف ایک ہی شخص ہو وہاں پر اسکو اس علم کا حاصل کرنا واجب لعینہٖ ہو گا اور جہاں صلاحیت رکھنے والے متعدد اشخاص ہوں گے وہاں اسکی تحصیل واجب علی الکفایہ ہو گی، بفضلہ تعالیٰ

---

[1] چنانچہ أحاديث العقائد کا نام علم التوحيد رکھا جاتا ہے، اس میں امام بیہقیؒ کی تصنیف کتاب الأسماء والصفات، مشہور و معروف ہے، اور أحاديث الأحكام جن کا تعلق کتب فقہ کی ترتیب کے مطابق کتاب الطهارة سے لے کر کتاب الفرائض تک ہے، اس نوع کی تصانیف تو بے شمار ہیں، حدیث کی ایسی کتاب کا نام سنن رکھا جاتا ہے، اور أحاديث التفسير یعنی وہ احادیث جن کا تعلق تفسیر قرآن سے ہو اس کا نام علم التفسير رکھا جاتا ہے، اس موضوع پر حدیث کی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جیسے تفسیر ابن مردویہ، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ماجہ، تفسیر ابن کثیر، اور اسی طرح علامہ سیوطیؒ کی الدر المنثور جو فن حدیث میں تفسیر کی نہایت جامع اور مشہور و معروف کتاب ہے، اور احادیث التواریخ والسير کے دو حصے ہیں، ایک وہ جس کا تعلق آسمان، زمین، ملائکہ، انبیاء سابقین وامم سابقہ جنات وشیاطین اور دیگر حیوانات کی تخلیق سے ہو، اس حصہ کا نام محدثین کی اصطلاح میں بدء الخلق ہے، صحیح بخاری میں بھی ایک کتاب بدء الخلق کے عنوان سے موجود ہے، اور دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق حضور ﷺ کی ابتداء ولادت سے لے کر وفات تک، اور آپ کے آل واصحاب کرام کی ذات سے ہو، اس حصہ کا نام علم السير ہے، چنانچہ اس میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، جیسے زاد المعاد في هدي خير العباد حافظ ابن قیمؒ کی، سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، اور قسطلانیؒ کی مواهب لدنية، اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی مدارج النبوة اور مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کی سفر السعادة جس کی شرح شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے لکھی جو شرح سفر السعادة کے نام سے مشہور ہے، اور احادیث الرقاق کو علم السلوك والزهد کہا جاتا ہے، اس موضوع پر حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ وغیرہ محدثین کی کتاب الزهد مشہور ہے اور جامع ترمذی میں بھی زہد کی روایات کا کافی طویل باب موجود ہے، اور احادیث المناقب کا نام علم المناقب ہے اس میں بھی بہت سی تصانیف ہیں، جیسے مناقب قریش، مناقب الانصار، مناقب العشرة المبشرة اور محب طبری کی کتاب الرياض النضرة في مناقب العشرة المبشرة مشہور ہے، اور القول الصواب في مناقب عمر بن الخطاب، القول الجلي في مناقب امير المومنين علي، اور مناقب علی میں امام نسائیؒ کا رسالہ جس پر ان کی شدید مخالفت کی گئی تھی جس کا واقعہ مشہور ہے اور احادیث الآداب کا نام علم الأدب رکھا جاتا ہے، امام بخاریؒ کی کتاب الأدب المفرد اس موضوع پر مشہور ہے، بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہے، اور احادیث الفتن کا نام علم الفتن رکھا جاتا ہے اس میں بھی متعدد تصنیفات ہیں، ایک طویل اور قدیم تصنیف اس میں نعیم بن حماد کی ہے اور اشراط الساعة یعنی علامات قیامت کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ بھی اسی علم الفتن میں شمار ہوں گی، جیسے الاشاعة لاشراط الساعة سید شریف محمد البرزنجیؒ کی اور الاذاعة نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی اور شاہ رفیع الدین صاحب کی کتاب علامات قیامت کے نام سے اردو میں، یہ سارا مضمون ہم نے انتہائی مفید ہونے کی بناء پر لامع الدراری کے مقدمہ سے تلخیص کے ساتھ لیا ہے۔

وبتوفیقہ مقدمۃ العلم پورا ہوا۔

تنبیہ: مقدمۃ العلم کے یہ امور تسعہ ہم نے اس ترتیب اور نہج پر ذکر کئے ہیں، جس کو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ درس بخاری میں اختیار فرمایا کرتے تھے، لیکن آگے مقدمۃ الکتاب میں ہم حضرت شیخ والی ترتیب کو قائم نہیں رکھ سکے، اس میں جس ترتیب کو ہم نے زیادہ آسان اور سہل سمجھا اس کو اختیار کیا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمة الكتاب

مقدمۃ الکتاب کا حاصل اور خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں، احدھما مایتعلق بالمصنِّف (بکسر النون) والثانی مایتعلق بالمصنَّف (بفتح النون)، اول ترجمۃ المصنف یعنی مصنف کے حالات اور پورا تعارف، دوسرے کتاب کا تعارف، اب اس ذیل میں جتنے امور بھی بیان کئے جائیں گے، سب مقدمۃ الکتاب کہلائیں گے، سب سے پہلے مایتعلق بالمصنف سنئے۔

مصنف کا نام نسب اور نسبت: آپکا نام نامی اسم گرامی سلیمان ہے، ابوداؤد کنیت ہے، والد ماجد کا نام اشعث ہے، پورا نسب اس طرح ہے، سلیمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الأزدی السجستانی، ویقال له السجزی، الأزدی ازد یمن کا ایک مشہور قبیلہ ہے، السجستانی نسبت ہے، سجستان کی طرف، جو معرب ہے سیستان کا، یہ ایک معروف شہر ہے اطراف خراسان میں، خراسان اور کرمان کے درمیان اسی لئے مصنف کو خراسانی بھی لکھتے ہیں، اور سجزی میں دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں، سجستان کو سجز بھی کہاجاتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تغیر نسبت میں آکر ہوا ہے، نسبت میں تغیر بہت ہوتے ہیں، چنانچہ نسبت الی الریؒ کے وقت رازی کہتے ہیں۔

سجستانی کے بارے میں مورخ ابن خلکانؒ نے لکھا ہے کہ یہ نسبت ہے سجستان یا سجستانہ کی طرف التی ھی قریۃ من قری بصرۃ، یعنی جو بصرہ کا ایک قریہ ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے اس پر رد کیا ہے کہ ابن خلکان کو باوجود کمالِ تاریخ دانی اس میں غلطی ہوگئی، اور صحیح یہ ہے کہ اقلیم معروف کی طرف نسبت ہے، نواب صدیق حسن خان نے فرمایا ابن خلکان کے تخطیہ کی حاجت نہیں، اس لئے کہ انہوں نے اس قول کو قیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سن ولادۃ ووفاۃ: آپ تیسری صدی کے شروع میں ۲۰۲ھ میں سجستان میں پیدا ہوئے، تحصیل علم کے سلسلہ میں مختلف بلاد، مصر شام، حجاز، عراق اور خراسان کا سفر کیا۔ بغداد بار بار تشریف آوری ہوئی اور پھر وہیں سکونت اختیار فرمائی، اور کبھی اس سنن کی وہیں روایت کی۔

بغداد کا قیام اور وہاں سے بصرہ منتقلی: آپ اخیر زمانہ عمر میں وفات سے چار سال قبل ۲۷۱ھ میں امیر بصرہ کی درخواست پر بغداد سے بصرہ منتقل ہوگئے تھے، جس میں اس نے آپ سے تین فرمائشیں کی تھیں، جس کا قصہ وہ

ہے جس کو امام صاحب کے ایک خادم ابو بکر بن جابر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز کا واقعہ ہے کہ امام ابو داؤدؒ مغرب کی نماز پڑھ کر بغداد میں اپنے مکان تشریف لے جاچکے تھے، امیر بصرہ ابو احمد الموفق آپ کے مکان کے دروازہ پر حاضر ہوئے دروازہ کو دستک دی، آپ کے خادم ابو بکر بن جابر نے جاکر عرض کیا کہ امیر بصرہ تشریف لائے ہیں، اندر داخل ہونے کی اجازت مل گئی، امام صاحب نے دریافت فرمایا کہ کیسے تشریف آوری ہوئی؟ انہوں نے کہا کہ تین حاجتیں ہیں، اول یہ کہ آپ بصرہ تشریف لے چلیں تاکہ بصرہ آپ کے علم سے معمور ہو، کیونکہ وہاں اقطار عالم سے آپ کے پاس لوگ علم حاصل کرنے کیلئے آئیں گے، دوسری حاجت یہ ہے کہ آپ میری اولاد کو اپنی یہ سنن پڑھادیں، اور تیسری یہ کہ ان کیلئے مجلس روایت (درس) الگ منعقد فرمائیں، اس لئے کہ اولاد امیر عوام کے ساتھ نہیں بیٹھا کرتی ہے۔ امام ابو داؤد نے اول دو کو تو منظور فرمالیا، اور تیسری کی منظوری سے عذر فرمایا اور فرمایا: الناس شريفهم ووضيعهم في العلم سواء یعنی تحصیل علم کے بارے میں اونچے خاندان اور پست خاندان سب برابر ہیں ان کے خادم ابو بکر کہتے ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوا ایک ہی مجلس میں سب سنتے تھے، لیکن امیر بصرہ کی درخواست کی رعایت میں صرف اتنا فرماتے تھے کہ اولاد امیر اور عوام کے درمیان ایک حجاب حائل کر دیا جاتا تھا، باقی ان کیلئے مستقل علیحدہ مجلس منعقد نہیں کی گئی۔

امام موصوفؒ نے اپنی زندگی کے اخیر چار سال بصرہ میں گزار کر ۱۶ شوال ۲۷۵ھ بروز جمعہ انتقال فرمایا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ اگر ہوسکے تو حسن بن مثنی مجھے غسل دیں ورنہ سلیمان بن حرب کی کتاب الغسل کو دیکھ کر مجھے غسل دیا جائے، نماز جنازہ عباس بن عبد الواحد نے پڑھائی اور حضرت سفیان ثوریؒ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے۔

شیوخ و اساتذہ: امام ابو داؤدؒ نے امام بخاریؒ وامام مسلمؒ کے شیوخ سے حدیث حاصل کی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے آپ کے شیوخ کی تعداد تقریباً تین سو بتائی ہے، بقیہ ارباب صحاح ستہ میں سے آپ کسی کے شاگرد نہیں ہیں، آپ کے شیوخ میں امام احمد بن حنبلؒ ہیں امام ابو داؤد امام احمد بن حنبلؒ کے بڑے ممتاز شاگردوں میں ہیں، اور خود امام احمد نے ان سے ایک حدیث سنی ہے، اور امام ابو داؤدؒ اس پر فخر کیا کرتے تھے، وہ حدیث "حديث العتيرة" ہے یعنی أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "سُئِلَ عَنِ الْعَتِيرَةِ فَحَسَّنَهَا" [1]، صاحب منہل کو وہم ہوگیا، اور انہوں نے حدیث العتیرۃ سے وہ مشہور حدیث سمجھی جو اکثر صحاح ستہ میں ہے، اور خود ابو داؤد میں بھی ہے یعنی، لَافَرَعَ وَلَاعَتِيرَةَ [2] لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حدیث غریب نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل نے اس کو غریب فرمایا تھا، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے البداية والنهاية میں لکھا ہے کہ امام ابو داؤد کہتے ہیں ایک روز میں امام احمد کی خدمت میں حاضر تھا، اتفاق سے ابن ابی سمینۃ بھی آگئے تو ان سے امام احمد نے فرمایا کہ ان (امام ابو داؤد) کے پاس

---

[1] شرح سنن أبي داؤد للعيني ترجمة الحافظ سليمان بن الأشعث السجستاني ج ١ ص ١٨

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب في العتيرة ٢٨٣٣، صحيح البخاري كتاب العقيقة باب الفرع ٥٤٧٣، صحيح المسلم كتاب الأضاحي باب الفرع والعتيرة ١٩٧٦

ایک غریب حدیث ہے اس کو لکھ لو، چنانچہ انہوں نے مجھ سے درخواست کی اس پر میں نے ان کو بھی وہ حدیث املاء کرادی، اس قصہ میں اس حدیث کے غریب ہونے کی تصریح ہے۔

یہ ہمارے اور آپکے سبق حاصل کرنے کا مقام ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے باوجود بے شمار احادیث معلوم و محفوظ ہونے کے اپنے ایک شاگرد کے پاس ایک حدیث دیکھی تو اسکو بڑے اہتمام سے سن کر اسی وقت نوٹ کر لیا، بلکہ دوسروں کو اسکی ترغیب فرمائی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک واقعہ اور یاد آیا جس کو ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد کے کسی شاگرد نے ان سے سوال کیا إِلَىٰ مَتَى الْعِلْمُ فَأَيْنَ الْعَمَلُ؟[1] کہ یہ پڑھنے پڑھانے کا کام آخر کب تک رہے گا، عمل کی نوبت کب آئے گی؟ امام احمد نے یہ سن کر برجستہ ارشاد فرمایا عِلْمُنَا هَذَا هُوَ الْعَمَلُ کہ ارے! ہمارا یہ حدیثوں کو یاد کرنا سننا اور سنانا یہ بذات خود عمل ہے، دراصل ان حضرات کے پاس محض الفاظ نہیں تھے، بلکہ علم کی حقیقت اور اس کی روح اور اس کا نور ان حضرات کے اندر موجود تھا، ایسی صورت میں یہ سب لکھنا پڑھنا اور علمی اشتغال خود عمل بن جاتا ہے، واللہ الموفق۔

امام ابو داؤد کے تلامذہ: یوں تو ظاہر ہے کہ امام ابو داؤدؒ کے سینکڑوں کیا بلکہ ہزاروں تلامذہ ہوں گے، لیکن ان میں جو مشہور شخصیتیں ہیں اور جو امامت کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں ان میں امام ترمذیؒ، و امام نسائیؒ یہ دونوں حضرات شامل ہیں، چنانچہ جامع ترمذی میں ایک روایت[2] کتاب الدعوات کے اخیر میں اور ایک دوسری روایت کتاب المناقب میں مناقب اہل بیت کے بارے میں امام ترمذی نے امام ابو داؤد سے نقل کی ہے ان دو روایات کے علاوہ بعض رواۃ کی تحقیق کے سلسلے میں دو جگہ اور بھی ذکر کیا ہے، اور امام نسائی کے بارے میں یہ بات تو محقق ہے کہ امام ابو داؤد کے تلامذہ میں ہیں، لیکن یہ بات کہ امام نسائی نے اپنی سنن میں امام ابو داؤد سے کوئی روایت لی ہے یا نہیں، یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی ہے، دراصل صورت حال یہ ہے کہ امام نسائی کے امام ابو داؤد کے علاوہ ایک اور ابو داؤد استاذ ہیں، اور انکا نام بھی سلیمان ہے، سلیمان بن سیف الحرانی، امام نسائی اپنی سنن میں ان سے بکثرت روایت کرتے ہیں، کہیں صرف کنیت ذکر کرتے ہیں اور بعض جگہ کنیت کے ساتھ نام کی بھی تصریح کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں حدثنا ابو داؤد سلیمان بن سیف الحرانی، جہاں صرف کنیت ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں حدثنا ابو داؤد، ان میں سے بعض مواقع کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ وغیرہ علماء کی رائے یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج ۱ ص ۵۳

[2] اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ حدثنا أبو داؤد سليمان بن الأشعث السجزي ..... عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليسأل أحدكم ربه حاجته كلها حتى يسأل شسع نعله إذا انقطع (جامع الترمذي - كتاب الدعوات - باب ليسأل الحاجة مهما صغرت) اور دوسری حدیث کتاب المناقب میں اس طرح ہے حدثنا أبو داؤد سليمان بن الأشعث ..... عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أحبوا الله لما يغذوكم من نعمه، وأحبوني بحب الله، وأحبوا أهل بيتي لحبي (جامع الترمذي - كتاب المناقب - باب مناقب أهل النبي صلى الله عليه وسلم ۳۷۸۹)

کہ اس سے امام ابو داؤد سجستانی مراد ہیں، باقی میں نے پوری کتاب میں کسی جگہ بھی سجستانی یا سلیمان بن الاشعث کی تصریح [1] نہیں پائی۔ چونکہ حافظ کے نزدیک بعض مواضع میں ابو داؤد سے امام ابو داؤد سجستانی مراد ہیں، اسی لئے انہوں نے تقریب التہذیب میں امام ابو داؤد کے نام پر نسائی کا رمز بھی لکھا ہے واللہ اعلم بالصواب، اور چونکہ امام احمدؒ نے جو امام ابو داؤد کے بڑے اونچے اور مشہور اساتذہ میں سے ہیں، امام ابو داؤد سے ایک حدیث سنی ہے، اس لحاظ سے اگر امام احمدؒ کو انکے تلامذہ کی فہرست میں ذکر کر دیا جائے تو بے جانہ ہوگا، اور امام ابو داؤدؒ کیلئے تو یقیناً یہ ایک بڑے فخر کی چیز ہے۔

اولاد: امام ابو داؤد کے ایک صاحبزادے بھی ہیں ابو بکر عبد اللہ بن ابی داؤد یہ بھی بہت بڑے محدث ہوئے ہیں، اپنے والد سے حدیث حاصل کی، اور بغداد میں اکابر حفاظ میں ان کا شمار ہوتا تھا، گویا امام ابن امام تھے، ابھی قریب میں ان کی حدیث میں ایک تالیف بھی نظر سے گذری، جس کا نام البعث ہے، جو بیروت سے شائع ہوئی ہے، جس میں احادیث متعلقہ حشر و نشر اور موت و قبر جمع فرمائی ہیں، مختصر سا پچاس ساٹھ صفحہ کا رسالہ ہے، جس میں بہت سی نادر حدیثیں انہوں نے جمع فرمائی ہیں، اسی طرح امام ابو داؤد کے ترجمہ میں ان کے ایک بھائی کا بھی ذکر ملتا ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ امام ابو داؤد کے بھائی محمد بن الاشعث عمر میں ان سے کچھ بڑے تھے، اور علمی اسفار میں امام ابو داؤدؒ کے رفیق تھے۔

امام ابوداؤد کا فقہی ذوق: امام ابو داؤدؒ پر فقہی ذوق دیگر مصنفین صحاح ستہ کی بنسبت غالب تھا، چنانچہ بقیہ ارباب صحاح ستہ میں سے صرف یہی بزرگ ہیں، جن کو شیخ ابو اسحاق شیرازیؒ نے اپنی کتاب طبقات الفقہاء میں جگہ دی ہے، اسی فقہی ذوق کا نتیجہ ہے، کہ ممدوح نے اپنی کتاب میں صرف احادیث احکام کو بڑے اہتمام سے جمع فرمایا ہے، چنانچہ دیگر کتب صحاح کی طرح اس میں آپ کو فضائل اعمال اور زہد کی روایات نہیں ملیں گی، گو اس لحاظ سے بہت سے ابواب سے یہ کتاب خالی ہوگئی، لیکن فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ آپ کو اس میں ملے گا، اتنا باقی کتب صحاح میں سے کسی میں نہیں ملے گا، امام غزالیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ علم حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کیلئے کافی ہے، زکریا ساجیؒ فرماتے ہیں، کتاب اللہ عزوجل اصل الاسلام و کتاب السنن لابی داؤد عہد الاسلام یعنی کتاب اللہ اصل الاسلام ہے اور سنن ابو داؤد فرمان اسلام ہے۔

بئر بضاعہ کی زیارت اور ایک تحقیق علمی: امام ابو داؤد کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ کی حاضری کے موقع پر بئر بضاعہ کی زیارت کیلئے گیا تو میں نے اس کو اپنی چادر سے ناپا تو اس کا عرض سات ذراع تھا، جس باغباں نے دروازہ کھولا تھا اور مجھ کو کنویں تک پہنچایا تھا میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا عہد نبوی کے بعد اس کنویں کی دوبارہ تعمیر ہوئی ہے؟ تو اس نے کہا نہیں، فرماتے ہیں میں نے اس کے پانی کو متغیر اللون پایا، امام ابو داؤدؒ نے بئر بضاعہ کی پیمائش کے قصہ کو اپنی اس کتاب

---

[1] سنن نسائی (مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی) ج ۲ ص ۳۱۸ پر حاشیہ ملاحظہ فرمائیں، وہاں پر محشی نے یہ لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ سند میں ابو داؤد سے امام ابو داؤد سجستانی مراد ہیں، کیونکہ وہ بھی امام نسائی کے شیوخ میں ہیں۔

ئں احکام المیاہ میں حدیث بئر بضاعہ کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے، پہلے زمانے میں سفر حج وزیارت مدینہ منورہ علوم کی تحصیل اور تحقیقات علمیہ کا بہت بڑا ذریعہ ہوتا تھا۔

کلمات الائمة فی وصفه: ابن مندہ کہتے ہیں کہ جن حضرات نے احادیث کے درمیان نہایت جانفشانی سے چھان بین کی ہے، اور حدیث کے بڑے بڑے ذخیروں میں سے احادیث صحیحہ کو غیر صحیحہ سے علیحدہ اور ممتاز کیا ہے، ان میں چار حضرات خاص طور سے قابل ذکر ہیں، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی رحمہم اللہ۔

موسیٰ بن ہارونؒ ایک محدث ہیں، وہ فرماتے ہیں خلق ابوداؤد فی الدنیا للحدیث وفی الآخرة للجنة ما رأیت افضل منه [1] یعنی امام ابوداؤد کی پیدائش دنیا میں حدیث کی خدمت کیلئے اور آخرت میں جنت کے داخلہ کیلئے ہوئی ہے، ان سے افضل آدمی میں نے نہیں دیکھا۔

ابراہیم حربیؒ کا مقولہ آپ کی شان میں مشہور ہے کہ جب مصنفؒ نے اپنی یہ سنن تالیف فرمائی تو انہوں نے اس کو دیکھ کر فرمایا ألین لأبي داؤد الحدیث، کما ألین لداؤد -علیه السلام- الحدید [2] کہ امام ابوداؤدؒ کیلئے فن حدیث ایسا آسان اور موم کر دیا گیا ہے جیسے حضرت داؤد علی نبینا علیه الصلوة والتسلیم کیلئے اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم فرما دیا تھا، کما قال تعالیٰ **وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ** [3] حافظ ابوطاہر السلفیؒ نے اسی مضمون کو منظوم کر دیا ہے:

لان الحدیث وعلمه بکماله	لامام اهلیه أبي داؤد
مثل الذي لان الحدید وسبکه	لنبي اهل زمانه داؤد

بعض ائمہ سے منقول ہے کہ امام ابوداؤد اپنے طور وطریق اور سیرت میں اپنے استاذ امام احمد بن حنبلؒ کے بہت مشابہ تھے، اور وہ مشابہ تھے اپنے استاذ وکیع کے، اور وہ مشابہ تھے سفیان کے، اور سفیان مشابہ تھے منصور کے، اور منصور ابراہیم کے، اور وہ علقمہ کے اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ کے، اور عبداللہ بن مسعودؓ مشابہ تھے حضور اقدس ﷺ کے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سهل بن عبدالله تستریؒ کا قصه: مشہور ہے کہ ایک مرتبہ سہل بن عبداللہ تستریؒ [4] جو کہ اپنے زمانہ کے اکابر صوفیہ واولیاء میں سے ہیں، امام ابوداؤدؒ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ ان لی الیك حاجة مجھے آپ سے ایک غرض ہے جس کیلئے میں حاضر ہوا ہوں، امام صاحب نے فرمایا، ارشاد فرمایئے کیا ہے وہ حاجت؟ انہوں نے فرمایا اگر آپ پورا کریں تب بتلاؤں، امام صاحب نے فرمایا اگر ممکن ہو گا تو ضرور پورا کروں گا، اس پر انہوں نے فرمایا أخرج إلي لسانك الذي

---

[1] تهذیب التهذیب- ج ٤ ص ١٧٢

[2] تهذیب التهذیب- ج ٤ ص ١٧٢

[3] اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا (سورۃ سباء ١٠)

[4] تستر معرب شوستر منهم سهل بن عبدالله بن یونس بن عیسی بن عبدالله التستري شیخ الصوفیة. صحب ذا النون المصري كذا في المعجم

تحدث به أحاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اقبله فأخرج إليه لسانه فقبله [1] یعنی آپ اپنی زبان مبارک نکالئے جن سے آپ حضور ﷺ کی احادیث بیان فرماتے ہیں تاکہ میں اس کو چوموں، اس پر امام ابو داؤدؒ نے اپنی زبان نکالی، تو انہوں نے بوسہ لیا اور چلے گئے۔

امام ابوداؤد کا فقہی مسلک: امام ابو داؤدؒ کا فقہی مسلک کیا تھا؟ اس میں اختلاف ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے رسالہ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں لکھا ہے وأما أبو داؤد والترمذي فهما مجتهدان منتسبان إلى أحمد وإسحاق [2] یعنی امام ابو داؤد اصول و قواعد کلیہ میں تو امام احمدؒ کے متبع ہیں، اور فروع میں ان کے تابع نہیں، امام احمدؒ کے وضع کردہ اصول کو سامنے رکھ کر خود استنباطِ احکام کرتے ہیں، خواہ وہ استنباط امام احمدؒ کے مسلک کے موافق پڑے یا مخالف، ایسے مجتہد کو مجتہد منتسب کہا جاتا ہے، اور جو فقیہ اصول و قواعد میں بھی کسی دوسرے امام کا ماتحت نہ ہو وہ مجتہد مطلق کہلاتا ہے، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے بستان المحدثین میں تحریر فرمایا ہے، بعض ان کو شافعی کہتے ہیں اور بعض حنبلی [3]، اور حضرت شیخؒ نے مقدمہ لامع میں لکھا ہے کہ تاج الدین سبکی نے ان کو طبقات الشافعیہ میں ذکر فرمایا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ سبکی کے نزدیک یہ شافعی ہیں، اور اسی طرح نواب صدیق حسن خان نے ان کو شافعی شمار کیا ہے، اور شیخ ابو اسحٰق شیرازیؒ نے اپنی کتاب طبقات الفقہاء میں ان کو اصحاب احمد میں شمار کیا ہے؛ اور عرف الشذی میں لکھا ہے المشهور انه شافعي والحق انه حنبلي كالنسائي [4]، اسی طرح فیض الباری میں ابن تیمیہ کے حوالہ سے ان کو حنبلی لکھا ہے، علامہ انور شاہ صاحبؒ کی طرح ہمارے حضرت شیخ کی بھی یہی رائے ہے کہ امام ابو داؤدؒ پکے حنبلی ہیں، جسکے حضرت نے کچھ شواہد بھی بیان فرمائے ہیں، جو آگے آجائیں گے، مناسب یہ ہے کہ مصنفین صحاح ستہ میں سے باقی پانچ محدثین کے فقہی مسلک کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

دیگر مصنفین صحاح ستہ کا فقہی مسلک: حضرت امام بخاریؒ کے مسلک میں اختلاف ہے، مشہور یہ ہے کہ وہ شافعی المسلک ہیں، چنانچہ تاج الدین السبکی نے ان کو طبقات الشافعیہ میں ذکر فرمایا ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور اسی طرح ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری مجتہد ہیں، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ امام بخاری شافعی المسلک ہیں، سو اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ بعض مسائل خلافیہ مشہورہ میں وہ شافعیہ کے موافق ہیں، جیسے رفع الیدین، جہر بالآمین وغیرہ، ورنہ ان کی موافقت امام اعظمؒ کے ساتھ امام شافعیؒ کے ساتھ موافقت سے کم نہیں ہے، چنانچہ وضوء

---

[1] تهذيب التهذيب ج ٤ ص ١٧٢

[2] الإنصاف في بيان أسباب الاختلاف ص ٨٦

[3] بستان المحدثين (اردو) ص ١٩١

[4] العرف الشذي شرح سنن الترمذي ج ١ ص ٣٣ دار التراث العربي الطبعة: الأولى، ١٤٢٥هـ

من القبلة وضوء من مس الذکر، مسئلۃ القلتین اور جھر بالبسملۃ وغیرہ مسائل میں حنفیہ کے موافق ہیں۔

امام مسلمؒ کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں، لا اعلم مذھبہ بالتحقیق، اور تراجم وابواب (جو حاشیہ پر لکھے ہوئے ہیں) ان کے اپنے مقرر کئے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ امام نوویؒ کی طرف سے ہیں، جیسا کہ مشہور ہے اور کسی مصنف کے مسلک فقہی کا اندازہ اس کے تراجم ابواب ہی سے ہوتا ہے، اور وہ یہاں ندارد ہے، اور نواب صدیق حسن خان نے الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ اور اتحاف النبلاء میں ان کو شافعی المسلک لکھا ہے، اور مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے ماتمس الیہ الحاجۃ میں یہ لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ یہ مالکی المسلک ہیں، اس لئے کہ بعض علماء نے اپنی سند مسلسل بالمالکیہ امام مسلم تک پہنچائی ہے۔

امام نسائی کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تصریح کی ہے کہ وہ حنبلی ہیں، اور یہی علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی رائے ہے، اور تاج الدین السبکی نے اس کو طبقات الشافعیہ میں ذکر کیا ہے، اور یہی شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ و نواب صدیق حسن خان کی رائے ہے کہ وہ شافعی المسلک ہیں۔

امام ترمذیؒ مسلکاً شافعی ہیں، کسی مسئلہ میں صراحۃً انہوں نے امام شافعیؒ کی مخالفت نہیں کی ہے، بجز مسئلہ ابراد بالظھر کے، امام شافعیؒ نے ابراد بالظھر کیلئے جو شرائط لگائی ہیں اس پر امام ترمذیؒ نے اعتراض فرمایا ہے کہ یہ قیود اطلاق حدیث کے خلاف ہیں، جس کی تصریح خود امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں فرمائی ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے یہ ہے کہ امام ترمذی مجتھد منتسب الی احمد و اسحاق ہیں، جیسا کہ امام ابوداؤد کے مسلک کے ذیل میں ابھی گذرا۔

امام ابن ماجہؒ کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں غالباً وہ شافعی المسلک ہیں۔

امام ابو داؤد کے حنبلی ہونے کے قرائن: ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ امام ابوداؤد پکے حنبلی ہیں، اور اس کی تائید ان کے تراجم ابواب سے بخوبی ہوتی ہے، فانه اهتم بذكر ادلة الحنابلة اكثر من غيرهم، اس لئے کہ امام ابوداؤد نے بنسبت دوسرے ائمہ کے حنابلہ کے دلائل کو کثرت و اہتمام سے بیان کیا ہے۔ مثلاً باب البول قائماً کا ترجمہ قائم کیا اور روایت سے اس کا جواز ثابت کیا ہے، جیسا کہ حنابلہ کا مذہب ہے، اور اس کے خلاف جمہور کی روایات کو نہیں ذکر کیا، اور اسی طرح وضوء بفضل طھور المرأۃ کے سلسلے میں جو صنیع اختیار فرمایا، اس سے بھی مذہب حنابلہ کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے اور وہ ایسے کہ مصنفؒ نے جواز کی روایات کو اولاً اور منع کی روایات کو اخیر میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ مذہب حنابلہ ہے اور جمہور کے مسلک کا تقاضا یہ تھا کہ ابواب کی ترتیب اس کے برعکس ہوتی کہ پہلے منع کی روایات کو ذکر کیا جاتا بعد میں جواز کی اور اسی طرح باب الوضوء من لحوم الابل قائم فرمایا اور اس کو حدیث سے ثابت کیا جیسا کہ حنابلہ کا مسلک ہے اور اسی طرح ابواب الامامۃ میں باب قائم فرمایا باب الامام یصلی من قعود یعنی اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کیسے نماز پڑھے؟ قائماً یا قاعداً، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قائماً پڑھے اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ امام کی اتباع میں مقتدی بھی

قاعداً پڑھے، اس باب میں مصنفؒ نے صرف حنابلہ کی دلیل ذکر فرمائی، إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا [1]، اور مصنف نے اس مسئلہ میں جمہور کے مسلک کے مطابق نہ باب قائم کیا اور نہ جمہور کی دلیل ذکر فرمائی، جمہور کی دلیل مرض الوفات کا قصہ ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی، اور صحابہؓ نے آپ ﷺ کے پیچھے قائماً پڑھی تھی، یہ حضور ﷺ کا آخری فعل تھا، امام خطابی مشہور شارح سنن ابو داؤد نے بھی اس پر اظہار تعجب کیا ہے کہ مصنفؒ نے اپنی عادت شریفہ کے خلاف اس مسئلہ میں جمہور کی دلیل یعنی مرض الوفات کا قصہ ذکر نہیں فرمایا، ان کے الفاظ جن کو حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے، یہ ہیں فلست أدري كيف أغفل ذكر هذه القصة وهي من أمهات السنن وإليه ذهب أكثر الفقهاء [2]، یہ ہمارے حضرت شیخؒ کی رائے اور اس کی وضاحت ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ مصنفؒ نے اس کتاب میں بعض ابواب مسلک حنابلہ کے خلاف بھی قائم کئے ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ یہ پکے حنبلی ہیں، محل نظر ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرات محدثین میں سے بعض کو جو شافعی اور کسی کو مالکی کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان کے متبع اور مقلد محض ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات خود مجتہد ہیں، کسی کا اجتہاد و استنباط کسی امام کے موافق پڑ گیا، اور کسی کا کسی دوسرے امام کے موافق ہو گیا۔

ائمہ متبوعین و غیر متبوعین: یہاں پر جان لینا مناسب ہے کہ اصحاب مذاہب دو قسم کے ہیں: ایک ائمہ متبوعین، دوسرے غیر متبوعین، یعنی ایک تو وہ جن کے مذاہب رائج اور متبوع ہیں، ان کے اقوال منقح طور پر ترجیح الراجح کے ساتھ منقول اور محفوظ ہیں، اس نوع کے مذاہب اہلسنت والجماعۃ کے اس وقت دنیا میں صرف چار ہی ہیں، یعنی ائمہ اربعہ معروفہ کے مسالک، اور ان کا اتباع و تقلید بہت آسان ہے، کیونکہ ان حضرات کا فقہ مدون و مرتب ہے، امام بخاریؒ وغیرہ حضراتِ محدثین مجتہدین میں سے تو ہیں، لیکن ائمہ متبوعین میں سے نہیں ہیں، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ وغیرہ بعض حضرات کے مذاہب چند صدی تک متبوع اور رائج رہے، لیکن پھر ان کا سلسلہ ختم ہو گیا، چنانچہ سفیان ثوریؒ کا سلسلہ تقریباً پانچویں صدی تک چلتا رہا، اس کے بعد منقطع ہو گیا، اسی طرح امام اوزاعیؒ کا مسلک صرف دو صدی تک چل سکا، اس کے بعد منقطع ہو گیا، یہ شرف حق تعالیٰ شانہٗ نے ائمہ اربعہ ہی کو بخشا ہے، کہ ان کے مذاہب کے اتباع کا سلسلہ آج تک باقی رکھا، اور اخیر تک ان شاء اللہ باقی رہے گا، اس زمانہ میں ان چار ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کے سوا کوئی اور مسلک ممکن الاتباع نہیں۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی کا ایک مکاشفہ: یہ بات علامہ شعرانیؒ نے بھی لکھی ہے، نیز انہوں نے مذاہب اربعہ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے ائمہ اربعہ کے سلسلہ میں اپنا ایک مکاشفہ تحریر فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ انہوں نے ان حضرات

---

[1] سنن أبي داود - كتاب الصلاة - باب الإمام يصلي من قعود ٦٠٢

[2] معالم السنن شرح سنن أبي داود - ج ١ ص ١٧٢ . بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٤ ص ٢٣٨

کے منازل و قباب کو اپنے مکاشفہ میں جنت کی نہر حیات پر دیکھا ہے، انہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب المیزان الکبریٰ میں ان چاروں ائمہ کے چار قبوں [1] کے نقشے بنائے ہیں، اور سب سے پہلے شروع میں ان قبوں کے متصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ بنایا ہے، گویا کل پانچ قبے ہوئے، ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ، ان کے برابر میں امام ابو حنیفہؒ کا، پھر اس کے برابر میں امام مالکؒ کا، اور اس کے برابر میں امام شافعیؒ کا، اور اس سے آگے پھر امام احمدؒ کا، انہوں ایک نہر کا نقشہ بنا کر اس کے کنارے پر یہ پانچوں قبے بنائے ہیں، اور یہ نہر جنت کی وہ نہر ہے جس کو نہر حیات کہتے ہیں، جس کا وجود دنیا میں بصورت دریائے شریعت مطہرہ ہے، وہ فرماتے ہیں ان چاروں ائمہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نیابت حاصل ہے، امت محمدیہ کو شریعت محمدیہ تک رہنمائی کرنے میں ان چاروں حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی خصوصی وابستگی ہے جسکی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چاروں ائمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ دنیا میں جدا ہیں نہ آخرت میں، نیز وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اس نقشہ میں ائمہ اربعہ کے قبوں کے متصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قبہ کو اسلئے ذکر کیا ہے کہ ان حضرات ائمہ کو یہ جو کچھ مقام عالی حاصل ہوا ہے، وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے اتباع کا نتیجہ ہے اور اخیر میں وہ لکھتے ہیں کہ اس نقشہ میں جس ترتیب سے میں نے قبے بنائے ہیں، وہ عقلی یا قیاسی نہیں، بلکہ یہ شکل اس شکل کے مطابق ہے جو میں نے بعض احوال جنت میں دیکھی ہے، قبوں کے اس نقشہ کو جو شخص دیکھنا چاہے تو وہ اصل کتاب المیزان الکبریٰ یا پھر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی اردو تالیف شریعت و طریقت کا تلازم [2] دیکھے، حضرتؒ نے اس نقشہ کی شکل اس کتاب میں بنائی ہے۔

فائدہ: مضمون سابق سے معلوم ہوا کہ ان حضرات مصنفین صحاح ستہ میں سے کسی کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ وہ حنفی تھے، لیکن یہ چیز بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جس کو حضرت شیخؒ نے مقدمہ لامع میں لکھا ہے، حضرتؒ نے مقدمہ لامع میں بطور مثال تیس پینتیس ایسے اکابر محدثین کے نام گنوائے ہیں جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ کے سلسلہ میں یا مذہب حنفی کے اتباع کرنے والوں میں داخل ہیں، اور حال یہ ہے کہ وہ سب کے سب حضرت امام بخاریؒ یا دوسرے مصنفین صحاح کے اساتذہ و شیوخ یا شیوخ الشیوخ کی فہرست میں شامل ہیں۔

امام ابو داود کی احادیث منتخبہ: امام صاحبؒ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں ان میں سے چار ہزار آٹھ سو کا انتخاب کر کے اپنی اس سنن میں ذکر کیا، اور پھر ان چار ہزار حدیثوں میں سے صرف چار حدیثوں کا انتخاب کیا، فرماتے ہیں، ويكفي الإنسان لدينه من ذلك أربعة أحاديث [3] یعنی ان چار ہزار میں سے صرف

---

[1] کتاب المیزان — ج ۱ ص ۱۹۸ طبعہ اولی عالم الکتب ۱۹۸۹ء

[2] شریعت و طریقت کا تلازم — ص ۴۹ مکتبة الشیخ

[3] شرح سنن أبي داود للعینی — ج ۱ ص ۱۷

چار حدیثیں ایسی ہیں جو انسان کے دیندار بننے کیلئے کافی ہیں:

أ. إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (سنن أبي داود - كتاب الطلاق - باب فيما عني به الطلاق والنيات ٢٢٠١)

ب. مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ (جامع الترمذي - أبواب الزهد ٢٣١٧)

ج. لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِنًا حَتَّى يَرْضَى لِأَخِيهِ مَا يَرْضَى لِنَفْسِهِ (ونصل الحديث في جامع الترمذي - أبواب الزهد ٢٥١٥: لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه. وهو في الصحيحين)

د. إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ (صحيح مسلم - كتاب المساقاة - باب أخذ الحلال وترك الشبهات ١٥٩٩)

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ حدیث اول تصحیح عبادات کیلئے کافی ہے، اور ثانی عمر عزیز کے اوقات کی تضییع سے حفاظت کیلئے کافی ہے، اور ثالث حقوق العباد کی ادائیگی کیلئے کافی ووافی ہے، اور رابع مشتبہ امور سے بچنے کیلئے کافی ہے۔

امام ابوداودؒ کی ان احادیث منتخبہ کا ذکر تراجم رجال کی بہت سی کتابوں میں ملتا ہے، مشکوۃ شریف کے اخیر میں صاحب مشکوۃ کی طرف سے الاکمال کے نام سے ایک رسالہ ملحق ہے، اس میں بھی صاحب مشکوۃ نے امام ابوداود کے ترجمہ میں ان احادیث کو ذکر فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ ان حضرات کو ہماری طرف سے اور تمام امت مسلمہ کی طرف سے بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے واقعی امت محمدیہ کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، دیکھئے یہ کتنا بڑا کام ہے کہ لاکھوں احادیث کے ذخیرہ میں سے چند ہزار احادیث کا انتخاب فرماتے ہیں، اور پھر چند ہزار میں سے چند عدد کا انتخاب، صرف ہماری اور آپ کی سہولت کیلئے کہ ہمیں دین پر چلنا آسان ہو جائے، ہماری دنیا و آخرت سدھر جائے اس کے لئے کوشش فرما رہے ہیں، بہت غور سے ان احادیث کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں ہم لوگوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے ان احادیث منتخبہ کی افادیت اور جامعیت پر کوئی کہاں تک بیان کر سکتا ہے، بقول امام ابوداودؒ کے لاکھوں حدیثوں کا لب لباب ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے درس بخاری اور اسی طرح أوجز المسالك جلد سادس میں تحریر فرمایا ہے کہ امام ابوداودؒ کی بعینہ ان احادیث کا انتخاب ان سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہؒ کر چکے ہیں، البتہ امام اعظمؒ نے ان چار کے علاوہ مزید ایک اور حدیث کا انتخاب فرمایا ہے، لہذا کل پانچ ہوئیں، اور وہ یہ ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ[1]، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ یہ بھی فرماتے تھے کہ اس پانچویں حدیث کو غالباً امام ابوداود نے اس لئے نہیں لیا کہ اس کا مضمون اور معنی حدیث نمبر ۳ یعنی لا

[1] صحيح مسلم - كتاب الإيمان - باب بيان تفاضل الإسلام، وأي أموره أفضل ٤١

يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ الخ سے مستفاد ہو رہا ہے۔

دراصل یہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ الخ والی حدیث بہت ہی اہم ہے، اسی لئے حضرات محدثین اس کو اپنی تصانیف کے شروع میں لاتے ہیں، حضرت شیخ فرماتے ہیں تصوف کی حقیقت صرف تصحیح نیت ہے، آدمی جو بھی کام کرے تجارت وزراعت، تصنیف و تالیف، درس و تدریس، محنت و مزدوری پہلے اپنی نیت درست کرلے، حسن نیت سے مباحات بھی عبادات[1] میں داخل ہو جاتے ہیں، اور ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا ہمارے سلوک و تصوف کی ابتداء إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ الخ ہے یعنی تصحیح نیت اور اس کا منتہی، أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ[2] ہے۔

تصنیفات امام ابو داود: امام ابو داودؒ کی فن حدیث میں اس سنن کے علاوہ اور بھی دوسری تصانیف ہیں، جن میں سے بعض ملتی ہیں اور بعض نایاب ہیں: ① مراسیل أبي داؤد، جس میں مصنفؒ نے صرف روایات مرسلہ کو ذکر فرمایا ہے یہ مختصر سی تالیف ہے اور سنن کے بعض نسخوں کے اخیر میں ملحق بھی ہے۔ ② الرد علی القدریة ③ الناسخ والمنسوخ ④ ماتفرد به اهل الامصار، جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ احادیث جن کے رواۃ سند سب کے سب کسی خاص شہر کے باشندے ہوں، مثلاً كُلُّهُمْ بَصْرِيُّونَ. كُلُّهُمْ كُوفِيُّونَ، اس نوع کی سند کی احادیث کو یکجا جمع کردیا ہے، مصنفؒ کی عادت اس سنن میں بھی یہ ہے کہ بعض احادیث کے ذیل میں فرماتے ہیں هذا الحديث رواته كلهم بصريون، یہ چیز لطائف اسناد میں شمار ہوتی ہے۔ ⑤ فضائل الانصار ⑥ مسند مالك بن انس ⑦ المسائل، یہ رسالہ کی شکل میں ہے جو حجاز میں طبع ہو چکا ہے، ⑧ امام ابو داود کی ایک اور تصنیف بھی معلوم ہوتی ہے جس کا نام کتاب بدء الوحی ہے، اس لئے کہ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب جلد اول[3] کے اوائل میں اس کا تذکرہ کیا ہے، لیکن انکی جملہ تصانیف میں سب سے اعلیٰ و افضل اور جامع یہ سنن ہے۔

ایک مزید فائدہ کی بات سنئے وہ یہ کہ حافظ ابن حجرؒ کی مشہور تصنیف تقریب التہذیب ہے، اس میں انہوں نے اصالةً تو تمام

---

[1] اس پر مجھے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ کا ایک طویل قصہ یاد آیا جو ابو داؤد کی کتاب الحدود (باب الحكم فيمن ارتد ٤٣٥٤) کے اوائل میں ہے اور غالباً بخاری شریف (کتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم - باب حكم المرتد والمرتدة واستتابتهم ٦٥٢٥) میں بھی ہے، قصہ تو طویل ہونے کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے، البتہ اس کے آخر کا ٹکڑا یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات صحابی جن کا اوپر ذکر آیا آپس میں گفتگو فرما رہے تھے، ایک دوسرے کا حال دریافت کر رہے تھے، نیز یہ کہ عبادات میں ہر ایک کا معمول کیا ہے؟ ہر ایک نے اپنا معمول بیان کیا، پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ نے معمولات عبادات بیان کئے اسکو سننے کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ نے یہ فرمایا وَأَرْجُو فِي نَوْمَتِي مَا أَرْجُو فِي قَوْمَتِي یعنی یہ کہ مجھ سے تو رات بھر جاگا نہیں جاتا، زیادہ مجاہدات مجھ سے نہیں ہوتے، میں تو رات میں سوتا بھی ہوں اور اٹھ کر کچھ عبادت بھی کرتا ہوں، اور میں اپنے سونے میں اللہ تعالیٰ سے اسی اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں جو جاگ کر عبادت کرنے میں؛ میرے اس نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ جب آدمی کی نیت درست ہو اور وہ طالب آخرت ہو، ہر چیز میں آخرت کو پیش نظر رکھتا ہو تو پھر ایسے شخص کو مباحات کرنے میں وہی ثواب ملتا ہے جو عبادات میں ہونا چاہئے۔

[2] صحيح مسلم - كتاب الإيمان - باب معرفة الإيمان، والإسلام، والقدر وعلامة الساعة ٨

[3] قلت: وروى عنه أبو داود في كتاب بدء الوحي له. تهذيب التهذيب ج ١ ص ٤٢

صحاح ستہ کے رواۃ کو ذکر فرمایا ہے، اور بعض رواۃ غیر صحاح کے بھی ذکر کئے ہیں، اور ان پر لفظ تمییز لکھدیا ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ راوی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے نہیں ہے ان سے الگ ہے، اور صحاح ستہ کے طرف اشارہ کرنے کیلئے انہوں نے رموز مقرر کئے ہیں، جن سے اشارہ کرتے ہیں، اس بات کی طرف کہ اس راوی کی روایات صحاح میں سے فلاں فلاں کتاب میں ہیں، سواگر وہ راوی ایسا ہے کہ اسکی روایات تمام صحاح ستہ میں ہیں تو اس راوی کے نام پر رمز ع بناتے ہیں، جو الجماعة کا مخفف ہے اور بخاری کا رمز خ اور مسلم کیلئے م اور سنن ابو داؤد کیلئے "د" اور نسائی کیلئے س اور ابن ماجہ کیلئے ق کیونکہ وہ قزوینی ہیں، اور اگر وہ راوی مراسیل ابو داؤد کا ہوتا ہے تو اس پر مد کا رمز بناتے ہیں، اور اگر کتاب الرد علی القدریة کا راوی ہوتا ہے تو اس پر رمز قد لکھدیتے ہیں، ق سے اشارہ قدریہ کی طرف اور د سے ابو داؤد کی طرف، اور اگر وہ راوی مصنف" کی تصنیف الناسخ والمنسوخ کا ہوتا ہے تو اس کیلئے رمز خد ہے اور ماتفرد به اهل الامصار کیلئے صد اور مسند مالك بن أنس کیلئے کن اور المسائل کیلئے ل۔ حافظ" کے اس صنیع سے محدثین کا امام ابو داؤد" کی ان تصانیف کے ساتھ اعتناء معلوم ہوتا ہے۔

مایتعلق بالمصنف: اب مقدمة الکتاب کا دوسرا حصہ یعنی مایتعلق بالمصنَّف ای الکتاب، بیان کیا جاتا ہے، اس میں سب سے پہلے اسم الکتاب ہے۔

کتاب کا نام اور وجہ تسمیہ: سو جاننا چاہئے کہ ہمارے سامنے جو کتاب ہے اس کا نام سنن ہے اور سنن حدیث کی اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں خاص طور سے احادیث احکام کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر جمع کیا جائے اور اس کتاب میں ایسا ہی ہے چنانچہ اس کی ابتداء کتاب الطہارۃ سے ہے اسکے بعد کتاب الصلوۃ، کتاب الزکوۃ ہے، جو فقہاء کی ترتیب ہے یہ پہلے گذر چکا ہے کہ احادیث کے کل مضامین آٹھ ہیں، اور جس کتاب میں وہ سب جمع ہوں گے اس کو جامع کہا جائے گا، چونکہ اس کتاب میں تمام ابواب ثمانیہ نہیں ہیں، گو اکثر مضامین ہیں، اسلئے اسکو جامع نہیں کہا گیا، اس میں کتاب التفسیر اسی طرح تواریخ، مغازی، اور رقاق یعنی زہد وغیرہ کے ابواب نہیں ہیں، بخلاف سنن ترمذی کے کہ اس میں دونوں باتیں ہیں کہ ابواب ثمانیہ پر مشتمل ہے، چنانچہ اس کی کتاب التفسیر اور کتاب الزہد بڑی طویل ہے، اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ کی ترتیب کے مطابق بھی ہے، اسلئے اس پر جامع اور سنن دونوں کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

دراصل حضرات محدثین نے مختلف نہج سے حدیث کی خدمت کی ہے اور مختلف طرز پر نوع بنوع حدیث کی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ہر نوع تصنیف کا نام بھی جدا رکھا گیا ہے، کسی کو سنن کہا جاتا ہے تو کسی کو جامع، کسی کو معجم تو کسی کو مسند، کسی کو مستخرج تو کسی کو مستدرک وغیرہ وغیرہ، بہت سی انواع واقسام ہیں، جن کی اصطلاحات کا جاننا طلبہ کیلئے بہت ضروری اور مفید ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے مقدمہ لامع میں بڑی تفصیل سے انواع کتب حدیث کو مع امثلہ کے بیان فرمایا ہے، اور احقر نے بھی الفیض السمائی کے مقدمہ میں اچھی طرح بیان کیا ہے، آپ حضرات کو تھوڑا سا وقت نکال کر ان چیزوں کا مطالعہ ضرور

کرنا چاہئے کہ بغیر محنت کے کچھ نہیں آتا، مسلم شریف میں آپ پڑھیں گے، ایک مقام پر ہے لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ[1] کہ راحت جسم کے ساتھ علم حاصل نہیں ہوتا۔

من طلب العلی سهر اللیالی

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ طلبہ کے سامنے اس شعر کو بکثرت پڑھا کرتے تھے، اگر موقع ہوا تو آگے چل کر انشاء اللہ ہم بھی بعض انواع کتب حدیث بیان کر دیں گے۔

غرض مصنف یعنی وجہ تالیف: حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ امام ابو داودؒ کی غرض اس کتاب سے مستدلاتِ ائمہ کو جمع کرنا ہے، یعنی ائمہ فقہاء نے اپنے اپنے مسائل میں جن جن احادیث سے استدلال فرمایا ہے وہ سب استدلالات اور دلائل اس کتاب میں آجائیں، اور ہر مذہب والے امام کی دلیل اس کتاب میں مل جائے اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے، چنانچہ امام غزالیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ ایک مجتہد کیلئے کتب حدیث میں سے صرف یہ ایک کتاب ایسی ہے جو اس کے مقصد کیلئے کافی ہو سکتی ہے۔

علامہ ابن قیمؒ غرض تالیف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حاسدین وطاعنین کی جانب سے جب ائمہ فقہاء پر تنقیدیں اور قلت روایت کے اعتراضات کئے گئے تو امام ابو داودؒ نے چاہا کہ جدید طرز پر ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں مستدلات ائمہ بالاستیعاب سامنے آجائیں، تاکہ ان ناقدین کا منہ بند ہو، امام ابو داودؒ نے اس خط میں جو انہوں نے اہل مکہ کے نام لکھا ہے، خود تحریر فرمایا ہے کہ میری اس کتاب میں امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، اور امام شافعیؒ کے اصول و دلائل موجود ہیں، چنانچہ ابن الاعرابیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس سوائے قرآن کریم اور سنن ابو داود کے کوئی اور کتاب نہ ہو لم يحتج الى غيرهما۔

زمانِ تالیف: بتعیینِ طور سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مصنفؒ اسکی تصنیف سے کس سن میں فارغ ہوئے، البتہ یہ ملتا ہے کہ وہ جب اسکی تالیف سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اسکو اپنے مشہور استاذ امام احمد ابن حنبلؒ کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اسکو پسند فرمایا، اور امام احمدؒ کا سنہ وفات ۲۴۱ھ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تالیف سنہ مذکور سے پہلے ہو چکی تھی، واللہ سبحانہ وتعالی أعلم۔

سنن ابو داود کا مرتبہ باعتبار تعلیم کے: مرتبہ دو اعتبار سے ہوتا ہے، ایک تو تعلیم کے اعتبار سے یعنی تعلیمی ترتیب کیا ہونی چاہئے، دوسرا مرتبہ صحت و قوت کے اعتبار سے، تعلیم کے اعتبار سے ترتیب جو ہم نے اپنے اساتذہ سے سنی ہے، یہ ہے کہ مشکوۃ شریف کے بعد ترمذی ہونی چاہئے، اس لئے کہ طالب علم کو سب سے پہلے مذاہب ائمہ کو معلوم

---

[1] صحيح مسلم - كتاب المساجد ومواضع الصلاة - باب أوقات الصلوات الخمس ٦١٢.

کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، سو وہ منجملہ وظائف ترمذی کے ہے، امام ترمذیؒ خاص طور سے حدیث بیان کرنے کے بعد مسئلہ ثابتہ بالحدیث اور اس میں اختلاف علماء و مذاہب پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اب جب علماء کے مذاہب معلوم ہو گئے تو ضرورت پیش آئی اس بات کی کہ ہر ایک کی دلیل معلوم کی جائے، سو مستدلات ائمہ کو ذکر کرنا وظیفہ ہے امام ابو داؤدؒ کا، لہٰذا ترمذی کے ابواب کے بعد ابو داؤد پڑھنی چاہئے۔ مسئلہ اور دلیل مسئلہ معلوم ہونے کے بعد ضرورت ہوتی ہے اس بات کی کہ طریق استخراج معلوم ہو، یعنی یہ بات کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے کیونکر ثابت ہو رہا ہے، سو طرق استخراج پر تنبیہ کرنا وظیفہ ہے امام بخاریؒ کا، اسی وجہ سے وہ ایک ایک حدیث دس دس جگہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرتے ہیں، کیونکہ ایک ہی حدیث سے مختلف مسائل ثابت ہوتے ہیں، اس لئے سنن ابو داؤد کے بعد بخاری شریف پڑھنی چاہئے۔ اب جب کہ مسئلہ دلیل مسئلہ اور طریق استخراج تینوں باتیں معلوم ہو گئیں، تو اب پھر مزید استحکام و تائید کیلئے دوسرے دلائل و شواہد کو حاصل کیا جاتا ہے، اور یہ چیز ملتی ہے مسلم شریف میں، کیونکہ وہ ایک مضمون کی متعدد احادیث کو مختلف اسانید سے یکجا ذکر فرما دیتے ہیں، لہٰذا چوتھا درجہ ہوا مسلم شریف کا۔ اب جب مذکورہ بالا سب چیزیں معلوم ہو گئیں تو اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ان دلائل میں غور کر کے یہ دیکھا جائے کہ ان میں کوئی خامی یا علت خفیہ تو نہیں ہے، سو یہ بات حاصل ہوتی ہے سنن نسائی سے، علل حدیث پر تنبیہ فرمانا ان کا خاص وظیفہ ہے۔ یہ ترتیب ہوئی اصول خمسہ کی باعتبار تعلیم و تعلم کے، متقدمین کے یہاں امہات کتب پانچ ہی ہیں، چنانچہ امام نوویؒ نے تقریب میں ان ہی پانچ کتب کو کتب صحاح میں شمار کیا ہے، بعض علماء نے امہات کتب بجائے پانچ کے چھ قرار دی ہیں، جو صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں، اور مشہور یہ ہے کہ وہ چھٹی کتاب ابن ماجہ ہے، لہٰذا اب سب کے بعد اخیر میں اسی کو پڑھنے کا نمبر ہے، اس کی ایک وجہ یہ گھڑی جا سکتی ہے کہ امام ابن ماجہؒ اپنی اس کتاب میں بہت سی نادر حدیثیں لائے ہیں، اور نوادر کا جاننا بعد ہی کی بات ہے۔

لیکن یہ ترتیب تعلیم کے اعتبار سے اس وقت ممکن ہے جب ایک ہی استاذ ان سب کتابوں کو یکے بعد دیگرے پڑھا رہا ہو، لیکن اگر بیک وقت ان کتب کے پڑھانے والے متعدد اساتذہ ہوں جو ہر کتاب اپنے اپنے گھنٹہ میں پڑھاتے ہوں، جیسا کہ آج کل ہمارے ان مدارس میں ہوتا ہے تو پھر وہاں یہ ترتیب ظاہر ہے کہ نہیں چل سکے گی، حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ چونکہ تن تنہا دورۂ حدیث کی تمام کتابیں پڑھاتے تھے، اس لئے وہاں پر یہ ترتیب چل سکتی تھی، بہر حال یہ جو باتیں بیان کی گئیں، تعلیمی ترتیب کے سلسلہ میں خواہ اس پر عمل کی نوبت آئے نہ آئے لیکن ان سے ان حضرات مصنفین کا اپنا اپنا مخصوص طرز بیان اور ہر کتاب کی ایک خصوصیت سامنے آگئی جو طلبہ کیلئے مفید اور موجب بصیرت ہے۔

طبقات کتب حدیث: دوسرا مرتبہ جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں، صحت و قوت کے اعتبار سے ہے، سو خاص سنن ابو داؤد کا مرتبہ معلوم کرنے سے پہلے مطلق کتب احادیث کے مراتب معلوم ہونے چاہئیں، کیونکہ حدیث کی

کتابیں تو سینکڑوں کی تعداد میں ہیں، اور سب کی سب حجت و قابل استدلال نہیں ہیں، صحت و ضعف کے لحاظ سے مختلف ہیں، اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ نے ایک نہایت مفید اور مختصر رسالہ تصنیف فرمایا ہے، جس کا نام ہے ما یجب حفظہ للناظر، اس میں شاہ صاحب قدس سرہ نے صحت و قوت کے اعتبار سے کتب حدیث کے طبقات و مراتب بیان فرمائے ہیں، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ درس بخاری میں اس رسالہ کی اہمیت بیان فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ واقعی یہ رسالہ قابل حفظ ہے، شاہ صاحبؒ نے اس کا نام ما یجب حفظہ للناظر صحیح رکھا ہے، اور پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے اس رسالہ میں جو طبقات کتب بیان فرمائے ہیں، ان سب کو بیان فرمایا کرتے تھے، نیز حضرت شیخ نے اس رسالہ سے ان طبقات کتب کو لامع الدراری کے مقدمہ میں بھی ذکر فرمایا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ اس رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ طبقات کتب حدیث پانچ ہیں:

أ. **طبقۂ اولیٰ:** وہ کتب ہیں جن کی جملہ احادیث حجت اور قابل استدلال ہیں، بلکہ رتبہ صحت کو پہنچی ہوئی ہیں، جو حدیث قوی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اس طبقہ میں تقریباً وہ تمام کتابیں داخل ہیں جو صحیح کے ساتھ موسوم ہیں، اور بعض اس کے علاوہ ہیں، اس طبقہ میں شاہ صاحب نے مؤطا مالك، صحیحین، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابو عوانہ، صحیح ابن السکن، المنتقیٰ لابن الجارود اور مستدرك حاکم کو شمار کیا ہے۔

ب. **طبقۂ ثانیہ:** وہ کتابیں ہیں جن کی احادیث صالح للاخذ اور قابل استدلال ہیں، اگرچہ ساری صحت کے درجہ کو نہ پہنچی ہوں، اور کسی حدیث کے حجت ہونے کیلئے اس کا رتبہ صحت کو پہنچنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ حدیث حسن بھی حجت اور قابل استدلال ہے، اور اس طبقہ میں یہ کتابیں ہیں، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور مسند احمد بھی اسی طبقہ میں ہے، اس لئے کہ اس میں جو بعض روایات ضعیف ہیں وہ حسن کے قریب ہیں۔

ج. **طبقۂ ثالثہ:** ان کتب کا ہے جس میں سب قسم کی روایات ملتی ہیں، قابل استدلال اور غیر قابل استدلال، جیسے ابن ماجہ، مسند ابو داؤد الطیالسی، مسند ابو یعلی الموصلی، مسند البزار، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابو بکر بن ابی شیبۃ، المعاجم الثلاثۃ للطبرانی، سنن البیہقی، شعب الإیمان للبیہقی، سنن دار قطنی، الحلیۃ لابی نعیم، اور تفسیر کی کتابیں، جیسے تفسیر ابن مردویۃ، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، وغیرہ وہ تمام کتب حدیث جو تفسیر میں لکھی گئیں۔

د. **طبقۂ رابعہ:** ان کتب کا ہے جن کی ہر حدیث پر ضعف کا حکم لگایا جائے گا، یعنی بشرطیکہ وہ حدیث صرف اسی کتاب میں ہو، اوپر والے طبقات کی کتب میں نہ ہو، جیسے حکیم ترمذی کی نوادر الاصول، دیلمی کی مسند الفردوس، الکامل لابن عدی، کتاب الضعفاء للعقیلی اور تاریخ کی کتابیں جیسے تاریخ الخلفاء، تاریخ ابن عساکر، تاریخ ابن النجار اور تاریخ الخطیب البغدادی وغیرہ۔

۵. **طبقۂ خامسہ:** کتب موضوعات کا ہے، جن میں صرف احادیث موضوعہ ہی ذکر کی گئی ہیں، علماء محققین و محدثین ناقدین نے بہت سی کتابیں ایسی لکھی ہیں جن میں وہ صرف احادیث موضوعہ کو تلاش کر کے لائے ہیں، تا کہ عام اہل علم ان سے باخبر ہو کر دھوکہ میں آنے سے بچیں، چنانچہ الموضوعات الکبریٰ ابن الجوزی کی اس سلسلہ کی مشہور کتاب ہے، اور بھی متعدد کتب ہیں، اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة سیوطی کی، الموضوعات الکبریٰ، المصنوع فی معرفة الموضوع دونوں ملا علی قاریؒ کی، تذکرة الموضوعات، شیخ محمد طاہر پٹنی کی، تنزیہ الشریعة عن الاخبار الشنیعة ابن عراق کی، اور الفوائد المجموعة شوکانی کی، موضوعات المصابیح قزوینی کی۔

: مذکورہ بالا بیان سے تو معلوم ہو گیا کہ صحاح ستہ میں سے صحیحین اور مؤطا مالک طبقۂ اولیٰ میں داخل ہیں، اور سنن ابن ماجہ طبقۂ ثالثہ میں سے ہے، اور سنن ثلاثہ (ابوداؤد، ترمذی اور نسائی) طبقۂ ثانیہ میں سے ہیں اور صحاح ستہ میں سے کوئی کتاب طبقۂ رابعہ کی نہیں ہے۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ نے اپنے رسالہ عجالۂ نافعہ میں طبقات کتب حدیث چار ذکر فرمائے ہیں، اور فیما یجب حفظہ للناظر میں پانچ طبقے شمار کرائے ہیں، جیسا کہ ابھی بیان کئے گئے، سو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عجالۂ نافعہ میں جو تقسیم کی گئی وہ صحت و شہرت دونوں کے اعتبار سے ہے اور فیما یجب حفظہ للناظر میں صرف صحت و ضعف کے لحاظ سے ہے، اس لئے اس میں ایک قسم بڑھ گئی۔

تنبیہ ثانی: شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو طبقات کتب کے مراتب قرار دیئے ہیں ان میں حدیث کی صحت و قوت کا مدار گویا کتابوں پر رکھا ہے، چنانچہ شاہ صاحب قدس سرہ صحیحین کی احادیث کو غیر صحیحین پر مقدم رکھتے ہیں، اور گویا کسی حدیث کا بخاری و مسلم میں ہونا ہی ترجیح کیلئے کافی ہے، یہی مسلک ابن الصلاح محدث کا ہے، لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے صحت حدیث کا مدار کتابوں پر نہیں رکھا، بلکہ صحت [1] حدیث کا مدار رجال سند اور اصول نقد پر رکھا ہے، اور یہی مسلک محقق ابن ہمام کا ہے۔

صحاح ستہ کے مابین فرق مراتب: اب صحاح ستہ کے درمیان آپس میں تفصیلاً فرق مراتب سنئے! سو جاننا چاہئے کہ اصح الستة تو گویا بالاتفاق بلکہ یہ کہئے عند الجمہور صحیح بخاری ہے، چنانچہ مشہور علی الألسنة ہے: انه اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ۔

---

[1] مولانا عبدالحلیم چشتی نے عجالۂ نافعہ مصنفہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ کی اردو شرح فوائد جامعہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ترجمہ میں اس موضوع پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے، یہ عبدالحلیم چشتی مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب التصانیف کے برادر [illegible] عجالۂ نافعہ کی بڑی عمدہ محققانہ اردو زبان میں شرح لکھی ہے، فوائد جامعہ کے نام سے پاکستان سے کافی عرصہ پہلے شائع ہوئی تھی۔

لیکن حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے لا اعلم کتابا اصح من الموطا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقولہ اس وقت کا ہے جب کہ صحیحین کا وجود بھی نہیں ہوا تھا، امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ ہے اور امام بخاریؒ کی ولادت ۱۹۴ھ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام شافعیؒ کے انتقال کے وقت امام بخاریؒ کی عمر صرف دس سال تھی، اسی طرح ابو علی نیشاپوریؒ (یہ حاکم صاحب مستدرک کے استاذ ہیں) سے جو مروی ہے ما تحت أدیم السماء کتاب أصح من کتاب مسلم بن الحجاج [1]، اس کی بھی علماء نے مختلف توجیہات فرمائی ہیں، مشہور جواب یہ ہے کہ صحت میں مسلم کی ترجیح مقصود نہیں، بلکہ حسن ترتیب اور جودت نظم کے اعتبار سے ترجیح مقصود ہے، اور یہ صحیح ہے اس لئے کہ ترتیب اور حسن سیاق اور دقائق اسناد میں مسلم شریف واقعی سب سے اونچی ہے، وہ ایک مضمون کی جملہ روایات کو بجمیع طرقہا یکجا نہایت سلیقہ اور عمدگی کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں، امام نوویؒ نے بھی شرح مسلم کے شروع میں اسانید پر کلام کرتے ہوئے اس چیز کا بہت ہی شد و مد کے ساتھ اظہار فرمایا ہے اور امام مسلمؒ کے طرز بیان کی مدح فرمائی ہے۔

بہر حال بخاری شریف کا مرتبہ صحت و قوت میں مسلم سے بڑھا ہوا ہے، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بخاری کی روایات متکلم فیہا مسلم کی روایات متکلم فیہا سے کم ہیں، اگرچہ جواب سب کا دیا گیا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی روایات متکلم فیہا جو صرف بخاری ہی میں ہیں، ان کی تعداد اٹھتر ۷۸ ہے، اور صحیح مسلم کی وہ روایات جو متکلم فیہا ہیں پوری ایک سو ہیں، اور ایسی روایات جن کی تخریج دونوں نے کی ہے، یعنی وہ روایات متفق علیہ اور متکلم فیہا ہیں، ان کی تعداد بتیس ہے، لہٰذا مسلم کی متکلم فیہا روایات بخاری سے ۲۲ زائد ہیں، ان روایات متکلم فیہا کی تعداد بحساب ابجد بعض علماء نے نظم کی ہے:

ع	فذعَعْ لجعفی وقافٌ لمسلمٍ	وبَلْ لهما فاحفظ وُقيتَ من الردى
	۷۸ ۱۰۰	۳۲

ایک دلیل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کا انتخاب چھ لاکھ احادیث سے فرمایا ہے اور امام مسلمؒ نے صرف تین لاکھ سے انتخاب فرمایا ہے۔

بخاری شریف کے بعد مرتبہ ہے مسلم شریف کا، پھر اس کے بعد عند الجمہور مرتبہ ہے ابو داؤد کا، لیکن ابن سید الناسؒ کی رائے یہ ہے کہ سنن ابو داؤد اور مسلم دونوں ایک درجہ میں ہیں، لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے، اس کے بعد مشہور یہ ہے کہ ترمذی شریف کا مرتبہ ہے، لیکن بہت سے حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ نسائی شریف کا درجہ ترمذی سے اونچا ہے، یہی ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی رائے ہے، اور قرین قیاس بھی یہی ہے، اس لئے کہ ترمذی کی ایسی روایات متکلم فیہا جن پر ابن الجوزیؒ نے وضع کا حکم لگایا ہے، تیس ہیں، اور نسائی شریف میں صرف دس حدیثیں ایسی ہیں جن پر ابن الجوزیؒ نے وضع حکم

---

[1] تذکرۃ الحفاظ - ج ۲ ص ۵۸۹ دار الکتب العلمیۃ

لگایا ہے، اور بعض مغاربہ نے تو یہاں تک کہہ دیا جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے فتح المغیث میں نقل کیا ہے کہ نسائی شریف کا درجہ بخاری سے بھی اونچا ہے، دوسری وجہ وہ ہے جو اس واقعہ سے معلوم ہوتی ہے کہ امام نسائی نے جب سنن کبریٰ تالیف فرمائی جس میں سب طرح کی روایات تھیں، قوی اور ضعیف تو امیر وقت نے آپ سے سوال کیا: اکلہ صحیح؟ فقال لا فقال الامیر فاکتب منه الصحیح مجردا فلخص منها الصغری وسماه المجتبی (بالباء او النون) یعنی کیا اس کی سب احادیث صحیح ہیں؟ امام نسائی نے فرمایا نہیں، تو اس پر امیر نے کہا کہ اس میں صرف صحیح روایات الگ لکھئے، اس پر امام نسائی نے سنن کبریٰ کی تلخیص کر کے اس سے صرف احادیث صحیحہ کو لیا، اور اس سنن صغریٰ کا نام المجتبیٰ رکھا باء کے ساتھ یا المجتنیٰ نون کے ساتھ، دونوں قول ہیں، ایک صورت میں ماخوذ ہوگا اجتباء (بالباء) سے جس کے معنی ہیں انتخاب اور پسند کرنے کے، اور دوسری صورت میں ماخوذ ہوگا اجتناء (بالنون) سے جسکے معنی پھل وغیرہ چننے کے ہیں، حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے یہ ہے کہ نسائی شریف کا مرتبہ ابوداؤد سے بھی اونچا ہے، اور دلیل میں یہ پیش فرماتے ہیں کہ امام نسائی نے خود ارشاد فرمایا ہے ما أخرجت في الصغری صحیح یعنی میں نے اس سنن صغریٰ میں جتنی روایات ذکر کی ہیں وہ سب صحیح ہیں، اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن کے بارے میں فرمایا ہے مالم اذکر فیه شیئا فهو صالح [1]، یعنی جس روایت پر میں کچھ کلام نہ کروں (اور ایسی روایات سنن ابوداؤد میں بہت ہیں) تو وہ صالح ہے اور صالح عام ہے، صحیح وحسن دونوں کو شامل ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ سنن صغریٰ افضل ہے سنن ابوداؤد سے۔

سنن ابن ماجه اور سادس سته میں علماء کا اختلاف: اب سب سے اخیر میں سنن ابن ماجہ کا مرتبہ ہے، بالاتفاق اس لئے کہ اس میں بہت سی روایات ضعیف ہیں، حافظ ذہبی کی رائے یہ ہے کہ اس میں ایسی روایات جو حجت اور قابل استدلال نہیں ہیں وہ تقریباً ایک ہزار ہیں اور ایسی احادیث جو بالکل مطروح اور ساقط الاعتبار ہیں وہ تیس کے قریب ہیں، اور ابن الجوزیؒ نے تو ان کو موضوعات میں داخل کیا ہے، اور حافظ مزیؒ نے قاعدہ کلیہ فرمادیا، کل ما انفرد به ابن ماجه فهو ضعیف [2]، کہ جو روایت ایسی ہو کہ صرف ابن ماجہ میں ہو اور صحاح ستہ کی کسی دوسری کتاب میں نہ ہو وہ ضعیف ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس قاعدہ کلیہ کو تسلیم نہیں کیا ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ علی الاطلاق ایسا نہیں ہے، گو یہ صحیح ہے کہ اس میں بہت سی حدیثیں ضعیف اور منکر ہیں۔

حضرت شیخ نے مقدمہ لامع میں لکھا ہے کہ متقدمین نے سنن ابن ماجہ کو اصول اور امہات کتب میں شمار نہیں کیا، چنانچہ امام نوویؒ نے تقریب میں امہات کتب صرف پانچ قرار دی ہیں، یعنی ان کے نزدیک صحاح ستہ کے بجائے صحاح خمسہ ہے، یعنی

---

[1] قال النسائي: ما أخرجت في الصغری صحیح، وقال أبو داود ما أخرجت في كتابي صالح للعمل بعم الحسن والصحیح (العرف الشذي ج ۱ ص ۳۲)
[2] تهذیب التهذیب ج ۹ ص ۴۶۹

صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد اور سنن نسائی۔ سنن ابن ماجہ کو انہوں نے نہیں لیا، کہا جاتا ہے:
اول من ضمه الى الاصول ابن طاهر المقدسي، یعنی ابن ماجہ کو کتب صحاح میں سب سے پہلے ابن طاہر المقدسی نے داخل کیا، یہ ابن طاہر المقدسی وہی ہیں جن کی دو کتابیں شروط الائمۃ الستۃ اور أطراف الکتب الستۃ [1] بہت مشہور ہیں، ان دونوں کتابوں میں انہوں نے صحاح کی پانچ کتابوں کے ساتھ چھٹی کتاب ابن ماجہ کو بھی لیا ہے، اور بعض حضرات نے بجائے ابن ماجہ کے مؤطا مالک کو سادس ستہ قرار دیا ہے، چنانچہ رزین بن معاویۃ العبدریؒ انہی میں سے ہیں، بلکہ اصل وہی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب تجرید الصحاح میں کتب خمسہ اور بجائے ابن ماجہ کے مؤطا کی احادیث کو لیا ہے، اسی طرح ابن الاثیر الجزری نے جامع الأصول في أحاديث الرسول میں صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا ہے اور ابن ماجہ کے بجائے مؤطا کو لیا ہے، اور ابو سعید علائی نے بجائے اسکے سنن دارمی کو سادس ستہ قرار دیا ہے، اور ابو الحسن سندھیؒ فرماتے ہیں کہ طحاویؒ کی شرح معانی الآثار احق ہے کہ اسکو صحاح ستہ میں شمار کیا جائے فانه عديم النظير في بابه۔

صحاح ستہ کی بعض خصوصیات: ہر کتاب کی کچھ خصوصیات ہوا کرتی ہیں، صحاح ستہ میں سے بھی ہر ایک کتاب کی الگ الگ خصوصیتیں ہیں، چنانچہ بخاری شریف میں بڑی خصوصیت واہمیت اس کے تراجم کو حاصل ہے، چنانچہ مشہور ہے فقه البخاري في تراجمه حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کی تراجم بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاریؒ کی ساری کمائی ان کے تراجم میں ہے، تراجم بخاری میں لطیف اشارات اور دقیق طرق استنباط پائے جاتے ہیں، جس سے حضرت امام بخاریؒ کی باریک بینی اور بالغ نظری کا پتہ چلتا ہے، بعض مرتبہ ترجمۃ الباب اور حدیث الباب میں بظاہر کوئی مناسبت نظر نہیں آتی، نیز بعض تراجم مکرر معلوم ہوتے ہیں، حالانکہ وہاں غرض مختلف ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شراح بخاری کو اس کے تراجم حل کرنے کیلئے مستقل اصول وضوابط بنانے پڑے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مقدمہ لامع میں اولاً شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے تحریر فرمودہ بیس اصول اور اس کے بعد حضرت شیخ الہند کے بیان فرمودہ پندرہ اصول تراجم نقل فرمائے ہیں، پھر اس کے بعد مختلف شروح بخاری میں یا تراجم میں غور کرنے اور شروح کے مطالعہ سے جو اصول خود حضرت شیخؒ کے ذہن میں آئے ہیں ان کو ذکر فرمایا ہے، غرضیکہ سب مل ملا کر ستر اصول ہو گئے، جن کو بڑی وضاحت اور ذکر امثلہ کے ساتھ تفصیل سے لامع الدراری کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے، واقعی حضرت شیخ نے حتی الاستطاعة تراجم بخاری کے حل کرنے کا حق ادا فرمایا، گو مشہور یہ ہے کہ تراجم بخاری کی شرح کا قرض امت کے ذمہ ابھی تک باقی چلا آرہا ہے۔

اور صحیح مسلم کی ایک نمایاں خصوصیت اور وصف امتیازی یہ ہے کہ وہ ایک مضمون کی جملہ احادیث کو بڑی خوبصورتی یعنی حسن ترتیب کے ساتھ یکجا بیان فرماتے ہیں، ایک حدیث کی متعدد اسانید کو بڑے سلیقہ سے ذکر فرماتے ہیں، جس کو حضرات محدثین

[1] اطراف حدیث کی ایک خاص قسم کی کتاب کا اصطلاحی نام ہے، جس کا تعارف انشاء اللہ آگے آئے گا۔

ہی بخوبی سمجھ سکتے ہیں، ہم اور آپ جیسے طلبہ کی رسائی ان باریکیوں تک کہاں ہے، چنانچہ امام نوویؒ نے اپنی شرح مسلم کے شروع میں جابجا امام مسلمؒ کی اس حسن ترتیب اور جودت وضع کا ذکر فرمایا ہے، اس کتاب میں گو صورۃً تراجم ابواب مفقود ہیں، لیکن فی الواقع مضامین کے اعتبار سے اصل کتاب مبوب اور مرتب ہے، ہر باصلاحیت شخص اس کی احادیث پر سرخیاں اور تراجم قائم کر سکتا ہے، چنانچہ موجودہ تراجم جو حاشیہ میں درج ہیں وہ امام نووی شارح مسلم کی جانب سے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام نووی کے قائم کردہ تراجم صحیح مسلم کے شایان شان نہیں ہیں، اور ان سے کتاب کا حق ادا نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں آپ سے ہو سکے تو آپ حق ادا کر دیجئے، خواہ مخواہ کی بات ہے، لوگوں کو رائے زنی اور تنقید میں مزہ آتا ہے، امام نوویؒ کی اس شرح میں بڑی خیر و برکت ہے، مسلم شریف کی نہایت نفیس اور جامع شرح لکھی ہے، فجزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔

اور ترمذی شریف کی سب سے اہم قابل اعتناء چیز جو نہایت محنت طلب ہے، اور اس زمانہ میں اس پر کوئی مستقل [1] کتاب نہیں ہے، وہ انکا قول وفی الباب عن فلان وفلان ہے، یعنی ان روایات کی تخریج کہ یہ روایات جن کا وہ حوالہ دے رہے ہیں کہاں اور کس کتاب میں ہیں۔

اور نسائی شریف کی ایک خاص چیز یہ ہے کہ وہ بعض احادیث پر اس طرح کلام فرماتے ہیں قال ابو عبد الرحمن ھذا الحدیث خطأ تو یہاں پر تحقیق طلب چیز یہ ہوتی ہے کہ جس چیز پر مصنف نقد فرما رہے ہیں وہ کیا ہے؟ نیز اسکا مقابل جو صواب ہے وہ کیا ہے؟ ویسے نسائی شریف کے تراجم ابواب کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے، لیکن چونکہ اس خصوصیت میں بخاری شریف اس سے فائق ہے اسلئے اسکو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اور میرا اندازہ یہ ہے کہ نسائی شریف کی کتاب الطہارۃ دقیق اور مشکل ہے، اور اسکے ابواب خاص طور سے قابل اعتناء ہیں۔

اور ابن ماجہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نادر اور غریب حدیثیں ہیں، نیز چونکہ اسکے اندر ضعاف بکثرت ہیں اور بعض روایات موضوع بھی ہیں، اسلئے اسکو ذرا سنبھل کر پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت ہے، یعنی یہ کہ اسکی احادیث موضوعہ اور مظر وحہ پر تنبیہ اور انکی نشاندہی کی جائے۔

اور طحاوی شریف کی خصوصیت میں ایک ممتاز چیز اسکی انظار ہیں، امام طحاویؒ اولاً مذہب حنفی کی ترجیح کو بطریق روایت ثابت فرماتے ہیں، اس سے فارغ ہونے کے بعد دلیل عقلی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور مذہب حنفی کی ترجیح بطریق درایت و نظر عقل بیان فرماتے ہیں۔

---

[1] یہ تقریر ۱۳۹۰ھ کی ہے، اور یہ نفی اسی وقت کے اعتبار سے ہے، ورنہ اب قریب ہی میں اس موضوع پر مستقل ایک کتاب کراچی سے شائع ہوئی ہے، جسکا نام کشف النقاب عما یقوله الترمذی وفی الباب، اور قدیم شراح نے اس سلسلہ میں جو کتابیں لکھی ہیں جیسے ابن سید الناس حافظ عراقی اور حافظ ابن حجر وغیرہ وہ اب نایاب ہیں۔

خصائص سنن ابو داؤد : اب ہم سنن ابوداؤد کی کچھ خصوصیات اور بعض عادات مصنف کو ذکر کرتے ہیں۔

① سنن ابوداؤد میں منجملہ دیگر خصوصیات کے ایک اہم چیز ''قال ابوداؤد'' ہے، اس کی غرض کا جاننا بہت اہم ہے، چنانچہ کبھی تو وہ اس سے اختلاف رواۃ فی الاسناد کو بیان کرتے ہیں، اور کبھی اختلاف رواۃ فی الفاظ الحدیث کو بیان کرتے ہیں، اور کبھی صرف تعدد طرق وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اب ہر مقام پر ''قال ابوداؤد'' کا مطلب سمجھنا اور ان اختلافات اور فروق کو سمجھنا جن کو وہ بیان کرنا چاہتے ہیں، ایک اہم کام ہے ان اقاویل ابوداؤد کی جتنی تشریح وتوضیح صاحب بذل المجهود نے کی ہے، ایسی کسی اور شارح نے ہمارے علم کے اعتبار سے نہیں کی ہے۔

② ایک عادت مصنف ؒ کی یہ ہے کہ وہ بعض مرتبہ جب کسی حدیث کی سند کو بیان کرتے ہیں تو وہ ایک سند کیساتھ اسی حدیث کی دوسری سند بھی ساتھ میں چلا دیتے ہیں، اور پھر ہر سند کے جو الفاظ مروی ہوتے ہیں ان کو الگ الگ ممتاز کر دیتے ہیں، اس طرح اگرچہ دوسرے حضرات مصنفین بھی کرتے ہیں لیکن بہت کم، سنن ابوداؤد میں یہ چیز بہت کثرت سے پائی جاتی ہے، غالباً اسی وجہ سے اس کو اس کتاب کے خصائص میں ذکر کیا جاتا ہے۔

③ مصنف ؒ کی ایک عادت یہ ہے کہ وہ بسا اوقات ترجمۃ الباب کے ذریعہ جمع بین الروایات اور دفع تعارض کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جس کا کتاب کے مطالعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

④ منجملہ ان کے وہ ہے جس کی تصریح مصنف ؒ نے خود فرمائی ہے، اپنے اس خط میں جو انہوں نے اہل مکہ کے نام لکھا ہے، وہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد اس سنن میں کسی ایسے راوی کی حدیث کو نہیں لائے ہیں، جو ان کے نزدیک متروک ہو۔

⑤ اسی طرح مصنف ؒ نے اپنی سنن کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے 'انه یقدم روایة الاقدم علی الاحفظ' یعنی اگر کسی حدیث کی دو سندیں ہیں، جن میں سے ایک کے راوی اقدم ہیں (وہ سند عالی اور کم وسائط والی ہے) اور دوسری سند کے راوی احفظ ہیں تو وہ اول الذکر کو اختیار کرتے ہیں، یعنی سند عالی کو اختیار کرتے ہیں گو اس کے رواۃ احفظ نہ ہوں۔

⑥ نیز مصنف ؒ کی ایک عادت یہ ہے جو ان کے اسی رسالہ مذکورہ سے مستفاد ہے کہ ان کا اصل منشا یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کو ثابت کرنے کیلئے اسکے ذیل میں بس ایک ہی روایت لائیں بشرطیکہ اس سے پورا ترجمہ ثابت ہو رہا ہو، اور اگر وہ کسی باب میں ایک سے زائد حدیث لاتے ہیں، تو وہ کسی خاص فائدہ کے تحت ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ اس دوسری حدیث میں کسی لفظ کی زیادتی ہے جو اول میں نہیں پائی جاتی یا اور کسی خاص فائدہ کے پیش نظر، اس خصوصیت کا حاصل یہ ہے کہ مصنف ؒ کا مقصود جمع روایات اور تکثیر روایات نہیں ہے، بلکہ ترجمۃ الباب کو ثابت کرنا ہے، جس کے لئے ایک یا دو حدیثیں کافی ہیں، بخلاف امام نسائی وامام مسلم کے وہ ایک حدیث کو متعدد طرق سے لاتے ہیں ان کے پیش نظر تکثیر طرق ہے، بعض مرتبہ وہ کسی حدیث کو اپنی کتاب میں دس بارہ بلکہ اس سے بھی زائد طرق کے ساتھ لاتے ہیں۔

⑦ نیز مصنفؒ نے اس رسالہ میں اپنی ایک عادت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ بسا اوقات طویل حدیث کا اختصار کرتے ہیں، اور اس حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کرتے ہیں جو ترجمۃ الباب کے مناسب اور اس سے متعلق ہو، اسلئے کہ پوری حدیث ذکر کرنے کی صورت میں اس حدیث کا جو جزو مقصود ہے وہ بعض لوگوں کے حق میں مخفی رہ سکتا ہے، یعنی یہ پتہ چلنے میں دشواری ہوگی کہ اس طویل حدیث کا کونسا حصہ مقصود ہے۔

⑧ نیز ایک خصوصیت اسکی حسب تصریح مصنف یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی احادیث جو صرف چار ہزار آٹھ سو ہیں ان کا انتخاب پانچ لاکھ احادیث سے کیا، جبکہ مسلم کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اسکا انتخاب تین لاکھ احادیث سے ہے۔

⑨ اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ اوّل السنن ہے، یعنی اس طرز کی یہ پہلی کتاب ہے، اور اس سے پہلے حدیث کی تصانیف جوامع اور مسانید کے قبیل سے تھیں۔

⑩ نیز ایک خصوصیت اس کی یہ ہے کہ احادیث احکام پر ایسی جامع کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی، فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس میں پایا جاتا ہے کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے، چنانچہ بعض علماء جیسے ابن الاعرابیؒ وامام غزالیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ کتب حدیث میں سے صرف یہ ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے۔

⑪ اس کتاب کے بارے میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے خواب میں فرمایا ”من أراد أن يستمسك بسنتي فليقرأ سنن أبي داؤد“ جو میری سنت کیساتھ تمسک یعنی اتباع کرنا چاہے اس کو سنن ابو داؤد پڑھنا چاہئے، اور خواب دیکھنے والے کہا گیا ہے کہ ابو العلاء الوادیؒ ہیں۔

ما سکت عنہ ابو داؤد کی بحث: یہ بحث بھی خصائص ابو داؤد میں سے ہے، اور علماء کے مابین اختلافی ہے، اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو داؤد روایات کی تخریج کے ضمن میں اختلاف رواۃ فی الاسناد کو بھی بیان فرماتے رہتے ہیں، اور پھر جس راوی کی متابعت ان کے علم میں ہوتی ہے اس کو بھی ذکر فرمادیتے ہیں جس سے ایک روایت کا راجح اور دوسری کا مرجوح ہونا خود ہی مستفاد اور مترشح ہو جاتا ہے، غرضیکہ ایسا صنیع اختیار فرماتے ہیں جس سے فن حدیث سے مناسبت رکھنے والے باخبر حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ روایت کس درجہ کی ہے، اور بعض مرتبہ مصنفؒ خود کسی طریق کے راجح ہونے کی تصریح یا کم از کم اشارہ فرمادیتے ہیں، لیکن بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ روایت ذکر کرنے کے بعد بالکل خاموش چلے جاتے ہیں، روایت میں کوئی اختلاف یا کسی قسم کا کوئی اضطراب کچھ نہیں بیان فرماتے، اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جس روایت پر مصنف سکوت فرما رہے ہیں وہ کس درجہ کی ہے؟ سو اس قسم کی روایات کے بارے میں مصنفؒ نے اس رسالہ میں جو اہل مکہ [1] کے نام ہے، لکھا

[1] امام ابو داؤد کا یہ رسالہ بعض نسخ ابو داؤد کے اول یا اخیر میں مطبوع ہے، قابل مطالعہ ہے، اور علامہ زاہد الکوثری کی تحقیق کے ساتھ مصر سے شائع ہو چکا ہے۔ رسالة الإمام أبي داود إلى أهل مكة. بذل المجهود في حل أبي داود ج ۱ ص ۳۲

ہے "مالم أذکر فيه شيئا فهو صالح" یعنی جس حدیث پر میں کوئی کلام نہ کروں اس کو صالح یعنی قابل احتجاج سمجھنا چاہئے، اب مصنفؒ نے تو فرمادیا کہ اس طرح کی روایت میرے نزدیک معتبر اور قابل استدلال ہوتی ہے، لیکن حضرات محدثین کا اس میں اختلاف ہے، اور اس میں تین قول مشہور ہیں، ایک قول وہ ہے جس کو ابن مندہؒ اور ابن السکن نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ما سکت علیہ ابوداؤد بلاتردد حجت اور صحیح ہے، دوسرا قول وہ ہے جس کو امام نوویؒ اور ابن الصلاح نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر خارج سے اس کا ضعف ثابت نہ ہو تو وہ حسن کے درجہ میں ہے حجت اور قابل استدلال ہے، تیسرا قول وہ ہے کہ جسکو حافظ ابن حجرؒ نے اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ جس روایت پر مصنفؒ سکوت فرمائیں اس روایت کا کوئی شاہد اور مؤید تلاش کیا جائے، اگر اس روایت کا کوئی شاہد مل جائے تب تو وہ حجت ہوگی ورنہ وہ روایت قابل توقف ہے، اور حافظؒ نے اپنے اس قول کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مصنفؒ نے اپنے رسالہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے وما فيه وهن شديد بينته [1] یعنی جس روایت میں شدید ضعف ہوتا ہے تو میں اس کو بتلادیتا ہوں۔ حافظ کہتے ہیں کہ مصنفؒ کے اس کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ جہاں پر وھن غیر شدید ہوتا ہے اس کو نہیں بیان فرماتے بلکہ سکوت فرماجاتے ہیں، جب یہ صورتحال ہے تو ماسکت علیہ ابوداؤد کو مطلقاً کیسے حجت مان لیا جائے، نیز وہ فرماتے ہیں: ہم دیکھتے ہیں کہ بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی روایت کی سند میں کوئی ضعیف راوی ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود مصنفؒ وہاں سکوت فرماتے ہیں، جیسے مثلاً عبداللہ بن لہیعہ اور صالح مولی التوأمہ وغیرہ، نیز بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی ضعیف راوی کی بنا پر ایک جگہ کسی روایت پر کلام فرمادیتے ہیں، پھر دوسری جگہ جب وہ راوی کسی روایت میں آتا ہے تو ماسبق پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر کلام نہیں فرماتے، لیکن دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ مصنفؒ اس پر سکوت فرمارہے ہیں، غرضیکہ ان تمام وجوہ کا مقتضی حافظ نے یہ نکالا کہ ماسکت علیہ ابوداؤد کا حکم توقف ہے، کہ جب تک اس کا شاہد اور مؤید نہ ملے اس کو حجت نہ قرار دیا جائے۔ ایک چوتھا قول یہاں پر وہ ہے جو ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے وہ یہ کہ ماسکت علیہ ابوداؤد میں حافظ منذری کو دیکھنا چاہئے، اگر وہ بھی سکوت کریں تب تو ماسکت علیہ ابوداؤد حجت ہے ورنہ نہیں، چنانچہ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں مصنفؒ نے تو سکوت فرمایا ہے لیکن حافظ منذریؒ نے وہاں پر کلام فرمایا ہے، یہ منذری وہی حافظ ذکی الدین منذری ہیں جو الترغیب والترهیب حدیث کی مشہور کتاب کے مصنف ہیں، بڑے مبصر اور ناقدین حدیث میں سے ہیں، انہوں نے سنن ابوداؤد کا اختصار کر کے اس کی شرح فرمائی ہے۔

سنن ابو داؤد میں کوئی حدیث ثلاثی ہے یا نہیں؟ ایک بحث یہاں پر یہ ہے کہ اس سنن میں کوئی حدیث ثلاثی ہے یا نہیں؟ علامہ سخاویؒ نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ سنن ابوداؤد میں ایک حدیث ثلاثی ہے، اور یہ حدیث وہ ہے جو حوض کوثر کے بیان میں ہے جسکے راوی حضرت ابوبرزۃ الاسلمیؓ ہیں، مضمون اس کا یہ ہے کہ ایک بار عبیداللہ بن زیاد

---

[1] وما كان في كتابي من حديث فيه وهن شديد، فقد بينته ومنه ما لا يصح سنده (رسالة الإمام أبي داود إلى أهل مكة بذل المجهود في حل أبي داود ج ١ ص ٣٢)

امیر کوفہ نے ان صحابی کو اپنی مجلس میں طلب کیا، چنانچہ وہ تشریف لے گئے، امیر نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے تاکہ آپ سے معلوم کروں کہ آپ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے حوض کوثر کے بارے میں کچھ سنا ہے یا نہیں؟ اس حدیث کی تخریج امام ابوداؤد نے اواخر کتاب یعنی شرح السنۃ میں باب فی الحوض [1] کے تحت فرمائی ہے، اس کے بارے میں علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے ثلاثی ہے، لیکن یہ ان کا تسامح ہے، سند حدیث پر نظر ڈالنے سے اول وہلہ میں بے شک یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ثلاثی ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ثلاثی نہیں بلکہ رباعی ہے، البتہ اس حدیث کو رباعی فی حکم الثلاثی کہہ سکتے ہیں، اس لئے کہ اس حدیث کو صحابی سے روایت کرنے والے تابعی ہیں اور تابعی کے شاگرد بھی تابعی ہیں، لہٰذا اتحاد طبقہ کی وجہ سے دو راوی ایک کے حکم میں ہوسکتے ہیں، سو اس لحاظ سے اسکو ثلاثی کہا جاسکتا ہے۔

اس حدیث کو بعض حضرات نے حدیث الدحداح سے تعبیر کیا ہے، جسکی وجہ یہ ہے کہ ابو برزہ اسلمیؓ صحابی راوی حدیث دحداح یعنی پستہ قد اور بھاری بدن تھے، اور عبید اللہ بن زیاد نے انکو دیکھ کر بطور طنز دحداح کہا تھا جس کو سن کر ابو برزہؓ نے ناگواری کا اظہار فرمایا تھا۔

کتب صحاح میں ثلاثیات کا وجود: اسکے بعد جاننا چاہئے کہ حدیث ثلاثی کا مطلب یہ ہے کہ مصنف کتاب اور حضور ﷺ کے درمیان صرف تین راویوں کا واسطہ ہو اور اگر صرف دو ہوں گے تو اس کو ثنائی کہا جائے گا، صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں حدیث ثنائی نہیں ہے، البتہ مؤطا مالک میں بعض روایات ثنائی پائی جاتی ہیں، اور ثلاثیات صحاح ستہ میں سے بعض میں ہیں اور بعض میں نہیں، ترمذی شریف میں صرف ایک حدیث ثلاثی ہے، جو کتاب الفتن میں ہے، جس کے راوی حضرت انسؓ بن مالک ہیں، مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ [2] یعنی لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں دین پر قائم رہنا ایسا مشکل ہوگا جیسے چنگاری کو ہاتھ میں لینا۔ اور ابن ماجہ میں پانچ ثلاثیات ہیں اور سب سے زیادہ بخاری شریف میں ہیں اس میں بائیس حدیثیں ثلاثی ہیں، اور نسائی و مسلم شریف میں کوئی حدیث ثلاثی نہیں ہے، ان دونوں کتابوں میں زائد سے زائد علو سند بشکل رباعی ہے اور تمام صحاح ستہ میں رباعی بکثرت ملتی ہے۔

وسائط (یعنی رجال سند) کا کم ہونا محدثین کی اصطلاح میں علو سند کہلاتا ہے، اور جس سند کے راوی کم ہوتے ہیں اسکو سند عالی کہتے ہیں، اور اسکا مقابل ہے سند سافل یا نازل، صحاح ستہ میں زائد سے زائد جو نزول ہے وہ عشاری ہے، چنانچہ ترمذی اور نسائی میں ایک حدیث عشاری ہے، یعنی وہ حدیث جس کی سند میں صاحب کتاب اور حضور ﷺ کے درمیان دس راویوں کا واسطہ

---

[1] سنن أبي داود - كتاب السنة - باب في الحوض ٤٧٤٩

[2] جامع الترمذي - كتاب الفتن ٢٢٦٠

ہو۔

الروايات المنتقدة لابن الجوزی: ابن جوزیؒ کے تشدد فی الروایات کی وجہ سے علماء نے ان پر نقد کیا ہے، اس سلسلہ میں مستقل تصانیف ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''القول المسدد فی الذب عن مسند أحمد'' لکھی جس میں انہوں نے مسند احمد کی ایسی چوبیس احادیث کو مستثنیٰ کیا ہے، جن پر ابن الجوزی نے وضع کا حکم لگایا ہے، حافظؒ فرماتے ہیں کہ ان چوبیس روایات میں عجیب یہ ہے کہ ایک روایت مسلم شریف کی بھی ہے وھذہ غفلۃ شدیدۃ منہ۔ اور علامہ سیوطیؒ نے ایک رسالہ لکھا ہے جسکا نام ''القول الحسن فی الذب عن السنن'' اس میں انہوں نے ایک سوبیس احادیث سے زائد کا استثناء کیا ہے جن میں ایک روایت بخاری نسخۂ حماد بن شاکر کی اور ایک روایت مسلم شریف کی ہے، ایک دوسری کتاب علامہ سیوطیؒ کی ''التعقبات علی الموضوعات'' ہے جس میں انہوں نے جیسا کہ حضرت شیخ نے مقدمۂ لامع میں تحریر فرمایا ہے، تین سو احادیث کو مستثنیٰ کیا ہے؛ جن میں سے ایک روایت مسلم کی اور ایک بخاری کی ہے، اور ۳۸ روایات مسند احمد کی ہیں اور ۹ حدیثیں سنن ابوداؤد کی ہیں اور ۱۰ نسائی شریف کی ہیں اور ۳۰ ترمذی شریف کی اور اتنی ہی ابن ماجہ کی ہیں اور ۶۰ مستدرک حاکم کی ہیں، ان سب احادیث کے بارے میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ موضوع نہیں، سنن ابوداؤد کی جن [1] نو روایات پر ابن الجوزی نے وضع کا حکم لگایا ہے، وہ یہ ہیں:

- حدیث صلوۃ التسبیح۔
- حدیث أبی بن عمارۃ فی عدم توقیت المسح۔
- حدیث معاذ بن جبل فی جمع التقدیم فی السفر۔
- حدیث للسائل حق وان جاء علی فرس۔
- حدیث لاتمنع ید لامس اخرجہ المصنف فی کتاب النکاح۔
- حدیث من سئل عن علم فکتمہ الجم بلجام من نار۔
- حدیث لاتقطعوا اللحم بالسکین۔
- حدیث القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ۔
- حدیث المؤمن غر کریم والمنافق خب لئیم۔

علامہ سیوطیؒ نے ان میں سے بعض کا تو القول الحسن فی الذب عن السنن میں جواب دیا ہے اور بعض کا التعقبات علی الموضوعات

---

[1] سنن ابوداؤد کی ان روایات کو موضوع کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے اس تصریح کے ساتھ یہ فرمایا ہو کہ فلاں فلاں حدیث جو سنن ابوداؤد یا ترمذی میں ہے وہ موضوع ہے، بلکہ انہوں نے تو صرف احادیث موضوعہ پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، اس میں انہوں نے صرف ان روایات کو جو ان کی تحقیق میں موضوع تھیں جمع فرمادیا، اب چونکہ ان کا تشدد علماء کے مابین مشہور تھا، اس لئے علماء نے ان کی اس کتاب کا اس نیت سے جائزہ لیا کہ ان احادیث میں کوئی حدیث ایسی تو نہیں جو صحاح میں سے کسی میں موجود ہو، اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سنن ابوداؤد میں ایسی روایات نو ملتی ہیں۔

میں، یعنی یہ ثابت کیا ہے کہ یہ موضوع نہیں ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں بھی علاوہ ابن ماجہ کے ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی حدیث موضوع نہیں ہے، ہم نے یہ بات الفیض السمائی کے مقدمہ میں بھی لکھی ہے۔

امام ابو داؤد کی شرط تخریج: مجملہ ان امور کے جن کا جاننا طالب حدیث کیلئے اہم اور مفید ہے وہ شروط ائمہ حدیث ہے، تم شروح وحواشی کے اندر کثرت سے دیکھو اور پڑھوگے کہ فلاں حدیث چونکہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی، یا فلاں مصنف کے چونکہ شرط کے مطابق نہیں تھی، اسلئے انہوں نے اسکو اپنی کتاب میں نہیں لیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات محدثین ومؤلفین صحاح ستہ کی تخریج احادیث کیلئے اپنی اپنی کچھ خاص شرطیں ہیں کہ جو روایت انکے نزدیک ان کی اختیار کردہ شرائط اور معیار پر اترتی ہیں ان ہی کو وہ اپنی کتاب میں جگہ دیتے ہیں، حضرت شیخؒ نے مقدمۂ لامع میں تحریر فرمایا ہے کہ شرائط محدثین کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں اور رسائل تصنیف کئے گئے، چنانچہ حازمی کی ''شروط الائمة الخمسة'' مشہور ومعروف ہے جس پر علامہ زاہد الکوثریؒ کی تعلیق بھی ہے، اسی طرح ابن طاہر المقدسی کی ''شروط الائمة الستة'' اسی موضوع پر مستقل کتاب ہے، اور اس سے پہلے بھی بلکہ یہ کہئے کہ سب سے پہلے امام ابو عبد اللہ بن مندہؒ نے جو چوتھی صدی کے علماء میں سے ہیں، اس موضوع پر کتاب لکھی ہے، بہر حال ضرورت یہ ہے کہ یہ جانا جائے کہ امام ابوداؤدؒ کی اس کتاب میں کیا شرائط ہیں؟ جس کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنی اس سنن میں روایات لیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مجھے ایک بہت مختصر اور جامع بات معارف السنن میں ملی، جو انہوں نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے نقل کی ہے، اس میں مختصر انداز میں اکثر صحاح ستہ کے مصنفین کی شرائط کو بیان کر دیا ہے، اس کو ہم بیان کرتے ہیں جس سے امام ابوداؤد کی شرط کا بھی علم ہو جائے گا، لیکن ان شرائط کے جاننے سے پہلے یہ بات بھی سمجھ لینا چاہئے کہ بعض علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان حضرات مصنفین صحاح ستہ نے کسی مقام پر یہ تصریح نہیں کی کہ ہماری اس تصنیف میں فلاں فلاں شرط ہے، بلکہ صورت حال یہ ہے کہ حضرات محدثین نے ان صحاح ستہ کا مطالعہ کر کے انکے مصنفین کا طرز عمل دیکھ کر کہ اپنی کتاب میں روایات لینے کی ترتیب کیا ہے، اور کس درجہ کی روایات کو لیتے ہیں ان چیزوں کو بغور دیکھ کر اپنے انداز سے یہ بات بیان کی ہے کہ فلاں مصنفؒ کی شرط تخریج یہ ہے اور فلاں کی یہ ہے، اب سنیئے وہ شرائط جن کو مولانا یوسف بنوریؒ نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے حوالہ سے معارف السنن میں ذکر کیا ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

امام بخاری کی شرط الإتقان وكثرة ملازمة الراوي للشيخ ہے، یعنی امام بخاریؒ ایسے راوی کی روایت کو لیتے ہیں جس میں دو صفتیں پائی جائیں، اول إتقان جسکا حاصل یہ ہے کہ راوی کے اندر قوت حفظ کے ساتھ اہتمام حفظ کی شان موجود ہو، دوسری صفت ملازمة الشيخ ہے، یعنی اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر باشی اور طول صحبت اس کو حاصل ہو۔

امام مسلمؒ کی شرط صرف إتقان ہے، کثرة ملازمة شرط نہیں بلکہ ان کے نزدیک تو صرف امکان لقاء اور معاصرة بين الراوي

والمروي عنه کافی ہے۔

امام ابوداؤد وامام نسائی کی شرط صرف کثرۃ ملازمۃ ہے نہ کہ اِتقان۔

امام ترمذی کے نزدیک دونوں کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔[1]

صاحب منہل نے ابن مندہؒ سے نقل کیا ہے کہ امام ابو داؤد کی شرط ایسے رواۃ کی احادیث کی تخریج کرنا ہے جن کے ترک پر اجماع نہ ہو (یعنی جو بالاجماع متروک نہ ہوں) اسی کے ساتھ سند میں انقطاع وارسال نہ ہو بلکہ حدیث متصل السند ہو۔

سنن ابو داؤد کے نسخے اور تعدد نسخ کا منشاء: جاننا چاہئے کہ ان کتب صحاح کے نسخے مختلف ہیں سنن ابوداؤد کے نسخے بھی مختلف اور متعدد ہیں یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ تعدد نسخ کا منشاء کیا ہے؟ سو جاننا چاہئے کہ ہمارے زمانہ میں تحصیل حدیث کا طریقہ اور صورت یہ ہوتی ہے کہ طالب علم حدیث کی کتاب سامنے رکھ کر کسی استاذ سے اسکو سمجھے اور پڑھے، اور جس زمانہ کی یہ تصانیف ہیں صحاح ستہ وغیرہ، اس زمانہ میں مطابع نہیں تھے، اس طریقہ سے کتب حدیث کے نسخے مطبوعہ نہیں ملتے تھے جس طرح اس زمانہ میں ملتے ہیں، بلکہ اس زمانہ میں تحصیل حدیث اس طرح پر ہوتی تھی کہ ایک طالب حدیث کسی محدث کی خدمت میں جاتا ہے اور انکی خدمت میں جاکر عرض کرتا ہے کہ میں آپ سے آپ کی روایات کا سماع کرنا چاہتا ہوں اور ان کو معلوم کرنا چاہتا ہوں، اس پر وہ محدث اپنی اصل کتاب سے یا اپنے حافظہ سے اپنے شاگردوں کو ان احادیث کا املاء کرادیا کرتے تھے، وہاں طالبعلم کا مقصود پڑھنے سے متون احادیث اور انکی اسانید کو حاصل کرنا ہوتا تھا، جو پہلے سے انکے علم میں یا کسی کتاب میں ان کے پاس موجود نہ ہوتی تھیں، گویا اصل روایات کو حاصل کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اور اس زمانہ میں یہ صورت حال نہیں ہے، بلکہ اب تو یہ ہے کہ جن احادیث کو وہ استاذ سے پڑھنا چاہ رہا ہے جس طرح وہ استاذ کے پاس مطبوعہ کتاب میں موجود ہیں اسی طرح وہ احادیث خود شاگرد کے پاس پہلے سے موجود اور محفوظ ہیں، اب جب یہ بات ہے کہ اس زمانہ میں تلامذہ اپنے استاذ سے احادیث سنکر لکھتے اور جمع کرتے تھے، ظاہر ہے لکھنے والے شاگرد مختلف ہوتے ہیں، بعض شاگردوں نے امسال پڑھا اور بعض نے گذشتہ، اور بعض نے گذشتہ سے گذشتہ اسی محدث سے سن سن کر احادیث لکھیں تو جس سال اس محدث نے اپنے شاگردوں کو جتنی روایات کا املاء کرادیا ان کے پاس اتنی محفوظ ہوگئیں، اب استاذ کے املاء کرانے میں مختلف سنین میں روایات میں کمی وزیادتی ہوتی تھی، جیسا کہ اس زمانہ میں آپ لوگ اساتذہ کی تقریر ضبط کرتے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ جتنی تقریر استاذ نے امسال کی ہے اتنی ہی تقریر گذشتہ سال کی ہو، بلکہ کلام کی کمی وزیادتی میں یقیناً فرق ہوتا ہے اسی طرح اس زمانہ میں نفس روایات کی تعداد میں کمی وزیادتی کا فرق ہوجاتا تھا، سو یہ ہے منشاء اختلاف نسخ اور تعدد نسخ کا، اب ہمیں یہ بتلانا ہے کہ اس کتاب کے کتنے نسخے ہیں، سو اسکے بہت سے نسخے ہیں جن میں زیادہ مشہور امام ابو داؤد کے چار

---

[1] کذا فی معارف السنن ج ۱ ص ۲۰.

تلامذہ کے چار نسخے ہیں، جن کو حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ نے بذل المجہود کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے۔

⊛ ایک نسخہ ابو علی لولوی کا ہے جن کا پورا نام محمد بن احمد عمرو البصری ہے، المتوفی ۳۳۳ھ "واللؤلؤی منسوب الی بیع اللؤلؤ" یعنی لولوی موتی کی خرید و فروخت کرنے کی طرف منسوب ہیں، غالباً ان کے یہاں جواہرات، موتیوں وغیرہ کی تجارت ہوتی ہوگی، ہمارے یہاں (بلاد مشرق میں) یہی نسخہ رائج ہے، انہوں نے ۲۷۵ھ میں اس کو امام ابوداؤد سے روایت کیا ہے اور یہ آخری املاء ہے جو انہوں نے سنہ مذکور میں کرایا، کیونکہ یہی سال مصنف کا سنہ وفات ہے، اسی وجہ سے یہ نسخہ "اصح النسخ" سمجھا جاتا ہے۔

⊛ دوسرا نسخہ ابن داسہ کا ہے جن کا پورا نام ابو بکر محمد بن بکر بن داسہ التمار البصری ہے، بلاد مغرب میں یہی نسخہ مشہور ہے، امام ابو سلیمان الخطابی جو مشہور شراح حدیث میں سے ہیں، اور سنن ابو داؤد کے بھی شارح ہیں انہوں نے سنن ابو داؤد براہ راست ابن داسہ سے اخذ کی ہے، وہ فرماتے ہیں "قرأته بالبصرة علی ابی بکر بن داسه" اور پھر اخذ کرنے کے بعد اپنے اسی نسخہ پر شرح بھی لکھی ہے جو معالم السنن کے نام سے مشہور ہے۔

ابن داسہ اور لولوی کے نسخوں میں فرق صرف تقدیم و تاخیر کا ہے کمی وزیادتی کا نہیں۔

⊛ تیسرا نسخہ ابو عیسیٰ الرملی کا ہے، ان کا پورا نام ابو عیسیٰ اسحاق بن موسی الرملی ہے، وراق ابوداؤد کے لقب سے مشہور ہیں، وراق کے معنی بظاہر محافظ کتب خانہ کے ہیں "وهذه النسخة تقارب نسخة ابن داسه"۔

⊛ چوتھا نسخہ ابن الاعرابی کا ہے، ان کا نام ابو سعید احمد بن محمد ہے، المتوفی ۳۴۰ھ ...... ابن الاعرابی [1] کنیت سے مشہور ہیں، یہ نسخہ ناقص ہے اس میں "کتاب الفتن، کتاب الملاحم، کتاب الحروف" اور اسی طرح نصف "کتاب اللباس" نہیں ہے۔

⊛ پانچواں نسخہ ابوالحسن عبدی کا ہے، اس نسخہ میں بعض رواۃ اور اسانید پر ایسا کلام ہے جو دوسرے نسخوں میں نہیں پایا جاتا نبہ علیہ الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

الشروح والحواشی: حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مقدمہ بذل میں (جو کہ ہنوز غیر مطبوع ہے [2]) بیس سے زائد اس کی شروح گنوائی ہیں، اسکی پانچ شروح تو مشہور اور کامل ہیں، اکثر ان میں سے مطبوع بھی ہیں۔

⊛ معالم السنن، یہ شرح امام ابوسلیمان احمد بن ابراہیم الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ کی تالیف ہے انکی یہ شرح نسخہ ابن داسہ پر ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے بیان کیا، اور یہ شرح کامل جامع و مختصر ہے، بندہ کا خیال تھا کہ یہ غالباً اقدم الشروح ہے، اس

---

[1] ابن الاعرابی هذا غیر ابن الاعرابی اللغوی المشهور، وهو محمد بن زیاد المتوفی ۲۳۱ھ وهذا الفائق الذی من صاحب النسخة افاده مولانا سعید پالنپوری۔

[2] اب عرصہ ۱۵-۱۷ سال قبل حضرت والد ماجدؒ نے مکتبۃ الشیخ سے اسکو شائع فرمایا حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ کی تحقیق و اضافات کے ساتھ (زکریا مدنی)۔

کے بعد اس بات کی تصریح مجھ کو فیض الباری میں مل گئی کہ یہ اس کتاب کی سب سے پہلی شرح ہے۔

❁ ایک شرح شہاب بن رسلانؒ نے بھی لکھی ہے جو حافظ ابن حجرؒ کے شاگرد ہیں انکی یہ شرح شرح ابن رسلان کے نام سے مشہور ہے، سنا ہے کہ یہ شرح کافی مبسوط آٹھ جلدوں میں ہے، لیکن اسکا کامل نسخہ دستیاب نہیں ہے، اسکی متفرق جلدیں بعض حضرات کے پاس محفوظ ہیں، اس کے دو جزء حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ حجاز مقدس سے اپنے اہتمام سے نقل کرا کر یہاں لائے تھے، جو مظاہر علوم کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ اس شرح کی بہت تعریف فرماتے تھے، اور حضرت نے اس کے موجودہ اجزاء سے اپنی تالیفات میں کافی استفادہ فرمایا ہے۔

❁ مرقاۃ الصعود الی سنن ابوداؤد یہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ کی تصنیف ہے، علی بن سلیمان الدمنتیؒ نے اس شرح کی تلخیص کی ہے، اور اس تلخیص کا نام ہے درجات مرقاۃ الصعود، حضرت سہارنپوریؒ بذل المجھود میں جو فرماتے ہیں "کذا فی الشرح" اس سے یہی شرح مراد ہوتی ہے۔

❁ المختصر للمنذری، اس کا نام مصنفؒ نے المجتبی رکھا ہے، حافظ ذکی الدین منذریؒ اور انکی اس شرح کا ذکر ہمارے کلام میں پہلے آچکا ہے۔

❁ تھذیب السنن، یہ علامہ ابن قیمؒ کی تصنیف ہے، اس میں ہر حدیث پر کلام نہیں ہے، بلکہ چیدہ چیدہ ابواب پر شارح نے کلام کیا ہے، اور بعض جگہ خوب تفصیل سے لکھا ہے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

یہ پانچ تو قدیم اور مشہور شرحیں ہیں اور تین شرحیں اس کی بعد کی ہیں، جن کو شروح جدیدہ کہنا مناسب ہے۔

❁ عون المعبود شرح سنن ابوداؤد، یہ ایک اہل حدیث عالم نے لکھی ہے جن کا نام محمد اشرف عظیم آبادی ہے، یہ شرح مکمل ہے اور چار ضخیم جلدوں میں ہند میں طبع ہو چکی ہے، اس شرح میں فوائد حدیثیہ کافی ہیں، لیکن شارح سے حل کتاب اور قال ابوداؤد کے بیان مراد میں بہت سی جگہ تسامح ہوا ہے جنکی ہمارے حضرت سہارنپوریؒ نے بذل المجھود میں متعدد مقامات پر تنبیہ اور نشاندہی فرمائی ہے، اور چونکہ اہل حدیث وغیر مقلد ہیں اسلئے علماء مقلدین خصوصاً احناف پر استطالۃ لسان (زبان درازی) کی ہے، جسکی وجہ سے ہمارے حضرت سہارنپوریؒ ان سے ناخوش تھے، جسکا ذکر خود حضرت نے مقدمۂ بذل میں فرمایا ہے، اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ میں اس شرح سے کوئی مضمون اپنی شرح میں اس وقت تک نقل نہیں کرتا جب تک میں اس مضمون کو اصل کتاب یعنی منقول عنہ میں نہ دیکھ لوں۔

❁ بذل المجھود فی حل ابی داؤد جو ہمارے اور آپ کیلئے محتاج تعارف نہیں یا کم از کم نہیں ہونی چاہئے، یہ شرح ممزوج پانچ ضخیم جلدوں میں ہے حل کتاب اور قال ابوداؤد کے بیان مراد میں اس سے بہتر کوئی شرح نہیں ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے اخیر زمانہ حیات میں اس کو اپنے حواشی کے اضافہ کے ساتھ بیروت سے مصری طرز پر طبع کرایا ہے، جو بیس

جلدوں میں ہے۔

اس شرح کی تالیف میں حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے تقریباً دس سال صرف ہوئے، اس تالیف میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ حضرت سہارنپوریؒ کے دست راست تھے، اور حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ حضرت سہارنپوریؒ نے مقدمہ بذل المجہود میں اس تعاون کا ذکر کرتے ہوئے میرے بارے میں تحریر فرمادیا تھا ھو جدیر بان ینسب الیہ ھذا الشرح اس عبارت کو میں نے اپنے ہاتھ سے قلمزد کردیا تھا، جب حضرت سہارنپوریؒ کی اس پر نظر پڑی تو پوچھا یہ کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس میں بذل کی اہانت ہے، حضرت خاموش ہوگئے، حضرت سہارنپوریؒ نے مقدمہ بذل میں حضرت شیخ کی اس تالیف میں اعانت کا تذکرہ ان لفظوں سے کیا ہے: واعانني عليه بعض احبائي خصوصاً منهم عزيزي وقرة عيني وقلبي الحاج الحافظ المولوي محمد زكريا بن مولينا الحاج الحافظ المولوي محمد يحيى الكاندهلوي رحمه الله تعالى۔ بذل المجہود پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے بڑے قیمتی حواشی ہیں، ان میں سے بہت سے حواشی بذل المجہود مصری کے ساتھ حاشیہ پر طبع ہوگئے ہیں، احقر نے بذل المجہود سے استفادہ کے ساتھ ان حواشی سے بھی استفادہ کیا ہے، اس تقریر ابوداؤد میں ناظرین بذل المجہود اور حضرت شیخ کے ان حواشی کا بکثرت حوالہ پائیں گے، امید ہے کہ یہ تقریر بذل المجہود شریف کے مضامین عالیہ کی طرف رسائی کا ایک عمدہ اور آسان ذریعہ ہوگی۔

⊛ المنهل العذب المورود في شرح سنن ابی داؤد، یہ محمود بن محمد بن خطاب سبکیؒ کی تصنیف ہے، علماء ازہر میں سے جو بڑے جید عالم ہیں اور مالکی المسلک ہیں ان کی یہ شرح پوری نہیں ہے، عمر نے وفا نہ کی جس کی وجہ سے شرح کی تکمیل نہ ہو سکی، یہ شرح ممالک عربیہ میں مطبوع ودستیاب ہے، ان کا طرز علامہ عینیؒ کے اس طرز سے ملتا جلتا ہے، جو انہوں نے شرح بخاری میں اختیار کیا ہے، اور اس کے دو تین حواشی مشہور ومعروف ہیں۔

1. فتح الودود، یہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندھی المتوفی ۱۱۳۹ھ کا حاشیہ ہے، موصوف مسلکاً حنفی ہیں علامہ سیوطیؒ کی طرح ان کے بھی تمام صحاح ستہ پر حواشی ہیں۔

2. التعليقات المحمودية مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ المتوفی (آخری ذی قعدہ یا شروع ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ) کا حاشیہ ہے، جو حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

3. انوار المحمود علی سنن ابی داؤد یہ دراصل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، ان حضرات کی درسی تقاریر کا مجموعہ ہے، جن کو کسی صاحب نے جمع کیا ہے۔

اسکے علاوہ اور بہت سے حضرات نے اس کی شرح لکھنی شروع کی لیکن تکمیل نہ ہو سکی چنانچہ امام نوویؒ نے بھی شروع کی علامہ عینیؒ نے بھی شروع کی جس کا انہوں نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں حوالہ بھی دیا ہے، اسی طرح حافظ عراقی نے باب سجود

السہو تک کی شرح سات جلدوں میں لکھی، کہا گیا ہے کہ اگر یہ شرح پوری کتاب کی اسی بسط کے ساتھ لکھی جاتی تو چالیس جلدوں میں پوری ہوتی۔

آداب طالب حدیث: حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کا معمول ہماری طالبعلمی کے زمانہ سے قبل ابوداؤد شریف کے سبق میں، اور اسکے بعد ہماری طالبعلمی کے دور میں بخاری شریف کے سبق میں طالب حدیث کیلئے دس آداب بیان فرمانے کا دستور تھا میں بھی عام طور سے سبق میں، ان ہی دس آداب کو بیان کیا کرتا ہوں، کبھی ذرا تفصیل سے، اور کبھی اختصار کے ساتھ، اس وقت بھی مختصراً ہی سنیئے!

① اخلاص نیت

② اهتمام الحضور فی الدرس یعنی سبق کی پابندی، میں نے اپنی طالبعلمی کے زمانہ میں بحمد اللہ خوب پابندی کی ہے، مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی شرح جامی کے سبق میں بھی پورے سال میں ایک غیر حاضری کی ہو چہ جائیکہ حدیث کے سبق میں، یہی نہیں کہ غیر حاضری نہیں بلکہ رخصت بھی نہیں لی، اسلئے کو جو سبق استاذ کے سامنے پڑھنے سے رہ گیا بس سمجھو کہ وہ رہ ہی گیا، غیر حاضری میں تعلیم کا بڑا نقصان ہے، اور یہ بے برکتی کا باعث ہے۔

③ الاصطفاف یعنی صف بندی، طلبہ سبق میں صف بنا کر قاعدہ سے مل مل کر بیٹھیں یہ نہیں کہ درسگاہ میں دیر سے پہنچ رہے ہیں، اور چپکے سے آکر پیچھے کی جانب سے دروازے میں بیٹھ جائیں۔

④ هیئت جلوس کی اصلاح یعنی مؤدب اور جہاں تک ہو سکے دوزانو ہو کر بیٹھیں، غرضیکہ چوزانو پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھیں۔

⑤ عدم النوم فی اثناء الدرس، دوران سبق نہ سوئے اور سبق ذوق و شوق کے ساتھ مستعد ہو کر سنے، گھنٹہ غفلت میں نہ گزر جائے۔

⑥ عدم الاعتماد علی الکتاب یعنی کتاب پر ٹیک نہ لگائیں اس پر کہنی وغیرہ رکھ کر بوجھ نہ دیں۔

⑦ عدم الضحك فی بعض الفاظ الحدود یعنی کتاب الحدود وغیرہ میں جب فحش اور گالی کے الفاظ آئیں تو ضرورةً اگر ان کا ترجمہ اردو میں کیا جائے تو اسکو بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ سننا کہ ہنسی وغیرہ بالکل نہ آئے، ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہٗ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ کتاب الحدود کی کسی حدیث میں جب کوئی فحش اور گالی کا لفظ آتا تو اس لفظ کا ترجمہ اردو میں صاف صاف فرمادیتے، اور حضرت یہ فرمایا کرتے تھے کہ عربی کی گالی ہے، جب ضرورةً و مصلحۃً سرور کونین ﷺ اس کو اپنی زبان مبارک سے ادا فرما سکتے ہیں تو ہماری کیا حیثیت ہے، چنانچہ حضرت شیخ کتاب الحدود میں جب یہ لفظ أَنِكْتَهَا[1] یا بخاری شریف

---

[1] سنن أبي داؤد - كتاب الحدود - باب رجم ماعز بن مالك ٤٤٢٨

(ج ۱ص۳۷۸) پر صلح حدیبیہ والی حدیث میں صدیق اکبر کے کلام میں یہ لفظ آتا امْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ[1] تو ان لفظوں کا اردو میں ترجمہ صریح کراتے۔

⑧ الادب بائمة الفقه یعنی فقہاء کرام کے ساتھ نہایت ادب واحترام کا معاملہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ کوئی حدیث ائمہ میں سے کسی امام کے خلاف سامنے آئے، تو اس امام کے بارے میں سوء ادبی کی بات ذہن میں آئے اس سلسلہ میں حضرت شیخ حضرت گنگوہی کا واقعہ سناتے تھے، جو حضرت نے اپنی تصانیف آپ بیتی وغیرہ میں بھی کئی جگہ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے درس حدیث میں ایک ایسی حدیث کی جو بظاہر حنفیہ کے خلاف تھی بہت اچھی توجیہ اور تاویل فرمائی، شاگردوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ اگر حضرت امام شافعیؒ اس توجیہ کو سن لیتے تو اپنے قول سے رجوع فرمالیتے، اس پر حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا توبہ توبہ استغفر اللہ حضرت امام شافعیؒ اگر موجود ہوتے تو میری یہ تقریر ایک شبہ ہوتی، اور حضرت مجتہد اس کا جواب فرمادیتے، اب تو چونکہ ائمہ مجتہدین ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں، صرف ان کے اقوال ہمارے سامنے ہیں ان اقوال میں سے ہم امام ابو حنیفہ کے قول کو اقرب الی القرآن والحدیث پاتے ہیں، اسلئے اسکی تائید کرتے ہیں ورنہ ائمہ مجتہدین میں سے (بالفرض) اگر اس وقت کوئی موجود ہوتا تو اس کی اتباع اور تقلید کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا۔

⑨ احترام العلم والعلماء یعنی اساتذہ کا ادب نہ صرف ظاہراً بلکہ دل سے، ورنہ استاذ کی بے ادبی علم سے محرومی کا قوی سبب ہے، استاذ ہی نہیں تکرار کرانے والے ساتھی اور رفیق درس اور کتاب بلکہ درسگاہ اور تپائی کا بھی جس پر کتاب رکھ کر پڑھتے ہیں، ان سب کا احترام ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

⑩ اصلاح الهيئة یعنی اپنی ہیئت وضع قطع اور لباس شریعت وسنت کے مطابق رکھنے کا اہتمام اور لباس جو حدیث سے ثابت اور منقول ہو اسکی رعایت رکھنا اور جس قسم کے لباس کا حدیث میں ذکر نہ ہو اس میں صلحائے وقت کا اتباع کرنا، چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ[2]۔

انواع کتب حدیث: بحمد اللہ مقدمة الکتاب پورا ہو رہا ہے، صرف سند کا بیان باقی ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے جہاں سنن ابوداؤد کے تسمیہ کی بحث تھی وہاں انواع کتب حدیث کا اجمالاً ذکر کیا تھا، اور وہاں ہم نے کہا تھا کہ آئندہ اگر موقعہ ملا تو بعض انواع کتب حدیث اور ان کی تعریف، مصادیق وامثلہ بیان کریں گے۔ اب ان کو سنیئے!

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ جب میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھائی تو اس وقت تک مجھے تتبع اور تلاش سے صرف دس بارہ انواع کتب حدیث معلوم ہو سکیں، اسکے بعد جوں جوں اشتغال بالحدیث اور کتب حدیث کا مطالعہ بڑھتا گیا تو پھر بہت

---

[1] صحيح البخاري - كتاب الشروط - باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط ٢٥٨١

[2] اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف (سورۃ لقمان ۱۵)

سی انواع سامنے آتی گئیں، چنانچہ مقدمۂ لامع کی تالیف تک پچیس سے زائد انواع معلوم ہوگئی تھیں، یہ بات حضرت شیخ نے درس بخاری میں بیان فرمائی تھی، اب آپ سنیئے کہ حضرت شیخ نے مقدمۂ لامع میں تفصیل کے ساتھ ستائیس انواع کتب حدیث اور ان کی مثالیں تحریر فرمائی ہیں، حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے بھی بذل المجہود کے مقدمہ میں نہایت اختصار کے ساتھ دس انواع کتب حدیث بیان فرمائی ہیں، اور بندہ نے مقدمہ بذل اور مقدمہ لامع دونوں کو سامنے رکھ کر الفیض السمائی کے مقدمہ میں پچیس کے قریب انواع کتب حدیث کی تعریفات اور انکے مصادیق وامثلہ بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں، تھوڑا سا وقت نکال کر ان کو دیکھئے، جن کتابوں کی تصنیف و تالیف میں حضرات محدثین نے اپنی عمریں پوری کر دیں، ہم کم از کم ان کے ناموں ہی سے واقفیت حاصل کرلیں، اور یہ دیکھ لیں کہ ان حضرات نے کس کس طرز سے حدیث نبوی کی خدمت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی خادمان حدیث کے زمرہ میں شامل کرلے تو کیسی سعادت کی بات ہے، بہر حال چند انواع کتب حدیث ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ "جامع" ۲۔ "سنن" یہ دو مستقل قسمیں ہیں جن کی تعریف تسمیہ کتاب کے ضمن میں آچکی ہیں۔

۳۔ "مسند" حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں احادیث علی ترتیب اسماء الصحابۃ ذکر کی جائیں، اور مضامین کی ترتیب ملحوظ نہ ہو، چنانچہ ایسی کتب میں سرخی میں صحابی کا نام لکھا جاتا ہے، مثلاً "مسند أنس بن مالك" اور پھر صرف وہی روایات ذکر کی جائیں جو حضرت انسؓ سے مروی ہوں خواہ کسی مضمون کی ہوں۔

پھر بعض محدثین نے تو اس میں حروف تہجی کی ترتیب کا اعتبار کیا ہے، لہٰذا جس صحابی کے نام کے شروع میں الف ہوگا پہلے ان کی روایات کو ذکر کیا جائے گا، جیسے انس بن مالک وابی بن کعب وغیرہ، اور پھر اس صحابی کی روایات کو جس کے نام کے شروع میں باء ہوگی، جیسے براء بن عازب وبلال بن الحارث وغیرہ، اور بعض نے مراتب صحابہ کا اعتبار کیا ہے، اس صورت میں خلفاء راشدین کی روایات کو مقدم کیا جائے گا، حالانکہ ان کے نام کے شروع میں عین ہے، مسند احمد اور مسند ابوداؤد الطیالسی جو حدیث کی کتب متداولہ میں سے ہیں یہ دونوں مراتب صحابہ کے اعتبار سے ہیں اور بعض اس میں قبائل کی ترتیب ملحوظ رکھتے ہیں، اس صورت میں سب سے پہلے بنو ہاشم کی روایات کو لیتے ہیں، ثم الأقرب فالأقرب۔

اور کبھی مسند میں صرف ایک صحابی کی روایات کو جمع کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے، مثلاً مسند ابی بکر یا یہ کہ صحابہ کی ایک جماعت کی روایات ذکر کی جائیں، مثلاً مسند الاربعہ جس میں صرف خلفاء اربعہ کی روایات ہیں اور مسند العشرہ جس میں صرف عشرہ مبشرہ کی روایات ذکر کی جائیں۔

۴۔ "مشیخة" حدیث کی وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں روایات علی ترتیب الشیوخ بیان کی جاویں، یعنی مصنف نے جو احادیث اپنے کسی ایک شیخ سے سنی ہیں ان سب کو یکجا جمع کردے، مثلاً اسماعیلی نے حدیث الاعمش کو جمع کیا، اور امام نسائی نے

فضیل بن عیاض کی احادیث کو جمع کیا ہے، یہ مشیخہ لفظ شیخ کی جمع ہے۔

۵۔"المعجم" بعض نے اسکی تعریف کی ہے "مایذکر فیہ الاحادیث علی ترتیب الشیوخ" لیکن حضرت شیخ ؒ نے مقدمۂ لامع میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ تعریف تومشیخہ کی ہے، اور معجم کہتے ہیں حدیث کی اس کتاب کو "مایذکر فیہ الاحادیث علی ترتیب الھجاء" یعنی جسکے اندر احادیث حروف تہجی کے اعتبار سے ذکر کی جائیں، اب اس کی ترتیب خواہ صحابہ کے اعتبار سے ہو خواہ شیوخ کے اعتبار سے، لہذا معجم اوپر کی دونوں قسموں یعنی مسانید اور مشیخہ کو شامل ہوئی، چنانچہ طبرانی کی معجم کبیر کی ترتیب اسماء صحابہ کے اعتبار سے ہے، اور معجم اوسط وصغیر کی ترتیب شیوخ کے اعتبار سے ہے اور کہاجاتا ہے دونوں کو معجم ہی۔

۶۔"الترتیب" معاجم اور مسانید میں چونکہ مضامین کی ترتیب ملحوظ نہیں ہوتی، اس لئے اس میں سے کوئی مضمون نکالنا آسان کام نہیں ہے، اس لئے حضرات محدثین نے ضرورت سمجھی اس بات کی کہ ایک نوع کتب حدیث کی وہ ہونی چاہئے جس میں ان مسانید اور معاجم کی روایات کو مضمون کے اعتبار سے ترتیب دیا جائے، لہذا اب الترتیب انواع کتب حدیث میں سے ایک مستقل نوع ہوگئی، اور بعد کے علماء نے حدیث کی اس خدمت کو بھی انجام دیا ہے، چنانچہ مسند أحمد کو بھی ترتیب دیا گیا ہے، حضرت شیخ ؒ نے مقدمۂ لامع میں اس کی بہت سی مثالیں لکھی ہیں، میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھی معجم صغیر کی احادیث کے مضامین کی فہرست مرتب فرمائی ہے۔

۷۔"الاطراف" حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں ہر حدیث کا صرف سرا یعنی شروع کا حصہ ذکر کرکے پوری حدیث کی طرف اشارہ کر دیا جائے، اور پھر وہ حدیث جن جن کتب میں جس جس سند سے مروی ہو ان اسانید کو بالاستیعاب ذکر کر دیا جائے، یا جن کتب میں وہ حدیث ہے صرف ان کا حوالہ دیدیا جائے، ابن طاہر مقدسی کی تصنیف اطراف الکتب الستۃ میں ایسا ہی کیا گیا ہے، یعنی وہ حدیث صحاح ستہ میں سے جس کتاب میں ہے، صرف اس کا حوالہ دیا ہے، اور حافظ جمال الدین المزیؒ کی تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف قسم اول کے قبیل سے ہے، یہ بڑے فائدے اور کام کی چیز ہے، کہ مختصر سے وقت میں معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث کس کس کتاب میں ہے، اور کس سند سے ہے، یہ تمام چیزیں بیک وقت معلوم ہو جاتی ہیں، اگر خود تلاش کرنے بیٹھیں نہ معلوم کتنا وقت خرچ ہو جائے۔

۸۔"المستدرك" حدیث کی وہ کتاب کہلاتی ہے جو کسی دوسری کتاب کو سامنے رکھ کر لکھی جائے اور اس کے اندر وہ احادیث ذکر کی جائیں جو کہ اصل کتاب میں ہونی چاہیے تھیں، کیونکہ وہ مصنف اصل کی شرط پر پوری اترتی ہیں، لیکن کسی وجہ سے نہیں ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص بخاری پر استدراک کرنا چاہے تو اس میں یہ ہوگا کہ ایک کتاب ایسی لکھی جائے جس میں ان تمام احادیث کو لیا جائے گا، جو بخاری میں ہونی چاہئے تھیں علی شرط البخاری ہونے کی بنا پر، لیکن بخاری میں وہ کسی وجہ سے نہیں

آسکیں تو یہ کتاب جو بعد میں لکھی گئی مستدرک علی البخاری کہلائے گی، چنانچہ حاکم نے اسی قسم کی ایک کتاب صحیحین پر لکھی ہے جس کو مستدرک علی الصحیحین کہا جاتا ہے۔

مستدرک کی مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ اسمیں صرف وہ روایات ہونی چاہئیں جو اصل کتاب میں نہیں ہیں، لیکن حاکم کو ایک تساہل یہ ہوا کہ بعض روایات انہوں نے مستدرک میں ایسی ذکر فرمادیں جو اصل یعنی صحیحین میں موجود ہیں اور دوسرا تساہل ان کا جو مشہور ہے وہ یہ کہ انہوں نے مستدرک میں بعض متکلم فیہ روایات کو بھی لے لیا، جو مصنف اصل کی شرط کے مطابق نہیں تھیں، اسی لئے علماء نے انکا تعقب کیا ہے۔

۹۔ "المستخرج" حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کی تخریج کی جائے، اور وہ اس طرح کی صاحب مستخرج اصل کتاب کی ہر ہر حدیث کو اصل ہی کی ترتیب کے مطابق اپنی سند سے الگ کتاب میں ذکر کرے، اس طرح کہ اس کی سند کے درمیان مصنف اصل واقع نہ ہو بلکہ صاحب مستخرج کی سند مصنف اصل کے شیخ یا شیخ الشیخ یا اس سے آگے چل کر مل جائے، اور اس کا فائدہ تقویت حدیث ہے، اب ہر کتاب کی دو سندیں ہو گئیں، ایک اصل کتاب کی سند اور دوسری مستخرج کی، جیسے مستخرج اسماعیلی جو بخاری شریف پر ہے اور صحیح مسلم پر ابو عوانہ کی مستخرج مشہور ہے، اور مستخرج ابو نعیم اصفہانی جو صحیحین پر ہے۔

محدثین نے مستخرج کے لئے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ صاحب مستخرج ایسی سند سے عدول نہ کرے جو مصنف اصل سے قریب ہو، مثلاً اگر اس کے پاس ایسی سند ہے جو مصنف اصل کے شیخ سے مل رہی ہے تو پھر ایسی سند نہ لائے جو مصنف اصل سے شیخ الشیخ میں جا کر مل رہی ہو، البتہ اگر عدول کی کوئی غرض صحیح ہو مثلاً علو سند وغیرہ تو امر آخر ہے۔

۱۰۔ "الافراد والغرائب" حدیث کی وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں کسی شیخ کے تفردات ذکر کئے جائیں، وہ روایات جو اس شیخ کے دوسرے اصحاب (تلامذہ) کے پاس نہیں ہیں، اب ظاہر ہے کہ اس میں جتنی حدیثیں ہونگی سب غریب ہوں گی، جیسے دار قطنی کی کتاب الافراد جو بہت مشہور اور جامع ہے، امام مسلمؒ کی تصانیف میں بھی ایک کتاب اس نوع کی ہے۔

۱۱۔ "غریب الحدیث" یہ وہ کتب ہیں جن میں احادیث کے الفاظ غریبہ کے معنی اور ان کی تشریح کی جاتی ہے، دوسرے لفظوں میں کہیئے کہ لغات حدیث کو بیان کیا جاتا ہے، کیونکہ حدیث کے معنی بیان کرنا آسان بات نہیں ذمہ داری کی چیز ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے حدیث کے ایک لفظ کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے فرمایا: سَلُوا أَصْحَابَ الْغَرِيبِ یعنی جو لوگ لغات حدیث کے امام اور اسکے ماہر ہیں ان سے اس لفظ کے معنی پوچھو، میں حدیث کی شرح اور بیان مراد اپنے گمان سے نہیں کر سکتا، اسی طرح اصمعی جو لغت کے بہت بڑے امام ہیں ان سے ایک بار الجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ؟ کے معنی دریافت کئے گئے کہ سقب کے کیا معنی ہیں؟ تو فرمانے لگے: أَنَا لَا أُفَسِّرُ حَدِيثَ رَسُولِ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ - وَلٰكِنَّ الْعَرَبَ تَزْعُمُ أَنَّ السَّقْبَ اللَّزِيقُ یعنی میں اپنی طرف سے حدیث کے معنی بیان نہیں کر سکتا، ہاں! اتنا جانتا ہوں کہ عرب کہتے ہیں سقب کے معنی متصل اور پڑوسی کے ہیں [1]، بہر حال اس موضوع پر چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں: کتاب الغریب، ابو عبید قاسم بن سلام کی، الفائق زمخشری کی، کتاب الغریبین ابو عبید ہروی کی، اور اس وقت اس نوع کی نہایت جامع دو کتابیں عام طور سے متداول ہیں، ایک النہایۃ ابن الاثیر الجزری کی جو پانچ جلدوں میں ہے، اور دوسری کتاب مجمع البحار شیخ محمد طاہر پٹنی (گجراتی) کی، یہ پانچ جلدوں میں ہے، اور النہایۃ سے زیادہ ضخیم ہے۔

۱۲۔ "العلل" حدیث کی وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں اسانید کی علل کو بیان کیا جائے، علل جمع ہے علت کی، علت محدثین کی اصطلاح میں سند کے پوشیدہ عیب اور نقص کو کہتے ہیں، یعنی ایک حدیث کی سند بظاہر سیدھی سچی ہے، لیکن فی الواقع اس میں کوئی باریک اور دقیق نقص ہے، جس کو ماہرین وناقدین حدیث ہی سمجھ سکتے ہیں پس علل حدیث کی وہ کتاب ہوئی جس میں اسانید کے دقیق اور پوشیدہ نقائص پر تنبیہ کی جائے، اس نام سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جیسے کتاب العلل امام بخاریؒ کی، کتاب العلل دار قطنی کی، اور امام ترمذی کی اس میں دو کتابیں ہیں، ایک العلل الصغیر جو ترمذی کے اخیر میں ملحق ہے، اور ایک العلل الکبیر، اسی طرح العلل الکبیر ابن ابی حاتم کی، اور العلل المتناهية في الأحاديث الواهية ابن جوزی کی۔

۱۳۔ "کتاب الأربعین یا أربعینة" جس کو ہمارے یہاں چہل حدیث کہتے ہیں، اس تصنیف کا سلسلہ قائم ہوا ہے ایک حدیث کی بنا پر جو بیہقی کی شعب الایمان میں ہے، حدیث کے راوی ابو الدرداءؓ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا گیا کہ علم کی وہ کونسی مقدار ہے جسکے حاصل کرنے کے بعد آدمی فقیہ ہو جائے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا مِنْ أَمْرِ دِينِهِ بَعَثَهُ اللهُ فَقِيهًا، وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيدًا [2] یہ حدیث تمام طرق کے اعتبار سے اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اکثر حضرات محدثین نے اس مختصر سے عمل پر اتنا بڑا ثواب اور فضیلت حاصل کرنے کی لالچ میں اور حرص میں أربعینات تصنیف کی ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک چہل حدیث لکھی ہے، جو بہت مختصر ہے، حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ میرے والد صاحب مفید الطالبین کے بجائے اس کتاب کو پڑھایا کرتے تھے، امام نوویؒ کی بھی کتاب الأربعین ہے جسکی متعدد شروح لکھی گئی ہیں، ابن رجب حنبلی، ملا علی قاری اور شیخ ابن حجر مکی ان سب حضرات نے اسکی شرح لکھی ہے، حافظ ابن حجر نے بھی ایک چہل حدیث لکھی ہے، اس میں انہوں نے ایک جدت یہ پیدا کی ہے کہ تمام احادیث صحیحین سے اس طرح لی ہیں کہ جن میں امام مسلمؒ کی سند امام بخاری کی سند سے عالی ہے، حضرت شیخ نے مقدمۂ لامع میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں اس چہل حدیث کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔

---

[1] مقدمة ابن الصلاح في علوم الحديث — ج ۱ ص ۲۷۳

[2] شعب الإيمان للبيهقي — باب في فضل العلم وشرف مقدارہ ۱۵۹۷

۱۴۔"تعالیق" حدیث کی وہ کتاب ہے جس کے اندر صرف متون احادیث بیان کی جائیں، اسانید کو حذف کر دیا جائے، جیسا کہ مصابیح السنة اور مشکوۃ المصابیح میں ہے، ان دونوں کتابوں میں صرف متون احادیث پر اکتفا کیا گیا ہے، البتہ صاحب مشکوۃ نے صحابی کے نام کا اضافہ کر دیا ہے، نیز حدیث ذکر کرنے کے بعد کتب مشہورہ میں سے جن میں وہ حدیث پائی جاتی ہے، اس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اور تعالیق بہت ہیں، جیسے جمع بین الصحیحین حمیدی کی، تجرید الصحاح رزین بن معاویہ العبدری کی، جامع الاصول ابن الاثیر الجزری کی، اور مجمع الزوائد ہیثمی کی، جس میں انہوں نے صحاح ستہ کے زوائد کو چھ کتابوں یعنی مسانید ثلاثہ مسند احمد، مسند البزار، مسند ابویعلی اور طبرانی کی معاجم ثلاثہ سے جمع کیا ہے، یعنی ان چھ کتب کی صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے، جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں، اور ان کتب کی وہ احادیث جو صحاح ستہ میں موجود ہیں ان کو نہیں لیا، ایسے ہی جمع الجوامع علامہ سیوطیؒ کی جس میں انہوں نے تمام احادیث کو بالاستیعاب لینے کا قصد کیا تھا کہ جتنی حدیثیں دنیا میں موجود ہیں سب اسمیں آجاویں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام بہت مشکل تھا، چنانچہ مصنفؒ کا انتقال ہو گیا اور کام پورا نہ ہو سکا، اس کتاب کو انہوں نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے، اس طرح کہ احادیث قولیہ کو مرتبا علی الحروف اور احادیث فعلیہ کو اسماء صحابہ کی ترتیب پر ذکر کیا، سیوطیؒ کی جامع الصغیر جو مشہور کتاب ہے اور جس کی احادیث مرتب علی الحروف ہیں، انہوں نے اسی جمع الجوامع سے لی ہیں، اور کنز العمال جو حدیث کی مشہور و معروف کتاب ہے، یہ سیوطی کی جمع الجوامع ہی کی ترتیب ہے جس کو شیخ علی متقی مشہور صوفی و محدث نے ترتیب دیا ہے۔

۱۵۔"المسلسلات" حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں صرف احادیث مسلسلہ کو ذکر کیا جائے اور الحدیث المسلسل وہ حدیث ہے جس کی سند کی تمام رواۃ من اولہ الی آخرہ یا سند کے اکثر رواۃ کسی خاص وصف میں مشترک و متفق ہوں، جیسے الحدیث المسلسل بالاولیۃ یعنی وہ حدیث جس کو ہر شاگرد نے اپنے استاذ سے سب حدیثوں سے پہلے سنا ہو مگر محدثین نے لکھا ہے کہ اس میں تسلسل اول سے آخر تک نہیں پایا گیا، بلکہ سند کے بعض حصہ میں پایا گیا، ایسے ہی الحدیث المسلسل بالمصافحۃ یعنی وہ حدیث جس کو ہر شاگرد نے اپنے استاذ سے مصافحہ کر کے سنا ہو، ایسے ہی الحدیث المسلسل بقرأۃ سورۃ الصف یعنی ہر شاگرد نے جب استاذ سے یہ حدیث سنی تو استاذ نے بوقت تحدیث سورہ صف کی تلاوت کی، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ احادیث مسلسلہ میں سب سے زیادہ صحیح مسلسل بقرأۃ سورۃ الصف ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب المسلسلات جس کا پورا نام، الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الأمین مشہور ہے، مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ اس کتاب کو سب سے پہلے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے ۱۳۳۰ھ میں طبع کرایا تھا۔

۱۶۔"شرح الآثار" یہ بھی انواع کتب حدیث میں سے ایک خاص قسم ہے، اور اس کو علم تاویل الحدیث اور مختلف الحدیث بھی کہتے ہیں، جس کا موضوع یہ ہے کہ جو احادیث بظاہر متضاد ہیں ان میں مطابقت پیدا کی جائے یا بعض کی بعض پر

ترجیح ثابت کی جائے، اور یہ کام وہی حضرات مصنفین کر سکتے ہیں جو علم حدیث وفقہ اور اصول تینوں میں مہارت رکھتے ہوں ،چنانچہ اس نوع کی بعض تالیفات یہ ہیں، امام شافعیؒ کی اختلاف الحدیث اور ابن قتیبہ الدینوری کی تاویل مختلف الحدیث اور امام طحاویؒ کی شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار نہایت جامع کتابیں ہیں۔

۱۷۔"الکتب المؤلفة فی الأدعیة المأثورة" انواع کتب حدیث میں بعض کتابیں ایسی ہیں جن میں صرف ادعیہ اور اذکار کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں عمل الیوم واللیل امام نسائی کی،عمل الیوم واللیل ابن سنی کی، کتاب الاذکار امام نوویؒ کی، الحصن الحصین محمد بن محمد بن محمد جزری شافعی کی، اور الحزب الاعظم ملا علی قاری کی، حضرت شیخؒ نے مقدمہ لامع میں تحریر فرمایا ہے، کہ ہمارے مشائخ واکابر الحزب الاعظم کے ورد کو ترجیح دیتے ہیں، محمد بن سلیمان الجزولی السملالی کی دلائل الخیرات پر کیونکہ اسکے اندر بعض روایات ضعیف ہیں۔

یہ مختصر طور پر مشہور انواع کتب حدیث ہم نے بیان کر دی ہیں، تفصیل کیلئے مقدمة لامع اور الفیض السمائی کا مقدمہ دیکھا جائے۔

بحمد اللہ تعالیٰ وتوفیقه یہاں تک تمہیدی مضامین مقدمة العلم والکتاب پورے ہوگئے، اب صرف سند کو ذکر کرنا باقی ہے، اسکے بعد کتاب شروع ہو جائیگی، سند بیان کرنے سے قبل ایک اور مفید مضمون جو ذہن میں ہے، اور کبھی کبھی سبق میں اس کو میں بیان بھی کیا کرتا ہوں چونکہ اس کا تعلق بھی سند سے ہے لہذا پہلے اس کو سن لیجئے!

ہندوستان میں علم حدیث: ہم لوگوں کی سندیں بلکہ یہ کہئے کہ محدثین ہند کی تمام اسانید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ پر جا کر مل جاتی ہیں، دراصل صورت حال یہ ہے جسکو تاریخ حدیث سے واقفین نے لکھا ہے کہ ہند میں گو علم حدیث کا سلسلہ کچھ نہ کچھ ہمیشہ سے ہی رہا ہے، لیکن بلاد عربیہ کے مقابلے میں بہت کم اور برائے نام، چنانچہ شروع میں صرف صغانی کی مشارق الأنوار پڑھنے پڑھانے پر اکتفا کیا جاتا تھا، اس کے بعد اس میں مشکوۃ شریف کا اضافہ ہو گیا تھا اور بس۔

دسویں صدی کے وسط سے بلاد عربیہ میں علم حدیث کا انحطاط شروع ہوا، اور اسی کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ نے اسکے بالمقابل ہندوستان کے باشندوں کو حدیث کی تحصیل اور خدمت کی طرف متوجہ فرما دیا، چنانچہ دسویں صدی میں حضرت شیخ علی متقی برہانپوریؒ صاحب کنز العمال، جن کی وفات ۹۸۵ھ میں ہے، کو حق تعالیٰ شانہٗ نے پیدا فرمایا اور ان کو خدمت حدیث کیلئے منتخب فرمایا، چنانچہ انہوں نے علم حدیث علماء حجاز سے حاصل فرما کر ہندوستان میں آکر اس کا چرچا کیا، انکے بعد ان کے شاگردوں کا سلسلہ چلا جیسے شیخ عبد الوہاب برہانپوریؒ المتوفی ۱۰۰۱ھ اور شیخ محمد طاہر پٹنیؒ المتوفی ۹۸۶ھ جن کی تصنیفات علم حدیث میں بہت مشہور ہیں، جیسے مجمع البحار جس کو تمام صحاح ستہ کی شرح کہا جا سکتا ہے، ایسے ہی تذکرۃ الموضوعات

وغیرہ۔

اس کے بعد پھر گیارہویں صدی میں دور آیا حضرت شیخ عبد الحق محدث البخاری ثم الدهلوی ؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ کا انہوں نے حجاز مقدس سے فن حدیث کو حاصل کیا، اور ہندوستان میں دہلی کو اس کا مرکز اشاعت بنایا، اور شروح حدیث میں بعض اونچی کتابیں تصنیف فرمائیں، چنانچہ موصوف نے مشکوٰۃ کی دو شرحیں تصنیف فرمائیں، ایک عربی میں یعنی لمعات التنقیح اور ایک فارسی میں یعنی أشعة اللمعات پھر ان کی اولاد واحفاد میں، محدثین پیدا ہوئے جنہوں نے حدیث کی شروحات لکھیں۔

اس کے بعد بارہویں صدی میں شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم دہلوی قدس سرہٗ العزیز المتوفی ۱۱۷۶ھ کا مبارک دور آیا، شاہ صاحب ؒ نے حجاز تشریف لیجاکر، وہاں کے مشائخ خصوصاً شیخ ابو طاہر مدنی ؒ سے علم حدیث حاصل فرمایا اور پھر ہندوستان واپسی کے بعد دینی خدمات خصوصاً علم حدیث کی خدمت میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، اور آپ ہی کے زمانہ سے ہندوستان میں صحاح ستہ کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔

اور پھر تیرہویں صدی میں حضرت شاہ صاحب کے بعد آپ کے اصحاب واولاد کا سلسلہ چلا، جن میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہٗ المتوفی ۱۲۳۹ھ نے آپ کی نیابت کا حق ادا فرمادیا، اور اس کے بعد ان کے تلامذہ میں سے ان کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکی ؒ المتوفی ۱۲۶۲ھ اور پھر انکے تلامذہ میں سے حضرت شاہ عبد الغنی مجددی مہاجر مدنی ؒ المتوفی ۱۲۹۶ھ جنکے درس حدیث سے ہندوستان اور حجاز میں محدثین کی ایک جماعت تیار ہوئی، چنانچہ ان کے تلامذہ میں حجت الاسلام قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی ؒ المتوفی ۱۲۹۷ھ۔ اور پھر اخیر میں یعنی چودھویں صدی میں قطب الارشاد رأس الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ المتوفی ۱۳۲۳ھ ہیں جنہوں نے دسیوں برس تک تمام دورہ تن تنہا پڑھایا، اور اس کے بعد ان کے تلامذہ علماء دار العلوم ومظاہر علوم جن کو سب ہی جانتے ہیں، جن میں خاص طور سے ہمیں مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی ؒ کو ذکر کرنا ہے، اس لئے کہ وہ ہماری سند میں آتے ہیں، اور دوسرے اس لئے بھی کہ حضرت گنگوہی ؒ کی خدمات حدیث اور افادات درسیہ موصوف ہی کی بدولت تالیفات کی شکل میں ہم سب کے سامنے آئی ہیں، اور اس کے بعد پھر ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد زکریا صاحب الکاندھلوی ثم المہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ ہیں، اور ان ہی کے تلامذہ کے سلسلے میں ہم بھی داخل ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ فی الواقع بھی ہمارا ان محدثین عظام کے سلسلہ میں شمول فرمالے، جس طرح صورۃً سند حدیث میں ان حضرات کے ساتھ شمول ہوگیا ہے تو اس کی رحمت بے پایاں سے کیا بعید ہے۔

اسناد اس امت کی خصوصیت ہے: علماء نے لکھا ہے کہ اسناد یعنی باقاعدہ حوالہ کے ساتھ نقل در نقل من أوله إلى آخره اس طور پر کہ ہر زمانہ میں ہر راوی ہر حدیث کو اپنی سند سے صاحب حدیث تک پہنچائے، یہ اس امت محمدیہ کے خصائص میں سے ہے، گذشتہ امتوں کو یہ نعمت حاصل نہیں ہوئی، علامہ سیوطی ؒ لکھتے ہیں ارسال واعضال کیساتھ سند کا سلسلہ

بہت سے یہود میں گویا پایا جاتا ہے، لیکن وہ اپنی سند کو اخیر تک یعنی موسیٰ علیہ السلام تک نہیں پہنچا سکے، بلکہ ان کے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان، بہت سے وسائط باقی رہ جاتے ہیں جن کو وہ پورا نہیں کر سکے، وہ لکھتے ہیں: بَلْ يَقِفُونَ بِحَيْثُ يَكُونُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مُوسَى أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثِينَ عَصْرًا، وَإِنَّمَا يَبْلُغُونَ إِلَى شَمْعُونَ وَنَحْوِهِ [1]. اسی طرح انہوں نے نصاریٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بھی اپنی سند میں شمعون اور بولص سے آگے نہیں پہنچ سکے، بس یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے صرف امت محمدیہ ہی کو عطا فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر قول و فعل کو بلکہ جملہ حرکات و سکنات کو پوری احتیاط اور سند متصل کے ساتھ نقل کیا ہے، امام مسلمؒ نے مقدمۂ مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کا ارشاد نقل فرمایا ہے اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ، وَلَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ [2] حضرات محدثین کے یہاں سند ذکر کرنے کا اہتمام نہ صرف احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کے ساتھ خاص ہے، بلکہ وہ اقوال ائمہ کو بھی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں، چنانچہ جامع ترمذی میں یہ چیز کثرت سے پائی جاتی ہے کہ وہ بسا اوقات ائمہ کے اقوال ذکر کرنے کے بعد اس کی سند بھی بیان کرتے ہیں۔

بیان سند کی احتیاج: یہ بات ایک بدیہی سی ہے کہ کوئی حدیث خواہ مرفوع ہو یا موقوف بغیر سند کے ثابت اور معتبر نہیں ہو سکتی ہے، کسی شخص، عالم و محدث کی جلالت شان اسکو بیان سند سے مستغنی نہیں کر سکتی، بعض صحابہ کا تو یہ حال تھا کہ اگر ان سے کوئی صحابی رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا جسکو اس نے آپ سے براہ راست سنا ہے تو وہ اس سے اس سماع حدیث پر استحلاف کرتے (کہ پہلے آپ اس بات پر قسم کھائیے کہ یہ حدیث میں نے حضور سے سنی ہے) جیسا کہ حضرت علیؓ کے بارے میں مشہور ہے [3]، اس بے مثال ضبط و احتیاط اتقان و اہتمام کے ساتھ احادیث کا یہ ذخیرہ اور ہمارا دین متین نقل ہوتا چلا آیا ہے، بعض اکابر فقہاء و صوفیاء نے اپنی تصانیف میں استدلال و استشہاد کے ذیل میں حدیثیں بلا سند بیان کر دی ہیں تو اس پر آنے والے علماء کو بیان اسانید کیلئے مستقل طور سے کتابیں لکھنی پڑیں، مثلاً نصب الراية لأحاديث الهداية، التلخيص الحبير، تخریج عراقی وغیرہ۔

جب تک دنیا میں نشر و اشاعت اور طباعت کا سلسلہ قائم نہیں ہوا تھا بلکہ محدثین حضرات روایت حدیث اپنے حفظ سے یا اپنی خاص کتاب سے جس کو محدثین کی اصطلاح میں اصل سے تعبیر کیا جاتا ہے، بیان کرتے اس وقت تک ہر شخص اس بات کا مکلف تھا کہ حدیث کو سند سے سن کر اسکو محفوظ رکھے، اور پھر بوقت روایت اس حدیث کو اپنی پوری سند سے طالبین کے سامنے بیان کرے، لیکن اب جب کہ کتب حدیث، متون احادیث مع اسانید کے طبع ہو کر سب جگہ منتشر ہو گئی ہیں، اور اب وہ دور

---

[1] شعب الإيمان للبيهقي باب في فضل العلم وشرف مقداره ١٥٩٧
[2] صحيح المسلم - مقدمة الإمام مسلم - باب في أن الإسناد من الدين ج ١ ص ١٥
[3] جامع الترمذي - كتاب الصلاة - باب ما جاء في الصلاة عند التوبة ٤٠٦

نہیں رہا کہ کوئی محدث طلبہ کے سامنے حدیثیں اپنے حفظ سے یا اپنے مخصوص مجموعہ اور نوشتے سے بیان کرے بلکہ انہی مطبوعہ کتب سے سماع حدیث واسماع حدیث کا سلسلہ قائم ہو گیا ہے، اور ان تصانیف وکتب کا انتساب ان کے مصنفین تک نہ صرف حد شہرت بلکہ حد تواتر تک پہنچ گیا ہے، تو اب ہر طالب حدیث یا محدث کو اپنی سند ان مصنفین تک بیان کرنا یا اسکو محفوظ رکھنا ثبوت حدیث کیلئے ضروری نہیں رہا، اور پھر سند کے آگے کا حصہ یعنی مصنفین سے حضور ﷺ تک خود ان کتب میں موجود ہے۔

غرضیکہ اس زمانہ میں ثبوت حدیث یا صحت استدلال بالحدیث کیلئے صرف یہ کافی ہے کہ مروجہ ومشتہرہ کتب حدیث میں سے کسی کتاب کا حوالہ پیش کر دیا جائے، لیکن اس میں شک نہیں کہ اپنی پوری سند کو بیان کرنا اور اس کو محفوظ رکھنا باعث برکت اور سرمایۂ افتخار ہے، اسی لئے ہمارے اساتذہ کرام کا معمول رہا ہے کہ وہ شروع سال میں کتاب شروع کرنے سے قبل اپنی سند بیان کرتے ہیں، انہی کے اتباع میں ہم بھی اپنی سند بیان کرتے ہیں۔

اسکے بعد ہم اصل مقصود یعنی اپنی سند حدیث کو بیان کرتے ہیں، یہ پہلے آچکا کہ ہماری بلکہ جملہ محدثین ہند کی مختلف سندیں سب کی سب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ سے جا کر مل جاتی ہیں، ہمارے اساتذہ حدیث خصوصاً حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا معمول سند کے سلسلہ میں یہ تھا کہ وہ اپنی سند صرف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ تک بیان فرمایا کرتے، اور پھر اس سے آگے کی سند کے بارے میں حضرت شیخ یہ فرماتے تھے کہ شاہ صاحب نے اپنی سندیں تحریر فرما کر شائع کر دی ہیں، جو مطبوع ہیں، اور ملتی ہیں مثلاً "الارشاد الی مهمات الاسناد" اور میں نے مثال کے طور پر شاہ صاحب کی ایک سند مقدمۂ اوجز میں اپنی سند کے ساتھ بیان کر دی ہے، جی چاہے تو وہاں دیکھ لیں، لہذا اب سند کے گویا تین حصے ہو گئے، ایک ہم سے لے کر شاہ ولی اللہ صاحب تک، دوسرا حصہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے لے کر صاحب کتاب تک، اور تیسرا حصہ صاحب کتاب سے لے کر جناب رسول اللہ ﷺ تک، تیسرا حصہ تو خود کتاب میں موجود ہے، ہمیں یہاں صرف پہلا حصہ بیان کرنا ہے۔

میری ابوداؤد کی سند: اب اس کتاب یعنی ابوداؤد کی میری سند سنئے، میں نے ابوداؤد شریف دو مرتبہ دو استاذوں سے پڑھی ہے، پہلی مرتبہ ۸۰ھ میں جو میرا دورۂ حدیث کا سال تھا، اس میں ابوداؤد شریف میں نے سابق ناظم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھی، اس کے بعد ۸۸ھ میں جب کہ احقر پہلی بار مظاہر علوم میں ہی ابوداؤد پڑھا رہا تھا، اس وقت بندہ نے دوبارہ [1] ابوداؤد شریف حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھی۔

---

[1] اسکی شکل یہ ہوئی تھی کہ لامع الدراری جسکا املاء حضرت شیخ احقر سے کراتے تھے، اور اس میں حضرت کا ہر روز ایک معتدبہ وقت صرف ہوتا تھا، اسکی آخری جلد کی تسوید اسی سال میں پوری ہوئی، اور یہ وہ سال تھا جس میں مجھے سنن ابوداؤد پہلی مرتبہ پڑھانے کیلئے دی گئی تھی، اور اسکا سبق میرے سپرد ہوا تھا، غرضیکہ تسوید کی تکمیل کے بعد حضرت شیخ کا کافی وقت فارغ ہو گیا، اس پر حضرت شیخ نے احقر سے فرمایا کہ میری ابوداؤد کا نسخہ جس میں میں سبق پڑھایا کرتا تھا اس پر میرے حواشی اور بین السطور ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے بین السطور اور حواشی جن میں بہت سے اشارات کی شکل میں اور مجمل ہیں تجھے ←

⊛ بہر حال بندہ کی پہلی سند اس طرح ہیں، بندہ اس کتاب کی روایت کرتا ہے مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد ماجد شاہ ابو سعید مجددیؒ سے اور وہ روایت کرتے ہیں حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے۔

⊛ بندہ کی دوسری سند حضرت شیخؒ سے ہے اور حضرت شیخ کی تین سندیں ہیں: دو سندیں قراءۃً اور ایک سند اجازۃً۔ حضرت شیخؒ نے ۳۴ھ میں دورہ کی اکثر کتابیں اپنے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے پڑھیں، اور ان کے بعد ۳۵ھ سے مسلسل کئی سال تک دورہ کی اکثر کتابیں حضرت سہارنپوریؒ سے پڑھیں، اس لئے حضرت شیخ کی دو سندیں تو قراءۃً ہو گئیں اور تیسری سند اجازۃً ہے۔

① حضرت شیخ کی پہلی سند اس طرح ہے، حضرت روایت کرتے ہیں مولانا محمد یحییٰ صاحب سے، وہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی سے، وہ شاہ عبد الغنی مجددیؒ سے، وہ شاہ ابو سعید مجددیؒ سے، اور وہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے۔

② حضرت شیخ کی دوسری سند اس طرح ہے، حضرت شیخ روایت کرتے ہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری سے، وہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے، وہ حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے، وہ مولانا رشید الدین خان دہلویؒ سے، اور وہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے۔

③ حضرت شیخ کی تیسری سند جو اجازۃً ہے، وہ اس طرح ہے، حضرت شیخ روایت کرتے ہیں مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ (مدرسہ کے مہتمم اول) سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ سے، وہ شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے، اور وہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے نور اللہ مراقدھم

حضرت شیخ کی اسانید ثلاثہ میں سے تیسری سند جو اجازۃً ہے، اس کو اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب تک اس میں ایک واسطہ کم ہے، اس لئے وہ سند سند عالی ہوئی۔ یہ تین سندیں ہوئیں ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی، اس

لہ سمجھادوں، اس پر احقر نے عرض کیا کہ بجائے اسکے کہ میں جناب والا کے صرف حواشی وغیرہ سمجھوں، باقاعدہ کتاب ہی آپ سے پڑھ لوں، حضرت نے احقر کی اس درخواست کو قبول فرمالیا، چنانچہ پھر حضرت اس احقر کو روزانہ تھوڑا تھوڑا جتنا میں سبق مدرسہ میں پڑھاتا تھا اتنا حضرت احقر کو پڑھاتے رہے، اور آخیر سال تک بحمد اللہ کتاب پوری ہوگئی سال کے آخیر میں آخری دن سبق کی مقدار کافی باقی رہ گئی تھی، پوری کتاب الادب باقی تھی، سردی کی رات تھی جس دن صبح کو کتاب ختم ہو رہی تھی اس سے پہلی شب میں احقر نے پوری کتاب الادب حضرت شیخ سے عشاء کے بعد رات کے ۱۲ بجے تک پڑھکر ختم کی، دورہ کے باقی مدرسین کے سب اسباق پورے ہوچکے تھے، غالباً رجب کی ۲۹ یا ۳۰ تاریخ تھی، چنانچہ احقر نے صبح پہلے گھنٹہ میں کتاب کا آخری سبق شروع کرا کر چوتھے گھنٹہ کے آخیر تک پڑھا کر کتاب کو ختم کرایا، کتاب ختم کرانے کے بعد احقر حضرت کی خدمت میں پہنچا، حضرت نے شاباش اور جزاک اللہ وغیرہ دعائیں دیں، اس وقت حضرت دستر خوان پر پہنچ چکے تھے، چنانچہ حضرت کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا، ساتھ کھانے کا معمول پہلے ہی سے تھا، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس پورے وقت میں حضرت کی توجہ احقر کے سبق پڑھانے ہی کی طرف رہی۔ نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ وحشرنا معہ

میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی صرف ایک سند آئی ہے۔
جاننا چاہئے کہ حضرت سہارنپوریؒ کی بھی تین سندیں ہیں:

- ایک تو وہی جو اوپر مذکور ہوئی۔
- دوسری یہ کہ حضرت سہارنپوریؒ کو اجازت حدیث حاصل ہے، حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے، اور شاہ صاحب کی سند اوپر گزر گئی۔
- تیسری سند اس طرح ہے کہ حضرت سہارنپوریؒ نے ابوداؤد شریف بماہ رمضان المبارک حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بڈھانویؒ نبیرۂ شاہ عبدالعزیز صاحب سے پڑھی، اور مولانا عبدالقیوم صاحب بڈھانوی شاگرد ہیں شاہ اسحٰق صاحبؒ کے جن کی سند اوپر مذکور ہو چکی۔

اس کے علاوہ دو سندیں حضرت سہارنپوریؒ کی سلاسل حجازیہ میں ہیں، جس وقت حضرت سہارنپوریؒ حجاز مقدس تشریف فرما تھے تو بعض علماء حجاز سے آپ نے اجازت حدیث حاصل فرمائی تھی، ⊛ عن الشیخ احمد (دحلان) ⊛ عن السید احمد البرزنجي، اسطرح حضرت سہارنپوریؒ کی کل پانچ سندیں ہو گئیں، جن میں دو سندیں قراءۃً ہیں، اور باقی تین اجازۃً۔
مذکورہ بالا سلسلۂ اسانید میں اب آپ بھی شامل ہو رہے ہیں، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سلسلہ کی برکات سے ہمیں نوازے اور ہمیں اس کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، ان اکابر و مشائخ کے اتباع کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

قد تمت المبادئ من مقدمة العلم والکتاب، واللّٰہ ولي التوفیق والسداد واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین، وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔

مسند الهند شاه ولي الله احمد بن عبد الرحيم الدهلوي
الشاه عبد العزيز
الشاه ابو سعيد
الشاه محمد اسحٰق
مولانا رشيد الدين
الشاه عبد الغني
عبد القيوم
مولانا احمد علي
مولانا مملوك علي
مولانا رشيد احمد
خليل احمد
عنايت الهی
مولانا محمد مظهر
محمد يحيى
محمد زكريا
محمد زكريا
خليل احمد
عنايت الهی
محمد اسعد الله
محمد زكريا
محمد عاقل
محمد عاقل
محمد زكريا
محمد زكريا
هٰذان السندان عاليان
محمد عاقل
محمد عاقل
محمد عاقل
محمد عاقل

ضميمة

مقدمہ الدر المنضود علی سنن أبي داؤد

حامداً ومصلياً ومسلماً، وبعد۔

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، الدر المنضود علی سنن أبي داؤد کو حق تعالیٰ شانہ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی جس کا اس کتاب کی تالیف کے شروع میں وہم وگمان بھی نہ تھا، اس ضمیمہ کا پس منظر یہ ہے، جیسا کہ بندہ کے علم میں آیا کہ محقق عصر و محدث شہیر حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی" کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن (کراچی) سے معہد الخلیل الإسلامي کراچی کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب مدنی مجاز حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ اپنے مدرسہ میں ہفتہ میں دوبار چند گھنٹوں کیلئے طلبۂ حدیث ومدرسین کے تعلیمی افادہ کیلئے بلاتے تھے، اس ذیل میں حضرت مولانا الدر المنضود کا مقدمہ بھی سبقاً سبقاً اپنی تحقیقات وتشریحات کے ساتھ پڑھاتے تھے، اس دوران حضرت مولانا کو اس مقدمہ کی بعض چیزوں پر کچھ اشکال ہوا اور بعض ایسی چیزیں جو حضرت مولانا کو پسند آئیں جن کا حوالہ اس میں نہ تھا وہ درکار ہوا، اس پر حضرت مولانا موصوف نے بندہ کے نام گرامی نامہ تحریر فرمایا جس کا جواب بندہ بروقت نہ لکھ سکا، آج کل پر ٹلتا رہا، کیا خبر تھی کہ حضرت مولانا اس دار فانی سے اتنی جلدی رخصت ہو جائیں گے، مولانا موصوف کی حیات میں جواب نہ لکھ سکا، حضرت مولانا کی وہ تحریر بندہ کے پاس ایک علمی امانت تھی، طبیعت پر اس کے جواب کا تقاضا ہوا، چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ جواب مرتب ہو گیا، جس کو اصل مکتوب کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے، یہ مکتوب بجائے خود مستقل علمی افادات کا مجموعہ ہے، جس سے ارباب علم و تحقیق کی دقت نظری اور طرز تحقیق کا ایک نمونہ سامنے آتا ہے۔ اس سارے مضمون کو بندہ الدر المنضود کے مقدمہ کا ضمیمہ قرار دیتے ہوئے شائع کر رہا ہے، شروع میں مکتوب گرامی بتمامہ نقل کیا گیا ہے، اس کے بعد اس کا جواب، اللہ تعالیٰ شانہ ہماری تقصیرات کو معاف فرمائے اور اس ضمیمہ کو اصل مقدمہ کی طرح مفید اور نافع فرمائے، آمین۔

مکتوب گرامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بگرامی خدمت حضرت مولانا محمد عاقل صاحب وفقنی اللہ وایاھم لما یحبُ ویرضیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بخیر وعافیت رکھے اور علم ودین وملت کی مزید خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔ آپ کے ہدیہ ہائے گرامی ملتے رہے جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ سب سے پہلے الفیض السمائی علی سنن النسائی کی جلد اول ملی جس پر تاریخ تہدیہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ مرقوم ہے، پھر الدر المنضود علی سنن ابی داؤد کا مقدمہ شرف صدور لایا، جس پر تاریخ تہدیہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ تحریر ہے، اپنی سستی ضعف کم ہمتی کی وجہ سے جناب کی خدمت عالی میں رسید بھیجنے اور شکریہ ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی، امید ہے کہ آپ اپنے اخلاق کریمانہ کی بناء پر اس کوتاہی کو نظر انداز فرمائیں گے، میں اب بہت بوڑھا ہوگیا، اسی برس کو پہنچ گیا، خط کم لکھتا ہوں، جس کے باعث یہ تاخیر ہوئی، ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ میری تاریخ ولادت ہوئی ہے۔

الفیض السمائی بڑی گرانقدر خدمت ہے، اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے، یہ کتاب جب وصول ہوئی تھی اسی زمانے میں اس کا مقدمہ پڑھ لیا تھا، الدر المنضود کا مقدمہ بھی پورا پڑھا، ایسا معلوم ہوتا ہے اس مقدمہ کی تحریر کے وقت اصل سے مراجعت کی نوبت نہ آسکی، اس کے بہت سے حوالے درج نہیں ہیں، اگر حوالوں کے درج کرنے کا التزام کیا جاتا تو بہت ہی اچھا ہوتا۔

① حدیث اُطلبوا العلم یوم الاثنین، یہ ابو نعیم اصفہانی کی تاریخ أصبہان میں کس کے ترجمہ میں مذکور ہے، مولانا یونس سے پوچھ کر مطلع فرمائیں تو بڑی عنایت ہو، جامع صغیر میں یہ حدیث مذکور ہے اور ضعیف ہے، فیض القدیر میں اس کی تفصیل درج ہے۔

② آپ نے لکھا ہے کہ موجودہ کتب حدیث میں سب سے قدیم مجموعہ موطا مالک ہے اور اس کا وجود دنیا میں بقول ابوطالب مکی کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تقریباً ایک سو دس سال یا ایک سو بیس سال بعد ہے، کیونکہ موطا ۱۲۰ھ یا ۱۳۰ھ میں تیار ہوئی، اگر ابوطالب مکی کی تصریح صحیح ہے تو ۱۱۰ھ یا ۱۲۰ھ میں تیار ہونا چاہیے، اسکا آپ نے حوالہ نہیں دیا کہ ابوطالب مکی نے کس کتاب میں لکھا ہے، تاریخی طور پر یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ موطا تو ہارون یا منصور کی فرمائش پر لکھی گئی ہے، موطا کے رواۃ میں کوئی ایسا عالم آپکے علم میں ہے جس نے ۱۱۰ھ سے لے کر ۱۳۰ھ تک امام صاحب سے موطا سنی ہے؟ بنی امیہ کی سلطنت ۱۳۲ھ میں ختم ہوئی ہے پھر عباسی آئے، لہٰذا یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، امام ابوحنیفہؒ کی کتاب الآثار اس سے کہیں پہلے تصنیف ہوئی ہے، جامع سفیان اور موطا دونوں اسکے بعد لکھی گئی ہیں۔ ما تمس الیہ الحاجۃ اور امام ابن ماجہ اور

علم حدیث سے اس سلسلہ میں مراجعت کی جاسکتی ہے۔

③ سیستان معروف شہر نہیں اقلیم ہے، خود آپ نے آگے چل کر شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالہ سے یہی لکھا ہے۔

④ مثل الذي لان الحديد وسبكه میں الحدید کی بجائے الحدیث چھپ گیا ہے۔

⑤ ص ۳۴ سطر ۲ میں "قواعد کلیہ" کی جگہ "فوائد" طبع ہو گیا ہے۔

⑥ ص ۳۸ یہ بات کہ امام ابوداؤد کی بعینہ ان احادیث کا انتخاب ان سے پہلے امام ابواعظم ابوحنیفہ کر چکے ہیں الخ، آپ نے حضرت شیخؒ کے حوالہ سے نقل کی ہے، اسکی سند کیا ہے، کس کتاب میں مذکور ہے، یہ تو بڑی اہم بات ہے، اسکا حوالہ درکار ہے۔

⑦ ص ۴۶ امام نسائی نے خود ارشاد فرمایا ہے: ما اخرجت في الصغرى فهو صحيح یہ کس کتاب میں مذکور ہے؟ آپ نے شاہ صاحب کا حوالہ دیا ہے مگر اس کی سند درکار ہے، شاہ صاحب نے یہ بات کہاں سے لی؟ یہ الگ بحث ہے کہ "مجتبیٰ" ابن السنی کا اختصار ہے نسائی کا نہیں۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو پھر صغریٰ نسائی ہی کی تالیف ٹھہرے گی، مگر ثبوت چاہئے۔

⑧ ص ۴۷ اور ابوالحسن سندھی فرماتے ہیں کہ طحاوی کی شرح معانی الآثار احق ہے کہ اس کو صحاح ستہ میں شمار کیا جائے فانه عديم النظير في بابه، یہ بات تو اپنی جگہ صحیح ہے، مگر یہ کہاں فرماتے ہیں؟ اس کا حوالہ غائب، کیا آپ اتنا کرم کردیں گے کہ اس کا حوالہ نکال دیں، ہم تو ابھی تک اسی غلط فہمی میں ہیں کہ نہ تو ابوالحسن صاحب سندھی نے طحاوی کی صورت دیکھی ہے نہ شاہ ولی اللہ صاحب نے، اس لئے اس امر کا ثبوت مل جائے تو یہ احسان عظیم ہوگا، طحاوی سے علماء مغرب نے اعتناء کیا ہے وہ اس کی قدر پہچانتے ہیں، اسی لئے ابن حزم نے اس کو تلو الصحیحین ابو داؤد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

⑨ یہ خوب بات ہے کہ تراجم کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے، گویا متن کا حق تو ادا ہو گیا، مگر تراجم کا نہیں، امتی کے غوامض اقوال نبی ﷺ سے بڑھ گئے، اغراق اور مبالغہ کی بھی کوئی حد ہے؟

امام مسلم (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تراجم منعقد نہیں کئے، یہ ان کی غایت ورع کی دلیل ہے کہ وظیفہ محدث اور وظیفہ فقیہ میں فرق کیا، اور جو کام ان کے بس کا نہ تھا اس پر ہاتھ نہ ڈالا۔ امام بخاری مجتہد اور فقیہ تھے، تو ترمذی نے اپنی کتاب میں ان کا کوئی قول کیوں نقل نہیں کیا؟ حالانکہ احمد واسحاق کے اقوال وہ بالالتزام نقل کرتے جاتے ہیں، ہاں جہاں تک علم حدیث کا تعلق ہے اس میں وہ امام بخاری کے اقوال نقل کرتے ہیں، اختلاف الفقہاء کے زیر عنوان جتنی کتابیں ہیں، ان میں بھی امام بخاری کے مذہب کا ذکر نہیں ملتا، یہ تو ایک مجتہد کے ساتھ بڑا ظلم ہوا، حالانکہ ان کتابوں میں متبوعین اور غیر متبوعین کی قید بھی نہیں، مذاہب متبوعہ پر جو طبقات لکھے گئے ہیں، ان میں تو بخاری کے بارے میں کھینچا تانی ہے کوئی شافعی بتائے ہیں، کوئی حنبلی، مگر زمامت فقہاء مجتہدین پر جو کتابیں ہیں ان میں بخاری کا ذکر نہیں۔

⑩ ص ۵۰ سنن ابی داؤد اول السنن ہے، موطا اور کتاب الآثار بھی سنن میں داخل ہیں یا نہیں؟

⑪ ص ۵۱ ابن الاعرابی کی تصریح کہ یہ کتاب مجتہد کیلئے کافی ہے، اگر اس کا حوالہ ذکر کر دیا جائے تو بہتر ہے، بلکہ حوالوں سے اگر آپ کے مقدمے کو مزین کر دیا جائے تو بہت بہتر ہے۔

⑫ ص ۵۲ ذکی الدین ذال سے طبع ہو گیا ہے، ان کی شرح آپ نے ملاحظہ کی ہے؟

⑬ ص ۵۵ امام بخاری کی شرط الإتقان اور کثرة ملازمة الراوی للشیخ ہے، تو یہ بات عنعنہ میں کیوں نہیں؟ یہ عجیب بات ہے کہ تحدیث واخبار کی صورت میں تو کثرت اتقان اور کثرت لقاء شرط ہو اور عنعنہ میں صرف لقاءو لو لمحة!

⑭ ص ۶۴ مشیخہ کی آپ نے جو تعریف لکھی ہے کس کتاب میں ہے؟ معجم میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ مشیخہ کے عنوان سے کوئی کتاب آپ کی نظر سے گذری ہے؟

⑮ امام مسلمؒ کی تصانیف میں افراد وغرائب پر ان کی تالیف کا حوالہ چاہئے، ان کی کتاب المنفردات والواحدان تو طبع ہو گئی ہے مگر وہ اس موضوع پر نہیں ہے۔

⑯ صاحب کنز العمال کی وفات ۹۸۵ھ غالباً طباعت کی غلطی ہے، صحیح ۹۷۵ھ ہے، ص ۶۸۔

آج کل معانی الآثار اور صحیح بخاری زیر درس ہیں، صحیح مسلم بھی چل رہی ہے، آپ سے استفادہ کیلئے عرض ہے کہ طحاوی بَابُ: الرَّجُلُ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ. أَيَرْكَعُ أَوْلَا يَرْكَعُ؟ میں جو پہلی دو روایتیں ہیں اس میں پہلی روایت میں عن زکریا بن اسحاق عن عمرو بن دینار عن سلیمان بن یسار ہے، حالانکہ صحاح کی دوسری روایات میں عن زکریا عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار ہے۔

اور دوسری روایت میں سلسلہ سند میں آتا ہے حدثنا محمد بن النعمان قال: حدثنا ابو مصعب قال: ثنا عبدالعزیز قال احمد الاصبهانی: الصواب ابراهيم بن اسماعیل عن اسماعیل بن ابراهيم بن مجمع الانصاری، یہ بیچ میں قال احمد بن الاصبهانی کیسا آگیا ہے؟ سہارنپور میں نخب الأفکار ہے، ذرا ان دونوں حدیثوں کی شرح اپنے کسی طالب علم سے نقل کروا کر روانہ فرمائیں تو بڑا کرم ہو، اور آپ بھی اپنی معلومات سے مطلع کریں تو بہتر ہے۔

یاد آتا ہے کہ تخصص فی الحدیث کے بارے میں آپ نے دریافت فرمایا تھا، محترما! تخصص تو وہ ہے جو شیخ کی خدمت میں رہ کر حاصل ہو جیسے آپ کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں رہ کر حاصل ہوا، یا حضرت شیخ کو حضرت سہارنپوریؒ کی خدمت میں رہ کر حاصل ہوا، تجربہ بتاتا ہے کہ درجہ تخصص کھولنے سے طلباء کے دو سال اور لگ جاتے ہیں اور حاصل کچھ نہیں ہوتا، بس وہی طالب علم فائدہ حاصل کرتا ہے جو استاد کا ہو رہے۔

والسلام

محمد عبد الرشید نعمانی

۱۳ صفر ۱۴۱۴ھ

الجواب

۱۔ (الف) اطْلُبُوا الْعِلْمَ يَوْمَ الاثْنَيْنِ یہ ابو نعیم اصفہانی کی تاریخ اصبہان میں کس کے ترجمہ میں مذکور ہے؟

جواب: یہ جواب چونکہ مدینہ منورہ کے قیام میں لکھا جا رہا ہے اس لئے مولانا یونس صاحب سے مراجعت کی تو کوئی صورت ہے نہیں، مولانا حبیب اللہ صاحب کے تعاون سے اس کا جواب تلاش کرنے کے بعد ہم خود ہی لکھ رہے ہیں (نہ صرف اسی سوال کا جواب، بلکہ باقی جوابات بھی) تاریخ اصفہان میں یہ حدیث صالح بن سہل بن المنہال ابو نصر کے ترجمہ میں مذکور ہے، بهذا السند: حَدَّثَنَا أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ حَيَّانَ، ثنا إِسْحَاقُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَكِيمٍ، ثنا صَالِحُ بْنُ سَهْلِ بْنِ الْمِنْهَالِ، ثنا الْقَاسِمُ بْنُ جَعْفَرٍ، بِطَرَسُوسَ، ثنا مُوسَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ حَمْزَةَ الزَّيَّاتِ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اطْلُبُوا الْعِلْمَ يَوْمَ الاثْنَيْنِ، فَإِنَّهُ مُيَسَّرٌ لِصَاحِبِهِ" [1]۔

یہ حدیث ابو نعیم نے اپنے استاذ ابن حیان ابو الشیخ سے روایت کی ہے، اسی لئے یہ حدیث انکے استاذ کی تصنیف طبقات المحدثین بأصبهان [2] میں بھی موجود ہے، اسی سند سے اور اسی ترجمہ میں۔ نیز اس حدیث کو ابن عساکر نے بھی تاریخ دمشق [3] میں ذکر کیا ہے الفضل بن سهل بن محمد بن أحمد أبو العباس المروزي الصفار کے ترجمہ میں بلفظ اطْلُبُوا الْعِلْمَ يَوْمَ الاثْنَيْنِ، فَإِنَّهُ يَتَيَسَّرُ لِطَالِبِهِ۔ اس حدیث کو جب تلاش کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث متعدد صحابہ سے مختلف طرق سے مروی ہے اور بعض میں یوم الخمیس کی زیادتی ہے اور بعض میں صرف یوم الخمیس ہی مذکور ہے۔

یہ حدیث انسؓ بهذا الطريق ابن الجوزی کی العلل المتناهية میں بھی مذکور ہے، انکے لفظ یہ ہیں: اطْلُبُوا الْعِلْمَ يَوْمَ الإِثْنَيْنِ فَإِنَّهُ مُيَسَّرٌ لِطَالِبِهِ [4]، کتاب مذکور میں أحاديث في ذكر الأيام والشهور کے عنوان کے تحت حديث في طلب العلم يوم الاثنين والخميس کا ترجمہ قائم کیا ہے اور پھر اس مضمون کی متعدد روایات ذکر کی ہیں، عَنْ جابرٍ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اطْلُبُوا الْعِلْمَ كُلَّ اثْنَيْنِ وَخَمِيسٍ، فَإِنَّهُ مُيَسَّرٌ لِمَنْ طَلَبَ، وَإِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ حَاجَةً فَلْيُبَكِّرْ إِلَيْهَا فَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي أَنْ يُبَارِكَ لأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا [5]۔ اسی میں آگے ہے قَدْ رُوِيَ الْحَثُّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ يَوْمَ الاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، وَفِي تِلْكَ عَنْ

---

1. أخبار أصبهان - باب الصاد - صالح بن سهل بن المنهال - ج ۱ ص ۴۴۸
2. طبقات المحدثين بأصبهان - صالح بن سهل بن المنهال أبو نصر ۵۵۲
3. تاريخ دمشق حرف الفاء ذكر من اسمه فضالة الفضل بن سهل بن محمد بن أحمد أبو العباس المروزي الصفار - ج ۴۸ ص ۳۱۷
4. العلل المتناهية في الأحاديث الواهية - ج ۱ ص ۳۲۳
5. العلل المتناهية في الأحاديث الواهية - ج ۱ ص ۳۱۳

أَنَسٍ وعائِشَةَ [1] اور پھر اس کے بعد حضرت انسؓ سے دو حدیثیں ذکر کیں، ایک وہ جو اوپر مذکور ہوئی اور دوسری ایک دوسری سند سے جس کے الفاظ یہ ہیں عَنْ أَنَسٍ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَن كان طالبَ العِلمِ فليطلبْهُ يومَ الاثنين ويومَ الخميسِ فإنَّه مُيَسَّرٌ لطالبه [2]، اس کے بعد حدیث عائشہؓ مذکور ہے عَن عُروةَ: عَن عائشَةَ، قالت: قال رسول الله صَلى الله عَليه وسَلَّمَ: اغدُوا في طَلَبِ العِلمِ غَداةَ الخَميسِ [3]۔ ان احادیث کے بارے میں وہ فرماتے ہیں: قال المؤلف: هَذِهِ الأَحاديثُ كُلُّها لاتَثْبُتُ [4]۔ اور پھر ہر ایک کی وجہ بیان کی ہے۔

(ب) جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ جامع صغیر میں یہ حدیث مذکور ہے اور ضعیف ہے، فیض القدیر میں اس کی تفصیل درج ہے [5]، واضح رہے کہ صاحب فیض القدیر علامہ مناویؒ نے اس پر جو کلام فرمایا ہے اس پر تو علامہ احمد صدیق الغماری نے اپنی تالیف المداوي [6] میں تعقب کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔

۶۔ آپ نے لکھا ہے کہ موجودہ کتب حدیث میں سب سے قدیم مجموعہ موطا مالک ہے اور اسکا وجود دنیا میں بقول ابو طالب مکی کے الخ۔

جواب: یہ بات جو مقدمۃ الدر المنضود میں لکھی گئی ہے وہ معترضین کی طرف سے بطور نقل کے لکھی گئی ہے، اپنی طرف سے تحقیقی طور پر نہیں لکھی گئی، احقر نے کسی کتاب میں دیکھا ہوگا جو اس وقت ذہن میں نہیں، باقی شیخ ابو طالب مکی نے جو بات تحریر فرمائی ہے، ان کی اصل عبارت یہ ہے:

وهذه المصنفات من الكتب حادثة بعد سنة عشرين ومائة من التاريخ وبعد وفاة كل الصحابة وعلية التابعين، يقال: إن أوّل كتاب صنّف في الإسلام كتاب ابن جريج في الآثار وحروف من التفاسير عن مجاهد وعطاء وأصحاب ابن عباس بمكة، ثم كتاب معمر بن راشد الصنعاني باليمن جمع فيه سنناً منثورة مبوبة، ثم كتاب الموطأ بالمدينة لمالك بن أنس رضي الله عنه في الفقه، ثم جمع ابن عيينة كتاب الجوامع في السنن والأبواب وكتاب التفسير في أحرف من علم القرآن وجامع سفيان الثوري الكبير رضي الله عنه في الفقه والأحاديث، فهذه من أوّل ما صنف ووضع من الكتب بعد وفاة سعيد

---

[1] العلل المتناهية في الأحاديث الواهية – ج ۱ ص ۳۲۳
[2] العلل المتناهية في الأحاديث الواهية – ج ۱ ص ۳۲۳
[3] العلل المتناهية في الأحاديث الواهية – ج ۱ ص ۳۲۳
[4] العلل المتناهية في الأحاديث الواهية – ج ۱ ص ۳۲٤
[5] فيض القدير شرح الجامع الصغير – ج ۱ ص ۵٤۳
[6] المداوي لعلل الجامع الصغير وشرحي المناوي – ج ۱ ص ٦۰۵–٦۰۸

بن المسيب وخيار التابعين وبعد سنة عشرين أو أكثر ومائة من التاريخ[1]

جس کا حاصل یہ ہے کہ بالکل شروع کی جو تصنیفات ہیں جیسے کتاب ابن جریج اور کتاب معمر بن راشد الیمانی اور امام مالک کی موطأ ان کا حال یہ ہے کہ یہ ۱۲۰ھ کے بعد وجود میں آئی ہیں، اس میں یہ نہیں ہے کہ موطا امام مالک سب سے قدیم مجموعہ ہے اور وہ ۱۲۰ھ یا ۱۳۰ھ میں وجود میں آیا ہے، لہٰذا اشکال صحیح ہے اور تحقیقی بات وہی ہے جو جناب نے اس مکتوب میں مجملاً اور اپنی تصنیف امام ابن ماجہ اور علم حدیث میں مفصلاً تحریر فرمائی ہے جس کو ہم یہاں عموم افادہ کے پیش نظر نقل کرتے ہیں۔

موطا کا زمانہ تالیف: حافظ ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ امام مالک نے موطا کی تالیف یقیناً یحییٰ بن سعید انصاری کی وفات کے بعد کی ہے، اور یحییٰ کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی، محدث قاضی عیاضؒ نے مدارک میں ابو مصعب سے جو امام مالک کے شاگرد خاص ہیں نقل کیا ہے کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک سے فرمائش کی تھی کہ ضع للناس كتابا أحملهم عليه (آپ لوگوں کیلئے ایک ایسی کتاب لکھیں کہ جس پر میں ان سے عمل کراؤں) امام مالکؒ نے اس سلسلہ میں کچھ کہا تو منصور بولا: ضعه فما أحد أعلم منك (آپ کتاب تصنیف فرمائیں آج آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں)[2]، آخر امام موصوف نے موطا کی تصنیف شروع کی، لیکن کتاب کے ختم ہونے سے پہلے منصور کی وفات ہوگئی، اس سے معلوم ہوا کہ موطا کی تصنیف منصور کی فرمائش پر خود اسکے عہد میں شروع ہوئی اور اسکی وفات کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی، منصور نے ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں وفات پائی اور اسکی جگہ اس کا بیٹا محمد المہدی مسند خلافت پر متمکن ہوا اور اسی کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں موطا کی تصنیف مکمل ہوئی۔

لہٰذا یہ جو لکھا گیا مقدمہ میں کہ موطا ایک سو دس ہجری یا ایک سو بیس ہجری میں تیار ہوئی، یہ صحیح نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ تقریباً ایک سو ساٹھ ہجری میں تیار ہوئی، مولانا اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ کی کتاب الآثار اس سے کہیں پہلے تصنیف ہوئی ہے، جامع سفیان اور موطا دونوں اس کے بعد لکھی گئی ہیں۔

مولانا اپنی تالیف لطیف امام ابن ماجہ اور علم حدیث میں کتاب الآثار کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: فقیہ وقت حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد ۱۲۰ھ میں امام ابو حنیفہ جب جامع کوفہ کی اس مشہور علمی درسگاہ میں مسند فقہ و علم پر جلوہ آراء ہوئے کہ جو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے زمانہ سے باقاعدہ طور پر چلی آرہی تھی تو آپ نے جہاں علم کلام کی بنیاد ڈالی فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا وہیں علم حدیث کی ایک اہم ترین خدمت یہ انجام دی کہ احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہ روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا جس کا نام کتاب الآثار ہے، اور آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے، جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے۔ امام ابو حنیفہ

---

[1] قوت القلوب في معاملة المحبوب ووصف طريق المريد إلى مقام التوحيد۔ ج ۱ ص ۴۴۰ - ۴۴۱ (مكتبة دار التراث ۱۴۲۲ھ)

[2] ترتيب المدارك وتقريب المسالك۔ ج ۲ ص ۷۱

سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے صحیفے اور مجموعے لکھے گئے ان کی ترتیب فنی نہ تھی، بلکہ ان کے جامعین نے کیف ما اتفق جو حدیثیں ان کو یاد تھیں ان کو قلم بند کر دیا تھا، امام شعبی نے بے شک بعض مضامین کی حدیثیں ایک ہی باب کے تحت لکھی تھیں، لیکن وہ پہلی کوشش تھی جو غالباً چند ابواب سے آگے نہ بڑھ سکی، علاوہ ازیں شعبی کے الفاظ هذا باب من الطلاق جسيم سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے "باب" کو ٹھیک ان معنوں میں استعمال کیا ہے کہ جس معنی میں بعد کے مصنفین لفظ "کتاب" کا استعمال کرتے ہیں۔ اسلئے احادیث کو کتب و ابواب پر پوری طرح مرتب کرنے کا کام ابھی باقی تھا، جس کو امام ابو حنیفہؒ نے کتاب الآثار تصنیف کر کے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل فرمایا، اور بعد کے ائمہ کیلئے ترتیب و تبویب کا ایک عمدہ نمونہ قائم کر دیا۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ کتاب الآثار کو احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ بتانے پر چونکیں، اس لئے اس حقیقت کو آشکارا کرنا نہایت ضروری ہے کہ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صحیح بخاری سے پہلے کوئی کتاب احادیث صحیحہ کی مدون نہیں کی گئی وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں، حافظ سیوطی تنویر الحوالك شرح موطأ مالك میں لکھتے ہیں:

وقال الحافظ مغلطاي: أول من صنف الصحيح مالك. وقال الحافظ ابن حجر: كتاب مالك صحيح عنده وعند من يقلده على ما اقتضاه نظره من الاحتجاج بالمرسل والمنقطع وغيرهما.

قلت: ما فيه من المراسيل فإنها مع كونها حجة عنده بلا شرط، وعند من وافقه من الائمة على الاحتجاج بالمرسل فهي أيضا حجة عندنا لأن المرسل عندنا حجة إذا اعتضد، وما من مرسل في الموطأ إلا وله عاضد أو عواضد كما سأبين ذلك في هذا الشرح. فالصواب إطلاق أن الموطأ صحيح لا يستثنى منه شيء (تنوير الحوالك شرح موطأ مالك۔ مقدمة ص 7. دار الكتب العلمية بيروت—لبنان ١٤٢٣ ھ)

اور حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالک ہیں۔ حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ مالک کی کتاب خود ان کے نزدیک اور ان کے مقلدین کے نزدیک صحیح ہے، کیونکہ ان کی نظر مرسل اور منقطع وغیرہ سے احتجاج کی مقتضی ہے۔ (سیوطی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ موطأ میں جو مراسیل ہیں وہ علاوہ اس امر کے کہ وہ بلا کسی شرط کے مالک اور ان ائمہ کے نزدیک کہ جو مرسل کو ان کی طرح سند مانتے ہیں حجت ہیں، ہمارے نزدیک بھی حجت ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک جب مرسل کا کوئی مؤید موجود ہو تو وہ حجت ہوتی ہے، اور موطأ میں کوئی مرسل روایت ایسی موجود نہیں کہ جس کا ایک یا ایک سے زائد مؤید موجود نہ ہو، چنانچہ میں اپنی شرح میں اسکو بیان کر دوں گا، اسلئے حق یہی ہے کہ کل موطأ کو صحیح کہا جائے، اور اس سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہ کیا جائے۔

امام سیوطیؒ نے حافظ مغلطائی کے جس بیان کا حوالہ دیا ہے وہ خود ان کی زبان سے سننا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، علامہ محمد

امیر یمانی توضیح الأفکار لمعاني تنقیح الأنظار میں رقم طراز ہیں کہ:

"أصح كتب الحديث أول من صنف صحيح البخاري" هذا كلام ابن الصلاح قال الحافظ ابن حجر إنه اعترض عليه شيخ علاء الدين مغلطاي فيما قرأت بخطه بأن مالكا أول من صنف الصحيح وتلاه أحمد بن حنبل وتلاه الدارمي قال وليس لقائل أن يقول لعله أراد الصحيح المجرد فلا يرد كتاب مالك لأن فيه البلاغ والموقوف والمنقطع والفقه وغير ذلك لوجود ذلك في كتاب البخاري. انتهى

(توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار ج1 ص42 دار الكتب العلمية، بيروت-لبنان، الطبعة الأولى 1417ھ)

پہلے جس نے جمع صحیح میں تصنیف کی وہ بخاری ہیں، یہ ابن الصلاح کا بیان ہے، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس پر شیخ مغلطائی نے اعتراض کیا ہے، چنانچہ انہوں نے خود ان کی تحریر میں پڑھا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالک ہیں، ان کے بعد احمد بن حنبل اور پھر دارمی۔ اور کسی کو یہ اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے کہ غالباً ابن الصلاح کی مراد صحیح سے صحیح مجرد ہے، لہٰذا مالک کی کتاب اس سلسلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس میں بلاغ، موقوف، منقطع اور فقہ وغیرہ بھی موجود ہے، اس لئے کہ یہ سب چیزیں تو بخاری کی کتاب میں بھی پائی جاتی ہیں۔

حدیث میں سب سے پہلی تصنیف: بلاشبہ علامہ مغلطائی کے نزدیک اس بارے میں اولیت کا شرف امام مالک کو حاصل ہے، لیکن کتاب الآثار موطأ سے پہلے کی تصنیف ہے، جس سے خود موطأ کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے، چنانچہ حافظ سیوطی تبییض الصحیفة في مناقب الإمام أبي حنيفة میں تحریر فرماتے ہیں:

وقال بعض من جمع مسند أبي حنيفة في مناقب أبي حنيفة التي انفرد بها: إنه أول من دون علم الشريعة ورتبه أبوابا ثم تابعه مالك بن أنس في ترتيب الموطا، ولم يسبق أبا حنيفة احد.

(تبييض الصحيفة في مناقب الإمام أبي حنيفة ص43، دار الوعي بحلب، الطبع الأول ۱۴۲۸ھ)

امام ابو حنیفہؒ کے ان خصوصی مناقب میں سے کہ جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے: وہ ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالک ابن انس نے موطا کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی، اور اس بارے میں امام ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

آگے اس میں حضرت مولانا نے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے کہ بہت سے علماء اور مصنفین نے کتاب الآثار کو امام محمد کی تصنیف سمجھا ہے، حالانکہ یہ بات خلاف تحقیق ہے، امام محمد تو کتاب الآثار کے رواۃ میں سے ایک راوی ہیں، اور پھر اس کے بعد مولانا نے کتاب الآثار کے رواۃ کی تعیین تفصیل کے ساتھ لکھی ہے، اسی طرح موطأ امام مالک بروایۃ امام محمد کے بارے میں بھی مولانا نے لکھا ہے کہ اسکو بھی بعض حضرت امام محمد کی تصنیف سمجھتے ہیں، مولانا لکھتے ہیں:

محدث ملا علی قاری نے خود موطا امام محمد کے متعلق بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے (کہ وہ امام محمد کی تصنیف ہے) حقیقت یہ ہے کہ امام محمد نے دونوں کتابوں کو (کتاب الآثار اور موطا) انکے مصنفین سے جس انداز پر روایت کیا ہے اسکو دیکھتے ہوئے اس قسم کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا کچھ زیادہ محل تعجب نہیں۔ امام موصوف کا ان دونوں کتابوں میں طرز عمل یہ ہے کہ وہ ہر باب میں اولاً اس کتاب کی روایتیں نقل کرتے ہیں، پھر بالالتزام ان روایات کے متعلق اپنا اور اپنے استاد امام ابو حنیفہ کا مذہب بیان کرتے ہیں اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر انکا عمل نہیں ہوتا تو اسکو نقل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کے وجوہ و دلائل بالتفصیل لکھتے ہیں، اور اسی ذیل میں کتاب الآثار اور موطا دونوں کتابوں میں بہت سی حدیثیں اور آثار امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی منقول ہیں، اس بنا پر بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں خود امام محمد ہی کی تصنیف کردہ ہیں، حالانکہ واقع میں ایسا نہیں...... لیکن چونکہ امام ممدوح نے ان کتابوں کی روایت میں امور مذکورہ بالا کا اہتمام رکھا ہے، اس بنا پر ان کی افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی اور ان کا تداول اس درجہ عام ہو گیا کہ بجائے اصل مصنف کے خود ان کی طرف کتاب کا انتساب ہونے لگا، اور کتاب الآثار امام محمد اور موطا امام محمد کہا جانے لگا الی آخرہ۔

۳۔ سیستان معروف شہر نہیں اقلیم ہے الخ

ہاں صحیح ہے اس کو آئندہ طبع میں درست کر دیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴۔ مثل الذی لان الحدید وسبکہ میں الحدید کی بجائے الحدیث چھپ گیا ہے۔

یہ کتابت کی غلطی طبع اول میں تھی بعد میں درست کر دی گئی۔

۵۔ ص ۴۳ سطر ۲۰ میں "قواعد کلیہ" کے بجائے قوائد چھپ گیا ہے۔

صحیح ہے اس کو آئندہ طبع میں درست کر دیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۶۔ ص ۳۸ یہ بات کہ امام ابو داؤد کی بعینہ ان احادیث کا انتخاب ان سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ کر چکے ہیں الخ

اوجز جلد سادس بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ میں مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ[1] حدیث کے ذیل میں حضرت شیخ لکھتے ہیں:

قلت: وقد سبق الإمام أبا داود في ذلك الإمام أبو حنيفة، ففي '' جامع أصول الأولياء '': قال أبو حنيفة لابنه حماد: يا بني أرشدك الله تعالى وأيدك، أوصيك بوصايا إن حفظتها وحافظت عليها، رجوت لك السعادة في دينك إن شاء الله[2]۔

اور پھر اس کے بعد متعدد وصایا مذکور ہیں:

---

[1] موطأ مالك - كتاب الجامع - باب ما جاء في حسن الخلق ٣٣٥٢

[2] أوجز المسالك إلى موطأ مالك - ج ١٦ ص ٦٥ طبع دار القلم دمشق ١٤٢٤هـ

إلى أن قال: التاسع عشر: أن تعتمد خمسة أحاديث، انتخبتها من خمسمائة ألف حديث، فذكر الثلاثة المذكورة في كلام أبي داود قال: والرابع: الحلال بَيِّنٌ والحرام بَيِّنٌ، وبينهما أمور مشتبهات (الحديث). والخامس: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (الحديث). اهـ ولعل الإمام أبا داود لم يعد الخامس لاندماجه في الثالث، وعده الإمام أبو حنيفة برأسه لشدة الاهتمام به [1]۔

اس عبارت سے مولانا نے جو حوالہ دریافت فرمایا ہے وہ معلوم ہو گیا کہ وہ "جامع اصول الاولیاء" ہے، جس سے حضرت شیخ اوجز میں نقل فرما رہے ہیں۔

۷۔ ص ۱۴۶ امام نسائی نے خود ارشاد فرمایا ہے: ما اخرجت فی الصغری فھو صحیح، یہ کس کتاب میں مذکور ہے الخ۔

جواب: یہ بات علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی طرف سے العرف الشذي [2] اور مقدمہ فیض الباری دونوں میں ذکر کی گئی ہے، مگر شاہ صاحب نے یہ بات کہاں سے لی، یہ چیز واقعی تحقیق طلب ہے، ہو سکتا ہے کہ شاہ صاحب کی اس نقل کا منشاء وہ ہو جو مشہور ہے، تدریب وغیرہ میں بھی مذکور ہے کہ امام نسائی نے جب سنن کبریٰ تصنیف فرمائی تو اس کو امیر رملہ کی خدمت میں پیش کیا، اس پر امیر نے ان سے سوال کیا: کل ما فیھا صحیح؟ فقال: لا، فقال: میز لي الصحیح من غیرہ، فصنف له الصغری [3]، اس کا مقتضا یہی ہے کہ امام نسائی کے نزدیک سنن صغریٰ کی روایات درجۂ صحت کو پہنچی ہوئی ہیں، اور اس کے ظاہر سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ سنن کبریٰ کی یہ تلخیص خود مصنف کی جانب سے ہے، اسی لئے شاہ صاحب نے اس کو اس طرح تعبیر فرمادیا: ما اخرجت فی الصغری فھو صحیح، اس کے علاوہ اور کوئی ماخذ ہمارے علم میں نہیں۔

فائدہ: دراصل یہ مسئلہ مختلف فیہا چلا آرہا ہے کہ سنن صغریٰ کا انتخاب سنن کبریٰ سے خود مصنف کی طرف سے ہے، یا ان کے تلمیذ رشید حافظ ابو بکر ابن السنی کی طرف سے، الفیض السمائی کے مقدمہ میں الفائدۃ الثانیۃ میں یہی بحث مذکور ہے، اس میں مولانا کی رائے جس کو انہوں نے ما تمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع ابن ماجۃ میں بیان فرمایا ہے یہ ہے کہ یہ تلخیص خود مصنف کی طرف سے نہیں بلکہ ابن السنی کی طرف سے ہے۔

۸۔ ص ۱۴۱ اور ابو الحسن سندی فرماتے ہیں الخ۔

جواب: مولانا کا یہ اشکال درست ہے، اور شرح معانی الآثار کے بارے میں فانه عدیم النظیر فی بابه اس رائے کا انتساب ابو الحسن سندی کی طرف درست نہیں، بے شک بعض دوسرے علماء کی یہی رائے ہے، جیسا کہ مولانا نے ما تمس الیہ الحاجۃ

---

[1] أوجز المسالك إلى موطأ مالك- ج ١٦ ص ٦٦ طبع دار القلم دمشق ١٤٢٤هـ

[2] قال النسائي: ما أخرجت في الصغرى صحيح ج ١ ص ٣٢

[3] تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي ج ١ ص ١٠٩

میں ثابت فرمایا ہے، اور ہمارے مقدمہ میں ابوالحسن سندی کی طرف نسبت، اس کی مقدمہ لامع کی ایک عبارت کا ربط صحیح نہ سمجھنے کی وجہ سے ہو گئی ہے، بادی الرای میں اس کی عبارت سے یہی شبہ ہوتا ہے، یہ غلطی واجب الاصلاح ہے۔ دوسرے اس لئے بھی کہ بقول مولانا کے ابوالحسن سندی نے اور اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے طحاوی شریف کی تو صورت بھی نہیں دیکھی۔

۹۔ یہ خوب بات ہے کہ تراجم بخاری کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے الخ۔

جواب: یہ بات جب مقدمہ میں لکھی جارہی تھی، تو بندہ کو بھی کھٹکی تھی، مولانا کا اشکال بظاہر اصولاً تو صحیح ہے لیکن چونکہ یہ جملہ بعض بڑے اساتذہ کی زبان پر آیا ہے لہٰذا اس کے مناسب معنی نکال لینے چاہئیں، کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں تراجم بخاری کی اہمیت پیدا کرنے کیلئے، تاکہ وہ ان کے سمجھنے میں کوشش کریں، ایسا فرمادیا ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ احادیث نبویہ تو دراصل کلام الٰہی کی تبیین و تشریح ہیں، لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ [1] لہٰذا ان کا درجہ تو ایک متن کی شرح کا ہوا، جس میں اغلاق و غموض ہو ہی نہیں سکتا، بخلاف تراجم بخاری کے کہ وہ ایک امتی کا کلام ہے جس میں مصالح کے پیش نظر غموض رکھا گیا ہے، امام مسلم کے تراجم نہ منعقد کرنے کا نکتہ آپ نے بہت اچھا بیان فرمایا کہ یہ ان کی احتیاط اور غایت ورع ہے کہ وظیفہ محدث اور وظیفہ فقیہ میں فرق کیا۔

مولانا نے اسی سوال ۹ کے ضمن میں امام بخاری کو مجتہد ماننے پر بھی اشکال فرمایا ہے جو کہ ہمارے حضرت شیخ کی رائے ہے اور وجہ اشکال یہ تحریر کیا ہے کہ اگر امام بخاری مجتہد مطلق تھے تو امام ترمذی نے اپنی کتاب میں ان کا کوئی قول اور مذہب کیوں نقل نہیں کیا الی آخرہ، مولانا کے اس اشکال کا جواب احقر نے الفیض السمائی کے مقدمہ میں حضرت شیخ کی جانب سے بحوالہ مقدمہ لامع نقل کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت امام بخاری چونکہ ائمہ غیر متبوعین میں سے تھے اس لئے بظاہر امام ترمذی نے ان کا مسلک اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا: واما عدم نقل مذهبه كالائمة المجتهدين المعروفين فلانه لم يكن اماما متبوعا ولم يقلده احد مثل الائمة الاخر الى آخر ما فيه۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اور بعض دوسرے حضرات کی طرح امام ترمذی کے نزدیک بھی امام بخاری مجتہد مطلق نہ تھے اسی لئے ان کا مذہب ذکر نہیں کیا۔

۱۰۔ ص ۵۰ سنن ابوداؤد اول السنن ہے الخ۔

اس پر مولانا کا اشکال کہ کیا موطا اور کتاب الآثار سنن میں داخل نہیں جو کہ اس سے بہت پہلے لکھی گئیں؟ سنن ابی داؤد کی یہ خصوصیت جو ہم نے لکھی ہے امام خطابیؒ کے کلام سے لی ہے وہ ابوداؤد کی شرح معالم السنن میں فرماتے ہیں: واعلموا رحمكم الله أن كتاب السنن لأبي داود كتاب شريف لم يصنف في علم الدين كتاب مثله وقد رزق القبول من الناس كافة فصار

[1] ترجمہ: ۔۔۔ لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے (سورۃ النحل ٤٤)

حكما بين فرق العلماء وطبقات الفقهاء على اختلاف مذاهبهم فلكل فيه ورد ومنه شرب...الی آخر ماذکر۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: وكان تصنيف علماء الحديث قبل زمان أبي داود الجوامع والمسانيد ونحوهما فتجمع تلك الكتب إلى ما فيها من السنن والأحكام أخبارا وقصصا ومواعظ وآدابا. فأما السنن المحضة فلم يقصد واحد منهم جمعها واستيفاءها ولم يقدر على تخليصها واختصار مواضعها من أثناء تلك الأحاديث الطويلة ومن أدلة سياقها على حسب ما اتفق لأبي داود ولذلك حل هذا الكتاب عند أئمة الحديث وعلماء الأثر محل العجب فضربت فيه أكباد الإبل ودامت إليه الرحل [1]۔

یعنی احادیث احکام پر ایسی جامع مانع کتاب اس سے پہلے کوئی نہیں لکھی گئی، اور سنن کی تعریف کما فی الرسالة المستطرفة لمحمد جعفر الكتاني: ومنها: كتب تعرف (بالسنن)، وهي في اصطلاحهم: الكتب المرتبة على الأبواب الفقهية من الإيمان والطهارة والصلاة والزكاة... إلى آخرها، وليس فيها شيء من الموقوف لأن الموقوف لا يسمى في اصطلاحهم سُنَّة، ويسمى حديثاً اھ [2] (مقدمة الفيض السمائی) موطأ اور کتاب الآثار میں تو احادیث مرفوعہ کم اور احادیث موقوفہ واقوال تابعین زائد ہیں بہ نسبت احادیث مرفوعہ کے، سنن ترمذی کو دیکھا جائے کہ انہوں نے ہر بڑی سرخی کے بعد مثلاً کتاب الطهارة، کتاب الصلاة، کتاب الصوم، کتاب الحج سب جگہ موٹی سرخی کے بعد عن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی قید بڑھائی ہے، تمام کتاب میں اول سے آخر تک اسی طرح ہے، یہ اسی طرف اشارہ ہے جیسا کہ شراح نے لکھا ہے کہ ہمارا مقصود احادیث مرفوعہ کو بیان کرنا ہے، اور دوسری چیزیں کوئی حدیث موقوف یا اقوال ائمہ وغیرہ سب ضمناً ہیں۔

۱۱۔ ابن الاعرابی کی تصریح کہ یہ بات مجتہد کیلئے کافی ہے، اس کا حوالہ الخ

جواب: امام خطابیؒ معالم السنن کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں: وسمعت ابن الأعرابي يقول: ونحن نسمع منه هذا الكتاب فأشار إلى النسخة وهي بين يديه لو أن رجلاً لم يكن عنده من العلم إلا المصحف الذي فيه كتاب الله ثم هذا الكتاب لم يحتج معهما إلى شيء من العلم بتة. قال أبو سليمان: وهذا كما قال لا شك فيه [3] اور مقدمة المنهل میں ابن الاعرابی کا مقولہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ومن ثم صرح الغزالي وغيره بأنه يكفي المجتهد في أحاديث الأحكام اھ [4]۔

۱۲۔ "ذکی الدین" ذال سے طبع ہو گیا ہے۔

---

[1] معالم السنن للخطابي ملخص ج ۱ ص ٦ - ٧ (المطبعة العلمية حلب - الطبعة الأولى ١٣٥١ ھ)

[2] الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة فصل في ذكر كتب السنن ص ٣٢

[3] معالم السنن للخطابي - ج ١ ص ٨

[4] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ١ ص ١٧

جواب: بے شک ایسا ہی ہے، زای سے ہونا چاہئے، آئندہ اس کی اصلاح کر دی جائے گی، آگے آپ کا یہ اشارہ بھی صحیح ہے کہ یہ "مختصر منذری" باقاعدہ شرح نہیں (بلکہ سنن ابی داؤد کا اختصار ہے، جس میں سندیں حذف کر دی گئی ہیں) اس میں تو کہیں کہیں حدیث پر کلام ہے من حیث الجرح والتعدیل، نیز حدیث کا حوالہ کہ وہ باقی کتب ستہ میں سے کس کس میں ہے۔

۱۳۔ امام بخاری کی شرط اِتقان او، کثرۃ ملازمۃ الراوی للشیخ ہے الخ۔

جواب: آپ کا یہ اشکال اور استعجاب کہ امام بخاریؒ عنعنۃ میں (یعنی حدیث معنعن کو اتصال پر محمول کرنے میں) نفس لقاء ولو لمحۃ کو کافی سمجھتے ہیں اور اخبار اور تحدیث میں طول صحبت اور ملازمت کو ضروری قرار دیتے ہیں، یہ زمین آسمان کا فرق کیوں؟

یہ شرائط جو احقر نے نقل کی ہیں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ہیں، جو معارف السنن [1] میں منقول ہیں اس کی توجیہ آپ ہی کچھ فرمایئے، شاہ صاحب کا کلام ہے ہماری سمجھ تو یہ آتا ہے، شاہ صاحب نے جو امام بخاری کی یہ شرط بیان فرمائی ہے وہ اپنی صحیح میں لینے کا اعتبار سے ہے، ہو سکتا ہے حضرت امام بخاری کے نزدیک حدیث معنعن کو بھی اپنی صحیح میں لینے کی یہی شرط ہو، اور وہ جو مشہور اختلاف ہے امام بخاری و مسلم کا حدیث معنعن کے بارے میں کہ امام مسلم کے نزدیک امکان لقاء اور امام بخاری کے نزدیک ثبوت لقاء ولو مرۃ ضروری ہے، یہ عام معنعن کے لحاظ سے ہے، تخریج فی الصحیح کے اعتبار سے نہیں واللہ تعالیٰ اعلم اس کیلئے مزید تتبع کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ مشیخہ کی آپ نے جو تعریف لکھی ہے کس کتاب میں ہے، معجم میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ الخ

جواب: مشیخہ کی یہ تعریف حضرت شیخ نے مقدمہ لامع میں لکھی ہے جس کے لفظ یہ ہیں: والمشیخۃ جمع روایات شیخ واحد او شیوخ عدیدۃ، اور ہمارے مقدمہ میں اس طرح ہے، مشیخہ حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں روایات علی ترتیب الشیوخ بیان کی جاویں، یعنی مصنف نے جو احادیث اپنے کسی ایک شیخ سے سنی ہیں، ان سب کو یکجا جمع کر دے، اس میں یہ اضافہ اور ہونا چاہئے "کسی ایک شیخ سے" کے بعد "یا متعدد شیوخ سے"۔

آپ نے دریافت فرمایا کہ مشیخہ اور معجم میں کیا فرق ہے؟ ہمارے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں نسبت عموم و خصوص کی ہے، مشیخہ صرف شیوخ کی ترتیب پر ہوتا ہے، اور معجم عام ہے شیوخ اور صحابہ دونوں کی ترتیب کو۔

اس کے بعد مزید مطالعہ سے سمجھ میں آیا کہ مشیخات کے نام سے جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اقرب الی کتب الطبقات ہیں، یعنی کتب رجال کے زیادہ قریب ہیں، ان کتابوں میں روایات حدیثیہ کو جمع کرنا مقصود بالذات نہیں ہوتا، بلکہ مصنف کا مقصود اپنے شیوخ کو ذکر کرنا ہوتا ہے، جن سے اس نے براہ راست کچھ لیا ہو، یا ان سے اجازت حاصل کی ہو، ففی الرسالۃ المستطرفۃ

---

[1] معارف السنن شرح جامع الترمذي-ج ١ ص ٢٠

للكتاني: ومنها ((كتب)) الطبقات وهي التي تشتمل على ذكر الشيوخ، وأحوالهم، ورواياتهم، طبقة بعد طبقة، وعصرا بعد عصر، إلى زمن المؤلف[1]، اس کے بعد اس کے پہلو ہی میں لکھتے ہیں: ومنها كتب المشيخات، وهي التي تشتمل على ذكر الشيوخ الذين لقيهم المؤلف، وأخذ عنهم، أو أجازوه[2] لیکن مشیخات میں مصنف کے خود اپنے شیوخ کا ذکر ہوتا ہے جس سے مولف نے کچھ اخذ کیا ہے اور طبقات کے شیوخ عام ہوتے ہیں، جیسے محمد بن سعد کے طبقات، جمع فيها الصحابة والتابعين فمن بعده الى وقته۔

اور حافظ ابن حجرؒ کی کتاب "المعجم المفهرس" میں ہے الباب الرابع في المعاجم للشيوخ والمشيخات والأربعينات، أما المعاجم على أسماء الصحابة تقدم معظمها في المسانيد وبعضها في فنون الحديث[3] اس عنوان کے تحت فصل منعقد کی فصل في المعاجم على ترتيب الأقدم فالأقدم اور پھر بہت سے معاجم ذکر کئے معجم ابي يعلى الموصلي، معجم ابي سعيد ابن الاعرابي، معجم الاسماعيلي، المعجم الاوسط للطبراني وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: فصل في المشيخات وهي في معنى المعاجم إلا أن المعاجم يرتب المشايخ فيها على حروف المعجم في أسمائهم بخلاف المشيخات وقد رتبتها أيضا الأقدم فالأقدم[4] پھر اس کے بعد بہت سے مشیخات لکھے ہیں: مشيخة يعقوب بن سفيان الفسوي، مشيخة أبي علي بن شاذان، مشيخة ابن شاذان الصغرى وغیرہ وغیرہ۔

۱۵۔ امام مسلم کی تصانیف میں افراد و غرائب پر ان کی تالیف کا حوالہ چاہئے الخ۔

جواب: جناب کے اس سوال پر مقدمہ لامع کی طرف رجوع کیا گیا، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ امام مسلم کی تصنیف کا حوالہ یہاں درست نہیں، حضرت شیخ نے مقدمہ لامع میں الافراد والغرائب کے بیان میں دو قسمیں اور ذکر فرمائی ہیں، فرق کرنے کیلئے ایک غریب الحدیث دوسرے کتاب الوحدان، وحدان کے بیان میں حضرت شیخ نے مسلم کی تالیف کا حوالہ دیا ہے ولمسلم فيه كتاب۔

جزاكم الله احسن الجزاء جناب نے بڑا کرم فرمایا کہ الدر المنضود کے مقدمہ کو بغور ملاحظہ فرمایا اور جہاں اس میں تسامح ہوا اس پر بڑی ہمدردی کے ساتھ نشاندہی فرمائی اور جس کی وجہ سے اس مقدمہ کی فروگذاشتوں کی بحمد اللہ تعالی تلافی ہو گئی، اب بحمد اللہ تعالی اس مقدمہ کے تمام مضامین مندرجہ محقق ہو گئے۔

---

[1] الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة فصل في كتب الطبقات ص ۱۳۸

[2] الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة فصل في كتب المشيخات ص ۱۴۰

[3] المعجم المفهرس ج ۱ ص ۲۸۹ (مؤسسة الرسالة بيروت الطبعة: الأولى ۱۴۱۸ھ)

[4] المعجم المفهرس ج ۱ ص ۲۹۷ (مؤسسة الرسالة بيروت الطبعة: الأولى ۱۴۱۸ھ)

جناب نے جابجا تحریر فرمایا کہ اگر مضامین کے لکھنے میں حوالوں کا اہتمام کیا جاتا پورے مقدمہ میں تو بہت اچھا ہوتا، یہ بالکل صحیح ہے، لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے ملاحظہ کے بعد اور ان اصلاحات کے بعد جو جناب کی نشاندہی پر کی گئیں، اس نقص کی تلافی ہو گئی، اب گویا سارا مقدمہ باحوالہ ہی ہو گیا، میں نے تو دراصل یہ مقدمہ اور ساری کتاب ہی الدر المنضود طلبہ حدیث یا زائد سے زائد متوسط الاستعداد مدرسین کیلئے لکھی ہے، آپ جیسے محققین کیلئے تھوڑا ہی لکھی ہے، یہ جناب کی تواضع اور ذرہ نوازی ہے کہ آپ نے اس مقدمہ کو من اولہ الی آخرہ بغور ملاحظہ فرمایا۔

۱۶۔ صاحب کنز العمال کی وفات ۹۸۵ھ غالباً طباعت کی غلطی ہے، صحیح ۹۷۵ھ۔

جواب: جی ہاں، اس کو آئندہ طباعت میں درست کر دیا جائے گا، إن شاء الله تعالى۔

طحاوی کی ان سندوں کے بارے میں عرض ہے کہ علامہ عینی نے نخب الأفکار میں ان دونوں سندوں میں یہی فرق لکھا ہے کہ پہلی سلیمان بن یسار سے ہے، اور دوسری عطاء بن یسار سے، انکے لفظ یہ ہیں: وهذا كما ترى قد أخرجه الطحاوي في الأول عن سليمان بن يسار، وفي الثاني عن عطاء بن يسار [1]، اسی طرح ہم نے دیکھا کہ سنن دارمی میں بھی عن زكريا بن إسحاق عن عمرو بن دينار عن سليمان بن يسار ہے، اور دوسری روایت میں عن ورقاء عن عمرو بن دينار عن عطاء بن يسار [2] ہے۔

اور دوسری سند کے بارے میں یہ ہے کہ نخب الأفکار کے نسخہ میں قال احمد الاصبهاني: الصواب ابراهيم بن اسماعيل، اصل حوض میں نہیں ہے بلکہ ایسے ہی جلی قلم سے اصل شرح کی طرح اس کے بالمقابل حاشیہ پر ہے، خط تو بظاہر دونوں ایک ہی ہیں، لیکن ہمارے پاس شرح معانی الآثار کے دو قدیم نسخے مخطوط مزید اور ہیں، ان دونوں میں یہ زیادتی نہیں ہے، ان دو نسخوں میں سے ایک نسخہ کے بارے میں شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ نے آپ کی کتاب ما تمس اليه الحاجة (جو الإمام ابن ماجه وكتابه السنن کے نام سے چھاپی ہے) کے حاشیہ پر اس نسخہ کی بڑی تعریف کی ہے کہ بڑے بڑے علماء پر یہ پڑھا گیا ہے اور اپنا خیال یہ ظاہر کیا ہے: لعلها كتبت في القرن السادس او قبله، سو ممکن ہے احمد بن محمد السلفي ابن الاصبهاني نے اپنی کتاب کے بین السطور میں یہ لکھا ہو اور بعد میں ناسخین نے اس کو اصل میں لے لیا کیونکہ یہ سلفی بھی مصر میں تھے اور ان کی عادت بھی جمع کتب اور ان پر کچھ لکھنے اور اختصار کی معروف و مشہور ہے، تو ہو سکتا ہے انہوں نے اپنے ذاتی نسخہ کے بین السطور میں یہ لکھا ہے: الصواب ابراهيم بن اسماعيل، ویسے علامہ عینیؒ نے نخب الأفکار میں اس راوی کے بارے میں یہ لکھا ہے: ويقال: إبراهيم بن

---

[1] نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار – ج ٦ ص ٥٨ (وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية – قطر ١٤٢٩ هـ)

[2] سنن الدارمي كتاب الصلاة باب إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة ١٤٤٨ (دار الكتاب العربي – بيروت الطبعة الأولى، ١٤٠٧ هـ)

إسماعيل بن مجمع [1]۔

جناب نے اس مکتوب گرامی کے اخیر میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے اس سے متعلق عرض ہے کہ اصل چیز تو وہی ہے، جو جناب نے تحریر فرمائی کہ تخصص تو وہ ہے جو شیخ کی خدمت میں رہ کر حاصل ہو، باقی اس شعبہ تخصص کا فائدہ یہ ذہن میں ہے کہ طالب علم کو دو سال تک استاد حدیث کی خدمت میں رہ کر کتب حدیث جو اب تک نہیں پڑھی ہیں، اور نہ اس کی نظر سے گذری ہیں، وہ سامنے آئیں تو ہو سکتا ہے اس کوشش کے ذریعہ کسی خوش قسمت کو اس فن میں آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے اور وہ اس میں لگ جائے، گویا اس کو لائن پر لانا مقصود ہے، لیکن اگر کوئی اس شعبہ سے فارغ ہو کر یہ سمجھنے لگے کہ اب میں محدث بن گیا تو یہ اس کی نادانی ہے، اور ایسے شخص کیلئے اس شعبہ میں داخل ہونا ہی مضر ہے، اصل چیز سچی طلب ہے، اگر اس شعبہ میں داخل ہونے سے کسی میں وہ پیدا ہو جائے تو یہ بہت بڑا فائدہ ہے، فقط۔

محمد عاقل عفا اللہ عنہ

ذی الحجۃ ۲۵ھ، مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفا

---

[1] نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار - ج ٦ ص ٥٨ (وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية - قطر ١٤٢٩هـ)

رسالة الإمام أبي داود إلى أهل مكة في وصف الكتاب وبيان خصائصه والتزاماته

اہل مکہ کیلئے امام ابوداؤدؒ کا مراسلہ اپنی کتاب (السنن) کی صفات اور خصوصیات واہتمام کے بارے میں

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على نعمه الجمة، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له شهادة تزيح كل كرب وغمة، وأشهد أن سيدنا محمداً عبده ورسوله الذي أنار بشريعته البيضاء حلك الليالي المدلهمة، صلى الله عليه وعلى آله وصحبه المخصوصين بعلو الهمة.

ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي

اور کوئی (گناہوں سے) نہیں پھیر سکتا نہ ہی (نیکی پر) طاقت دے سکتا ہے سوائے اللہ بلند وبرتر کے۔

أخبرنا الشيخ أبو الفتح محمد بن عبد الباقي بن أحمد بن سليمان المعروف بابن البطي إجازة إن لم أكن سمعته منه قال أنبأنا الشيخ أبو الفضل أحمد ابن الحسن بن خيرون المعدل قراءة عليه وأنا حاضر أسمع قيل له أقرأت على أبي عبد الله محمد بن علي بن عبد الله الصوري الحافظ قال سمعت أبا الحسين محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن جميع الغساني بصيدا فأقر به قال سمعت أبا بكر محمد بن عبد العزيز بن محمد بن الفضل بن يحيى بن القاسم ابن عون بن عبد الله بن الحارث بن نوفل بن الحارث ابن عبد

ہمیں خبر دی الشیخ ابوالفتح محمد بن عبدالباقی بن احمد بن سلیمان المعروف بابن البطی نے اجازۃً (نہ کہ سماعاً) فرمایا: ہمیں خبر دی الشیخ ابوالفضل احمد بن الحسن بن خیرون المعدل نے ان پر قرأت ہوئی اور میں نے سماعت کی، ان سے کہا گیا: آپ نے ابوعبداللہ محمد بن علی بن عبداللہ الصوری الحافظ پر پڑھا؟ (تو) فرمایا: میں نے سنا ابوالحسن محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن جمیع الغسانی کو مقام صیدا میں، پس اس کا اقرار کیا فرمایا: میں نے سنا ابوبکر محمد بن عبدالعزیز بن محمد بن الفضل بن یحیی بن قاسم بن عون بن عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن

المطلب الهاشمي بمكة يقول سمعت أبا داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد السجستاني وسئل عن رسالته التي كتبها إلى أهل مكة وغيرها جوابا لهم فأملى علينا:

عبد المطلب الہاشمی کو مکہ میں فرمارہے تھے: میں نے سنا ابوداود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد السجستانی کو کہ ان سے سوال کیا گیا تھا اس رسالے کے بارے میں جو اہل مکہ اور دیگر کو لکھا تھا بطور جواب کے، پس ہمیں املا کرایا:

سلام عليكم، فإني أحمد إليكم الله الذي لا إله إلا هو، وأسأله أن يصلي على محمد عبده ورسوله صلى الله عليه وسلم كلما ذكر.

تم پر سلامتی ہو پس میں اللہ کی حمد کرتا ہوں وہی معبود ہے اس کے سوا کوئی نہیں اور (اللہ تعالیٰ) سے سوال کرتا ہوں محمد ﷺ پر رحمتوں کا جو کہ (اللہ تعالیٰ) کے بندے اور رسول ہیں جب بھی ذکر ہو۔

أما بعد: عافانا الله وإياكم عافية لا مكروه معها، ولا عقاب بعدها، فإنكم سألتموني أن أذكر لكم الأحاديث التي في كتاب ((السنن)) أهي أصح ما عرفت في الباب؟

اما بعد! اللہ تعالیٰ ہمیں پوری عافیت عطاء فرمائیں کہ جس کے ساتھ کوئی ناپسندیدگی نہ ہو اور نہ اسکے بعد کوئی عذاب، پس تم لوگوں نے سوال کیا کتاب السنن میں موجود احادیث کے بارے میں کہ کیا باب کے تحت احادیث صحیح ہیں؟

اختياره أحد الحديثين الصحيحين لقدم حفظ صاحبه:

دو صحیح احادیث میں سے ایک کا انتخاب راوی کے حفظ کو مقدم رکھتے ہوئے:

ووقفت على جميع ما ذكرتم. فاعلموا أنه كذلك كله، إلا أن يكون قد روي من وجهين صحيحين: أحدهما أقوى إسنادا، والآخر صاحبه أقدم في الحفظ. فربما كتبت ذلك [ولا أرى في كتابي من هذا عشرة أحاديث].

جو کچھ تم نے ذکر کیا اس پر پوری واقفیت کے بعد جان لو! ساری (احادیث) اسی طرح ہیں (یعنی صحیح ہیں) مگر یہ کہ دو طرح کی صحیح احادیث روایت کی گئی ہیں ایک یہ کہ سند کے اعتبار سے راجح ہو، دوسرا یہ کہ (راوی) حفظ میں آگے ہو، اسی طرح (صحیح اسناد کی روایتوں کے ساتھ) لکھا مگر یہ کہ میری کتاب میں اعلیٰ سند (ثلاثیات، رباعیات) روایتیں دس ہیں۔

قلة أحاديث الأبواب:

ابواب میں احادیث کی قلت:

ولم أكتب بالباب إلا حديثا أو حديثين، وإن كان في الباب

میں نے ایک باب میں ایک یا دو حدیثیں لکھیں اگر چہ اس

أحاديث صحاح فإنه يكثر [وإنما أردت قرب منفعته].

موضوع (ترجمۃ الباب) پر اور صحیح احادیث بہت تھیں مگر میں نے جلد فائدے کو پیش نظر رکھا۔

إعادة الحديث:

وإذا أعدت الحديث في الباب من وجهين أو ثلاثة، فإنما هو من زيادة كلام فيه، [وربما فيه كلمة زائدة على الأحاديث].

ابواب میں حدیث کا اعادہ:

اور ایک باب میں کسی حدیث کو دو یا تین مرتبہ ذکر کیا کسی (روایت) میں زائد کلام یا کسی زائد کلمے کی منفعت کے پیش نظر،

اختصار الحديث:

وربما اختصرت الحديث الطويل؛ لأني لو كتبته بطوله لم يعلم بعض من سمعه [المراد منه] ولا يفهم موضع الفقه منه، فاختصرته لذلك.

حدیث کا اختصار:

اور کبھی کسی طویل حدیث کو اس علت کے پیش نظر مختصر کیا کہ بعض سننے والے اس سے مراد کو نہ جان پاتے اور (ترجمۃ الباب کا مدعیٰ حدیث کی دلیل سے) نہ سمجھ پاتے۔

المرسل والاحتجاج به:

وأما المراسيل: فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى، مثل: سفيان الثوري، ومالك [بن أنس]، والأوزاعي، حتى جاء الشافعي فتكلم فيها، وتابعه على ذلك أحمد بن حنبل وغيره. فإذا لم يكن مسند غير المراسيل، ولم يوجد المسند فالمرسل يحتج به، وليس هو مثل المتصل في القوة:

حدیث مرسل سے دلیل:

اکابرین نے مراسیل سے دلیل لی ہے جیسے سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، اوزاعیؒ، یہاں تک کہ امام شافعیؒ کا زمانہ آیا تو، آپؒ نے اس پر کلام کیا کہ مراسیل نہ مطلقا چھوڑی جائیگی نہ لی جائیگی، تفصیل کیلئے (کتب کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے) جن کی امام احمد حنبلؒ وغیرہ نے پیروی کی۔ پس جب مسند حدیث نہ ہو سوائے مراسیل کے تو اس سے دلیل لی جائیگی اگرچہ قوت (اسناد) میں متصل کی طرح نہ ہو۔

ليس في الكتاب حديث عن متروك:

کتاب میں (رجل) متروک سے حدیث نہیں لی گئی:

وليس في كتاب ((السنن)) الذي صنفته عن رجل متروك

جو کتاب (السنن) میں نے لکھی ہے اس میں کسی متروک

الحديث شيء،

راوی سے کوئی روایت نہیں لی،

بيين المنكر:

وإذا كان فيه حديث منكر بيّنت أنه منكر، وليس على نحوه في الباب غيره،

(حدیث میں) نکارت کی وضاحت:

اور جب کوئی حدیث منکر ہوئی تو (اسکو ذکر کرتے ہوئے) اسکی نکارت بیان کی کیونکہ اس باب میں اسکے علاوہ (روایت) نہ تھی۔

موازنة بينه وبين كتب ابن المبارك ووكيع ومالك وحماد:

[وهذه الأحاديث ليس منها في كتاب ابن المبارك، ولا كتاب وكيع، إلا الشيء اليسير، وعامته في كتاب هؤلاء مراسيل، وفي كتاب ((السنن)) من ((موطأ مالك بن أنس)) شيء صالح، وكذلك من ((مصنفات)) حماد بن سلمة وعبد الرزاق.

وليس ثلث هذه الكتب فيما أحسبه في كتب جميعهم أعني مصنفات مالك بن أنس، وحماد بن سلمة، وعبد الرزاق.

اپنی (اس) کتاب اور ابن المبارک اور وکیع اور مالک اور حماد کی کتب میں موازنہ:

اور (میری کتاب جیسی) احادیث ابن المبارک کی کتاب میں نہیں، اور وکیع کی کتاب میں کچھ تھیں اور ان (اکابرین) کی کتب) کا عام حصہ مراسیل پر ہے اور سنن میں موطا مالک بن انس صحیح ہے (مگر اس پر اکتفاء نہیں کیا جاسکتا) اسی طرح حماد بن سلمہ اور عبد الرزاق کی مصنفات اور ان (اکابرین کی) کتابوں میں اس سنن کا تیسرا حصہ بھی نہیں۔

جمعه السنن واستقصاؤه:

وقد ألفته نسقا على ما وقع عندي، فإن ذكر لك عن النبي صلى الله عليه وسلم سُنّةٌ ليس مما خرّجته فاعلم أنه حديث واه، إلا أن يكون في كتابي من طريق آخر، فإني لم أخرج الطرق؛ لأنه يكثر على المتعلم.

السنن کی ترتیب اور اسکی کامل ابحاث:

اور تحقیق میں نے اس کتاب کی تالیف کو ایسی ترتیب پر رکھا جو میرے ذہن میں تھی پس نبی اکرم ﷺ کی سنت اگر بیان کی جائے جس کو میں نے (اپنی کتاب میں) نہیں لکھا پس وہ بیکار حدیث ہے پس اگر وہی (بیکار حدیث) میری کتاب میں دوسری سند کے ساتھ آجائے (اس سند کے علاوہ جسے بیکار کہہ کر ترک کیا گیا) تو میں نے اسکے سارے طرق (صحیح اور غیر

صحیح) نہیں لکھے کہ پڑھنے والے پر بار نہ ہو جائے۔

ولا أعرف أحدا جمع على الاستقصاء غيري، وكان الحسن بن علي الخلّال قد جمع منه قدر تسع مئة حديث، وذكر أن ابن المبارك قال: السنن عن النبي صلى الله عليه وسلم نحو تسعمائة حديث، فقيل له: إن أبا يوسف قال: هي ألف ومئة. قال ابن المبارك: أبو يوسف يأخذ بعلك الهنات من هنا وهنا نحو الأحاديث الضعيفة].

اور میں نہیں جانتا کہ میرے علاوہ کسی نے ایسی (ابحاث) کا انتخاب کیا ہو اور حسن بن علی الخلالؒ نے اس سے نوسو احادیث جمع کیں، اور بیان کیا گیا ہے کہ ابن المبارکؒ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی سنن نوسو احادیث ہیں، پس آپ (ابن المبارکؒ) سے کہا گیا کہ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وہ (سنن) گیارہ سو احادیث ہیں، کہا ابن المبارکؒ نے کہ ابو یوسفؒ نے یہاں وہاں سے ضعیف احادیث لی ہیں۔

يبين ما فيه وهن شديد:

وما كان في كتابي من حديث فيه وهنٌ شديدٌ، فقد بيّنْتُه، ومنه ما لا يصح سنده.

احادیث میں پائی جانے والی کمزوری کی وضاحت:

اور میری کتاب کی جس حدیث میں خوب کمزوری تھی یا جس کی سند صحیح نہ تھی پس میں نے اسکو بیان کیا۔

المسكوت عنه صالح:

وما لم أذكر فيه شيئا فهو صالح، وبعضها أصح من بعض. [وهذا لو وضعه غيري لقلت أنا فيه أكثر].

جس روایت پر خاموشی اختیار کی وہ ٹھیک ہے:

اور میں جب کسی (روایت) پر کوئی حکم ذکر نہ کروں تو وہ صحیح ہے اور بعض تو بعض سے اصح ہیں اور یہ طریقہ اگر میرے علاوہ کسی اور نے اختیار کیا ہے تو میں زیادتی کا اہتمام کرنے والا ہوں،

استقصاؤه:

وهو كتاب لا يرد عليك سنة عن النبي صلى الله عليه وسلم بإسناد صالح إلا وهي فيه، إلا أن يكون كلام أُسْتُخْرِجَ من الحديث، ولا يكاد يكون هذا.

اس کی تکمیل:

اور وہ کتاب جو تیرے لیے نبی کریم ﷺ کی حدیث لائے صحیح سند کے ساتھ وہ یہی ہے، مگر یہ کہ جو کلام حدیث سے مستفاد ہو وہ میری کتاب میں ہے۔

قيمته ومقداره:

ولا أعلم شيئا بعد القرآن ألزم للناس أن يتعلموا من هذا الكتاب، ولا يضر رجلا أن لا يكتب من العلم – بعد ما يكتب هذا الكتاب – شيئا، وإذا نظر فيه وتدبره وتفهمه حينئذ يعلم مقداره.

(السنن) کی قدر وقیمت:

قرآن کریم کے بعد لوگوں پر لازم ہے کہ اس کتاب کو سیکھیں (جو انکے لیے کافی ہے) اور جو علم کی باتیں تحریر نہ کرتا ہو اس کتاب کے لکھنے کے بعد اسے کوئی نقصان نہیں اور جب اس میں نظر وفکر کرے گا تو اس (السنن) کی عمدگی اور قدر وقیمت کو جان لے گا۔

أحاديث كتابه أصول المسائل الفقهية:

وأما هذه المسائل، مسائل الثوري ومالك والشافعي، فهذه الأحاديث أصولها.

کتاب (السنن) کی احادیث مسائل فقہیہ کے اصول ہیں:

اور مسائل واحکام اور فتاویٰ (اکابرین) الثوریؒ، مالکؒ، شافعیؒ یہ (السنن میں مذکور) احادیث انکی بنیاد ہیں،

آراء الصحابة:

ويعجبني أن يكتب الرجل مع هذه الكتب من رأي أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم.

صحابہ کرامؓ کی آراء:

اور مجھے پسند ہے کہ اس کتاب کی (مرفوع احادیث) کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی آراء لکھے،

جامع سفيان:

ويكتب أيضا مثل جامع سفيان الثوري، فإنه أحسن ما وضع الناس في الجوامع.

جامع سفیان:

اور (ساتھ) جامع سفیان ثوریؒ بھی لکھے کہ یہ (کتب) جوامع میں بہت عمدہ لکھی ہوئی ہے۔

أحاديث السنن مشاهير ولا يحتج بالغريب:

والأحاديث التي وضعتها في ((كتاب السنن)) أكثرها مشاهير، وهي عند كل من كتب شيئا من الحديث إلا أن تمييزها لا يقدر عليه كل الناس، والفخر بها أنها مشاهير،

سنن کی احادیث مشہور (درجہ) کی ہیں غریب (احادیث) سے دلیل نہیں لی گئی:

اور اس سنن میں اکثر احادیث مشہور درجہ کی ہیں، جنکو احادیث کی (روایت میں) معرفت ہے مگر اسکو (ترجمۃ الباب کے ساتھ ترتیب دینے اور اور اختیار کرنے میں) ہر ایک کو

فإنه لا يُحتجُّ بحديث غريب، ولو كان من رواية مالك ويحيى بن سعيد والثقات من أئمة العلم.

قدرت نہیں (مگر میں اس پر آسانی سے واقف ہوا) کہ اس پر فخر ہے کہ یہ مشہور ہیں جسکے مقابلے میں کوئی حدیث غریب سے دلیل نہیں لے گا اگرچہ وہ علم کے ائمہ ثقات مالکؒ، یحیی بن سعیدؒ وغیرہ سے کیوں نہ ہو۔

ولو احتج رجل بحديث غريب وجدت من يَطْعَنُ فيه ولا يَحْتَجُّ بالحديث الذي قد احتجَّ به إذا كان الحديث غريباً شاذاً. فأما الحديث المشهور المتصل الصحيح فليس يقدر أن يردّه عليك أحد.

اگر کوئی حدیث غریب سے دلیل لیتا ہے جس پر طعن ہوا اور ایسی احادیث سے دلیل نہیں لیتا جن سے لینی چاہیے پس متصل السند اور صحیح پر رد نہیں کر سکتا (مگر علم حدیث سے ناواقف)۔

وقال إبراهيم النخعي: كانوا يكرهون الغريب من الحديث، وقال يزيد بن أبي حبيب: إذا سمعت الحديث فأنشُدْهُ كما تُنْشَد الضالةُ، فإن عُرِفَ وإلا فَدَعْهُ.

اور ابراہیم نخعیؒ غریب (سے دلیل) کو ناپسند کرتے تھے اور یزید بن ابی حبیبؒ نے فرمایا: جب تو حدیث کو سنے تو (علماء سے) معلوم کرنے جیسے کہ گمشدہ چیز کے بارے میں معلوم کیا جاتا ہے، اگر حقیقت پہچان لے تو صحیح ورنہ چھوڑ دے۔

قد يوجد المرسل والمدلس عند عدم وجود الصحاح:

صحیح (حدیث) نہ ہونے پر مرسل و مدلس سے دلیل لی جاتی ہے:

وإن من الأحاديث في كتاب ((السنن)) ما ليس بمتصل، وهو مرسل ومدلس، وهو إذا لم توجد الصحاح عند عامة أهل الحديث على معنى أنه متصل، وهو مثل الحسن عن جابر، والحسن عن أبي هريرة، والحكم عن مقسم عن ابن عباس، وليس بمتصل. وسماع الحكم من مقسم أربعة أحاديث.

اور میری کتاب میں (اکثر احادیث متصل السند ہیں) جو متصل نہیں وہ مرسل و مدلس ہیں اور (ترجمۃ الباب) کے قائم ہونے کے بعد (دلیل کے طور پر) محدثین کی اصطلاح کی "صحیح" روایت نہ پائے تو وہ (اپنے مدعی کو ثابت کرنے کیلئے) مرسل مدلس کو لے آئے ہیں جیسے حسن عن جابر، حسن عن ابوہریرہ، حکم عن مقسم عن ابن عباس کے طرق جو کہ متصل السند نہیں (کیونکہ انکا سماع ان صحابہؓ سے ثابت نہیں اگرچہ معاصرت ہے) اور حکم نے مقسم سے صرف چار احادیث سنی ہیں۔

وأما أبو إسحاق عن الحارث عن علي فلم يسمع أبو إسحاق

من الحارث إلا أربعة أحاديث ليس فيها مسند واحد.

اور ابو اسحاق عن الحارث عن علی کا طریق کہ ابو اسحاق نے حارث سے صرف چار احادیث سنی ہیں جن میں کوئی بھی مسند نہیں۔

و[أما] ما في كتاب ((السنن)) من هذا النحو فقليل، ولعل ليس للحارث الأعور في كتاب ((السنن)) إلا حديث واحد، وإنما كتبته بأخرة.

اور میری کتاب السنن میں ایسی (روایات) تھوڑی ہیں اور اسی وجہ سے حارث الاعور کے طرق سے آنے والی روایتوں سے صرف ایک ہی روایت ہے وہ بھی میں نے سنن کے آخر میں لکھی ہے۔

وربما كان في الحديث ما تثبت صحة الحديث منه، إذا كان يخفى ذلك علي، فربما تركت الحديث إذا لم أفقهه، وربما كتبته [وبينته] وربما لم أقف عليه، وربما أتوقف عن مثل هذا؛ لأنه ضرر على العامة أن يكشف لهم كل ما كان من هذا الباب. فيما مضى من عيوب الحديث؛ لأن علم العامة يقصر عن مثل هذا.

اور کبھی حدیث کی اسنادی صحت (مجھ پر) مخفی رہی تو جب نہ سمجھا تو میں نے چھوڑ دیا، اور کبھی (اسنادی صحت کے اعتبار سے کمزور روایت) لکھی اور حقیقت بیان بھی کی، اور کبھی اسکی حقیقت پر واقف نہ ہو سکا اور کبھی (اسنادی صحت کی علت بیان) کرنے میں توقف کیا۔ عوام کیلئے اس میں نقصان ہے کہ اس باب میں جو عیوب ہیں ان کو واضح کر دیا جائے کیونکہ ان علتوں کے متعلق عوام کا علم کم ہوتا ہے۔

عدد أجزائها:

وعدد كتب هذه ((السنن)) ثمانية عشر جزءا مع المراسيل، منها جزء واحد مراسيل.

اجزاء کی تعداد:

اس سنن میں مراسیل کے ساتھ اٹھارہ اجزاء ہیں جن میں سے ایک مراسیل کا ہے۔

حكم المراسيل:

وما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم من المراسيل، منها ما لا يصح، ومنها هو ما مسند عند غيري، وهو متصل صحيح.

مراسیل کا حکم:

اور نبی کریم ﷺ سے جو روایتیں مراسیل کی حیثیت سے مروی ہیں ان میں سے بعض صحیح نہیں اور بعض (جو دوسری جگہ اسناد متصل سے مروی ہو) وہ اسناد متصل صحیح ہیں۔

عدد أحاديث كتابه:

ولعل عدد الذي في كتبي من الأحاديث قدر أربعة آلاف

کتاب میں احادیث کی تعداد:

وثمانمائة حديث، ونحو سبعمائة حديث من المراسيل.

میری کتاب (السنن) میں چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں اور چھ سو مراسیل۔

منهجه في الاختيار:

فمن أحب أن يميز هذه الأحاديث مع الألفاظ، فربما يجيء حديث من طريق، وهو عند العامة من طريق الأئمة الذين هم مشهورون، غير أنه ربما طلبت اللفظة التي تكون لها معانٍ كثيرة.

ومن عرفت من نقل من جميع هذه الكتب فربما يجيء الإسناد، فيعلم من حديث غيره أنه غير متصل، ولا يتبينه السامع إلا بأن يعلم الأحاديث، ويكون له فيه معرفة فيقف عليه، مثل ما يُرْوى عن ابن جريج قال: أُخبرت عن الزهري، ويرويه البُرْسَاني عن ابن جريج عن الزهري، فالذي يَسْمَعُ يَظُنُّ أنه متصل، ولا يصح بتة، وإنما تركناه لذلك؛ لأن أصل الحديث غير متصل، [ولا يصح] وهو حديث معلول، ومثل هذا كثير، والذي لا يعلم يقول: قد ترك حديثاً صحيحاً من هذا، وجاء بحديث معلول.

(احادیث کے انتخاب میں) اختیار کا طریقہ:

(احادیث میں صحیح کو غیر صحیح سے الگ کرنے کیلئے) حدیث بمع اپنے الفاظ کے ایک طریق سے بیان کی گئی (جو طریقہ) عام محدثین کے ہاں مشہور تھا، اور کبھی (کسی حدیث کے) لفظ میں کئی معانی کا احتمال تھا تو انکے لانے کا بھی اہتمام ہوا۔

ان تمام کتابوں کے نقل کرنے والوں میں سے جن کو میں جانتا ہوں بسا اوقات وہ اسناد ذکر کرتے ہیں اور دوسروں کی حدیث سے اس کا غیر متصل ہونا معلوم ہوتا ہے، اور سامع کو تب ہی معلوم ہو سکتا ہے جب وہ تمام احادیث کو جانتا ہو اور اس میں اسکو معرفت حاصل ہو، جیسے ابن جریج کی روایات کہ وہ کہتے ہیں: مجھے خبر دی گئی زہریؒ سے، اور اس کو روایت کیا برسانی نے ابن جریج سے، انہوں نے زہری سے۔ تو جو اس کو سنتا ہے گمان کرتا ہے کہ یہ متصل ہے حالانکہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے ہم نے اسی وجہ سے اس کو ترک کیا، کیونکہ یہ حدیث متصل نہیں ہے اور یہ حدیث معلول ہونیکی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ اور اس جیسی مثالیں کثیر ہیں، اور جس کو یہ بات معلوم نہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے صحیح حدیث کو ترک کر دیا اور معلول حدیث لے کر آئے۔

اقتصاره على الأحكام:

وإنما لم أصنف في كتاب ((السنن)) إلا الأحكام، ولم أصنف كتب ((الزهد)) و((فضائل الأعمال)) وغيرها.

احکام پر اختتام:

میں نے اس کتاب میں صرف احکام (کی احادیث لکھیں) اور

فهذه أربعة آلاف والثمانمائة، كلها في الأحكام، فأما أحاديث كثيرةٌ صحاحٌ في ((الزهد)) و((الفضائل)) وغيرها من غير هذا فلم أخرجها.

یہ چار ہزار آٹھ صد (احادیث) سب احکام میں ہیں، زہد فضائل اعمال وغیرہ میں احادیث بہت ہیں، اس کی میں نے تخریج نہیں کی۔ زہد اور اعمال کے فضائل وغیرہ نہیں لکھے۔

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

وصلّى الله على سيدنا محمّد النّبيّ وعلى آله الطيبين الطاهرين، وأصحابه المنتخبين، وأزواجه أمهات المؤمنين، وسلم تسليما، وحسبنا الله ونعم الوكيل.

انتهت الرسالة

بسم الله الرحمن الرحيم

أَخْبَرَنَا الإِمَامُ الحَافِظُ أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ ثَابِتٍ الخَطِيبُ البَغْدَادِيُّ قَالَ: أَنْبَأَنَا الإِمَامُ القَاضِي أَبُو عَمْرٍو القَاسِمُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ الوَاحِدِ الهَاشِمِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَمْرٍو اللُّؤْلُؤِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، سُلَيْمَانُ بْنُ الأَشْعَثِ، السِّجِسْتَانِيُّ، فِي المُحَرَّمِ سَنَةَ خَمْسٍ وَسَبْعِينَ وَمِئَتَيْنِ قَالَ:

ابتداء بالبسملة وترک حمدله: مصنف علیہ الرحمہ نے اپنی اس سنن کو صرف بسملہ پر اکتفاء کرتے ہوئے شروع فرمایا حمدلہ کو ذکر نہیں کیا، اسکی کیا وجہ ہے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کا اتباع کرتے ہوئے قال تعالیٰ: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ[1] معلوم ہوا کہ بِسْمِ اللهِ سے ابتداء ہونی چاہئے۔ اسی طرح حدیث میں ہے: كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، فَهُوَ أَبْتَرُ[2]۔ اور ایسا ہی دوسرے حضرات مصنفین متقدمین نے اپنی تصانیف میں کیا ہے، جیسے امام مالکؒ نے مؤطا میں، امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں اور اسی طرح مصنفین صحاح ستہ میں سے سب ہی نے علاوہ امام مسلمؒ کے بسملہ پر اکتفا فرمایا، حمدلہ کو ذکر نہیں فرمایا۔

اب رہا یہ اشکال کہ ایک روایت میں (جس کو مصنفؒ نے بھی اس سنن میں ذکر کیا ہے) حمد کا ذکر ہے: كل امر ذي بال لا يبدأ فيه بحمد الله فهو اقطع[3] گویا مصنفؒ نے اپنی بیان کردہ روایت پر عمل نہیں کیا، علماء نے اسکے متعدد جواب دیئے ہیں:

① اس مقام پر ابوداؤد کے نسخے مختلف ہیں، بعض نسخوں میں بسملة کے بعد حمد بھی مذکور ہے، بذل المجہود میں اس نسخے کی عبارت لکھی ہے۔

② اس روایت میں کتابت کی قید نہیں ہے، بلکہ صرف ابتداء بالحمد مذکور ہے، ہو سکتا ہے مصنفؒ نے بسملہ کی کتابت کے بعد حمد کو زبان سے ادا کیا ہو، جیسا امام احمدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ روایت حدیث کے وقت صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے کہتے تھے لکھتے نہ تھے۔

---

[1] پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ (سورة العلق ١)

[2] وروينا في سنن أبي داود وابن ماجه، ومسند أبي عوانة الإسفرايني المخرّج على صحيح مسلم، رحمهم الله، عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالحَمْدِ لِلّٰهِ أَقْطَعُ" وفي رواية: "بِحَمْدِ اللهِ" وفي رواية: "بِالحَمْدِ فَهُوَ أَقْطَعُ" وفي رواية: "كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ أَجْذَمُ" وفي رواية: "كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فَهُوَ أَقْطَعُ" روينا هذه الألفاظ كلها في كتاب الأربعين للحافظ عبد القادر الرهاوي، وهو حديث حسن، وقد روي موصولاً كما ذكرنا، وروي مرسلاً، ورواية الموصول جيدة الإسناد. (الأذكار المنتخبة من كلام سيد الأبرار صلى الله عليه وسلم للنووي — ص ١٥٩)

[3] كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالحَمْدُ لِلّٰهِ فَهُوَ أَجْذَمُ (سنن أبي داود – كتاب الأدب – باب الهدي في الكلام ٤٨٤٠)

(۳) یہ روایت جس میں حمد مذکور ہے سنداً ضعیف ہے، اسکی سند میں مصنف نے کلام کیا ہے، کتاب الادب میں یہ حدیث مذکور ہے۔

(۴) ابتداء بالحمد مخصوص[1] ہے خطاب (بیان و تقریر) کیساتھ، کتابت، خطوط اس میں داخل نہیں، دلیل اس پر حضور ﷺ کا طرز عمل ہے وہ یہ کہ آپ اپنا خطبہ ہمیشہ حمد سے شروع فرماتے: "الحمد اللّٰہ نحمدہ الخ" اور خطبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھتے تھے، اسکے بالمقابل خطوط کی ابتداء صرف بسملۃ سے فرماتے، مثلاً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ الخ[2] اور صلح نامہ حدیبیہ میں ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ[3] وغیرہ وغیرہ۔

(۵) حمد سے مقصود نفس ذکر ہے نہ کہ مخصوص لفظ حمد، جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں تصریح ہے: کل امر ذی بال لم یبدأ بذکر اللّٰہ فھو اقطع وابتر[4] اور نفس ذکر بسملہ سے حاصل ہو گیا۔

(۶) حمد کہتے ہیں صفات کمالیہ کے اظہار کو، اور یہ معنی یقیناً الرحمن الرحیم میں حاصل ہو گئے، یہ جواب حضرت شیخ کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب ؒ کو پسند تھا۔

فائدہ: علامہ انور شاہ کشمیریؒ[5] فرماتے ہیں کہ یہ جو حضرات مصنفین ابتداء بالبسملۃ والحمدلہ کی روایات میں تطبیق دیتے ہیں کہ ایک جگہ ابتداء حقیقی اور ایک جگہ ابتداء اضافی مراد ہے، یہ صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ حدیث بسملۃ و حمدلہ الگ الگ دو حدیثیں نہیں ہیں کہ ان دونوں میں تعارض مان کر یہ جواب دیا جائے بلکہ ایک ہی روایت ہے، جسکے اندر اضطراب ہے بعض رواۃ حمدلہ کو اور بعض رواۃ بسملۃ کو ذکر کرتے ہیں۔

---

[1] ذکرہ مولانا شبیر احمد العثمانی نقلاً عن الزرقانی. قلت: قال الحافظ الذہبیؒ: ان من برکۃ العلم ان ینسب الی قائلہ ۔۱۲

[2] صحيح البخاري - بدء الوحي (۷) صحيح البخاري - الجهاد والسير (۲۷۸۲) صحيح البخاري - تفسير القرآن (۴۲۷۸) صحيح البخاري - الاستئذان (۵۹۰۶) صحيح مسلم - الجهاد والسير (۱۷۷۳) سنن أبي داود - الأدب (۵۱۳۶) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۱/۲۶۳)

[3] صحيح البخاري - كتاب الصلح - باب كيف يكتب هذا ما صالح إلخ ۲۵۵۲

[4] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ كَلَامٍ. أَوْ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُفْتَحُ بِذِكْرِ اللّٰهِ. فَهُوَ أَبْتَرُ - أَوْ قَالَ: أَقْطَعُ - (مسند الإمام أحمد بن حنبل - مسند المكثرين من الصحابة - مسند أبي هريرة رضي الله عنه ۸۷۱۲)

[5] وأما حديث "كل أمر ذي بال لم يبدء إلخ" فمضطرب فإن في بعض ألفاظ "بحمد الله" وفي بعضها "بذكر الله". وفي بعضها "بسم الله" وقال الشيخ تاج الدين السبكي إن الحديث يبلغ مرتبة الحسن وفي سنده قرة وهو مختلف فيه، وأما على تقدير ثبوته فيدل على الابتداء بذكر الله. لا بخصوص الحمد لله، وأما ما قال المصنفون من الجمع بين بسم الله والحمد لله بالابتداء الحقيقي والمجازي فليس بمراد، وتدل أقاويلهم على تعدد الحديث، والحال أن الحديث واحد واختلفت الألفاظ. (العرف الشذي شرح سنن الترمذي ج ۱ ص ۳۰)

كِتَابُ الطَّهَارَةِ

پاکی سے متعلق احکام و مسائل کا بیان

مصنف ؒ نے سب سے پہلے کتاب الطہارۃ کو ذکر کیا جس کی وجہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے وہ یہ کہ یہ کتاب سنن کے قبیل سے ہے اور سنن انواع کتب حدیث میں سے اس نوع کو کہتے ہیں جس کی ترتیب ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہو، اور چونکہ حضرات فقہاء کرام کتب فقہ کو کتاب الطہارۃ سے شروع کرتے ہیں، اس لئے امام ابوداؤد نے اپنی اس سنن کو کتاب الطہارۃ سے شروع فرمایا۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ فقہاء کتاب الطہارۃ سے کیوں شروع کرتے ہیں، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق عبادت کیلئے ہوئی ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ [1] اور ام العبادات وجامع العبادات صلوۃ ہی ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ الخ [2] اس میں آپ نے تمام ارکان پر نماز کو مقدم کیا ہے، اور نماز کے لئے کچھ شرائط ہیں جن میں اقوی شرط طہارۃ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شرط ہمیشہ مشروط پر مقدم ہوا کرتی ہے بوجہ موقوف علیہ ہونے کے، اس لئے حضرات فقہاء اور اصحاب سنن اپنی کتابوں میں کتاب الطہارۃ کو پہلے ذکر کرتے ہیں۔

کتاب اور باب کی اصطلاح: بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر مسائل کا اعتبار بجنسہا کیا جائے یعنی جنس مسائل بیان کرنا پیش نظر ہو تو اس کو کتاب [3] سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لئے کہ جنس متعدد انواع کو جامع ہوتی ہے اور "کتاب" کے معنی بھی لغۃ جمع ہی کے ہیں۔ اور اگر مسائل کا اعتبار بنوعہا کیا جائے یعنی صرف ایک نوع کے مسائل کو بیان کرنا مقصود ہو تو اسکو باب سے تعبیر کرتے ہیں، اسلئے کہ باب کے معنی بھی ایک لغت میں نوع کے آتے ہیں اور اگر بعض جزئیات کو ما قبل سے ممتاز کر کے بیان کرنا مقصود ہو تو اسکو "فصل" سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ وہ ما قبل سے منفصل اور جدا ہے، ان تینوں کے درمیان آپ نسبت ایسے ہی سمجھئے جیسا کہ مناطقہ کے یہاں جنس، نوع اور صنف [4] کے درمیان ہے، یعنی جنس عام، جیسے الحیوان، نوع

---

1. اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو (سورۃ الذاریات ۵٦)
2. صحیح مسلم - کتاب الإیمان - باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الإسلام علی خمس ١٦
3. کتاب اور باب کی اصطلاح کا استعمال زمانۂ تابعین سے ہے جیسا کہ صاحب منہل نے بیان کیا ہے۔
4. صنف کہتے ہیں اس نوع کو جو مقید ہو کسی قید کیساتھ، جیسے الإنسان الرومی۔

خاص جیسے الانسان، اور صنف اخص جیسے الإنسان الرومی۔ ایسے ہی کتاب عام، باب خاص اور فصل اخص ہے۔

طہارت کے معنی اور اقسام: طہارۃ مصدر ہے "طہر یطہر" کا، نصر اور کرم [1] سے، اسکے معنی لغوی ہیں النظافة والتنزه عن الأقذار والأدناس یعنی گندگی اور میل کچیل سے پاک وصاف ہونا، اور شرعاً طہارۃ [2] کہتے ہیں، "ازالۂ حدث یا خبث کیلئے قاعدہ شرعیہ کے مطابق احد المطہرین (أي الماء والتراب) کو استعمال کرنا"۔ تو طہارت کی دو قسمیں ہوئیں: ① ازالۂ حدث ② ازالۂ خبث، پھر اول کی دو قسمیں ہیں: ① عن الحدث الأصغر جسکو وضو کہتے ہیں ② عن الحدث الأکبر جسکو غسل کہتے ہیں۔ یہاں پر مطلق اور جنس طہارت مراد ہے اسلئے کہ مصنف کا مقصود دونوں کو ذکر کرنا ہے، چنانچہ قسم اول سے فارغ ہو کر قسم ثانی کو بیان کریں گے۔

صوفیہ کے یہاں طہارت کی چند قسمیں ہیں، امام غزالیؒ فرماتے ہیں: اسکی چار قسمیں ہیں: ① تطہیر الظاهر عن الحدث والخبث، ② تطہیر الجوارح عن الحرام، ③ تطہیر القلب عن الرذائل، ④ تطہیر السر عما سوی اللہ تعالی، یعنی اندرون قلب کو غیر اللہ کے تعلق سے پاک کرنا [3]۔

ع پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش

وقال ابو الطیب: ع عَذَلُ العَوَاذِلِ حَوْلَ قَلْبِي التَّائِهِ وَهَوَى الأَحِبَّةِ مِنْهُ فِي سَوْدَائِهِ

١۔ بَابُ التَّخَلِّي عِنْدَ قَضَاءِ الْحَاجَةِ

قضائے حاجت کے وقت لوگوں سے الگ تھلگ ہونے کا بیان

یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے طہارۃ کی ابتداء آداب استنجاء کیساتھ کیوں فرمائی؟ جواب یہ ہے کہ حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ وضو اور غسل سے پہلے قضاء حاجت سے فارغ ہونا اولی اور مستحب ہے، سو جب یہ بات ہے تو مناسب ہوا کہ طہارۃ کی ابتداء آداب استنجا ہی سے کی جائے تا کہ ترتیب ذکری ترتیب خارجی کے مطابق ہو جائے۔ ہم نے پوری کتاب کو دیکھنے سے یہی اندازہ لگایا ہے کہ مصنف علام رحمہ اللہ تعالی ہر باب کی ترتیب قائم کرنے میں وجود خارجی کی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہیں جو بہت ہی مناسب طریقہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طہارۃ کا وجوب آدمی سے اس وقت متعلق ہوتا ہے جب پہلے

---

[1] ابوداؤد کی شرح غاية المقصود میں اس کو باب "نصر وضرب" سے لکھا ہے، بظاہر یہ کتابت کی غلطی ہے صحیح لفظ "ضرب" نہیں "کرم" ہے؛ حضرتؒ نے بذل میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

[2] هي ارتفاع الحدث وزوال الخبث أي النجاسة

[3] إحياء علوم الدين — ج ١ ص ١٢٦

سے ناقض طہارۃ موجود ہو ورنہ بغیر اسکے تحصیل حاصل ہے، اور نواقض وضو میں کثیر الوقوع چیز خارج من السبیلین یعنی بول و براز ہیں، تو اس موجب وضو کی طرف اشارہ کرنے کیلئے ان ابواب کو پہلے لایا گیا۔

مصنف ؒ نے آداب خلاء بیان کرنے کیلئے تقریباً پچیس باب منعقد فرمائے ہیں، اور ان میں آداب استنجاء کو بیان کیا ہے، ابن العربیؒ نے عارضۃ الأحوذي شرح ترمذی میں استنجاء کے تیس آداب ذکر فرمائے ہیں، سبحان اللہ! ہماری شریعت محمدیہ کتنی جامع شریعت ہے کہ اس میں استنجاء جیسی معمولی چیز کیلئے اس قدر آداب ہیں، اللّٰھم اجعلنا متأدبین بآداب الشریعۃ علی صاحبھا افضل الصلوۃ والتحیۃ۔

یہاں پر مصنف نے سب سے پہلے جو ادب بیان کیا ہے وہ تخلی ہے یعنی استنجاء کے لئے خلوت وتنہائی اختیار کرنا، زمانہ جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ بلا تکلف ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر قضاء حاجت کرتے تھے اور آپس میں باتیں بھی کرتے رہتے تھے، جیسا کہ یہ مضمون پانچ چھ باب بعد ایک حدیث میں آرہا ہے، اسلامی تعلیمات نے آکر اس کو ختم کیا۔

نیز جاننا چاہئے کہ اسی سلسلہ کا ایک اور باب کتاب میں آگے آرہا ہے بَابُ الاسْتِتَارِ فِي الْخَلاءِ یہ دو ادب الگ الگ مستقل ہیں، تخلی مستقل ادب ہے اور تستر مستقل ادب ہے، تخلی حاصل ہوگی انتقال مکانی اور تباعد عن الناس سے کہ آبادی سے دور ہٹا جائے، اور استتار کیلئے ابعاد ضروری نہیں ہے بلکہ اسکا تعلق آبادی سے بھی ہے، چنانچہ استنجاء کیلئے آباد جگہ کے علاوہ کوئی خالی مکان نہ ہو تو اسی جگہ پردہ قائم کرنا ہوگا، اسی لئے ہم نے کہا کہ یہ دو ادب الگ الگ مستقل ہیں۔

١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا ذَهَبَ الْمَذْهَبَ أَبْعَدَ».

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب خاص جگہ (قضائے حاجت کیلئے) تشریف لے جاتے تو لوگوں کی نگاہوں سے دور تشریف لے جاتے۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٢٠) سنن النسائي - الطهارة (١٧) سنن أبي داود - الطهارة (١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٣١) سنن الدارمي - الطهارة (٦٦٠)

شرح الحدیث: اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں بیان فرمائی ہیں ایک حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی دوسری حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی، دونوں کا مضمون ایک ہی ہے، البتہ دوسری حدیث میں تھوڑی سی زیادتی ہے جو معلوم ہو جائے گی۔

قوله: كَانَ إِذَا ذَهَبَ الْمَذْهَبَ أَبْعَدَ: یعنی آپ ﷺ جب قضاء حاجت کیلئے جاتے تو دوری اختیار فرماتے یعنی آبادی اور لوگوں سے، اب یہ کہ آپ ﷺ کتنی دوری اختیار فرماتے، اس حدیث میں مذکور نہیں ہے، اس سے اگلی حدیث میں مقدار بعد کو بیان کیا گیا ہے اور اس میں ہے حَتَّى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ کہ اتنی دوری اختیار فرماتے کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں

اور استنجاء کے وقت کسی کی نظر نہ پڑے، معارف السنن [1] میں جمع الفوائد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ طبرانی [2] کی ایک روایت میں اس بعد کی مقدار میلین کیساتھ بیان کی ہے یعنی دو میل کے قریب۔

اب یہ کہ اس ابعاد کی حکمت کیا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ گو تستر یعنی لوگوں سے پردہ اور تنہائی آبادی میں بھی حاصل ہو سکتی ہے، لیکن دور جانے میں یہ فائدہ ہے کہ اطمینان سے اور کھل کر فارغ ہو سکے گا، اگر قریب میں لوگ ہوں گے تو اخراج ریح میں تامل ہو گا اور حیا آئے گی، نیز آبادی والوں کی بھی اس میں مصلحت ہے، گندگی ان سے دور رہے گی، گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات رائحہ کریہہ سے محفوظ تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بات منقول ہے کہ آپ کا فضلہ زمین پر پڑا ہوا نہیں دیکھا گیا، زمین اس کو نگل لیتی تھی۔

قولہ: أَبْعَدَ: یہ فعل متعدی ہے جس کو مفعول کی احتیاج ہے جو یہاں مذکور نہیں ہے تقدیر عبارت یہ ہو سکتی ہے ابعد نفسہ عن الناس اور بعض شراح نے لکھا ہے کہ أَبْعَدَ یہاں پر فعل لازم کی جگہ استعمال کیا گیا ہے اى بعد عن الناس اور فعل متعدی کو لازم کی جگہ بعض مرتبہ مبالغۃ استعمال کیا جاتا ہے، جیسے زید یعطی یعنی زید خوب بخشش کرتا ہے، ایسے ہی یہاں پر مبالغہ مقصود ہے اور ترجمہ یہ ہو گا کہ دوری اختیار فرماتے تھے۔

قولہ: الْمَذْهَبَ: میں دو احتمال ہیں یا مصدر میمی ہے یا ظرف مکان ہے، اور الف لام بہر حال عہد خارجی ہے، یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاتے مخصوص جانا اور مخصوص جانے سے مراد قضاء حاجت کیلئے جانا ہے، اور دوسری صورت میں ترجمہ ہو گا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاتے جانے کی جگہ جس سے مراد بیت الخلاء ہے، شراح نے لکھا ہے کہ لفظ مذہب عرفاً بیت الخلاء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسی طرح لفظ خلاء، مرفق، مرحاض اور کنیف ہے سب کے ایک ہی معنی ہیں۔

اس حدیث سے مصنف نے ترجمۃ الباب یعنی تخلی کو ثابت کیا ہے، اس حدیث میں گو لفظ تخلی موجود نہیں ہے لیکن یہ معنی مصنف نے أَبْعَدَ سے نکالے ہیں کہ دوری اختیار کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود خلوت حاصل کرنا تھا، حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب سے کبھی تو صریح یعنی لفظاً و معنیً ہوتی ہے اور کبھی مناسبت صرف معنیً ہوتی ہے یعنی بطریق استنباط، تو یہاں پر ایسا ہی ہے اور اگر مصنف یہاں پر بجائے تخلی کے 'باب الابعاد' یا 'باب التباعد عند الحاجۃ' قائم فرماتے، جیسا کہ بعض مصنفین امام نسائی و ابن ماجہ نے کیا ہے تو مطابقت لفظاً و معنیً ہر طرح ہو جاتی، لیکن اس صورت میں ترجمۃ الباب میں کوئی دقت اور باریکی نہ ہوتی، اب ایک استنباط کی شان پیدا ہو گئی ہے، امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر یہ ترجمہ قائم کیا ہے بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ أَبْعَدَ فِي الْمَذْهَبِ یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے، اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی باریکی نہیں

[1] معارف السنن شرح جامع الترمذي - ج ۱ ص ۱۳٤

[2] عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْهَبُ لِحَاجَتِهِ إِلَى الْمُغَمَّسِ» قَالَ نَافِعٌ: «نَحْوُ مِيلَيْنِ مِنْ مَكَّةَ» (المعجم الأوسط ٤٩٠٣)

ہے سادگی ہے، صحاح ستہ میں سب سے زیادہ آسان اور سیدھے سادھے تراجم جامع ترمذی کے ہیں۔

صحاح ستہ کے تراجم کا باہمی فرق ومرتبہ: مولانا انور شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں، جیسا کہ عرف الشذی میں ہے کہ صحاح ستہ میں سب سے اعلیٰ تراجم تو صحیح بخاری کے ہیں وہ اس معاملہ میں سباق الغایات ہیں، اور بخاری کے بعض تراجم اس قدر باریک اور دقیق ہیں کہ محیر العقول واقع ہوئے ہیں، شراح بخاری کو تراجم بخاری حل کرنے کیلئے مستقل اصول مرتب کرنے پڑے، چنانچہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے مقدمہ لامع میں تقریباً ستر ۷۰ اصول بیان فرمائے ہیں، غرضیکہ بخاری کے تراجم سب سے اعلیٰ ہیں، اور اس کی بہن یعنی صحیح مسلم، اس کا حال یہ ہے کہ تراجم ندارد، نہ ایسے نہ ویسے، گو کتاب فی الواقع مضمون کے لحاظ سے مبوب و مرتب ہے، لیکن عناوین اور تراجم ابواب انہوں نے از خود قائم نہیں کئے بعد میں شراح کو قائم کرنے پڑے، اور اس کے بعد درجہ ہے نسائی کے تراجم کا، ان کے تراجم بھی کافی دقیق اور وزنی ہیں کبھی تو انکا ترجمہ بخاری کے ترجمہ سے بالکل ہی مل جاتا ہے، غرضیکہ اس کے تراجم کا حل کرنا بھی کافی محنت طلب ہے، اور اسکے بعد پھر درجہ ہے سنن ابوداؤد کے تراجم کا، اور اسکے بعد پھر درجہ ہے ترمذی کے تراجم کا، عرف الشذی میں اتنا ہی لکھا ہے اور میں کہتا ہوں کہ سنن ابن ماجہ کے تراجم بھی بہت صاف اور واضح ہیں۔

۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ، حَتَّى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ».

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کھلی جگہ جانے کا ارادہ فرماتے (قضائے حاجت کیلئے تشریف لے جانا چاہتے) تو صحراء میں اتنے دور تک چلے جاتے کہ جہاں آپ ﷺ کو کوئی نہ دیکھتا۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۲) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۳۳۵) سنن الدارمي - المقدمة (۱۷)

شرح الحدیث: براز با کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ آتا ہے، اسکے معنی وسیع اور کھلے میدان کے ہیں، ابن الاثیر الجزری کہتے ہیں کہ اصلی معنی تو اسکے یہ ہیں، لیکن پھر بعد میں قضاء حاجت سے کنایہ ہوگیا ہے، اس لئے کہ لوگ ایسے میدان میں قضاء حاجت کرتے ہیں جس طرح کہ خلاء دراصل مکان خالی کو کہتے ہیں، اور پھر اسکو مجازاً محل قضاء حاجت میں استعمال کرنے لگے، اس مناسبت سے کہ لوگ قضاء حاجت خالی جگہ کرتے ہیں، یہ جو ہم نے کہا کہ براز میں دونوں حرکت فتحہ اور کسرہ جائز ہے یہ جوہری اور صاحب قاموس کی رائے ہے، لیکن خطابی مشہور شارح حدیث نے یہاں پر کسرہ کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ براز بالکسر تو باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے معنی مبارزت یعنی لڑائی میں مقابلہ کے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے جوہری نے لکھا ہے کہ براز بالکسر کے دونوں معنی آتے ہیں مبارزت و مقابلہ اور غائط یعنی انسان کے بدن سے جو فضلہ نکلتا ہے، لہٰذا براز مشترک ہوا دونوں معنی ہیں۔

دفع تعارض بين الروايات الواردة في الباب: حدیث الباب میں آپ ﷺ کی جو عادت شریفہ بیان کی گئی ہے اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی بیت حفصہ والی روایت جو بَابُ الرُّخْصَةِ فِي اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ میں آرہی ہے وہ اسکے خلاف ہے اس سے آپ ﷺ کا مکان کے اندر قضاء حاجت کرنا ثابت ہو رہا ہے، حضرت نے بذل میں اس کی دو توجیہیں لکھی ہیں یا تو یہ کہا جائے آپ ﷺ کی عادت دور جانے کی بناء الکنف فی البیوت سے پہلے کی ہے، یعنی جب گھروں میں بیت الخلاء نہیں ہوتے تھے پھر بعد میں جب گھروں میں بیوت الخلاء بننے شروع ہو گئے تو آپ ﷺ نے اس ابعاد کو ترک فرمادیا، اور یا یہ کہا جائے کہ یہ عادت شریفہ جو اس حدیث میں مذکور ہے اس کا تعلق سفر سے ہے، یعنی سفر میں جہاں منزل اور پڑاؤ ہوتا تھا اس وقت قریب میں استنجاء نہ فرماتے تھے بلکہ فاصلے پر جا کر استنجاء فرماتے تھے، حضر میں یہ عادت نہ تھی۔

یہاں پر ایک سوال ہے وہ یہ کہ مصنفؒ کی غرض جمع روایات و تکثیر روایات نہیں ہے بلکہ وہ ترجمۃ الباب کو ثابت کرنے کیلئے ایک ہی حدیث کے ذکر کرنے کو کافی سمجھتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے اپنی اس عادت کی تصریح اس رسالہ میں کی ہے جو اہل مکہ کے نام ہے، جس کا ذکر مقدمۃ الکتاب میں آچکا ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اگر میں کسی باب میں ایک سے زائد حدیث لاؤں گا تو کسی کلمہ یا کلام کی زیادتی کی وجہ سے ہوگا، چنانچہ یہاں پر حدیث ثانی میں ایک زیادتی ہے، یعنی مقدار ابعاد جو حدیث اول میں نہ تھی، اس لئے دوسری حدیث لائے، لیکن یہاں پر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اگر مصنف ایک باب میں بلا ضرورت وفائدہ کے ایک سے زائد حدیث لانا نہیں چاہتے تو اسکی ایک شکل یہ تھی کہ صرف حدیث ثانی کو ذکر فرمادیتے جس میں زیادتی فائدہ ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ دراصل حدیث ثانی حدیث اول کے اعتبار سے ضعیف ہے اسلئے مصنفؒ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ قوی کو چھوڑ کر ضعیف پر اکتفاء کیا جائے، اسلئے اصالۃً تو بوجہ قوت کے حدیث اول کو ذکر کیا، اور حدیث ثانی جس میں ضعف تھا تائید اور شاہد کے درجہ میں لے آئے اور شواہد میں ضعیف حدیثیں بھی چل جاتی ہیں، ضعف کی وجہ آگے معلوم ہو جائے گی۔

سند سے متعلق بعض امور واصطلاحات: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: جاننا چاہئے کہ گذشتہ سال آپ نے مشکوٰۃ شریف میں صرف متون احادیث کو پڑھا ہے، مشکوٰۃ شریف اسانید سے خالی ہے انہوں نے صرف متون احادیث کو لیا ہے اسانید کو حذف کر دیا ہے اسی لئے مشکوٰۃ کا شمار تعالیق میں کیا جاتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ کتب حدیث مختلف الانواع ہیں، ہر نوع کا نام الگ الگ ہے، بہر حال یہاں دورہ کی کتابوں میں متون احادیث کو اسانید کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تو یہاں پر ایک مستقل کام بڑھ گیا یعنی اسانید کا سمجھنا اور ان کی اصطلاحات وغیرہ جاننا اور یہ کہ انکے پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

سو یہاں پر حَدَّثَنَا کے قائل امام ابوداؤد ہیں اور اسکے ناقل امام ابوداؤد کے شاگرد ابو علی لؤلؤی ہیں، اور عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ مصنفؒ کے استاذ ہیں، ابتداء سند میں حَدَّثَنَا اور أَخْبَرَنَا پورا لکھا جاتا ہے، اور اثناء سند میں اختصار کر کے حَدَّثَنَا کو ثَنَا یا نَا لکھتے ہیں

اور أخبرنا کو أنا لکھتے ہیں، نیز درمیان میں ثنا سے پہلے قال بھی محذوف ہوتا ہے، جو لکھنے میں نہیں آتا ہے، لیکن پڑھنا ضروری ہے، لہذا اس سند کو اس طرح پڑھیں گے "حدثنا عبد الله بن مسلمة قال حدثنا عبد العزيز، نیز ہر سند کو وبہ قال سے شروع کیا جائے جو مخفف ہے "وبالسند المتصل منا الى المصنف"، کا اس اضافہ کی ضرورت اس لئے ہے تا کہ ہر حدیث کی سند مکمل ہو جائے، کیونکہ کتاب میں تو سند صرف مصنف سے شروع ہو رہی ہے، اب سند کے شروع کا حصہ یعنی ہم سے لیکر مصنف تک ملانے کی ضرورت ہے تو اس عبارت سے سند کے اس حصہ غیر مذکورہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے اور ہر استاذ و مدرس اپنی سند شروع سے لیکر مصنف کتاب تک پہلے روز سبق میں بیان کر ہی دیتا ہے اور ہماری اور آپکی سند ہر حدیث میں مصنف کتاب تک ایک ہی ہے، اس لئے ہر حدیث کے شروع میں مصنف کی سند سے پہلے وبہ قال پڑھنا تکمیل سند کیلئے کافی ہے، اور اگر کوئی شروع سند میں اس جملہ کو نہ بھی پڑھے تو کم از کم ذہن میں تو یہ بات ہونی ہی چاہیے۔

لفظ ابن کے لکھنے اور پڑھنے کے قواعد: نیز جاننا چاہئے کہ لفظ ابن ماقبل کی صفت اور اپنے مابعد کی طرف مضاف ہوتا ہے، اور چونکہ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے تو جو اعراب ابن سے پہلے والے اسم کا ہوگا وہی اعراب لفظ ابن کا ہوگا، جیسے یہاں عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ میں ابن عبد اللہ کی صفت ہے، اور عبد اللہ فاعل ہونیکی بناء پر مرفوع ہے، اسی طرح ابن بھی مرفوع ہوگا، اور مسلمہ ابن کا مضاف الیہ ہے اور سب ہی جگہ ابن کا مابعد مضاف الیہ ہوتا ہے، لہذا اس پر مضاف الیہ والا اعراب پڑھا جائیگا۔

نیز ابن کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر وہ علمین متناسلین کے درمیان واقع ہو اور اس سے پہلا اسم منون ہو تو اسکی تنوین ساقط ہو جاتی ہے، جیسے مسدد بن مسرهد میں مسدد منون تھا لیکن ابن کی وجہ سے تنوین ساقط ہو جائیگی، اس کو مسدد بن مسرهد پڑھیں گے اور اسی طرح ابن کا الف کتابت سے حذف کر دیا جاتا ہے، الا یہ کہ شروع سطر میں واقع ہو اور اگر علمین متناسلین کے درمیان واقع نہ ہو تو وہاں ابن کا الف لکھا جاتا ہے اور ابن سے ماقبل جو تنوین ساقط ہوتی ہے وہ بھی ساقط نہ ہوگی بلکہ پڑھی جائے گی جیسے "حدثنا عبد الله بن مالك ابن بحينة" یہاں پر دوسرا ابن علمین متناسلین کے درمیان واقع نہیں ہو رہا ہے اس لئے کہ مالک عبد اللہ کے والد ہیں اور بحینہ عبد اللہ کی والدہ ہیں یعنی مالک کی زوجہ تو مالک اور بحینہ آپس میں متناسلین نہیں ہیں بلکہ زوجین ہیں، اور ابن بحینہ میں لفظ ابن ماقبل یعنی مالک کی صفت نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جو اسم ہے یعنی عبد اللہ کی صفت ہے، گویا عبد اللہ کی دو صفتیں ہوئیں ایک یہ کہ وہ ابن مالک ہیں، دوسرے یہ کہ ابن بحینہ ہیں، یہاں پر مالک کے بعد ابن کا الف لکھا جائے گا گو پڑھا نہیں جائے گا، نیز مالک سے تنوین بھی ساقط نہیں ہوگی، یہ لفظ ابن کے لکھنے اور پڑھنے کا قواعد ہیں جن کا جاننا ایک طالب حدیث کے لئے لابدی ہے ورنہ ہمیشہ پڑھنے اور لکھنے میں خطا کھائے گا، لہذا خوب سمجھ لینا چاہئے۔

عبارت حدیث کا صحیح پڑھنا انتہائی ضروری ہے مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ[1] کے ذیل میں اصمعی لکھتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی بناء پر اس طالب علم کی طرف سے بڑا خطرہ اور خوف رہتا ہے جو عبارت حدیث کو قواعد کے خلاف پڑھے اسلئے کہ حضور ﷺ نے تو قواعد کے مطابق تلفظ فرمایا تھا، اور وہ اسکے خلاف پڑھ کر آپ ﷺ کی طرف منسوب کر رہا ہے۔

تحدیث واخبار وغیرہ الفاظ میں فرق کی بحث: اب یہاں سند حدیث کی ایک خاص اصطلاح کا جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ حَدَّثَنَا اور أَخْبَرَنَا میں کیا فرق ہے؟ اسلئے کہ کبھی یہ آتا ہے اور کبھی وہ، جواب یہ ہے کہ اخبار وتحدیث کے درمیان لغۃً تو کوئی فرق نہیں ہے، محدثین کی اصطلاح میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اس میں محدثین کی دو جماعتیں ہیں، متقدمین اور متاخرین، متقدمین اور اکثر علماء ان دونوں کے درمیان فرق کے قائل نہیں ہیں، بلکہ یوں کہتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں، بعض اصحاب درس نے ائمہ اربعہ کا یہی مسلک لکھا ہے یعنی عدم الفرق اور متاخرین ان دونوں کا مفہوم جدا جدا بیان کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حَدَّثَنَا تو اس وقت کہا جائے گا جب استاذ نے پڑھا ہو اور شاگرد نے سنا ہو اور اگر اس کا برعکس ہو کہ شاگرد پڑھے اور استاذ بغور سنے تو اس کے لئے لفظ أَخْبَرَنَا استعمال ہوتا ہے تو متاخرین کے یہاں دونوں کا مفہوم مختلف ہوا۔

امام بخاریؒ کا شمار بھی متقدمین میں ہے، اسی طرح امام زہریؒ اور امام مالکؒ، امام بخاریؒ نے تو اسی مقصد کیلئے "کتاب العلم" میں ایک باب قائم کیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور وہ باب ہے باب قَوْلِ الْمُحَدِّثِ: حَدَّثَنَا وَأَخْبَرَنَا وَأَنْبَأَنَا اور متاخرین جو ان الفاظ میں فرق کے قائل ہیں ان میں امام مسلمؒ وامام نسائیؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں جیسا کہ شراح نے لکھا ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہی حال ہمارے امام ابو داؤد کا ہے وہ بھی محض اخبار وتحدیث کے فرق کی وجہ سے بعض مرتبہ حاء تحویل لاتے ہیں۔

اور تیسرا قول یہاں پر وہ ہے جس کو بعض کہتے ہیں کہ سماع من لفظ الشیخ میں تو مطلق اخبرنا وحدثنا استعمال کرنا چاہئے اور اگر تلمیذ قراءت کرے تو اس وقت "أخبرنا قراءة عليه اور حدثنا قراءة عليه" کہنا چاہئے، حاصل یہ کہ مطلق اخبار وتحدیث تو سماع من لفظ الشیخ کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور اگر شاگرد استاذ پر قراءت کرے تو وہاں اخبرنا وحدثنا کیساتھ قراءۃ علیہ کا اضافہ کیا جائے گا، ایک قول یہاں پر یہ ہے کہ بعض محدثین (قیل ومنهم الإمام النسائی) اخبار ہو یا تحدیث بوقت روایت اسکا استعمال اسوقت صحیح ہے جبکہ شیخ نے اسماع کا قصد بھی کیا ہو لہذا اگر کوئی طالب کسی محدث کی مجلس میں تبعاً شریک ہو جائے، اور اس شیخ نے اس طالب کو اسماع کا قصد نہ کیا ہو تو پھر ایسی صورت میں اس طالب کو حدثنا یا اخبرنا کہنے کا حق نہیں ہے، کما فعل ابوداؤد قرئ على الحارث بن مسكين وانا شاهد، وكذا الامام النسائي، والبسط في الفيض السمائي۔

---

[1] صحيح مسلم - مقدمة الإمام مسلم ٣

ایک اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ سماع من لفظ الشیخ جس کو متاخرین تحدیث کہتے ہیں اور قراءۃ علی الشیخ جس کو اخبار کہتے ہیں، دونوں میں مرتبہ کے اعتبار سے کون افضل ہے؟ سو اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ تحدیث اخبار سے افضل ہے اور امام اعظمؒ وغیرہ بعض فقہاء کا مذہب اسکے برعکس ہے یعنی اخبار والی ہے تحدیث سے، اور تیسرا قول یہاں پر یہ ہے کہ یہ دونوں مرتبے میں مساوی ہیں، اور یہی قول امام بخاریؒ کا بتایا جاتا ہے۔

تحمل حدیث کے طرق: جاننا چاہئے کہ حَدَّثَنَا أَخْبَرَنَا أَنْبَأَنَا کے علاوہ اور بھی الفاظ آتے ہیں، ان سب کو جاننے کیلئے اسکی ضرورت ہے کہ یہ معلوم ہو کہ تحمل حدیث کے کتنے طرق ہیں اس لئے کہ ہر طریق تحمل کیلئے طریق [1] تعبیر الگ ہے، سو دو کا بیان تو آچکا ہے، ① سماع من لفظ الشیخ، ② قراءۃ علی الشیخ، ③ تیسرا طریق ہے ''الإجازۃ من الشیخ مشافھۃً'' یعنی باقاعدہ پڑھنا تو کسی کی جانب سے نہ پایا جائے نہ استاذ کی جانب سے نہ شاگرد کی جانب سے، بس صرف کوئی شیخ کسی طالب حدیث کو بالمشافہہ روایت حدیث کی اجازت دیدے اس کے لئے بوقت روایت لفظ انبأنا استعمال ہوتا ہے۔

④ چوتھا طریق "المناولة" ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ شیخ کسی طالب کو اپنی اصل سماع یعنی وہ کتاب جس میں اسکی مسموعات (روایات) لکھی ہوئی ہیں بعینہ وہ یا اسکی نقل دیدے روایت کی اجازت کیساتھ کہ میری طرف سے تم کو اسکی روایت کرنیکی اجازت ہے یا بغیر اجازت کے، اور اس صورت میں بوقت روایت کہا جائے گا "حدثنی فلان مناولةً یا ناولنی فلان"۔

⑤ پانچواں طریق تحمل الکتابة والمکاتبة [2] ہے یعنی شیخ کسی طالب کو کوئی حدیث خود لکھ کر یا کسی سے لکھوا کر دے جسکو دی جارہی ہے خواہ وہ حاضر ہو کہ لکھ کر اسکے حوالہ کردے یا غائب ہو کہ لکھ کر اسکے پاس بھیج دے۔ اسکی پھر دو قسمیں ہیں، کتابة مجردة اور دوسری مقرونة بالاجازة، ⑥ چھٹا طریق تحمل وہ ہے جسکو اصطلاح میں الوجادة کہتے ہیں، وجادہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی طالب حدیث کو کسی محدث کی کوئی کتاب جس میں حدیثیں لکھی ہوئی ہوں کسی طرح حاصل ہو جائے اسکے لئے طریق تعبیر وجدت فی کتاب فلان یا فی اصل فلان ہے۔

فائدہ: یہ معلوم ہو ہی چکا کہ یہ تعبیرات کا فرق متاخرین کے یہاں ہے اور متقدمین کے یہاں طرق تحمل تو یہی ہیں جن کا بیان اوپر آیا لیکن ان کے یہاں طریق تعبیر ہر ایک کا مختلف اور جدا نہیں ہے۔

شرح السند: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ: یہ عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کے ساتھ مشہور ہیں، دراورد، خراسان میں ایک قریہ ہے، یہ راوی متکلم فیہ، سیئ الحفظ ہے، بخاری کے رواۃ میں سے ہیں لیکن امام بخاریؒ نے ان کی روایت کو

---

[1] یعنی بوقت روایت اس لئے کہ روایت حدیث تحمل حدیث کے بعد ہی ہوتا ہے اور تحمل کے طرق چونکہ مختلف ہیں اس لئے اسی کے لحاظ سے روایت میں الفاظ لائے جاتے ہیں کبھی حدثنا اور کبھی اخبرنا وغیرہ۔

[2] اس پر دوسرے باب میں مزید کلام آرہا ہے۔

منفرد نہیں لیا ہے بلکہ مقروناً بغیرہ لیا ہے۔

یہاں پر یہ چیز سمجھنے کے لائق ہے کہ یَعْنِي کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ حضرات محدثین کی غایت احتیاط ہے کہ راوی نے اپنے استاذ سے جتنا لفظ سنا تھا اسکی طرف سے صرف اتنا ہی نقل کیا اور جو چیز اسکے نزدیک محتاج وضاحت تھی، اپنی طرف سے اس نے اس وضاحت کو جدا کر کے بیان کیا تاکہ شاگرد اور استاذ کے الفاظ مخلوط نہ ہوں، حاصل یہ کہ عبداللہ بن مسلمہ نے اپنے استاذ عبدالعزیز کا نام بغیر نسب کے بیان کیا تھا، ان کی ولدیت نہیں بیان کی تھی تو اب مصنفؒ اپنی طرف سے یہ وضاحت کر رہے ہیں کہ میرے استاذ عبداللہ بن مسلمہ کی مراد عبدالعزیز سے عبدالعزیز بن محمد ہے، یَعْنِي کے لغوی معنی مراد ہیں کے ہیں اس میں جو ضمیر فاعل ہے وہ عبداللہ بن مسلمہ کی طرف راجع ہے اور اس یَعْنِي کے قائل مصنفؒ ہیں، مصنف کہہ رہے ہیں عبداللہ بن مسلمہ مراد لیتے ہیں عبدالعزیز سے عبدالعزیز بن محمد۔

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: یہ ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف ہیں، جن کا فقہاء[1] سبعہ میں شمار ہے ان کے نام میں اختلاف ہے، بعضوں نے کہا ابو سلمہ ہی نام ہے، بعض مرتبہ کنیت ہی نام ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کا نام عبداللہ ہے، وقیل اسماعیل: حضرت شیخؒ نے لکھا ہے کہ شیخ سراج احمد سرہندی شارح ترمذی کو وہم ہوا، ان سے اس راوی کی تعیین میں غلطی ہو گئی، انہوں نے لکھا ہے کہ اس سے مراد منصور بن سلمہ ہیں یہ غلط ہے اس لئے کہ منصور بن سلمہ طبقہ عاشرہ میں سے ہیں ان کی صحابی سے تو کیا تابعی سے بھی ملاقات نہیں ہے، پھر یہاں صحابی سے کیسے روایت کر رہے ہیں، دوسرے یہ کہ منصور بن سلمہ سنن ابو داؤد کے رواۃ میں سے نہیں ہے۔

قوله: مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ: یہ اونچے درجہ کے محدث ہیں، امام ابو داؤد ان سے اس سنن میں بہت کثرت سے روایت کرتے ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ بصرہ میں سب سے پہلے مسند جو حدیث کی ایک خاص نوع کی کتاب ہے انہوں نے ہی تصنیف فرمائی، ان کا سلسلۂ نسب بھی بہت عجیب و غریب سا ہے جو بذل[2] میں مذکور ہے اور ان اسماء کی ایک خاصیت بھی لکھی ہے کہ اگر ان ناموں کو کسی کاغذ پر لکھ کر تعویذ کے طور پر محموم یعنی بخار زدہ کے گلے میں ڈالدیا جائے تو بہترین عمل ہے، بخار اتر جاتا ہے، ہمارے استاذ محترم ناظم صاحب (حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب) نور اللہ مرقدہٗ بڑے ادیب اور ظریف الطبع تھے، وہ سبق میں فرماتے تھے "مسدد کاسمہ مسدد" یعنی مسدد واقعی اسم بامسمی ہیں دراصل مسدد کے معنی مصلح اور اصلاح

---

[1] یعنی سعید بن المسیب، قاسم بن محمد بن أبي بكر، عروة بن الزبير، خارجة بن زيد بن ثابت، ابو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف، عبيد الله بن عبد الله بن عتبة ابن مسعود، سليمان بن يسار ۱۲ (تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي - معرفة التابعين ج ۲ ص ۸ • ۷) وقيل سالم بن عبد الله بن عمر بدل أبي سلمة بن عبد الرحمن، بوف (معارف السنن ج ۱ ص ۱۳۵)

[2] بذل المجهود في حل أبي داود ج ۱ ص ۳ - ٤ (دار الكتب العلمية)

کردہ کے ہیں اسلئے ایسا فرمایا۔

قولہ: عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ: ان کا نام محمد بن مسلم بن تدرس المکی ہے، ان کا شمار مدلسین میں ہے اور یہاں وہ بطور عنعنہ روایت کر رہے ہیں اس لئے اس روایت میں ضعف ہے، ضعف کی ایک اور بھی وجہ ہے کہ اس کی سند میں اسماعیل بن عبد الملک راوی کثیر الوہم ہے اسی لئے یہ حدیث سنداً حدیث اول سے کمزور ہے، امام ابو داؤد نے اگرچہ اس روایت پر سکوت فرمایا ہے لیکن حافظ منذریؒ نے اسماعیل بن عبد الملک کی بناء پر نقد فرمایا ہے، اور 'ماسکت علیہ ابو داؤد' ایک مستقل علمی بحث ہے، جو مقدمہ میں گزر چکی ہے، الحمد للہ! باب اول پر کلام پورا ہوا، اس باب میں بہت سی اہم مفید اور ضروری اصطلاحات اور ابتدائی بحثیں آئی ہیں یہ سب چیزیں قابل حفظ ہیں۔

۲۔ بَابُ الرَّجُلِ يَتَبَوَّأُ لِبَوْلِهِ

جو شخص اپنے پیشاب کرنے کیلئے نرم جگہ کو اختیار کرے

یہ آداب استنجاء کے سلسلہ کا دوسرا باب آیا ہے جس کا تعلق بول سے ہے اور پہلے باب کا تعلق براز سے تھا جیسا کہ تقابل کا تقاضا ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ پہلے باب میں جو ادب مذکور ہے یعنی تخلی وہ عام اور مشترک ہے اس کا تعلق بول و براز دونوں سے ہے اور اس باب سے مقصود ایک دوسرا ادب بیان کرنا ہے، یعنی نرم زمین اختیار کرنا، اس کا تعلق خاص بول سے ہے، پہلا ادب مشترک تھا اور یہ دوسرا ادب مختص بالبول ہے يَتَبَوَّأُ بمعنی ٹھکانا اور جگہ حاصل کرنا، اسی سے مباءة بھی ہے جس کے معنی منزل کے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ پیشاب کے لئے آدمی کو مناسب جگہ اختیار کرنی چاہئے، چنانچہ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ پیشاب مکان دمث یعنی رخوہ اور نرم زمین میں کرنا چاہئے تاکہ رَشَاشُ الْبَوْلِ سے حفاظت رہے۔

اب یہاں ایک مسئلہ کی بات پیدا ہوئی وہ یہ کہ رَشَاشُ الْبَوْلِ کا حکم کیا ہے؟ سو ابن ارسلانؒ شارح ابو داؤد نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کا مذہب عدم العفو ہے بدن ہو یا ثوب لیکن امام نوویؒ نے عفو کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے، حرج کی وجہ سے، اور ہمارا مذہب در مختار میں لکھا ہے کہ رَشَاشُ الْبَوْلِ اگر بدن یا کپڑے پر پڑ جائیں تو معاف ہے، لیکن اگر پانی میں مل جائیں تو معاف نہیں ہے، ماء قلیل ناپاک ہو جائے گا وہ کہتے ہیں لأنَّ طَهَارَةَ الماءِ آكدُ (جوهرة)[1] یعنی پانی کی طہارت کا مسئلہ زیادہ اہم ہے جس کی وجہ ظاہر ہے کی پانی کی نجاست اس کے سیال ہونے کی وجہ سے متعدی ہے بخلاف ثوب اور بدن کے۔

۳ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا أَبُو التَّيَّاحِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شَيْخٌ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ الْبَصْرَةَ، فَكَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي مُوسَى، فَكَتَبَ عَبْدُ اللهِ إِلَى أَبِي مُوسَى يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَبُو مُوسَى: إِنِّي كُنْتُ مَعَ

[1] رد المحتار على الدر المختار – ج ۱ ص ۳۷۹

رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يَبُولَ، فَأَتَى دَمِثًا فِي أَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ، ثُمَّ قَالَ: صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَبُولَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهِ مَوْضِعًا».

ترجمہ ابو التیاح کہتے ہیں مجھے ایک شیخ نے بیان کیا وہ شیخ کہتے ہیں جب عبد اللہ بن عباسؓ بصرہ تشریف لائے تو اہل بصرہ عبد اللہ بن عباسؓ کو وہاں بصرہ پہنچنے کے بعد حضرت ابو موسی اشعریؓ کے واسطہ سے احادیث بیان کرتے تھے تو عبد اللہ بن عباسؓ نے ابو موسی اشعریؓ کو خط لکھا ان سے ان بعض احادیث کے متعلق پوچھا جو احادیث اہل بصرہ، حضرت ابو موسیؓ سے بیان کر رہے تھے تو ابو موسی اشعریؓ نے عبد اللہ بن عباسؓ کو اس کے جواب میں لکھا کہ ایک دن میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ نے پیشاب فرمانے کا ارادہ فرمایا تو نرم زمین کا انتخاب فرمایا جو کسی دیوار کے کونے میں واقع تھی، پس وہاں جا کر آپ ﷺ نے پیشاب فرمایا پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کا پیشاب کرنے کا ارادہ ہو تو اس کو چاہیے کہ کسی نرم زمین کو تلاش کر لے (تاکہ پیشاب کے چھینٹے اس کی طرف لوٹ کر نہ آئیں)۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (٣) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/٣٩٦)

شرح الحدیث حدیث الباب جس کا مضمون ابھی اوپر گزرا، کے راوی ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں اور یہ حدیث انہوں نے عبد اللہ بن عباسؓ کی خدمت میں ان کے استفسار پر بصرہ بھیجی جہاں ابن عباسؓ مقیم تھے، استفسار کی صورت حال یہ ہوئی کہ ابن عباسؓ بصرہ میں حضرت علیؓ کی جانب سے والی بنا کر بھیجے گئے تھے انہوں نے وہاں پہنچنے کے بعد اہل بصرہ سے وہ حدیثیں سنیں جن کو اہل بصرہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے سن کر روایت کرتے تھے تو ابن عباسؓ نے بعض ان احادیث کے بارے میں جو انہوں نے اہل بصرہ سے سنی تھیں ابو موسیٰؓ کی طرف مراجعت کی چنانچہ اس کے جواب میں ابو موسیٰؓ نے ابن عباسؓ کی طرف حدیث الباب لکھ کر بھیجی۔

مزید توضیح کیلئے جاننا چاہیے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے پہلے بصرہ میں خود ابو موسیٰ اشعریؓ کا قیام تھا، کیونکہ وہ اس وقت حضرت عمرؓ کی جانب سے وہاں کے عامل تھے، اہل بصرہ نے ابو موسیٰؓ سے جو حدیثیں سنی تھیں وہ بظاہر اسی زمانہ قیام کی تھیں۔

یہ تو ہوا حدیث الباب کا صحیح مفہوم، صحیح ہم نے اس لئے کہا کہ بعض شراح سے یہاں لغزش ہو گئی، اور وہ یہ کہ انہوں نے فَكَانَ يُحَدِّثُ کو بجائے صیغۂ مجہول کے صیغۂ معروف پڑھا، جس سے مضمون میں تغیر واقع ہو گیا، ایک بات یہاں پر رہ گئی کہ روایت کے جو الفاظ ہیں يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ کا استفسار چند احادیث سے متعلق تھا اور یہاں جواب میں صرف ایک ہی حدیث مذکور ہے، اب اس میں دو احتمال ہیں، یا تو ابو موسیٰؓ ہی کی جانب سے جواب میں ایک حدیث لکھ کر آئی اور یا یہ کہ یہاں روایت کرنے میں راوی نے اختصار کر دیا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قوله: فَأَتَى دَمِثًا : دَمِث کسر میم اور سکون میم دونوں کے ساتھ ہے لغةً رخوہ یعنی نرم زمین کو کہتے ہیں جس میں پانی جلدی سے

جذب ہو جاتا ہے، اس کو پیشاب کے لئے اسی لئے اختیار فرمایا، نیز دمث کا اطلاق مجازاً اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو نرم خو اور نرم مزاج ہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں وارد ہے: دمث لیس بالجافی ای کان لین الخلق [1]۔

قوله: فليرتد: اس کا مصدر ارتیاد ہے "ارتاد یرتاد ارتیادا" اور مجرد میں "راد یرود رودا و ریادا" آتا ہے جس کے معنی طلب کرنے کے ہیں۔

یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ پیشاب کے اندر تیزی اور شوریت ہوتی ہے جس سے دیوار کی بنیاد کو نقصان پہنچتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کی دیوار کی جڑ میں کیوں پیشاب کیا، ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے یہ بعید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کو نقصان پہنچے، اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں:

1. دیوار عادی تھی یعنی پرانی جو کسی کی ملک میں نہیں تھی، پھر کیا حرج ہے۔
2. ہو سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیوار سے ہٹ کر بیٹھے ہوں جہاں سے پیشاب دیوار کی جڑ تک نہ پہنچ سکے لیکن راوی نے قرب کی وجہ سے اس کو مجازاً فی أصل جدار سے تعبیر کر دیا۔
3. ہو سکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک کی رضامندی حاصل ہو، اذن مالک کے بعد کوئی اشکال ہی نہیں رہتا۔
4. وہ منہدم مکان کی ٹوٹی پھوٹی دیوار تھی جسے کھنڈر کہتے ہیں، پھر کیا نقصان ہے۔

الرواية بالكتابة: نیز اس حدیث سے اصول حدیث کا ایک مسئلہ ثابت ہو رہا ہے وہ یہ کہ روایۃ بالکتابۃ جائز ہے، یہ بات پہلے گذر چکی کہ تحمل حدیث کے طرق میں سے ایک طریق کتابت بھی ہے اصولیین نے لکھا ہے کہ روایۃ بالکتابۃ کی دو قسمیں ہیں، ایک مجردۃ یعنی صرف حدیث لکھ کر دیدیجائے، دوسری مقرونۃ بالاجازۃ، یعنی شیخ کسی طالب کو حدیث لکھ کر دے اور ساتھ میں روایت کی اجازت بھی دے، مثلاً یوں کہے "اجزتك ما كتبت لك" جمہور کے نزدیک کتابت کی دونوں قسمیں معتبر ہیں مجردہ ہو یا مقرونہ، بعض علماء جیسے قاضی ابو الحسن ماوردی شافعیؒ کتابت مجردہ کو معتبر نہیں سمجھتے، جمہور کے یہاں دونوں صورتیں معتبر ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ مکتوب الیہ کاتب کے خط کو پہچانتا ہو، اور بعض نے بینہ کی بھی شرط لگائی ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔

شرح السند: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ: یہ حماد بن سلمہ ہیں، سندوں میں دو حماد زیادہ مشہور ہیں، ایک حماد بن سلمہ دوسرے حماد بن زید، موسیٰ بن اسماعیل اکثر و بیشتر حماد بن سلمہ ہی سے روایت کرتے ہیں، حماد [2] بن زید سے ان کی روایات بہت کم ہیں، علامہ

---

[1] وَفِي صِفَتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَمِثٌ لَيْسَ بِالْجَافِي، أَرَادَ أَنَّهُ كَانَ لَيِّنَ الْخُلُقِ فِي سُهُولَةٍ (لسان العرب لابن منظور - ج ٤ ص ٤٠٠)

[2] موسیٰ بن اسماعیل کی حماد بن زید سے روایت اگر آپ دیکھنا چاہیں تو ابواب المواقیت میں باب من نام عن صلوۃ أو نسیها کی تیسری حدیث دیکھئے، اس میں ہے "حدثنا موسى بن اسماعيل نا حماد عن ثابت" یہ روایت ترمذی اور نسائی میں بھی موجود ہے اور وہاں حماد بن زید کی تصریح ہے۔

سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن اسماعیل جب مطلق حماد بولتے ہیں تو انکی مراد اس سے حماد بن سلمہ ہوتی ہے۔ ابو التیاح یہ کنیت ہے ان کا نام یزید بن حمید الضبعی ہے۔ شیخ: بڑے میاں یا استاذ دونوں مراد ہو سکتے ہیں، یہ راوی مجہول ہے، مسند احمد کی روایت میں لفظ شیخ کے بجائے رَجُلٌ أَسْوَدُ طَوِيلٌ [1] واقع ہے۔

عَنْ أَبِي مُوسَى: ان کا نام عبد اللہ بن قیس ہے۔

راوئ مجہول کی روایت کا حکم: یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ راویٔ مجہول کی روایت معتبر ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے مجہول کی دو قسمیں ہیں: ① مجہول العین، ② مجہول الحال، مجهول العين کہتے ہیں "مَنْ لَمْ يَرْوِ عَنْهُ إِلَّا رَاوٍ وَاحِدٌ" یعنی وہ راوی جس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہو، مجہول العین کی روایات کے بارے میں تین قول ہیں: ① مطلقاً مقبول، ② مطلقاً غیر مقبول، ③ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس مجہول العین سے روایت کرنے والا راوی اگر ایسا ہے جسکی عادت صرف ثقہ سے روایت لینے کی ہے تب تو ایسے مجہول کی روایت معتبر ہے ورنہ غیر معتبر، اس لئے کہ بعض رواۃ کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ صرف ثقہ ہی سے روایت لیتے ہیں، جیسے عبد الرحمن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید الانصاری، دوسری قسم مجہول کی مجهول الحال [2] ہے مجہول الحال کی پھر دو قسمیں ہیں مجہول الحال ظاہراً و باطناً اور مجہول الحال باطناً لا ظاہراً، یعنی جسکا ظاہر حال تو بہتر ہو لیکن باطن حال کا علم نہ ہو، اسی کو مستور بھی کہتے ہیں، جمہور کے نزدیک قسم اول کی روایت مردود ہے اور ثانی یعنی مستور کی معتبر ہے، اور حنفیہ کے نزدیک مستور کی روایت معتبر ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ قرون ثلاثہ میں سے ہو ورنہ معتبر نہیں ہے۔

فائدہ: نیز ایک بات اور جاننا چاہئے وہ یہ کہ یہ تمام تفاصیل اور اقسام اس مجہول کے بارے میں ہیں جو غیر صحابی ہو اور اگر سند میں کوئی صحابی مبہم اور مجہول مذکور ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اس لئے کہ "الصحابة كلهم عدول [3]" جمہور علماء کا مسلک ہے اسی لئے کتب رجال میں کسی صحابی کے ترجمہ میں آپ یہ نہیں دیکھیں گے کہ اسکے بارے میں لکھا ہو کہ ثقہ ہے حجۃ ہے اور مقبول ہے اسلئے کہ صحابۂ کرام تو محتاج توثیق ہی نہیں ہیں اور جرح کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

---

① مسند الإمام أحمد بن حنبل - مسند الكوفيين - حديث أبي موسى الأشعري ١٩٥٣٧

② هو من روى عنه اثنان فأكثر، ولم يوثقه معتبر

③ قَالَ الإِمَامُ ابنُ عبد البر: وَنَحْنُ وَإِنْ كَانَ الصَّحَابَةُ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ - قَدْ كُفِينَا الْبَحْثَ عَنْ أَحْوَالِهِمْ، لإِجْمَاعِ أَهْلِ الْحَقِّ مِنَ الْمُسْلِمِينَ - وَهُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ - عَلَى أَنَّهُمْ كُلَّهُمْ عُدُولٌ (الاستيعاب في معرفة الأصحاب ص ٢٣، ط دار الأعلام ١٤٢٣هـ)

٣۔ بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ الخَلَاءَ

بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے کیا دعا پڑھے؟

٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، وَعَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ: عَنْ حَمَّادٍ قَالَ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ» وَقَالَ: عَنْ عَبْدِ الْوَارِثِ قَالَ: «أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ"، وَقَالَ مَرَّةً: "أَعُوذُ بِاللَّهِ"، وَقَالَ وُهَيْبٌ: "فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ".

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے...... مصنفؒ کے استاد مسدد نے اپنے ایک استاد حماد بن زید سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ......اور مسدد کے دوسرے استاد عبد الوارث نے أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ نقل کیا ہے۔ اے اللہ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں مذکر شیاطین اور مونث شیاطین کے شر سے۔

٥ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو يَعْنِي السَّدُوسِيَّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ هُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ» وَقَالَ شُعْبَةُ: وَقَالَ مَرَّةً: «أَعُوذُ بِاللَّهِ».

ترجمہ: عبد العزیز راوی نے حضرت انسؓ سے مذکورہ حدیث نقل کی شعبہ یا عبد العزیز راوی نے یہ الفاظ نقل کیے اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ الخ اور شعبہ فرماتے ہیں کہ عبد العزیز استاد نے دوسری دفعہ مذکورہ الفاظ کے بجائے أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ نقل کیے۔ عبد العزیز کے چوتھے شاگرد وہیب نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں فليتعوذ (اسکو بیت الخلاء جانے سے قبل اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے)۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٤٢) صحيح البخاري - الدعوات (٥٩٦٣) صحيح مسلم - الحيض (٣٧٥) جامع الترمذي - الطهارة (٥) جامع الترمذي - الطهارة (٦) سنن النسائي - الطهارة (١٩) سنن أبي داود - الطهارة (٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٢٩٨) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٩٩/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (١٠١/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٨٢/٣) سنن الدارمي - الطهارة (٦٦٩)

٦ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ مُحْتَضَرَةٌ، فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ".

ترجمہ: زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان درختوں کے جھنڈ والے مقامات پر

شیاطین موجود ہوتے ہیں لہٰذا جب تم میں سے کسی کا قضائے حاجت کا ارادہ ہو تو وہ کہے میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں، مذکر شیاطین اور مؤنث شیاطین سے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٢٩٦) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٣٦٩/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٣٧٣/٤)

شرح الاحادیث منجملہ آداب خلاء کے ایک یہ ہے کہ جب آدمی بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو وہ دعا پڑھے جو ماثور منقول ہے "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" جیسا کہ حدیث الباب میں ہے اور سنن سعید بن منصور کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ "بِسْمِ اللهِ، أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" پڑھا کرتے تھے، اس روایت میں لفظ بِسْمِ اللهِ کی زیادتی ہے، حافظ فرماتے ہیں یہ زیادتی علی شرط مسلم ہے۔

جمہور کے نزدیک یہ دعاء اندر داخل ہونے سے پہلے پڑھنا چاہئے اس میں بعض مالکیہ ابراہیم نخعیؒ، ابن سیرینؒ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا اختلاف ہے، ان کے یہاں داخل ہونے کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔ منہل [1] میں ایک واقعہ لکھا ہے عرزمیؒ کہتے ہیں کہ میں شعبی کے پاس گیا کہ اگر مجھے بیت الخلاء میں چھینک آئے تو "الحمد للہ" پڑھوں یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں جب تک باہر نہ آجاؤ، وہ کہتے ہیں پھر میں ابراہیم نخعیؒ کے پاس گیا میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا، انہوں نے فرمایا "الحمد یصعد ولا یهبط" ہاں! کچھ حرج نہیں ہے، بیت الخلاء میں الحمد للہ پڑھو اسلئے کہ حمد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور عمل صالح ہے، وہ اوپر آسمان کی طرف چڑھ جائیگا نیچے کی طرف نہیں آئے گا، بخلاف نجاست کے وہ نیچے گر جاتی ہے، یہ اشارہ ہے باری تعالیٰ کے قول إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ [2] کی طرف، بہر حال اس واقعہ سے ابراہیم نخعی کا مسلک معلوم ہو گیا۔

حدیث الباب میں اگرچہ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ کا لفظ ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعاء بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد پڑھی جائے، لیکن الادب المفرد کی روایت میں إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ الْخَلَاءَ [3] واقع ہوا ہے جس سے بات صاف ہو گئی۔

قولہ: مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ: خبث با کے ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ ہے، ضمہ کی صورت میں خبیث کی جمع ہے، اور سکون کی صورت میں دو احتمال ہیں یا تو یہ کہا جائے کہ مفرد ہے بکروہ اور شر کے معنی ہیں، یا یوں کہا جائے یہ بھی جمع ہی ہے، باء کو تخفیفاً ساکن کر دیا گیا ہے، ویسے قاعدہ بھی ہے کہ ہر ذی ضمتین میں ثانی کو تخفیفاً ساکن پڑھ سکتے ہیں، خبث اور خبائث کی تفسیر میں تین قول ہیں:

---

[1] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ١ ص ٣١

[2] اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا اور کام نیک اسکو اٹھا لیتا ہے (سورۃ فاطر ١٠)

[3] الأدب المفرد ٦٩٢ (دار الصدیق ١٤٢٠ھ)

① خبث سے مراد ذکران الشیاطین اور خبائث سے مراد اناث الشیاطین۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ خبث سے مراد قبائح وشرور ہیں اور خبائث سے مراد معاصی۔

③ تیسرا قول یہ ہے کہ خبث سے مراد شیاطین اور خبائث سے مراد نجاسات [1]۔

اور اس تیسرے قول کی تشریح بعض ظرفاء نے یہ کی ہے کہ جب أعوذ باللہ من الخبث کہہ کر شیاطین سے پناہ چاہی گئی تو اب وہ شیاطین جو بیت الخلاء میں جمع ہیں وہاں سے منتقل اور منتشر ہوں گے، اب اس انتقال وانتشار کی وجہ سے احتمال تھا کہ نجاست اچھل کر لگ جائے اس لئے کہا گیا والخبائث یعنی نجاسات سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔

شرح السند: قال: عن حماد: یہاں پر سند میں مصنف کے استاذ الاستاذ دو ہیں: حماد بن زید اور عبد الوارث، دونوں کے لفظ مختلف ہیں، اس لئے مصنف ان کو ممتاز کر رہے ہیں کہ مسدد نے حماد سے جو نقل کیا اس میں ہے "اللّٰھم إني أعوذ بك" اور مسدد نے عبد الوارث سے جو نقل کیا ہے اس میں بجائے اللّٰھم کے أعوذ باللہ ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ قال کی ضمیر مسدد کی طرف راجع ہے، اگلی حدیث آرہی ہے شعبہ کی، جس طرح حماد اور عبد الوارث دونوں اس حدیث کو عبد العزیز سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح شعبہ بھی اس حدیث کو عبد العزیز سے روایت کرتے ہیں، شعبہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ اللّٰھم اور أعوذ باللہ لفظوں کا اختلاف خود عبد العزیز کی جانب سے ہے، وہ کبھی اس طرح کہتے تھے اور کبھی اس طرح، لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ روایت میں حماد اور عبد الوارث کا جو اختلاف بیان کیا گیا تھا اس کا تعلق ہر ایک کی یاد اور حفظ سے تھا، ایک کو اس طرح یاد رہا اور دوسرے کو اس طرح، بلکہ یہ سمجھ میں آیا کہ خود استاذ ہی سے دونوں طرح منقول ہے۔

قوله: وقال وهيب عن عبد العزيز: حدیث الباب کا یہ چوتھا طریق ہے، اور وہیب عبد العزیز کے چوتھے شاگرد ہیں، انہوں نے آکر حدیث کو الٹ ہی دیا، گذشتہ تین راویوں نے حدیث کو فعلی قرار دیا تھا، یعنی حضور ﷺ کا عمل نقل کیا کہ آپ ایسا کیا کرتے تھے اور انہوں نے آکر حدیث کو قولی بنا دیا، یعنی حضور ﷺ کا ارشاد کہ آپ نے فرمایا یہ دعاء پڑھنی چاہئے، وہیب کی روایت بظاہر تعلیقاً ہے کیونکہ اس کی سند کا ابتدائی حصہ مصنف نے ذکر نہیں فرمایا اور یہ بھی احتمال ہے کہ مصنف کی مراد یہ ہو کہ وقال وهيب اي بالسند المذكور، تو اس صورت میں یہ تعلیق نہ ہوگی بلکہ حدیث موصول ہوگی۔

قوله: عن زيد بن أرقم: یہ اس باب کی دوسری حدیث ہے، اس میں دعاء مذکور کے علاوہ علت استعاذہ کو بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ بیوت الخلاء حضور شیاطین کا محل ہیں، لہذا اس میں داخل ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ سے استعاذہ کرنا چاہئے، اور بیوت الخلاء محتضر یعنی محل حضور شیاطین اس لئے ہیں کہ وہ ذکر اللہ سے خالی ہوتے ہیں، جہاں پر ذکر اور اللہ کا نام نہیں لیا جاتا

[1] اور کہا گیا ہے خبث سے مراد خباثت یعنی فسق وفجور اور خبائث سے مراد افعال ذمیمہ اور خصال ردیہ۔

وہاں شیاطین پہنچ جاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ شیاطین سے بچنے کا ذریعہ ہے جس قلب میں اللہ کا ذکر سما جائے گا وہاں پر شیاطین کا تصرف زیادہ نہیں ہوگا، ترمذی شریف کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جس کو انہوں نے کتاب الامثال میں ذکر کیا ہے کہ ذکر کی مثال ایک محفوظ و مضبوط قلعہ کی سی ہے جس طرح آدمی دشمنوں اور ڈاکوؤں کے تعاقب سے ایک مضبوط قلعہ کے ذریعہ سے بسہولت بچ سکتا ہے اسی طرح شیاطین کے اثرات سے ذکر کے ذریعہ ہی بچ سکتا ہے ورنہ یہ کسی کو بخشتے نہیں [1]۔

قولہ: إِنَّ هَذِهِ الْحُشُوشَ: یہ حش بضم الحاء کی جمع ہے اور بعضوں نے اس کو مثلث (یعنی حاء پر تینوں حرکتیں) پڑھا ہے، اسکے معنی ہیں کھجور کے چند درخت جو ایک جگہ کھڑے ہوں، چونکہ عام طور سے آدمی جب جنگل میں ہوتا ہے تو درختوں کی آڑ میں بیٹھ کر استنجاء کرتا ہے اس لئے حشوش بول کر مجازاً قضاء حاجت کی جگہ مراد لیا جاتا ہے۔

یہاں پر ایک طالبعلمانہ اشکال ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ درختوں کے نیچے بیٹھ کر استنجاء کر سکتے ہیں تو پھر یہ حدیث اتَّقُوا اللاَّعِنَيْنِ [2] والی حدیث کے خلاف ہو جائیگی جو آئندہ ابواب میں آرہی ہے، جس میں لوگوں کی سایہ دار جگہ میں بیٹھ کر استنجاء کرنے کی ممانعت ہے، اسکا جواب اسی مقام کی تقریر دیکھنے سے حل ہو جائے گا، بس یہاں پر تنبیہ کر دی گئی۔

جاننا چاہئے کہ زید بن ارقمؓ کی اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے جسکو امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اس اضطراب سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بعض رواۃ نے اس حدیث کو حضرت انسؓ کی طرف منسوب کیا ہے اور اکثر حضرات نے زید بن ارقمؓ کی طرف منسوب کیا ہے اور صحیح یہی ہے کہ اسکے راوی زید بن ارقمؓ ہیں، حضرت انسؓ کی طرف اسکی نسبت وہم ہے۔

٤ - بَابُ كَرَاهِيَةِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ عِنْدَ قَضَاءِ الْحَاجَةِ

قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنے کی ممانعت کا بیان

منجملہ آداب خلاء کے ایک ادب یہ ہے جس کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے کہ قضائے حاجت یعنی بول و براز کے وقت میں قبلہ کا نہ استقبال ہونا چاہئے نہ استدبار، اس سلسلہ میں مصنفؒ نے دو باب قائم فرمائے ہیں، پہلے باب میں مطلقاً ممانعت کی روایات کو ذکر فرمایا ہے، اور اس نے اگلے دوسرے باب میں جواز استقبال کی روایات کو بیان کیا ہے، چونکہ بظاہر روایات میں اختلاف ہے اس

---

[1] جامع الترمذي - كتاب الأمثال - باب ما جاء في مثل الصلاة والصيام والصدقة ٢٨٦٣

[2] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب المواضع التي نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن البول فيها ٢٥

لئے علماء میں بھی اختلاف ہو گیا چنانچہ اس کے اندر آٹھ مذہب مشہور ہیں۔

مذاهب الأئمة في مسئلة الباب:

① المنع مطلقاً اس کے قائل حنفیہ، ابن حزم ظاہریؒ اور بعض مالکیہ ہیں، جیسے ابن العربیؒ۔

② الجواز مطلقاً اس کے قائل عروۃ بن الزبیرؓ، ربیعۃ الرائیؒ امام مالکؒ کے استاذ اور داؤد ظاہریؒ ہیں۔

③ الفرق بین الصحراء والبنیان یعنی صحراء میں کراہت، اور بنیان یعنی آبادی کے اندر جواز، بلکہ صحراء میں بھی اگر کوئی چیز درمیان میں حائل ہو تب بھی جائز ہے، یہ ائمہ ثلاثہ اور اسحق بن راہویہ کا مذہب ہے۔

④ الفرق بین الاستقبال والاستدبار، یعنی استقبال مطلقاً ناجائز اور استدبار مطلقاً جائز ہے خواہ صحراء ہو یا بنیان، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ سے ایک روایت ہے۔

⑤ النهي للتنزيه استقبال واستدبار دونوں میں کراہت تنزیہی ہے، یہ بھی امام ابو حنیفہؒ وامام احمدؒ سے ایک روایت ہے۔

⑥ صرف استدبار صرف بنیان میں جائز ہے، باقی تین صورتیں یعنی استقبال فی البنیان، استقبال فی الصحراء استدبار فی الصحراء یہ تینوں ناجائز ہیں، یہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے۔

⑦ النهي يشمل القبلتين یعنی قبلۂ منسوخہ بیت المقدس اور غیر منسوخہ بیت اللہ شریف دونوں کی طرف استقبال واستدبار ممنوع ہے، یہ ابراہیم نخعیؒ اور ابن سیرینؒ سے منقول ہے۔

⑧ النهي يختص بأهل المدينة ومن على سمتهم کہ استقبال واستدبار کی ممانعت صرف اہل مدینہ اور ان لوگوں کے لئے ہے جن کا قبلہ اسی طرف ہے جس طرح اہل مدینہ کا ہے اور اہل مدینہ کا قبلہ بجانب جنوب ہے، یہ منقول ہے ابو عوانہؒ سے جو مزنی کے شاگرد ہیں۔

اختلاف علت ممانعت: دوسرا اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ علت منع کیا ہے؟ جمہورؒ کے نزدیک علت منع احترام قبلہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت استقبال واستدبار میں قبلہ کی بے حرمتی ہے، اور شعبی کے نزدیک احترام مصلین ہے یعنی صحراء کے اندر جو فرشتے اور جنات نماز پڑھتے ہیں ان کی رعایت اور احترام کی وجہ سے ممانعت ہے، ایک اور اختلاف یہ ہے کہ اس استقبال واستدبار میں بے حرمتی کس بناء پر ہے؟ بعض نے کہا خروج نجاست کی وجہ سے، اور بعض کہتے ہیں کہ کشف عورۃ الی القبلہ کی وجہ سے ہے، لہذا جن چیزوں میں خروج نجس یا کشف عورت پایا جاتا ہو تو ان کاموں کے وقت بھی استقبال واستدبار ممنوع ہوگا، چنانچہ فصد اور حجامت میں خروج نجاست ہے اور وطی، ختان اور استحداد میں کشف عورت ہے، لہذا ان سب کاموں کے وقت بھی استقبال مکروہ ہوگا ویسے ہمارے یہاں وطی مستقبل القبلہ مکروہ تنزیہی اور تغوط مکروہ تحریمی ہے۔

۷ حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَلْمَانَ،

قَالَ: قِيلَ لَهُ لَقَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ، قَالَ: أَجَلْ لَقَدْ «نَهَانَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، وَأَنْ لَا نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، وَأَنْ لَا يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ عَظْمٍ».

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا، آپ کو آپ کے نبی ﷺ نے ہر چیز کی تعلیم دی ہے یہاں تک کے قضائے حاجت میں بیٹھنے کی ہیئت بھی سکھائی ہے، حضرت سلمان فارسیؓ نے جواب دیا، جی ہاں ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ بول وبراز کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کریں اور (یہ حکم دیا کہ) ہم سیدھے ہاتھ سے استنجاء نہ کریں اور ہم میں سے کوئی ایک آدمی تین پتھروں سے کم سے استنجاء نہ کرے اور نہ ہی لید یا ہڈی سے استنجاء کریں۔

تخریج: صحيح مسلم - الطهارة (٢٦٢) جامع الترمذي - الطهارة (١٦) سنن النسائي - الطهارة (٤١) سنن أبي داود - الطهارة (٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣١٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٣٧/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٣٨/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٣٩/٥)

شرح الحدیث: حدیث کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سلمانؓ سے بعض لوگوں نے اعتراضاً کہا، اور یہ کہنے والے مشرکین تھے جیسا کہ مسلم شریف اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ[1] کہ تمہارے نبی عجیب شخص ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں کی تعلیم کرتے ہیں یہاں تک کہ قضاء حاجت کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں (بھلا یہ باتیں انبیاء کے بیان کرنے کی ہیں؟ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تعلیمات تو بہت اونچی ہونی چاہئیں) 'الخراءة' میں خاء کا کسرہ اور فتحہ دونوں جائز ہے اسکے معنی قضاء حاجت کے ہیں، نیز غائط یعنی فضلہ پر بھی اسکا اطلاق آتا ہے بعضوں نے اس میں کسرہ اور فتحہ کا فرق کیا ہے، ایک صورت میں ایک معنی دوسری صورت میں دوسرے معنی، بعضوں نے کہا کہ دونوں معنی میں مشترک ہے۔

قوله: قَالَ: أَجَلْ: حضرت سلمانؓ نے معترض کے اعتراض کا جواب بہت موثر انداز میں دیا، یعنی جواب علی اسلوب الحکیم کو اختیار کیا اور یہ فرمایا کہ ہاں! بیشک بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہہ رہے ہو، ہمارے نبی ﷺ نے واقعی ہمیں ہر چھوٹی بڑی چیز کی تعلیم فرمائی ہے اور ہر چیز کے آداب سکھائے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ تو خوبی اور تعریف کی بات ہے نہ کہ اعتراض کی۔ جواب علی اسلوب الحکیم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سائل کے حال اور موقع محل کے مطابق جواب دیا جائے خواہ وہ جواب سوال پر منطبق ہو یا نہ ہو، جیسے: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ[2]، نیز اس سے ہماری شریعت محمدیہ مطہرہ کی جامعیت معلوم ہو رہی ہے کہ اسکی تعلیمات کتنی کامل اور مکمل ہیں، اور کیوں نہ ہو جبکہ ارشاد باری ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ[3]، الحمد الله الذي هدانا للاسلام"۔

---

[1] صحيح مسلم - كتاب الطهارة - باب الاستطابة ٢٦٢

[2] تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا کہدے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے (سورۃ البقرۃ ١٨٩)

[3] آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا، اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا (سورۃ المائدۃ ٣)

قولہ: وَأَنْ لَا نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ: یہ لا، زائدہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے استنجاء بالیمین شافعیہ حنابلہ کے یہاں مکروہ تنزیہی ہے اور ظاہریہ کے نزدیک حرام ہے اور حنفیہ کے یہاں مکروہ تحریمی ہے۔

استنجاء کے مباحث اربعہ: وَأَنْ لَا يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ: جاننا چاہئے کہ استنجاء میں چار بحثیں ہیں: ① تحقیقہ لغۃً ② حکمہ شرعاً ③ عدد الاحجار ④ الاستنجاء بشیئ نجس۔

① **تحقیق لغۃً:** سو جاننا چاہئے کہ استنجاء ماخوذ ہے نجو سے نجو کے معنی غائط یعنی پاخانہ کے ہیں تو استنجاء کے معنی ہوئے غسل موضع النجو او مسحہ کہ مقعد کو دھونا یا ڈھیلے پتھر وغیرہ سے صاف کرنا۔

② **حکم شرعاً:** دوسری بحث استنجاء کا حکم شرعی ہے، سو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ اور داود ظاہری کے نزدیک مطلقاً واجب ہے اور حنفیہ کے یہاں سنت ہے، یہی ایک روایت امام مالکؒ سے ہے اور یہ اس وقت ہے جب نجاست مخرج سے متجاوز نہ ہو ورنہ پھر ہمارے یہاں بھی واجب [1] ہے۔

③ **عدد الاحجار:** تیسری بحث بھی اختلافی ہے، حنفیہ مالکیہ کے نزدیک استنجاء میں ایتار بالثلاث ضروری نہیں ہے بلکہ مقصود انقاء محل ہے انقاء محل کے لئے جتنے احجار کافی ہو جائیں ان ہی کا استعمال ضروری ہے، ابتداء کوئی عدد متعین نہیں ہے، داؤد ظاہریؒ کا بھی یہی مذہب ہے باوجود ان کے ظاہری ہونے کے، اور ان کے بالمقابل امام شافعیؒ و احمدؒ کے یہاں ایتار بالثلاث واجب ہے، سبیلین میں سے ہر ایک کیلئے تین تین ڈھیلے ضروری ہیں، اور اگر کوئی حجر ذو اطراف ہو، یعنی اس کے متعدد کنارے ہوں تو پھر ان کے یہاں ہر طرف قائم مقام ایک حجر کے ہو جاتا ہے، لہذا اگر کسی ڈھیلے کے اندر تین کونے ہوں تو وہ ان کے یہاں تین ڈھیلوں کے قائم مقام ہو جاتا ہے، دلائل پر کلام انشاء اللہ باب الاستنجاء بالاحجار میں آئیگا۔

④ **الاستنجاء بشیئ نجس:** چوتھا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، امام شافعیؒ و احمدؒ اور ظاہریہ کے نزدیک شیئ نجس سے استنجاء ناجائز ہے، حنفیہ کے نزدیک شیئ نجس سے استنجاء کا تحقق ہو سکتا ہے، بشرطیکہ مقام کا انقاء ہو جائے، اور مالکیہ کا مذہب بھی تقریباً یہی ہے، لہذا روث ور جیع کیساتھ استنجاء شافعیہ حنابلہ کے یہاں جائز نہ ہو گا، حنفیہ مالکیہ کے یہاں جائز ہو گا گو مع الکراہۃ، لیکن یہاں ایک دوسرا اختلاف ہے وہ یہ کہ امام مالک کے یہاں ماکول اللحم جانور کا روث ور جیع طاہر ہے، صرف غیر ماکول کی لید ان کے یہاں ناپاک ہے تو ان کے نزدیک ماکول اللحم جانور کی رجیع سے استنجاء جائز مع الکراہۃ ہے، اور غیر ماکول کی رجیع سے گو کافی ہو سکتا ہے لیکن مع الحرمۃ، اس مسئلہ کے دلائل آنے والے باب، باب ما ینھی عنہ ان یستنجی بہ میں ذکر کئے جائیں گے۔

---

[1] دراصل مخرج سے متجاوز ہونے کی صورت میں قدرے تفصیل ہے، اگر مقدار متجاوز مادون الدرہم ہے تو اس کا ازالہ مستحب ہے اور بغیر ازالہ کے نماز مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر مقدار متجاوز بقدر درہم ہے تو اس کا ازالہ واجب ہے اور بغیر ازالہ کے نماز مکروہ تحریمی ہو گی، اور اگر مقدار متجاوز ایک درہم سے زائد ہو تو پھر اس کا ازالہ فرض ہے بغیر اسکے نماز صحیح نہ ہو گی۔

اس حدیث میں استنجاء کے بہت سے آداب و مسائل آگئے ہیں لیکن مصنفؒ کی غرض صرف ایک جزء "لقد نهانا صلى الله عليه وسلم ان نستقبل القبلة بغائط او بول" سے متعلق ہے۔

شرح السند: "أَبُو مُعَاوِيَةَ" ان کا نام محمد بن خازم ہیں۔ "الْأَعْمَشِ" یہ سلیمان بن مہران ہیں۔ "عَنْ سَلْمَانَ" یہ معمرین صحابہ میں سے ہیں انکی عمر کے بارے میں دو قول مشہور ہیں ۳۵۰ سال اور کہا گیا ہے کہ ۲۵۰ سال عمر پائی، لیکن حافظ نے تهذيب التهذيب میں امام ذہبیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ میں انکی عمر کے بارے میں اپنے سابق قول سے رجوع کر لیا اور اب میری رائے یہ ہے کہ ان کی عمر اسی سال سے متجاوز نہ تھی، حافظ کہتے ہیں مگر انہوں نے سبب رجوع نہیں بیان کیا۔

۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ، أُعَلِّمُكُمْ فَإِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا وَلَا يَسْتَطِبْ بِيَمِينِهِ، وَكَانَ يَأْمُرُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، وَيَنْهَى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تم لوگوں کے باپ کی طرح ہوں، میں تمہیں (دینی امور) کی تعلیم دیتا ہوں، پس جب تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کو جائے تو نہ تو قبلہ کی طرف رُخ کرے اور نہ ہی پیٹھ اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے اور حضور ﷺ تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم دیتے تھے اور گھوڑے کی لید، اور بوسیدہ ہڈی کو استنجاء میں استعمال کرنے سے منع فرماتے تھے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٥٤) صحيح البخاري - المناقب (٣٦٤٧) سنن النسائي - الطهارة (٤٠) سنن أبي داود - الطهارة (٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣١٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٤٧) سنن الدارمي - الطهارة (٦٧٤)

شرح الحدیث: یہ کلام بطور تمہید آپ نے ارشاد فرمایا اس لئے کہ آگے جن امور پر آپ کو تنبیہ فرمانا ہے وہ اسی قسم کی باتیں ہیں جن پر بعض مشرکین نے اعتراض کیا تھا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کرتے ہیں جن کو بچپن میں ماں باپ سکھایا کرتے ہیں، سو اسی لئے آپ نے یہاں پہلے ہی فرما دیا کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ ہوں۔

اس حدیث میں بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ فرمایا گیا، اس لئے کہ فی الواقع آپ امت کے باپ نہیں ہیں، اسی لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ [1] اور رجال کی قید آیت میں اسلئے ہے کہ آپ نساء یعنی اپنی بنات کے تو والد تھے اگرچہ آپکے مذکر اولاد بھی پیدا ہوئی لیکن وہ سب بچپن ہی میں انتقال فرما گئے، حد رجولیت کو نہیں پہنچے تھے، اس لئے آپ رجال کے والد نہیں ہیں، بہر حال آیت کریمہ میں ابوۃ حقیقی اور نسبی کی نفی ہے، اور اس حدیث میں بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ کہا گیا ہے، لہذا حدیث اور آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے، ہاں! اشکال ایک اور طرح ہو سکتا ہے وہ یہ کہ سورۂ احزاب میں جہاں اَلنَّبِيُّ

[1] محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے (سورۃ الأحزاب ٤٠)

اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ [1] آیا ہے،وہاں بعض قرأۃ میں 'وھو أب لھم' (اور خود وہ یعنی حضور ﷺ مومنین کے باپ ہیں) بھی وارد ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر [2] میں اسکا ذکر ہے، ان دو آیتوں میں بظاہر تعارض ہو جائے گا، جواب ظاہر ہے کہ جہاں ابوۃ کا اثبات ہے اس سے روحانی ابوۃ و تربیت مراد ہے، اور اس میں کیا شک ہے کہ آپ امت کے روحانی باپ ہیں اور جس آیت میں نفی ہے اسکا تعلق حقیقی اور نسبی ابوۃ سے ہے۔

قوله: وَكَانَ يَأْمُرُ: یہاں راوی نے سیاق کلام اور طرز تعبیر کو بدل دیا جیسا کہ محسوس بھی ہو رہا ہے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ جہاں راوی کو استاذ کے اصل الفاظ اچھی طرح یاد نہیں رہتے تو وہاں سیاق عبارت بدل کر اپنے الفاظ میں اس طرح تعبیر کر دیا کرتا ہے۔

قوله: عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ: رمۃ، یا جمع ہے رمیم کی، پرانی ہڈی کو رمیم کہتے ہیں، اور کہا گیا ہے کہ یہ مفرد ہے رمیم کے معنی میں، استنجاء بالرمیم کی ممانعت یا تو اسلئے ہے کہ اس میں ملاست، یعنی چکناہٹ ہوتی ہے جس کی وجہ سے مقام کا انقاء اچھی طرح نہیں ہوگا، یا خوف جراحت کی وجہ سے چبھ نہ جائے، اور یا نجاست کی وجہ سے اگر عظم میتہ مراد لیا جائے، اسلئے کہ عظم میتہ شافعیہ وغیرہ کے یہاں ناپاک ہے گو حنفیہ کے یہاں طاہر ہے۔

۹- حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، رِوَايَةً قَالَ: «إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ، وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا» فَقَدِمْنَا الشَّامَ، فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ قَدْ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ، فَكُنَّا نَنْحَرِفُ عَنْهَا وَنَسْتَغْفِرُ اللَّهَ.

ترجمہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو بول و براز کے وقت قبلہ رُخ نہ ہو لیکن مشرق یا مغرب کی طرف رُخ پھیر لیا کرو، حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں، پھر ہم ملک شام گئے وہاں ہم نے دیکھا کہ بیت الخلاء قبلہ رُخ بنائے گئے ہیں پس ہم قبلہ سے اپنا رُخ پھیر کر بیٹھتے تھے اور اللہ پاک سے استغفار طلب کرتے تھے۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (١٤٤) صحيح البخاري - الصلاة (٣٨٦) صحيح مسلم - الطهارة (٢٦٤) جامع الترمذي - الطهارة (٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٠) سنن النسائي - الطهارة (٢١) سنن النسائي - الطهارة (٢٢) سنن أبي داود - الطهارة (٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣١٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤١٤/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤١٥/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤١٦/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤١٧/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤١٩/٥) مسند أحمد - باقي مسند

---

[1] نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اسکی عورتیں انکی مائیں ہیں (سورۃ الأحزاب ٦)

[2] وقال سعيد بن جبير: يعني نساءهم هن بناته وهو أب لهم وقال في بعض القراءات "النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم" وهو أب لهم (تفسير القرآن العظيم لابن كثير - ج ٧ ص ٤٥٥)

الأنصار (٤٢١/٥) موطأ مالك - النداء للصلاة (٤٥٣) سنن الدارمي - الطهارة (٦٦٥)

شرح الحديث: عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، رِوَايَةً قَالَ: إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ: رِوَايَةً سے مراد ہے مرفوعاً، تقدیر عبارت یہ ہے روایۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، یہ رفع حکمی کے الفاظ میں سے ہے ایسے ہی لفظ یرفع الحدیث، اور "یبلغ بہ" یہ بھی رفع حکمی کے الفاظ ہیں یعنی اس طرح جو حدیث بیان کی جائے گی اس کو حکماً مرفوع کہا جائے گا، گو راوی آپ ﷺ کے نام کی تصریح نہیں کر رہا ہے۔ "عَنْ أَبِي أَيُّوبَ" ان کا نام خالد بن زید الانصاری ہے۔ "أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ" اس غائط سے مراد محل قضاء حاجت ہے اور آگے جو لفظ "بِالْغَائِطِ" آرہا ہے اس سے مراد نجاست اور فضلہ ہے "مَرَاحِيضَ" یہ مرحاض کی جمع ہے، رحض سے ماخوذ ہے جس کے معنی غسل (دھونے) کے ہیں، اس کا اطلاق بیت الخلاء پر آتا ہے "مرحاض، کنیف، خلاء، مذہب اور حشوش" جو الفاظ حدیث میں آتے ہیں، سب ہم معنی ہیں۔

مضمون حدیث: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ملک شام کو فتح کرتے ہوئے اس میں داخل ہوئے تو وہاں پر ہم نے بہت سے بیوت الخلاء ایسے دیکھے جو قبلہ رخ بنائے گئے تھے (کیونکہ وہ نصاری اور مشرکین کے بنائے ہوئے تھے جو وہاں شام میں پہلے سے آباد تھے) تو بعض مرتبہ ایسا ہوتا کہ ہم جلدی میں غلطی سے ان بیوت الخلاء میں قضاء حاجت کیلئے چلے جاتے اور پھر جب وہاں پہنچ کر خیال آتا تو ایک دم اپنا رخ بدل دیتے، یعنی انہی بیوت الخلاء میں ذرا رخ پھر کر بیٹھ جاتے، اور یہ بھی احتمال ہے یہ مراد ہو کہ ہم ان بیوت الخلاء کے اندر جانے کے بعد یاد آنے پر وہاں سے لوٹ آتے تھے، پہلی صورت میں عَنْهَا کی ضمیر قبلہ کی طرف راجع ہوگی اور دوسری صورت میں مراحیض کی طرف راجع ہوگی۔

یہ حدیث جس میں "لَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا" مذکور ہے، ابو عوانہ کا مستدل ہے، ابو عوانہ کا مذہب پہلے گذر چکا ہے، جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ طریقہ یعنی تشریق و تغریب آپ نے اہل مدینہ کے لحاظ سے ارشاد فرمایا، اسکے وہی حضرات مخاطب ہیں، مدینہ میں استقبال واستدبار سے بچنے کی شکل یہی ہے کہ مشرق یا مغرب کی جانب رخ کیا جائے اور اگر جنوب کی جانب رخ کریں تو وہاں پر استقبال قبلہ ہو جاتا ہے اور شمال کی طرف کرنے سے استدبار قبلہ ہو جاتا ہے، اور ہم یعنی اہل ہند کے یہاں تغریب سے استقبال قبلہ اور تشریق سے استدبار قبلہ لازم آتا ہے، ہم لوگوں کو ان ہی دو سے بچنا ضروری ہے، ہمارے حق میں اگر یہ کلام ہوتا تو فرمایا جاتا ولکن جنبوا او شملوا جنوباً و شمالاً استنجاء کرو۔

ابو ایوب انصاریؓ کی یہ حدیث صحاح ستہ کی روایت ہے، سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے، کوئی کلام نہیں ہے، اور یہ مطلقاً استقبال واستدبار کی ممانعت پر دلالت کر رہی ہے صحراء اور بنیان کا اس میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

دو متعارض حدیثوں میں تطبیق: قولہ: فَقَدِمْنَا الشَّامَ: مشہور روایت یہی ہے اور صحیحین میں بھی اسی طرح ہے لیکن نسائی اور مؤطا کی روایت میں بجائے شام کے مصر ہے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ جو یہاں ہے وہ راجح ہے یا تعدد

واقعہ کا قول اختیار کیا جائے کہ دونوں جگہ یہی بات پیش آئی جیسا کہ حافظ عراقی نے کہا ہے اور اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے اس لئے کہ ابوایوب انصاریؓ کے بارے میں یہ ہے کہ "انه لزم الجهاد بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم" کہ وہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بجائے مدینہ میں قیام کرنے کے ان کا اکثر زمانہ جہاد اور فتوحات ہی میں گذرا یہاں تک کہ ان کی وفات بھی قسطنطنیہ میں سفر جہاد میں ہوئی حالانکہ ان کا مکان مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا اور ۹۴ھ میں جب ہم حج کو گئے تھے وہاں مسجد نبوی سے متصل ایک گھر پر ایک تختی لگ رہی تھی جس پر لکھا ہوا تھا بیت ابی ایوب الانصاری مجھے اسکو دیکھ کر بڑی عبرت ہوئی آپ بھی اس کو سوچئے کہ وہ حجرہ اور رسول کو چھوڑ کر دین اسلام کی نشر و اشاعت میں مشغول ہو گئے اور وطن مالوف مدینہ منورہ کے بجائے قسطنطنیہ میں وفات پا رہے ہیں۔

۱۰ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِي زَيْدٍ، عَنْ مَعْقِلِ بْنِ أَبِي مَعْقِلٍ الْأَسَدِيِّ، قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَتَيْنِ بِبَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأَبُو زَيْدٍ هُوَ مَوْلَى بَنِي ثَعْلَبَةَ.

ترجمہ معقل بن ابی معقل الاسدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بول براز کے وقت بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا، امام ابوداودؒ فرماتے ہیں ابوزید راوی بنو ثعلبہ قبیلہ کے مولیٰ تھے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (۱۰) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۳۱۹) مسند أحمد - مسند الشاميين (۲۱۰/۴) مسند أحمد - من مسند القبائل (۴۰۶/۶)

شرح الحدیث عَنْ مَعْقِلِ بْنِ أَبِي مَعْقِلٍ: یہ صحابی ابن الصحابیؓ ہیں اور ان کو معقل بن ابی الہیثم بھی کہتے ہیں۔

قوله: أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَتَيْنِ: یہ حدیث مذاہب ثمانیہ میں سے ساتویں مذہب کی دلیل ہے جسکے ابراہیم نخعیؒ اور ابن سیرینؒ قائل ہیں۔

جمہور اسکے قائل نہیں ہیں اسکے کئی جواب ہو سکتے ہیں:

① اول یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے، ابوزید راوی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ مجہول ہے۔

② دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات تھی جب بیت المقدس قبلہ تھا، بعد میں وہ منسوخ ہو گیا اور بیت اللہ قبلہ ہو گیا تو راوی نے بوقت روایت دو حکموں کو جو مختلف اوقات میں دیئے گئے تھے جمع کر دیا۔

③ تیسرا جواب یہ ہے کہ بیت المقدس کے استقبال کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ مدینہ منورہ میں استقبال بیت المقدس سے استدبار کعبہ لازم آتا ہے۔

④ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ حدیث بیت حفصہ والی ابن عمرؓ کی حدیث سے منسوخ ہے، جو اگلے باب میں آرہی ہے۔

١١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ ذَكْوَانَ، عَنْ مَرْوَانَ الْأَصْفَرِ، قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ، ثُمَّ جَلَسَ يَبُولُ إِلَيْهَا، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَلَيْسَ قَدْ نُهِيَ عَنْ هَذَا؟ قَالَ: بَلَى إِنَّمَا «نُهِيَ عَنْ ذَلِكَ فِي الْفَضَاءِ، فَإِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَأْسَ».

ترجمہ مروان الاصفر کہتے ہیں میں نے عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھا انہوں نے قبلہ رُخ ہوتے ہوئے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور اونٹنی کی طرف رُخ کر کے بیٹھ کر پیشاب فرمانے لگے تو میں نے عرض کیا اے ابو عبد الرحمن کیا قبلہ کی طرف رُخ کر کے پیشاب کرنے کی ممانعت نہیں ہے؟ ابن عمرؓ نے ارشاد فرمایا کیوں نہیں قبلہ کی طرف رُخ کر کے پیشاب کرنے کی ممانعت کھلے میدان میں ہے پھر جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی شئ آڑ بن جائے پھر قبلہ کی طرف رُخ کر کے پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

شرح الحدیث یعنی ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی سواری کی اونٹنی کو قبلہ کی جانب بٹھایا، اسکے بعد اسکے پیچھے اس طور پر بیٹھ کر کہ وہ سواری آڑ بن جائے پیشاب کیا، مَرْوَانَ الْأَصْفَر نے ان سے سوال کیا کہ کیا اسکی ممانعت نہیں ہے؟ ابن عمرؓ نے کہا بیشک ممانعت ہے، لیکن فضا اور کھلے میدان میں جہاں کوئی چیز حائل نہ ہو، اگر استنجاء کرنے والے اور قبلہ کے درمیان کوئی ساتر حائل ہو جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، اور یہاں ساتر موجود ہے یعنی سواری، غالباً انہوں نے سواری کو اسی لئے بٹھایا ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ بٹھایا تو اس غرض سے نہیں تھا بلکہ اسلئے بٹھایا تھا کہ ان کو اسی جگہ اترنا تھا، اسکے بعد جب پیشاب کی حاجت ہوئی تو اس وقت سواری کو اس کام میں لے آئے۔

حنفیہ کی طرف سے حدیث کے جوابات: جاننا چاہئے کہ یہ حدیث باب کی گذشتہ تمام روایات کے اور ایسے ہی مذہب حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ گذشتہ تمام روایات میں نہی مطلقاً ذکر کی گئی ہے اور یہاں پر صحابی ابن عمرؓ اسکو مقید فرما رہے ہیں، اب اس تقیید میں دو احتمال ہیں یا تو انہوں نے حضور ﷺ سے معلوم کر کے یہ بات کہی، اس صورت میں تو ظاہر ہے کہ انکی یہ بات حجت ہوگی لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ انہوں نے یہ بات بطریق استنباط فرمائی ہو اور اس استنباط کا ماخذ بیت حفصہ والی روایت ہو جو آگے آرہی ہے، وإذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، اور بیت حفصہ والی روایت کے جوابات ہم وہیں دیں گے۔

نیز ایک اور بھی بات ہے جس کو حضرت نے بذل [1] میں تحقیق سے بیان فرمایا ہے کہ اس حدیث پر اگرچہ امام ابوداودؒ نے بلکہ منذریؒ نے بھی سکوت فرمایا ہے لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی حسن بن ذکوان ہے وہ ضعیف ہے، اکثر محدثین نے ان کی تضعیف کی ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں أحاديثه أباطيل کہ ان کی روایات غیر معتبر ہیں، چونکہ یہ حدیث

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٩-٣٠

ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے اسلئے وہ حسن بن ذکوان کی تضعیف کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حسن بن ذکوان تو صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں، ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ بخاری کے ان رواۃ میں سے ہیں جن پر نقد کیا گیا ہے، اسی لئے حافظؒ نے انکو مقدمہ فتح الباری میں بخاری کے ان رواۃ کی فہرست میں ذکر کیا ہے جن پر نقد کیا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بخاری میں اس راوی کی صرف ایک روایت ہے اور وہ بھی ایسی جسکے شواہد موجود ہیں اور اسی وجہ سے امام مسلم اور نسائی انکی روایت کو نہیں لیتے حاصل یہ کہ اس باب میں اب تک جتنی روایات مرفوعہ آئی ہیں، سب کے اندر ممانعت علی الاطلاق مذکور ہے، اور باب کے اخیر کی صرف یہ ایک روایت جو مرفوعاً نہیں بلکہ موقوفاً ہے اسمیں ممانعت مقید اُہے مطلقاً نہیں ہے، اگر یہ روایت سنداً قوی بھی ہوتی تب بھی روایات صحیحہ مرفوعہ کے مقابلہ میں معتبر نہ ہوتی، اب پھر جب کہ یہ سنداً ضعیف بھی ہے تو کیسے معتبر ہو سکتی ہے۔

۵۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

اس مسئلہ میں اجازت کا بیان

اس باب میں جواز استقبال کی روایات کو ذکر کرنا مقصود ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ترجمہ سے اس بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ منع کی روایات عزیمت پر محمول ہیں، اور ثبوت کی روایات رخصت یا عذر وغیرہ پر محمول ہیں، گویا جمع بین الروایات کی طرف اشارہ ہو گیا۔ "ذلک" کا اشارہ ترجمہ سابقہ کی طرف ہے اور ترجمہ سابقہ میں استقبال مذکور ہے لیکن یہاں حدیث الباب میں استقبال قبلہ مذکور نہیں ہے بلکہ استدبار کعبہ ہے اسلئے کہا جائے گا کہ ترجمہ کا اثبات حدیث الباب سے بطریق قیاس ہے یعنی مصنفؒ استقبال کو استدبار پر قیاس کر رہے ہیں کہ جب استدبار جائز تو استقبال بھی جائز ہے، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ترجمہ سابقہ میں گو صراحۃً صرف استقبال مذکور تھا، لیکن وہاں پر استقبال اور اسکا مقابل استدبار دونوں مراد تھے از قبیل "سرابیل تقیکم الحر" اس صورت میں قیاس کی ضرورت نہیں رہتی۔

۱۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: لَقَدِ ارْتَقَيْتُ عَلَى ظَهْرِ الْبَيْتِ، «فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهِ».

ترجمہ: واسع بن حبان عبد اللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے فرمایا میں گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ دو اینٹوں پر بیٹھے ہوئے قضائے حاجت فرمارہے ہیں اور قضائے حاجت کے وقت آپ بیت المقدس کی طرف رُخ کئے ہوئے ہیں (یعنی بیت اللہ کی طرف آپ ﷺ کی پیٹھ تھی جیسا کہ مسلم اور ترمذی کی روایت میں تصریح موجود ہے)۔

تخريج صحيح البخاري - الوضوء (١٤٥) صحيح البخاري - الوضوء (١٤٧) صحيح البخاري - الوضوء (١٤٨) صحيح البخاري - فرض الخمس (٢٩٣٥) صحيح مسلم - الطهارة (٢٦٦) جامع الترمذي - الطهارة (١١) سنن النسائي - الطهارة (٢٣) سنن أبي داود - الطهارة (١٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٢٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (١٢/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (١٣/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٤١/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٩٩/٢) موطأ مالك - النداء للصلاة (٤٥٥) سنن الدارمي - الطهارة (٦٦٧)

شرح الحديث قوله: عَلَىٰ ظَهْرِ الْبَيْتِ اور بعض روایات میں بَيْتِنَا اور بعض میں بَيْتِ أُخْتِي حَفْصَةَ مذکور ہے، یہ کوئی خاص اختلاف نہیں ہے، حفصہؓ ان کی بہن تھیں، بہن کے گھر کی اپنی طرف نسبت مجازاً کر دی، اور خصوصاً اس لئے بھی کہ اپنی بہن کے یہی تنہا وارث تھے، اور حفصہؓ کی طرف بھی بیت کی نسبت سکنی کے لحاظ سے ہے ورنہ وہ بیت تو دراصل حضور ﷺ کی ملک تھا۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ اپنی بہن حفصہ کے گھر گیا، اور وہاں کسی ضرورت سے چھت پر چڑھا تو دیکھا کہ حضور ﷺ لَبِنَتَيْنِ یعنی دو پکی اینٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے قضاء حاجت فرما رہے تھے، اور اس وقت میں آپ کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، اور مدینہ منورہ میں بیت المقدس کے استقبال سے کعبہ کا استدبار ہو جاتا ہے، لہذا اسی حدیث سے استدبار قبلہ عند قضاء الحاجۃ ثابت ہو گیا۔

یہاں پر حدیث میں ایک سوال ہے جس کی طرف ابھی ہم نے اوپر اشارہ بھی کیا وہ یہ کہ ابن عمرؓ نے اوپر جا کر آپ ﷺ کو ایسی حالت میں کیوں دیکھا؟ جواب اوپر آ ہی گیا کہ وہ قصداً دیکھنے کیلئے نہیں چڑھے تھے، بلکہ اپنی کسی ضرورت سے چڑھے تھے علامہ کرمانیؒ کی رائے یہ ہے کہ ہو سکتا ہے انہوں نے قصداً وارادۃً ہی دیکھا ہو لیکن صرف بدن کے اوپر کا حصہ دیکھا ہو، پھر اس سے اندازہ لگالیا ہو کہ آپ کیسے بیٹھے ہیں اور اس حالت میں قصداً دیکھنا گویا علمی و شرعی مصلحت کے پیش نظر تھا، لیکن اکثر شراح نے اس کو بعید لکھا ہے۔

قوله: عَلَىٰ لَبِنَتَيْنِ: اس سے ایک ادب یہ معلوم ہوا کہ استنجاء ہموار زمین پر بیٹھ کر نہ کرنا چاہئے بلکہ اونچی جگہ پر بیٹھ کر کرنا چاہئے ورنہ مقعد کے تلوث کا اندیشہ ہے چنانچہ اسی لئے اس حدیث پر امام بخاریؒ نے باب باندھا باب مَنْ تَبَرَّزَ عَلَىٰ لَبِنَتَيْنِ۔

حنفیہ کی جانب سے حدیث الباب کے جوابات: جاننا چاہئے کہ چونکہ یہ واقعہ بنیان اور آبادی کا ہے، اس لئے حضرات ائمہ ثلاثہ نے اس سے اپنے مسلک پر استدلال کیا کہ **قضاء حاجت کے وقت استقبال واستدبار فی البنیان** جائز ہے، صرف صحراء میں ممنوع ہے، ہماری طرف سے اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں۔

① عموم الدعوی وخصوص الدلیل، یعنی جمہور کا دعوی عام ہے کہ استقبال واستدبار دونوں بنیان میں جائز ہیں، اور حدیث الباب سے صرف جواز استدبار معلوم ہو رہا ہے، لہذا دعوی عام اور دلیل خاص ہوئی۔

② توقف الاستدلال على تقدم المنع، یعنی اس حدیث سے استدلال کا صحیح ہونا اس پر موقوف ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ منع کی روایات اس سے مقدم ہیں، اور یہ ثابت نہیں ہے، بلکہ ہو سکتا ہے منع کی روایات اس کے بعد کی ہوں۔

③ ترجیح المحرم علی المبیح، یعنی جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے، یہاں بھی تعارض ہو رہا ہے، باب اول کی روایات مطلقاً منع پر دال ہیں، لہٰذا ان ہی کو ترجیح ہوگی۔

④ ترجیح القول علی الفعل، یعنی یہ روایت فعلی ہے اور منع کی روایات قولی ہیں، قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے۔

⑤ الفرق بین عین القبلة والجهة، یعنی اصل ممانعت عین قبلہ کے استقبال کی ہے، جہت قبلہ کی نہیں ہے، اور یہاں ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کو جہت قبلہ کی طرف تھے لیکن عین قبلہ سے منحرف ہوں۔

⑥ المعتبر الاستقبال بالفرج دون الصدر، یعنی یہاں پر استقبال بالفرج معتبر ہے نہ کہ استقبال بالوجہ، تو ہو سکتا ہے آپ، کا سینہ و چہرہ تو قبلہ کی طرف ہو لیکن فرج کا رخ اس سے ہٹا ہوا ہو۔

⑦ النظر الفجائي لايعتد به یعنی حضرت ابن عمرؓ کی یہ نظر فجائی تھی، لہٰذا ایسی نظر پر مسئلہ شرعی کی بناء نہیں ہو سکتی ہے۔

ویسے ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات اکثر علماء کے نزدیک طاہر ہیں، پھر اس صورت میں علت منع ہی نہیں پائی جا رہی ہے، حاصل یہ کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، احقر نے آپ ﷺ کے فضلات کی طہارۃ کے سلسلہ میں حضرت شیخ کے حکم سے کچھ مواد اور مذاہب اربعہ کی عبارات فقہیہ جمع کی تھیں، رسالہ شیم الحبیب کے اخیر میں یہ مضمون بطور ضمیمہ کے ملحق ہے جو دیکھنا چاہیں دیکھ لیں [1]۔

١٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْحَاقَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: «نَهَى نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِبَوْلٍ، فَرَأَيْتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا».

ترجمہ جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہم پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کریں، پھر میں نے (حضرت جابرؓ کہہ رہے ہیں) آپ ﷺ کی وفات سے ایک سال پہلے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ قبلہ رخ ہو کر قضاء حاجت فرما رہے ہیں۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (٩) سنن أبي داود - الطهارة (١٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٢٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣/٣٦٠)

شرح الحدیث حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے استنجاء کے وقت استقبال قبلہ سے منع فرمایا تھا، لیکن میں نے

---

[1] الحمد للہ یہ ضمیمہ اب اس طباعت کے آخر میں شامل کر لیا گیا ہے۔

آپ کو انتقال سے ایک سال پہلے دیکھا کہ آپ مستقبل قبلہ پیشاب کر رہے ہیں۔

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ بہت سے علماء مثلاً ابن عبد البرؒ وغیرہ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے، حافظ ابن قیمؒ نے تھذیب السنن [1] میں بہت تفصیل سے اس پر کلام کیا ہے اور اس کا ضعف ثابت کیا ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ اس کے اندر محمد بن اسحٰق راوی ہے لا یحتج بہ فی الاحکام، نیز وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکایۃ فعل لاعموم لھا کے قبیل سے ہے، بخلاف احادیث منع کے وہ نہایت صریح اور صحیح ہیں، پھر یہ حدیث ان کا معارضہ کیسے کر سکتی ہے، البتہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے اور امام نوویؒ نے اس میں توقف فرمایا ہے۔

دراصل محمد بن اسحٰق کی تعدیل و تجریح میں بڑا اختلاف ہے، اس میں تو شک نہیں کہ وہ امام المغازی ہیں۔۔۔ فن تاریخ و سیر کے امام ہیں، لیکن حدیث میں بھی معتبر ہیں یا نہیں؟ یہ مختلف فیہ ہے، شعبہ کہتے ہیں "ھو امیر المومنین فی الحدیث" اور امام مالکؒ نے ان پر سخت نقد کیا ہے، اور یہاں تک فرمایا ہے "دجال من الدجاجلۃ" یعنی مکار اور فریبی ہے [2]، علامہ عینیؒ ان کی ثقاہت کے قائل ہیں، اور انہوں نے اکثر علماء سے یہی نقل کیا ہے ایسے ہی شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں "ثقۃ ثقۃ واللہ تعالی اعلم"۔

مسلک احناف کی وجہ ترجیح: منع کی روایات جو پہلے باب میں گذری ہیں جو حنفیہ کا مستدل ہیں وہ سب کی سب قولی ہیں اور اس باب میں مصنفؒ نے صرف دو روایات ذکر کی ہیں، اور وہ دونوں فعلی ہیں، ائمہ ثلاثہ کے پاس ایک روایت قولی بھی ہے جو مسند احمد و ابن ماجہ میں ہے جس کی سند اس طرح ہے عَنْ خَالِدِ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ عَائِشَةَ...... مضمون اس کا یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضور ﷺ کے سامنے بعض ایسے لوگوں کا ذکر کیا گیا جو قضاء حاجت کے وقت استقبال کو مکروہ سمجھتے تھے تو آپ نے فرمایا اسْتَقْبِلُوا بِمَقْعَدَتِي الْقِبْلَةَ [3] کہ اگر ایسا ہے تو پھر میرے محل قضاء حاجت کا رخ قبلہ کی طرف کر دیا جائے، یہ حدیث بیہقی اور دار قطنی میں بھی ہے، امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس کی تحسین کی ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ خالد بن ابی الصلت مجہول اور ضعیف ہے جیسا کہ کتب رجال میں ہے، نیز خالد کا سماع عراک سے ثابت نہیں ہے ایسے ہی عراک کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے، کما قال البخاری و أحمد، لہٰذا یہ حدیث احادیث صحیحہ کا جن میں مطلقاً ممانعت ہے، کیسے مقابلہ کر سکتی ہے۔

---

[1] تھذیب السنن لابن قیم الجوزیۃ ج ۱ ص ۹۷-۱۰۲ (مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع ۱۴۲۸ھ)

[2] وقال مالك (وذكر ابن إسحاق): دجال من الدجاجلة. (سير أعلام النبلاء - ج ۷ ص ۳۸)

[3] سنن ابن ماجہ - كتاب الطهارة وسننها - باب الرخصة في النهي عن استقبال القبلة بالغائط والبول ۳۲۴

٦ - بَابُ كَيْفَ التَّكَشُّفُ عِنْدَ الْحَاجَةِ

قضاء حاجت کے وقت ستر کو کس طرح کھولا جائے

اس ترجمة الباب اور حديث الباب میں ایک نہایت لطیف ادب بیان کیا گیا ہے، اور یہ ادب ایک قاعدہ پر متفرع ہے، وہ یہ کہ "الضروری یتقدر بقدر الضرورة" [1] کہ جو کام ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے اختیار کیا جارہا ہو اسکو بقدر ضرورت ہی اختیار کرنا چاہئے، یہی احوط طریقہ ہے تو اسی سلسلہ کا یہ باب ہے کہ آدمی بیت الخلاء میں جاکر قضاء حاجت کیلئے بدن سے کپڑا ہٹائے اور کشف عورت کرے تو یہ کپڑا ہٹانا اور کشف عورت بتدریج اور حسب ضرورت کرنا چاہئے، ایک دم پورا کپڑا نہیں ہٹانا چاہئے، چنانچہ حدیث الباب میں ہے کہ حضور ﷺ جب قضاء حاجت کا ارادہ فرماتے تو اپنا کپڑا نہیں اٹھاتے جب تک زمین کے قریب نہ ہوجاتے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بلاضرورت تعری اور کشف عورت تنہائی میں بھی جائز نہیں ہے، جیسا کہ امام نوویؒ اور علامہ شامیؒ نے اسکی تصریح کی ہے۔

١٤ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ رَجُلٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ حَاجَةً لَا يَرْفَعُ ثَوْبَهُ حَتَّى يَدْنُوَ مِنَ الْأَرْضِ» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ -وَهُوَ ضَعِيفٌ- قَالَ أَبُو عِيسَى الرَّمْلِيُّ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْوَلِيدِ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بِهِ.

ترجمہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اپنی تہبند نیچے سے نہ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ زمین کے قریب ہوجاتے، امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو عبد السلام بن حرب نے اعمش کے واسطہ سے نقل کیا ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (١٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٤) سنن الدارمي - الطهارة (٦٦٦)

شرح الحدیث قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ: اس حدیث کی سند کا مدار اعمش پر ہے، اعمش کے یہاں پر دو شاگرد ہیں، وکیع اور عبد السلام، مصنفؒ کا مقصود تلامذۂ اعمش کا اختلاف بیان کرنا ہے، اختلاف یہاں دو طرح ہے، اول یہ کہ وکیع کی روایت میں اعمش اور صحابی کے درمیان ایک رجل مبہم کا واسطہ ہے، بخلاف عبد السلام کی روایت کے، کہ وہاں صحابی اور اعمش کے درمیان واسطہ نہیں ہے، دوسرا اختلاف یہ ہے کہ وکیع نے اس حدیث کا راوی صحابی ابن عمرؓ کو قرار دیا، اور عبد السلام نے انسؓ کو، اس کے بعد مصنفؒ حدیث ثانی کے بارے میں فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ۔

ضعف کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ اعمش کا سماع حضرت انسؓ سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس سند میں انقطاع ہے، اور پہلی سند میں

---

[1] الضرورة يتقدر بقدر الضرورة (المحيط البرهاني في الفقه النعماني - ج ١ ص ٥)

واسطہ موجود ہے، لیکن واسطہ رجل مبہم کا ہے اس وجہ سے اس میں بھی ضعف آنا چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے مصنفؒ کے نزدیک اس رجل مبہم کا مصداق کوئی قوی راوی ہو گا، اس لئے اپنے اس ذاتی علم کی بنا پر اس کو ضعیف نہیں کہا، اب یہ کہ وہ رجل مبہم کون ہے؟ جواب بیہقی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاسم بن محمد ہے، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سیوطیؒ دونوں کی رائے یہی ہے اور ابن قیمؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد غیاث بن ابراہیم ہے، لیکن یہ اسلئے صحیح نہیں ہے کہ وہ ضعیف ہیں اگر اس کا مصداق مصنفؒ کے نزدیک غیاث بن ابراہیم ہوتے تو حدیث اول پر بھی ضعف کا حکم لگاتے۔

یہ جو اوپر آیا ہے کہ اعمش کا سماع انسؓ سے ثابت نہیں ہے، جمہور کی رائے یہی ہے کہ اعمش کا سماع نہ انسؓ سے ہے نہ اور کسی صحابی سے، لیکن اس میں ابو نعیم اصفہانیؒ کا اختلاف ہے جیسا کہ منذریؒ نے لکھا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ اعمش نے انس بن مالکؓ اور عبداللہ بن ابی اوفیؓ کو دیکھا ہے، اور ان دونوں سے سماع بھی ثابت ہے، منذریؒ کہتے ہیں یہ خلاف مشہور ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ یہ حدیث ان ہی دو سندوں کیساتھ ترمذی شریف میں بھی ہے، لیکن امام ترمذیؒ نے دونوں حدیثوں پر مرسل یعنی منقطع ہونے کا حکم لگایا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ ترمذی کی روایت میں وکیع اور عبدالسلام دونوں کی سند میں انقطاع ہے، دونوں جگہ اعمش اور صحابی کے درمیان واسطہ مذکور نہیں ہے، اس صورت میں امام ترمذیؒ کا دونوں پر کلام کرنا درست ہے، ترمذی کی سند کا تقاضہ یہی ہے کہ دونوں ضعیف ہوں۔

۷۔ بَابُ كَرَاهِيَةِ الْكَلَامِ عِنْدَ الْحَاجَةِ

بیت الخلاء میں بات چیت کی ممانعت کا بیان

قضاء حاجت کے وقت بلا ضرورت و مجبوری کے بات کرنا خلاف ادب ہے، مکروہ تنزیہی ہے، ہاں! اگر اسکے ساتھ کوئی اور قباحت بھی شامل ہو جائے، مثلاً کشف عورۃ عند الآخر جیسا کہ حدیث الباب میں ہے تو اس صورت میں یقیناً کراہت تحریمی ہو جائیگی۔

۱۵۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ عِيَاضٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا يَخْرُجِ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ كَاشِفَيْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا يَتَحَدَّثَانِ، فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَمْقُتُ عَلَى ذَلِكَ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا لَمْ يُسْنِدْهُ إِلَّا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ.

ترجمہ: ہلال بن عیاضؒ کہتے ہیں کہ ابو سعید الخدریؓ نے مجھے حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ دو مرد قضائے حاجت کیلئے اس طرح نہ جائیں کہ انکے ستر کھلے ہوں اور وہ دونوں قضائے حاجت کے وقت باتیں کر رہے ہوں کیونکہ اللہ پاک اس کام پر سخت ناراض ہوتے ہیں۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں اس حدیث کو صرف عکرمہ بن عمار ہی نے مسنداً نقل کیا ہے۔

سنن أبي داود - الطهارة (١٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣/٣٦)

شرح الحديث لَا يَخْرُجِ الرَّجُلَانِ: ظاہر یہ ہے کہ یہ نہی کا صیغہ ہے، لہٰذا اسکو جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے، اور اگر مضارع منفی کہا جائے تو مرفوع ہوگا۔ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ ضرب الغائط کنایہ ہوا کرتا ہے قضاء حاجت سے۔

حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ نہ چاہئے دو شخصوں کو یہ بات کہ وہ ایک ساتھ قضاء حاجت کیلئے جائیں، اور پھر بوقت قضاء حاجت ایک دوسرے کے سامنے کشف عورۃ کریں اور بات چیت بھی کرتے رہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر سخت ناراض ہوتے ہیں، ابن ماجہ کی روایت میں اس حدیث میں "يَنْظُرُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَى عَوْرَةِ صَاحِبِهِ [1]" کی زیادتی ہے۔

اس حدیث میں مقت یعنی شدت بغض و غضب کو مجموعہ فعلین یعنی تحدث عند قضاء الحاجۃ اور کشف عورۃ عند الآخر پر مرتب کیا جارہا ہے، اس میں زیادہ سخت چیز جس کو حرام کہنا چاہئے کشف عورۃ عند الآخر ہے، اور رہا مسئلہ بات کرنے کا سو یہ مکروہ تنزیہی ہے، لیکن علامہ شوکانیؒ اس حدیث کے ذیل میں یہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت میں کلام کرنا حرام ہو، کیونکہ مقت یعنی شدت بغض و غضب کا ترتب صرف مکروہ چیز پر نہیں ہوسکتا ہے، لیکن ان کا یہ استنباط صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے یعنی جو حکم دو کاموں پر مرتب ہو رہا ہو اس کو علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر کیسے مرتب کہا جاسکتا ہے، یہ بات حضرتؒ نے بذل میں تحریر فرمائی ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا لَمْ يُسْنِدْهُ إِلَّا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ: یہاں سے مصنفؒ اس حدیث کی سند میں ان کے نزدیک جو ایک علت غامضہ خفیہ ہے اس کو ظاہر فرما رہے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ معرفۃ علل یعنی اسانید میں جو باریک اور پوشیدہ نقائص ہوتے ہیں ان کو پرکھنا علوم حدیث کی انواع میں سے ایک اہم نوع ہے، معرفت علل کا مطلب یہ ہے کہ ایک حدیث کی سند بظاہر سیدھی سچی ہے بظاہر اس میں کوئی قابل اشکال بات نہیں ہے لیکن فی الواقع اس سند میں ایک باطنی روگ ہے جس کو بڑے حضرات اور ائمہ فن ہی سمجھ سکتے ہیں، جیسے دار قطنیؒ، امام ابو حاتم رازیؒ، امام بخاریؒ، امام نسائیؒ، وامثالہم تو وہ باطنی روگ اس سند میں جسکو مصنفؒ بیان کرنا چاہ رہے ہیں، یہ ہے کہ اس حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر سے عکرمہ کے علاوہ کسی اور نے مسنداً نہیں بیان کیا، چنانچہ یحییٰ بن ابی کثیر کے دوسرے شاگرد امام اوزاعیؒ ہیں وہ اس حدیث کو بجائے مسند کے مرسلاً نقل کرتے ہیں، ان کی روایت بیہقی میں اس طرح ہے عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [2] دیکھئے یہ حدیث اس طریق سے مرسل ہے کیونکہ صحابی یہاں مذکور نہیں ہے تو حاصل یہ ہوا کہ بعض رواۃ اس حدیث کو مسنداً اور بعض مرسلاً نقل کرتے ہیں، اور یہ اضطراب ہے جس کی وجہ سے حدیث میں ضعف آگیا، اور اس اضطراب پر اطلاع ظاہر ہے کہ تتبع طرق ہی

---

[1] سنن ابن ماجه - كتاب الطهارة - باب النهي عن الاجتماع على الخلاء والحديث عنده ٣٤٢

[2] السنن الكبرى للبيهقي - كتاب الطهارة باب كراهية الكلام عند الخلاء ٤٨٥ (دار الكتب العلمية الطبعة الثالثة ١٤٢٤هـ)

سے ہوئی ہے، مصنفؒ کے ذہن میں چونکہ دوسرے طرق تھے اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کو پرکھ لیا اور تنبیہ فرمادی۔

٨- بَابُ يَرُدُّ السَّلَامَ وَهُوَ يَبُولُ

پیشاب کرتے وقت سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟

یہ ترجمہ ہمارے نسخے میں اسی طرح ہے، لہذا یہاں حرف استفہام محذوف ماننا ہوگا اور بعض نسخوں میں حرف استفہام مذکور ہے اس طرح "أَيَرُدُّ السَّلَامَ وَهُوَ يَبُولُ" یعنی اگر کوئی شخص پیشاب کر رہا ہے اور دوسرا اس کو سلام کرے تو وہ اس حالت میں سلام کا جواب دے یا نہیں؟ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں جواب نہ دینا چاہئے، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ یہ حالت کشف عورۃ کی حالت ہے اور کشف عورۃ کی حالت میں مطلق بات کرنا بھی مکروہ ہے چہ جائیکہ سلام اور ذکر اللہ! بعد میں اگر جواب دے تو یہ اس کا تبرع واحسان ہے، واجب نہیں ہے۔

جس طرح جواب سلام اس حالت میں مکروہ ہے، خود سلام کرنا بھی مکروہ ہے، اب یہاں پر مناسب ہے یہ معلوم ہو جائے کہ کن کن حالات میں سلام کرنا مکروہ ہے، چنانچہ حضرتؒ نے بذل میں اس مضمون کو در مختار سے نقل فرمایا ہے، جو نظم میں ہے اسکو دیکھ لیا جائے[1]۔

١٦ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ، وَأَبُو بَكْرِ ابْنَا أَبِي شَيْبَةَ قَالَا: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: «مَرَّ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَغَيْرِهِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَيَمَّمَ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ».

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے اس شخص نے اس حالت میں آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اسکے سلام کا جواب نہیں دیا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں: ابن عمرؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے تیمم فرما کر اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

---

[1] ناظرین کی سہولت کیلئے ان اشعار کو یہاں نقل کیا جاتا ہے (رد المحتار على الدر المختار – ج ٢ ص ٣٧٣-٣٧٥، بذل المجهود في حل أبي داود – ج ١ ص ٤٢-٤٣)

سَلَامُكَ مَكْرُوهٌ عَلَى مَنْ سَتَسْمَعُ ... وَمَنْ بَعْدَ مَا أُبْدِي يُسَنُّ وَيُشْرَعُ
مُصَلٍّ وَتَالٍ ذَاكِرٍ وَمُحَدِّثٍ ... خَطِيبٍ وَمَنْ يُصْغِي إِلَيْهِمْ وَيَسْمَعُ
مُكَرِّرِ فِقْهٍ جَالِسٍ لِقَضَائِهِ ... وَمَنْ بَحَثُوا فِي الْفِقْهِ دَعْهُمْ لِيَنْفَعُوا
مُؤَذِّنٍ أَيْضًا أَوْ مُقِيمٍ مُدَرِّسٍ ... كَذَا الْأَجْنَبِيَّاتُ الْفَتِيَّاتُ أَمْنَعُ
وَلُعَّابُ شِطْرَنْجٍ وَشِبْهٍ بِخُلْقِهِمْ ... وَمَنْ هُوَ مَعَ أَهْلٍ لَهُ يَتَمَتَّعُ
وَدَعْ كَافِرًا أَيْضًا وَمَكْشُوفَ عَوْرَةٍ ... وَمَنْ هُوَ فِي حَالِ التَّغَوُّطِ أَشْنَعُ

تخریج: صحیح مسلم - الحیض (۳۷۰) جامع الترمذي - الطهارة (۹۰) جامع الترمذي - الاستئذان والآداب (۲۷۲۰) سنن النسائي - الطهارة (۳۷) سنن أبي داود - الطهارة (۱٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۳۵۳)

شرح الحدیث: اگلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر بن قنفذ نے سلام کیا تھا تو ہو سکتا ہے یہ رجل مبہم وہی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ابو الجہیم بن الحارث ہوں جیسا کہ مشکوٰۃ کی روایت میں انکے نام کی تصریح ہے، اور ابو الجہیم کی روایت ابو داؤد میں بھی ابواب التیمم میں آرہی ہے اور ہو سکتا ہے کوئی اور شخص ہوں۔ قطعی طور پر تعیین نہیں ہو سکتی ہے کہ یہ کون ہیں؟ لیکن ان کی تعیین نہ ہونے سے روایت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

حاصل یہ کہ ان صحابی کا آپ ﷺ کے پاس سے گزر ہوا درآنحالیکہ آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے انہوں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اس روایت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا، اگلی روایت میں ہے "ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ" اگر دونوں الگ الگ واقعے ہوں تو کوئی اشکال نہیں اور اگر ایک ہی واقعہ ہو جیسا کہ حضرت سہارنپوریؒ کا رجحان اسی طرف ہے تو اس صورت میں فَلَمْ يَرُدَّ کے معنی یہ ہوں گے کہ فی الفور جواب نہیں دیا، بلکہ بعد التیمم جواب دیا۔

ایک مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ اگر استنجاء بالحجر کرنے والے کو سلام کیا جائے تو وہ جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟ سو اس میں اختلاف ہے معرف الشذی میں یہ لکھا ہے حضرت اقدس گنگوہی کی رائے یہ ہے کہ جواب دینا جائز ہے، اور حضرت مولانا مظہر نانوتوی کی رائے یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَغَيْرِهِ: جاننا چاہئے کہ اس باب میں مصنفؒ نے جو روایت موصولاً ذکر فرمائی ہے وہ بھی ابن عمرؓ ہی کی ہے، اب یہاں ابن عمرؓ کی روایت جو تعلیقاً ذکر کر رہے ہیں وہ آگے ابواب التیمم میں آرہی ہے، اور مصنفؒ کے کلام میں "غَيْرِهِ" سے ابو الجہیم کی روایت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور یہ روایت بھی ابواب التیمم ہی میں آرہی ہے، لیکن بذل میں حضرت نے وَغَيْرِهِ کا مصداق ابن عباسؓ کو لکھا ہے، لیکن واضح رہے کہ آگے ابواب التیمم میں ابن عمرؓ کی روایت کے علاوہ جو دوسری آرہی ہے، وہ ابوالجہیم کی ہے، ابن عباسؓ کی نہیں ہے۔

اب یہ کہ مصنفؒ کی غرض اس کلام سے کیا ہے، سو اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ مصنفؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس روایت میں اختصار واقع ہوا ہے، دوسری روایات جو مفصل ہیں، اسمیں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے تیمم کے بعد جواب دیا، دوسرا احتمال غرض مصنف میں یہ ہے کہ اس روایت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا، لیکن ایک دوسرے موقع پر جب یہی بات پیش آئی تو آپ نے سلام کا جواب تیمم کے بعد دیا تھا، گویا واقعے متعدد ہیں۔

عبادات فائتہ لاالی خلف کیلئے تیمم کا جواز: قوله: تَيَمَّمَ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ: پیشاب سے

فارغ ہونے کے بعد سلام کا جواب دینا جائز تھا، لیکن چونکہ سلام میں ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ طہارت کے ساتھ افضل ہے اس لئے آپ نے فوراً تیمم فرماکر سلام کا جواب دیا۔

اس سے امام طحاویؒ نے استدلال کیا کہ جو عبادات فائت لاالی خلف کے قبیل سے ہیں، یعنی جن عبادات کے فوت ہونے کے بعد قضاء نہیں ہے، مثلاً صلوۃ الجنازہ، صلوۃ العیدین، ان کو وضو کر کے ادا کرنے کی صورت میں اگر فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو تو پانی کے موجود ہوتے ہوئے فوراً تیمم کر کے ان عبادات کو ادا کر سکتے ہیں، یہ احناف کا مسلک ہے، ائمہ ثلثہ اسکے قائل نہیں ہیں، اسی لئے امام نوویؒ نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ تیمم فرمانا پانی نہ ہونے کی وجہ سے تھا لیکن یہ بات خلاف ظاہر ہے اس لئے کہ یہ مدینہ کا واقعہ ہے، اور آبادی میں تو پانی ہوتا ہی ہے۔

١٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ حُضَيْنِ بْنِ الْمُنْذِرِ أَبِي سَاسَانَ، عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ، أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى تَوَضَّأَ، ثُمَّ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ "إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا عَلَى طُهْرٍ أَوْ قَالَ: عَلَى طَهَارَةٍ"

ترجمہ: مہاجر بن قنفذ سے مروی ہے کہ وہ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ پیشاب کر رہے تھے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے انکے سلام کا جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا (پھر جواب دیا) پھر آپ ﷺ نے ان سے معذرت چاہی اور فرمایا میں نے (آپ کے سلام کا جواب اس لئے نہیں دیا تھا کیونکہ میں نے) ناپسند کیا تھا کہ بغیر طہارت اللہ پاک کا نام لوں۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (١٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٥٠) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/٣٤٥) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٥/٨٠) سنن الدارمي - الاستئذان (٢٦٤١)

شرح الحدیث: روایات اس بارے میں مختلف ہیں کہ آپکو سلام کس حالت میں کیا گیا، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عین پیشاب کرنے کے وقت کیا گیا، نسائیؒ کی روایت میں بھی اسی طرح ہے، وَهُوَ يَبُولُ اور مسند احمد کی روایت میں كَانَ يَبُولُ، أَوْ قَدْ بَالَ شک راوی کے ساتھ ہے لیکن ابن ماجہ میں ہے وَهُوَ يَتَوَضَّأُ یعنی وضو کرتے ہوئے سلام کیا، اب یا تو ابن ماجہ کی روایت کو مرجوح قرار دیا جائے کہ اکثر روایات کے خلاف ہے، یا پھر وہ توجیہ کی جائے جو حضرت سہارنپوریؒ نے بذل [1] میں اپنے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے نقل فرمائی ہے، وہ یہ کہ راوی نے یہاں پر استعارہ سے کام لیا کہ مسبب بول کر سبب مراد لیا یعنی سبب الوضو وهو البول۔

قوله: إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا عَلَى طُهْرٍ: آپ ارشاد فرمارہے ہیں کہ میں نے بغیر طہارۃ کے اللہ کا نام لینا پسند

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٤٥

نہیں کیا، اسلئے کہ سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، قرآن کریم میں ہے هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ [1]. اور الأدب المفرد میں حضرت انسؓ کی حدیث میں مرفوعاً ہے۔ إِنَّ السَّلَامَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى [2]۔

یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ آپ کا ارشاد اس حدیث عائشہؓ کے خلاف ہے جو اگلے باب میں آرہی ہے "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ" بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کے چند جواب ہوسکتے ہیں:

① حدیث الباب اولویت پر محمول ہے، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث بیان جواز پر،

② حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ذکر سے ذکر قلبی مراد ہے اور یہاں ذکر لسانی "فلا منافاۃ"

③ "عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ" کی ضمیر حضور ﷺ کی طرف راجع نہیں ہے، بلکہ ذکر کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہوں گے "کان یذکر اللہ عزوجل فی احیان الذکر" یعنی وہ تمام اوقات ذکر جن میں ذکر مناسب ہے، ان میں آپ ذکر اللہ فرماتے تھے اس صورت میں کوئی اشکال نہ رہا، یہ جواب علامہ سندھیؒ نے دیا ہے۔

یہاں پر ایک دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ بیت الخلاء سے نکلتے وقت کیلئے آپ ﷺ سے بعض دعائیں منقول ہیں، اور ظاہر ہے کہ وہ دعاء بغیر طہارۃ کے پڑھی جائے گی، اور حدیث الباب سے حالت غیر طہارۃ میں ذکر اللہ کی کراہت معلوم ہوتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اذکار کی دو قسمیں ہیں، ایک اذکار مطلقہ جن میں کسی خاص وقت کی تعیین نہیں ہوتی، دوسرے اذکار مخصوصہ وموقتہ کہ جن میں کسی خاص وقت کی تعیین ملحوظ ہوتی ہے، پس اذکار مخصوصہ کیلئے ضروری ہے کہ ان کو ان کے اوقات میں پڑھا جائے طہارۃ ہو یا نہ ہو، اور جو اذکار مطلقہ ہیں ان کیلئے البتہ اولیٰ یہ ہوگا کہ طہارۃ کے ساتھ ہوں۔

٩۔ بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَذْكُرُ اللهَ تَعَالَى عَلَى غَيْرِ طُهْرٍ

﴿باب اس بیان میں ہے کہ کوئی شخص اللہ پاک کا نام بغیر طہارت کے لے سکتا ہے﴾

١٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ خَالِدِ بْنِ سَلَمَةَ يَعْنِي الْفَأْفَاءَ، عَنِ الْبَهِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ»

ترجمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ پاک کا ذکر ہر وقت فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، وہ بادشاہ ہے، پاک ذات، سب عیبوں سے سالم، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست دباؤ والا، صاحب عظمت (سورۃ الحشر ٢٣)

[2] الأدب المفرد۔ باب السلام اسم من أسماء الله عز وجل: ٩٨٩

تخریج صحيح مسلم - الحيض (٣٧٣) جامع الترمذي - الدعوات (٣٣٨٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٠٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٧٠) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٥٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٧٨)

شرح الحدیث مصنفؒ کی عادت یہ ہے کہ وہ کبھی کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ باب کے اخیر میں اگر کوئی ایسی روایت آجائے جس کے خلاف کوئی دوسری روایت ہو تو مصنفؒ اس مخالف روایت کو فوراً اگلے باب میں ذکر کر دیتے ہیں تاکہ اس روایت کو ملحوظ رکھ کر اسکا جواب سوچا جائے، چنانچہ یہاں پر گزشتہ باب کے اخیر میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل ہوا" إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللهَ "حالانکہ حضرت عائشہؓ کی روایت اس کے خلاف ہے، اس لئے مصنفؒ نے اس باب کو قائم فرما کر حضرت عائشہؓ کی حدیث کو ذکر کر دیا، ورنہ ظاہر ہے کہ اس ترجمۃ الباب کا تعلق سیاق وسباق کے جو ابواب چل رہے ہیں، یعنی آداب استنجاء ان سے نہیں ہے، اس باب میں مصنفؒ نے جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس پر کلام گزشتہ ابواب میں آچکا ہے۔

١٠ - بَابُ الْخَاتَمِ يَكُونُ فِيهِ ذِكْرُ اللهِ تَعَالَى يُدْخَلُ بِهِ الْخَلَاءُ

اگر کسی نے ایسی انگوٹھی پہن رکھی ہو جس پر اللہ پاک کا نام لکھا ہو کیا اس انگوٹھی کو پہن کر بیت الخلاء جا سکتا ہے یا نہیں؟

١٩ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ وَإِنَّمَا يُعْرَفُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ، ثُمَّ أَلْقَاهُ» وَالْوَهْمُ فِيهِ مِنْ هَمَّامٍ، وَلَمْ يَرْوِهِ إِلَّا هَمَّامٌ".

ترجمہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی انگوٹھی اُتار دیتے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے حضرت انسؓ سے معروف روایت جو ابن جریج نے بواسطہ زیاد بن سعد امام زہریؒ سے نقل کی ہے، اس کا متن یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنائی تھی پھر اس انگوٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔ اوپر والی سند میں ہمام راوی کو وہم ہوا ہے اور اوپر والی حدیث صرف ہمام راوی ہی نقل کرتے ہیں۔

تخریج جامع الترمذي - اللباس (١٧٤٦) سنن النسائي - الزينة (٥٢١٣) سنن أبي داود - الطهارة (١٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٠٣)

شرح الحدیث آداب استنجاء کا بیان چل رہا ہے، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ منجملہ آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ اگر کسی نے انگوٹھی پہن رکھی ہو جس میں اللہ یا رسول اللہ ﷺ کا نام ہو تو اس کو بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اتار کر رکھ دیا جائے۔

چنانچہ حدیث الباب میں ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی خاتم باہر اتار کر رکھ دیتے اور یہ اسلئے کہ آپ کی انگوٹھی میں "محمد رسول الله" لکھا ہوا تھا، اس میں انگوٹھی کی کوئی تخصیص نہیں

ہے، بلکہ ہر وہ چیز یا کاغذ جس میں اللہ کا نام لکھا ہوا ہو، مثلاً دراہم ودنانیر کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے بلکہ اگر ذکر اللہ کے علاوہ مطلق حروف بھی اس میں لکھے ہوئے ہیں وہ کیسے ہی ہوں تب بھی ایسا ہی کیا جائے گا، اسلئے کہ حروف اللہ تعالیٰ کے کلام اور اسماء کا مادہ ہیں اس حیثیت سے مطلق حروف بھی قابل احترام ہیں، جیسا کہ حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے۔

یہاں پر ایک طالبعلمانہ سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ مصنف فرماتے ہیں "بَابُ الْخَاتَمِ يَكُونُ فِيهِ ذِكْرُ اللهِ" خاتم میں ذکر اللہ کہاں، ذکر تو ذاکر کی صفت ہے اور اسکے ساتھ قائم ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ذکر سے مراد وہ الفاظ ہیں جو ذکر پر دال ہیں، اس پر بھی وہی اشکال عود کرے گا کہ الفاظ تو لافظ کی زبان میں ہیں، نہ کہ خاتم یا کاغذ میں، پھر یہی کہا جائے گا کہ الفاظ سے ہماری مراد وہ نقوش اور حروف کی شکلیں ہیں جو الفاظ پر دال ہیں، جاننا چاہئے کہ نقوش الفاظ پر دلالت کرتے ہیں اور الفاظ معانی پر تو گویا تین چیزیں ہو گئیں، نقش، لفظ، معنی، حاصل کلام یہ کہ ذکر اللہ سے مراد مایدل علی الذکر ہے اور مایدل علی الذکر دو ہیں، ایک بلاواسطہ جیسے الفاظ اور ایک بالواسطہ جیسے نقوش اور یہی یہاں مراد ہیں۔

حضور ﷺ کی خاتم مبارک زینت کیلئے نہیں تھی بلکہ وہ آپکی مہر تھی جس میں آپ کا اسم مبارک کندہ تھا، اور مہر کے طریقہ پر وہ خطوط پر لگائی جاتی تھی، اسلئے کہ جب آپ ﷺ نے غیر مسلم بادشاہوں کو دعوت الی الاسلام کے خطوط روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ سلاطین کا دستور یہ ہے کہ وہ غیر مختوم تحریر کو قبول نہیں کرتے، جب باقاعدہ مہر کے ساتھ ان کے پاس لفافہ یا خط پہنچتا ہے اسکو لیتے ہیں تو اس ضرورت کے تحت آپ نے اس موقعہ پر یہ خاتم بنوائی تھی۔

یہاں پر یہ بھی جان لینا ضروری ہے کیونکہ اسکی آئندہ ضرورت پیش آئے گی کہ آپ ﷺ نے شروع میں خاتم ذہب بنوائی تھی، صحابہ کرام نے بھی آپ کے اتباع میں خاتم ذہب بنوائی، لیکن پھر حضور ﷺ نے اس خاتم ذہب کو ناپسند فرمایا اور پھینک دیا اور دوبارہ آپ نے خاتم فضہ بنوائی اور اسی کو پھر آپ آخر حیات تک استعمال فرماتے رہے، آپ کے وصال کے بعد خلیفہ اول اور ان کے بعد خلیفہ ثانی اور ان کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ تک وہ پہنچی، پھر خلیفہ ثالث کے ہاتھ سے نکل کر وہ کسی طرح بئر اریس میں جو مدینہ منورہ کا مشہور کنواں ہے، اس میں گر کر لاپتہ ہو گئی، باوجود بہت تلاش کرنے کے دستیاب نہ ہوئی، علماء کا کہنا ہے کہ آپ کی خلافت میں جو اختلافات نمودار ہوئے جو تاریخ کی کتابوں میں مشہور ومعروف ہیں، اس مبارک انگوٹھی کے گم ہونے کے بعد ہی یہ سب کچھ ہوا، نہ معلوم اس انگوٹھی میں کیا راز تھا اور وہ کتنی بابرکت تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی جان لینی چاہئے کہ اسکی صحیح صورت حال وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی، لیکن ابواب الخاتم میں ایک روایت آئی ہے جس کی سند میں راوی امام زہریؒ ہیں، ان کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خاتم فضہ بنوائی اور پھر اس کو ناپسند فرما کر پھینک دیا، جمہور شراح ومحدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ زہری کا وہم ہے، آپ نے خاتم فضہ کو نہیں بلکہ خاتم ذہب کو پھینکا تھا، جیسا کہ شروع میں مفصلاً گذر چکا، اور بعض علماء نے زہری کی روایت کی ایک توجیہ بھی کی ہے جو اپنے مقام پر آئے گی، یہاں یہ

سب چیزیں تبعاً آگئیں۔

حدیث الباب کے بارے میں محدثین کا اختلاف رائے: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ: یہ قال ابوداؤد کافی اہم ہے اور قدرے تفصیل طلب ہے، اور مصنفؒ نے جو دعوی کیا ہے وہ مختلف فیہ ہے، سب حضرات کو اس سے اتفاق نہیں ہے، حضرتؒ نے بذل میں اس پر تفصیلاً کلام فرمایا ہے، امام نسائیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور امام دار قطنیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاذ ہے کیونکہ اس میں انہوں نے اختلاف رواۃ کا ذکر کیا ہے ان کے بالمقابل امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین فرمائی ہے اور ساتھ ساتھ غریب بھی کہا ہے، اب گویا امام ابوداؤد ایک جانب ہو گئے دوسری جانب امام ترمذیؒ، دونوں کی رائے مختلف ہے، حافظ منذریؒ اس مسئلہ میں امام ترمذیؒ کے ساتھ ہیں، مصنفؒ کے ہمنوا نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسکے رواۃ ثقات واثبات ہیں اور ہمارے حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کا میلان بھی امام ترمذیؒ کی رائے کی طرف ہے، حضرت کو مصنفؒ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔

مصنف کے دعوے کا ثبوت اور اس پر نقد: قوله: إِنَّمَا يُعْرَفُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: اس سے مصنفؒ اپنے دعویٰ پر دلیل قائم فرما رہے ہیں، یعنی نکارت کی وجہ بیان فرما رہے ہیں، جاننا چاہیے کہ حدیث منکر کے مقابل کو معروف کہا جاتا ہے، اسی لئے مصنفؒ یہاں منکر کا جو مقابل یعنی معروف ہے اس کو اپنے قول " وَإِنَّمَا يُعْرَفُ " سے بیان فرمانا چاہتے ہیں، مصنفؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ہمام راوی سے دو وہم سرزد ہوئے، ایک کا تعلق سند سے ہے اور ایک کا متن سے، سند میں انہوں نے یہ کیا کہ ابن جریجؒ اور زہریؒ کے درمیان جو واسطہ تھا یعنی زیاد بن سعد کا اسکو چھوڑ دیا، اور دوسرا وہم متن سے متعلق ہے وہ یہ کہ اصل متن اس سند کا وہ نہ تھا جو ہمام نے ذکر کیا بلکہ وہ ہے جو ابن جریجؒ سے ہمام کے علاوہ دوسرے رواۃ نقل کرتے ہیں [1] جسکے الفاظ یہ ہیں أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ ثُمَّ أَلْقَاهُ تو گویا ہمام سے دو وہم ہوئے، ایک ترک واسطہ اور ایک تبدیل متن کہ بجائے اس متن کے دوسری بات ذکر کردی اور کچھ کا کچھ کر دیا اور کہا کَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ یہ تو وہ ہے جو مصنفؒ فرما رہے ہیں۔

اور دوسرا فریق جو اس حدیث کو صحیح مانتا ہے جیسے امام ترمذیؒ، حافظ منذریؒ اور حضرت سہارنپوریؒ، وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر منکر کی تعریف صادق نہیں آتی، منکر کہنا غلط ہے، اس لئے کہ حدیث منکر کی تعریف میں دو قول ہیں اور دونوں تعریفیں یہاں صادق نہیں آتیں، اسلئے کہ حدیث منکر وہ حدیث ہے جسکی سند میں کوئی راوی شدید الضعف ہو مثلاً متہم بالکذب ہو اور وہ ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہو، اور دوسرا قول منکر کی تعریف میں یہ ہے کہ جسکے اندر راوی شدید الضعف ہو اس سے بحث نہیں کہ مخالفت ثقہ کر رہا ہے یا نہیں غرضیکہ ہر دو قول کی بنا پر حدیث منکر کیلئے ضروری ہے کہ اسکے اندر کوئی راوی شدید

---

[1] اور وہ رواۃ یہ ہیں: عبد اللہ بن الحارث المخزومی، ابو عاصم، ہشام بن سلیمان، موسیٰ بن طارق جیسا کہ شروح سے معلوم ہوتا ہے۔

الضعف ہو اور ہمام ایسے راوی نہیں ہیں بلکہ ثقہ اور صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں انکی طرف وہم کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے،
دوسری بات یہ ہے کہ وہ متفرد نہیں ہیں بلکہ بیہقی میں یحیٰ بن المتوکل [1] نے اور دار قطنی کی کتاب العلل میں یحیٰ بن الضریس
نے ان کی متابعت کی ہے، لہٰذا یہ حدیث منکر نہ ہوئی بلکہ ہم کہتے ہیں صحیح ہے، ترک واسطہ اور تبدیل متن کے دونوں اعتراض
بے بنیاد ہیں یہ مستقل دو متن ہیں جو دو سندوں سے مروی ہیں جیسا کہ حافظ ابن حبانؒ کی رائے ہیں، وہ یہی فرماتے ہیں کہ یہ
الگ الگ حدیثیں ہیں ایک کا متن ہے "إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ" اور دوسرے کا متن ہے "اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ، ثُمَّ
أَلْقَاهُ" ہر ایک کی سند الگ الگ ہے، اول میں زیاد بن سعد کا واسطہ نہیں ہے دوسری میں ہے، آگے چل کر حضرت سہارنپوریؒ
فرماتے ہیں کہ البتہ اس حدیث کو مدلّس کہہ سکتے ہیں کیونکہ اسکے اندر ابن جریج راوی مدلّس ہیں۔

اب جاننا چاہئے کہ مصنفؒ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے حدیث ثانی کو معروف کیسے قرار دیا حالانکہ مشہور عند
المحدثین یہ ہے کہ اس میں زہری کو وہم ہوا ہے کہ آپ نے خاتم فضہ کو پھینکا تھا نقل کر دیا کما تقدم تفصیلہ۔

توجیہ لطیف از حضرت گنگوہیؒ: یہاں پر حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں حضرت گنگوہیؒ کی تقریر سے ایک
بڑی لطیف بات نقل فرمائی ہے، وہ یہ کہ ہمام کی طرف تو وہم کی نسبت صحیح نہیں، کیونکہ وہ ثقہ ہیں، باقی یہ کہ پھر انہوں نے اس
طرح یہ حدیث کیسے نقل کر دی جو بقول مصنفؒ خلاف معروف ہے، اسکے بارے میں حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں غالباً ہوا یہ کہ
زہریؒ کی وہ روایت جس میں خاتم فضہ کے القاء کا ذکر ہے عند الجمہور غلط ہے اور غلطی منسوب کی جاتی ہے زہریؒ کی طرف تو
ہمام نے یہ سوچا کہ کسی طرح زہریؒ سے یہ اعتراض ہٹایا جائے اس لئے کہ صحیح یہ ہے کہ حضور ﷺ نے خاتم فضہ کا القاء نہیں
فرمایا تھا تو ہمام نے زہری کی بیان کردہ روایت کی توجیہ اور اصلاح یہ کی کہ خاتم فضہ کو پھینکنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ بیت
الخلاء جانے سے پہلے اسکو اتار کر رکھ دیتے تھے اور یہ کہ القاء کے متبادر معنی مراد نہیں ہیں، اس صورت میں کون زہری کی
روایت کو غلط کہے گا، اس توجیہ کی بناء پر زہری سے اعتراض ہٹ جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کلام مصنفؒ کی توجیہ: یہ سب باتیں تو تقریباً وہ ہیں جو حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں تحریر فرمائی ہیں، عبد
ضعیف کی رائے یہ ہے کہ مصنفؒ کے کلام کی ایسی توجیہ کی جائے جس سے مصنفؒ پر سے اعتراض ہٹے وہ یہ ہے کہ حدیث منکر
کی تعریف میں متقدمین کی رائے الگ ہے اور متاخرین کی الگ، حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے تعریف منکر کے
سلسلے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اور پھر مصنفؒ پر اعتراض کیا ہے وہ علی رأی المتاخرین ہے اور عند المتقدمین [2] حدیث منکر کا

---

[1] سنن البیهقي الكبرى كتاب الطهارة باب وضع الخاتم عند دخول الخلاء ٤٥٦

[2] قال الحافظ فی مقدمة الفتح فی ترجمة برید بن عبد الله: احمد وغيره يطلقون المناكير على الافراد المطلقة وفی قواعد علوم الحدیث ص ۲۵۸
فرق بین قول المتقدمين: هذا حديث منكر وبين قول المتاخرين ذالك، الى آخر ما فيه اسکے بعد ۱۸ ؁ء میں مزید غور کرنے سے ظاہر ہوا کہ یہ توجیہ

اطلاق ماتفرد به الراوی پر بھی آتا ہے جس کو حدیث شاذ کہتے ہیں خواہ راوی ثقہ ہو یا غیر ثقہ، سو مصنف کی مراد بھی یہاں پر منکر سے شاذ ہے علی اصطلاح القدماء اور قدماء محدثین میں حضرت امام احمد بن حنبل بھی ہیں اور امام ابو داودؒ انکے خاص تلمیذ رشید ہیں، ہو سکتا ہے انہوں نے یہاں پر منکر بمعنی شاذ لیا ہو، فثبت ما ادعاہ المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ واللہ اعلم بالصواب۔

١١ - بَابُ الِاسْتِبْرَاءِ مِنَ الْبَوْلِ

پیشاب کرنے کے بعد، پیشاب سے پاکی کا بیان

ترجمة الباب کی تشریح اور غرض: جاننا چاہئے کہ استبراء اور استنجاء دو چیزیں الگ الگ ہیں فقہاء استنجاء کو سنت قرار دیتے ہیں، اور استبراء کو لازم لکھتے ہیں، استنجاء کے مباحث ومسائل تو گزر چکے، استبراء کی تعریف ہے "طلب البراءة عن بقية البول" کہ پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد مثانہ یا پیشاب کی نالی میں جو قطرہ رہ جاتا ہے اسکے اثر سے اچھی طرح برأت اور اطمینان حاصل کرنا، یہ تو وہ استبراء [1] ہے جس کو فقہاء لازم قرار دیتے ہیں، اور جب تک یہ حاصل نہ ہو وضو شروع کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ مصنف کی مراد یہاں استبراء سے عام معنی ہیں یعنی پیشاب سے احتیاط کرنا حتی الامکان اس سے محفوظ رہنے کی کوشش کرنا کہ کسی طرح کی اسکے بارے میں بے احتیاطی نہ ہو خواہ بدن میں یا کپڑے میں، روایات الباب کا مقتضی یہی ہے، ورنہ احادیث کی مطابقت ترجمہ سے مشکل ہو جائے گی کما لا یخفی علی المتأمل، اور اسی غرض کے عموم میں یہ بھی آجائے گا کہ بول جالساً ہونا چاہئے نہ کہ قائماً، اسلئے کہ جو احتیاط وحفاظت بول جالساً میں ہے وہ قائماً میں ہرگز نہیں ہے، اسی لئے آگے چلکر مصنف نے دوسرا باب باب البول قائماً منعقد فرمایا ہے، اب دونوں بابوں میں مناسبت اچھی طرح واضح ہو گئی۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ چند صفحات کے بعد ایک باب باب الاستبراء اور آرہا ہے دونوں میں بظاہر تکرار ہے، دفع تکرار پر کلام وہیں کیا جاوے گا۔

٢٠ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا، يُحَدِّثُ عَنْ

لہ اس وقت چل سکتی تھی جب مصنف اس پر صرف منکر کا اطلاق فرماتے، لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ مصنف نے اس حدیث کا مقابل بھی ذکر فرمایا جس کو معروف قرار دیا اور اس حدیث کو وہم ہمام قرار دیا پس سیاق کلام اس کو مقتضی ہے کہ یہ حدیث عند المصنف غیر محفوظ ہے، کما ھو رأی النسائی، واللہ اعلم یہ امر آخر ہے کہ کسی کو مصنف کی اس رائے سے اتفاق نہ ہو۔ فقط

[1] استنجاء واستبراء کا بیان تو اوپر آگیا، یہاں ایک تیسرا لفظ ہے، استنقاء جس کے معنی ہیں طلب النقاوة: وَهُوَ أَنْ يَدْلُكَ الْمَقْعَدَةَ بِالْأَحْجَارِ أَوْ بِالْأَصَابِعِ حَالَةَ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ (رد المحتار على الدر المختار - ج ١ ص ٥٥٨) یعنی صفائی طلب کرنا بایں طور کہ اگر استنجاء بالحجر کر رہا ہے تو حجر کو مقعد میں اچھی طرح رگڑے اور اگر پانی ہو تو انگلی کو مقعد پر رگڑے۔

طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ، فَقَالَ: "إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا هَذَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا هَذَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ، ثُمَّ دَعَا بِعَسِيبٍ رَطْبٍ فَشَقَّهُ بِاثْنَيْنِ، ثُمَّ غَرَسَ عَلَى هَذَا وَاحِدًا، وَعَلَى هَذَا وَاحِدًا، وَقَالَ: لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا"، قَالَ هَنَّادٌ: يَسْتَتِرُ مَكَانَ يَسْتَنْزِهُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں پر سے گزرے اور فرمایا ان دونوں کو عذاب ہورہا ہے اور ان دونوں کو کسی مشقت والے کام نہ کرنے پر عذاب نہیں ہورہا، یہ پہلے صاحب تو پیشاب سے اچھی طرح طہارت حاصل نہیں کرتے تھے اور یہ دوسرے صاحب چغل خوری کرتے تھے، پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک تازی ٹہنی منگوائی پھر اس کے دو ٹکڑے کیے اور پھر ان دونوں قبروں میں سے ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹہنی گاڑ دی پھر ارشاد فرمایا، شاید کہ ان ٹہنیوں کے تر و تازہ رہنے تک ان دونوں شخصوں سے عذاب ہلکا کر دیا جائے، ھناد استاد نے حدیث میں یَسْتَنْزِهُ کے بجائے یَسْتَتِرُ کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

۲۱ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ، قَالَ: «كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ» وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: «يَسْتَنْزِهُ».

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نبی اکرم ﷺ سے اسی گذشتہ حدیث کے ہم معنی نقل کرتے ہیں، جریر راوی نے لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ کے الفاظ نقل کیے ہیں اور ابو معاویہ نے لَا يَسْتَنْزِهُ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (٢١٣) صحيح البخاري - الوضوء (٢١٥) صحيح البخاري - الجنائز (١٢٩٥) صحيح البخاري - الجنائز (١٣١٢) صحيح البخاري - الأدب (٥٧٠٥) صحيح البخاري - الأدب (٥٧٠٨) صحيح مسلم - الطهارة (٢٩٢) جامع الترمذي - الطهارة (٧٠) سنن النسائي - الطهارة (٣١) سنن النسائي - الجنائز (٢٠٦٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٤٧) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٢٥/١) سنن الدارمي - الطهارة (٧٣٩)

شرح الاحادیث: قوله: مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ: یہاں پر بحث یہ ہے کہ یہ دونوں قبر والے مسلم تھے یا غیر مسلم، اس میں دونوں قول ہیں، چنانچہ ابو موسیٰ المدینیؒ کی رائے بالجزم یہ ہے کہ یہ غیر مسلم تھے اور اس کی تائید اس روایت [1] سے ہوتی ہے جس میں آیا ہے "هلكا في الجاهلية" لیکن یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ابن لهيعة راوی ہے اور ابن العطارؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ قبر والے مسلمان تھے، اور بعض روایات سے اسی کی تائید ہوتی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے چنانچہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے: مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ جَدِيدَيْنِ [2] اور مسند

---

[1] أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى قَبْرَيْنِ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ هَلَكَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَسَمِعَهُمَا يُعَذَّبَانِ فِي الْبَوْلِ وَالنَّمِيمَةِ (فتح الباری ج ۱ ص ۳۲۱)

[2] سنن ابن ماجه - كتاب الطهارة وسننها - باب التشديد في البول ۳۴۷

احمد کی روایت میں ہے: مَرَّ بِالْبَقِيعِ [1] نیز آپ نے سوال فرمایا "من دفنتم الیوم؟" ان سب روایات کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمانوں کی قبریں تھیں۔

علامہ قرطبیؒ نے بعض اہل علم سے نقل کیا کہ ان میں سے ایک سعد بن معاذؓ تھے لیکن قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اس قول کو صرف تردید کیلئے ذکر کیا جاسکتا ہے، معتبر ہونے کی حیثیت سے نہیں، حاصل یہ کہ یہ قول صحیح نہیں ہے، سعد بن معاذؓ کا واقعہ حدیث میں دوسری طرح آتا ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں صاحبوں کے نام نہ معلوم ہو سکے، کسی بھی روایت میں نام کی تصریح نہیں ملی، غالباً رواۃ نے مسلمان کی پردہ پوشی کے پیش نظر قصداً ایسا کیا ہے۔

ایک دوسری حدیث سے اشکال اور دفع تعارض: قوله: وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ: یہاں پر ایک اشکال کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اس حدیث میں تو کبیر ہونے کی نفی کی گئی اور ایک دوسری روایت جو أدب المفرد میں ہے اس میں اسطرح ہے کہ آپ نے فرمایا بلی انه کبیر [2] بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا، جواب یہ ہے کہ کبیر کے دو معنی ہیں، نفی ایک معنی کے اعتبار سے ہے اور اثبات دوسرے معنی کے اعتبار سے، کبیر بمعنی امر شاق و مشکل کام کما فی قوله تعالی: وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَٰشِعِينَ [3] نماز کو کبیرہ کہا جارہا ہے، اس معنی کے اعتبار سے تو نفی کی جارہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس امر کی وجہ سے ان کو عذاب قبر ہو رہا ہے وہ کوئی ایسا کام نہیں تھا جس سے بچنا مشکل ہو اور جس کبیر کو ثابت کیا جارہا ہے اس سے مراد گناہ کبیرہ ہے، یا یوں کہا جائے کہ دونوں جگہ ایک ہی معنی مراد ہیں یعنی گناہ کبیرہ لیکن جس کی نفی کی جارہی ہے اس سے مراد اکبر الکبائر ہے مطلق کبیرہ نہیں، اور جس کا اثبات کیا جارہا ہے اس سے مراد مطلق گناہ کبیرہ ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا حدیث کا کہ جس کام کی وجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے وہ کوئی بہت بڑا گناہ نہیں تھا، گو فی نفسہ بڑا تھا، یا یوں کہا جائے کہ نفی ان دو شخصوں کے اعتقاد کے اعتبار سے ہے یعنی ان کے نزدیک وہ گناہ کبیرہ نہیں تھا اور فی الواقع وعند اللہ وہ کام گناہ کبیرہ تھا۔ وغیر ذلک من الاجوبة والاحتمالات۔

آگے مضمون حدیث یہ ہے کہ ان دو میں سے ایک کا سبب عذاب اس کا پیشاب کے بارے میں ترک احتیاط ہے اور دوسرے کا سبب نمامی اور چغل خوری ہے ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا کہ استبراء من البول ضروری ہے، ورنہ عذاب قبر میں ابتلاء کا اندیشہ ہے نمیمہ کی تعریف مشہور ہے نقل کلام الغیر علی وجه الافساد والاضرار کہ آپس کے تعلقات خراب کرنے کی نیت سے ایک شخص کی بات دوسری جگہ نقل کرنا۔

---

[1] وَفِي حَدِيثِ أَبِي أُمَامَةَ عِنْدَ أَحْمَدَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِالْبَقِيعِ فَقَالَ "مَنْ دَفَنْتُمُ الْيَوْمَ هَاهُنَا"

[2] إِنَّمَا لَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ (الأدب المفرد - باب الغيبة ۷۳۵)

[3] اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی عاجزوں پر (سورة البقرة ۴۵)

قوله: ثُمَّ دَعَا بِعَسِيْبٍ رَطْبٍ: عذاب کا حل آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ تر و تازہ ٹہنی منگوائی اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ ٹہنی لائے اس کو حضور ﷺ نے لمبائی میں چیر کر ایک ایک دونوں قبروں پر گاڑی۔

قوله: لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ [1] عَنْهُمَا: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا امید ہے کہ ان دو شخصوں سے عذاب میں تخفیف کردی جائے اس وقت تک جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ٹہنیوں کی تری کو تخفیف عذاب میں دخل ہے، اب اس میں علماء کے دو قول ہیں بعض تو یہ کہتے ہیں ہاں! ایسا ہی ہے تری کو اس میں دخل ہے اس لئے کہ ٹہنی میں جب تک تری باقی رہتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے تو ذکر اور تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی، قال اللہ تعالیٰ: وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ [2] بعض حضرات نے تحریر فرمایا ہے کہ یہاں شیٔ سے وہ شیٔ مراد ہے جو ذو حیات ہو اور درخت و ٹہنی کی حیات اسکی تری ہے اب جب تک وہ تر رہے گی ذکر کرتی رہے گی اسکی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگی، دوسرا قول یہ ہے کہ تری و خشکی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے تخفیف عذاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے جو دعاء اور سفارش کی ہو وہ اسی قید کے ساتھ کی ہو یعنی یہ کہ یااللہ کم از کم جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں اسی وقت تک ان سے عذاب میں تخفیف فرما دیجئے یا یہ کہ آپ ﷺ نے مطلق تخفیف کی دعاء فرمائی ہو لیکن ادھر سے جواب یہ ملا ہو کہ جب تک تری باقی رہے گی عذاب میں تخفیف کردی جائیگی۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

متعدد فوائد جو حدیث الباب سے حاصل ہورہے ہیں: اس حدیث سے چند امور معلوم ہوئے:

① عذاب قبر کا حق ہونا جیسا کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے اور محققین معتزلہ بھی اسکے قائل ہیں، لیکن بعض دوسرے معتزلہ اسکا انکار کرتے ہیں اور دلائل عقلیہ سے رد کرتے ہیں کہ مردہ جماد ہے اسکو عذاب قبر کا کیسے احساس ہوگا اور ویسے بھی یہ مشاہدے کے خلاف ہے، اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ یہ عذاب جسم کو ہوتا ہے اور اعادۂ روح کے ساتھ اب چاہے روح کا اعادہ پورے جسم میں ہو یا بعض میں جسکو اللہ بہتر جانتا ہے قالہ العینی۔ نیز علماء نے لکھا ہے کہ بچوں کو قبر میں فہم اور حس دی جاتی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا مشاہدہ کریں۔

② بول کا مطلقاً ناپاک ہونا ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول کا، اسلئے کہ حدیث میں لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ مطلقاً ہے خواہ اپنا پیشاب ہو یا جانور کا اور المطلق یجری علی اطلاقہ مشہور قاعدہ ہے یہی احناف اور شوافع کا مسلک ہے، اور مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ بول ماکول اللحم طاہر ہے یہی امام محمدؒ فرماتے ہیں۔

---

[1] اگر یہ بصیغۂ مجہول ہو تو ضمیر راجع ہوگی عذاب کی طرف، اگر معروف ہو تو لعلہ کی ضمیر کا مرجع یا تو اللہ تعالیٰ ہیں یا عسیب رطب ہے۔

[2] اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی (سورۃ الإسراء ٤٤)

خطابیؒ شارح حدیث نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تمام ابوال مطلقاً ناپاک ہیں ماکول اللحم کے ہوں یا غیر ماکول کے، لیکن ابن بطال مالکیؒ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں اگرچہ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ آیا ہے مگر دوسری جگہ اسی روایت میں بَوْلِهِ ہے اور مراد اس سے بول انسان ہے، اور بول انسان سب ہی کے یہاں ناپاک ہے۔

③ اس حدیث سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ وضع الجريدة على القبر یعنی قبر کے سرہانے کوئی پودا، درخت یا اس کی شاخ گاڑنا مشروع بلکہ مفید ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے کتاب الجنائز میں ترجمہ قائم کیا ہے باب الجريد على القبر اور پھر اس باب میں مرور على القبرين والی حدیث [1] کو ذکر فرمایا اسی طرح انہوں نے اس باب میں حضرت بريدة بن الحصيبؓ کی وصیت روایت کی ہے جو انہوں نے اپنے انتقال کے وقت کی تھی کہ میری قبر پر دو ٹہنیاں گاڑی جائیں، ہمارے فقہاء میں سے علامہ شامیؒ نے بھی اسکے جواز کی تصریح کی ہے، حافظ ابن حجرؒ بھی اس سے متفق ہیں اور بذل المجہود میں حضرت سہارنپوریؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے لیکن علامہ خطابیؒ اس کو تسلیم نہیں کرتے، انہوں نے اس میں بہت سے احتمالات پیدا کر کے اس مسئلہ کو ختم کر دیا ہے، انکے احتمالات بس ایسے ہی ہیں، حافظ نے انکو رد کیا ہے، البتہ اس مسئلہ سے قبروں پر پھول اور چادریں وغیرہ چڑھانے کو قیاس نہ کیا جائے، کیونکہ یہ قیاس باطل ہے اسلئے کہ اسکا کہیں ثبوت نہیں ہے، وضع الجريدة میں خود میت کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے، مثلاً یہ کہ وہ عذاب اور تکلیف سے محفوظ رہے، عقیدت کے طور پر نہیں ہوتا اور پھول چادریں وغیرہ چڑھانا عقیدت کی وجہ سے ہوتا ہے اور نیز اغراض فاسدہ کا حصول مقصود ہوتا ہے۔ فاین هذا من ذاك

قوله: قَالَ هَنَّادٌ: يَسْتَتِرُ مَكَانَ يَسْتَنْزِهُ: میں نے پہلے بتایا تھا کہ مصنفؒ کی عادت یہ ہے کہ بسا اوقات دو استاذوں کی دوسندوں کو ایک ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان دونوں کے الفاظ میں جو اختلاف ہوتا ہے اسکو آگے چل کر ممتاز کرتے ہیں، چنانچہ یہاں پر مصنفؒ کے دو استاذ ہیں: زہیر اور هناد، دونوں کے لفظوں میں جو تفاوت ہے اسکو بیان کر رہے ہیں، زہیر کی روایت میں لفظ يَسْتَنْزِهُ واقع ہوا ہے اور هناد کی روایت میں يَسْتَتِرُ ہے، استتار سے مراد یا تو استتار بينه وبين البول ہے تب تو یہ مرادف ہوگا يَسْتَنْزِهُ کے، یا اس سے مراد استتار بينه وبين الناس ہے اس صورت میں اسکے معنی ہوں گے بے پردگی اور کشف عورۃ۔

قوله: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: اس سند کا مدار مجاہد پر ہے، مجاہد کے دو شاگرد ہیں، پہلی روایت میں اعمش تھے اور اس روایت میں منصور ہیں دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ اعمش کی روایت میں مجاہد اور ابن عباسؓ کے درمیان طاؤس کا واسطہ موجود ہے اور منصور کی روایت بلاواسطہ ہے، اب سوال یہ ہے کہ کونسا طریق صحیح ہے؟ بالواسطہ یا بلاواسطہ ابن حبانؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں طریق صحیح ہیں اور بظاہر مصنفؒ کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے، اسکی صورت یہ ہوگی کہ مجاہد کو اولاً

---

[1] صحيح البخاري - كتاب الجنائز - باب الجريد على القبر ١٢٩٥

بواسطہ طاؤس روایت پہنچی ہو گی بعد میں علو سند حاصل ہو گیا ہو گا کہ براہ راست ابن عباسؓ سے سن لیا، یا اسکے برعکس۔
اسی طرح امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث کی دونوں طریق سے تخریج کی ہے، اس پر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک دونوں سندیں واسطہ و بلا واسطہ صحیح ہیں، میں کہتا ہوں کہ بظاہر تو ایسا ہی ہے جو حافظ کہہ رہے ہیں لیکن امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں امام بخاریؒ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ رِوَایَۃُ الْأَعْمَشِ أَصَحُّ اور خود امام ترمذیؒ کی رائے بھی یہی ہے جیسا کہ انہوں نے جامع ترمذی [1] میں اسکو واضح کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قولہ: قَالَ: كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ: ظاہر یہ ہے کہ قَالَ کی ضمیر راجع ہے منصور کی طرف، کیونکہ منصور کی روایت اعمش کے مقابل میں بیان کی جا رہی ہے اور یہی صاحب منہل نے بھی لکھا ہے لیکن بذل میں حضرتؒ نے ضمیر کا مرجع جریر کو قرار دیا ہے، اعمش کی روایت میں مِنَ الْبَوْلِ مطلق ہے عام اس سے کہ بول انسان ہو یا بول حیوان، ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول سب کو شامل ہے اور منصور کی اس روایت میں مِنْ بَوْلِهِ سے اضافت کی وجہ سے خاص بول انسان مراد ہے۔

قولہ: وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: يَسْتَنْزِهُ: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابو معاویہ منصور سے روایت کر رہے ہیں اس لئے کہ مصنفؒ نے منصور کی سند کے ذیل میں اس کو بیان کیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق روایت اعمش سے ہے، جیسا کہ حضرت نے بذل میں تحریر فرمایا ہے اس لئے کہ بخاری وغیرہ کتب صحاح سے یہی معلوم ہوتا ہے لہذا مصنفؒ کیلئے انسب یہ تھا کہ ابو معاویہ کے الفاظ روایت اعمش کے ذیل میں بیان کرتے۔

۲۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَسَنَةَ، قَالَ: انْطَلَقْتُ أَنَا وَعَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ وَمَعَهُ دَرَقَةٌ ثُمَّ اسْتَتَرَ بِهَا، ثُمَّ بَالَ، فَقُلْنَا: انْظُرُوا إِلَيْهِ يَبُولُ كَمَا تَبُولُ الْمَرْأَةُ، فَسَمِعَ ذَلِكَ، فَقَالَ: «أَلَمْ تَعْلَمُوا مَا لَقِيَ صَاحِبُ بَنِي إِسْرَائِيلَ، كَانُوا إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَطَعُوا مَا أَصَابَهُ الْبَوْلُ مِنْهُمْ، فَنَهَاهُمْ فَعُذِّبَ فِي قَبْرِهِ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ مَنْصُورٌ: عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى، فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: جِلْدَ أَحَدِهِمْ، وَقَالَ عَاصِمٌ: عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «جَسَدَ أَحَدِهِمْ».

ترجمہ عبد الرحمٰن بن حسنہ کہتے ہیں میں اور عمرو بن عاصؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے چنانچہ آپ ﷺ باہر تشریف لائے آپ ﷺ کے ساتھ ایک ڈھال تھی، آپ ﷺ نے اس ڈھال کو آڑ بنایا اور اس کی اوٹ میں پیشاب کیا (بیٹھ کر) تو ہم نے کہا کہ آپ کو دیکھو، آپ ﷺ اس طرح پیشاب کر رہے ہیں جس طرح عورت پیشاب کرتی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ہماری یہ بات سن لی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بنی اسرائیل کے اس شخص کا کیا انجام ہوا؟ بنی اسرائیل کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ جب ان کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تو اس پیشاب والی

---

[1] جامع الترمذي — كتاب الطهارة — باب التشديد في البول ۷۰

جگہ کو وہ کاٹتے، تو اس شخص نے بنی اسرائیل کو اس حکم شرعی سے روک دیا چنانچہ اسے قبر میں عذاب دیا گیا، امام ابوداودؒ فرماتے ہیں منصور راوی نے ابووائل سے اس حدیث میں نقل کیا ہے کہ اگر بنی اسرائیل کی کھال پر پیشاب لگ جاتا تو وہ اسے کاٹتے اور عاصم نے ابووائل سے اس حدیث میں نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کے جسم پر اگر پیشاب لگ جاتا تو مذکورہ بالا حکم تھا (کہ وہ جسم کے اس حصہ کو کاٹ دیتے)۔

تخریج سنن النسائي - الطهارة (٣٠) سنن أبي داود - الطهارة (٢٢)

شرح الحديث حضرت عبد الرحمن بن حسنہؓ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت عمرو بن العاصؓ حضور ﷺ کی خدمت میں جارہے تھے تو ہم نے دیکھا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں وَمَعَهُ دَرَقَةٌ اور آپ کے ساتھ ایک ڈھال [1] تھی، آپ نے پیشاب کرنے کیلئے اس کو اپنے آگے رکھ کر آڑ بنایا تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے ثُمَّ بَالَ اور پھر آپ نے پیشاب کیا یعنی بیٹھ کر جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں ہے جب ان دونوں نے حضور ﷺ کو اس طرح پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے اُنْظُرُوا إِلَيْهِ يَبُولُ كَمَا تَبُولُ الْمَرْأَةُ [2] دیکھئے آپ کی جانب! کس طرح پیشاب کر رہے ہیں جس طرح عورت کیا کرتی ہے۔

اس تشبیہ میں دو احتمال ہیں، یا آڑ اور پردہ قائم کرنے میں تشبیہ ہے یا بیٹھ کر پیشاب کرنے میں اسلئے کہ زمانہ جاہلیت میں صرف عورتوں کی عادت بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی، مرد کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے، چنانچہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے وَكَانَ مِنْ شَأْنِ الْعَرَبِ الْبَوْلُ قَائِمًا [3] اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کو شہامت رجال یعنی مردانگی کے خلاف سمجھتے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ تشبیہ دونوں باتوں میں ہو اس حدیث سے دو باتیں مستفاد ہوئیں اول یہ کہ پیشاب اور قضاء حاجت سے پہلے پردہ کا انتظام کرنا، دوسرے پیشاب بیٹھ کر کرنا۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت: ترجمۃ الباب سے حدیث کی مناسبت ظاہر ہے مصنفؒ کی غرض ترجمۃ الباب سے جیسا کہ پہلے گزر گیا امر بول میں احتیاط کو ثابت کرنا ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ بیٹھ کر پیشاب کرنے میں ہے نہ کہ قائماً میں۔

جاننا چاہئے کہ ان دو صحابیوں نے جو واقعۂ بول نقل فرمایا ہے اس میں ظاہر یہ ہے کہ اس وقت تک یہ دونوں صاحب اسلام لا چکے تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسلام سے قبل کا واقعہ ہو اب آگے ان دونوں کا یہ کہنا اُنْظُرُوا إِلَيْهِ اس میں بھی دو احتمال ہیں کہ یا تو ان کا یہ قول تنقیداً واعتراضاً ہو یا تعجباً ہو، اگر واقعہ اسلام لانے کے بعد کا ہے تب تو یہ کہنا از راہ تعجب ہو گا اور اگر قبل اسلام کے

---

[1] جو دشمن کے حملے سے بچنے کے لئے چمڑے کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔

[2] مسند الإمام أحمد بن حنبل - مسند الشاميين - حديث عبد الرحمن بن حسنة ١٧٧٥٨

[3] سنن ابن ماجه - كتاب الطهارة وسننها - باب في البول قاعدا ٣٠٩

واقعہ ہے تو اعتراضاً بھی ہو سکتا ہے۔

حدیث الباب کا ترجمہ وتشریح: قولہ: فَقَالَ: أَلَمْ تَعْلَمُوا مَا لَقِيَ: حضور ﷺ نے ان دو شخصوں کی یہ بات سن لی گو انہوں نے سنا کر نہیں کہا تھا، بہر حال آپ نے ارشاد فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ بنو اسرائیل کی شریعت میں حکم شرعی یہ تھا کہ جو چیز پیشاب سے ناپاک ہو جائے اسکو بجائے دھونے کے کاٹنا ضروری ہے، صرف دھونے سے پاک نہ ہوتی تھی، لیکن ایک اسرائیلی شخص نے لوگوں کو اس حکم شرعی پر عمل کرنے سے روکا اور یہ کہا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے اس تکلف کی، اور اس نے اپنی شریعت کے حکم میں بے پرواہی برتی تو اس پر حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس شخص مذکور پر جو گزری وہ تم کو معلوم نہیں ہے؟ آگے اسکا بیان ہے۔

قولہ: فَعُذِّبَ فِي قَبْرِهِ: یعنی یہ شخص عذاب قبر میں مبتلا ہوا، حاصل اسکا یہ ہے کہ تم دونوں کا میرے اس فعل پر اظہار تعجب یا تنقید کرنا یہ مرادف ہے اس عمل سے روکنے کے، حالانکہ حکم شرعی یہی ہے کہ پیشاب بیٹھ کر احتیاط سے کیا جائے تو اب جب تم مجھے اس حکم شرعی سے روکنا چاہ رہے ہو تو اپنا انجام خود ہی سوچ لو کہ کیا ہو گا۔

جاننا چاہئے کہ اوپر حدیث میں جو لفظ صاحب آیا ہے اس سے مراد وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا یعنی بنو اسرائیل میں سے ایک شخص اور اس صورت میں عبارت کا مطلب بھی واضح ہے لیکن علامہ عینیؒ نے صاحب بنی اسرائیل کا مصداق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے اسلئے کہ ہر نبی اپنی قوم کا صاحب کہلاتا ہے تو ظاہر ہے کہ بنو اسرائیل کے صاحب موسیٰ علیہ السلام ہوئے، اب اگر اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں جیسا کہ عینی کی رائے ہے تو عبارت کا صحیح مطلب تکلف کر کے نکالنا پڑے گا، لہذا فَنَهَاهُمْ جسکی ضمیر صاحب کی طرف راجع ہے اسکی تقدیر عبارت یہ ہو گی: فنهاهم عن التهاون فی امر البول یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو پیشاب کے بارے میں بے احتیاطی سے منع کیا اس پر ان کی بات کو بعضوں نے مانا اور بعض نے نہ مانا: فعذب فی قبرہ ای من لم ینته یعنی جو اپنی حرکت سے باز نہیں آیا اسکو عذاب قبر دیا گیا، تو عذب کا نائب فاعل مقدر ماننا پڑے گا اور پہلی صورت میں عذب کا نائب فاعل صاحب بنی اسرائیل تھا، واللہ تعالیٰ اعلم، حضرت سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ عینی کا قول خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔

ما اصابہ البول کے مصداق میں علماء کا اختلاف: قولہ: قَطَعُوا مَا أَصَابَهُ الْبَوْلُ: یہاں پر ایک بحث یہ ہے کہ قَطَعُوا مَا أَصَابَهُ الْبَوْلُ سے کیا مراد ہے؟ اس سے صرف کپڑا وغیرہ مراد ہے یا بدن بھی اس میں شامل ہے، اس میں حضرات علماء کے دونوں قول ہیں، ایک جماعت کہتی ہے اس سے مراد صرف کپڑا وغیرہ ہے اور بدن اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ وہ تکلیف مالا یطاق ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا[1] اور ایک جماعت کہتی ہے اس سے مراد عام ہے جسم کی کھال بھی اس میں داخل ہے اور یہ حکم اس اصر و اغلال یعنی ان احکام شاقہ کے قبیل سے ہے جو شریعت موسویہ میں تھے اور بنو

[1] اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے (سورۃ البقرۃ ۲۸۶)

اسرائیل جس کے مکلف تھے، جسکی طرف اس آیت کریمہ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَلَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ [1] میں اشارہ ہے اور بحمد اللہ شریعت محمدیہ میں یہ اصر واغلال اور احکام شاقہ نہیں ہیں۔

روایات کے الفاظ اس سلسلے میں مختلف ہیں، بعض میں ثوب وارد ہے اور بعض میں جِلْدِ أَحَدِهِمْ ہے، اور بعض میں جَسَدِ أَحَدِهِمْ ہے اور بعض میں مبہم مَا أَصَابَهُ الْبَوْلُ کے لفظ کیساتھ ہے، ہر فریق اپنے اپنے مسلک کے پیش نظر توجیہ و تاویل کرتا ہے، اگر ثوب کا لفظ ہے تب تو کسی کے خلاف نہیں ہے ایسے ہی اگر مبہم مَا أَصَابَهُ الْبَوْلُ وارد ہے، لیکن جس روایت میں جِلْدِ أَحَدِهِمْ ہے وہ ایک فریق کے خلاف ہے وہ اسکی تاویل یہ کرتے ہیں کہ جلد سے مراد بدن کی کھال نہیں ہے بلکہ جانور کی کھال مراد ہے جسکو پہنتے ہیں یعنی پوستین، لیکن اس تاویل پر یہ اشکال ہوگا کہ ایک روایت میں صاف جَسَدِ أَحَدِهِمْ کا لفظ وارد ہے، انہوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہوسکتا ہے یہ روایت بالمعنی ہو راوی نے جلد سے جلد انسان سمجھا اور پھر اپنی فہم کے اعتبار سے لفظ جسد کے ساتھ اس کو نقل کر دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ مَنْصُورٌ: یہاں سے مصنفؒ بعض روایات تعلیقاً ذکر فرما رہے ہیں اور مقصود اس سے روایات کے الفاظ مختلفہ کو بیان کرنا ہے اور ان تعلیقات کے ذکر کرنے سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ یہ روایت جس طرح عبد الرحمن بن حسنہؓ سے مروی ہے اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے پھر اس میں رواۃ کا اختلاف ہے بعض نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور بعض نے موقوفاً، اس اختلاف رواۃ کی مزید وضاحت اس طرح ہوسکتی ہے کہ مذکورہ بالا حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے بھی مروی ہے جس کے راوی ابووائل ہیں، پھر ابووائل کے تلامذہ میں اختلاف ہے منصور نے ان سے اس روایت کو موقوفاً نقل کیا ہے اور عاصم نے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے۔

جہاں پر تعلیقات آتی ہیں وہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ روایات موصولاً کہاں ملیں گی؟ چنانچہ حضرتؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ منصور کی روایت موصولاً مسلم میں موجود ہے، اور عاصم کی روایت کے بارے میں لکھا ہے وہ موصولاً کسی کتاب میں نہیں ملی، واللہ اعلم۔ ابوداؤد میں تعلیقات کثرت سے ہیں اسی طرح صحیح بخاری میں بھی، صحیح مسلم میں کم ہیں اور نسائی شریف میں بھی بہت کم ہیں۔

۱۲ - بَابُ الْبَوْلِ قَائِمًا

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا بیان

باب سابق کے ذیل میں ہم کہہ چکے ہیں کہ اس باب سے مصنفؒ نے توقی عن البول اور احتیاط فی البول کو ثابت کر کے اسی کے

[1] اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں (سورۃ الاعراف ۱۵۷)

ضمن میں بول جالساً کو ثابت کر دیا، چنانچہ انْظُرُوا إِلَيْهِ يَبُولُ كَمَا تَبُولُ الْمَرْأَةُ اس کی صاف دلیل ہے جب بول جالساً ثابت ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مستمرہ بول جالساً ہی کی تھی تو اب یہاں سے مصنفؒ بَابُ الْبَوْلِ قَائِمًا منعقد کر کے بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احیاناً بول قائماً کا بھی ثبوت ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے یہ تو ہے احقر کی رائے، اور ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ یہ فرمایا کرتے تھے کہ مصنفؒ حنبلی ہیں، حنابلہ کے مسلک اور انکے دلائل کو زیادہ اہتمام سے بیان فرماتے ہیں حتی کہ بعض جگہ ایسا کیا کہ جمہور کے مسلک اور انکی دلیل کو بیان ہی نہیں کیا بلکہ صرف مذہب حنابلہ کو ثابت کیا ہے، چنانچہ اسکی مثال میں حضرت شیخؒ اس باب کو بھی پیش فرمایا کرتے تھے کہ دیکھئے مصنفؒ نے صرف مذہب حنابلہ کی حمایت میں بول قائماً کا باب قائم فرما کر اسی کی دلیل کو ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم

بول قائماً میں مذاہب ائمہ: جاننا چاہئے کہ مسئلۃ الباب اختلافی ہے، حنفیہ، شافعیہ کے نزدیک بول قائماً مطلقاً مکروہ ہے اور حنابلہ ومالکیہ کے یہاں ایک قید کے ساتھ بلا کراہت جائز ہے وہ یہ کہ رشاش البول وغیرہ سے امن ہو، چنانچہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب نیل المآرب میں اس قید کی تصریح ہے یعنی بشرطیکہ رشاش البول اور کشف عورۃ کا اندیشہ نہ ہو اور مغنی میں لکھا ہے کہ حنابلہ کے یہاں بول قائماً خلاف مستحب ہے، بعض حضرات نے امام احمدؒ کا مذہب مطلقاً جواز لکھ دیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے البتہ بعض تابعین جیسے سعید بن المسیبؒ، عروۃ بن الزبیرؓ کے نزدیک بول قائماً مطلقاً بلا کراہت جائز ہے۔

اب یہ کہ کراہت اس میں تنزیہی ہے یا تحریمی، جواب یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے اور ادب کے خلاف ہے حرام نہیں ہے، بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ یہ نصاریٰ کا طریق ہے اور اس میں ان کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے اس لئے اگر کراہت تحریمی قرار دی جائے تو بجا ہے۔

۲۳ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، وَمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ وَهَذَا لَفْظُ حَفْصٍ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: أَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ «فَبَالَ قَائِمًا، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ مُسَدَّدٌ: قَالَ: فَذَهَبْتُ أَتَبَاعَدُ فَدَعَانِي حَتَّى كُنْتُ عِنْدَ عَقِبِهِ.

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جا کر کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اپنے موزوں پر مسح فرمایا، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ مسدد کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا (اگرچہ عادت قضاء حاجت کے وقت دور تشریف لے جانے کی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قریب بلا کر یہ واضح فرما دیا کہ اگر پردہ کا اہتمام ہو تو لوگوں کی موجودگی میں بھی پیشاب کر سکتے ہیں) چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی کے پاس (بالکل نزدیک) آگیا۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (٢٢٢) صحيح البخاري - الوضوء (٢٢٣) صحيح البخاري - الوضوء (٢٢٤) صحيح البخاري - المظالم والغصب (٢٣٣٩) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٣) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٣) جامع الترمذي - الطهارة (١٣) سنن النسائي - الطهارة (١٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٠٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٥/ ٣٨٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٥/ ٣٩٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٥/ ٤٠٢) سنن الدارمي - الطهارة (٦٦٨)

شرح الحدیث اس باب میں مصنفؒ نے صرف ایک حدیث حضرت حذیفہؓ کی بیان فرمائی ہے، جس میں بول قائماً کی تصریح ہے، اور چونکہ یہ جمہور کے مسلک کے خلاف ہے اسلئے جواب کی حاجت ہے، جمہور کی جانب سے کلی طور پر اسکے تین جواب دیے گئے ہیں:

① یہ کہ بول قائماً منسوخ ہے یہ منقول ہے ابن شاہینؒ اور ابو عوانہؒ سے،

② لبیان الجواز، ③ لاجل العذر،

اب اس عذر کی تفصیل میں مختلف اقوال ہیں:

① لوجع کان فی مأبضہ کما فی روایۃ ابی ھریرۃ عند البیہقی [1]، یعنی آپ کے گھٹنے میں درد تھا جس کی وجہ سے بیٹھنا دشوار تھا۔

② للاستشفاء عن وجع الصلب، یہ حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عرب لوگوں کی عادت تھی کہ وہ وجع الصلب کمر کے درد میں بول قائماً کو مفید سمجھتے تھے۔

③ للامن من خروج الریح، اس کی تشریح یہ ہے کہ آپ کی عادت شریفہ قضائے حاجت کے وقت تباعد کی تھی، مگر اس موقع پر کسی مجبوری کی وجہ سے آپ تباعد نہیں اختیار فرما سکے بلکہ لوگوں کے قریب آبادی میں استنجاء کرنا پڑا، اب اگر بیٹھ کر پیشاب کیا جائے تو وہ مظنہ ہے خروج ریح کا بخلاف حالت قیام کے کہ اس میں خروج ریح نادر ہے، یہ توجیہ ابو عبد اللہ المازریؒ اور قاضی عیاضؒ سے منقول ہے، ہر دو شراح مسلم میں سے ہیں۔

④ لعلہ وجد ان مکان طاھر للقعود، یعنی جس جگہ آپ کو پیشاب کرنا منظور تھا وہ جگہ اس قابل نہ تھی کہ اسمیں بیٹھا جا سکے، قالہ ابن حبان۔

⑤ لخشیۃ انحدار البول، یہ توجیہ امام طحاویؒ سے منقول ہے یعنی وہ جگہ ایسی تھی کہ اگر وہاں بیٹھ کر پیشاب کیا جاتا تو پیشاب کے اپنے ہی طرف لوٹ کر آنے کا خطرہ تھا، اسلئے آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا تا کہ دوسری طرف چلا جائے۔

قولہ: قَالَ: فَذَهَبْتُ أَتَبَاعَدُ: یعنی حضرت حذیفہؓ آپ ﷺ کے قریب استنجاء کا پانی رکھ کر ہٹنے لگے تا کہ آپ تنہائی میں پیشاب فرمالیں مگر چونکہ وہاں آڑ کی ضرورت تھی اسلئے آپ ﷺ نے انکو جانے سے روک دیا اور اپنے قریب پیچھے کی جانب

---

[1] عن أبي هريرة: أن النبي صلى الله عليه وسلم بال قائما من جرح كان بمأبضه (سنن البيهقي الكبرى - كتاب الطهارة - باب البول قائما ٤٨٩)

کھڑے ہونے کا حکم فرمایا تاکہ لوگوں سے تستر ہو سکے۔

بول قائماً کے بارے میں احادیث کا تعارض اور اسکی توجیہ: جاننا چاہئے کہ بول قائماً کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں جیسا کہ ترمذی اور نسائی سے معلوم ہوتا ہے اور امام نسائیؒ نے دفع تعارض کیلئے متعدد باب بھی قائم فرمائے ہیں، ترمذی اور نسائی کو اس مقام پر دیکھنا چاہئے اس سے مسئلہ واضح ہو گا اسلئے کہ امام ابو داؤد نے تو اس مسئلہ میں اختلافات روایات سے تعرض ہی نہیں کیا، بہر حال خلاصہ کے طور پر ہم یہاں ذکر کرتے ہیں کہ ترمذی وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُولُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوهُ[1] یعنی حضرت عائشہؓ حضور ﷺ سے بول قائماً کی نفی فرما رہی ہیں اور یہاں تک فرما رہی ہیں کہ اگر کوئی شخص اسطرح بیان کرے تو اسکی تصدیق نہ کی جائے، حالانکہ روایت الباب یعنی حدیث حذیفہ سے آپکا بول قائماً ثابت ہو رہا ہے اس تعارض کے کئی جواب دیئے گئے ہیں، ایک یہ کہ حضرت عائشہؓ کی غرض مطلقاً نفی نہیں ہے بلکہ انکی مراد نفی عادت ہے لہذا ایک بار کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اسکے منافی نہیں ہے، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انکی مراد نفی منزل اور بیت کے اعتبار سے ہے اور حضرت حذیفہؓ کی حدیث خارج البیت سے متعلق ہے، تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے نفی فرما رہی ہیں۔

اس حدیث پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ قضاء حاجت کے وقت ابعاد کی تھی، اور یہاں آپ نے ایسا نہیں فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ امور مسلمین میں اشتغال کی وجہ سے آپ کی مجلس بہت طویل ہو گئی ہو اور پیشاب کا تقاضا ہو رہا ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے آپ دور تشریف نہیں لے جاسکے اسی لئے امام نسائیؒ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے الرُّخْصَةُ فِي تَرْكِ الْإِبْعَادِ عِنْدَ الْحَاجَةِ۔

حاء تحویل کی تشریح: ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: سنن ابو داؤد میں سند میں یہ حاء تحویل پہلی مرتبہ آئی ہے، اس لئے اسکی توضیح کی ضرورت ہے، یہ محدثین کی ایک خاص اصطلاح ہے کہ جب کسی حدیث کی دو یا دو سے زائد سندیں ہوتی ہیں جو شروع میں مختلف ہوں اور آگے چل کر ایک ہو جاتی ہوں تو وہاں پر حضرات مصنفین اختصار کیلئے ایسا کرتے ہیں کہ پہلی سند کا جو حصہ غیر مشترک ہے صرف اسی کو لکھتے ہیں اور اسکے بعد حاء تحویل لکھ کر دوسری سند شروع کر کے اس کو اخیر تک لکھ دیتے ہیں جس میں دونوں سندوں کا مشترک حصہ بھی آجاتا ہے، اس صورت میں اختصار اس طور پر ہوا کہ جو حصہ مشترک تھا وہ صرف ایک بار ذکر کرنا پڑا، ہر ایک سند کو اگر پورا لکھا جاتا تو ظاہر ہے اس میں تکرار اور طوالت ہو جاتی اب یہاں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ سند ثانی میں سند کا مشترک حصہ کس راوی سے شروع ہو رہا ہے اس میں بعض مرتبہ غلطی بھی ہو جاتی ہے اور اس راوی کو ''ملتقی السندین'' کہتے ہیں۔

---

[1] جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب النهي عن البول قائماً ١٠٢

اس ضروری وضاحت کے بعد جاننا چاہئے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ لفظ حاء مہملہ ہے یا خاء معجمہ، اس میں دونوں قول ہیں، اگر خاء معجمہ ہے تو پھر اس میں دو قول ہیں، اول یہ کہ یہ مخفف ہے الی آخرہ کا یعنی الی آخر السند، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مخفف ہے وبسند آخر کا، اور اگر حاء مہملہ ہو تو یہ کس کا مخفف ہے اسمیں چار قول ہیں: ① مخفف ہے صح کا، ② مخفف ہے الحدیث کا، ③ مخفف ہے الحائل کا، ④ مخفف ہے التحویل کا، پھر ایک دوسرا اختلاف یہاں پر ہے وہ یہ کہ اس لفظ کو پڑھا کیسے جائے؟ جواب یہ ہے کہ مغاربہ جب یہاں پہنچتے ہیں تو اس کو التحویل پڑھتے ہیں اور مشارقہ جس میں ہم لوگ بھی داخل ہیں اس کو ح حروف تہجی کی طرح پڑھتے ہیں۔

یہاں پر دونوں سندیں سلیمان پر آکر مل رہی ہیں یعنی شعبہ اور ابو عوانہ دونوں اس حدیث کو سلیمان سے روایت کرتے ہیں، سلیمان سے سند کا مشترک حصہ شروع ہو رہا ہے تو سلیمان ملتقی السندین ہوئے۔ "سلیمان" یہ سلیمان بن مہران ہیں، مشہور اعمش سے ہیں، "ابو عوانہ" یہ کنیت ہے نام ان کا وضاح بن عبد اللہ ہے، "ابو وائل" ان کا نام شقیق بن سلمہ ہے۔

۱۳ - بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَبُولُ بِاللَّيْلِ فِي الْإِنَاءِ ثُمَّ يَضَعُهُ عِنْدَهُ

﴿اگر کوئی شخص رات کو برتن میں پیشاب کرے پھر وہ برتن اپنے پاس ہی رکھے اس کا بیان﴾

ترجمة الباب کی غرض: آداب استنجاء چل رہے ہیں اس سلسلے میں ایک ادب یہ گزر چکا کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ بول و براز کے وقت تباعد اختیار کرنے کی تھی لیکن یہاں سے مصنف یہ بیان کرتے ہیں کہ عذر کی وجہ سے گاہے آپ ﷺ سے اسکے خلاف بھی ثابت ہے یا یوں کہا جائے کہ مصنف کی غرض اس باب سے بول فی الاناء کو ثابت کرنا ہے، ممکن ہے کسی کو یہ شبہ ہو کہ برتن میں پیشاب کرنا ٹھیک نہیں ہے، لیکن ضرورت اور عذر کے احکام چونکہ الگ ہوتے ہیں، لہذا ضرورۃ شرعاً اسکو جائز رکھا گیا امام نسائی نے بھی اس پر ترجمہ قائم کیا ہے بلکہ دو باب منعقد کئے ایک "الْبَوْلُ فِي الْإِنَاءِ"، دوسرا "الْبَوْلُ فِي الطَّسْتِ" اس میں بظاہر تکرار معلوم ہو رہا ہے اسکی توجیہ ہم نے الفیض السمائی میں کر دی ہے۔

۲۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ حُكَيْمَةَ بِنْتِ أُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ، عَنْ أُمِّهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: «كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِنْ عِيدَانٍ تَحْتَ سَرِيرِهِ، يَبُولُ فِيهِ بِاللَّيْلِ».

ترجمہ: حضرت امیمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لکڑیوں کا ایک پیالہ تھا جو آپ ﷺ کی چارپائی کے نیچے رکھا ہوتا اور آپ ﷺ رات کے وقت اس میں پیشاب فرماتے۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (۳۲) سنن أبي داود - الطهارة (۲٤)

شرح الحدیث: حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کیلئے ایک لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ گاہے بوقت حاجت

وضرورت رات میں پیشاب فرما کر اسکو اپنے سریر (تخت) کے نیچے رکھ دیتے تھے اور پھر صبح ہونے کے بعد اسکو خادم کے ذریعہ پھنکوا دیتے تھے۔

قوله: قَدَحٌ مِنْ عِيدَانٍ: یہ لفظ عیدان بفتح العین وبکسر العین دونوں طرح ہے، اگر بالفتح ہے تو جمع ہے، عیدانۃ کی اور عیدانۃ کہتے ہیں کھجور کے تنے کو، اور مطلب یہ ہو گا کہ اس تنے کو کھوکلا کر کے پیالہ بنایا گیا تھا، جس میں آپ پیشاب فرماتے تھے، اور اگر بالکسر ہے تو جمع ہے عود کی بمعنی لکڑی تو مطلب یہ ہو گا کہ آپ کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا، مشہور بالکسر ہے، علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ بالکسر اگرچہ مشہور ہے مگر معنیً غلط ہے، اس لئے کہ جب چند لکڑیوں سے پیالہ بنے گا تو اس میں رقیق چیز نہیں ٹھہرے گی، جیسے پانی، پیشاب وغیرہ بعض نے جمع کی یہ توجیہ کی ہے کہ عیدان کو جمع لایا گیا ہے اسکے اجزاء کے اعتبار سے، یہ مطلب نہیں کہ چند لکڑیوں سے ملا کر بنایا گیا ہے اس صورت میں علامہ سندھیؒ کا اشکال وارد نہیں ہو گا۔

قوله: يَبُولُ فِيهِ بِاللَّيْلِ: یہاں پر بعض شراح نے لکھا ہے کہ بِاللَّيْلِ سے معلوم ہوا کہ دن میں ایسا کرنا مناسب نہیں الا لضرورۃ، نیز لکھا ہے ظاہر یہ ہے کہ آپ ایسا سردی کے زمانے میں کرتے ہوں گے، دوسری بات حافظ عراقیؒ نے یہ لکھی ہے کہ یہ اس زمانے کی بات ہے جب گھروں میں بیوت الخلاء کا انتظام نہیں تھا، اس وقت میں آپ ایسا کرتے تھے اسلئے کہ رات میں تباعد اختیار کرنے میں مشقت کا ہونا ظاہر ہے اور اگر بیت الخلاء گھر میں موجود ہو تو پھر اسکی حاجت نہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ بیت الخلاء ہونے کے باوجود بھی اسکے اندر گنجائش ہونی چاہئے اسلئے کہ رات مطلقاً محل مشقت ہے، (قالہ صاحب المنهل)۔

حضور اقدس ﷺ کے فضلات کی طہارت کا مسئلہ:

حدیث الباب ابوداؤد اور نسائی میں تو صرف اتنی ہی ہے البتہ بعض دوسری کتب حدیث جیسے بیہقی [1]، دارقطنی، مستدرک حاکم وغیرہ میں اس حدیث میں ایک اور زیادتی وارد ہے وہ یہ کہ ایک روز آپ ﷺ نے اپنی خادمہ ام ایمنؓ سے فرمایا کہ اس پیالہ میں جو کچھ ہے اس کو پھینک آو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو میں نے پی لیا، اس پر آپ ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ "لَنْ تَشْتَكِي بَطْنَكِ" اب تم کو کبھی پیٹ کی بیماری لاحق نہ ہو گی، اس حدیث سے بعض علماء نے حضور ﷺ کے فضلات (بول وبراز) کی طہارت پر استدلال کیا ہے جو ایک اختلافی مسئلہ ہے، احقر نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد پر اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے اور ایک مضمون لکھا ہے جسمیں مذاہب اربعہ کی عبارتیں درج ہیں، تقریباً تمام ہی مذاہب اربعہ میں مجھے اسکی طہارت کا قول مل گیا، یہ مضمون طبع ہو کر شیم الحبیب کے اخیر میں شامل کر دیا گیا [2]، بعض اہل حدیث اس پر بہت بگڑتے ہیں کہ کیا واہیات بات ہے؟ بول وبراز بھی کہیں پاک ہوتے ہیں لیکن کسی کے بگڑنے سے کیا ہوتا ہے جب منقول ہے۔

---

[1] سنن البيهقي الكبرى- كتاب النكاح -باب تركه الإنكار على من شرب بوله ودمه ١٣١٨٤

[2] الحمد للہ یہ ضمیمہ اب اس طباعت کے آخر میں شامل کر لیا گیا ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کے فضلات کی طہارت کو تسلیم کیا جائے تب تو اس سے آپ کی عظمت اور علو شان ظاہر ہے ہی، لیکن اگر انکو غیر طاہر کہا جائے تب دوسری طرف آپ کا علو شان ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ دوسرے انسانوں کی طرح آپ کے بھی بول و براز ناپاک ہونے کے باوجود آپکو اتنی ترقی عطاء ہوئی کہ سب آسمانوں کو تجاوز کر گئے، سبحان اللہ! کیا شان ہے نیز اس سے باری تعالی کی کمال قدرت اور وسعت عطاء نمایاں ہے۔

حدیث الباب کا بعض احادیث سے تعارض اور اس کا جواب: یہاں پر شراح نے دو اشکال لکھے ہیں اول یہ کہ حدیث الباب معارض ہے اس حدیث کے جس میں آتا ہے "لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ بَوْلٌ" جو کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے من حدیث ابن عمرؓ[1]، نیز طبرانی کی ایک روایت میں ہے جس کو حضرتؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "لَا يُنْقَعُ بَوْلٌ فِي طَسْتٍ فِي الْبَيْتِ[2]" کہ کسی برتن میں پیشاب کر کے گھر میں نہ رکھا جائے، جواب یہ ہے کہ حدیث اول میں مراد کثرت نجاست فی البیت ہے یعنی گھر کو نجاست اور گندگی سے پاک رکھنا چاہئے اور دوسری حدیث میں مراد طول مکث ہے کہ برتن میں پیشاب جمع کر کے اسکو وہیں چھوڑ دیا جائے، اور اگر رات میں پیشاب کر کے علی الصبح اسکو پھینک دیا جائے تو یہ ممانعت میں داخل نہیں ہے، دوسرا جواب حضرتؒ نے بذل میں یہ دیا ہے کہ یوں کہا جائے کہ بول فی الاناء والی روایت جو اس باب میں مذکور ہے وہ ہو سکتا ہے ابتداء زمانہ کا واقعہ ہو، عادت مستمرہ آپکی یہ نہ ہو، اور یہ ممانعت والی روایات بعد کی ہوں لہذا کوئی تعارض نہ رہے گا، لیکن اس جواب پر اشکال ہوگا کہ شمائل کی روایت میں ہے "دَعَا بِطَسْتٍ لِيَبُولَ فِيهِ" یعنی آپ ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں پیشاب کیلئے برتن طلب فرمایا، مگر اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ایک خاص عذر کی حالت کا واقعہ ہے عام حال نہیں ہے۔ واللہ تعالی اعلم

دوسرا اشکال شراح نے اس مقام پر یہ کیا ہے کہ قَدَحٌ مِنْ عِيدَانٍ والی روایت اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آیا ہے: «أَكْرِمُوا عَمَّتَكُمُ النَّخْلَةَ. فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ فَضْلَةِ طِينَةِ آدَمَ»[3] یعنی اس حدیث میں کھجور کے درخت کو آدمی کی پھوپھی کہا گیا ہے اور یہ کہ انسان کو چاہئے اپنی پھوپھی یعنی کھجور کے درخت کا احترام کرے اور آگے عمہ ہونے کی وجہ حدیث میں یہ بیان کی کہ جس مٹی سے آدم علیہ السلام کا جسم بنایا گیا تھا اسی مٹی اور بچے ہوئے مادہ سے نخلہ کی تخلیق ہوئی، لہذا یہ ہمارے باپ کی بہن ہوئی، اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ یہ عمہ والی روایت بالاتفاق ضعیف ہے بلکہ ابن الجوزیؒ نے اسکو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور اگر صحت حدیث کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ کہا جائیگا کہ نخلہ کو پیالہ بنانے کے بعد اس پر نخلہ کا اطلاق نہیں ہوگا ہیئت

---

1. مصنف ابن أبي شيبة - كتاب الطهارة - باب في الرجل يدخل يده في الماء وهو جنب ٨٩٧
2. المعجم الأوسط للطبراني - باب الألف - من اسمه أحمد ٢٠٧٧
3. المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة ١٥٦ - ص ٧٩

کذائیہ بدل جانے کی وجہ سے، لہذا حدیث کے خلاف نہیں ہوا۔

۱۴۔ بَابُ الْمَوَاضِعِ الَّتِي نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَوْلِ فِيهَا

وہ مقامات جہاں پیشاب کرنے کی ممانعت ہے ان کا بیان

شروع کتاب میں ایک باب گزر چکا ہے بَابُ الرَّجُلِ يَتَبَوَّأُ لِبَوْلِهِ کہ پیشاب کیلئے مناسب جگہ تلاش کرنی چاہئے یہ باب اس کا مقابل ہے، حدیث الباب سے معلوم ہو رہا ہے کہ سایہ دار جگہ جس میں لوگ اٹھتے بیٹھتے ہوں وہاں استنجاء کرنا ممنوع ہے، ایسے ہی چالو راستہ پر جس پر لوگ چلتے پھرتے ہوں۔

۲۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «اتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ». قَالُوا: وَمَا اللَّاعِنَانِ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ ظِلِّهِمْ».

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا دو ملعون کاموں سے بچو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ دو ملعون کام کیا ہیں؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی جو لوگوں کے راستہ میں بول و براز کرے، جو شخص لوگوں کے سایہ کی جگہ میں قضاء حاجت کرے۔

تخریج صحيح مسلم - الطهارة (٢٦٩) سنن أبي داود - الطهارة (٢٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٣٧٢)

شرح الحدیث **حدیث کی ترجمة الباب سے مطابقت:** حدیث میں لفظ تخلّی وارد ہوا ہے جسکی تفسیر حضرتؒ نے بذل [1] میں اور اسی طرح امام نوویؒ نے شرح مسلم [2] میں تغوط کے ساتھ کی ہے یعنی بڑا استنجاء، تو پھر حدیث کو ترجمۃ الباب سے مطابقت کیسے ہے؟ ترجمۃ الباب میں تو بول کا ذکر ہے، جواب یہ ہے کہ ترجمہ کا اثبات بطریق قیاس ہے یعنی مصنفؒ بول کو تخلی اور تغوط پر قیاس فرمارہے ہیں، اس سے بہتر جواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے تخلی اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے، تغوط اور بول دونوں کو شامل ہے، اور مصنفؒ نے اپنے ترجمہ میں بول کی تخصیص اسی عموم کی طرف اشارہ کرنے کیلئے کی ہے کہ بول بھی حدیث کے مفہوم میں داخل ہے فلاحاجة الی القیاس، گویا مصنفؒ کی رائے عموم کی ہوئی، بخلاف امام نوویؒ کے کہ انہوں نے تخلی کی تفسیر صرف تغوط کے ساتھ کی ہے جیسا کہ منہل میں ہے۔

قولہ: اتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ: لاعن میں دو احتمال ہیں، یا یہ اسم فاعل اپنے معنی میں ہے یا بمعنی ملعون ہے، اس لئے کہ بسا اوقات فاعل مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "سرّ کاتم" یعنی "مکتوم" اسی طرح یہاں لاعن بمعنی معلون ہے، اور بہر

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٦٨

[2] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٣ ص ١٦٢

کیف مضاف مقدر ہے یعنی "اتقوا فعل اللاعنین" اسلئے کہ ذات لاعن سے بچنا مقصود نہیں بلکہ اس فعل سے بچنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! ان دو کاموں سے بچو جن کے کرنے والے ملعون ہیں، لوگ ان پر لعنت بھیجتے ہیں اور بد دعائیں دیتے ہیں، اور اگر لاعن کو اپنے معنیٰ میں لیا جائے تو وہ اس لحاظ سے کہ یہ دو شخص چونکہ اپنے اختیار سے ایسا کام کر رہے ہیں، جس پر لعنت مرتب ہوتی ہے تو گویا وہ خود ہی اپنے اوپر لعنت بھیجنے والے ہیں۔ آگے لاعنین کا بیان ہے۔

قوله: الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ ظِلِّهِمْ: یعنی صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! لاعنین کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک وہ شخص جو لوگوں کے راستہ میں استنجاء کرے، دوسرا وہ شخص جو لوگوں کی سایہ دار جگہ میں استنجاء کرے، طریق اور ظل کی اضافت ناس کی طرف یہ بتلانے کیلئے کی گئی ہے کہ راستے سے مراد چالو راستہ ہے جس پر لوگوں کی آمد ورفت ہوتی ہو، اور اگر کوئی راستہ اور سڑک غیر آباد ہو، ادھر کو لوگوں کی آمد ورفت منقطع ہو گئی ہو تو وہ اس حکم سے خارج ہے، اس میں علت ممانعت یعنی لوگوں کی اذیت نہیں پائی جاتی ہے، علی ہذا القیاس سایہ کا حکم ہے کہ جس سایہ سے لوگ منتفع ہوتے ہوں وہ مراد ہے مطلق سایہ مراد نہیں ہے اس لئے کہ اس میں کوئی تاذی نہیں ہے، اور شراح نے لکھا ہے کہ اشتراک علت کی وجہ سے اسی ظل کے حکم میں سردی کی زمانہ میں دھوپ دار جگہ بھی داخل ہے، یعنی وہ جگہ جہاں دھوپ آتی ہے اور لوگ سردی کی زمانہ میں اس جگہ سردی سے بچنے کیلئے بیٹھتے ہوں۔

٢٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سُوَيْدٍ الرَّمْلِيُّ، وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَبُو حَفْصٍ، وَحَدِيثُهُ أَتَمُّ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْحَكَمِ، حَدَّثَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنِي حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْحِمْيَرِيَّ، حَدَّثَهُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ: الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ، وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ، وَالظِّلِّ".

ترجمہ: حضرت امام ابو داؤدؒ کے دو استاد اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں: ① اسحاق بن سوید، ② عمر بن خطاب ابو حفص ان ابو حفص کی حدیث زیادہ مکمل ہے اسحاق کی حدیث سے سند متصل کے ساتھ حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ان تین جگہوں سے بچو جو لعنت کا سبب بنتی ہیں: ① لوگوں کے پانی پینے کے گھاٹ اور چشموں میں پیشاب کرنا، ② راستے کے درمیان میں بول وبراز کرنا، ③ سایہ کی جگہ میں قضاء حاجت کرنا۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٢٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٢٨)

شرح الحدیث: ملاعن یا جمع ہے ملعن کی یا ملعنۃ کی، اور دونوں صورتوں میں یا مصدر میمی ہے یا ظرف مکان بمعنی مواضع اللعن، نیز ملعنۃ سبب لعن کے معنی میں بھی آتا ہے، ایک صورت میں مطلب ہوگا کہ لعنتوں سے بچو، اور ایک صورت میں مطلب ہوگا مواضع لعن سے بچو، اور ایک صورت میں مطلب ہوگا اسباب لعن سے بچو جو تین ہیں:

① البراز في الموارد، ② البراز في قارعة الطريق، ③ البراز في الظل۔

قوله: مَوَارِد: موارد میں تین احتمال ہیں یا اس سے مراد مناہل الماء ہیں یعنی پانی کے چشموں کے ارد گرد، یا اس سے مراد طرق الماء ہیں یعنی وہ راستے جو چشمہ پر جارہے ہوں، یا اس سے مراد مطلق مجالس لوگوں کے اٹھنے بیٹھنے اور آنے جانے کی جگہیں ہیں، قارعۃ الطریق سے مراد وسط الطریق ہے یعنی موارد میں استنجاء کرنا، بیچ راستہ میں استنجاء کرنا یا سایہ دار جگہ میں استنجاء کرنا، یہاں پر فعل تو ایک ہی ہے استنجاء، مگر مختلف جگہوں کے اعتبار سے اس کو تین کہا گیا، گویا تین جگہوں کے اعتبار سے تین فعل ہوگئے۔

اس باب میں مصنفؒ نے دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی ہے جس کی تخریج امام مسلمؒ نے بھی فرمائی ہے اور یہ حدیث سند کے اعتبار سے قوی ہے، غالباً اسی لئے مصنفؒ نے اس کو مقدم فرمایا ہے اور حدیث ثانی حضرت معاذ بن جبلؓ کی ہے یہ ابوداود کے علاوہ ابن ماجہ میں ہے اور سنداً ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی ہیں ابوسعید الحمیری، کہا گیا ہے کہ وہ مجہول ہیں، نیز ان کا سماع حضرت معاذ بن جبلؓ سے ثابت نہیں اس لئے منقطع بھی ہے۔

فائدہ: ابھی ہم نے بیان کیا کہ حدیث اول سنداً قوی ہے عام طور سے مصنفین کا طرز یہی ہے کہ وہ حدیث قوی کو پہلے ذکر کرتے ہیں اور ضعیف کو بعد میں لاتے ہیں، لیکن امام ترمذیؒ کا طرز اسکے برعکس ہے وہ عام طور سے غریب اور ضعیف کو پہلے ذکر کردیتے ہیں قوی کو بعد میں لاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات احادیث قویہ کو ترک کردیتے ہیں صرف ضعیف ہی پر اکتفاء کرتے ہیں، بظاہر اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث قوی پر تو کچھ کلام کرنا نہیں ہے وہ تو مفروغ عنہ ہے، اور حدیث ضعیف چونکہ محتاج تنبیہ ہے اس لئے وہ اس کے ذکر کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں لوگوں کو اس کے ضعف سے باخبر کرنے کیلئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

١٥ - بَابٌ فِي الْبَوْلِ فِي الْمُسْتَحَمِّ

غسل خانہ میں پیشاب کرنے کا بیان

مستحم حمیم سے ماخوذ ہے جسکے معنی گرم پانی کے ہیں پس مستحم کے معنی ماء حمیم کے استعمال کی جگہ ہوئے۔ اسکے بعد اس کا اطلاق غسل خانہ پر ہونے لگا خواہ اس میں ماء حمیم استعمال ہو یا ماء بارد، اور بعض علماء نے کہا کہ لفظ حمیم اضداد کے قبیل سے ہے، اسکا اطلاق ماء حار وبارد دونوں پر آتا ہے، مستحم، مغتسل، حمام تینوں ہم معنی ہیں آگے ابواب المساجد میں ایک حدیث آرہی ہے جس میں لفظ حمام مذکور ہے: الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْحَمَّامَ وَالْمَقْبَرَةَ [1]، اور آج کل حجاز میں لفظ حمام ہی زیادہ رائج اور مستعمل ہے۔

١١ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ، وَقَالَ الْحَسَنُ: عَنْ أَشْعَثَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

[1] سنن أبي داود — كتاب الصلاة — باب في المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة ٤٩٢

وَسَلَّمَ: "لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ قَالَ أَحْمَدُ: ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ".

ترجمہ عبد اللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص غسل خانہ میں ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اسی جگہ پر غسل کرے۔ احمد بن حنبلؒ استاد نے کہا کہ غسل خانہ میں پیشاب کرنے کے بعد اُسی مقام پر وضو نہ کرے، کیونکہ اس طرح کرنے سے عموماً وسواس کی بیماری ہو جاتی ہے۔

تخریج صحيح البخاري - تفسير القرآن (٤٥٦١) جامع الترمذي - الطهارة (٢١) سنن النسائي - الطهارة (٣٦) سنن أبي داود - الطهارة (٢٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٠٤)

شرح الحدیث **يَغْتَسِلَ میں وجوہ اعراب:** قوله: ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ: یہاں پر ثُمَّ استبعاد کیلئے ہے یعنی یہ بات عقلمند سے بعید ہے کہ جہاں غسل کرے وہیں پیشاب کرے، یغتسل کے اعراب میں دو احتمال ہیں، ① رفع اسلئے کہ یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی یعنی ثم هو يغتسل فيه، ② نصب بتقدیر أن، لیکن علامہ قرطبیؒ نے اس کا انکار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ثُمَّ کے بعد أن مقدر نہیں ہوتا ہے لیکن ابن مالکؒ فرماتے ہیں ثم کو واؤ کے معنی میں لیا جائے تو أن مقدر ہو سکتا ہے اس پر امام نوویؒ نے کہا کہ اگر ثم کو واؤ کے معنی میں لیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ ممانعت دونوں کے جمع کرنے سے ہے ہر ایک کام الگ الگ کر سکتے ہیں، حالانکہ صرف پیشاب کرنا بھی غسل خانہ میں منع ہے چاہے بعد میں غسل کرے یا نہ کرے، امام نوویؒ کے اس اعتراض کا جواب ابن ہشام نے یہ دیا کہ ابن مالک کی مراد یہ ہے کہ ثم کو واؤ کا حکم دیں گے تقدیر أن میں یہ مطلب نہیں کہ اس کو اس کے معنی میں لیں گے تا کہ وہ اعتراض وارد ہو جو نووی نے کیا ہے، اور ابن دقیق العیدؒ نے ایک دوسری بات بیان فرمائی کہ یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ اس حدیث میں جمع سے روکا گیا ہے اب رہی یہ بات کہ صرف پیشاب کرنا بھی تو منع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ تمام باتیں ایک ہی حدیث سے معلوم ہوں جمع بین الغسل والبول کا حکم اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے اور بول منفرداً کا حکم دوسری حدیث سے معلوم ہو رہا ہے جیسا کہ اسی باب میں آگے آ رہی ہے۔

جاننا چاہئے کہ شراح اور فقہاء کرام کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ کونسے غسل خانہ میں پیشاب کی ممانعت ہے سو جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس سے ارض رخوہ مراد ہے یعنی وہ غسل خانہ جس کی زمین کچی ہو کیونکہ اس میں ناپاک اور گندہ پانی جمع ہو گا، اور اگر غسل خانہ میں پختہ فرش یا پتھر رکھا ہوا ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، اور امام نوویؒ کی رائے اس کے برعکس ہے وہ فرماتے ہیں کہ ممانعت اس صورت میں ہے جب غسل خانہ میں پختہ فرش ہو اور اگر نرم زمین ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اسلئے کہ نرم زمین پانی اور پیشاب کو جذب کر لے گی وہ اندر اترتا چلا جائے گا، بخلاف پتھر اور پختہ فرش کے کہ اس پر جب پانی پڑے گا تو اچٹے اور اچھلے گا جس سے وساوس پیدا ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احقر کہتا ہے ان دونوں قولوں کے درمیاں جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ کسی بھی غسل خانہ میں پیشاب نہ کیا جائے کہ ہر دو

قول پر عمل ہو جائے اور ظاہر الفاظ حدیث کی رعایت کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن یہ چیز آداب کے قبیل سے ہے، لہذا غسل خانہ میں پیشاب کرنے کو مطلقاً ناجائز اور حرام سمجھنا یہ غلو ہوگا جو مذموم ہے حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں صاحب عون پر رد کرتے ہوئے اسی کی تردید فرمائی ہے اور عبداللہ بن مبارکؒ کا قول جو ترمذی میں منقول ہے قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: قَدْ وُسِّعَ فِي الْبَوْلِ فِي الْمُغْتَسَلِ إِذَا جَرَى فِيهِ الْمَاءُ[1] حضرت نے اس کی تائید فرمائی ہے۔

تشریح سند: قولہ: فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے إِنَّمَا كُرِهَ الْبَوْلُ فِي الْمُغْتَسَلِ، مَخَافَةَ اللَّمَمِ[2] کہ الْبَوْلُ فِي الْمُغْتَسَلِ کی ممانعت جنون کے اندیشہ کی وجہ سے ہے اور حدیث الباب میں اسکی وجہ وساوس کو قرار دیا گیا ہے، جواب یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں وسوسہ بھی ایک طرح کا جنون ہی ہے۔ والجنون فنون۔

قولہ: قَالَ أَحْمَدُ: اس سند میں مصنفؒ کے دو استاذ ہیں ایک احمد اور ایک حسن بن علی، دونوں کی بیان کردہ سند میں کچھ فرق ہے، مصنفؒ یہاں سے اس فرق کو بیان کر رہے ہیں کہ کس نے کس طرح سند بیان کی، چنانچہ فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق سے آگے جو سند ہے اس کو احمد نے اس طرح بیان کیا حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ اور مصنفؒ کے دوسرے استاذ یعنی حسن بن علی نے اس طرح کہا عَنْ أَشْعَثَ بْنِ عَبْدِ اللهِ اب اس میں دو فرق ہوئے ایک یہ کہ احمد کی روایت میں اخبار کی تصریح ہے اور حسن نے روایت کو بطریق عنعنہ بیان کیا بجائے اخبرنی کے عن اشعث کہا، دوسرا فرق یہ کہ احمد کے کلام میں اشعث غیر منسوب واقع ہوا ہے اور حسن کے کلام میں نسبت کے ساتھ چنانچہ انہوں نے کہا أَشْعَثُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، بذل میں حضرتؒ نے صرف یہی دو فرق بیان فرمائے ہیں، یہاں ایک تیسرا فرق بھی نکل سکتا ہے جس کی طرف ہمارے حضرت شیخؒ نے اپنی بذل کے حاشیہ میں اشارہ فرمایا ہے وہ یہ کہ احمد کی روایت میں عبدالرزاق اور اشعث کے درمیان معمر کا واسطہ ہے، بخلاف حسن بن علی کی روایت کے کہ انہوں نے معمر کا واسطہ نہیں ذکر کیا بظاہر تو ایسا ہی ہے باقی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ حسن کی روایت میں معمر کا واسطہ ہے یا نہیں، اس کیلئے کتب حدیث کی طرف مراجعت اور طرق حدیث کے تتبع کی حاجت ہے بغیر اس کے اس کا فیصلہ ممکن نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم الصواب

۲۸ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حُمَيْدٍ الْحِمْيَرِيِّ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: لَقِيتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا صَحِبَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَمْتَشِطَ أَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ، أَوْ يَبُولَ فِي مُغْتَسَلِهِ».

---

[1] جامع الترمذي — كتاب الطهارة — باب ما جاء في كراهية البول في المغتسل ۲۱

[2] مصنف ابن أبي شيبة — كتاب الطهارة — باب في الرجل يدخل الخلاء وعليه الخاتم ۱۲۰۹

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمنؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایسے صحابی سے ملاقات کی کہ جو جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت ابوہریرہؓ کی طرح حاضر باش رہ چکے تھے (یعنی عرصہ چار سال تک) انہوں نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا اور اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے غسل خانہ میں پیشاب کرے۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (٢٣٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٨) مسند أحمد - مسند الشاميين (١١١/٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٦٩/٥)

شرح الحديث: لَقِيتُ رَجُلًا: یہ رجل مبہم صحابی ہیں اور صحابی کے مجہول ہونے سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اسلئے کہ تمام صحابہ عدول ہیں، اس رجل مبہم کی تعیین میں شراح نے تین احتمال لکھے ہیں: ① عبداللہ بن سرجسؓ، ② حکم بن عمرو الغفاریؓ، ③ عبداللہ بن مغفلؓ، سند کے یہ الفاظ اسی طرح آگے باب الوضوء بفضل طهور المرأة سے اگلے باب میں آرہے ہیں وہاں پر ایک زیادتی ہے "لقيت رجلا صحب النبي صلى الله عليه وسلم اربع سنين كما صحبه ابوهريرة" اس سے معلوم ہوا کہ تشبیہ مدت صحبت میں ہے۔

باب کی اس دوسری حدیث میں دو ادب مذکور ہیں ایک یہ کہ مغتسل میں پیشاب نہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ ہر روز امتشاط یعنی کنگھی نہ کی جائے، ہر دو جملوں میں مناسبت ظاہر ہے کہ دونوں از قبیل آداب ہیں، اب یہ کہ ہر روز امتشاط کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ علماء نے لکھا ہے اس سے بال جھڑتے ہیں حالانکہ داڑھی کو بڑھانے کا حکم ہے دوسرے یہ کہ یہ باب زینت سے ہے جو شہامت رجال کے خلاف ہے، زینت تو عورتوں کی شان ہے قال الله تعالى: أَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ [1]۔

ابن العربیؒ نے امتشاط کے بارے میں تین باتیں لکھی ہیں وہ فرماتے ہیں "موالاته تصنع وتركه تدليس واغبابه سنة" یعنی کنگھی کثرت سے کرنا یہ سراسر تصنع ہے اور اسکو مطلق ترک کرنا یہ لوگوں کو دھوکہ دینا ہے کہ ہم بڑے زاہد اور اپنے نفس سے بے خبر ہیں، اور درمیان میں ایک روز چھوڑ کر کرنا سنت ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا [2] یہ روایت ابوداود میں آگے آئے گی، نیز اغباب میں ایک طرح کی سادگی ہے جس کا تعلق ایمان سے ہے اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِيمَانِ [3]۔

---

[1] کیا ایسا شخص کہ پرورش پاتا ہے زیور میں اور وہ جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے (سورة الزخرف ١٨)
[2] سنن أبي داود - كتاب الترجل ٤١٥٩
[3] التاريخ الكبير للبخاري - ج ٩ ص ٣

١٦ ـ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبَوْلِ فِي الْجُحْرِ

سوراخ میں پیشاب کرنے کی ممانعت کا بیان

منجملہ آداب کے یہ ہے کہ کسی سوارخ میں پیشاب نہ کیا جائے لفظ جحر بضم الجیم وسکون الحاء جسکے معنی ثقب اور سوراخ کے ہیں، چنانچہ حدیث الباب میں حضرت عبداللہ بن سرجسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ سوراخ میں پیشاب کیا جائے۔

٢٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُبَالَ فِي الْجُحْرِ»، قَالَ: قَالُوا لِقَتَادَةَ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الْبَوْلِ فِي الْجُحْرِ؟ قَالَ: كَانَ يُقَالُ إِنَّهَا مَسَاكِنُ الْجِنِّ.

ترجمہ: عبداللہ بن سرجسؓ فرماتے ہیں کے رسول اللہ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ ہشام راوی کہتے ہیں کہ قتادہ کے شاگردوں نے قتادہؒ سے پوچھا کہ سوراخ میں پیشاب کرنا کیوں مکروہ ہے قتادہؒ نے فرمایا کہا جاتا ہے کہ یہ سوراخ جنّات کے رہنے کے مقامات ہیں۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٢٩) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٨٢/٥)

شرح الحدیث قَالَ: قَالُوا لِقَتَادَةَ: قال کی ضمیر راجع ہے قتادہ کے شاگرد کی طرف جو اس سند میں ہشام ہیں، ہشام کہتے ہیں کہ قتادہ کے تلامذہ نے قتادہ سے پوچھا کہ سوراخ میں پیشاب کی ممانعت کیوں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ جو سوراخ ہوتے ہیں مساکن الجن ہیں جن سے مراد عام ہے، ہر وہ چیز جو نظروں سے غائب اور پوشیدہ ہو خواہ جنات ہوں یا اور کوئی جانور سانپ بچھو وغیرہ حشرات الارض، اس لئے کہ جن ماخوذ ہے اجتنان سے جسکے معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں، اب سوراخ میں پیشاب کرنے میں دونوں احتمال ہیں، اپنی ذات کو ضرر پہنچنے کا یا اس چیز کو ضرر پہنچنے کا جو اس سوراخ کے اندر ہو، غرضیکہ مضرت سے خالی نہیں ہے۔

قوله: مَا يُكْرَهُ مِنَ الْبَوْلِ: میں دو احتمال ہیں یا تو مَا موصولہ ہے اور يُكْرَهُ اس کا صلہ ہے اور مِنَ الْبَوْلِ، مَا کا بیان ہے موصول صلہ سے مل کر مبتدا اور ''ماذا سببه'' اس کی خبر محذوف ہے اب ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ چیز جو مکروہ ہے یعنی سوراخ میں پیشاب کرنا اس کا سبب کیا ہے، دوسرا احتمال یہ ہے ما استفہامیہ ہو لِمَ کے معنی میں اس صورت میں من زائد ہوگا اور بول یکرہ کا نائب فاعل ہوگا یعنی ''لِمَ يكره البول فى الجحر'' سوراخ میں پیشاب کرنا کیوں مکروہ ہے اس صورت میں عبارت میں کچھ محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہوگی اور إِنَّهَا مَسَاكِنُ الْجِنِّ میں ضمیر مونث یا الجحر کی طرف راجع ہے بتاویل فُرْجَة اور یا یہ کہا

جائے کہ جحر سے جو احجار مفہوم ہو رہا ہے اس کی طرف راجع ہے اس لئے کہ مفرد جمع پر اور جمع مفرد پر دلالت کرتی ہے۔

یہاں پر شراح نے اس حدیث کی تائید میں ایک واقعہ لکھا ہے وہ یہ کہ سعد بن عبادۃ الخزرجیؓ نے ایک مرتبہ کسی سوراخ میں پیشاب کر دیا تھا، پس ایک دم بیہوش ہو کر گرے، اور انتقال ہو گیا ہاتف غیبی سے آواز آئی جس کو سننے والوں نے سنا

نَحْنُ قَتَلْنَا سَيِّدَ الْخَزْرَجِ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةْ ۞ وَرَمَيْنَاهُ بِسَهْمَيْنِ فَلَمْ نُخْطِئْ فُؤَادَهْ [1]

حضور ﷺ کی یہ تعلیمات جہاں ہماری شریعت کی جامعیت پر دلالت کرتی ہیں وہیں حضور ﷺ کی غایت شفقت و محبت اور امت کے ساتھ ہمدردی کی خبر دے رہی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم شرف و کرم۔

۱۷ - بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ

بیت الخلاء سے نکلنے کی دعاء کا بیان

بیت الخلاء سے باہر آنے کی دعاء کا بیان۔ داخل ہوتے وقت کی دعا کا باب کافی پہلے گزر چکا۔ مصنفؒ نے ان دو بابوں میں فصل کیوں کیا، متصلاً یکے بعد دیگرے کیوں نہ ذکر کیا جیسا کہ قیاس کا تقاضا ہے؟ یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے، اس سے کسی شارح نے تعرض نہیں کیا، میرے خیال میں اسکی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ اس میں تذکیر و یاد دہانی کا فائدہ ہے یعنی گزشتہ بات جو چند روز قبل پڑھی گئی تھی اس باب سے اسکی پھر دوبارہ یاد دہانی ہو جاتی ہے جس سے سابق علم میں تازگی پیدا ہو گی جو حفظ کیلئے معین ہے اور ظاہر ہے کہ ایک جگہ ذکر کرنے میں یہ فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا۔

۳۰ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْغَائِطِ قَالَ: «غُفْرَانَكَ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے: غُفْرَانَكَ اے اللہ مجھے معاف فرما۔

غفران مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ نحو کے ضابطے کے مطابق اس سے پہلے لفظ اغفر محذوف ہے اور غُفْرَانَكَ ترکیب میں مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے (کما ذکرہ العلامۃ أنور عن شرح الکافیۃ للرّضی معارف السنن)

تخریج: جامع الترمذي-الطهارة(۷) سنن أبي داود-الطهارة(۳۰) سنن ابن ماجه-الطهارة وسننها(۳۰۰) سنن الدارمي-الطهارة(۶۸۰)

شرح الحدیث اس باب میں مصنفؒ نے ایک ہی حدیث بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو غُفْرَانَكَ پڑھتے، دوسری احادیث میں اسکے علاوہ اور بھی دعائیں وارد ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے: الْحَمْدُ

---

[1] المعجم الکبیر للطبراني ۵۳۵۹- ج۶ ص۱۶

لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذٰى وَعَافَانِي [1] اور ایک روایت میں ہے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي مَا يُؤْذِينِي وَأَبْقَى لِي مَا يَنْفَعُنِي [2]،
بہتر یہ ہے کہ دونوں دعاؤں کو ملا کر پڑھا جائے۔

غُفْرَانَكَ میں دو احتمال ہیں مفعول مطلق ہونے کا اور مفعول بہ ہونے کا، تقدیر عبارت ہوگی: اغفر غفرانك یا اسألك غفرانك۔ اے اللہ! میں تیری مغفرت چاہتا ہوں۔

دعاء ماثور کی اس مقام سے مناسبت میں توجیہات: یہاں ایک مشہور سوال ہے کہ اس دعا کو اس مقام سے کیا مناسبت ہے؟ حضرات علماء نے اسکی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ آپ ﷺ ہر وقت ذکر میں مشغول رہتے تھے جیسا کہ گزشتہ ابواب میں گزر چکا ہے لیکن بیت الخلاء میں چونکہ ذکر کرنا ناجائز ہے اس لئے مجبوراً ذکر کو منقطع کرنا پڑتا تھا تو اس انقطاع ذکر کو تقصیر سمجھتے ہوئے آپ استغفار فرماتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگرچہ آپ اس حالت میں ذکر لسانی کو ترک فرمادیتے تھے لیکن ذکر قلبی آپ سے اسوقت بھی بلا اختیار صادر ہوتا تھا جس کو آپ بعد میں کمال ادب کے خلاف سمجھتے ہوئے استغفار فرماتے تھے، ایک تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ قضاء حاجت سے فراغ کے وقت نعمت غذا کی تکمیل کا وقت ہے، اول اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی نعمت عطا فرمائی پھر اس کو سہولت کے ساتھ حلق سے نیچے اتارا، ورنہ بعض مرتبہ پھندہ بھی لگ جاتا ہے، پھر اس کے بعد معدہ کا اس غذا کو قبول کرنا اور اسکا ہضم ہونا، اور ہضم ہونے کے بعد کار آمد اجزاء کا جزو بدن بننا اور سب سے اخیر میں فضلہ کا عافیت کے ساتھ جسم کے اندر سے باہر آجانا جو آخری مرحلہ ہے، غرضیکہ یہ نعمت غذاء کی تکمیل کا وقت ہے جس کا حق اور شکر ہم سے ادا نہیں ہو سکتا اس تقصیر پر آپ نے امت کو استغفار کی تعلیم فرمائی، ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ بدن سے جو فضلہ نکلا ہے وہ نجاست حسیہ ہے اس سے آپ کا ذہن نجاست معنویہ یعنی معاصی کی طرف منتقل ہوا اس پر آپ استغفار فرماتے تھے، کہتے ہیں "الشيء بالشيء يذكر والكلام الى الكلام ينجر"۔

-بعض شروح میں اس دعا کی اصل کے سلسلہ میں ایک بات اور لکھی ہے وہ یہ کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جب آسمان سے زمین پر اتارا گیا تو ان کو قضاء حاجت کی ضرورت پیش آئی، اور رائحہ کریہہ محسوس ہوئی تو ان کو خیال آیا کہ یہ میری تقصیر اکل شجرہ کا اثر ہے، اس پر انہوں نے فوراً غُفْرَانَكَ پڑھا تو اس وقت سے یہ سنت بابا آدم کی چلی آرہی ہے [3]۔

---

[1] سنن ابن ماجه — كتاب الطهارة وسننها — باب ما يقول إذا خرج من الخلاء ٣٠١

[2] الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي مَا يُؤْذِينِي وَأَبْقَى عَلَيَّ مَا يَنْفَعُنِي (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح — ج ٢ ص ٦٩)

[3] العرف الشذي شرح سنن الترمذي — ج ١ ص ٥٠

١٨ - بَابُ كَرَاهِيَةِ مَسِّ الذَّكَرِ بِالْيَمِينِ فِي الاسْتِبْرَاءِ

استنجاء میں سیدھے ہاتھ سے شرمگاہ کو چھونے کی ممانعت کا بیان

من جملہ آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ استنجاء کے وقت مس ذکر بالیمین نہ ہونا چاہئے، حدیث الباب میں دو ادب مذکور ہیں ایک استنجاء بالیمین کی ممانعت دوسرے مس ذکر بالیمین کی ممانعت، یعنی دائیں ہاتھ سے نہ استنجاء کیا جائے اور نہ اس سے ذکر کا مس کیا جائے، استنجاء بالیمین کا حکم تو گزشتہ ابواب میں آچکا، یہاں پر مقصود مس ذکر بالیمین ہے حدیث الباب میں مس ذکر بالیمین کی ممانعت مطلقاً ہے، ترجمۃ الباب میں مصنف ؒ نے اسکو استنجاء کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی استنجاء کے وقت مس ذکر بالیمین نہ کرے، امام بخاریؒ کی رائے بھی یہی ہے انہوں نے بھی ترجمۃ الباب میں استنجاء کی قید کو ذکر فرمایا ہے اور علامہ عینیؒ ونوویؒ کی رائے یہ ہے کہ ممانعت مطلقاً ہے استنجاء کے وقت بھی اور بغیر اس کے بھی اس باب میں مصنف ؒ نے تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔

٣١ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبَانُ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَإِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ، وَإِذَا شَرِبَ فَلَا يَشْرَبْ نَفَسًا وَاحِدًا».

ترجمہ: ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی پیشاب کرے تو اپنے سیدھے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو مت چھوئے اور جب تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کو جائے تو سیدھے ہاتھ سے گندگی کو صاف مت کرے اور جب کوئی پینے کی چیز پیئے تو ایک سانس میں نہ پیئے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٥٢) صحيح البخاري - الوضوء (١٥٣) صحيح البخاري - الأشربة (٥٣٠٧) صحيح مسلم - الطهارة (٢٦٧) جامع الترمذي - الطهارة (١٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٥) سنن النسائي - الطهارة (٤٧) سنن أبي داود - الطهارة (٣١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣١٠) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٩٥/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٩٦/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٠٠/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٠٩/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣١٠/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣١١/٥) سنن الدارمي - الطهارة (٦٧٣)

شرح الحدیث: اس مقام پر شراح کو ایک اشکال ہو رہا ہے جسکو بذل میں حضرت ؒ نے تفصیل سے نقل فرمایا ہے، وہ یہ کہ اس حدیث میں مس ذکر بالیمین اور استنجاء بالیمین دونوں کی ممانعت کی گئی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ استنجاء کے وقت دایاں ہاتھ مطلقاً استعمال نہیں کرنا چاہئے، حالانکہ استنجاء بالحجر کے وقت دونوں ہاتھوں کا استعمال ہونا ضروری ہے تاکہ ایک ہاتھ میں ڈھیلہ لے کر استنجاء کر سکے اور دوسرے ہاتھ سے امساک ذکر ہو یعنی ذکر کو پکڑ کر ڈھیلے پر بار بار رکھ سکے تا آنکہ مقام خشک ہو جائے،

اب اگر استنجاء بالیسار کرتا ہے یعنی بائیں ہاتھ میں ڈھیلہ لیتا ہے تو مس ذکر بالیمین کرنا پڑے گا جو ممنوع ہے اور اگر مس ذکر بالیمین سے بچ کر امساک ذکر بائیں ہاتھ سے کرتا ہے تو دائیں ہاتھ میں ڈھیلہ لینا پڑے گا اس سے استنجاء بالیمین لازم آئے گا، غرضیکہ احد المحذورین کا ارتکاب ضرور لازم آئے گا دونوں سے بچنا مشکل ہے تو حدیث پر عمل کی کیا شکل ہے؟

استنجاء بالحجر بعد البول کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف: حافظ ابن حجرؒ[1] فرماتے ہیں کہ علامہ خطابیؒ نے اسکا ایک عجیب حل بیان کیا وہ یہ کہ استنجاء کرنے والا شخص کسی دیوار یا کسی بڑے پتھر کے قریب جاکر بائیں ہاتھ سے ذکر پکڑ کر اس سے لگاتار ہے یہاں تک کہ خشک ہو جائے تو اس صورت میں مس ذکر بالیمین سے محفوظ رہے گا۔ حافظ کہتے ہیں کہ یہ ہیئت، ہیئت منکرہ ہے اور ہر جگہ اور ہر موقع پر دیوار اور بڑا پتھر کہاں سے لائے گا، لہٰذا یہ کوئی حل نہ ہوا، علامہ طیبیؒ نے ایک دوسرا حل نکالا کہ استنجاءِ بالیمین کی ممانعت بعد الغائط ہے نہ کہ بعد البول، لہٰذا استنجاء بعد البول دائیں ہاتھ سے کرنا جائز ہے حدیث میں اسکی ممانعت ہی نہیں ہے، اسکی صورت یہ ہوگی کہ استنجاء کیلئے ڈھیلہ دائیں ہاتھ میں لے اور بائیں ہاتھ سے ذکر پکڑ کر اس پر رکھتا رہے۔ حافظؒ نے اس جواب کو بھی رد کر دیا کہ طیبیؒ کا یہ قول کہ استنجاءِ بالیمین کی ممانعت بعد الغائط ہے نہ کہ بعد البول صحیح نہیں[2] ہے بلکہ عند الجمہور یہ ممانعت عام ہے پھر حافظؒ نے اس کا حل خود بیان فرمایا اور یہ لکھا کہ استنجاء بالحجر کا صحیح طریقہ وہ ہے جس کو امام الحرمینؒ اور امام غزالیؒ وغیرہ نے تحریر فرمایا ہے وہ یہ کہ دائیں ہاتھ میں ڈھیلہ لے اور بائیں ہاتھ سے ذکر کو پکڑ کر بار بار ڈھیلے پر رکھے تا آنکہ مقام خشک ہو جائے اور دائیں ہاتھ کو حرکت نہ دے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں مس ذکر بالیمین سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے اور استنجاء بالیمین سے بھی محفوظ رہتا ہے کیونکہ صرف داہنے ہاتھ میں ڈھیلہ لینا بغیر حرکت کے استنجاء بالیمین نہیں کہلاتا ہے، یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ استنجاء بالماء کے وقت میں دائیں ہاتھ سے ذکر پر پانی ڈالتے ہیں، وہاں داہنے ہاتھ میں پانی ہوتا ہے اور یہاں داہنے ہاتھ میں حجر ہے، ہاں! اگر داہنے ہاتھ کو حرکت بھی دے تب یہ استنجاء بالیمین کہلائے گا، امام نوویؒ نے بھی شرح مسلم میں یہی صورت تحریر فرمائی ہے، ہمارے بعض فقہاء نے بھی استنجاء بالحجر کی یہی شکل لکھی ہے۔

لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں ان سب چیزوں کو تکلفِ محض قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ نظریہ کہ استنجاء بالحجر میں دونوں ہاتھوں کا استعمال ہوتا ہے صحیح نہیں ہے، بلکہ ایک ہاتھ سے استنجاء ہو سکتا ہے، لہٰذا بائیں ہاتھ میں ڈھیلہ لے کر بغیر استعانہ بالیمین کے استنجاء کیا جائے جیسا کہ آج کل عام طور سے مروج ہے، دراصل یہ حضرات علماء امام الحرمینؒ و امام غزالیؒ وغیرہ دونوں ہاتھوں کے استعمال کو اس لئے ضروری سمجھتے ہیں تاکہ رأس ذکر ملوث نہ ہو اور وہاں پیشاب نہ پھیلے، اگر ایک ہی

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر۔ ج ۱ ص ۲۵۳ - ۲۵۴

[2] لیکن سیاق حدیث اسی کو مشعر ہے جس کو طیبیؒ کہہ رہے ہیں، اس لئے کہ آپ فرما رہے ہیں: إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ یہ تو چھوٹا استنجاء ہوا، اس میں مس ذکر بالیمین سے منع فرما رہے ہیں اور آگے فرماتے ہیں: إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ بڑا استنجاء ہے اور اس میں استنجاء بالیمین کی ممانعت کی جا رہی ہے فتأمل۔

ہاتھ سے استنجاء کیا جائے گا تو اس کی شکل یہ ہوگی کہ ایک ہاتھ میں ڈھیلہ لے کر اس کو اس ذکر سے دفعۃً مس کیا جائے گا جس سے پیشاب پھیلے گا حالانکہ مقصود تطہیر ہے نہ کہ تلویث، اب بغیر تلویث کے مقصود حاصل ہونے کی شکل یہی ہے کہ ایک ہاتھ میں ڈھیلہ لیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے ذکر کو پکڑ کر تھوڑا تھوڑا حجر سے لگایا جائے اس میں تلویث لازم نہیں آئے گی جو عین مقصود ہے لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے آگے چل کر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ تلویث ذکر کا احتمال حجر میں ہے، کلوخ یعنی کچے ڈھیلے میں اس کا احتمال نہیں اس لئے کہ وہ فوراً پیشاب کو جذب کرلے گا، ہاں! البتہ اگر کچا ڈھیلہ نہ ملے بلکہ حجر ہو تو وہاں تلویث سے بچنے کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ بجائے ایک کے دو یا تین حجر احتیاط سے استعمال کرے تا آنکہ مقام خشک ہو جائے، اس صورت میں بھی تلویث لازم نہ آئے گی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم۔

دیکھنا یہ ہے کہ ہماری شریعت میں کتنی باریکیاں ہیں سبحان اللہ! جب مسائل جزئیہ میں تحقیق و تدقیق کا یہ حال ہے تو اصول احکام اور عقائد اس کے کتنے مضبوط اور پختہ ہوں گے "الحمد للہ الذی ہدانا للإسلام وما کنا لنهتدی لولا أن ھدانا اللہ"۔

قولہ: وَإِذَا شَرِبَ [1] فَلَا يَشْرَبْ نَفَسًا وَاحِدًا: اس میں ایک سانس میں پانی پینے سے روکا گیا ہے اسلئے کہ مسلسل ایک سانس میں پینا معدہ کیلئے موجب ثقل ہے اور اچھی طرح سیرابی بھی حاصل نہیں ہوتی، نیز ایک سانس میں پینا بے صبری اور حرص کی علامت ہے، اس حدیث میں تو پانی پینے کا صرف یہی ایک ادب بیان کیا گیا، اور اسی حدیث کے بعض طرق میں ایک دوسرا ادب بھی مذکور ہے وہ یہ کہ إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ [2] پس حاصل یہ ہوا کہ پانی صرف ایک سانس میں نہ پیا جائے بلکہ دو یا تین سانس میں پینا چاہئے، اور دوسرا ادب یہ ہے کہ درمیان میں سانس لیتے وقت برتن کو منہ سے جدا کردیا جائے برتن میں سانس نہیں لینا چاہئے یہاں ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کے دونوں جملوں: إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ الحدیث اور إِذَا شَرِبَ الحدیث میں مناسبت کیا ہے؟ جواب یہ ہے جو غالباً حضرت گنگوہیؒ کی تقریر بخاری یعنی لامع الدراری میں مذکور ہے کہ ایک جملہ میں ادخال ماء کا ادب بیان کیا گیا ہے اور ایک میں اخراج ماء کا ادب ہے حضرتؒ نے اچھی مناسبت بیان فرمائی ہے۔

۳۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ آدَمَ بْنِ سُلَيْمَانَ الْمِصِّيصِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو أَيُّوبَ يَعْنِي الْإِفْرِيقِيَّ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ، وَمَعْبَدٍ، عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْعَلُ يَمِينَهُ لِطَعَامِهِ وَشَرَابِهِ وَثِيَابِهِ، وَيَجْعَلُ شِمَالَهُ لِمَا سِوَى ذَلِكَ».

ترجمہ: حضرت حفصہؓ جناب رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں

---

[1] وأورد الشيخ في البذل على المصنف بأنه غيّر سياق الحديث، والحديث مخرج في الصحيحين وغيرهما بلفظ: وإذا شرب فلا يتنفس في الإناء قلت: قال المنذري: أخرجه الستة مطولاً ومختصراً وهذا يزيل الاعتراض المذكور، والله تعالى أعلم۔

[2] صحيح البخاري — كتاب الوضوء باب النهي عن الاستنجاء باليمين ۱۵۲

ہاتھ کو کھانے پینے اور کپڑا پہننے کیلئے استعمال فرماتے اور اپنے بائیں ہاتھ کو دیگر کاموں کیلئے استعمال فرماتے۔

شرح الحدیث آپ ﷺ دائیں ہاتھ کو استعمال فرماتے تھے کھانے اور پینے میں "وَثِيَابِهِ" یعنی آپ کسی کو کپڑا دیتے تو دائیں ہاتھ سے دیتے تھے یا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کپڑا پہنتے تھے تو ابتداء بالیمین فرماتے تھے اور اتارتے وقت ابتداء بالیسار فرماتے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز باب زینت اور تشریف سے ہو اس میں داہنا ہاتھ استعمال کیا جائے اور جو امور اس کے خلاف ہوں وہاں بایاں ہاتھ استعمال کیا جائے۔

قولہ: أَبُو أَيُّوبَ يَعْنِي الْإِفْرِيقِيَّ: ان کی تعیین میں اختلاف ہو رہا ہے، صاحب غایۃ المقصود [1] نے لکھا ہے یہ عبد الرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی ہیں بظاہر انہوں نے یہ تعیین اس لئے کی کہ الْإِفْرِيقِيَّ سے زیادہ مشہور وہی ہیں لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں اس کی تردید فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ یہ عبد اللہ بن علی افریقی ہیں، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ ہامش بذل میں فرماتے ہیں کہ ابن رسلان کی شرح میں بھی ان کو عبد اللہ بن علی قرار دیا ہے، لہٰذا حضرت سہارنپوریؒ ہی کی تحقیق صحیح ہے [2]۔

٣٣ - حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ، حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنَى لِطُهُورِهِ وَطَعَامِهِ، وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرَى لِخَلَائِهِ، وَمَا كَانَ مِنْ أَذًى».

ترجمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا داہنا ہاتھ آپ ﷺ کے پاکی حاصل کرنے اور کھانا کھانے کیلئے ہوا کرتا تھا اور آپ کا بایاں ہاتھ آپ ﷺ کی قضاء حاجت اور دیگر ناپسندیدہ کاموں کی انجام دہی کیلئے ہوا کرتا تھا۔

٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ.

ترجمہ حضرت عائشہؓ نبی اکرم ﷺ سے اسی کے ہم معنی روایت نقل کرتی ہیں۔

تخریج سنن أبي داود–الطهارة (٣٣) مسند أحمد–باقي مسند الأنصار (١٦٥/٦)

شرح الحدیث قولہ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ: یعنی مضمون وہی ہے جو پہلی حدیث کا ہے مگر سند بدل گئی، اب جب کہ مضمون ایک ہی ہے تو اس حدیث کو کیوں لائے؟ جواب یہ ہے کہ پہلی حدیث کی تائید کیلئے، نیز ایک دوسرے فائدے کیلئے وہ یہ کہ اس سند سے معلوم ہوا کہ پہلی سند میں ابراہیم اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ترک واسطہ کی وجہ سے انقطاع ہے اور اس سند میں وہ واسطہ موجود ہے تو اس دوسری سند سے پہلی سند کا انقطاع معلوم ہو گیا۔

ترجمۃ الباب کی دوسری حدیث کے رواۃ: "الْمِصِّيصِيُّ" یہ نسبت ہے مصیصہ کی طرف جو ملک شام میں ایک شہر ہے۔ " ابْنُ أَبِي

---

[1] غاية المقصود في حل سنن أبي داود – ج ١ ص ١٦٧–١٦٨

[2] بذل المجهود في حل أبي داود – ج ١ ص ٨١

زَائِدَةَ" هو يحيى بن زكريا بن ابی زائدة یہ نسبت الی الجد ہے۔ تیسری حدیث میں ہے" أَبُو تَوْبَةَ" اسمہ ربیع بن نافع،" ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ" اسمہ سعید، "أَبِي مَعْشَرٍ" ھو زیاد بن کلیب۔

۱۹ - بَابُ الِاسْتِتَارِ فِي الْخَلَاءِ

قضاء حاجت کے وقت پردہ کے اہتمام کا بیان

آداب استنجاء کا سب سے پہلا باب، بَابُ التَّخَلِّي عِنْدَ قَضَاءِ الْحَاجَةِ گزر چکا، اب اس باب اور گزشتہ باب کی غرض میں کیا فرق ہے؟

جواب یہ ہے کہ تخلی کے معنی ہیں تنہائی اختیار کرنا پردے کا نظم کرنا اس کیلئے لازم نہیں ہے اس باب سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ باوجود تخلی اور تنہائی اختیار کرنے کے تستر کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ تخلی بغیر تستر کے اور تستر بغیر تخلی کے ممکن ہے، اگر کوئی شخص مکان کے اندر پردہ ڈال کر قضاء حاجت کرے تو تستر تو ہوا لیکن تخلی اور تباعد عن الناس نہیں ہوا، اور اگر کوئی شخص تنہائی اختیار کرنے کیلئے قضاء حاجت کے وقت جنگل چلا جائے اور وہاں پہنچ کر بغیر کسی آڑ کے قضاء حاجت کرے تو وہاں تخلی تو پائی گئی لیکن تستر نہیں ہوا چنانچہ اگر کوئی ایسے میں وہاں پہنچ گیا تو یقیناً بے پردگی ہوگی۔

۳۵ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنِ الْحُصَيْنِ الْحُبْرَانِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنِ اكْتَحَلَ فَلْيُوتِرْ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ، وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ، وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ، وَمَنْ أَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْيَلْفِظْ، وَمَا لَاكَ بِلِسَانِهِ فَلْيَبْتَلِعْ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ، وَمَنْ أَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا أَنْ يَجْمَعَ كَثِيبًا مِنْ رَمْلٍ فَلْيَسْتَدْبِرْهُ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِي آدَمَ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ ثَوْرٍ، قَالَ: حُصَيْنٌ الْحِمْيَرِيُّ، وَرَوَاهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ، عَنْ ثَوْرٍ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخَيْرُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «أَبُو سَعِيدٍ الْخَيْرُ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی سرمہ لگائے تو طاق عدد لگائے اور جو ایسا کرے تو اس نے اچھا کام کیا اور جس نے طاق عدد نہ لگایا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور جو شخص استنجاء کرے تو طاق عدد ڈھیلے استعمال کرے، جس نے ایسا کیا تو اس نے اچھا کام کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں اور جو شخص کھانا کھائے تو اس کے دانتوں کے درمیان جو چیز لگی رہ جائے اس کو جب باہر نکالے تو پھینک دے اور کھانے کے جو ذرات اپنی زبان کے گھمانے سے نکالے تو اس کو نگل لے، جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔ اور جو شخص قضائے حاجت کیلئے

جائے تو پردے کا اہتمام کرے اگر کوئی شخص پردہ کیلئے کوئی آڑ نہ پائے سوائے اس کے کہ وہ ریت جمع کرکے ٹیلہ نما بنالے تو اسے چاہیے کہ اس طرح ریت کا ٹیلہ نما بنا کر اپنے پیچھے کرلے کیونکہ شیطان (پردہ نہ کرنے کی صورت میں) بنی آدم کے ستر (سرین) سے کھیلتا ہے جس نے اس طرح کیا تو اس نے احتیاط والا کام کیا اور جس نے ایسا نہ کیا (اور وہاں کوئی شخص موجود بھی نہ تھا) تو کوئی حرج نہیں۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں اس روایت کو ابوعاصم نے ثور سے نقل کیا اور حصین راوی کی نسبت حبرانی کے بجائے حمیری نقل کی ہے اور عبد الملک بن الصباح نے اس روایت کو ثور سے نقل کیا تو صحابی ابوسعیدؓ کے ساتھ لفظ الخیر کا اضافہ کرکے ابوسعید الخیر نقل کیا۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابوسعید الخیر تو صحابی رسول ﷺ ہیں (جبکہ پہلی سند میں موجود راوی ابوسعید تابعی ہیں جو حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کررہے ہیں)۔

تخریج صحيح البخاري-الوضوء(١٥٩) صحيح البخاري-الوضوء(١٦٠) صحيح مسلم-الطهارة(٢٣٧) سنن النسائي-الطهارة(٨٨) سنن أبي داود-الطهارة(٣٥) سنن ابن ماجه-الطهارة وسننها(٣٣٨) سنن ابن ماجه-الطهارة وسننها(٤٠٩) موطأ مالك-الطهارة(٣٣) موطأ مالك-الطهارة(٣٤) سنن الدارمي-الطهارة(٦٦٢)

شرح الحديث قوله: مَنِ اكْتَحَلَ فَلْيُوتِرْ: اکتحال میں ایتار کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ وتر کی رعایت ہر آنکھ کے اعتبار سے ہو ہر ایک میں تین تین بار سرمہ لگائے اور یہی قول زیادہ اصح ہے، شمائل ترمذی کی روایت میں اسکی تصریح ہے، اور دوسری صورت یہ کہ دونوں کے مجموعے کے لحاظ سے وتر ہو مثلاً داہنی آنکھ میں تین بار اور بائیں میں دوبار تو مجموعہ وتر ہوجائے گا، حضرتؒ نے بذل میں یہی دو صورتیں لکھی ہیں اور حضرت شیخؒ نے حاشیۂ بذل میں شراح حدیث حافظ ابن حجرؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ مناویؒ سے اکتحال کی تیسری صورت بھی لکھی ہے کہ اولاً ہر ایک آنکھ میں دو دو اور ایک سلائی دونوں میں مشترک، رواہ ابن عدی فی الکامل عن انس ﷺ مرفوعاً۔ ابن سیرینؒ نے اسی صورت کو پسند کیا ہے [1]۔

قوله: وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ: استجمار کی دو تفسیریں کی گئی ہیں: ایک استنجاء بالجمار یعنی بالاحجار دوسرے تجمر یعنی کپڑوں کو دھونی دینا، منقول ہے کہ حضرت امام مالکؒ کی رائے پہلے یہ تھی کہ حدیث میں استجمار سے مراد تجمر ہے، لیکن بعد میں رائے بدل گئی کہ اس سے مراد استنجاء بالحجر ہے، شارح ابن رسلانؒ نے اس کی تفسیر بخور المیت سے کی ہے، نیز انہوں نے استنجاء بالحجر مراد ہونے کی نفی کی ہے۔

حدیث الباب عدد احجار میں حنفیہ کی دلیل اور اس پر بحث: قوله: وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ: گزشتہ ابواب میں جہاں استنجاء کے احکام اور مسائل بیان کئے گئے تھے، ایک بحث عدد احجار کی گزر چکی ہے کہ شافعیہ وغیرہ کے یہاں عدد ثلاث کا ہونا ضروری ہے، بخلاف حنفیہ کے، یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ ایتار بالثلاث غیر ضروری ہے۔
ابن رسلانؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ استجمار سے مراد تجمر ہے، اور امام بیہقیؒ نے معرفۃ السنن والآثار میں شوافع کی جانب

[1] بذل المجهود في حل أبي داود ج ١ ص ٨١

سے اس کے دو جواب دیے ہیں:

① یہ حدیث ضعیف ہے اس حدیث کے راوی حصین الحبرانی مجہول ہیں۔

② ایتار سے مراد ایتار مافوق الثلاث ہے یعنی نفی حرج کا تعلق مافوق الثلاث سے ہے ورنہ ایتار بالثلاث تو جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے ضروری ہے، ہماری طرف سے علامہ زیلعیؒ نے بیہقیؒ کے جواب اول کو اس طرح رد کیا ہے کہ اس حدیث کی ابن حبانؒ نے اپنی صحیح کے اندر تخریج کی ہے، اور صحیح ابن حبان صحت کے اعتبار سے اونچی کتاب ہے، طبقہ اولیٰ میں اسکا شمار ہے، لہٰذا اس حدیث کو کم از کم حسن ماننا چاہئے اور جواب ثانی کے بارے میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اول تو یہ تحکم ہے، ثانیاً یہ کہ یہ خود شافعیہ کے مسلک کے خلاف ہے اسلئے کہ شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تین سے مقام کا انقاء ہو جائے تو پھر چار اور پانچ کا استعمال نہ واجب ہے نہ مستحب، اور اگر تین سے مقام کا انقاء نہیں ہوتا ہے تو پھر اس سے زائد کا استعمال نہ صرف مستحب بلکہ واجب ہے اور بیہقیؒ کی اس توجیہ کا تقاضا یہ ہے کہ تثلیث پر زیادتی مطلقاً مستحب ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

نیز اس حدیث سے ایک مسئلہ اصولیہ مستفاد ہو رہا ہے وہ یہ کہ امر مطلق وجوب کے لئے آتا ہے اس لئے کہ اگر وجوب کے لئے نہ ہوتا بلکہ استحباب کے لئے ہوتا تو "مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ، وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ" کے ذکر کی حاجت نہ تھی۔

قولہ: وَمَنْ أَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ: یہ چیز آداب اکل سے ہے کہ آدمی جب کھانے سے فارغ ہو تو کھانے کے جن ذرات کو نوک زبان سے نکالا ہو اس کو تو نگلنا چاہئے باہر پھینکنا نہ چاہئے، اس میں کھانے کی ناقدری ہے اور جس ذرۂ طعام کو دانتوں کے درمیان سے خلال کے ذریعہ نکالا ہو اس کو نگلنا نہ چاہئے کیونکہ اس میں خون کی آمیزش کا خطرہ ہے

قولہ: وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ: یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس ذرۂ طعام کے خون میں ملوث ہونے کا ظن غالب نہ ہو اور اگر اس کے ملوث ہونے کا ظن غالب ہو تو اس صورت میں حرج کی نفی مراد نہیں بلکہ اس صورت میں نگلنے میں یقیناً حرج ہے۔

قولہ: وَمَنْ أَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ: ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اسی جزء سے ہے اور یہی مقصود بالذکر ہے، باقی حدیث تبعاً ذکر کی گئی، اور اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قضاء حاجت کیلئے جائے تو اسکو چاہئے کہ آڑ قائم کر لے۔

قولہ: بِمَقَاعِدِ بَنِي آدَمَ: یہ مقاعد جمع ہے مقعد کی یا مقعدۃ کی، اور اسکے مطلب میں دو احتمال ہیں یا تو اس سے مراد اسفل بدن یعنی سرین ہے یا یہ بمعنی محل قعود کے ہے، اگر مراد اسفل بدن ہے تو باء الصاق کیلئے ہو گی اور اگر دوسرے معنی مراد ہیں تو یہ باء بمعنی فی ہو گی، ایک صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ قضاء حاجت کے وقت اگر تستر نہ کیا جائے تو شیاطین لوگوں کے سرین کے ساتھ کھیل کود اور مذاق اڑاتے ہیں، جیسا کہ مسخروں کی عادت ہوتی ہے، اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ شیاطین قضاء حاجت کی جگہ میں کھیل کود کرتے ہیں۔

قولہ: وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ: یہ نفی حرج مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ہے جب کوئی اس کو دیکھ نہ رہا ہو اور بے

بے پردگی نہ ہو رہی ہو اور اگر بغیر استتار کے بے پردگی ہوتی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ترک استتار کسی مجبوری کی وجہ سے ہو تو اس صورت میں گناہ دیکھنے والے کو ہوگا اور اگر ترک استتار اپنے اختیار سے بغیر کسی مجبوری کے ہو تو اس صورت میں بے پردگی کا وبال اس پر ہوگا، هکذا قالوا۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ أَبُو عَاصِمٍ عَنْ ثَوْرٍ: امام ابوداؤدؒ یہاں سے ثور کے تلامذہ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں، وہ یہ کہ عیسیٰ کی روایت میں "عن الحصین الحبرانی" واقع ہوا ہے اور ابوعاصم کی روایت میں بجائے الحبرانی کے الحمیری ہے، لیکن یہ اختلاف صرف لفظی ہے اس لئے کہ حمیر بڑا قبیلہ ہے اور حبران اسی کی ایک شاخ ہے۔

قوله: وَرَوَاهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ ثَوْرٍ: یہ ثور بن یزید کے تیسرے شاگرد ہیں ان کے الفاظ میں ایک دوسرا تغیر ہے وہ یہ کہ سند میں حضرت ابوہریرہؓ سے جو راوی مذکور ہیں ان کو بجائے ابوسعید کے انہوں نے ابوسعید الخیر کہا حالانکہ یہ دو راوی الگ الگ ہیں اس لئے کہ پہلی سند میں جو ابوسعید آئے ہیں وہ ابوسعید الحبرانی ہیں الخیر نہیں کہلاتے ہیں، اور یہ دوسرے ابوسعید جو ابوسعید الخیر کہلاتے ہیں یہ حبرانی نہیں بلکہ انماری ہیں، یہ اختلاف حقیقی ہے پہلا صرف لفظی تھا۔

راوی کی تعیین میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینیؒ کی رائے کا اختلاف: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أَبُو سَعِيدٍ الْخَيْرِ: مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ پہلی سند میں جو ابوسعید آئے تھے ان میں اور ابوسعید الخیر میں بڑا فرق ہے، وہ اور ہیں یہ اور، وہ تابعی تھے یہ صحابی ہیں لیکن مصنفؒ نے یہ فیصلہ نہیں فرمایا کہ صحیح کیا ہے یہاں کیا ہونا چاہئے؟ ابوسعید یا ابوسعید الخیر سو اس میں حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق یہ نقل فرمائی ہے کہ یہاں پر ابوسعید الحبرانی ہے جو قطعاً تابعی ہیں اور جس نے ان کی صفت الخیر ذکر کر دی اس سے غلطی ہوئی، ابوسعید الخیر دوسرے راوی ہیں وہ یہاں مراد نہیں ہے لیکن یہ واضح رہے کہ حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں اس راوی کے بارے جو تحقیق فرمائی ہے وہ یہ کہ یہاں پر صحیح ابوسعید الحبرانی ہے نہ کہ ابوسعید الخیر یہ صرف حافظ ابن حجرؒ کی رائے ہے، علامہ عینیؒ اس سے متفق نہیں ہیں، چنانچہ حضرت شیخؒ نے حاشیہ بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ علامہ عینیؒ نے بہت سی روایات کی بناء پر جن میں الخیر کی تصریح وارد ہے یہ رائے قائم کی ہے کہ صحیح اس سند میں ابوسعید الخیر ہی ہے جیسا کہ عبدالملک بن الصباح نے اپنی روایت میں کہا[1]۔

ایک چیز قابل تنبیہ یہاں پر یہ بھی ہے کہ یہ جو ابوسعید الخیر صحابی ہیں ان کے نام کے ضبط میں اختلاف ہے، بعض نے اس کو ابوسعید یاء کے ساتھ لکھا ہے اور بعض نے ابوسعد بدون الیاء۔

[1] بذل المجهود في حل أبي داود-ج ١ ص ٨٧-٨٩

٢٠- بَابُ مَا يُنْهَى عَنْهُ أَنْ يُسْتَنْجَى بِهِ

جن چیزوں سے استنجا کی ممانعت ہے انکا بیان

یعنی ان چیزوں کا بیان جن سے استنجاء کرنا ممنوع ہے، ان چیزوں کا بیان اگرچہ گزشتہ ابواب میں آچکا ہے مگر وہاں قصداً نہ تھا بلکہ دوسرے ابواب کے ضمن میں تھا، اب یہاں مستقل باب میں لا رہے ہیں، اس باب میں مصنفؒ نے روایات بھی متعدد ذکر کی ہیں اور ان پر کلام بھی طویل اور تفصیل طلب ہے۔

٣٦ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ يَعْنِي ابْنَ فَضَالَةَ الْمِصْرِيَّ، عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ الْقِتْبَانِيِّ، أَنَّ شِيَيْمَ بْنَ بَيْتَانَ، أَخْبَرَهُ عَنْ شَيْبَانَ الْقِتْبَانِيِّ، قَالَ: إِنَّ مَسْلَمَةَ بْنَ مُخَلَّدٍ اسْتَعْمَلَ رُوَيْفِعَ بْنَ ثَابِتٍ عَلَى أَسْفَلِ الْأَرْضِ، قَالَ شَيْبَانُ: فَسِرْنَا مَعَهُ مِنْ كُومِ شَرِيكٍ، إِلَى عَلْقَمَاءَ أَوْ مِنْ عَلْقَمَاءَ إِلَى كُومِ شَرِيكٍ يُرِيدُ عَلْقَامَ فَقَالَ رُوَيْفِعٌ: «إِنْ كَانَ أَحَدُنَا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْخُذُ نِضْوَ أَخِيهِ عَلَى أَنَّ لَهُ النِّصْفَ مِمَّا يَغْنَمُ، وَلَنَا النِّصْفُ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُنَا لَيَطِيرُ لَهُ النَّصْلُ وَالرِّيشُ، وَلِلْآخَرِ الْقِدْحُ» ثُمَّ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُولُ بِكَ بَعْدِي، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا، أَوْ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ، أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ بَرِيءٌ».

ترجمہ: شیبان قتبانی کہتے ہیں کہ مسلمہ بن مخلد (والی مصر) نے رویفع بن ثابت کو مصر کے سمندری علاقے کا امیر مقرر کیا تھا شیبان کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نے رویفع کے ساتھ کوم شریک سے علقماء تک کا سفر کیا یا علقماء سے کوم شریک تک سفر کیا تھا اور ابھی علقام (ایک اور علاقے کا نام ہے) جانا تھا تو رویفع نے فرمایا کہ عہد نبوی میں ہمارا یہ حال تھا کہ ایک صحابی اپنے دینی بھائی کا لاغر اونٹ (سفر جہاد کے لیے) عاریۃً لے لیتا اس شرط پر کہ غنیمت کا آدھا حصہ کمزور اونٹ والے کا ہوگا اور دوسرا آدھا حصہ ہمارا ہوگا اور بے شک کسی ایک صحابی کے مالِ غنیمت کے حصہ میں تیر کا پیکان (تیر کا بالائی حصہ) اور تیر پر لگے ہوئے پَر حاصل ہوتے اور دوسرے صحابی کے حصہ میں اس تیر کی خالی لکڑی ہوتی پھر رویفع نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے رویفع شاید میرے بعد تمہیں لمبی زندگی ملے تو تم لوگوں کو بتانا کہ جو شخص اپنی داڑھی میں گرہ لگائے یا اپنے بچوں اور جانوروں کے گلہ میں تانت ڈالے یا کسی جانور کے گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔

٣٧ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا مُفَضَّلٌ، عَنْ عَيَّاشٍ، أَنَّ شِيَيْمَ بْنَ بَيْتَانَ، أَخْبَرَهُ بِهَذَا الْحَدِيثِ أَيْضًا، عَنْ أَبِي سَالِمٍ الْجَيْشَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، يَذْكُرُ ذَلِكَ وَهُوَ مَعَهُ مُرَابِطٌ بِحِصْنِ بَابِ أَلْيُونَ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «حِصْنُ أَلْيُونَ بِالْفُسْطَاطِ

عَلَى جَبَلٍ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَهُوَ شَيْبَانُ بْنُ أُمَيَّةَ يُكْنَى أَبَا حُذَيْفَةَ».

ترجمہ عیاش کہتے ہیں کہ شییم نے یہ حدیث ابوسالم الجیشانی سے بھی نقل کی وہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت نقل کرتے ہیں اور ابو سالم نے بیان کیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ساتھ (الیون) مصر کے دروازے پر موجود قلعے پر پہرہ دے رہے تھے اس وقت حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ابوسالم کو یہ حدیث سنائی۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حصن الیون ایک پہاڑ پر واقع ہے، (حصن الیون مصر کے ایک پرانے شہر کا نام ہے مسلمانوں نے اس کو فتح کرنے کے بعد اس کا نام فسطاط رکھ دیا تھا) امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ شیبان بن اُمیہ کی کنیت ابوحذیفہ ہے۔

تخریج سنن النسائي - الزينة (٥٠٦٧) سنن أبي داود - الطهارة (٣٦) مسند أحمد - مسند الشاميين (١٠٨/٤) مسند أحمد - مسند الشاميين (١٠٩/٤)

شرح الحدیث اس باب میں مصنفؒ جو حدیث لائے ہیں اس میں ایک چیز راوی نے اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے تمہیداً بیان کی ہے جس کی وجہ سے روایت لمبی ہوگئی؛ مصنفؒ کے نزدیک جو روایت مقصود بالبیان ہے وہ اخیر میں آرہی ہے: فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ راوی نے روایت حدیث سے پہلے جو مضمون بطور تمہید بیان کیا آپ پہلے اس کا مطلب سمجھ لیجئے۔

مضمون روایت: شیبان راوی رویفع بن ثابت سے روایت کرتے ہیں، اور یہ رویفع وہ ہیں جن کو والی مصر مسلمہ بن مخلد نے اسفل ارض مصر کا عامل بنایا تھا، شیبان کہتے ہیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم رویفع کے ساتھ سفر میں تھے، سفر کی ابتداء کوم شریک سے ہوئی اور ابھی علقماء تک پہنچے تھے، اور جانا تھا علقام [1] یا علقماء سے چلے اور ابھی کوم شریک تک پہنچے تھے، اور جانا بہر حال علقام ہی تھا، غرضیکہ اس سفر کے درمیان رویفع نے مجھ سے ابتداء زمانہ اسلام کا حال بیان کرنا شروع کیا، اور شیبان کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم لوگوں کا حضور ﷺ کے ساتھ شروع زمانہ تنگی معاش میں اس طرح گزرا ہے کہ اگر ہم میں سے کسی کو سفر جہاد میں جانا ہوتا تو وہ اپنے پاس سواری نہ ہونے کے سبب اپنے دوسرے دینی بھائی سے سواری کرایہ پر لیتا تھا، اور سواری بھی کیسی؟ لاغر اونٹ اور معاملہ بھی سواری والے سے اس طرح طے ہوتا کہ جو کچھ مال غنیمت حاصل ہو جائے گا، اس میں نصف ہمارا اور نصف تمہارا پھر آگے چل کر کہتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ مال غنیمت میں ہمارے حصہ میں بہت معمولی سی چیز حاصل ہوتی، یعنی صرف ایک تیر جس میں تین اجزاء ہوتے ہیں، نصل، ریش اور قدح، ایک کو نصل اور ریش دیا جاتا اور دوسرے کو قدح دیدیا جاتا۔

قولہ: لَيَطِيرُ لَهُ: اسکے معنی ہیں حصہ میں آنا، کہا جاتا ہے: طار لفلان النصف ولفلان الثلث أي حصل له في القسمة یعنی فلاں کے حصہ میں نصف آیا اور فلاں کے حصہ میں ثلث۔

---

[1] یہ راوی کا شک ہے۔

قوله: النَّصْلُ وَالرِّيشُ: نصل کہتے ہیں تیر کے پیکان کو جس طرح چھری کا پھل ہوتا ہے اسی طرح تیر کے لئے پیکان ہوتا ہے جس کو عربی میں نصل کہتے ہیں، اور ریش کہتے ہیں تیر کے پر کو، اور ہر تیر کے دو پر ہوتے ہیں۔

قوله: وَلِلْآخَرِ الْقِدْحُ: یہ کسر قاف اور سکون دال کے ساتھ ہے تیر کا پچھلا حصہ جس میں تیر کی نوک اور پر لگاتے ہیں، یہ لکڑی کا ہوتا ہے جیسے چاقو میں پیچھے لکڑی کا دستہ ہوتا ہے، اور اس لفظ کا ترجمہ اس طرح بھی کر سکتے ہیں بے نوک اور پر کا تیر۔

شیبان کہتے ہیں کہ یہ تمہیدی مضمون بیان کرنے کے بعد پھر رویفع نے مجھ سے وہ اصل حدیث بیان کی جس کو بیان کرنا مقصود تھا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے رویفع! شاید تم میرے بعد بہت روز تک زندہ رہو، تو اگر میرے بعد تک زندہ رہنے کی نوبت آئی "فَأَخْبِرِ النَّاسَ الحديث" یہاں سے وہ اصل حدیث شروع ہو رہی ہے جس کا حاصل بعد میں بیان کیا جائے گا۔

رویفع بن ثابت نے حدیث بیان کرنے سے قبل یہ تمہید کیوں بیان کی؟ اس سے ان کی غرض کیا ہے، معلوم ہونی چاہئے، وہ یہ کہ اس سے وہ اپنا قدیم الاسلام ہونا ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ میں بحمد اللہ قدیم الاسلام صحابی ہوں اسلام کا ابتدائی دور میری آنکھوں کے سامنے سے گزرا ہے، اسطرح کی بات راوی اسلئے ذکر کیا کرتے ہیں تا کہ پھر سامع انکی بات کو غور سے سنے اور انکی بات پر اعتماد کرے، استاذ و شاگرد کے درمیان اعتقاد و اعتماد ضروری ہے ورنہ فائدہ نہیں ہوتا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے مشکوٰۃ میں پڑھا ہے، حضرت معاذؓ اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے فرماتے ہیں: "كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اس کا بھی فائدہ یہی ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ اپنی خصوصیت بیان کرنا اور قرب ثابت کرنا اور ظاہر ہے کہ راوی جتنا حضور ﷺ کے قریب ہوگا اتنی ہی اچھی طرح اس نے حدیث سنی ہوگی۔

اجارۂ فاسدہ مذکورہ فی الحدیث کی توجیہ اور اس میں اختلاف علماء: اس تمہیدی مضمون میں ایک فقہی مسئلہ آگیا وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کی سواری جہاد میں ساتھ لے جانے کیلئے اس طور پر کرایہ پر لے کہ جو کچھ مال غنیمت مجھ کو حاصل ہوگا وہ نصف میرا اور نصف تمہارا ہوگا تو کیا یہ صورت اجارہ کی جائز ہے؟

جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے اسلئے کہ اول تو یہی معلوم نہیں کہ غنیمت حاصل ہوگی یا نہیں اور پھر اگر حاصل ہو تو یہ معلوم نہیں کہ کتنی حاصل ہوگی، غرضیکہ اس اجارہ میں اجرت مجہول ہے، جہالت اجرت کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہی ہے، البتہ امام احمدؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ بعض علماء کے نزدیک یہ اجارہ صحیح ہے، چنانچہ امام ابوداود حنبلی نے اس مسئلہ اجارہ کو کتاب الجہاد میں مستقل ترجمۃ الباب قائم کر کے بیان کیا ہے مگر وہاں یہ حدیث ذکر نہیں کی، ایک دوسری حدیث ذکر فرمائی ہے، جب آپ وہاں پہنچیں گے تو ان شاء اللہ معلوم ہو جائے گا، جمہور کی جانب سے اسکے دو جواب

دیئے گئے:

① علامہ انور شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے اجارہ میں قمار کے معنی پائے جاتے ہیں جو شروع میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا، لہذا اجارہ کی یہ نوع بھی منسوخ ہو گی۔

② حضرت اقدس گنگوہی ؒ کی تقریر ابوداود میں یہ ہے کہ فی الواقع یہ معاملہ اجارہ نہیں تھا، بلکہ مجازاۃ الحسنة بالحسنة کے قبیل سے تھا "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ❶" یعنی دینے والا تو سواری مفت دیتا تھا، لیکن لینے والے کے ذہن میں ہوتا تھا کہ ہمیں غنیمت میں سے جو کچھ حاصل ہو گا اس میں اس کا بھی حصہ لگائیں گے مگر ان صحابی نے اس ذہنی تصور وارادہ کو بوقت حکایت بیان اس طرح کیا کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر میں اجارہ کی شکل تھی۔

قوله: لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ بِكَ بَعْدِيْ: لَعَلَّ ترجی (یعنی توقع اور امید) اور تحقیق دونوں کیلئے ہو سکتا ہے، اگر تحقیق کیلئے ہو تو یہ جملہ اخبار بالغیب کے قبیل سے ہو گا، بہر کیف ہوا وہی جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا، چنانچہ حضرت رویفع آپ کے بعد بہت عرصہ تک حیات رہے، امیر معاویہ کا زمانہ پایا اور ۵۶ ؁ھ یا ۵۳ ؁ھ میں افریقہ میں انتقال ہوا اور یہ آخری صحابی ہیں جن کا وہاں انتقال ہوا۔

قوله: مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ: یعنی جو شخص گرہ لگائے اپنی داڑھی میں۔ گرہ لگانے کے کئی معنی بیان کئے گئے ہیں، ایک یہ کہ داڑھی کو چڑھانا اور اس کو گھونگھریالا بنانا، آپ نے اس سے منع فرمایا ہے اسلئے کہ یہ خلاف سنت ہے مسنون طریقہ تسریح لحیہ ہے یعنی داڑھی کے بالوں کو سیدھا رکھنا اور بعض نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں متکبرین کفار جب جنگ کیلئے جاتے تھے تو داڑھی میں گرہ لگایا کرتے تھے اس سے آپ نے منع فرمایا کیونکہ اس میں تشبہ بالنساء ہے، اور بعضوں نے کہا کہ یہ عجمیوں کی عادت تھی، اور چونکہ اس میں تغییر خلقت ہے اس لئے منع فرمایا اور بعض نے کہا کہ کفار عرب کی یہ عادت تھی کہ جس کے ایک بیوی ہوتی وہ اپنی داڑھی میں ایک گرہ لگاتا، اور اگر دو بیویاں ہوتیں تو دو گرہ لگاتا۔

قوله: أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا: وتر کہتے ہیں تانت کو، جس کو تیر کمان میں باندھتے ہیں، اہل جاہلیت اپنے بچوں اور گھوڑوں کے گلے میں نظر بد سے بچنے اور دفع آفات کیلئے تانت میں تعویذ، گنڈے اور منکے باندھ کر ڈالتے تھے، اس عقیدہ کے ساتھ کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر وہ محفوظ نہیں رہیں گے گویا انہیں مؤثر بالذات سمجھتے تھے، اور بعضوں نے کہا یہ تعلیق اجراس پر محمول ہے یعنی تانت وغیرہ میں گھونگھرو گھنٹی پرو کر جانوروں کے گلے میں ڈالنا اور جرس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، اسکو مزمار الشیطان کہا گیا ہے۔

قوله: أَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعٍ: مصنف ؒ کی غرض حدیث کا صرف یہی حصہ ہے "فَاِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ

---

❶ احسانی کا بدلہ احسانی کے سوا اور کیا ہے؟ (سورۃ الرحمن 60)

تبرِّئ " جو ایسا کرے آپ ﷺ اس سے براءت اور بیزاری کا اظہار فرمارہے ہیں، حدیث میں یہ مبالغہ فی الوعید زجر و توبیخ کیلئے ہے حقیقت مراد نہیں اس لئے کہ براءت کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں، اور یہ نہایت سخت وعید ہے۔

مسئلہ مترجم بہا میں مذاہب ائمہ: ترجمۃ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے اس میں جو اختلاف ہے وہ گزشتہ ابواب میں بیان ہو چکا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک "ما یستنجی بہ" کا طاہر ہونا ضروری ہے، حنفیہ مالکیہ کے یہاں طاہر ہونا ضروری نہیں ہے، اور ظاہریہ کے نزدیک احجار متعین ہیں اور ایک مذہب یہاں پر ابن جریر طبریؒ کا ہے جو شاذ ہے وہ یہ کہ ان کے نزدیک استنجاء ہر طاہر اور نجس شئ سے بلا کراہت جائز ہے۔

شافعیہ وحنابلہ نے حدیث الباب سے استدلال کیا کہ استنجاء بشیٔ نجس صحیح نہیں غیر معتبر اور کالعدم ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ نہی فساد منہی عنہ پر دلالت نہیں کرتی، لہذا اس حدیث کا یہ مقتضی نہیں کہ شئ نجس سے استنجاء کا تحقق ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ نہی صرف ممانعت اور کراہت پر دلالت کرتی[1] ہے، شافعیہ نے دار قطنی کی ایک روایت پیش کی، جس میں ہے إِنَّهُمَا لَا يُطَهِّرَانِ[2] (عظم اور رجیع سے طہارت نہیں حاصل ہوتی) دار قطنی کہتے ہیں "إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ" علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایۃ[3] میں اس کا جواب یہ دیا کہ اس کی سند میں سلمة بن رجاء الكوفي راوی ہے جو متکلم فیہ اور ضعیف ہے، احقر کہتا ہے کہ لَا يُطَهِّرَانِ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں سے طہارت بلا تکلف حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ بہت احتیاط کے ساتھ اگر ان سے استنجاء کیا جائے تب ہی مقام کا انقاء ہو سکتا ہے تو چونکہ ان چیزوں کے ذریعہ مقام کا انقاء جو کہ مقصود ہے بسہولت حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے کہا گیا "إِنَّهُمَا لَا يُطَهِّرَانِ"۔

استنجاء بالحجر کے مطہر محل ہونے میں علماء کا اختلاف: حضرت سہارنپوریؒ نے اس مقام پر ایک تحقیق بیان فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دراصل استنجاء کی حقیقت میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ مطہر محل ہے یا صرف مخفف نجاست، شافعیہ کہتے ہیں وہ مطہر محل اور مزیل نجاست ہے مگر جب ہی جبکہ عدد ثلاث کا تحقق ہو جیسا کہ حدیث میں اس عدد کی تصریح ہے، اور رجیع و عظم چونکہ خود ناپاک ہیں اس لئے اگر ان سے استنجاء کیا جائے گا تو مقام پاک نہیں ہوگا، جیسا کہ دار قطنی کی روایت میں گزر چکا "إِنَّهُمَا لَا يُطَهِّرَانِ" اسکے تقابل سے معلوم ہو رہا ہے کہ حجر سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے، اور حنفیہ کہتے ہیں کہ استنجاء بالحجر صرف مقلل نجاست ہے مطہر محل نہیں ہے، ہاں! حق تعالیٰ شانہٗ نے ہمارے ضعف کی رعایت فرماتے ہوئے باوجود مقام کے پاک نہ ہونے کے اسکو طہارت کا حکم دیدیا ہے، گو فی الواقع طاہر نہیں ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر

---

[1] مسئلہ اصولیہ مشہور ہے "النهي عن الأفعال الشرعية يقتضي تقريرها" جیسے صوم یوم النحر کہ اس پر نہی وارد ہوئی ہے اور حرام ہے، اس کے باوجود اگر کوئی شخص اس دن میں روزہ رکھے تو شرعاً روزہ کا تحقق ہو جائے گا۔

[2] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب الاستنجاء ١٥٢ (مؤسسة الرسالة الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ)

[3] نصب الراية لأحاديث الهداية - ج ١ ص ٢٢٠

کسی شخص نے صرف استنجاء بالحجر پر اکتفاء کیا ہو اور ایسا شخص ماء قلیل میں داخل ہو جائے تو اسکے مقام کی نجاست لوٹ آنے کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا بہر حال ہمارے یہاں استنجاء خواہ بالحجر ہو خواہ بالروث والرجیع دونوں ہی مطہر محل نہیں، صرف طہارت محل کا حکم دیدیا جاتا ہے، لہذا دار قطنی کی روایت إِنَّهُمَا لَا يُطَهِّرَانِ ہمارے مخالف نہیں رہی، انتہی مافی البذل [1]۔

لیکن احقر عرض کرتا ہے کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان کے یہاں بھی استنجاء بالحجر سے مقام پاک نہیں ہوتا، بلکہ صرف عفو اور عدم مواخذہ کا درجہ ہے، البتہ حنابلہ کے یہاں دونوں روایتیں ہیں، طہارت محل وعدم طہارت جیسا کہ مغنی میں ہے، ہو سکتا ہے کہ شافعیہ کے یہاں بھی دونوں قول ہوں۔

حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ: مصنفؒ کی غرض اس سے حدیث سابق کا طریق ثانی بیان کرنا ہے، چنانچہ پہلی سند میں شِيَيْم روایت کرتے تھے شَيْبَان سے، اور شَيْبَان، رویفع سے، اور اس سند میں شِيَيْم روایت کر رہے ہیں بجائے شَيْبَان کے أَبِي سَالِمٍ الْجَيْشَانِيِّ سے، اور أَبِي سَالِمٍ الْجَيْشَانِيِّ روایت کر رہے ہیں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے، ایضا کا مطلب یہی ہے کہ جس طرح شِيَيْم اس کو روایت کرتے ہیں شیبان سے اسی طرح روایت کرتے ہیں ابو سالم جیشانی سے، تو گویا یہ حدیث دو صحابہ سے مروی ہوئی، ایک حضرت رویفعؓ سے، دوسرے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔

قوله: يَذْكُرُ ذَلِكَ وَهُوَ مَعَهُ: یعنی بیان کرتے تھے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس حدیث کو جبکہ ابو سالم ان کے ساتھ حِصْنِ بَابِ أَلْيُونَ میں پہرہ دے رہے تھے "أَلْيُونَ" مصر کا قدیم نام ہے، اور مسلمانوں کے اسکو فتح کرنے کے بعد اس کا نام فسطاط پڑ گیا تھا، اور آج کل مصر کے ساتھ مشہور ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: حِصْنُ أَلْيُونَ بِالْفُسْطَاطِ عَلَى جَبَلٍ: امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ حِصْنُ أَلْيُونَ جہاں ٹھہر کر پہرہ دیا جارہا تھا، وہ ایک پہاڑ پر واقع ہے، جاننا چاہئے کہ أَلْيُون یاء کے ساتھ ہے، اور البون باء موحدہ کیساتھ بھی آتا ہے وہ ایک دوسرا شہر ہے یمن کے اندر، وہ یہاں مراد نہیں ہے۔

٣٨ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: «نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَتَمَسَّحَ بِعَظْمٍ أَوْ بَعْرٍ»۔

ترجمہ: جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم ہڈی یا اونٹ کی مینگنی سے استنجاء کریں۔

تخریج: صحيح مسلم - الطهارة (٢٦٣) سنن أبي داود - الطهارة (٣٨) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٤٣/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٨٤/٣)

٣٩ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ الْحِمْصِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي عَمْرٍو السَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الدَّيْلَمِيِّ،

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٠ - ٢١

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا مُحَمَّدُ: إِنَّهُ أُمَّتَكَ أَنْ يَسْتَنْجُوا بِعَظْمٍ أَوْ رَوْثَةٍ أَوْ حُمَمَةٍ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى جَعَلَ لَنَا فِيهَا رِزْقًا، قَالَ: «فَنَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ».

ترجمہ عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جنات کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا: اے محمد! اپنی اُمت کو منع فرمادیجئے کہ وہ ہڈی یا لید یا کوئلہ سے استنجاء کریں کیونکہ اللہ عزوجل نے ہمارے لئے ان میں روزی رکھی ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے مذکورہ بالا تین چیزوں سے استنجاء کرنے سے منع فرمادیا۔

تخریج صحیح مسلم - الصلاۃ (٤٥٠) جامع الترمذي - الطھارۃ (١٨) سنن النسائي - الطھارۃ (٣٩) سنن أبي داود - الطھارۃ (٣٩)

شرح الحدیث قولہ: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الدَّيْلَمِيِّ: دیلمی کا نام فیروز ہے، لہذا یہ عبد اللہ بن فیروز الدیلمی ہوئے، تابعی ہیں وقیل لہ: صحبۃ یہ ضحاک بن فیروز الدیلمی کے بھائی ہیں۔

قولہ: قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ: یعنی ایک مرتبہ جنات کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اپنی امت کو اس بات سے منع فرمادیں کہ وہ ہڈی یا لید یا کوئلہ سے استنجاء کریں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں ہماری روزی رکھی ہے، چنانچہ آپ نے اس سے منع فرمایا، وفد جمع ہے وافد کی، وفد کہتے ہیں ان منتخب اور چیدہ لوگوں کو جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں کسی مسئلہ پر گفتگو کرنے کیلئے امراء سے ملنے آتے ہیں۔

شراح نے لکھا ہے یہ نصیبین کے جن تھے، نصیبین ایک شہر ہے جو موصل کے قریب منبع فرات پر واقع ہے، یہاں جنات کی کثرت ہے اور یہاں کے جن سادات الجن کہلاتے ہیں، اور قرآن کریم میں جو آتا ہے وَإِذْ صَرَفْنَآ إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ [1] تو اس آیت میں بھی جن سے جن نصیبین ہی مراد ہیں، بعض کہتے ہیں یہ سات تھے، اور بعض کہتے ہیں نو تھے، یہ قدوم وفد مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے ہوا تھا جیسا کہ بذل میں ہے [2]۔

حدیث الباب میں اختصار ہے: ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا: أَتَانِي دَاعِي الْجِنِّ فَذَهَبْتُ مَعَهُ [3] یعنی ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں جنات کا وفد حاضر ہوا، آپ اس وفد کے ساتھ ان کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کے آپس کے نزاعات اور مقدمات فیصل فرمائے اخیر میں جنات نے آپ سے زاد کی بھی درخواست کی، چنانچہ آتا ہے فسألوه الزاد فقال: لکم کل عظم الحدیث [4] یعنی حضور ﷺ نے ان کی درخواست پر ان کو توشہ عنایت فرمایا اور فرمایا کہ تم جس ہڈی

---

[1] اور جس وقت متوجہ کردیئے ہم نے تیری طرف کتنے لوگ جنوں میں سے (سورۃ الأحقاف ٢٩)

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٩٦

[3] صحیح مسلم - کتاب الصلاۃ - باب الجهر بالقراءۃ في الصبح والقراءۃ على الجن (٤٥٠)

[4] وَسَأَلُوهُ الزَّادَ فَقَالَ: "لَكُمْ كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ (صحیح مسلم - کتاب الصلاۃ - باب الجهر بالقراءۃ في الصبح والقراءۃ على الجن ٤٥٠)

پر بھی گزرو گے تو اس پر اس سے زائد گوشت پاؤ گے جو اس پر پہلے تھا، اس پر پھر انہوں نے آپ سے یہ درخواست کی کہ اچھا جب یہ بات ہے تو آپ اپنی امت کو ہڈی وغیرہ سے استنجاء کرنے سے منع فرمادیں، چنانچہ آپ نے منع فرمایا، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث الباب مختصر ہے، پورا واقعہ اس طرح ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

جاننا چاہئے کہ جنات کے وفود آپ کی خدمت میں کئی بار آئے مشہور ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ بار پیش آیا، تین مرتبہ قبل الہجرۃ اور تین مرتبہ بعد الہجرۃ اس کا بیان "باب الوضوء بالنبیذ" میں آئے گا۔

قولہ: فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى جَعَلَ لَنَا فِيهَا رِزْقًا: رزق سے مراد صرف طعام اور کھانا نہیں ہے بلکہ قابل انتفاع چیز ہے، اب جس طرح بھی انتفاع ہو لہذا کوئلہ سے اشکال ہٹ جائے گا، کیونکہ ضروری نہیں کہ کوئلہ کو کھائیں بلکہ مقصود انتفاع ہے جس طرح بھی ہو، ایسے ہی روث کے بارے میں کہا جائے گا، اور بعضوں نے کہا عظم جنات کیلئے اور روثہ انکے حیوانات کیلئے رزق ہے، ہوسکتا ہے حق تعالیٰ شانہ جس طرح ہڈی پر دوبارہ گوشت پیدا فرمادیتے ہیں اسی طرح روث کو بھی اسکی اصلی شکل یعنی گھاس دانے کی طرف لوٹا دیا جاتا ہو تا کہ جنات کے دواب کیلئے رزق ہو جائے جیسا کہ شراح نے لکھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جنات کیلئے عظم کا رزق ہونا اور اس میں اختلاف روایات: جاننا چاہئے کہ حدیث الباب میں ہڈی کا طعام الجن ہونا مطلقاً مذکور ہے لیکن روایات اس میں مختلف ہیں مسلم شریف کی روایت میں ہے "لَكُمْ كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ" اور ترمذی میں اسکے خلاف ہے "كُلُّ عَظْمٍ لَمْ يُذْكَرْ عَلَيْهِ اسْمُ اللهِ"[1] یعنی ایک روایت میں ہے تمہارے لئے وہ ہڈی توشہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اور ایک روایت میں ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، بعض شراح نے دفع تعارض اس طرح کیا ہے کہ مسلم کی روایت جس میں ذکر اسم وارد ہے وہ مسلمین جن کیلئے ہے، اور ترمذی کی روایت جس میں لَمْ يُذْكَرْ وارد ہے وہ کفار جن کیلئے ہے، لیکن حضرت گنگوہیؒ نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ آپ سے صرف مسلمین جن نے سوال کیا تھا کفار جن آپ ﷺ کے ساتھ کہاں تھے، نیز ان کیلئے آپ کو بیان فرمانے کی ضرورت کیا ہے، خود حضرتؒ کی رائے جیسا کہ کوکب میں مذکور ہے، یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا محمل الگ الگ ہے، مسلم کی روایت میں ذکر سے مراد ذکر عند الذبح ہے، اور ترمذی کی روایت میں لم یذکر سے مراد عند الاکل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس عظم پر عند الاکل بسم اللہ نہیں پڑھی گئی وہ اوفر لحما ہو جائے گی، اسلئے کہ ترک بسم اللہ کی وجہ سے اسکے کھانے والے نے اسکی برکت اس سے نہیں لی بخلاف اسکے جس نے بسم اللہ پڑھی اس کی برکت کھانے والے نے خود حاصل کرلی وہ جنات کیلئے اوفر لحما نہ ہوگی، سبحان اللہ! کیا عمدہ توجیہ ہے، بھلا یہ باتیں شروح میں کہاں ہو سکتی ہیں، تو اب دونوں حدیثوں

[1] جامع الترمذي — كتاب التفسير القرآن — باب ومن سورة الأحقاف ٣٢٥٨

کو ملا کر مطلب یہ نکلا کہ وہ ہڈی جس پر ذبح کے وقت میں بسم اللہ پڑھی گئی ہو اور کھاتے والے نے کھانے کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی ہو اس کو جنات او فر لحماپائیں گے، باقی یہ بات کہ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ کس حیوان پر عند الذبح بسم اللہ پڑھی گئی ہے اور کس پر نہیں؟ سو اس کا جواب یہ کہ ہے کہ اس کی آپ نے ان لوگوں کو کوئی علامت بتادی ہوگی، یا یوں کہا جائے کہ جس پر عند الذبح بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس جانور کی ہڈی پر اللہ تعالٰی گوشت پیدا ہی نہیں فرمائیں گے۔

۲۱- بَابُ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ

پتھر سے استنجاء کرنے کا بیان

ترجمۃ الباب کی غرض میں دو احتمال ہیں، ممکن ہے استنجاء بالحجر کے ثبوت اور جواز کو بیان کرنا ہو اور ہو سکتا ہے کہ بیان عدد مقصود ہو جیسا کہ لفظ جمع سے مفہوم ہو رہا ہے تو جاننا چاہئے کہ استنجاء بالحجر کے ثبوت اور جواز میں تو کوئی تردد اور کلام نہیں بے شمار احادیث سے اسکا ثبوت ہے، اسی لئے تمام علماء اہل سنت اسکے جواز کے قائل ہیں، البتہ شیعہ استنجاء بالحجر کا انکار کرتے ہیں، ایسے ہی ایک روایت ابن حبیب مالکیؒ کی ہے وہ یہ کہ استنجاء بالحجر صرف عادم الماء کیلئے ہے واجد الماء کیلئے جائز نہیں ہے، اور دوسری قسم استنجاء کی استنجاء بالماء ہے جس کا باب آگے مستقل آرہا ہے، اس پر کلام وہاں آئے گا، ایسے ہی جمع بین الحجر والماء جو استنجاء کی تیسری قسم ہے، اسکو بھی وہیں بیان کیا جائے گا۔

دوسرا احتمال غرض ترجمہ میں بیانِ عدد کا تھا، سو یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان اختلافی ہے، جو پہلے کئی بار گزر چکا ہے، شافعیہ، حنابلہ کے یہاں عدد ثلاث کا ہونا ضروری ہے، حنفیہ، مالکیہ کے یہاں مقصود انقاء ہے عدد ثلاث کا ہونا ضروری نہیں ہے، ماقبل میں گو اختلاف گزر چکا لیکن دلائل پر کلام نہیں آیا تھا، یہاں اس مسئلہ کی ہمیں دلیل بیان کرنی ہے۔

٤٠ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ قُرْطٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْغَائِطِ، فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ يَسْتَطِيبُ بِهِنَّ، فَإِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے کر جائے جن کے ذریعہ صفائی حاصل کرے کیونکہ یہ تین پتھر اس کے لیے کافی ہیں۔

تخریج: سنن أبي داود- الطهارة (٤٠) سنن الدارمي- الطهارة (٦٧٠)

شرح الحديث: چنانچہ حضرت عائشہؓ کی حدیث الباب جس میں ہے "فَإِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ" یعنی تین ڈھیلے ساتھ لے جائے اس لئے کہ وہ کافی ہو جاتے ہیں۔

حدیث الباب حنفیہ کی دلیل ہے: سیاق کلام ولفظ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ تین کی قید احترازی نہیں ہے، بلکہ اسلئے ہے کہ عام طور سے تین کافی ہو جاتے ہیں، اور یہی بات حنفیہ کہتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہوئی، دار قطنی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح حسن ہے [1]۔

لیکن ابن رسلانؒ نے جو شافعی ہیں، اس حدیث سے اپنے مسلک پر دو طرح استدلال کیا ہے، ایک یہ کہ "فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ" امر کا صیغہ ہے، دوسرے یہ کہ لفظ "تُجْزِئُ" وجوب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ہم کہتے ہیں امر خواہ وجوب کیلئے ہو لیکن تین کی قید احترازی نہیں ہے، بلکہ عادی ہے کہ عادۃً تین کافی ہو جاتے ہیں، اور دوسری بات جو انہوں نے فرمائی کہ اجزاء وجوب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ طحاوی کی روایت کے الفاظ اس حدیث میں فَإِنَّهَا تَسْتَكْفِيهِ [2] وارد ہیں، فثبت ما قلناه۔

حدیث بخاری سے وجوب وعدم وجوب ایتار کے سلسلہ میں فریقین کا استدلال: اسکے علاوہ اس مسئلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے جو بخاری شریف میں موجود ہے، جس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قضاء حاجت کو جاتے وقت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا: أَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ اس پر وہ فرماتے ہیں کہ میں نے تلاش کیا تو صرف دو حجر ملے، تیسرا انہیں ملا تو اسکے بجائے میں نے روثہ اٹھالیا، تو آپ ﷺ نے حجرین کو تو لے لیا اور روثہ کو پھینک دیا، اور فرمایا: هَذَا رِكْسٌ [3]۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث سے فریقین استدلال کرتے ہیں۔ شافعیہ تو عدد ثلاث کی قید سے کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تین ڈھیلے لے کر آؤ۔ اور حنفیہ اس طور پر کہ اس موقعہ پر آپ نے بظاہر حجرین پر اکتفاء فرمایا شافعیہ یوں کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حجرین پر اکتفاء فرمایا بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک حجر آپ کو آس پاس سے مل گیا ہو، ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ کے پاس کوئی حجر ہوتا تو آپ شروع میں تین کی قید کیوں لگاتے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس موقعہ پر آپ نے دو ہی پر اکتفاء فرمایا، نیز اگر حجر ثالث کا ہونا ضروری تھا تو آپ دوبارہ طلب فرماتے، یہ بات امام طحاویؒ نے فرمائی [4]۔

اس پر علامہ سندھیؒ نے اشکال کیا، گو وہ حنفی ہیں کہ چونکہ امر سابق کی تعمیل ابھی تک نہیں ہوئی تھی، اسلئے امر جدید کی حاجت نہیں تھی، لہٰذا اسوقت تک حضور ﷺ کی سابق طلب باقی رہی، یہ بات انکی بجا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ ایتاء ثالث کا تحقق تو ہونا چاہئے، طلب سابق باقی ہو یا نہ ہو، اور حافظ ابن حجرؒ نے شافعیہ کی طرف سے اس کا دوسرا جواب دیا ہے، وہ

---

[1] وحديث ابن أبي حازم، عن مسلم بن قرط، عن عروة، عن عائشة، متصل صحيح (العلل الواردة في الأحاديث النبوية ج ١٣ ص ٣٢٠)

[2] شرح معاني الآثار - كتاب الطهارة - باب الاستجمار ٧٣٤

[3] صحيح البخاري - كتاب الوضوء - باب الاستنجاء بالحجارة ١٥٥

[4] شرح معاني الآثار - كتاب الطهارة - باب الاستجمار ٧٤٥

فرماتے ہیں وَغَفَلَ رَحِمَهُ اللهُ عَمَّا أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ فِي مُسْنَدِهِ اور پھر انہوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہی روایت ذکر کی ہے جس میں یہ زیادتی ہے ائْتِنِي بِحَجَرٍ، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حجر رکھ کر فرمایا، ایک ڈھیلا اور لے کر آو تو گویا حافظ نے امام طحاویؒ پر الزام دیا کہ وہ مسند احمد کی روایت پر مطلع نہیں ہوئے [1]، حالانکہ اس میں حجر ثالث کی طلب موجود ہے، ہماری طرف سے علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایۃ میں مسند احمد کی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ زیادتی منقطع ہے، اسلئے کہ اس حدیث کو ابو اسحق، علقمہ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ ابو اسحق کا سماع علقمہ سے ثابت نہیں جسکا اقرار خود امام بیہقیؒ کو ہے [2]، مگر وہ یہاں سکوت کر گئے دوسری جگہ وہ اسکے مقر ہیں، نیز میں کہتا ہوں اس حدیث عبد اللہ بن مسعود پر امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے بَابٌ فِي الاسْتِنْجَاءِ بِالْحَجَرَيْنِ ترجمہ قائم کیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے نزدیک اس حدیث میں استنجاء بالحجرین مذکور ہے اور وہ زیادتی جس کو حافظ بیان کر رہے ہیں، ان دونوں حضرات کو بھی تسلیم نہیں ہے [3]، کیا حافظ صاحبؒ یہاں بھی یہی کہیں گے: غفل الإمام الترمذي والإمام النسائي۔

٤١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ خُزَيْمَةَ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ، عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الاسْتِطَابَةِ، فَقَالَ: «بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ لَيْسَ فِيهَا رَجِيعٌ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: كَذَا رَوَاهُ أَبُو أُسَامَةَ، وَابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ هِشَامٍ يَعْنِي ابْنَ عُرْوَةَ.

ترجمہ حضرت خزیمہ بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قضائے حاجت کے وقت صفائی حاصل کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ استنجاء کے لیے تین ڈھیلے کافی ہیں مگر ان تین میں گوبر کا ٹکڑا نہیں ہونا چاہیے۔ ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابو اسامہ اور ابن نمیر نے بھی ہشام بن عروہ کے حوالہ سے اسی طرح روایت کیا ہے، (جس طرح ابو معاویہ نے نقل کیا)۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (٤١) سنن الدارمي - الطهارة (٦٧١)

شرح الحديث قَالَ أَبُو دَاوُدَ: كَذَا رَوَاهُ أَبُو أُسَامَةَ: مصنفؒ کی غرض میں دو قول ہیں، حضرت نے بذل [4] میں یہ لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے، بعضوں نے ہشام بن عروہ اور عمرو بن خزیمہ کے درمیان ایک راوی کا واسطہ ذکر کیا ہے جس کا نام عبد الرحمن بن سعد ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ہے تو اب مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ اکثر رواۃ نے اس سند کو اسی

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ١ ص ٢٥٧
[2] نصب الراية لأحاديث الهداية - ج ١ ص ٢١٧
[3] جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب في الاستنجاء بالحجرين ١٧
[4] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١٠٠

طرح بیان کیا ہے جو اوپر مذکور ہے، یعنی بدون واسطہ عبد الرحمن کے اور صاحب منہل [1] نے ایک دوسری غرض لکھی ہے کہ اس حدیث کو سفیان بن عیینہ نے بھی ہشام سے روایت کیا ہے لیکن انہوں نے شیخ ہشام ابو وجزہ کو قرار دیا، بجائے عمرو بن خزیمہ کے، تو مصنف یہ فرمارہے ہیں کہ جس طرح ابو معاویہ نے اس حدیث کو ہشام سے نقل کیا اسی طرح ابو اسامہ اور ابن نمیر بھی اسکو روایت کرتے ہیں، یعنی ہشام بن عروہ کا استاذ عمرو بن خزیمہ ہی کو قرار دیتے ہیں نہ کہ ابو وجزہ کو جیسا کہ سفیان بن عیینہ نے کیا، لہذا سفیان کی روایت وہم ہے [2]۔

شرح السند: عن أبي حازم ان کا نام سلمہ بن دینار ہے، مسلم بن قرط یہ راوی ضعیف ہیں، ابو معاویہ انکا نام محمد بن خازم ہے، عمارة بن خزیمہ صاحب منہل نے عمارہ کو بکسر العین لکھا ہے مگر یہ وہم ہے صحیح بضم العین ہے، بظاہر ان کو وہم ایک اور نام سے ہوا وہ یہ کہ ایک صحابی ہیں أبي بن عمارة یہ عمارة البتہ بکسر العین ہے، واللہ اعلم۔

خزیمة بن ثابت: یہ مشہور صحابی ہیں، ذو الشہادتین ان کا لقب ہے جو ایک خاص [3] واقعہ کی وجہ سے ان کو عطاء ہوا تھا، یہ واقعہ ابو داود کی کتاب القضاء میں آئے گا جس کے اخیر میں یہ ہے: "من شهد له خزيمة فهو حسبه"۔

۲۲ - باب الاستبراء

استبراء کا بیان

ایک ہی سلسلہ کے متعدد تراجم ابواب اور ان میں باہمی فرق: صاحب غاية المقصود في حل سنن أبي داود نے اس ترجمہ کو استنجاء بالحجر پر محمول کیا ہے لیکن اس پر یہ اشکال ہوگا کہ استنجاء بالحجر کا باب تو ابھی گزرا ہے اور حضرت سہارنپوری نے اسکو استنجاء بالماء پر محمول فرمایا ہے، اس پر بھی اشکال ہوگا کہ اس سے اگلا باب استنجاء بالماء کا آرہا ہے اور اسکے علاوہ ایک اشکال یہ ہے کہ باب الاستبراء شروع کتاب میں گزر چکا، تو یہاں پر آخر اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس استبراء وگزشتہ استبراء میں کیا فرق ہے؟ کسی طرح بات نہیں بن رہی ہے۔

لیکن بحمد اللہ حضرت سہارنپوری نے بذل [4] میں ان جملہ ابواب کے مقاصد واغراض کی توضیح اس طور پر فرمائی ہے کہ سب

---

[1] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ۱ ص ۱۵۱

[2] صاحب منہل نے جو غرض بیان کی وہ احقر کو اقرب الی کلام المصنف معلوم ہوتی ہے، جس کی تقریر زیادہ واضح ہے، وہ یہ کہ مصنف ہشام کے تلامذہ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں اور وہ یہاں کتاب میں تین ہیں ابو معاویہ، ابو اسامہ، ابن نمیر یہ تینوں اس روایت کو ہشام سے ایک ہی طرح روایت کرتے ہیں اور ہشام کے چوتھے شاگرد سفیان بن عیینہ ہیں وہ دوسری طرح روایت کرتے ہیں، اس تقریر میں تقابل خوب ہے۔

[3] یہ واقعہ شراء فرس سے متعلق ہے جو آپ نے ایک اعرابی سے خرید لیا تھا، لیکن معاملہ طے ہونے کے بعد اس نے بیع سے انکار کر دیا اور آپ سے شاہد کا مطالبہ کیا، اس پر حضرت خزیمہ نے جو اصل واقعہ کے وقت موجود بھی نہیں تھے، آپ کی تصدیق کی آپ نے پوچھا کہ تم تصدیق کیسے کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا آپ کے ارشاد کے بموجب اس پر آپ نے فیصلہ فرمادیا کہ ہمیشہ کیلئے تنہا ان کی شہادت کافی ہوگی۔

[4] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۱ ص ۱۰۳ - ۱۰۴

خلجان رفع ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ ماقبل میں جو استبراء من البول آیا ہے اس سے مراد مطلق توقی عن البول ہے، یعنی پیشاب سے احتیاط کرنا خواہ اس کا تعلق بدن کے کسی حصہ سے ہو یا کپڑے سے ہو، اور خواہ اپنے پیشاب سے ہو یا دوسرے کے، اور یہاں پر استبراء سے مراد استنجاء بالماء ہے، لیکن مقصود یہ ہے کہ استنجاء بالماء لازم نہیں جیسا کہ حدیث الباب سے ثابت ہو رہا ہے، اب جب اس باب سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ استنجاء بالماء غیر لازم ہے تو اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید مسنون بھی نہیں ہے، اور یہ کہ اسکی کوئی اہمیت نہیں تو اسکے دفعیہ کیلئے اگلا باب قائم کیا 'باب فی الاستنجاء بالماء' اور اس سے استنجاء بالماء کو ثابت کیا، باب فی الاستبراء میں استنجاء بالماء کے لزوم کی نفی ہے، اور آئندہ باب سے استنجاء بالماء کا ثبوت ہے، اب تمام تراجم کی غرض واضح ہوگئی، اور تکرار کا اشکال بھی ختم ہو گیا "ثم ظهر لي أنّ الغرض من الترجمة الاولى اثبات الايتار كما هو مسلك الشافعي واحمد، والغرض من هذه الترجمة اثبات الاستنجاء بالحجر انه ثابت منه صلى الله عليه وسلم والغرض من الترجمة الآتية اثبات الاستنجاء بالماء من النبي صلى الله عليه وسلم"۔

٤٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَخَلَفُ بْنُ هِشَامٍ الْمُقْرِئُ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَحْيَى التَّوْأَمُ، ح وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو يَعْقُوبَ التَّوْأَمُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: بَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَهُ بِكُوزٍ مِنْ مَاءٍ، فَقَالَ: «مَا هَذَا يَا عُمَرُ»، فَقَالَ: هَذَا مَاءٌ تَتَوَضَّأُ بِهِ، قَالَ: «مَا أُمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ أَنْ أَتَوَضَّأَ، وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے پیشاب کیا تو حضرت عمرؓ پانی کا ایک برتن لے کر آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ اے عمر یہ کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ حصول طہارت کیلئے یہ آپ کے واسطے پانی ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ہر مرتبہ پیشاب کے بعد طہارت (یعنی استنجاء) کا حکم نہیں دیا گیا اگر میں ہمیشہ یہ کام کروں تو یہ سنت (مؤکدہ) بن جائے۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٤٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٩٥)

شرح الحدیث: ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس باب سے مصنفؒ کی غرض استنجاء بالماء کو بیان کرنا ہے، یعنی یہ کہ وہ ضروری نہیں ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت: لیکن حدیث الباب میں تو استنجاء کا ذکر نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ "تَتَوَضَّأُ بِهِ" کی تفسیر میں شراح کے دو قول ہیں، حافظ عراقیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے وضو شرعی مراد ہے، اور بعض حضرات کی رائے جس میں امام ابو داؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ بھی ہیں، یہ ہے کہ یہاں وضو سے طہارت یعنی استنجاء بالماء مراد ہے تو مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ جو پانی لائے تھے آپ کے پاس، وہ استنجاء کیلئے لائے تھے تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں

اس بات کا مامور نہیں کہ ہمیشہ پیشاب کے بعد استنجاء بالماء کروں۔

باوجود اتحاد سند کے حاء تحویل لانے کا منشاء: اس حدیث کی سند میں حاء تحویل واقع ہوئی ہے، پہلی سند میں مصنفؒ کے استاذ قتیبہ وغیرہ ہیں، اور دوسری میں عمرو بن عون، اور پھر ان دونوں کے استاذ دونوں سندوں میں ایک ہی ہیں یعنی ابویعقوب جن کا نام عبداللہ بن یحییٰ ہے، لہذا دونوں سند میں مشائخ اور رواۃ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں دونوں سندیں رجال کے اعتبار سے بالکل ایک ہیں، لہذا تحویل کا کوئی موقعہ نہیں، لیکن چونکہ دونوں کی سند میں تعبیر کا فرق موجود ہے، صرف اس فرق کی وجہ سے حاء تحویل لے آئے اور وہ تعبیر کا فرق یہ ہے کہ پہلی سند میں قتیبہ وغیرہ نے اپنے استاذ کا نام عبداللہ بن یحییٰ ذکر کیا، اور عمرو بن عون نے بجائے نام کے کنیت ابویعقوب ذکر کی، دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی سند میں حدثنا عبداللہ ہے اور یہاں اخبرنا، پس اسی فرق کو ظاہر کرنے کیلئے مصنفؒ حاء تحویل لے آئے، یہ غایت اہتمام واحتیاط کی بات ہے۔

۲۳۔ بَابٌ فِي الِاسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ

پانی سے استنجاء کرنے کا بیان

استنجاء کے اقسام اور انکا ثبوت اور حکم شرعی: اس باب پر کلام کسی قدر گزشتہ باب میں بھی آچکا ہے، اس باب کو منعقد کرنے اور استنجاء بالماء کو ثابت کرنے کی ایک غرض یہ ہے کہ بعض علماء نے استنجاء بالماء کو مکروہ سمجھا ہے جیسا کہ ابن حبیب مالکیؒ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ پانی پینے کی چیز ہے، جس طرح آپ روٹی سے استنجاء نہیں کرسکتے جو کھانے کی چیز ہے تو پانی سے کیوں کرتے ہیں وہ پینے کی چیز ہے، جواب یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، پانی کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ مطہر ہے، تو جہاں وہ ایک پینے کی چیز ہے، تطہیر بھی اسکی تخلیق سے مقصود ہے، ارشاد باری ہے وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا [1] لہذا پانی کو خبز پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، نیز بعض صحابہ سے مروی ہے جیسے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر کہ وہ استنجاء بالماء نہیں کرتے تھے، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ بھی اسکے قائل نہ تھے، چنانچہ انہوں نے فرمایا: اذا لایزال النتن بیدی [2] کہ اگر میں (بعد الغائط) استنجاء بالماء کروں گا تو میرے ہاتھ میں سے بدبو زائل نہ ہوگی تو ان جیسے اقوال کو رد کرنے کیلئے مصنفؒ نے "باب الاستنجاء بالماء" باندھا ہے اور حدیث الباب سے ثابت کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استنجاء بالماء ثابت ہے، نیز ابن التین نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استنجاء بالماء ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ موطا میں ہے: قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ غَسْلِ الْفَرْجِ مِنَ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ هَلْ جَاءَ فِيهِ أَثَرٌ. فَقَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ

---

[1] اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا (سورۃ الفرقان ٤٨)

[2] عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: سُئِلَ عَنِ الِاسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ؟ فَقَالَ: إِذًا لَا يَزَالُ فِي يَدِي نَتْنٌ. (المصنف ابن أبي شيبة - كتاب الطهارة - باب من كان لا يستنجي بالماء ويجتزئ بالحجارة ١٦٣٥)

بَعْضِ مَنْ مَضَى كَانُوا يَتَوَضَّئُونَ مِنَ الْغَائِطِ [1] لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، صحیحین کی روایت سے آپ ﷺ کا استنجاء بالماء ثابت ہے ہم "باب الاستنجاء بالاحجار" کے شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ استنجاء بالحجر کا ثبوت روایات کثیرہ سے ہے اور اس کے قریب قریب استنجاء بالماء کا ثبوت بھی ہے۔

تیسری قسم ہے استنجاء کی، استنجاء بالحجر والماء یعنی حجر وماء دونوں کو جمع کرنا، اس کا ثبوت روایات سے زیادہ مشہور نہیں ہے، جو روایات صحیح ہیں وہ اس میں صریح نہیں اور جو صریح ہیں وہ زیادہ صحیح نہیں، ضعیف ہیں مجمع الزوائد وغیرہ میں ہیں جیسا کہ معارف السنن میں لکھا ہے، حضرت مولانا عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی رائے یہ ہے کہ جمع بین الحجر والماء بعد الغائط حضور ﷺ اور صحابہ سے ثابت ہے، اور بعد البول ثابت نہیں ہے، لیکن حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے جیسا کہ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ وہ جمع بین الحجر والماء بعد البول فرماتے تھے۔ (ذکرہ مولانا عبد الحي في مقدمة الهداية)

٤٣ - حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ يَعْنِي الْوَاسِطِيَّ، عَنْ خَالِدٍ يَعْنِي الْحَذَّاءَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ حَائِطًا، وَمَعَهُ غُلَامٌ مَعَهُ مِيضَأَةٌ، وَهُوَ أَصْغَرُنَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ السِّدْرَةِ، فَقَضَى حَاجَتَهُ، فَخَرَجَ عَلَيْنَا وَقَدِ اسْتَنْجَى بِالْمَاءِ».

ترجمہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک باغیچہ میں تشریف لے گئے آپ ﷺ کے ساتھ ایک نوعمر لڑکا تھا جو ہم میں سب سے کم عمر تھا اس لڑکے کے پاس وضو کا برتن تھا اس نے اس برتن کو بیری کے درخت کے پاس رکھدیا پس آپ ﷺ نے قضاء حاجت فرمائی اور پانی سے استنجاء فرمانے کے بعد آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (١٤٩) صحيح البخاري - الوضوء (١٥٠) صحيح البخاري - الوضوء (١٥١) صحيح البخاري - الصلاة (٤٧٨) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٠) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧١) سنن النسائي - الطهارة (٤٥) سنن أبي داود - الطهارة (٤٣) سنن الدارمي - الطهارة (٦٧٥) سنن الدارمي - الطهارة (٦٧٦)

شرح الحدیث غلام کا اطلاق فطام سے لیکر سات سال تک ہوتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ پیدائش سے لے کر بلوغ تک۔ علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں حد التحاء یعنی داڑھی نکلنے تک، بعض روایات میں ہے غلاما منا اور بعض میں ہے غلام من الانصار اس غلام کی تعیین میں اختلاف ہے، امام بخاریؒ کا سیاق اس بات کی طرف مشیر ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، لیکن آگے روایت میں آرہا ہے "هُوَ أَصْغَرُنَا" ایسی صورت میں عبداللہ بن مسعودؓ مراد لینا مشکل ہے وہ تو کبراء صحابہ میں ہیں، حضرت انسؓ جو راوی حدیث ہیں ان سے بہت بڑے ہیں، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد جابر بن عبداللہ ہیں جیسا کہ مسلم کی

[1] موطأ الإمام مالك - كتاب الطهارة - باب ما جاء في البول قائما وغيره ٢١١

روایت کے سیاق سے مترشح ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا کہ ہو سکتا ہے حضرت ابوہریرہؓ ہوں بہر حال یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے ہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان تینوں کے علاوہ کوئی اور انصاری صحابی ہوں۔ میضأۃ یعنی وضو کا برتن جس میں وضو کے بقدر پانی سما سکے۔

قولہ: وَقَدْ اسْتَنْجَى بِالْمَاءِ: یہ لفظ استنجاء بالماء کے بارے میں صریح ہے، اور اسی سے ترجمۃ الباب کو مطابقت ہے۔

44 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي أَهْلِ قُبَاءٍ: { فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا } " [1]، قَالَ: «كَانُوا يَسْتَنْجُونَ بِالْمَاءِ، فَنَزَلَتْ فِيهِمْ هَذِهِ الْآيَةُ».

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ اہل قُبا کے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اہل قبا پانی سے استنجاء کرتے تھے جس کی وجہ سے یہ آیت ان کی تعریف میں نازل ہوئی۔

تخریج: جامع الترمذي - تفسير القرآن (٣١٠٠) سنن أبي داود - الطهارة (٤٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٥٧)

شرح الحدیث: قباء مدینہ کے قریب ایک مشہور آبادی ہے، پہلے وہ اطراف مدینہ میں سے تھی، لیکن اب مدینہ کی آبادی وہاں تک پہنچ گئی ہے۔ قباء منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا گیا ہے، اگر بتاویل بقعہ رکھا جائے تو علمیت اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا اور اگر بتاویل مکان رکھا جائے تو منصرف ہوگا۔ آیت کریمہ فِيهِ رِجَالٌ میں ضمیر مسجد قباء کی طرف راجع ہے، مدینہ منورہ میں سب سے پہلے اس مسجد کی بناء ہوئی، اور اس کے بعد مسجد نبوی کی، اس مسجد کے بہت سے فضائل حدیث میں وارد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کو وہاں تشریف لے جاتے اور اس مسجد میں دوگانہ ادا فرماتے ایک روایت میں ہے کہ مسجد قباء میں دو رکعت پڑھنے کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے، صحیحین وغیرہ کتب صحاح میں اس مسجد کے فضائل کے بارے میں ابواب موجود ہیں۔

قولہ: كَانُوا يَسْتَنْجُونَ بِالْمَاءِ: معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں طہارت سے استنجاء بالماء مراد ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قباء تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا ہے وہ چیز جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے طہارت کے بارے میں تم لوگوں کی تعریف فرمائی ہے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اہل کتاب کو دیکھا کہ وہ استنجاء کے بعد پانی سے اپنے مقعد کو دھوتے ہیں، تو ان کے اتباع میں ہم بھی ایسا ہی کرنے لگے۔

---

[1] اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو (سورۃ التوبۃ ۱۰۸)

استنجاء میں جمع بین الحجر والماء کا ثبوت: اور مسند[1] بزار کی روایت میں ہے جیسا کہ تفسیر جلالین میں ہے أنا نُتبع الحجارةَ بالماء[2] کہ ہم استنجاء بالحجر کے بعد استنجاء بالماء کرتے ہیں، اس پر آپ نے فرمایا هُوَ ذَاكَ فَعَلَيكُمُوهُ یعنی ہاں! اسی پر تمہاری تعریف کی گئی ہے لہذا اس کو لازم پکڑلو۔ حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ استنجاء بالحجر والماء دونوں کرتے تھے[3]، اور حضرت کی تائید اوپر والی روایت سے ہو رہی ہے، لیکن امام نوویؒ نے اس کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا جمع بین الحجر والماء ثابت نہیں، ابھی قریب میں جمع بین الحجر والماء کے سلسلہ میں کلام گزر چکا ہے۔

٢٤ ـ بَابُ الرَّجُلِ يَدْلُكُ يَدَهُ بِالْأَرْضِ إِذَا اسْتَنْجَى

استنجاء کے بعد آدمی اپنا ہاتھ زمین پر رگڑ کر صاف کرے

یعنی استنجاء کے بعد ہاتھ زمین پر رگڑنا تاکہ رائحہ کریہہ اور آثار نجاست بالکل زائل ہو جائیں، عوام میں مشہور ہے کہ مٹی سے ہاتھ مانجھنا مورث فقر ہے، اس سے اسکی تردید ہو رہی ہے کہ یہ بے اصل بات ہے۔ چنانچہ حدیث الباب میں ہے ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ۔

٤٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا أَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ - وَهَذَا لَفْظُهُ - ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ يَعْنِي الْمُخَرِّمِيَّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ شَرِيكٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ جَرِيرٍ[4]، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ، أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِي تَوْرٍ أَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجَى»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ: «ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِإِنَاءٍ آخَرَ فَتَوَضَّأَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَحَدِيثُ الْأَسْوَدِ بْنِ عَامِرٍ أَتَمُّ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب قضاء حاجت کیلئے تشریف لے جاتے تو میں ایک پیتل یا پتھر کے برتن میں یا (فرمایا) چمڑے کے چھوٹے برتن میں پانی لے کر حاضر ہو جاتا پس آپ ﷺ اس سے استنجاء فرماتے۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ وکیع کی حدیث میں ہے کہ پھر آپ ﷺ اپنے ہاتھ کو زمین سے پوچھتے پھر میں دوسرے برتن میں پانی

---

[1] اور مولانا عبدالحئی صاحب نے حاشیہ موطا میں صحیح ابن خزیمہ کا حوالہ اس پر اضافہ فرمایا۔

[2] تفسير الجلالين - ص ٢٠٤

[3] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١٠٧

[4] یہاں أبو داود کے نسخ مختلف ہیں، بعض نسخ میں عن إبراهيم بن جرير، عن أبي زرعة ہے جیسا کہ عبدالحمید کے نسخہ میں ہے اور بعض نسخ میں عن إبراهيم بن جرير، عن المغيرة، عن أبي زرعة ہے یعنی عن إبراهيم بن جرير، عن أبي زرعة کے درمیان عن المغيرة کی زیادتی ہے، اس اختلاف کی طرف شیخ عوامہ نے اشارہ فرمایا ہے۔ (كتاب السنن - ج ٢ ص ١٦٩)

پیش کرتا پس آپ ﷺ اس سے وضو فرماتے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اسود بن عامر کی حدیث زیادہ مکمل ہے۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٤٥) سنن الدارمي - الطهارة (٦٧٨)

شرح الحدیث: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو میں آپ کے پاس کسی برتن میں پانی لاتا، آپ اس سے استنجاء فرماتے اور پھر ہاتھ زمین پر رگڑتے پھر میں دوسرے برتن میں پانی لے کر آتا اس سے آپ وضو فرماتے۔ تَوْرٌ کہتے ہیں اس برتن کو جو پیتل کا یا پتھر کا ہو، اور رَکْوَۃ کہتے ہیں اس چھوٹے سے برتن کو جو چمڑے کا ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ استنجاء سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ یا خلاف اولی ہے، بلکہ دوسرے برتن میں وضو کیلئے پانی لانا اس لئے تھا کہ پہلا پانی دونوں کاموں کیلئے ناکافی تھا، ورنہ آپ ﷺ نے ایک برتن کے پانی سے وضو استنجاء اور غسل کرنا ثابت ہے، جیسا کہ حضرتؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے۔

کیا استنجاء کے بعد ہاتھ سے رائحہ کریہہ کا ازالہ طہارت کیلئے ضروری ہے؟

قوله: ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ: حضرت سہارنپوریؒ نے بذل [1] میں حضرت گنگوہیؒ کی تقریر سے اس مقام پر ایک مسئلہ کی تحقیق فرمائی ہے وہ یہ کہ ہاتھ سے ازالۂ نجاست کے بعد اس میں جو رائحہ کریہہ باقی رہ جاتی ہے، اس کا ازالہ ضروری ہے یا غیر ضروری نیز یہ کہ اس رائحہ کی حقیقت کیا ہے اس میں حضرتؒ نے دو قول تحریر فرمائے ہیں، ایک جماعت فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اسکا ازالہ ضروری ہے الا ماشق زوالہ، اور دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ ہاتھ سے یا بدن سے عین نجاست کے زوال سے ہاتھ اور بدن پاک ہو جاتا ہے، طہارت کا تحقق رائحہ کریہہ کے زوال پر موقوف نہیں، اب ان میں سے ہر ایک کی رائے کا ایک منشاء ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ ازالہ ضروری ہے وہ کہتے ہیں کہ اس رائحہ کریہہ کی حقیقت دراصل نجاست کے وہ اجزاء صغار ہیں جو پوشیدہ اور غیر مرئی ہیں اسلئے اس کا ازالہ ضروری ہے، دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ اجزاء نجاست نہیں ہیں بلکہ مصاحبت بالنجاست کا اثر ہے کہ چونکہ کچھ دیر تک ہاتھ پر نجاست لگی رہی ہے، اس سے ہاتھ متاثر ہوا تو یہ ہمنشینی کا اثر ہے، عین نجاست نہیں ہے، لہذا اس کا ازالہ ضروری نہیں، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

شرح السند: قوله: وَهَذَا لَفْظُهُ: ضمیر شریک کی طرف راجع نہیں ہے، بلکہ اسود کی طرف راجع ہے، یہاں پر دو سندیں ہیں ایک کی ابتداء ابراہیم سے ہے، دوسری کی محمد بن عبداللہ سے، یہ دونوں مصنفؒ کے استاذ ہیں، پھر پہلی سند میں شیخ الشیخ اسود ہیں، اور دوسری میں وکیع، پھر یہ دونوں یعنی اسود اور وکیع روایت کر رہے ہیں شریک سے، لہذا شریک ملتقی السندین ہوئے تو مطلب یہ ہوا کہ یہ الفاظ اسود کے ہیں وکیع کے نہیں ہیں، یہاں پر شریک جو کہ ملتقی السندین ہے دونوں جگہ مذکور ہے، پہلی سند میں بھی اور دوسری میں بھی، ملتقی السندین کو کبھی صرف دوسری سند میں بیان کرتے ہیں اور کبھی دونوں میں تو

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١١١ - ١١٢

یہاں پہلی سند سے شریک کو حذف کرنا بھی صحیح ہے، کیونکہ آگے دوسری سند میں تو وہ آ ہی رہے ہیں خوب سمجھ لو۔

قوله: المعنى [1]: تقدیر عبارت ہے "معنی حدیثهما واحد" یعنی اسود اور وکیع دونوں اس حدیث کے راوی ہیں، مضمون دونوں نے ایک ہی بیان کیا، لیکن لفظوں میں کچھ فرق ہے۔

قوله: عن المغيرة: حضرت سہارنپوریؒ کی تحقیق بذل میں یہ ہے کہ لفظ المغیرۃ یہاں پر سند میں نہیں ہونا چاہئے [2]، چنانچہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے قلمی نسخہ میں نہیں ہے اور اسی طرح یہ روایت نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے ان دونوں کتابوں میں یہ نام نہیں ہے، اس کے علاوہ طبرانی نے تصریح کی ہے کہ اس حدیث کو ابوزرعہ سے ابراہیم بن جریر کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کیا، لہٰذا اس سند میں ابراہیم کے بعد صرف عن ابی زرعہ ہونا چاہئے، درمیان میں عن المغیرۃ غلط ہے، نیز جاننا چاہئے کہ ابراہیم، ابوزرعہ کے چچا ہوتے ہیں، تو گویا چچا بھتیجے سے روایت کر رہے ہیں، لہٰذا یہ روایت "رواية الا كابر عن الاصاغر" کے قبیل سے ہوئی۔

٢٥ ـ بَابُ السِّوَاكِ

مسواک کرنے کا بیان

ابواب کی مناسبت اور ترتیب: آداب استنجاء کے ابواب جو تقریباً بائیس ہوگئے انکے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب مصنفؒ اصل مقصد یعنی وضو کو بیان کرتے ہیں، گویا وضو کی ابتداء بَابُ السِّوَاكِ سے کر رہے ہیں، اور فرضیت وضو کا باب بَابُ فَرْضِ الْوُضُوءِ آگے آرہا ہے، جس میں مصنفؒ لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ حدیث لائے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ وضو کا باب قائم کرنے سے پہلے سواک کا باب کیوں کیا؟

سو ہو سکتا ہے کہ ان سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ مسواک اجزاء وضو میں سے نہیں ہے، چنانچہ امام اعظمؒ سے منقول ہے أَنَّهُ مِنْ سُنَنِ الدِّينِ [3] یا اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ مسواک کو وضو پر مقدم کرنا چاہئے، دراصل اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مسواک کی ابتداء وضو شروع کرنے سے پہلے ہونی چاہئے، تاکہ تسمیہ علی الوضو نظافت فم کے ساتھ ہو یا اس کو وضو شروع کرنے کے بعد مضمضہ کے وقت کیا جائے، دونوں قول ہیں۔

---

[1] بذل میں اس حدیث کی سند کے الفاظ یہ ہیں جس سے شرح السند کو سمجھنے میں مدد ملے گی: حدثنا إبراهيم بن خالد نا أسود بن عامر نا شريك وهذا لفظه ح وحدثنا محمد بن عبد الله يعني المخرمي ثنا وكيع عن شريك المعنى عن إبراهيم بن جرير عن المغيرة عن أبي زرعة عن أبي هريرة الخ

[2] جیسا کہ حدیث الباب میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ سنن أبي داود کا متن محمد محي الدين عبد الحميد کی تحقیق سے شائع شدہ نسخہ کے مطابق ہے۔

[3] إِنَّ السِّوَاكَ مِنْ سُنَنِ الدِّينِ فَتَسْتَوِي فِيهِ الْأَحْوَالُ كُلُّهَا. (رد المحتار على الدر المختار ج ١ ص ٢٣٤)

مسواک کے مباحث اربعہ کا تفصیلی بیان: یہاں پر چند بحثیں ہیں:

① سواک کے معنی لغوی اور عرفی اور ماخذ اشتقاق۔

② اس کا حکم من حیث الوجوب والسنیۃ۔

③ مسواک صرف سنن وضوء سے ہے یا سنن وضوء صلوۃ دونوں سے ہے؟

④ مسواک کے فضائل وخواص۔

①**تحقیق لغوی و عرفی و ماخذ اشتقاق:** بحث اول، سواک، بکسر السین "ما یدلك به الأسنان" یعنی وہ لکڑی وغیرہ جس سے دانتوں کو رگڑا جائے "ساك یسوك سوکا" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی مسواک سے رگڑنے کے ہیں، اور لفظ سواک کا استعمال معنی مصدری اور آلہ یعنی مسواک دونوں میں ہوتا ہے، جس وقت آلہ مراد ہوگا اس وقت اس کی جمع سوک آئے گی، جیسے کتاب کی جمع کتب اور کہا گیا ہے کہ سواک ماخوذ ہے "تساوکت الابل" سے، اور یہ اس وقت کہتے ہیں جب کہ اونٹ ضعف کی وجہ سے بہت آہستہ اور نرم چال چل رہے ہوں، سو اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مسواک نرمی کے ساتھ کرنی چاہئے، اور اصطلاح فقہاء میں سواک کے معنی ہیں لکڑی یا کوئی موٹا کپڑا وغیرہ دانتوں میں استعمال کرنا تاکہ دانتوں کی گندگی اور پیلا پن دور ہو جائے بہتر یہ ہے کہ مسواک کسی کڑوے درخت کی ہو، اور لکھا ہے افضل اراك یعنی پیلو کی ہے، اس کے بعد درجہ زیتون کا ہے، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کے لئے علك یعنی گوند مسواک کے قائم مقام ہے۔

②**حکم السواک من حیث الوجوب والسنیۃ:** بحث ثانی مسواک کا حکم، بعض علماء نے اسکی سنیت پر اجماع نقل کیا ہے، لیکن نقل اجماع صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں اختلاف ہے، ائمہ اربعہ تو اس بات پر متفق ہیں کہ صرف سنت ہے واجب نہیں ہے اور ظاہریہ کے نزدیک مطلقاً واجب ہے، اور ابن حزم ظاہری صرف جمعہ کے دن اس کے وجوب کے قائل ہیں اور اسحق بن راہویہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے کہ ان کے نزدیک مسواک عند التذکر صحت صلوۃ کے لئے شرط ہے، اور نسیان کے وقت معاف ہے، لیکن امام نوویؒ نے اس انتساب کا انکار کیا ہے، یعنی ان کا مذہب یہ نقل کرنا صحیح نہیں ہے، یہ اختلاف جو ذکر کیا گیا ہے امت کے حق میں ہے، اور حضور ﷺ کے حق میں ظاہر یہ ہے کہ مسواک واجب تھی، جیسا کہ حدیث الباب سے معلوم ہوگا۔

③ **مسواک صرف سنن وضوء سے ہے یا سنن وضوء وصلوۃ دونوں سے ہے؟** بحث ثالث، جاننا چاہئے کہ مسواک شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں سنن وضو اور سنن صلوۃ دونوں سے ہے مستقلاً اور حنفیہ کے یہاں مشہور قول کی بنا پر صرف سنن وضوء سے ہے نہ کہ سنن صلوۃ سے، لیکن ایک قول ہمارے یہاں یہ ہے کہ نماز کے وقت بھی مستحب ہے، جیسا کہ شیخ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ پانچ اوقات میں مستحب ہے: ① عند اصفرار الأسنان ② عند تغیر الرائحة

یعنی جب منہ میں کسی قسم کی بو پیدا ہو جائے ③عند القیام من النوم ④عند القیام الی الصلوۃ ⑤عند الوضوء سو اس قول کی بنا پر ہمارے اور شافعیہ کے درمیان فرق یہ ہو گا کہ ہمارے یہاں مؤکد یعنی سنت ہے عند الوضو اور غیر مؤکد یعنی مستحب ہے عند الصلوۃ، اور عند الشافعیہ نماز کے وقت بھی مؤکد ہے اور کتب مالکیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے یہاں بھی وہ سنن وضو سے ہے، لیکن انکے یہاں ذرا تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ فصل ہو گیا ہو تو پھر اس صورت میں عند الصلوۃ بھی سنت ہے، میں کہتا ہوں کہ ہمیں اور آپکو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے کہ اگر کسی شخص کی وضو پہلے سے ہے، اور اسکا تجدید وضو کا ارادہ نہیں ہے، تو نماز سے پہلے صرف مسواک کر لے، اسلئے کہ آخر ہمارے یہاں بھی ایک قول استحباب عند الصلوۃ کا ہے، اور کتب مالکیہ میں تو اسکی تصریح ہے ہی۔

بحث ثالث میں اختلاف علماء کا منشا و مدار: فتح الملہم شرح مسلم میں اس سلسلہ میں ایک نفیس تحقیق فرمائی ہے، وہ یہ کہ اس اختلاف اور بحث کا مدار الفاظ واردۃ فی الحدیث پر ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں چار [1] قسم کی روایات ہیں: ①عند کل وضو ②مع کل وضو ③عند کل صلوۃ ④مع کل صلوۃ، حاصل یہ کہ صلوۃ اور وضو دونوں کے ساتھ احادیث میں سواک کا ذکر وارد ہے اور پھر دونوں میں دو صورتیں ہیں، بلفظ عند اور بلفظ مع، سو جاننا چاہئے کہ لفظ مع کا مدلول اتصال اور معیت ہے بخلاف عند کے کہ وہ اتصال اور قرب دونوں پر صادق آتا ہے، اتصال اس کیلئے ضروری نہیں [2]، جیسا کہ شیخ الرضی کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے، اس کے بعد آپ سمجھئے صلوۃ کے ساتھ مشہور روایات میں لفظ عند وارد ہے، اور وضو کے بارے میں لفظ عند اور لفظ مع دونوں کے ساتھ کثرت سے وارد ہوا ہے، لہذا جو مسواک وضو کے وقت ہو رہی ہے اس پر "عند کل وضو" اور "مع کل وضو" دونوں روایتیں صادق آرہی ہیں، اسی طرح "عند کل صلوۃ" بھی وہاں صادق آرہا ہے، کیونکہ عند کا مقتضی صرف مقارنت و اتصال نہیں بلکہ قرب پر بھی صادق آتا ہے، البتہ مع کل صلوۃ وہاں صادق نہیں آرہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ اگرچہ بخاری کی ایک روایت میں وارد ہے، لیکن خلاف مشہور ہے، چنانچہ حافظ نے اسکے شاذ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے حاصل یہ کہ جو لفظ ہمارے خلاف ہو سکتا ہے وہی شاذ ہے، اسکے علاوہ باقی تینوں الفاظ ہمارے مسلک کے موافق ہیں، تقریر بالا سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ "عند کل صلوۃ" والی روایت میں حنفیہ کے نزدیک مضاف محذوف ماننے کی حاجت نہیں جیسا کہ بعض کرتے ہیں، اب اس تقریر سے تمام روایات مجتمع اور متفق ہو جاتی ہیں۔

---

[1] چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث جو اس باب میں مذکور ہے، اور یہی روایت مسلم میں بھی ہے، اس میں ہے: عند کل صلوۃ اور عند کل وضو یا مع کل وضو یہ الفاظ نسائی، مسند احمد، بیہقی، طحاوی، طبرانی میں موجود ہیں، اسی طرح بخاری شریف کی کتاب الصوم میں تعلیقاً عند کل وضو کا لفظ آیا ہے، البتہ بخاری کی کتاب الجمعۃ میں مع کل صلوۃ وارد ہے، جس کے شاذ ہونے کی طرف حافظ نے اشارہ کیا ہے، اور ابن حبان کی ایک روایت میں وارد ہے: مع الوضوء عند کل صلوۃ اور یہ لفظ حنفیہ کی توجیہ کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مسواک وضو کے ساتھ ہو گی وہی عند کل صلوۃ بھی ہے۔

[2] موسوعۃ فتح الملہم بشرح صحیح الإمام مسلم - ج ۲ ص ۴۹۳ - ۴۹۵ (دار إحياء التراث العربي ۱۴۲۶ھ)

④ **فضائل و خصائص مسواک:** بحث رابع مسواک کے فضائل اور خواص، اسکی فضیلت کیلئے یہ حدیث کافی ہے السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ [1] کہ مسواک سے منہ کی پاکیزگی اور نظافت اور باری تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، یہ روایت تو نسائی شریف کی ہے "وذكره البخاری تعلیقاً" اور دوسری روایت جو مسند احمد وغیرہ میں ہے، اس میں یہ ہے صلوة بسواك افضل من سبعين صلوة بغير سواك [2] یعنی وہ ایک نماز جو مسواک کرکے پڑھی جائے، ان ستر نمازوں سے بہتر ہے جو بلا مسواک پڑھی جائیں، ابن قیمؒ نے اس غیر معمولی فضیلت کی بڑی اچھی وجہ تحریر فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں کہ مسواک کرکے نماز پڑھنا اہتمام پر دلالت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو بندہ سے اہتمام فی العبادت ہی مطلوب ہے، کثرت عمل مطلوب نہیں، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا [3] وہ فرماتے ہیں کہ اَحْسَنُ عَمَلًا فرمایا گیا، اکثر عَمَلًا نہیں فرمایا سو دو رکعت جو مسواک کے ساتھ ہیں وہ احسن ہیں، گو اکثر نہیں ہیں، اور وہ ستر نمازیں جو بغیر مسواک کے پڑھی گئی ہیں، گو اکثر ہیں لیکن احسن نہیں ہیں۔

دوسری بات یعنی خواص، سو ملا علی قاریؒ نے بعض علماء سے مسواک میں ستر فوائد نقل کئے ہیں، اور آگے لکھتے ہیں: أَدْنَاهَا أَنْ يَذْكُرَ الشَّهَادَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَفِي الْأَفْيُونِ سَبْعُونَ مَضَرَّةً أَقَلُّهَا نِسْيَانُ الشَّهَادَةِ [4] یعنی ادنی فائدہ مسواک کا موت کے وقت کلمہ شہادت کا یاد آنا ہے، بخلاف افیون کے کہ اسکے اندر ستر مضرتیں ہیں، ادنی مضرت نسیان کلمہ عند الموت ہے، حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات علامہ شامیؒ نے بھی لکھی ہے، لیکن انہوں نے بجائے أَدْنَاهَا کے أَعْلَاهَا تَذْكِيرُ الشَّهَادَةِ عِنْدَ الْمَوْتِ [5] لکھا ہے، نیز علامہ شامیؒ نے اسکا مقابل افیون کا ذکر نہیں کیا ہے۔

٤٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، يَرْفَعُهُ، قَالَ: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، لَأَمَرْتُهُمْ بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ، وَبِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے مؤمنوں پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو انہیں لازمی طور پر عشاء کی نماز مؤخر کرنے کا حکم دیتا اور ہر نماز کے وقت ان پر مسواک کو فرض قرار دیتا۔

تخریج: صحيح البخاري - الجمعة (٨٤٧) صحيح البخاري - التمني (٦٨١٣) صحيح مسلم - الطهارة (٢٥٢) جامع الترمذي - الطهارة (٢٢) سنن النسائي - الطهارة (٧) سنن النسائي - المواقيت (٥٣٤) سنن أبي داود - الطهارة (٤٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها

---

[1] سنن النسائي - كتاب الطهارة - باب الترغيب في السواك ٥

[2] أَنَّهُ قَالَ: "تَفْضُلُ الصَّلَاةُ بِالسِّوَاكِ، عَلَى الصَّلَاةِ بِغَيْرِ سِوَاكٍ، سَبْعِينَ ضِعْفًا" (مسند أحمد مسند النساء مسند الصديقة بنت الصديقؓ ٢٦٣٤٠)

[3] جس نے بنایا مرنا اور جینا تاکہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام (سورة الملك ٢)

[4] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - كتاب الطهارة - باب السواك ج ٢ ص ٨٣

[5] رد المحتار على الدر المختار - كتاب الطهارة - سنن الوضوء ج ١ ص ٢٣٦

(۲۸۷) موطا مالك - الطهارة (۱٤۷) موطا مالك - الطهارة (۱٤۸) سنن الدارمي - الطهارة (٦۸۳) سنن الدارمي - الصلاة (۱٤۸٤)

شرح الحدیث قوله: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ: یعنی اگر میں مسلمانوں کے حق میں مشقت محسوس نہ کرتا، اور مجھ کو خوف مشقت نہ ہوتا، تو البتہ میں ان کیلئے مسواک کو ہر نماز کے وقت ضروری قرار دیتا، مگر چونکہ خوف مشقت تھا اسلئے حکم ایجابی نہیں دیا، اور ایسے ہی حکم دیتا ان کو تاخیر عشاء کا، مگر چونکہ اس میں بھی خوف مشقت تھا اسلئے اسکا بھی حکم نہیں دیا۔

یہاں پر عبارت میں لفظ مخافۃ مقدر ہے جیسا کہ مذکورہ بالا ترجمہ سے معلوم ہو رہا ہے یعنی "لولا مخافة ان اشق على المومنين" ورنہ اشکال لازم آئے گا، وہ یہ کہ "لولا" دلالت کرتا ہے انتفاء ثانی پر بسبب وجود اول کے، جیسے "لولا علی لهلك عمر" تو اشکال یہ ہے کہ یہاں پر ثانی یعنی امر بالسواک کا انتفاء تو ہے، لیکن وجود اول یعنی مشقت کہاں ہے؟ لیکن جب مضاف محذوف بلانا تو معلوم ہوا کہ امر اول یہاں مشقت نہیں ہے بلکہ مخافۃ مشقت ہے سو وہ موجود ہے۔ فانتفى الاشكال۔

عشاء کے وقت مستحب میں اختلاف: قوله: بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ: اس سے معلوم ہوا کہ تاخیر عشاء اولی ہے، فقہاء کے یہاں یہ چیز مختلف فیہ ہے، بعض تعجیل کو افضل کہتے ہیں اور بعض تاخیر کو، شافعیہ مالکیہ سے افضلیت تعجیل اور افضلیت تاخیر دونوں روایتیں ہیں لیکن شافعیہ کا ظاہر مذہب افضلیت تعجیل کا ہے، جیسا کہ ابن دقیق العید نے فرمایا، اور حنفیہ کے یہاں مشہور قول کی بنا پر مطلقاً تاخیر مستحب ہے، جیسا کہ نور الایضاح میں بھی ہے، اس پر طحاوی لکھتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ استحباب تاخیر سردی کے زمانہ میں ہے، اور گرمی کے زمانہ میں تعجیل افضل ہے گرمی میں رات کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے تاخیر کی صورت میں قلت جماعت کا اندیشہ ہے، اسکی مزید تحقیق کا محل ابواب المواقیت ہیں۔

اس حدیث سے دو اصولی مسئلے مستفاد ہو رہے ہیں ایک یہ کہ امر مطلق ایجاب کے لئے ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، اس لئے کہ اگر استحباب کیلئے ہوتا تو اس کی نفی یہاں کہاں ہے؟ امر استحبابی تو اب بھی ہے۔

حضور ﷺ کے حق میں جواز اجتہاد: دوسرا مسئلہ یہ کہ آپ ﷺ کیلئے اجتہاد فی الاحکام تھا، آپ ﷺ کیلئے اجتہاد جائز تھا یا نہیں اس میں چار قول مشہور ہیں: ① الجواز مطلقاً ② عدم الجواز مطلقاً ③ الجواز فی الحروب والآراء دون الاحکام یعنی غزوات اور جنگ کے امور میں اور دوسرے مشورے کی باتوں میں آپکو حق اجتہاد تھا، حلال وحرام کے عام مسائل میں اجتہاد کا حق نہ تھا ④ التوقف، یعنی اسکے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اصح قول اول ہے یعنی مطلقاً جواز احکام اور غیر احکام سب میں ذکرہ شیخنا فی هامش البذل عن ابن رسلان [1]۔

۴۷ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۱ ص ۱۱٦

أُمَّتِي، لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ» ، قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: فَرَأَيْتُ زَيْدًا يَجْلِسُ فِي الْمَسْجِدِ، وَإِنَّ السِّوَاكَ مِنْ أُذُنِهِ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ أُذُنِ الْكَاتِبِ، فَكُلَّمَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اسْتَاكَ.

ترجمہ: زید بن خالد الجہنیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر مجھے اپنی اُمت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت لازمی طور پر مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ ابوسلمہ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زیدؓ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوتے اور مسواک ان کے کان پر رکھی ہوتی جہاں لکھنے والا اپنا قلم رکھتا ہے جب بھی حضرت زیدؓ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو مسواک فرمالیتے۔

تخریج: جامع الترمذي- الطهارة (۲۳) سنن أبي داود- الطهارة (٤٧)

شرح الحدیث: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: فَرَأَيْتُ زَيْدًا يَجْلِسُ فِي الْمَسْجِدِ: ابوسلمہ کہتے ہیں میں نے زید بن خالد جہنیؓ کو دیکھا کہ جس وقت وہ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھتے تھے، تو مسواک انکے کان کے پیچھے اس طرح لگی رہتی تھی جس طرح لکھنے والے کے کان کے پیچھے قلم رکھا رہتا ہے، جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا بعض مستری بڑھئی وغیرہ کو، وہ کان کے پیچھے پنسل لگائے رکھتے ہیں کہ جہاں ضرورت پیش آئی اس سے خط کھینچا اور پھر وہیں لگالی، تو اسی طرح زید بن خالد جہنی بھی نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو کان کے پیچھے سے مسواک نکال کر مسواک کرتے۔

اس حدیث سے شافعیہ وغیرہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، سو اسکا جواب ظاہر ہے کہ سیاق کلام اور الفاظ حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ طرز صرف ان ہی صحابی کا تھا، اسلئے کہ اگر سب صحابہ اسطرح کیا کرتے تو روایات میں اسکا ذکر ہوتا، اسکے علاوہ ابوسلمہؓ یہ کیوں کہتے "فَرَأَيْتُ زَيْدًا"؟ بلکہ یہ کہتے "فرأيت الصحابة"۔

٤٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ الطَّائِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قُلْتُ: أَرَأَيْتَ تَوَضُّؤَ ابْنِ عُمَرَ لِكُلِّ صَلَاةٍ طَاهِرًا، وَغَيْرَ طَاهِرٍ، عَمَّ ذَاكَ؟ فَقَالَ: حَدَّثَتْنِيهِ أَسْمَاءُ بِنْتُ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ حَنْظَلَةَ بْنِ أَبِي عَامِرٍ، حَدَّثَهَا «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرَ بِالْوُضُوءِ لِكُلِّ صَلَاةٍ، طَاهِرًا وَغَيْرَ طَاهِرٍ، فَلَمَّا شَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ، أُمِرَ بِالسِّوَاكِ لِكُلِّ صَلَاةٍ» ، فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَى أَنَّ بِهِ قُوَّةً، فَكَانَ لَا يَدَعُ الْوُضُوءَ لِكُلِّ صَلَاةٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ رَوَاهُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عبداللہ بن عمر سے محمد بن یحیٰی نے پوچھا کہ مجھے بتایئے کہ آپ کے والد عبداللہ بن عمرؓ ہر نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے چاہے وہ باوضو ہوتے یا بے وضو، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو عبداللہ بن عبداللہ بن عمر نے جواب دیا کہ مجھے اسماء بنت زید بن خطاب نے بیان کیا کہ عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر نے حضرت اسماءؓ کو بتایا کہ آپ کو ہر نماز کیلئے وضو کرنا لازم قرار دیا گیا تھا چاہے پہلے سے باوضو ہوں یا آپ بے وضو ہوں، پھر جب ہر نماز کیلئے وضو کرنا آپ ﷺ کیلئے مشقت کا باعث ہوا

تو آپ ﷺ کیلئے ہر نماز سے پہلے مسواک کرنے کو لازم قرار دیا گیا۔ چنانچہ عبد اللہ بن عمرؓ کا خیال تھا کہ ان میں صحت اور طاقت موجود ہے، لہٰذا وہ ہر نماز کیلئے وضو فرماتے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن سعد نے محمد بن اسحاق سے جب اس حدیث کو نقل کیا تو صحابی ابن عمر کے بیٹے کا نام عبید اللہ بن عبد اللہ نقل کیا ہے (جب کہ احمد بن خالد نے عبد اللہ بن عبد اللہ (مکبرًا) نقل کیا ہے)۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (٤٨) مسند أحمد - مسند الأنصار رضي الله عنهم (٥/٢٢٥) سنن الدارمي - الطهارة (٦٥٨)

شرح الحدیث عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ کی ضمیر عبد اللہ کی طرف راجع نہیں ہے بلکہ انکے شاگرد محمد بن یحییٰ کی طرف راجع ہے۔

مضمون حدیث : مطلب یہ ہے کہ محمد یحییٰ کہتے ہیں میں نے سوال کیا اپنے استاذ عبد اللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے سے جن کا نام بھی عبد اللہ ہے: بتایئے تو سہی آپکے والد محترم یعنی عبد اللہ بن عمرؓ ہر نماز کیلئے وضو کیوں کرتے تھے؟ خواہ پہلے سے وضو ہو یا نہ ہو، تو انہوں نے اس کا جواب یہ دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک حدیث میں ہے جس کے راوی عبد اللہ بن حنظلہ ہیں کہ حضور ﷺ ابتداء میں ہر حال میں وضو لکل صلوۃ کے مامور تھے، خواہ پہلے سے باوضو ہوں یا نہ ہوں، چونکہ اس حکم کی تعمیل میں آپ کو مشقت لاحق ہوتی تھی، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کی رعایت میں اس حکم کو منسوخ فرمادیا، اور بجائے وضو لکل صلوۃ کے سواک لکل صلوۃ کا حکم فرمایا، غرضیکہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور کیلئے اصل حکم وضو لکل صلوۃ تھا تو عبد اللہ بن عمرؓ نے یہ سوچا کہ جب حکم اصلی یہ ہے، اور میرے لئے اس پر عمل کوئی مشکل نہیں تو اس لئے وہ ہر نماز کے وقت وضو کیا کرتے تھے، یہ بات عبد اللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنے استنباط اور گمان سے کہی کہ ہو سکتا ہے میرے والد صاحب کا یہ طرز عمل اس بنا پر ہو۔

لیکن میں کہتا ہوں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے اس طرز عمل کی وجہ اور منشاء وہ ہے جو خود ان ہی سے منقول ہے جو بَابُ الرَّجُلِ يُجَدِّدُ الْوُضُوءَ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ میں آرہی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے سامنے تجدید وضو فرمائی اس پر اس شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ ہر نماز کیلئے وضو کیوں کرتے ہیں؟ تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے: مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طُهْرٍ كَتَبَ اللهُ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ [1] یعنی جو وضو پر وضو کرتا ہے اس کو دس نیکیوں کا بلکہ دس وضو کا ثواب ملتا ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ: یہاں سے مصنف محمد بن اسحٰق کے تلامذہ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں، گذشتہ سند میں محمد بن اسحٰق کے شاگرد احمد بن خالد تھے، مصنف فرمارہے ہیں کہ ان کے دوسرے شاگرد ابراہیم بن سعد ہیں۔ انہوں

[1] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب الرجل يجدد الوضوء من غير حدث ٦٢

نے بھی اس حدیث کو محمد بن اسحق سے روایت کیا ہے، دونوں کی سند میں فرق یہ ہے کہ احمد بن خالد کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن یحییٰ نے یہ سوال عبداللہ بن عمر کے ان صاحبزادے سے کیا تھا جن کا نام عبداللہ ہے اور ابراہیم بن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمر کے دوسرے صاحبزادے عبید اللہ سے کیا تھا۔ حضرتؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے: فيمكن أن تكون الرواية عنهما ويحتمل أن يكون ذكر أحدهما خطأ من الراوي[1] یعنی ہو سکتا ہے کہ یہ سوال سائل نے دونوں ہی سے کیا ہو یا یہ کہا جائے کہ ان میں سے کسی ایک سے کیا تھا، لیکن رواۃ کو صحیح یاد نہیں رہا، ایک نے ایک کا نام ذکر کر دیا دوسرے نے دوسرے کا۔

٢٦ - بَابُ كَيْفَ يَسْتَاكُ

مسواک کرنے کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟

یعنی مسواک کا طریقہ اور اسکی کیفیت کیا ہونی چاہئے، کتب فقہ میں ان چیزوں کی تفصیل موجود ہے، اور یہ تفصیلات ان ہی کے لکھنے کی بھی ہیں، لہٰذا تفصیل تو وہاں دیکھی جائے۔ مختصراً یہ ہے جیسا کہ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ مسواک کا تعلق صرف اسنان سے نہیں ہے بلکہ زبان پر بھی کرنا چاہئے، نیز مسواک کے ہاتھ میں پکڑنے کا طریقہ بھی مخصوص ہے جو فقہاء نے بیان کیا ہے، اور یہ کہ مسواک طول میں ایک بالشت اور موٹائی میں انگلی کے بقدر ہو، ثلاثاً ثلاثاً ہو یعنی تین بار تین پانی سے الگ الگ کی جائے وغیرہ امور جن پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، چنانچہ علامہ طحاویؒ نے بھی مسواک کے بارے میں ایک تصنیف فرمائی ہے۔

٤٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: مُسَدَّدٌ قَالَ: «أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَرَأَيْتُهُ يَسْتَاكُ عَلَى لِسَانِهِ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَالَ سُلَيْمَانُ: قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْتَاكُ، وَقَدْ وَضَعَ السِّوَاكَ عَلَى طَرَفِ لِسَانِهِ، وَهُوَ يَقُولُ: «إِهْ إِهْ» يَعْنِي يَتَهَوَّعُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ مُسَدَّدٌ: فَكَانَ حَدِيثًا طَوِيلًا وَلَكِنِّي اخْتَصَرْتُهُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: مصنفؒ کے استاد مسددؒ نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: کہ ہم جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ سے سواری طلب کرنے کی غرض سے، تو ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ اپنی زبان پر مسواک فرمارہے ہیں۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میرے دوسرے استاد سلیمان نے یہ الفاظ نقل کیے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا اس وقت آپ ﷺ مسواک فرمارہے تھے اور آپ ﷺ نے

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١٢١

مسواک اپنی زبان کے کنارے پر رکھی ہوئی تھی اور آپ ﷺ کے حلق سے اِہْ اِہْ کی آواز نکل رہی تھی جیسے قے کرتے وقت ایک آدمی کی آواز نکلتی ہے۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاد مسددؒ نے فرمایا کہ یہ ایک لمبی حدیث تھی جس کو میں نے مختصر اً نقل کیا ہے۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (٢٤١) صحيح مسلم - الطهارة (٢٥٤) سنن النسائي - الطهارة (٣) سنن أبي داود - الطهارة (٤٩) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/٤١٧)

شرح الحديث عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: مُسَدَّدٌ قَالَ: أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ: اس حدیث کے راوی ابوبردہؒ ہیں جو اپنے باپ یعنی ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں استحمال یعنی سواری طلب کرنے کیلئے آئے تو اس موقعہ پر میں نے دیکھا آپ کو کہ آپ اپنی زبان پر مسواک فرما رہے تھے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَالَ سُلَيْمَانُ: اس سند میں مصنفؒ کے دو استاذ ہیں، مسدد اور سلیمان، سابق الفاظ مسدد کے تھے، اب یہاں سے سلیمان کے الفاظ بیان کر رہے ہیں، ان دونوں کی روایت میں جو نمایاں فرق ہے وہ یہ ہے کہ مسدد کی روایت میں استحمال یعنی سواری طلب کرنے کا ذکر ہے، اور سلیمان کی روایت اس زیادتی سے خالی ہے، نیز اس دوسری روایت میں ایک دوسری زیادتی ہے، وہ یہ کہ مسواک کے وقت آپ کے اندر سے جو آواز برآمد ہو رہی تھی اس کو نقل کیا ہے، وہ یہ کہ أُهْ أُهْ تھی يَتَهَوَّعُ کے معنی يتقيئ کے ہیں یعنی جس طرح قے کے وقت منہ سے آواز نکلتی ہے ایسی آواز ظاہر ہو رہی تھی، اور بخاری کی ایک روایت میں لفظ أع أع ہے، اور نسائی کی روایت میں ہے وَهُوَ يَقُولُ: عَأْ عَأْ مقصود سب کا حکایت صوت ہے، اور چونکہ یہ جتنے الفاظ روایات میں وارد ہیں متقارب المخرج ہیں اس لئے یہ کوئی تعارض نہیں ہے۔

ابوداوٗد کی روایت میں وہم اور اس کی صحیح تحقیق: اسکے بعد جاننا چاہئے کہ حضرت سہارنپوریؒ نے بذل[1] میں اس مقام پر ایک تحقیق فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابوداود کی اس روایت میں وہم اور خلط واقع ہوگیا ہے جیسا کہ دوسری کتب حدیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث الباب بخاری، مسلم اور نسائی میں بھی موجود ہے لیکن اس میں ذکر سواک کے ساتھ استحمال یعنی سواری کی طلب مذکور نہیں، ہاں البتہ صحیحین اور اسی طرح نسائی کی ایک دوسری روایت ہے جو نسائی کے شروع ہی میں ہے، جس میں مسواک کے ساتھ استعمال یعنی طلب عمل کا ذکر ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں جارہا تھا تو میرے ساتھ قبیلۂ اشعر کے دو شخص اور ہوگئے، جو میرے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے، جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آپ ﷺ مسواک فرما

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١٢٤

رہے ہیں تو جو دو شخص میرے ساتھ پہنچے تھے انہوں نے آپ ﷺ سے عمل کی فرمائش کی، یعنی یہ کہ ان دونوں کو کسی جگہ کا عامل بنا کر سرکاری ملازمت دیدی جائے۔

یہ روایت نسائی شریف کے بالکل شروع ہی میں ہے اور وہ روایت جس میں استحمال مذکور ہے اس میں مسواک کا ذکر نہیں ہے، استحمال والی روایت یہ ہے جو کہ صحیحین میں موجود ہے کہ آپ ﷺ غزوۂ تبوک کے سفر میں جب تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سواری کی ضرورت کا اظہار کیا کہ ہمیں سواری کی ضرورت ہے، لیکن اس وقت آپکو انکے سوال پر ناگواری ہوئی اور آپ نے ناراض ہو کر فرمایا: "وَاللهِ لاَ أَحْمِلُكُمْ" کہ بخدا! میں تم کو سواری نہ دوں گا، راوی کہتے ہیں: لیکن پھر بعد میں آپ نے انکو بلا کر سواری عنایت فرمائی جس پر انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ تو قسم کھا چکے، مطلب یہ تھا کہ ہماری رعایت میں آپ حانث نہ ہوں، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلٰكِنَّ اللهَ حَمَلَكُمْ [1] سواری دینے والا میں نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اس قصہ میں کہیں سواک کا ذکر نہیں۔ ہمارے حضرت سہارنپوریؒ کا اشکال یہی ہے کہ استحمال والی روایت میں دوسری کتابوں میں مسواک کا ذکر نہیں ہے لہذا ابو داود کی روایت میں سواک کے ساتھ استحمال کا ذکر خلط بین الروایتین ہے، باقی میرے نزدیک یہ وہم مصنفؒ کا نہیں ہے، بلکہ اگر ہے تو مسدد کا ہے، کیونکہ مصنفؒ نے تصریح کی ہے کہ مسدد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں، سلیمان کے روایت کے الفاظ یہ ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو تو سب کچھ اچھی طرح محفوظ ہے جس استاذ سے انکو جس طرح روایت پہنچی انہوں نے اسکو اسی طرح نقل کیا، "فالعهدة في هذا الوهم على مسدد لا على المصنف"۔

٢٧ ـ بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَسْتَاكُ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ

ایک آدمی دوسرے کی مسواک استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

مصنفؒ مسواک کے بعض آداب واحکام بیان فرما رہے ہیں، یہاں یہ بیان کر رہے ہیں کہ دوسرے کی مسواک لیکر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ کر سکتے ہیں، باقی اصولی بات یہ ہے کہ ملک غیر کا استعمال اسکی اجازت ہی سے ہو سکتا ہے خواہ وہ اجازت دلالۃً ہو یا صراحۃً، غرضیکہ عند الجمہور اس میں کوئی شرعی کراہت نہیں ہے، حکیم ترمذی اسکو مکروہ سمجھتے تھے، بعض کتب فتاوی میں لکھا ہے کہ یہ بات جو مشہور بین العوام ہے کہ تین چیزوں میں شرکت نہیں: ① مشط (کنگھا)، ② میل (سرمہ کی سلائی)، ③ مسواک، یہ صحیح نہیں ہے، یہاں طبعی کراہت ہو تو وہ امر آخر ہے تو اس ترجمہ سے حکیم ترمذی کی رائے کا رد ہو رہا ہے ایسے ہی ابراہیم نخعی سے نجاست بزاق مروی ہے، یعنی آدمی کا تھوک باہر آنے کے بعد نجس

[1] صحيح مسلم - كتا بالأيمان - باب ندب من حلف يمينا فرأى غيرها خيرا منها ١٦٤٩

ہے تو اس سے بھی یہ وہم ہوتا ہے کہ دوسرے کی مسواک شاید جائز نہ ہو، اسی لئے اس ترجمہ سے اسکو رد کر دیا۔

۵۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنُّ وَعِنْدَهُ رَجُلَانِ، أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ، فَأُوحِيَ إِلَيْهِ [1] فِي فَضْلِ السِّوَاكِ، أَنْ كَبِّرْ أَعْطِ السِّوَاكَ أَكْبَرَهُمَا». قَالَ أَحْمَدُ هُوَ ابْنُ حَزْمٍ: قَالَ لَنَا أَبُو سَعِيدٍ هُوَ ابْنُ الْأَعْرَابِيِّ: «هَذَا مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ أَهْلُ الْمَدِينَةِ».

ترجمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ مسواک فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کے پاس دو آدمی موجود تھے ایک ان میں سے دوسرے سے عمر یا فضل و شرف میں بڑا تھا تو (شاید آپ ﷺ کا ارادہ چھوٹے بچے کو مسواک دینے کا ہو) آپ ﷺ کو وحی کی گئی مسواک کی فضیلت کے متعلق کہ آپ ﷺ مسواک ان میں سے بڑے شخص کو عنایت فرمایئے۔

احمد بن حزم کہتے ہیں کہ ابو سعید ابن الاعرابی نے ہمیں بیان کیا: یہ حدیث ان احادیث میں ہے جس کے سارے راوی مدینہ طیبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

شرح الحدیث عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے آپ ﷺ مسواک فرما رہے تھے، اور آپ کے پاس دو شخص حاضر تھے جن میں سے ایک عمر میں چھوٹا تھا اور دوسرا بڑا تھا، پس آپ نے مسواک سے فارغ ہونے کے بعد اپنی اس مسواک کو ان میں سے جو چھوٹا تھا اس کو دینے کا ارادہ فرمایا، راوی کہتے ہیں اسی وقت آپ پر مسواک کی فضیلت کے بارے میں وحی آئی کہ ابتدا بالاکبر کیجئے، ان میں جو بڑا ہے پہلے اس کو دیجئے، بظاہر یہ آپ کا مسواک عطاء فرمانا دوسرے کو اسی لئے تھا تاکہ وہ بھی اس کو استعمال کرے، لہٰذا ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت ہو گئی۔

اب یہ کہ آپ نے اصغر کو دینے کا کیوں ارادہ فرمایا تھا سو اسکی کوئی ظاہری وجہ ہو گی مثلاً یہ کہ وہی آپ سے اقرب ہو گا یا اور کوئی وجہ ہو مثلاً وہ آپکی دائیں جانب ہو گا۔ ابتدا بالاکبر کی جو وحی آپ پر آئی اس سے راوی نے یہ استنباط کیا کہ اس وحی کی غرض مسواک کی فضیلت کو بتانا ہے اس لئے اس نے کہا فَأُوحِيَ إِلَيْهِ فِي فَضْلِ السِّوَاكِ، یہ راوی ہی کے الفاظ ہیں۔

تقسیم کیے وقت ضابطه الایمن فالایمن یا الاکبر فالاکبر: اب یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ اس حدیث سے تو مستفاد ہو رہا ہے کہ تقسیم میں ابتداء بالاکبر ہونی چاہئے الأکبر فالأکبر، حالانکہ کتاب الاشربۃ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء بالایمن ہونی چاہئے الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ [2] جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں آپکی دائیں جانب تھا اور خالد بن الولید آپکی بائیں جانب تھے آپ نے دودھ نوش فرمانے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ حق تو ہے تمہارا لیکن اگر تم اجازت دو تو میں یہ خالد کو دلا دوں اس پر میں نے عرض

---

[1] یہاں سنن کے نسخ مختلف ہیں، شیخ عوامہؒ کے نسخہ میں فَأُوحِيَ إِلَيْهِ ہے۔ (کتاب السنن - ج ۱ ص ۱۷۳)

[2] سنن أبي داود - كتاب الأشربة - باب في الساقي متى يشرب ۳۷۲۶

کیا کہ میں آپکے سور مبارک کو کسی پر ایثار نہیں کر سکتا۔ اس سے علماء نے تقسیم کا ضابطہ الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ نکالا ہے بلکہ بخاری کی ایک روایت میں خود حضور ﷺ سے الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ کی تصریح ثابت ہے اس کا جواب شارح ابن رسلان یہ دیتے ہیں کہ الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ کا ضابطہ اس وقت چلتا ہے جب حاضرین مرتب فی الجلوس ہوں، بعض پر ایمن صادق آتا ہو اور بعض پر ایسر، اور اگر غیر مرتب فی الجلوس ہوں مثلاً سب ایک ہی جانب ہوں تو وہاں پر وہ قاعدہ چلے گا جو اس حدیث سے مستفاد ہو رہا ہے "الأكبر فالأكبر"، ماشاء اللہ اچھی توجیہ ہے گویا اس توجیہ کا حاصل یہ ہوا کہ وہ دونوں مرتب فی الجلوس نہیں تھے، لیکن اسکا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے یہاں بھی وہ مرتب فی الجلوس ہوں یمیناً و یساراً، اور آپ نے اسی لئے حسب ضابطہ اصغر کو دینے کا ارادہ فرمایا ہو کہ وہ ایمن تھا لیکن یہاں ایک خصوصیت مقام اور عارض کی وجہ سے آپ کو اسکے خلاف تقسیم کا حکم فرمایا گیا، یعنی ابتداء بالأكبر کا، اور وہ عارض وہی ہے جس کی طرف راوی اشارہ کر رہے ہیں، یعنی فضیلت سواک پر تنبیہ کرنا، عوارض کی وجہ سے احکام میں تغیر ہو ہی جاتا ہے، تو اصل قاعدہ یہی ہوا "الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ" لیکن اس خاص واقعہ میں اس قاعدہ کی مخالفت ایک عارض پر مبنی ہے۔

ابوداؤد اور مسلم کا روایت میں تعارض کا دفعیہ: یہاں پر بذل[1] میں ایک اور اشکال وجواب سے تعرض کیا ہے وہ یہ کہ بالکل اسی قسم کا واقعہ ابن عمرؓ کی حدیث سے مسلم شریف[2] میں بھی ہے جسکے لفظ ہیں أَرَانِي فِي الْمَنَامِ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا اور پھر بعینہ یہی واقعہ ذکر کیا جو حضرت عائشہؓ کی حدیث الباب میں ہے، ابن عمرؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خواب میں پیش آیا تھا، اسی لئے امام مسلمؒ نے ابواب الرؤیا میں ذکر کیا ہے اور حدیث عائشہؓ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری میں پیش آیا، اسکے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہو سکتا ہے دونوں جگہ پیش آیا ہو، بیداری میں بھی اور خواب میں بھی، صورت حال یہ ہوئی ہو گی کہ پہلے تو یہ واقعہ آپکو خواب میں پیش آیا، مگر آپکو کسی سے اسکے ذکر کی نوبت نہیں آئی اور پھر یہی واقعہ بیداری میں پیش آیا، اس پر پھر آپ کو وہ اپنا خواب یاد آیا تو آپ نے اس خواب کا تذکرہ فرمایا، حضرت عائشہؓ روایت کر رہی ہیں بیداری والا واقعہ اور ابن عمرؓ روایت فرما رہے ہیں خواب والا واقعہ، لہذا کوئی تعارض نہیں، لیکن اس جواب پر تکرار وحی کا اشکال ہو گا کہ ایک ہی معاملہ میں دوبار نزول وحی کیوں ہوا، اسلئے بہتر دوسرا جواب ہے وہ یہ کہ ابن عمرؓ کی حدیث میں تو خواب کی تصریح ہے اور اس حدیث عائشہؓ میں بیداری کی کوئی تصریح نہیں، تو ہم اس حدیث عائشہؓ کو بھی خواب کے قصہ پر کیوں نہ محمول کر لیں، یعنی یہ کہ وہ بھی خواب ہی کا واقعہ بیان فرما رہی ہیں، اور قرینہ اس پر ابن عمرؓ کی روایت ہو گی جس میں خواب کی تصریح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۱ ص ۱۲۵

[2] صحيح مسلم - كتاب الرؤيا - باب رؤيا النبي صلى الله عليه وسلم ۲۲۷۱

۵۱- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ؟ قَالَتْ: «بِالسِّوَاكِ».

ترجمہ: شریح کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: آپ ﷺ سب سے پہلے مسواک فرمایا کرتے۔

تخریج: صحيح مسلم - الطهارة (۲۵۳) صحيح مسلم - الطهارة (۲۵۳) سنن النسائي - الطهارة (۸) سنن أبي داود - الطهارة (۵۱) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۲۹۰) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۱۰/۶) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۹۲/۶) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۲۳۷/۶)

۲۸- بَابُ غَسْلِ السِّوَاكِ

مسواک دھونے کا بیان

ترجمة الباب کی غرض: اس باب میں دو احتمال ہیں یا تو یہ ماقبل سے متعلق اور اسکا تکملہ ہے، تب تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی کو چاہئے کہ جب دوسرے کی مسواک کرے تو پہلے اسکو دھولے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ باب مستقل ہے ماقبل سے متعلق نہیں، تو اس صورت میں ترجمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی کو چاہئے کہ جب مسواک شروع کرے تو اول اسکو دھوئے، اسی طرح درمیان میں بھی دھوئے بلکہ اخیر میں جب فارغ ہو جائے تب بھی اس کو دھو کر رکھے۔

۵۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ، حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيدٍ الْكُوفِيُّ الْحَاسِبُ، حَدَّثَنِي كَثِيرٌ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: «كَانَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ، فَيُعْطِينِي السِّوَاكَ لِأَغْسِلَهُ، فَأَبْدَأُ بِهِ فَأَسْتَاكُ، ثُمَّ أَغْسِلُهُ وَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ مسواک فرماتے اور پھر مجھے عنایت فرماتے تاکہ میں اس کو دھولوں، پس میں اس مسواک کو لے کر پہلے خود اپنے منہ میں مسواک کرتی پھر آپ ﷺ کو دے دیتی (تاکہ آپ ﷺ اپنی مسواک کے عمل کو مکمل فرمائیں یا آپ ﷺ اس مسواک کو باحفاظت اپنی جگہ پر رکھ دیں۔

شرح الحدیث **مضمون حدیث:** عَنْ عَائِشَةَ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب مسواک فرماتے تو درمیان میں یا بعد الفراغ مجھ کو مسواک عطاء فرماتے تاکہ میں اسکو دھوؤں اور دھو کر پھر آپکو عطاء کروں یا بوجہ فارغ ہونے کے اٹھا کر رکھدوں، تو وہ فرماتی ہیں کہ میں اس مسواک کو دھونے سے پہلے خود اسکو استعمال کرتی، یعنی حضور ﷺ کے لعاب مبارک سے محظوظ ہونے کیلئے، اسکے بعد اسکو دھوتی اور پھر آپکو دیتی یعنی فوراً اگر یہ مسواک کا دینا درمیان میں تھا، یا دوسرے وقت میں اگر یہ دینا بعد الفراغ تھا۔ حدیث کی مطابقت ترجمة الباب سے ظاہر ہے، ادب یہی ہے کہ مسواک دھونے کے بعد

شروع کی جائے۔

کیا زوجہ کے ذمہ خدمت زوج واجب ہے؟ قولہ: لأغسلہ: حضرت شیخؒ نے حاشیہ بذل[1] میں ابن رسلان سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے زوجہ کے ذمہ خدمت زوج ہے، وہ فرماتے ہیں: لیکن امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے ذمہ شوہر کی خدمت واجب نہیں، اس لئے کہ عقد کا تعلق استمتاع بالوطی سے ہے نہ کہ خدمت سے۔ اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت پر خدمت زوج قضاءً تو واجب نہیں البتہ دیانۃً واجب ہے، پس اگر وہ خدمت نہیں کرتی تو ایسی صورت میں ہمارے نزدیک شوہر پر اس کیلئے صرف خشک روٹی بغیر سالن کی واجب ہے، سالن دینا واجب نہیں ہے، شامی میں اسکی تصریح ہے (جیسی کرنی ویسی بھرنی) اور یہی مذہب بعینہ حنابلہ کا ہے جیسا کہ "مغنی" میں ہے۔ البتہ مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ معمولی اور ہلکی خدمت تو واجب ہے جیسے عجن اور کنس (آٹا گوندھنا، جھاڑو دینا وغیرہ) دون الغزل والطحن یعنی خدمت شاقہ جیسے سوت کاتنا اور چکی میں آٹا پیسنا وغیرہ واجب نہیں۔ اور بعض مالکیہ نے یہ تفصیل بیان کی کہ زوجہ تین طرح کی ہیں: بہت اعلیٰ اونچے خاندان کی، اس پر کسی قسم کی خدمت واجب نہیں۔ اور متوسطہ، اس پر معمولی خدمات واجب ہیں جیسے کھانا سامنے لاکر رکھنا، پانی پیش کرنا، بستر بچھانا لیکن تطبخ اور تکنس جیسے کام اس پر واجب نہیں۔ جو زوجہ ادنیٰ اور گھٹیا درجہ کی ہو اس پر تطبخ و تکنس جیسی خدمات تو واجب ہیں لیکن جن میں زیادہ مشقت ہو جیسے غزل و طحن وہ ان پر بھی واجب نہیں۔

۲۹ - بَابُ السِّوَاكِ مِنَ الْفِطْرَةِ

مسواک کرنا انسان کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے

یہ ترجمہ یہ سمجھئے کہ بلفظ الحدیث ہے، ترجمۃ الباب کی غرض میں یا تو یہ کہا جائے کہ مسواک کی اہمیت اور فضیلت بیان کرنا مقصود ہے یا یہ کہ حکم شرعی بیان کرنا مقصود ہے یعنی سنت ہے واجب یا فرض نہیں۔

۵۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ زَكَرِيَّا ابْنِ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَيْبَةَ، عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ، عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَالِاسْتِنْشَاقُ بِالْمَاءِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ - يَعْنِي الِاسْتِنْجَاءَ بِالْمَاءِ»، قَالَ زَكَرِيَّا: قَالَ مُصْعَبٌ: وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ «الْمَضْمَضَةَ».

حضرت عائشہؓ فرماتی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس کام فطرت انسانی میں داخل ہیں: ① مونچھوں کا

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۱ ص ۱۲۷

تراشنا ② داڑھی کو لٹکانا ③ مسواک کرنا ④ پانی کو ناک میں ڈالنا ⑤ ناخن تراشنا ⑥ انگلیوں کے جوڑ اور میل کے جمع ہونے کی جگہوں کو دھونا ⑦ بغل کے بال نوچنا ⑧ زیرِ ناف بال مونڈھنا ⑨ پانی سے استنجاء کرنا۔ زکریا بن ابی زائدہ نے کہا کہ مصعب نے مجھ سے کہا کہ میں دسویں چیز بھول گیا، شاید وہ دسویں چیز ⑩ کلی کرنا ہے۔

٥٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، وَدَاوُدُ بْنُ شَبِيبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، قَالَ: مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، وَقَالَ دَاوُدُ: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ مِنَ الْفِطْرَةِ الْمَضْمَضَةَ، وَالِاسْتِنْشَاقَ»، فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ، وَزَادَ «وَالْخِتَانَ»، قَالَ: «وَالِانْتِضَاحَ» وَلَمْ يَذْكُرِ انْتِقَاصَ الْمَاءِ -يَعْنِي الِاسْتِنْجَاءَ- قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ نَحْوُهُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَقَالَ: «خَمْسٌ كُلُّهَا فِي الرَّأْسِ»، وَذَكَرَ فِيهَا «الْفَرْقَ»، وَلَمْ يَذْكُرْ إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ نَحْوُ حَدِيثِ حَمَّادٍ، عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ، وَمُجَاهِدٍ، وَعَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ، قَوْلُهُمْ وَلَمْ يَذْكُرُوا إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ، وَفِي حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ: «وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ»، وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، نَحْوَهُ وَذَكَرَ: «إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ، وَالْخِتَانَ».

ترجمہ: سلمہ بن محمد بن عمار بن یاسر سے روایت ہے...... مصنف کے استاد موسیٰ بن اسماعیل بقول سلمہ یہ روایت اپنے والد محمد سے مرسلاً نقل کر رہے ہیں...... اور مصنف کے دوسرے استاد داؤد بن شبیب کے بقول سلمہ یہ روایت اپنے دادا عمار بن یاسر سے نقل کر رہے ہیں (تو یہ روایت منقطع ہو گئی) کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فطرت کے کاموں میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا وغیرہ کام داخل ہیں...... اس روایت میں راوی نے إعفاء اللحية کو ذکر نہیں کیا اور ایک اور کام کا اضافہ فرمایا، وہ ہے ختنہ کرنا ہے نیز اس روایت میں راوی نے انتقاص الماء کی جگہ الانتضاح (استنجاء کرنا) کو ذکر فرمایا، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: ابن عباسؓ سے اسی طرح مروی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پانچ خصلتیں تو سر کی ہیں اور ان خصلتوں میں کنگھی کرنے کو ابن عباسؓ نے ذکر فرمایا اور ابن عباسؓ کی روایت میں داڑھی کے بڑھانے کا ذکر نہیں۔ امام ابوداود فرماتے ہیں کہ حماد کی حدیث کی طرح طلق بن حبیب اور مجاھد اور بکر بن عبد اللہ سے بھی مذکورہ بالا روایت مروی ہے لیکن ان حضرات نے اس روایت کو موقوفاً نقل کیا ہے اور ان راویوں نے إعفاء اللحية کو ذکر نہیں کیا۔ محمد بن عبد اللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بواسطہ ابو سلمہ جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیث نقل کی اس میں إعفاء اللحية کا ذکر ہے۔ ابراہیم نخعی سے بھی اسی طرح مروی ہے، البتہ اس روایت میں إعفاء اللحية کے ساتھ انہوں نے ختنہ کرنے کو بھی ذکر فرمایا ہے۔

تخریج صحيح مسلم - الطهارة (٢٦١) جامع الترمذي - الأدب (٢٧٥٧) سنن النسائي - الزينة (٥٠٤٠) سنن أبي داود - الطهارة (٥٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٢٩٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٣٧)

شرح الحدیث قوله: عن عائشة عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: عَشْرٌ ترکیب میں یا تو موصوف محذوف کی صفت ہے، یعنی خصال

عشر من الفطرة، یا اس کا مضاف الیہ محذوف ہے، یعنی عشر خصال۔

فطرة کی تفسیر میں شراح کے اقوال: فطرة کی تفسیر میں اختلاف ہے، یا اس سے مراد دین ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا [1] اس آیت میں فطرة سے مراد دین ہے [2] امام صاحبؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ مسواک من سنة الدین ہے (إِنَّ السِّوَاكَ مِنْ سُنَنِ الدِّيْنِ)، وضو یا نماز کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ گزر چکا، یا فطرة سے مراد فطرۃ سلیمہ اور طبع سلیم ہے، یعنی دس چیزیں صاحب فطرۃ سلیمہ کی خصلتیں ہیں، جو لوگ طبع سلیم رکھتے ہیں ان کی عادات وخصائل میں سے ہیں اور اصحاب فطرتِ سلیمہ کے اولین مصداق تو حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہی ہیں کہ ان کے مزاج اور طبیعت کی سلامتی واعتدال اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے، ان کا اس میں کوئی ہمسر نہیں ہو سکتا ہے، ثم الاقرب فالاقرب۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سنت ابراہیمی ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت کریمہ: وَإِذِ ابْتَلٰى إِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ [3] میں کلمات سے مراد یہی خصال فطرت ہیں جو حدیث میں مذکور ہیں۔

میں کہتا ہوں اس سے ان خصال فطرت کی فضیلت واہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو نبوت مقدرہ عطاء فرمانے سے پہلے ان خصال کا مکلف فرمایا اور جب ان کی جانب سے تکمیل وتعمیل ہو گئی تب ہی ان کو نبوت عطاء ہوئی، اور علم سے مقصود عمل ہی ہے، لہٰذا ہم سب کو بھی اپنی پوری زندگی میں ان خصال فطرت کا اہتمام چاہئے۔

خصال فطرت کا حکم: اسکے بعد جاننا چاہئے کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان خصال میں اکثر ایسی ہیں جو علماء کے نزدیک واجب نہیں اور بعض ایسی ہیں جن کے وجوب اور سنیت میں اختلاف ہے جیسے ختان، ابن العربیؒ نے شرح موطا میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک یہ خصال خمسہ جو حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں مذکور ہیں (جو ہمارے یہاں آگے آرہی ہیں) سب کی سب واجب ہیں، اس لئے کہ اگر کوئی شخص ان کو اختیار نہ کرے تو اس کی شکل وصورت آدمیوں کی سی باقی نہیں رہے گی، لیکن اس پر ابوشامہؒ نے ان کا تعقب کیا ہے کہ جن اشیاء سے مقصود اصلاح ہیئت اور نظافت ہو وہاں امر ایجابی کی حاجت نہیں، بلکہ صرف شارع علیہ السلام کی طرف سے اس طرف توجہ دلانا کافی ہے۔

حدیث عائشہ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ کی جامعیت کے باوجود امام بخاریؒ نے اسکو کیوں نہیں لیا:
یہ حدیث اسی طرح یعنی بلفظ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ مسلم میں بھی وارد ہے، لیکن امام بخاریؒ نے اس حدیث کو نہیں لیا، امام بخاریؒ نے

---

[1] وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو (سورة الروم ۳۰)
[2] وهو دینه أي (تفسير الجلالين ص ٤٠٧)
[3] اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں (سورة البقرة ١٢٤)

لیٰ صحیح میں ابو ہریرہؓ کی حدیث کو لیا ہے جس میں ہے: الْفِطْرَةُ خَمْسٌ الْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ[1] لیکن ظاہر ہے کہ اس حدیث عائشہؓ کی افادیت زائد ہے اسمیں بجائے پانچ خصلتوں کے دس خصلتیں ذکر فرمائی گئی ہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو نہیں لیا؟ علامہ زیلعیؒ نے اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس حدیث میں دو علتیں ہیں: ایک یہ کہ اسکی سند میں مصعب بن شیبہ راوی ہیں جو متکلم فیہ ہے، دوسری علت یہ کہ اسکی سند میں اضطراب ہے اسلئے کہ اس حدیث کو مصعب طلق بن حبیب سے مسنداً نقل کر رہے ہیں اور سلیمان تیمی نے اس کو طلق بن حبیب سے مرسلاً نقل کیا ہے، ان ہی دو علتوں کی وجہ سے امام بخاریؒ نے اسکی تخریج نہیں فرمائی طلق کی یہ حدیثِ مرسل نسائی شریف میں ہے، انہوں نے اس حدیث کو دونوں طرح ذکر کیا ہے مسنداً اور مرسلاً اسی طرح امام ابو داودؒ نے آگے چل کر طلق کی اس حدیثِ مرسل کو تعلیقاً ذکر فرمایا ہے جیسا کہ آگے اس باب کے اخیر میں آرہا ہے۔

خصال فطرة کی تعداد میں روایات کا اختلاف اور اس کی توجیه: یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو گیا کہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے الْفِطْرَةُ خَمْسٌ اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ اور بعض روایات میں تین کا ذکر ہے، چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں صرف تین ہی مذکور ہیں حَلْقُ الْعَانَةِ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَقَصُّ الشَّارِبِ[2]۔ جواب یہ ہے کہ "ذکر القليل لاينافي الكثير" اور دوسرے لفظوں میں کہیے: "مفهوم العدد ليس بحجة" یعنی جہاں دس سے کم بیان کی گئی ہیں بلکہ خود دس میں بھی انحصار مقصود نہیں ہے اور مطلب یہ ہے کہ منجملہ خصال فطرة کے اتنی ہیں، ہر جگہ منجملہ ہی مراد ہے خواہ اسکے ساتھ دس کا عدد ذکر کیا گیا ہو یا پانچ کا یا تین کا، لفظ الفطرة سے پہلے جو "من" ہے وہ اسی طرف مشیر ہے، ہاں! اگر ہر جگہ حصر مقصود ہوتا تب یقیناً تعارض تھا۔ باقی آپ ﷺ نے حسب موقعہ اور حسب حاجت ان خصال کو بیان فرمایا، جہاں صرف تین کا ذکر کرنا مناسب خیال فرمایا وہاں تین اور جہاں اس سے زائد مناسب سمجھا وہاں اس سے زائد بیان فرمایا، فصحاء وبلغاء کے کلام میں ان سب چیزوں کی رعایت ہوا کرتی ہے، اور آپ سے بڑا فصیح وبلیغ کون ہو گا۔ دوسرا جوب یہ دیا گیا ہے کہ مقصود اگرچہ حصر ہے لیکن شروع میں آپ کو تین کا علم دیا گیا تو آپ نے تین بیان فرمائیں پھر آپ کو مزید دو کا علم دیا گیا تو آپ نے پانچ بیان فرمائیں پھر آپ کے علم میں اور اضافہ ہوا تو دس بیان فرمائیں۔ یسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پانچ اور تین کا حصر حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر ادعائی ہے مبالغہ کیلئے جیسا کہ اس حدیث میں ہے "الدين النصيحة"، "الحج عرفة" تو جہاں جن خصلتوں کے بیان کی زائد ضرورت سمجھی آپ نے وہاں ان ہی کو حصر کے ساتھ بیان فرمایا، گویا یہ سمجھئے کہ بس خصال فطرت یہی ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري - كتاب اللباس - باب تقليم الأظفار ٥٥٥٢

[2] صحيح البخاري - كتاب اللباس - باب تقليم الأظفار ٥٥٥١

حافظؒ فرماتے ہیں کہ ابن العربیؒ نے ذکر کیا ہے کہ مختلف روایات کو جمع کرنے سے خصال فطرت تیس تک پہنچ جاتی ہیں، اس پر حافظ نے اشکال کیا کہ اگر انکی مراد یہ ہے کہ خاص لفظ فطرۃ کے اطلاق کے ساتھ تیس خصال وارد ہیں تب تو ایسا نہیں ہے اور اگر مراد مطلق خصال ہے تب تیس میں بھی انحصار نہیں بلکہ اس سے بہت زائد ہو جائیں گی [1]۔

قص الشارب میں روایات مختلفہ کی توجیہ اور مذاہب أئمہ: قَصُّ الشَّارِبِ: شارب کے بارے میں چند الفاظ آئے ہیں، لفظ قص، لفظ جزاور لفظ احفاء اور نسائی کی ایک روایت میں بلفظ حلق بھی وارد ہوا ہے، سب سے کم درجہ قص ہے جس کے معنی ہیں موٹا موٹا کاٹنا، یہ دراصل مقص سے ہے جسکے معنی مقراض یعنی قینچی کے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے یعنی قینچی سے موٹا موٹا کاٹنا، اس سے زائد درجہ احفاء کا ہے یعنی مبالغہ فی القص باریک کاٹنا، اس سے بھی اگلا درجہ حلق کا ہے، استرہ سے بالکل مونڈ وادینا، ایک تطبیق کی شکل تو یہی ہوگئی کہ مختلف درجات بیان کئے گئے، ادنی یہ ہے، اوسط یہ ہے، اعلی یہ ہے۔ بعض نے تطبیق بین الروایات اس طرح کی کہ قص کے اندر تھوڑا سا مبالغہ کر دیجئے وہی احفاء ہو جاتا ہے اور اسی احفاء کو کسی نے مبالغہ کر کے حلق سے تعبیر کر دیا، یہ تو جواب ہے الفاظ روایات کے اختلاف کا۔

رہی یہ بات کہ فقہاء کیا فرماتے ہیں۔ سو خلاصہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ راجح عندنا و احمدؒ احفاء یعنی مبالغہ فی القص ہے، جیسا کہ طحطاوی وغیرہ میں ہے اور در مختار میں ہے کہ حلق شارب بدعت ہے اور کہا گیا ہے کہ سنت ہے، چنانچہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ وَالْحَلْقُ سُنَّةٌ وَهُوَ أَحْسَنُ مِنَ الْقَصِّ اور پھر انہوں نے اسکو ہمارے ائمہ ثلاثہ یعنی امام صاحب صاحبین تینوں کی طرف منسوب کیا ہے [2]، اور اثرم کہتے ہیں: میں نے امام احمد کو دیکھا کہ وہ احفاء شدید کرتے تھے اور فرماتے تھے: انہ اولی من القص۔ امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک راجح قص ہے چنانچہ ابن حجر مکی شافعی فرماتے ہیں اتنا کاٹا جائے کہ شفۂ علیا کی حمرۃ ظاہر ہونے لگے اور بالکل جڑ سے بال نہ اڑائے، امام نوویؒ نے بھی احفاء سے منع کیا ہے اسی طرح امام مالکؒ سے منقول ہے کہ احفاء میرے نزدیک مثلہ ہے، نیز جو شارب کا احفاء کرے اس کی پٹائی کی جائے۔ حلق کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔

قولہ: وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ: ارسال لحیہ یعنی ڈاڑھی کو چھوڑے رکھنا اور بڑھانا، اتخاذ لحیہ مذاہب اربعہ میں واجب ہے اور اس میں مشرکین اور مجوس کی مخالفت ہے جیسا کہ بعض روایات میں اسکی تصریح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا داڑھی رکھنا تشریعاً تھا محض عادۃً نہ تھا جیسا کہ بعض گمراہ کہدیا کرتے ہیں اور اس حدیث میں تو تصریح ہے کہ اعفاء لحیہ فطرت سے ہے۔

اور فطرت کے معنی پہلے گزر چکے: تمام انبیاء سابقین کی سنت یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت، اور آپ ﷺ کو ان انبیاء کی

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ ج ۱۰ ص ۳۳۷

[2] شرح معانی الآثار۔ ج ٤ ص ۲۳۱

سیرت کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے: فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ[1] اور حلق لحیہ جملہ مذاہب اربعہ میں حرام ہے، صاحب منہل جو علماء ازہر میں سے ہیں انہوں نے منہل میں جملہ مذاہب کی معتبر کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں جو حلق لحیہ کے حرام ہونے پر دال ہیں۔ اور دیکھئے! وہ یہ مسئلہ جامع ازہر میں بیٹھ کر لکھ رہے ہیں جہاں کے بہت سے علماء اس میں غیر محتاط ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

اعفاء لحیہ ومقدار لحیہ کی حد شرعی: یہاں پر ایک مسئلہ یہ ہے کہ داڑھی کی مقدار شرعی کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ عند الجمہور ومنہم الائمۃ الثلثہ اس کی مقدار بقدر قبضہ ہے جس کا مأخذ فعل ابن عمرؓ ہے کہ وہ مازاد علی القبضہ کو کتر دیتے تھے جیسا کہ امام بخاریؒ نے اس کو کتاب اللباس[2] میں تعلیقاً ذکر فرمایا ہے اور امام محمدؒ نے مؤطا محمد میں اس کو ذکر فرما کر 'وبہ نأخذ' تحریر فرمایا ہے اب یہ کہ مازاد علی القبضہ کا حکم کیا ہے، سو جاننا چاہئے کہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مازاد علی القبضہ کو تراش دیا جائے، اور یہ تراشنا ہمارے یہاں ایک قول کی بنا پر صرف جائز اور مشروع ہے اور ایک قول کی بنا پر واجب ہے، شافعیہ مطلقاً اعفاء کے قائل ہیں، اخذ مازاد کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ ابن رسلان نے شافعیہ کا مذہب بیان کیا ہے، نیز انہوں نے کہا ہے کہ "عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ" کی حدیث انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان یأخذ من اطراف لحیتہ[3] ضعیف ہے اور فروع مالکیہ وحنابلہ میں لکھا ہے کہ زیادۃ فی الطول یعنی داڑھی کا طول فاحش تشویۃ الخلقۃ یعنی صورت کے بگاڑ کا باعث ہے اور لکھا ہے کہ حدیث میں اعفاء سے مقصود مطلق اعفاء نہیں ہے بلکہ مجوس اور ہنود کی طرح کاٹنے سے روکنا مقصود ہے۔

قولہ: وَالسِّوَاكُ: اس پوری حدیث کو ذکر کرنے سے یہی جزء مقصود بالذات ہے بخاری شریف میں جس باب میں لمبی چوڑی حدیث آتی ہے تو جب حدیث میں وہ لفظ آتا ہے جو مقصود بالذکر ہوتا ہے تو وہاں بین السطور میں آپ محشی کی جانب سے لکھا ہوا دیکھیں گے فیہ الترجمۃ تو اسی طرح یہاں ہم لفظ السواک پر کہہ سکتے ہیں: فیہ الترجمۃ۔

مضمضہ واستنشاق کے حکم میں اختلاف ائمہ: قولہ: وَالِاسْتِنْشَاقُ بِالْمَاءِ: اسکا مقابل یعنی مضمضہ آگے آرہا ہے۔

مضمضہ اور استنشاق کے حکم میں اختلاف ہے شافعیہ ومالکیہ کے یہاں دونوں وضو اور غسل دونوں میں سنت ہیں اور حنابلہ کے یہاں دونوں دونوں میں واجب ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ مضمضہ سنت اور استنشاق واجب ہے، چنانچہ ترمذی میں ہے امام احمدؒ

---

[1] سو تو چل ان کے طریقہ پر (سورۃ الانعام ۹۰)

[2] صحیح البخاری - کتاب اللباس - باب تقلیم الأظفار ۵۵۵۳

[3] أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا (جامع الترمذی - کتاب الأدب - باب ماجاء فی الأخذ من اللحیۃ ۲۷۶۲)

فرماتے ہیں الاسْتِنْشَاقُ أَوْ كَدُ مِنَ الْمَضْمَضَةِ [1] غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوداود میں لقیط بن صبرۃ کی حدیث مرفوع میں ہے وَبَالِغْ فِي الاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا [2] اور حنفیہ کے یہاں فرق ہے وضو میں دونوں سنت اور غسل میں دونوں واجب ہیں، اور اس فرق کی وجہ شرح وقایہ میں دیکھنی چاہئے، ظاہری وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں آیت وضو میں صرف غسل وجہ کا حکم مذکور ہے، مضمضہ اور استنشاق اس سے خارج ہے کیونکہ وجہ کہتے ہیں "ماتقع بہ المواجھۃ" یعنی گفتگو اور خطاب کے وقت جو چیز سامنے ہو اور داخل انف وفم کا حال یہ نہیں ہے، بخلاف غسل کے اس میں مبالغہ فی التطہیر کا حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا [3] یعنی اگر تم جنبی ہو تو حتی الامکان تمام بدن کی طہارت حاصل کرو، اور داخل انف وفم کی تطہیر حد امکان میں داخل ہے، لہذا اس کا دھونا بھی ضروری ہوگا۔

قولہ: وَقَصُّ الْأَظْفَارِ: اور بعض روایات میں "تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ" کا لفظ ہے علماء نے لکھا ہے کہ تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ جس طرح بھی کیا جائے اصل سنت ادا ہو جائیگی، اس میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے، لیکن بعض فقہاء نے اسکی ایک خاص ترتیب لکھی ہے وہ یہ کہ ابتداء داہنے ہاتھ کی مسبحہ سے کی جائے پھر وسطی پھر بنصر، پھر خنصر، پھر ابہام، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی ابتداء خنصر سے کی جائے مسلسل ابہام تک اور بعض کی رائے یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی مسبحہ سے ابتداء کی جائے خنصر تک اور ابہام کو چھوڑ دیا جائے پھر بائیں ہاتھ کی خنصر سے ابہام یسری تک اور پھر اخیر میں دائیں ہاتھ کا ابہام تا کہ ابتداء بھی دائیں سے ہو اور اختتام بھی دائیں پر، اور رجلین میں ترتیب یہ ہے کہ تقلیم کی ابتدا دائیں پاؤں کی خنصر سے کی جائے اور مسلسل کرتے چلے آئیں خنصر یسری تک۔

بعض محدثین جیسے حافظ ابن حجرؒ اور ابن دقیق العیدؒ وغیرہ نے تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ کی اس کیفیت مخصوصہ کے استحباب کا انکار کیا ہے اس لئے کہ اس کا ثبوت روایات میں کہیں نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس کی اولویت وافضلیت کا اعتقاد بھی غلط ہے، اس لئے کہ استحباب بھی ایک حکم شرعی ہے جو محتاج دلیل ہے۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے حاشیہ بذل [4] میں ہے کہ طحطاوی میں لکھا ہے جمعہ کی نماز سے پہلے تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ مستحب ہے، نیز بیہقی [5] کی ایک روایت میں ہے کان علیہ الصلوۃ والسلام یقلم اظفارہ ویقص شاربہ قبل الجمعۃ (جمع الوسائل) احقر

---

[1] جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب ماجاء في المضمضة والاستنشاق ٢٧

[2] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب في الاستنثار ١٤٢

[3] اور اگر تم کو جنابت ہو تو خوب طرح پاک ہو (سورۃ المائدۃ ٦)

[4] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١٣١

[5] عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُقَلِّمُ أَظْفَارَهُ. وَيَقُصُّ شَارِبَهُ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ (السنن الكبرى للبيهقي كتاب الجمعة باب في التنظيف يوم الجمعة ٥٩٦٤)

کہتا ہے کہ علامہ سیوطیؒ کا ایک رسالہ ہے "نور اللمعة فی خصائص الجمعة" جس میں انہوں نے جمعہ کے دن کی سو ۱۰۰ خصوصیات ذکر فرمائی ہیں اسمیں ایک روایت یہ ہے کہ جمعہ کے روز تَقْلِيمُ الأَظْفَارِ میں شفاء ہے [1]۔

قولہ: وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ: براجم برجمۃ کی جمع ہے بمعنی عقود الاصابع یعنی انگلیوں کے جوڑ اور گرہیں اس کی خصوصیت اس لئے ہے کہ یہاں پر شکن ہونے کی وجہ سے میل جم جاتا ہے، لہذا اس کا تعاہد اور خبر گیری رکھنی چاہئے، علماء نے لکھا ہے جسم کے وہ تمام مواضع جہاں پسینہ اور میل جمع ہو جاتا ہے وہ سب اسی حکم میں ہیں جیسے اصول فخذین اور ابطین، کانوں کا اندرونی حصہ اور سوراخ وغیرہ، نیز یہ ایک مستقل سنت ہے وضو کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

قولہ: وَنَتْفُ الْإِبِطِ: یعنی بغلوں کے بال اکھاڑنا، اس سے معلوم ہوا کہ اصل ابط میں نتف ہے نہ کہ حلق، گو جائز حلق بھی ہے کیونکہ مقصود ازالۂ شعر ہے وہ اس سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اولیٰ وہ ہے جو حدیث میں وارد ہوا ہے، اگر کوئی شخص شروع ہی سے اس کی عادت ڈال لے تو پھر اکھاڑنے میں تکلیف نہیں ہوتی، ہاں! ایک آدھ مرتبہ استعمال حدید کے بعد جڑیں مضبوط ہو جانے کی وجہ سے نتف میں تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت امام شافعی کا ایک واقعہ: منقول ہے کہ ایک بار یونس بن عبد الاعلی امام شافعیؒ کی خدمت میں گئے، اس وقت ان کے پاس حلاق بیٹھا تھا جو حلق ابط کر رہا تھا تو حضرت امام شافعیؒ نے ان کو دیکھ کر برجستہ فرمایا: عَلِمْتُ أَنَّ السُّنَّةَ النَّتْفُ وَلَكِنْ لَا أَقْوَىٰ عَلَى الْوَجَعِ [2] کہ ہاں! میں جانتا ہوں مسنون نتف ہے لیکن اس میں جو تکلیف ہوتی ہے وہ مجھ کو برداشت نہیں ہے، یہ گویا ان کی طرف سے نتف نہ اختیار کرنے کی معذرت تھی، معلوم ہوا کہ علماء کو مستحبات کی بھی رعایت کرنی چاہئے اسلئے کہ وہ عوام کیلئے مقتدیٰ ہوتے ہیں، بلا کسی عذر اور خاص وجہ کے ترک مستحب بھی نہ چاہئے۔ واللہ الموفق

قولہ: وَحَلْقُ الْعَانَةِ: زیر ناف بال صاف کرنا، عانہ کی تفسیر میں تین قول ہیں: ① زیر ناف بال، ② وہ حصہ جس پر بال اگتے ہیں جسکو پیڑو کہتے ہیں، ③ ابو العباس ابن سریج سے منقول ہے کہ عَانَة سے مراد وہ بال جو حلقۂ دبر کے ارد گرد ہوں لیکن یہ قول شاذ ہے البتہ حکم یہی ہے کہ ان بالوں کو بھی صاف کرنا چاہئے، اور بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت کے حق میں بجائے حلق کے نتف العانۃ بہتر ہے۔

قولہ: وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ- يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ بِالْمَاءِ-: انْتِقَاصُ الْمَاءِ کی جو تفسیر یہاں پر مذکور ہے یعنی استنجاء بالماء یہ وکیع راوی سند کی جانب سے ہے جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے، استنجاء بالماء کو انتقاص الماء سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ پانی میں قطع بول کی تاثیر ہے کہ وہ قطرات بول کو منقطع کر دیتا ہے اس لئے اس کو انتقاص الماء کہتے ہیں گویا ماء سے مراد

---

[1] نور اللمعة في خصائص الجمعة رقم الحديث ٦٠ (ص ٢٥ طبع دار ابن خلدون)

[2] فتح الباري بشرح صحيح البخاري ج ١٠ ص ٣٤٤

بول اور انتقاص سے مراد ازالہ ہے، انتقاص الماء کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد انتضاح ہے، چنانچہ ایک روایت میں بجائے انتقاص الماء کے انتضاح آیا ہے، انتضاح کے مشہور معنی ہیں: رش الماء بالفرج بعد الوضوء کہ وضو سے فارغ ہو کر قطع وساوس کے لئے شرمگاہ سے مقابل کپڑے پر پانی کا چھینٹا دینا، اور بعض نے انتضاح کے معنی بھی استنجاء بالماء کے بیان کئے ہیں، انتضاح کا مستقل باب آنے والا ہے۔

قولہ: إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةَ: راوی کہتے ہیں کہ مجھے دسویں چیز یاد نہیں رہی ہو سکتا ہے وہ مضمضہ ہو یہ بظاہر اس لئے کہ استنشاق کے ساتھ عام طور سے مضمضہ ذکر کیا جاتا ہے اور یہاں استنشاق کا ذکر تو آچکا مگر اب تک مضمضہ کا ذکر نہیں آیا، اور بعض شراح نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے دسویں چیز ختان ہو جیسا کہ اگلی روایت میں ہے۔

قولہ: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ: اس باب کی دوسری حدیث ہے، مصنفؒ نے اس باب میں باقاعدہ صرف دو حدیثوں کی تخریج فرمائی ہے، اور باقی بہت سی روایات تعلیقاً ذکر فرمائی ہیں، پہلی حدیث حضرت عائشہؓ کی، دوسری عمار بن یاسر کی، دونوں حدیثوں میں خصال فطرت کی تعیین میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ حدیث ثانی میں إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ مذکور نہیں بلکہ اس کے بجائے الْخِتَانُ مذکور ہے، نیز حدیث ثانی میں انْتِقَاصُ الْمَاءِ مذکور نہیں اس کے بجائے الانتضاح مذکور ہے، اب دونوں حدیثوں کو ملانے سے خصال فطرت بجائے دس کے گیارہ ہو گئیں اور انتضاح کی تفسیر میں چونکہ اختلاف ہے تو اگر وہ انتقاص الماء ہی کو قرار دیا جائے تب تو گیارہ ہی رہیں گی ورنہ بارہ ہو جائیں گی، نیز آگے ابن عباسؓ کی روایت میں ایک اور خصلت کا ذکر آرہا ہے یعنی الْفَرْقُ (بالوں میں مانگ نکالنا) تو اب مجموعہ خصال فطرت کا بارہ یا تیرہ ہو جائیگا۔

ختان کے حکم میں اختلاف: حکم ختان میں اختلاف ہے، شافعیہ وحنابلہ کے یہاں رجال ونساء دونوں کے حق میں واجب ہے، حنفیہ کے یہاں ایک قول میں واجب ہے اور ایک قول میں سنت ہے، لیکن ایسی سنت ہے جو شعائر اسلام میں سے ہے، اور امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ ذکور کے حق میں سنت اور اناث کے حق میں مندوب ہے، چنانچہ مسند احمد کی روایت میں ہے: الْخِتَانُ سُنَّةٌ لِلرِّجَالِ، مَكْرُمَةٌ لِلنِّسَاءِ [1]۔

قَالَ: مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، وَقَالَ دَاوُدُ: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ: اس جملہ کی تشریح یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں مصنف کے دو استاذ ہیں موسیٰ اور داود، دونوں کی سند سلمۃ بن محمد تک تو برابر ہے لیکن اس سے آگے سند کیسے ہے اس میں اختلاف ہو گیا وہ یہ کہ موسیٰ کی روایت میں اس کے بعد صرف عَنْ أَبِيهِ ہے اس کے بعد ذکر صحابی نہیں ہے لہذا روایت مرسل ہوگی، اور داود کی روایت میں سلمۃ بن محمد کے بعد عَنْ أَبِيهِ نہیں ہے بلکہ صرف عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ ہے اس صورت میں یہ روایت مرسل تو نہ ہوگی کیونکہ صحابی مذکور ہے لیکن منقطع ہو جائے گی اس لئے کہ سلمہ کا سماع عمار سے ثابت نہیں ہے، حاصل یہ کہ موسیٰ کی

[1] مسند أحمد - مسند البصريين - حديث أسامة الهذلي ٢٠٧١٩

روایت مرسل ہے اور داود کی روایت منقطع ہے۔

تشریح سند میں دو قول: حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں اس مقام کی اسی طرح تشریح فرمائی ہے، لیکن حضرت شیخؒ نے حاشیۂ بذل[1] میں لکھا ہے کہ ابن رسلان شارح ابوداؤد کی رائے یہ ہے کہ عمار کا ذکر تو دونوں سند میں ہے، لیکن عَنْ أَبِيهِ کا اضافہ صرف موسیٰ کی روایت میں ہے داود کی روایت میں نہیں ہے موسیٰ کی سند اس طرح ہے عن سلمة بن محمد عن ابیه عن عمار اور داؤد کی سند اس طرح ہے: عن سلمة بن محمد عن عمار، اس تشریح کے مطابق موسیٰ کی روایت میں کوئی اشکال نہ ہوگا، وہ مرفوع متصل ہوگی مرسل نہ ہوگی، اور داؤد کی روایت البتہ حسب سابق منقطع رہے گی، احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت نے بذل میں سلمة بن محمد کے ترجمہ میں تہذیب التہذیب کی جو عبارت نقل فرمائی ہے وہ ابن رسلان کی تشریح کے زیادہ موافق ہے، خوب سمجھ لیجئے۔

قال ابوداؤد کی تشریح: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ نَحْوُهُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: اب یہاں سے مصنفؒ بعض روایات تعلیقاً بیان کرتے ہیں، اور مقصود ان تعلیقات کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ خصال فطرت کی تعیین میں روایات میں جو اختلاف ہے وہ سامنے آجائے، ان تعلیقات میں سب سے پہلے ابن عباسؓ کی حدیث موقوف ہے جس کے پورے الفاظ مصنفؒ نے یہاں ذکر نہیں فرمائے، پورے الفاظ اس کے تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق اس طرح ہیں خَمْسٌ فِي الرَّأْسِ وَخَمْسٌ فِي الْجَسَدِ فِي الرَّأْسِ قَصُّ الشَّارِبِ وَالْمَضْمَضَةُ وَالِاسْتِنْشَاقُ وَالسِّوَاكُ وَفَرْقُ الرَّأْسِ وَفِي الْجَسَدِ تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَالْخِتَانُ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَغَسْلُ أَثَرِ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ بِالْمَاءِ[2] یعنی دس چیزوں میں سے پانچ کا تعلق راس سے ہے اور وہ پانچ وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں اور باقی پانچ کا تعلق سر کے علاوہ باقی بدن سے ہے البتہ ابن عباسؓ نے إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ کے بجائے فرق کو ذکر کیا ہے، فرق مقابل ہے سدل کا جس کا مطلب یہ ہے کہ سر کے بالوں کے دو حصے کرکے مانگ نکالنا، اس کی تفصیل کتاب اللباس میں آئے گی۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ نَحْوُ حَدِيثِ حَمَّادٍ: یہاں پر حماد سے وہ حماد مراد ہیں جو حدیث عمار کی سند میں اوپر مذکور ہیں یہ تین تعلیقات ہیں ایک طلق بن حبیب کی، دوسری مجاہد کی، تیسری بکر بن عبد اللہ المزنی کی۔

قوله: قَوْلُهُمْ: یعنی ان لوگوں نے ان روایات کو مرفوعاً نہیں ذکر کیا بلکہ موقوفاً بیان کیا ہے۔

قوله: وَلَمْ يَذْكُرُوا إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ: اور ان تینوں روایات میں بھی إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ کا ذکر نہیں ہے جس طرح ابن عباسؓ کی روایت میں نہ تھا، آگے فرماتے ہیں کہ البتہ ابوہریرہؓ کی ایک حدیث مرفوع میں إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ مذکور ہے۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١٣٤

[2] تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ٤٩

قولہ: وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، نَحْوَهُ: یہ چوتھا اثر ہے، مصنفؒ کہتے ہیں کہ اس میں بھی إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ مذکور ہے۔

روایات الباب کی تعیین اور ان کا خلاصہ: سو حاصل یہ ہوا کہ مصنفؒ نے اولاً اس باب میں حدیث عائشہ وعمار کو ذکر کیا، اس کے بعد ابن عباس کی حدیث موقوف تعلیقاً لائے پھر اس کے بعد تین آثار لائے، اثر طلق ومجاہد وبکر، پھر اس کے بعد حدیث ابوہریرہ مرفوعاً کو تعلیقاً ذکر فرمایا اور اسکے بعد اخیر میں اثر نخعی کو لائے، اب اس مجموعہ میں تین حدیث تو مرفوع ہوئیں اور ایک حدیث موقوف یعنی ابن عباسؓ کی اور چار آثار تابعین، کل آٹھ روایات ہو گئیں، جن میں سے چار میں إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ مذکور ہے اور باقی چار میں نہیں ہے، اور ان تمام روایات میں خصال فطرت کی مجموعی تعداد ایک صورت میں بارہ اور ایک صورت میں تیرہ ہو گی جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ مصنفؒ نے طلق کی روایت شروع باب میں مسنداً ذکر فرمائی ہے جس کے راوی مصعب بن شیبہ ہیں، وہ روایت تو ہے مرفوع، اور دوسری روایت طلق کی وہ ہے جس کو یہاں تعلیقاً ذکر کر رہے ہیں، اور یہ موقوف ہے، مصنفؒ نے روایت طلق کا اختلاف تو ذکر فرمایا لیکن ان میں سے کسی ایک کی ترجیح سے تعرض نہیں کیا بلکہ سکوت فرمایا ہے۔

امام نسائی اور امام ابو داؤد کی رائے میں اختلاف: البتہ امام نسائیؒ نے طلق کی روایت مرفوعہ کو جس کے راوی مصعب ہیں ذکر کرنے کے بعد طلق کی روایت موقوفہ [1] جس کے راوی سلیمان تیمی ہیں، اس کو ترجیح دی ہے اور فرمایا وَمُصْعَبٌ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ [2]، تو گویا امام نسائیؒ اور امام ابوداؤدؒ کی تحقیق میں اختلاف ہو گیا، مصنفؒ کے نزدیک بظاہر دونوں صحیح ہیں اور امام نسائیؒ کے نزدیک صرف روایت موقوفہ لیکن اس میں امام مسلمؒ امام ابوداؤدؒ کے ساتھ ہیں، اس لئے کہ امام مسلمؒ نے بھی طلق کی روایت مرفوعہ کی اپنی صحیح مسلم میں تخریج فرمائی، جس کی وجہ یہ ہے کہ مصعب امام مسلمؒ کے نزدیک ثقہ ہیں جیسا کہ علامہ زیلعیؒ کے کلام سے اس باب کے شروع میں گزر چکا ہے بذل میں بھی حضرتؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے [3]۔

٣٠ - بَابُ السِّوَاكِ لِمَنْ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ

رات میں اُٹھنے والے شخص کیلئے مسواک کرنے کا بیان

٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، وَحُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ».

---

[1] بلکہ مقطوع اسلئے کہ طلق تابعی ہیں انہوں نے اس حدیث کو اپنی طرف سے ذکر کیا ہے کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں کیا ہے ففی النسائی حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ طَلْقًا يَذْكُرُ: "عَشْرَةٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: السِّوَاكُ، وَقَصُّ الشَّارِبِ الخ (سنن النسائی- کتاب الزینۃ- باب من السنن الفطرۃ ٥٠٤١) ١٢۔

[2] سنن النسائی- کتاب الزینۃ- باب من السنن الفطرۃ ٥٠٤٢

[3] بذل المجهود في حل أبي داود- ج ١ ص ١٣٧-١٣٨

ترجمہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس رات کو بیدار ہوتے تو مسواک سے اپنے دانتوں کو رگڑتے۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (٢٤٣) صحيح البخاري - الجمعة (٨٤٩) صحيح البخاري - الجمعة (١٠٨٥) صحيح مسلم - الطهارة (٢٥٥) سنن النسائي - الطهارة (٢) سنن النسائي - قيام الليل وتطوع النهار (١٦٢١) سنن النسائي - قيام الليل وتطوع النهار (١٦٢٢) سنن النسائي - قيام الليل وتطوع النهار (١٦٢٣) سنن النسائي - قيام الليل وتطوع النهار (١٦٢٤) سنن أبي داود - الطهارة (٥٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٢٨٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٨٢/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٩٠/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٩٧/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٠٢/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٠٧/٥) سنن الدارمي - الطهارة (٦٨٥)

شرح الحدیث قوله: يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ: يَشُوصُ بمعنی یدلك یعنی اپنے منہ کو مسواک سے رگڑتے تھے، یا بمعنی یغسل اور تیسری تفسیر اس کی ینقی ہے تنقیۃ سے، بمعنی صاف کرنا یعنی آپ ﷺ جب رات میں اٹھتے تھے تو مسواک کے ذریعہ اپنے منہ کو صاف کرتے تھے، یہ روایت مطلق ہے مسلم شریف کی روایت میں ہے إِذَا قَامَ لِيَتَهَجَّدَ یعنی آپ جب رات میں نماز تہجد کے لئے اٹھتے، مصنفؒ نے چونکہ ترجمہ کو بھی مطلق رکھا ہے اس لئے اسکی مناسبت سے حدیث بھی مطلق ہی لائے اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو عام رکھا جائے، یعنی جو شخص رات میں بیدار ہو اور اٹھے خواہ اس کا ارادہ نماز پڑھنے کا ہو یا نہ ہو اس کے لئے مسواک مستحب ہے، چنانچہ یہ پہلے آچکا کہ فقہاء نے بھی عند القیام من النوم مسواک کو مستحب لکھا ہے۔

٥٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ، عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوضَعُ لَهُ وَضُوءُهُ وَسِوَاكُهُ، فَإِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ تَخَلَّى ثُمَّ اسْتَاكَ».

ترجمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کیلئے وضو کا پانی اور مسواک (مقررہ جگہ پر) رکھی جاتی جب آپ ﷺ رات کو بیدار ہوتے تو قضائے حاجت فرما کر مسواک فرماتے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (٥٦) سنن ابن ماجه - إقامة الصلاة والسنة فيها (١١٩١).

٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أُمِّ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ، فَيَسْتَيْقِظُ إِلَّا تَسَوَّكَ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ»

ترجمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ دن یا رات میں جب بھی بیدار ہوتے تو وضو سے پہلے مسواک فرماتے۔

شرح الحدیث عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أُمِّ مُحَمَّدٍ: علی بن زید ام محمد کے ربیب ہیں، وہ اپنی سوتیلی ماں ام محمد سے روایت کر رہے ہیں۔

٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "بِتُّ لَيْلَةً عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهِ، أَتَى

طَهُورَهُ فَأَخَذَ سِوَاكَهُ فَاسْتَاكَ، ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَاتِ: {إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ} حَتَّى قَارَبَ أَنْ يَخْتِمَ السُّورَةَ - أَوْ خَتَمَهَا - ثُمَّ تَوَضَّأَ فَأَتَى مُصَلَّاهُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى فِرَاشِهِ فَنَامَ مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى فِرَاشِهِ فَنَامَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى فِرَاشِهِ فَنَامَ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ كُلُّ ذَلِكَ، يَسْتَاكُ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ". قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، قَالَ: فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ، وَهُوَ يَقُولُ: «{إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ}» حَتَّى خَتَمَ السُّورَةَ.

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات آپ ﷺ کے پاس گزاری جب آپ ﷺ اپنی نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے وضو کیلئے رکھے گئے پانی کے پاس تشریف لے گئے پھر آپ ﷺ نے مسواک لے کر، مسواک فرمائی اور ان آیات کی تلاوت فرمائی اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [1] الخ، راوی کہتا ہے کہ سورت کے اختتام کے قریب تک آپ ﷺ نے تلاوت فرمائی یا اس سورت کو ختم فرمایا تھا، پھر حضور ﷺ نے وضو فرمایا پھر آپ ﷺ نے اپنے مصلّے پر تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی پھر آپ ﷺ اپنے بستر کی طرف لوٹ گئے اور نیند فرمائی پھر آپ ﷺ بیدار ہو گئے پھر آپ ﷺ نے وہی پہلے جیسے افعال فرمائے پھر آپ ﷺ بستر کی طرف لوٹ گئے اور تھوڑی دیر نیند فرمائی پھر آپ ﷺ بیدار ہو گئے اور اسی طرح گزشتہ افعال فرمائے پھر آپ ﷺ تیسری بار اپنے بستر کی طرف لوٹ گئے اور نیند فرمائی پھر آپ ﷺ بیدار ہوئے اور اسی طرح گزشتہ افعال فرمائے ہر دفعہ آپ ﷺ مسواک فرما کر دو رکعات نماز ادا فرماتے پھر آپ ﷺ نے وتر ادا فرمائے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابن فضیل نے حصین سے اس روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسواک فرمائی اور وضو فرمایا اس دوران جناب رسول اللہ ﷺ نے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے سورۃ کے ختم تک رکوع کی تلاوت فرمائی۔

تخریج صحيح البخاري - العلم (١١٧) صحيح البخاري - الوضوء (١٣٨) صحيح البخاري - الوضوء (١٨١) صحيح البخاري - الأذان (٦٦٥) صحيح البخاري - الأذان (٨٢١) صحيح البخاري - الجمعة (٩٤٧) صحيح البخاري - الجمعة (١١٤٠) صحيح مسلم - الطهارة (٢٥٦) صحيح مسلم - صلاة المسافرين وقصرها (٧٦٣) سنن النسائي - التطبيق (١١٢١) سنن النسائي - قيام الليل وتطوع النهار (١٦٢٠) سنن النسائي - قيام الليل وتطوع النهار (١٧٠٤) سنن النسائي - قيام الليل وتطوع النهار (١٧٠٥) سنن أبي داود - الطهارة (٥٨) سنن ابن ماجه - إقامة الصلاة والسنة فيها (١٣٦٣) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٤٢/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٧٥/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٨٣/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٤١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٥٠/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٧٣/١) موطأ مالك - النداء للصلاة (٢٦٧)

شرح الحدیث حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور ﷺ کے پاس رہ کر گزاری، یہ اس رات کا

---

[1] بے شک آسمان اور زمین کا بنانا اور رات اور دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے (سورۃ آل عمران ١٩٠)

قصہ ہے جب کہ آپ ﷺ ابن عباسؓ کی خالہ حضرت میمونہؓ کے یہاں تھے، چنانچہ روایات میں آتا ہے بِتُّ لَیْلَةً عِنْدَ خَالَتِي مَیْمُونَةَ[1] حضرت میمونہؓ ابن عباسؓ کی خالہ اس طرح ہیں کہ ابن عباس کی والدہ ام الفضل بنت الحارث حضرت میمونہ بنت الحارث کی بہن ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے حضور ﷺ کے پاس رہ کر کیوں رات گزاری تھی؟ وہ اس لئے کہ انہوں نے یہ چاہا کہ جس طرح آپ ﷺ کے دن کے اعمال وعبادات ہمیں معلوم ہوتے رہتے ہیں اسی طرح آپ کے شب کے معمولات استراحت اور عبادت معلوم ہوجائیں اس لئے انہوں نے پوری رات آپ کے پاس بیدار رہ کر گزاری، غور کا مقام ہے! حضرت ابن عباسؓ کی اس وقت عمر ہی کیا تھی کمسن تھے، اس لئے کہ حضور ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر تقریباً بارہ سال تھی، اور اس کم عمری کے باوجود طلب علم اور تحصیل علم کے شوق کا یہ عالم تھا۔ من طلب العلی سھر اللیالی

قولہ: ثُمَّ أَوْتَرَ: یعنی "اوتر بثلث" جیسا کہ ابواب قیام اللیل میں اسکی تصریح ہے، یہ حدیث تو دراصل تہجد کی روایت ہے اسی لئے مصنفؒ تہجد کے ابواب میں اس کو لائیں گے چونکہ اس روایت میں مسواک عند الوضو کا ذکر تھا اس لئے مصنفؒ یہاں مسواک کی مناسبت سے لائے۔

مبیت ابن عباسؓ والی روایت میں تخلل نوم بین الرکعات: اس روایت میں تہجد کی مع وتر کے کل نو رکعات مذکور ہیں، نیز اس روایت میں ایک نئی سی بات تخلل نوم بین الرکعات مذکور ہے یعنی یہ کہ آپ ﷺ نے اس شب میں تہجد کی نماز مسلسل ادا نہیں فرمائی بلکہ ہر دو رکعت کے بعد استراحت فرماتے اور ہر مرتبہ وضو مسواک فرما کر اس طرح متعدد مرتبہ میں تہجد کو پورا کیا، حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث بخاری شریف میں دسیوں جگہ ہے اور بخاری کی کسی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے ہر دو رکعت کے بعد آرام فرمایا ہو اور بار بار وضو فرمایا ہو، لہذا اس روایت کو مشہور روایات کے خلاف ہونے کی بناء پر شاذ کہا جائیگا ابو داود کی یہ روایت اسی طریق اور سند سے مسلم شریف میں بھی ہے وہاں بھی اسی طرح تخلل نوم واقع ہوا ہے، اسی لئے امام نوویؒ اور قاضی عیاضؒ دونوں نے اس روایت پر کلام کیا ہے، امام نوویؒ نے فرمایا کہ اس روایت میں دو باتیں خلاف مشہور ہیں: ایک تخلل نوم، دوسرے تعداد رکعات، اس لئے کہ بیت ابن عباس والی روایات میں مشہور گیارہ یا تیرہ رکعات ہیں، اور یہاں پر صرف نو رکعات ہیں اسی طرح دار قطنی نے مسلم شریف کی جن روایات پر نقد کیا ہے یہ روایت بھی ان میں شامل ہے اور فتح الباری میں حافظ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، مگر بذل[2] میں حضرت سہارنپوریؒ نے امام نوویؒ وغیرہ کے اس نقد کو تسلیم نہیں فرمایا ہے، میرے خیال میں شراح کا اشکال اور نقد

[1] صحیح مسلم — کتاب صلاة المسافرین وقصرها — باب الدعاء فی صلاة اللیل وقیامه ۷٦۳

[2] بذل المجهود فی حل أبي داود — ج ۱ ص ۱٤٤

صحیح ہے، اور اس اختلاف روایت کو تعدد واقعہ پر محمول کرنا اس وجہ سے مشکل ہے کہ یہ ساری گفتگو بیت ابن عباس والی حدیث [1] میں ہو رہی ہے مطلق صلوۃ اللیل میں نہیں ہو رہی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ بیت ابن عباس کے قصہ میں تعدد نہیں ہے وہ صرف ایک ہی بار پیش آیا، کما قال الحافظ رحمہ اللہ۔

جاننا چاہئے کہ اس واقعہ میں بار بار وضو اور مسواک کا تذکرہ ہے، لیکن مسواک وضو کے ساتھ مذکور ہے عین قیام الی الصلوۃ کے وقت مذکور نہیں، فتأمل۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ حُصَيْنٍ: حصین اوپر سند میں آچکے ہیں وہاں پر ان کے شاگرد ہشیم تھے، اب مصنف فرمار ہے ہیں کہ اس روایت کو حصین سے جس طرح ہشیم روایت کرتے ہیں اسی طرح محمد بن فضیل بھی روایت کرتے ہیں اور دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ ہشیم کی روایت میں شک کے ساتھ آیا تھا حَتّٰى قَارَبَ أَنْ يَخْتِمَ السُّورَةَ - أَوْ خَتَمَهَا - یہاں ابن فضیل کی روایت میں بغیر شک کے ہے حَتّٰى خَتَمَ السُّورَةَ۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قُلْتُ: لِعَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ؟ قَالَتْ: «بِالسِّوَاكِ» [2]

حضرت عائشہؓ سے سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ جب اپنے حجرہ میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے مسواک فرماتے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت: اس حدیث کو بظاہر ترجمۃ الباب سے کوئی مطابقت نہیں ہے، اس لئے کہ ترجمہ ہے سواک لمن قام باللیل اور اس حدیث میں قیام لیل کا کوئی ذکر نہیں ہے بذل میں اسکا جواب تحریر فرمایا ہے کہ قلمی اور مصری نسخوں میں یہ حدیث یہاں پر نہیں ہے، لہذا اس حدیث کو یہاں ذکر کرنا ناسخین کا تصرف ہے، یہ حدیث یہاں ہونی ہی نہیں چاہئے، اور اگر اسکا یہاں ہونا تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ ہمارے نسخہ میں ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ مطابقت بطریق العموم ہے یعنی آپ کا گھر میں داخل ہونا عام ہے کہ دن میں ہو یا رات میں، لہذا ہو سکتا ہے کہ آپ رات میں بیدار ہو کر گھر میں داخل ہوں تو اس وقت جو یہ مسواک ہوگی اس پر سواک لمن قام باللیل صادق آئے گا، بخاری شریف کے تراجم

---

[1] اس حدیث اور قصہ کے علاوہ نسائی ص ۲۴۲ پر ایک روایت میں یعلی بن مملک کی حدیث ام سلمہ سے اور اسی طرح حمید بن عبد الرحمن بن عوف کی روایت صحابی مبہم سے ہے، ان دونوں میں تخلل نوم بین الرکعات موجود ہے، لہذا اب یوں کہا جائیگا کہ فی نفسہ آپ ﷺ سے تخلل نوم بین رکعات التهجد احیانا ثابت ہے، البتہ بیت ابن عباسؓ والی روایت میں صحیح عدم تخلل نوم ہے، بیت ابن عباسؓ والی جو روایات سنن ابو داود میں آئندہ ابواب صلوۃ اللیل میں آرہی ہیں، بعض میں تخلل نوم ہے اور بعض میں نہیں، لیکن جن میں نہیں ہے انکو ترجیح اس لئے ہوگی کہ وہ روایات بخاری کی روایات کے مطابق ہیں۔

[2] محمد محيي الدين عبد الحميد کی تحقیق سے شائع ہونے والے نسخہ میں یہ حدیث یہاں نہیں بلکہ بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَسْتَاكُ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ میں برقم ۵۱ موجود ہے۔ لیکن بذل ج ۱ ص ۱۴۵ میں یہ حدیث اس باب کے اختتام پر موجود ہے۔

میں بعض موقعوں پر مطابقت اس طریقہ پر بھی ثابت کیجاتی ہے یعنی مطابقة بالعموم وبكل المحتمل، لیکن اس توجیہ کی صحت موقوف ہے اس بات پر کہ حضور ﷺ کا حالت حضر میں خارج بیت رات گزارنا ثابت ہو، ایک تیسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مطابقة بالاولویة ہو وہ اس طور پر کہ جب آپ ﷺ کی شان یہ تھی کہ جب بھی گھر میں داخل ہوتے مسواک فرماتے خواہ نماز پڑھنی ہو یا نہ ہو تو اب ظاہر ہے کہ جب رات میں بیدار ہوں گے اور نماز کا ارادہ فرمائیں گے تو اس وقت مسواک بطریق اولی فرمائیں گے یہ جواب صاحب غاية المقصود نے لکھا ہے۔

۳۱۔ بَابُ فَرْضِ الْوُضُوءِ

وضو کی فرضیت کا بیان

اس سے پہلے باب السواک کے ذیل میں اس باب کا حوالہ اور تذکرہ آچکا ہے، وضو کو غسل پر مقدم کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ وضو بنسبت غسل کے کثیر الوقوع ہے، ترجمۃ الباب یعنی فرض الوضوء کے لفظوں کے اعتبار سے دو مطلب ہو سکتے ہیں، اول وضو کی فرضیت کا اثبات اور یہی مقصود ہے، دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے "فرض الوضو" بمعنی "فرائض الوضو" یعنی وضو کے اندر کتنی چیزیں فرض ہیں، مگر یہاں پر یہ معنی مراد نہیں ہیں۔

فرض کے لغوی معنی تقدیر اور تعیین کے ہیں یعنی کسی چیز کی مقدار وغیرہ متعین کرنا، اصطلاح فقہاء میں فرض اس حکم کو کہتے ہیں جس کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہے، یہ نہیں کہ جس کا نفس ثبوت دلیل قطعی سے ہو اسلئے کہ بہت سی مستحب بلکہ مباح چیزیں ایسی ہیں جن کا نفس ثبوت دلیل قطعی سے ہے، جیسے وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا [1] وغیرہ وغیرہ، یہاں پر تین بحثیں ہیں: ① وضو کا ماخذ اشتقاق، ② ابتداء مشروعیت، ③ سبب وجوب، وضو مشتق ہے وضاءۃ سے، وضاءۃ کے معنی حسن ونظافت کے ہیں، اور شرعی معنی اس کے معلوم ہیں محتاج بیان نہیں۔

وضوء کی فرضیت کب ہوئی؟ جمہور کی رائے ہے کہ وضو کی فرضیت نماز کے ساتھ ہوئی اور آپ ﷺ سے کبھی کوئی نماز بغیر وضو پڑھنا ثابت نہیں، نہ مکہ میں نہ مدینہ میں، البتہ ابن الجہم ایک عالم ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں وضوء کا درجہ سنت کا تھا، فرضیت بعد میں ہوئی جب وضو کی فرضیت عند الجمہور فرضیت صلوۃ کے ساتھ ہوئی تو اشکال ہو گا کہ آیت وضو تو مدنی ہے، جب کہ نماز کی فرضیت مکہ میں قبل الہجرۃ ہو چکی تھی، اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ وضو کی فرضیت تو اسی وقت ہو چکی تھی، باقی آیت وضو کا نزول بعد میں صرف تاکید کیلئے ہوا ہے۔ فلا اشکال

وضوء کا سبب وجوب: ایک بحث یہاں پر یہ ہے کہ وضو کا سبب وجوب کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ

---

[1] اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر لو (سورۃ المآئدۃ ۲)

شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک راجح قول کی بنا پر اس کا سبب وجوب قیام الی الصلوۃ بشرط الحدث ہے اور ظاہریہ کے نزدیک سبب وجوب مطلق قیام الی الصلوۃ ہے اسی لئے ان کے یہاں ہر نماز کیلئے وضو کرنا ضروری ہے پہلے سے حدث ہو یا نہ ہو جمہور کی دلیل اس باب کی حدیث ثانی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کا حکم حدث کے وقت ہے مطلقاً نہیں ہے۔

٥٩ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لَا يَقْبَلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ صَدَقَةً مِنْ غُلُولٍ، وَلَا صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ».

ترجمہ: ابو الملیح اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ پاک مال حرام سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں فرماتے اور بغیر طہارت حاصل کیے کوئی نماز بھی قبول نہیں فرماتے۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٥٩) سنن الدارمي - الطهارة (٦٨٦)

شرح الحدیث قوله: عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ، عَنْ أَبِيهِ: ابو الملیح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ابو الملیح کا نام عامر یا زید ہے ان کے والد کا نام اسامہ ہے، لہذا اس حدیث کے راوی اسامہ ہوئے، اس حدیث میں دو جزء ہیں جزء اول کا تعلق صدقہ سے ہے جزء ثانی کا نماز اور طہارت سے ہے، مصنف کا مقصود جزء ثانی ہے۔

قوله: غُلُولٍ: بضم الغین ہے جس کے مشہور معنی مال غنیمت میں خیانت کے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا استعمال مطلق خیانت میں بھی ہوتا ہے، قول اول کی بنا پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ مال غنیمت کے خیانت کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ غنیمت کی قید آپ نے مناسبت مقام کی وجہ سے لگائی ہے یعنی جس موقعہ پر آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی ہو اس کا تقاضا یہی ہو کہ مال غنیمت کا حکم بیان کیا جائے، یا دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب مال غنیمت میں خیانت کرنا حرام ہے، جس میں آدمی کا خود اپنا حصہ بھی ہوتا ہے تو دوسرے کے مال میں خیانت کرنا بطریق اولیٰ حرام ہوگا، گویا یہ قید احترازی نہیں بلکہ اثبات الحکم بطریق الاولویۃ کیلئے ہے۔

صحت صلوۃ کیلئے طہارت کا شرط ہونا: قوله: وَلَا صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ: صلوۃ نکرہ تحت النفی ہے یعنی کوئی بھی نماز فرض ہو یا نفل وہ بغیر طہارت کے قبول نہیں ہے، اس میں اختلاف ہے کہ صلوۃ کے عموم میں صلوۃ جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی داخل ہے یا نہیں، جمہور علماء ائمہ اربعہ کے یہاں دونوں داخل ہیں، شعبی اور محمد بن جریر طبری کے نزدیک دونوں داخل نہیں ہیں، اور حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک صلوۃ جنازہ داخل ہے، سجدۂ تلاوت داخل نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحت صلوۃ کیلئے طہارت شرط ہے اور طہارت کی دو قسمیں ہیں طہارت عن الحدث اور طہارت عن الخبث لہذا دونوں قسم کی طہارت کا حاصل ہونا ضروری ہوگا، طہارت عن الحدث میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ طہارت عن الخبث میں امام مالکؒ کا اختلاف مشہور ہے انکے نزدیک ثوب مصلی یا بدن مصلی کا نجاست سے پاک ہونا ایک قول میں سنت

ایک قول میں واجب ہے شرط صحت نہیں ہے، پس یہ حدیث اس معاملہ میں جمہور کے حجت ہو سکتی ہے اور مالکیہ کے خلاف۔ ولم ار من نبه على ذلك۔

قبول کے معنی کی تحقیق اوراحادیث میں اسکامختلف معنی میں استعمال: یہاں پر ایک چیز تحقیق طلب یہ ہے کہ لفظ قبول کے معنی حقیقی کیا ہیں؟ اور یہاں کیا مراد ہے، اسلئے کہ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ شارب خمر کی نماز قبول نہیں ہوتی، حالانکہ اسکی نماز سب کے نزدیک صحیح ہو جاتی ہے، اور ایک دوسری روایت میں ہے لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ [1] یعنی بالغہ عورت کی نماز بغیر ستر راس کے قبول نہیں ہے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ عورت کی نماز بغیر ستر راس کے بالاتفاق صحیح نہیں ہے جب کہ شارب خمر کی نماز بالاتفاق صحیح ہے حالانکہ عدم قبول دونوں حدیثوں میں مذکور ہے، جواب یہ ہے کہ قبول کا استعمال دو معنی میں ہوتا ہے۔

① "كون الشئ بحيث يترتب عليه الرضاء والثواب" کسی فعل کا ایسا ہونا کہ جس پر خوشنودی اور ثواب مرتب ہو۔

② "كون الشئ مستجمعاً للشرائط والاركان" کسی عمل کا تمام ارکان وشرائط کو جامع ہونا۔

اصحاب درس قبول بالمعنی الاول کو قبول اثابۃ اور قبول بالمعنی الثانی کو قبول اجابت سے تعبیر کرتے ہیں [2]، حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اول معنی قبول کے حقیقی ہیں اور ثانی معنی مجازی، قبول اثابت کا حاصل یہ ہے کہ ثواب اور انعام کا مستحق ہونا، اور قبول اجابت کا حاصل ہے صحت، لہذا قبول اثابت کی نفی کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ عمل قابل ثواب وانعام نہیں، گو صحیح ہو جائے، اور قبول اجابت کی نفی کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ عمل صحیح ہی نہیں ہے چہ جائیکہ قابل انعام ہو، اس حدیث میں ظاہر ہے کہ قبول سے قبول اثابت مراد نہیں [3] ہے بلکہ قبول اجابت مراد ہے اسلئے کہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہے، گو قبول کے یہ معنی مجازی ہیں مگر اجماع اس کا قرینہ ہے اور شارب خمر والی حدیث میں قبول سے قبول اثابت مراد ہے کہ شارب خمرؒ کی نماز چالیس روز تک قبول نہیں ہوتی گو صحیح ہو جاتی ہے، اور خمار والی حدیث میں قبول اجابت مراد ہے، غرضیکہ قبول تو دونوں معنی میں مستعمل ہوتا ہے لیکن کسی ایک معنی کی تعیین قرائن پر موقوف ہوگی جس معنی کا قرینہ ہوگا اسی کو اختیار کیا جائے گا۔

---

① سنن أبي داود - كتاب الصلاة - باب المرأة تصلي بغير خمار ٦٤١

② قلت وهكذا اختاره في البذل وعكسه في درس ترمذي لكنه كتب قبول الاصابة بالصاد لا الثاء۔

③ اسلئے کہ قبول بالمعنی الاول یعنی قبول اثابت باعتبار مفہوم کے خاص ہے اور قبول بالمعنی الثانی یعنی قبول اجابت عام ہے اور خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں ہوتی البتہ اسکا برعکس ہے یعنی نفی عام نفی خاص کو مستلزم ہوتی ہے سو اگر حدیث میں معنی اول مراد لئے جائیں تو اس سے بدون طہارت کے عدم صحت صلوۃ مستفاد نہ ہوگا جو خلاف اجماع ہے لہذا احادیث میں معنی ثانی متعین ہیں جو کہ عام ہیں تو چونکہ عام کی نفی مستلزم ہوتی ہے خاص کی نفی کو تو اسلئے اس سے مستفاد ہوگا، کہ بدون طہارت کے نماز نہ صحیح ہوتی ہے اور نہ موجب ثواب، اس صورت میں ہر دو قبول کی نفی ہو جائے گی، اور یہی مقصود بھی ہے۔

مسئلہ فاقد الطہورین: یہاں پر ایک مسئلہ اور بیان کیا جاتا ہے جس کا نام ہے مسئلۂ فاقد الطہورین یعنی اگر کسی شخص کے پاس پاک پانی اور پاک مٹی دونوں نہ ہوں تو اب وہ کیا کرے؟ اسی حالت میں نماز پڑھے یا نہ پڑھے، مسئلہ بہت مشہور ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عدم اہلیت کی وجہ سے ایسے شخص سے نماز ساقط ہو جائے گی، اور جب اداء ساقط تو قضاء کا کوئی سوال نہیں اس لئے کہ وجوب قضاء تو فرع ہے وجوب اداء کی، اور امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ ایسے شخص پر فی الحال بغیر طہارت ہی کے نماز پڑھنا واجب ہے اسلئے کہ وہ اسی پر قادر ہے اور حدیث میں ہے وإذا أمرتكم بشيء فافعلوا منه ما استطعتم [1] کہ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم کروں تو حسب استطاعت اسکو بجالاؤ اور یہاں اس شخص میں بغیر طہارت ہی بجالانے کی استطاعت ہے، لہٰذا فی الحال بغیر طہارت ہی نماز اداء کرے اور بعد میں قاعدہ کے مطابق طہارت کے ساتھ اسکی قضاء کرے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسی حالت میں نماز پڑھ لے جسکی اس میں استطاعت ہے، یعنی فی الحال اس سے زائد پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے اسکی نماز معتبر ہو جائے گی، اور بعد میں قضاء کی حاجت نہیں شافعیہ میں سے مزنی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اسی کو امام نوویؒ نے از روئے دلیل قوی قرار دیا ہے، احناف کے یہاں اسکے برعکس ہے یعنی فی الحال عدم اہلیت کی وجہ سے نہ پڑھے اور حصول طہارت کے بعد جب اہلیت ہو جائے تو قضاء ضروری ہے۔

سو حاصل یہ ہوا کہ امام مالکؒ کے یہاں نہ اداء ہے نہ قضاء اور امام شافعیؒ کے نزدیک اداء اور قضاء دونوں واجب ہیں امام احمدؒ کے نزدیک صرف اداء دون القضاء اور حنفیہ کے یہاں صرف قضاء دون الاداء، ان مذاہب اربعہ کو ہمارے استاذ محترم مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے نظم فرمادیا ہے

ع مالک بھی شافعی بھی ہیں احمد بھی اور ہم لالا، نعم نعم، ونعم لا ولا نعم

اس شعر میں حرف اول کا تعلق اداء سے ہے اور ثانی کا قضاء سے، اب لالا کے معنی ہوئے لا اداء ولا قضاء، اور نعم نعم کا مطلب ہوا علیہ الاداء والقضاء۔

بغیر طہارت کے نماز پڑھنے کا حکم: جاننا چاہئے کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قصداً بغیر طہارت کے نماز پڑھنا حرام ہے فرض اور نفل کا کوئی فرق نہیں ہے، اگر کوئی شخص جان کر بلا طہارت نماز پڑھے تو وہ کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک پڑھنے والا گنہگار ہوگا لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں وہ کافر ہو جائیگا، لیکن میں کہتا ہوں کہ ہمارے یہاں تکفیر کا مسئلہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس صورت میں ہے جب کہ بطور استخفاف ایسا کرے یعنی نماز کو حقیر جان کر یا حکم شرعی کو حقیر سمجھ کر ایسا کرے اور اگر سستی اور کاہلی یا شرم وحیاء کی وجہ سے جیسے بعض مرتبہ سفر وغیرہ میں غسل جنابت میں اس کی نوبت آجاتی ہے تو اس صورت میں کفر لازم نہیں آئے گا۔

---

[1] فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (صحيح مسلم - كتاب الحج - باب فرض الحج مرة في العمر ١٣٣٧)

نیز جاننا چاہئے کہ ہمارا جو مذہب اوپر گزرا ہے وہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ تشبہ بالمصلین اختیار کرے، مزید کتب فقہ سے معلوم کیا جائے یہ شامی یا در مختار کا سبق نہیں ہے۔

حدیث الباب اور ایک جزئیہ فقہیہ میں تعارض کا جواب: حدیث کے جزء اول لَا يَقْبَلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ صَدَقَةً مِنْ غُلُولٍ کے ذیل میں حضرتؒ نے بذل [1] میں ایک فقہی مسئلہ جزئیہ بیان فرمایا ہے اس لئے کہ یہ حدیث بظاہر اسکے خلاف ہے، مسئلہ فقہیہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے لیا ہوا موجود ہو اور اس مال کو مالک یا اسکے ورثہ تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ ایسے مال کا تصدق واجب ہے نہ خود استعمال کرے نہ ضائع کرے بلکہ اسکو صدقہ کر دے اور حدیث یہ کہہ رہی ہے کہ مال حرام کا صدقہ اللہ کے یہاں قبول نہیں لہذا اس سے بچنا چاہئے اسکا ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں ایسے مال حرام کا ذکر نہیں جسکو اسکے مالک تک پہنچانا ممکن نہ ہو، یہ ایک نادر سی صورت ہے نوادر مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں فلا اشکال یا یوں کہا جائے کہ حدیث میں ممانعت اپنی جانب سے صدقہ کرنے کی ہے اور فقہاء کی غرض یہ نہیں ہے کہ تحصیل اجر و ثواب کیلئے اپنی جانب سے صدقہ کرے بلکہ مراد یہ ہے کہ مالک کی طرف سے صدقہ کیا جائے بغیر حصول اجر و ثواب کی نیت کے۔

٦٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ [2] بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ، حَتَّى يَتَوَضَّأَ».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ پاک تم میں سے کسی کی نماز بے وضو قبول نہیں فرماتے۔ یہاں تک کہ وہ پاکی حاصل کر لے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٣٥) صحيح البخاري - الحيل (٦٥٥٤) صحيح مسلم - الطهارة (٢٢٥) جامع الترمذي - الطهارة (٧٦) سنن أبي داود - الطهارة (٦٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٠٨/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣١٨/٢)

شرح الحدیث: یعنی آدمی کی نماز صحیح نہیں ہوتی جب اسکو حدث لاحق ہو جائے جب تک کہ وضو نہ کرے، اس حدیث کے عموم میں دو صورتیں داخل ہیں ایک یہ کہ نماز شروع کرنے سے پہلے حالت حدث ہو دوسرے یہ کہ نماز کے درمیان حدث لاحق ہو جائے ہر دو صورت کا حکم یکساں ہے کہ وضو کیا جائے، نیز یہ حدیث اپنے عموم کی بناء پر ابتداء اور بناء دونوں کو شامل ہے اور مسئلہ البناء مختلف فیہ ہے، جمہور علماء اس کے قائل نہیں ہیں حنفیہ قائل ہیں، نیز اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ وضو لکل صلوۃ واجب نہیں ہے۔ کما هو مسلك الجمهور۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١٤٧ - ١٤٩

[2] یہاں سنن کے نسخوں میں اختلاف ہے، محی الدین عبد الحمید کے نسخہ میں تو یہی ہے، لیکن شیخ عوامہؒ کے محقق نسخہ میں حدثنا أحمد بن محمد بن حنبل. الخ ہے (کتاب السنن - ج ١ ص ١٧٧)

حضرتؒ نے بذل[1] میں لکھا ہے کہ یہ حدیث آیت کریمہ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ[2] کی تفسیر ہے یعنی آیت میں اگرچہ حدث کا ذکر نہیں ہے بلکہ عند القیام الی الصلوۃ وضو کا ذکر ہے، لیکن یہ حدیث آیت کریمہ کی مراد بیان کر رہی ہے کہ قیام الی الصلوۃ کے وقت وضو کا حکم حدث کے وقت ہے ویسے نہیں، احقر کہتا ہے یہ حدیث تو اس معنی میں صریح ہے ہی جیسا کہ حضرت نے تحریر فرمایا ہے، باقی باب کی پہلی حدیث لاَ يَقْبَلُ اللهُ صَلاَةً بِغَيْرِ طُهُورٍ سے بھی یہ بات مستفاد ہو سکتی ہے اسلئے کہ تحصیل طہارت کا حکم مشعر ہے وجود حدث کو ورنہ اگر پہلے سے حدث نہ ہو تو اس وقت طہارت حاصل کرنا تحصیل حاصل ہے۔

٦١ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ».

ترجمہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز کی کنجی طہارت ہے اور تکبیر تحریمہ مباح کاموں کو حرام کرنے والی ہے اور سلام پھیرنے سے یہ حرام شدہ کام حلال ہو جاتے ہیں۔

تخریج جامع الترمذي – الطهارة (٣) سنن أبي داود – الطهارة (٦١) سنن ابن ماجه – الطهارة وسننها (٢٧٥) مسند أحمد – مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٣/١) مسند أحمد – مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٩/١) سنن الدارمي – الطهارة (٦٨٧)

شرح الحدیث اس حدیث میں تین جملے ہیں پہلے میں طہارت کا ذکر ہے، دوسرے میں تکبیر تحریمہ کا، تیسرے میں تسلیم صلوۃ کا، مگر مقصود عند المصنفؒ صرف پہلا جزء ہے، اس جملہ میں تشبیہ واستعارہ کو استعمال کیا گیا ہے، وہ اس طرح کہ حدث کو قفل کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور اسکی ضد یعنی طہارت کو مفتاح کے ساتھ گویا حدث آدمی کے حق میں دخول فی الصلوۃ کیلئے اس طرح مانع ہے جس طرح مکان میں داخل ہونے سے قفل مانع ہوتا ہے، اور جس طرح مقفل مکان میں بغیر مفتاح کے داخل ہونا ممکن نہیں، اسی طرح نماز میں بغیر طہارت کے داخل ہونا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ نیت فی الوضوء: نیز اس حدیث سے علماء احناف نے ایک اور اختلافی مسئلہ پر استدلال کیا وہ یہ کہ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ[3] کے پیش نظر نیت کو وضو میں فرض قرار دیتے ہیں اور احناف اس سے متفق نہیں ہیں، احناف کہتے ہیں وضو میں (دو حیثیتیں) ہیں، ایک عبادت ہونے کی اور ایک جواز صلوۃ کا آلہ اور مفتاح ہونے کی حیثیت سے، بقاعدہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ نیت ضروری ہے، اور مفتاح الصلوۃ ہونا نیت پر موقوف نہیں ہے، لہٰذا بغیر نیت کے جو وضو کیا

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود – ج ١ ص ١٥٢

[2] جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ اور ہاتھ (سورۃ المائدۃ ٦)

[3] صحيح البخاري – كتاب بدء الوحي – باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ١، صحيح مسلم كتاب الإمارة باب باب قوله صلى الله عليه وسلم: إنما الأعمال بالنية ١٩٠٧

جائے گا وہ مفتاح الصلوۃ تو ہو گا مگر موجب ثواب اور عبادت نہ ہو گا، لہٰذا احناف کا عمل ہر دو حدیث کے مطابق ہوا، کسی ایک حدیث کا اہمال لازم نہیں آیا۔

حدیث کی توضیح وتشریح: قولہ: وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ [1]: ضمیر راجع ہے صلوۃ کی طرف اور تحریم کی اضافت صلوۃ کی طرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے، ورنہ دراصل تحریم کا تعلق صلوۃ سے نہیں ہے بلکہ ان افعال سے ہے جو خارج صلوۃ میں مباح ہیں اور نماز میں آکر حرام ہو جاتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ جو امور نماز کی حالت میں حرام ہیں ان کی تحریم کا سبب تکبیر ہے، اس تحریم کا اصل سبب تو دخول فی الصلوۃ ہے لیکن چونکہ دخول فی الصلوۃ کا تحقق تکبیر سے ہوتا ہے اس لئے تحریم کی اضافت تکبیر کی طرف کی گئی یہ تو الفاظ حدیث اور ترکیب عبارت کے لحاظ سے تشریح ہے، اور مقصود متکلم کے لحاظ سے کہا جائے گا کہ اس کی مراد یہ ہے: دخول فی الصلوۃ کا ذریعہ صرف تکبیر ہے، اسی کے ذریعہ آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے، لہٰذا اس کلام میں مسبب کا استعارہ سبب کیلئے کیا گیا ہے، مسبب یعنی تحریم بول کر سبب یعنی دخول فی الصلاۃ مراد لیا ہے۔ وھذا غایۃ توضیح ھذا المقام وما اردت بہ الا التسھیل واللہ سبحانہ وتعالیٰ ولی التوفیق۔

دوسرا قول اس جملہ کی تشریح میں یہ ہے کہ تحریم بمعنی احرام، اور احرام کے معنی دخول فی حرمۃ الصلوۃ اس صورت میں عبارت میں کوئی مجاز یا استعارہ ماننے کی ضرورت نہیں اور مطلب بالکل واضح ہے یعنی نماز کی حرمت میں داخل ہونے کا طریقہ تکبیر ہے تکبیر کے ذریعہ آدمی حرمت صلوۃ میں داخل ہو سکتا ہے، یہ فقرہ دراصل جوامع الکلم میں سے ہے، آپ ﷺ کو فصاحت وبلاغت کا جو اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا یہ اسکا نمونہ ہے، علی ہذا القیاس اگلے جملے وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ کی تشریح ہے، یہاں بھی استعارہ مسبب کا سبب کیلئے کیا گیا ہے، خروج عن الصلوۃ سبب تحلیل ہے اور تحلیل اس کا مسبب ہے، سو یہاں بھی مسبب یعنی تحلیل بول کر سبب یعنی خروج عن الصلوۃ مراد لیا گیا ہے، پس مطلب یہ ہوا کہ نماز سے باہر آنے کا طریقہ صرف تسلیم ہے۔

تحریمہ میں دو مسئلے اختلافی: "تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ" میں دو مسئلے ہیں، ایک تحریمہ کا حکم، دوسرے ھل یجوز الافتتاح بغیر التکبیر؟ یعنی اللہ اکبر کے علاوہ کسی اور ذکر کے ذریعہ بھی نماز شروع کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سو جاننا چاہئے کہ اس پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تحریمہ فرض ہے، لیکن پھر اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ رکن کا درجہ ہے یا شرط کا، ائمہ ثلاثہ کے یہاں تو رکن ہے اور امام طحاویؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے، اور حنفیہ کے یہاں تحریمہ شرط ہے، رکن اور شرط کا فرق ظاہر ہے کہ رکن داخلی چیز ہوتی ہے اور شرط خارجی، حنفیہ کی دلیل آیت کریمہ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى [2] ہے

---

[1] تحریمھا التکبیر جو افعال فی حال الصلوۃ حرام ہیں ان کی تحریم کا سبب دخول فی الصلوۃ ہے لیکن چونکہ دخول فی الصلوۃ موقوف ہے تکبیر پر اسلئے تحریم کی نسبت تکبیر ہی کی طرف کر دی گئی، وھکذا قولہ وتحلیلھا التسلیم تو گویا حدیث میں تحریم جو کہ مسبب ہے بول کر سبب یعنی دخول فی الصلوۃ مراد لیا ہے۔ ۱۲

[2] اور لیا اس نے نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی (سورۃ الأعلیٰ ۱۵)

طریق استدلال آپ ھدایۃ وغیرہ پڑھ چکے ہیں کہ فاء تعقیب کیلئے ہوتی ہے، اور آیت میں ذکر اسم رب سے مراد تحریمہ ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر اسم رب یعنی تحریمہ کے بعد نماز شروع ہوتی ہے، لہذا تحریمہ نماز سے خارج شئی ہوئی، اور تیسرا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ صرف سنت ہے، لہذا دخول فی الصلوۃ بغیر تکبیر کے صرف نیت سے بھی ہو سکتا ہے، اس کے قائل زہری، اوزاعی، ابن علیہ اور ابو بکر اصم ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ افتتاح صلوۃ بغیر تکبیر کے صحیح ہے یا نہیں سو اس میں اختلاف یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تحریمہ کا تحقق بغیر تکبیر کے نہیں ہوتا اور طرفین کے نزدیک ہر ایسے لفظ اور ذکر سے نماز کا شروع کرنا جائز ہے، جو خالص باری تعالیٰ کی تعظیم پر دلالت کرے دعاء کے معنی اس میں نہ پائے جاتے ہوں، لہذا اللہ اجل، اللہ اعظم یا الرحمٰن اجل یا لا إله إلا اللہ، سبحان اللہ وغیرہ الفاظ سے نماز شروع کرنا جائز ہے، دلیل ابھی اوپر گزری ہے "وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى"۔ معلوم ہوا مطلق ذکر اس کیلئے کافی ہے، نیز تکبیر کے معنی تعظیم کے آتے ہیں، جیسے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ [1]، فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ [2] ای عظمنه [3] پس مطلق ذکر اسم رب تو فرض ہوا، اور خاص تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا یہ حضور ﷺ کی مواظبت اور حدیث بالا کی روشنی میں جو کہ اخبار احاد سے ہے واجب ہے، اور غیر تکبیر سے شروع کرنا مکروہ تحریمی ہے سو جس چیز کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے یعنی مطلق ذکر صرف اسی کو فرض کہا جائے گا، اور جس چیز کا ثبوت اخبار احاد سے ہے یعنی تکبیر اس کو واجب قرار دیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا پھر آپس میں اختلاف یہ ہو رہا کہ تکبیر کا مصداق کیا کیا الفاظ ہیں، امام مالکؒ وامام احمدؒ کے نزدیک تکبیر کا مصداق صرف لفظ اللہ اکبر ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اللہ اکبر اور اللہ الاکبر یعنی معرف باللام اور غیر معرف باللام دونوں ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا مصداق چار لفظ ہیں "اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ کبیر، اللہ الکبیر" وہ یوں کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں افعل اور فعیل کا فرق نہیں ہے بلکہ وہاں پر افعل بھی فعیل کے معنی میں ہے۔

تسلیم میں دو اختلاف ہیں: دوسرا مسئلہ تَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ میں ہے وہ یہ کہ تسلیم کا حکم کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں جس طرح تکبیر تحریمہ فرض ہے اسی طرح تسلیم بھی فرض ہے، بغیر اسکے نماز صحیح نہیں ہوگی، حنفیہ کہتے ہیں تسلیم واجب کا درجہ ہے فرض نہیں ہے، جمہور دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ "تعریف الحاشیتین یفید الحصر" کہ مسند مسند الیہ جب دونوں معرفہ ہوں تو حصر کا فائدہ دیتے ہیں تَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ میں بھی مسند مسند الیہ دونوں معرفہ ہیں، لہذا مطلب یہ ہوا کہ نماز

---

[1] اور اپنے رب کی بڑائی بول (سورۃ المدثر ۳)
[2] پھر جب دیکھا اس کو ششدر رہ گئیں (سورۃ یوسف ۳۱)
[3] أعظمنه (تفسیر جلالین ص ۲۳۹)

سے باہر آنے کا طریقہ تسلیم میں منحصر ہے یعنی بغیر اسکے نماز سے باہر آنا درست نہیں ہے، نیز وہ کہتے ہیں کہ جسطرح تحریمها التکبیر سے تکبیر کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے اسی طرح تحلیلها التسلیم سے تسلیم کی فرضیت کیوں نہیں مانتے؟ ہماری طرف سے اصولی جواب یہ ہے کہ خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی رہا مسئلہ تحریمہ کا سو اسکی فرضیت ہم اس حدیث سے ثابت نہیں کرتے ہیں بلکہ آیت کریمہ سے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

نیز ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہونے کے علاوہ ابن عقیل راوی کی وجہ سے ضعیف ہے، جنکے بارے میں کلام مشہور ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ خود راوی حدیث یعنی حضرت علیؓ کا مذہب یہ نہیں ہے، وہ بھی تسلیم کو غیر فرض قرار دیتے ہیں، جیسا کہ امام طحاویؒ نے فرمایا ہے حضرت علیؓ سے مروی ہے إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ آخِرِ سَجْدَةٍ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ [1]۔

ہماری ایک مشہور دلیل وہ ہے جس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مرفوعاً نقل فرماتے ہیں کہ اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تضيت ما عليك، اخرجه احمد في مسنده [2] اس حدیث سے حنفیہ کا طریق استدلال ظاہر ہے جس کو آپ ہدایہ وغیرہ میں پڑھ چکے ہیں وہ اس پر یہ اشکال کرتے ہیں کہ "اذا قلت هذا" حدیث میں یہ زیادتی ابن مسعودؓ کی جانب سے مدرج ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ادراج خلاف اصل ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو امر غیر مدرک بالرای میں صحابی کا قول مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

پھر جمہور کا اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ تسلیمتین فرض ہیں یا تسلیمۂ واحدہ، امام شافعیؒ کے یہاں تسلیمۂ اولیٰ فرض اور ثانیہ سنت ہے اور مشہور امام احمدؒ سے یہ ہے کہ دونوں فرض ہیں، اور ہمارے یہاں دو قول ہیں ایک یہ کہ دونوں واجب وقیل الاول واجب والثاني سنة۔ امام مالکؒ سرے سے تسلیمتین کے قائل ہی نہیں ہیں، صرف تسلیمۂ واحدہ کے قائل ہیں، ان کا مسلک یہ ہے کہ امام اور منفرد کے حق میں صرف ایک سلام تلقاء وجهه مائلاً الى اليمين فرض ہے البتہ مقتدی کیلئے ان کے یہاں ایک صورت میں دو اور ایک صورت میں تین سلام ہیں، پہلا سلام دائیں طرف، دوسرا تلقاء وجہ اور تیسرا سلام بائیں جانب اگر بائیں طرف کوئی مصلی ہو، ورنہ نہیں۔

یہاں پر تکبیر تحریمہ اور تسلیم کی بحث قبل از وقت آگئی، اس کا تعلق کتاب الصلوۃ سے ہے مگر چونکہ حدیث میں یہ مسئلہ موجود تھا اس لئے بیان کر دیا گیا، اب جب اصل مقام پر آئے گا تو بیان کرنا نہیں پڑے گا۔

قوله: عَنْ سُفْيَانَ: حضرت سہارنپوریؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ سفیان ثوری [3] ہیں اور صاحب غاية المقصود نے اس میں تردد

---

[1] عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ آخِرِ سَجْدَةٍ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ" فَهَذَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "تَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ" (شرح معاني الآثار - كتاب الصلاة - باب السلام في الصلاة هل هو فروضها أو من سننها ١٦٣٥ ج ١ ص ٢٧٣)

[2] قَالَ: فَإِذَا قَضَيْتَ هَذَا، أَوْ قَالَ: فَإِذَا فَعَلْتَ هَذَا، فَقَدْ قَضَيْتَ صَلَاتَكَ (مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة - مسند عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه ٤٠٠٦)

[3] معارف السنن میں بھی یہی تصریح موجود ہے (زکریا مدنی)

ظاہر کیا ہے کہ ثوری ہیں یا ابن عیینہ [1]۔

قولہ: عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ: یہ عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب ہیں، انکے بارے میں کلام مشہور ہے جیسا کہ امام ترمذی نے بھی اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے

قولہ: عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ: یہ محمد بن علی ہیں اور حنفیہ ان کی والدہ ہیں جن کا نام خولہ ہے قبیلہ بنو حنیفہ سے ہیں، بنو حنیفہ یمامہ کا ایک قبیلہ ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے فتنہ ارتداد کی وجہ سے اہل یمامہ سے جو قتال کیا تھا اور پھر یمامہ کو فتح کیا تھا، اس میں یہ حنفیہ یعنی قبیلہ بنو حنفیہ کی ایک عورت قید ہو کر آئی تھیں، صدیق اکبرؓ نے یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہبہ کر دی تھیں، پھر ان سے یہ صاحبزادے محمد بن الحنفیہ پیدا ہوئے تھے، حضرت علیؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ کے بعد میرے لڑکا پیدا ہوا تو کیا میں اس کا نام آپ کے نام پر اور اسکی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ سکتا ہوں؟ اس پر حضور ﷺ نے ان کو اجازت دے دی تھی، چنانچہ ان کا نام محمد ہے جیسا کہ سند میں تصریح ہے اور کنیت ابو القاسم ہے۔ رضی اللہ تعالی عنہ

٣٢۔ بَابُ الرَّجُلِ يُجَدِّدُ الْوُضُوءَ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ

(ایک آدمی طہارت حاصل ہونے کے باوجود نیا وضو کرے؟)

٦٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ، ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأَنَا لِحَدِيثِ ابْنِ يَحْيَى أَتْقَنُ عَنْ غُطَيْفٍ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: عَنْ أَبِي غُطَيْفٍ الْهُذَلِيِّ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، فَلَمَّا نُودِيَ بِالظُّهْرِ تَوَضَّأَ فَصَلَّى، فَلَمَّا نُودِيَ بِالْعَصْرِ تَوَضَّأَ، فَقُلْتُ لَهُ. فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طُهْرٍ كَتَبَ اللهُ لَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَذَا حَدِيثُ مُسَدَّدٍ وَهُوَ أَتَمُّ.

ترجمہ: ابو غطیف کہتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کی خدمت میں تھا جب ظہر کی اذان ہوئی تو آپؓ نے وضو فرما کر نماز ادا فرمائی پھر جب عصر کی اذان ہوئی پھر آپؓ نے وضو فرمایا تو میں نے اس وضو جدید کے متعلق ابن عمرؓ سے پوچھا تو ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے جو شخص طہارت کے باوجود وضو کرتا ہے تو اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں یہ مسدد استاد کی حدیث کے الفاظ ہیں اور انکی حدیث کے الفاظ میرے دوسرے استاد محمد بن یحییٰ کی حدیث کے الفاظ کے مقابلہ میں زیادہ مکمل ہیں۔

جامع الترمذي - الطهارة (٥٩) سنن أبي داود - الطهارة (٦٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥١٢)

شرح الحدیث: **مسئلہ مترجم بہا میں مذاہب ائمہ:** ترجمۃ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے وہ ظاہر ہے یعنی تجدید وضو، ہر نماز کو تازہ وضو سے پڑھنا، اس باب کا مقابل آگے چل کر ذرا فاصلہ سے ابواب المسح علی الخفین کے بعد

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١٥٢ - ١٥٣

متصلاً آرہا ہے جس کے الفاظ ہیں "باب الرجل يصلي الصلوات بوضوء واحد" بعض علماء کے نزدیک تو تجدید وضو یعنی ہر نماز کیلئے مستقلاً وضو کرنا فرض ہے جیسا کہ وہاں آئے گا، جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے یہاں تجدید وضو صرف مستحب ہے۔

لیکن استحباب کس صورت میں ہے اور کب ہے اس میں کچھ تفصیل ہے، امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ شافعیہ کے یہاں استحباب تجدید میں چار قول ہیں، ایک یہ کہ تجدید اس شخص کے حق میں مستحب ہے جس نے وضو اول سے کوئی نماز پڑھی ہو فرض یا نفل، دوسرا قول یہ ہے کہ فرض نماز پڑھی ہو، تیسرا قول یہ ہے کہ وضو اول سے کوئی ایسا عمل کیا ہو جو بغیر طہارت کے جائز نہیں جیسے مس مصحف اور سجدۂ تلاوت وغیرہ، چوتھا قول یہ ہے، کہ تخلل بالزمان ہو یعنی پہلی وضو اور دوسری وضو کے درمیان زمانہ حائل ہو کچھ فصل ہو چکا ہو، ایک وضوء کے بعد فوراً دوسری وضو کرنا بیکار ہے نیز انہوں نے لکھا ہے کہ غسل کی تجدید مستحب نہیں ہے اور تیمم میں دونوں روایتیں لکھی ہیں، اصح یہ ہے کہ اسکی تجدید مستحب نہیں ہے، اور حنفیہ کے یہاں تجدید وضو کا استحباب اس صورت میں ہے کہ یا تو اختلاف مجلس ہو یا توسط العبادت بین الوضوئین ہو، یعنی پہلی وضو سے کوئی عبادت کر چکا ہو۔ حدیث الباب کا مضمون باب السواک کی حدیث کے ضمن میں آچکا ہے دوبارہ کلام کی حاجت نہیں ہے۔

فائدہ: مسلم شریف کی ایک روایت میں کتاب الطہارۃ میں حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں ہے کہ وہ ہر روز ایک بار مختصر سے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے۔

توضیح السند: قولہ: ح وحدثنا مسدد: مصنفؒ کے دو استاذ ہیں پہلی سند میں محمد بن یحییٰ، دوسری میں مسدد، اور پہلی سند میں شیخ الشیخ عبداللہ بن یزید ہیں اور دوسری میں عیسیٰ بن یونس، پھر دونوں یعنی عبداللہ بن یزید اور عیسیٰ بن یونس روایت کرتے ہیں، عبدالرحمن بن زیاد سے، لہذا عبدالرحمن ملتقی السندین ہوئے دونوں سندیں اس پر آکر مل گئیں۔

قولہ: عن غطيف: بعضوں نے بجائے غطیف کے ابو غطیف کہا ہے، یہ راوی مجہول ہیں، لہذا حدیث میں اس راوی کی وجہ سے ضعف آگیا۔

۳۳- بَابُ مَا يُنَجِّسُ الْمَاءَ

پانی کو ناپاک کرنے والی اشیاء کا بیان

طہارت ماء ونجاست ماء میں ائمہ کے مذاہب: اب یہاں اسٹیشن آگیا، یہاں سے احکام المیاہ شروع ہو رہے ہیں، نجاست وطہارت ماء کے مسائل یعنی پانی کب ناپاک ہوتا ہے اور کب نہیں؟ کونسا ہوتا ہے اور کونسا نہیں؟ ما قبل سے اسکا ربط ظاہر ہے کہ مصنفؒ نے شروع میں فرضیت وضو کو بیان کیا جب یہ بات معلوم ہوئی کہ وضو فرض ہے تو اب وضو کیلئے پانی درکار ہے، اسلئے اب یہاں سے پاک اور ناپاک کا فرق بیان کر رہے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس پانی سے وضو کی جاسکتی

ہے اور کس پانی سے نہیں۔

یہ مسئلہ معرکۃ الآراء مسائل میں سے ہے، اس میں بڑی طویل طویل بحثیں کی جاتی ہیں مولانا عبد الحئیؒ نے طہارت ماء اور نجاست ماء کے اندر پندرہ قول لکھے ہیں، لیکن مشہور ان میں سے چار مذہب ہیں جن کو ہم بیان کریں گے:

① پہلا مذہب ظاہریہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ پانی قلیل ہو یا کثیر وقوع نجاست سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اجزاء نجاست کا اجزاء ماء پر غلبہ نہ ہو جائے، ظاہریہ کا یہ مسلک مولانا عبد الحئیؒ اور علامہ عینیؒ نے لکھا ہے اور حاشیۂ کوکب میں بھی ہے،

② دوسرا مذہب اس میں مالکیہ کا ہے جو ظاہریہ کے مسلک کے زیادہ قریب ہے وہ یہ کہ ماء قلیل یا کثیر وقوع نجاست سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک پانی کے اوصاف ثلثہ میں سے کوئی ایک وصف متغیر نہ ہو، پانی کے اوصاف ثلاثہ مشہور ہیں: طعم، ریح، لون۔

③ جمہور اور باقی ائمہ ثلاثہ فرق بین القلیل والکثیر کے قائل ہیں کہ قلیل وقوع نجاست سے فوراً ناپاک ہو جاتا ہے، البتہ کثیر اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک کوئی سا ایک وصف نہ بدلے،

④ پھر ان ائمہ ثلثہ جن میں حنفیہ بھی ہیں، کے درمیان اس بات میں اختلاف ہو رہا ہے کہ قلت اور کثرت کا معیار کیا ہے؟ اس میں شافعیہ اور حنابلہ ایک طرف ہیں اور حنفیہ ایک طرف، شافعیہ کے یہاں اس کا مدار قلتین پر ہے جو پانی بقدر قلتین یا اس سے زائد ہو وہ کثیر ہے اور قلتین سے کم ہو وہ قلیل ہے، اس پر شافعیہ وحنابلہ دونوں متفق ہیں، حنفیہ کے یہاں قلت وکثرت کے معیار میں تین قول ہیں: اول تحریک، ثانی مساحۃ، ثالث ظن مبتلی بہ، اول کا مطلب یہ ہے کہ جو حوض اتنا بڑا ہو کہ اگر اس کی ایک جانب کے پانی کو حرکت دی جائے تو جانب آخر فوراً متحرک ہو جائے تو قلیل ہے اور اگر فوراً متحرک نہ ہو تو وہ کثیر ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ حرکت سے مراد حرکت بالوضو ہے یا حرکت بالغسل دونوں قول ہیں، قول ثانی یعنی مساحۃ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں پیمائش کا اعتبار ہے، جو حوض یا یہ کہیے کہ جو پانی اپنے پھیلاؤ میں عشر فی عشر یعنی دہ دردہ ہو وہ کثیر ہے، اور جو اس سے کم ہو وہ قلیل ہے، مساحۃ والے قول میں ہمارے یہاں اور بھی اقوال ہیں، قول ثالث یہ ہے کہ اس میں مبتلی بہ کی رائے معتبر ہے، اگر مبتلی بہ کا گمان اس حوض کے بارے میں یہ ہے کہ اسکی ایک جانب کی نجاست کا اثر دوسری جانب پہنچ جاتا ہے تب تو وہ قلیل ہے، اور اگر اس کا ظن غالب یہ ہے کہ دوسرے کنارہ تک اس کا اثر نہیں پہنچتا ہے تو وہ کثیر ہے۔

اب جاننا چاہیئے کہ یہاں پر مصنفؒ نے یکے بعد دیگرے دو باب قائم کیے ہیں، پہلے باب میں حدیث القلتین اور دوسرے باب میں حدیث بئر بضاعہ ذکر فرمائی، پہلا باب گویا شافعیہ اور حنابلہ کا مستدل ہے اور آگے ایک باب درمیان میں چھوڑ کر تیسرا باب جو آرہا ہے اسکے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مسلک حنفیہ کی تائید ہو رہی ہے، مصنفؒ کی غرض خواہ مسلک حنفیہ کی

تائید نہ ہو لیکن فی الواقع وہ حنفیہ کے حق میں ہے جیسا کہ وہاں پہنچ کر معلوم ہو جائے گا۔

٦٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَغَيْرُهُمْ، قَالُوا: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ وَمَا يَنُوبُهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسِّبَاعِ، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَذَا لَفْظُ ابْنِ الْعَلَاءِ، وَقَالَ عُثْمَانُ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ الصَّوَابُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا پانی کی پاکی اور ناپاکی کے متعلق اور جو پانی پر جانور اور درندے آکر پانی پینے کیلئے جمع ہوتے ہیں ایسے پانی کا کیا حکم ہے؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب پانی دو قلوں کے برابر ہو جائے تو وہ گندگی نہیں اٹھاتا۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: یہ میرے استاد محمد بن علاء کے الفاظ ہیں، دوسرے استاذ عثمان بن ابی شیبہ اور تیسرے استاد حسن بن علی نے اس حدیث میں محمد بن عباد بن جعفر راوی کو ذکر کیا ہے (جبکہ پہلے استاد نے محمد بن جعفر بن زبیر راوی کو ذکر کیا تھا) امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے۔

٦٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ أَبُو كَامِلٍ: ابْنُ الزُّبَيْرِ: عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِي الْفَلَاةِ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے متعلق پوچھا گیا جو جنگل، بیابان میں پایا جاتا ہے۔ بقیہ حدیث پچھلی حدیث کی طرح ہے۔

٦٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ فَإِنَّهُ لَا يَنْجُسُ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَقَفَهُ، عَنْ عَاصِمٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب پانی دو مٹکوں کے برابر ہو جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حماد بن زید نے اس روایت کو عاصم راوی سے موقوفاً نقل کیا ہے۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٦٧) سنن النسائي - الطهارة (٥٢) سنن النسائي - المياه (٣٢٨) سنن أبي داود - الطهارة (٦٣) سنن أبي داود - الطهارة (٦٤) سنن أبي داود - الطهارة (٦٥) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (١٢/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢٣/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢٧/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٣٨/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (١٠٧/٢) سنن الدارمي - الطهارة (٧٣١)

شرح الاحادیث: قوله: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سُئِلَ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس پر نوبت بنوبت اور یکے بعد دیگرے درندے وغیرہ پانی پینے کیلئے

آتے جاتے ہیں اس سے مراد وہ پانی ہے جو فلاۃ یعنی جنگلات میں غاروں کے اندر جمع ہو جاتا ہے، چنانچہ ایک روایت میں فی الفلاۃ کی تصریح ہے، یہ پانی دواب کے پینے کی وجہ سے سؤر سباع ہوا تو گویا سوال سؤر سباع کے بارے میں ہے کہ وہ پاک ہے یا ناپاک اس کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ تر جہاد کے اسفار میں رہتے تھے، تو ان کو اس قسم کے پانیوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا اسی لئے یہ سوال کیا گیا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: إذا كان الماءُ قُلَّتينِ لَمْ يَحْمِلِ الخَبَثَ یعنی جس پانی کے بارے میں آپ سوال کر رہے ہیں اسکو دیکھا جائے قلتین کے بقدر ہے یا نہیں، اگر قلتین سے کم ہے تب تو سمجھئے کہ وہ ناپاک ہے، اور اگر وہ قلتین ہے تو پاک ہے گویا مطلب یہ ہوا کہ قلتین ہے تو کثیر ہے ناپاک نہیں ہوا اور اس سے کم ہے تو قلیل ہے ناپاک ہو گیا جیسا کہ شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، حدیث القلتین حنفیہ ومالکیہ کے خلاف ہے، لہذا اس کے جوابات سنیے۔

حدیث القلتین میں سنداً ومتناً اضطراب: اس حدیث میں سند اور متن دونوں طرح کا اضطراب ہے

پہلے اضطراب فی السند کو سمجھئے اس حدیث کو مصنفؒ نے تین طرق سے بیان کیا ہے، اور ہر طریق میں اضطراب ہے۔

طریق اول ولید بن کثیر کا ہے، اس میں اضطراب کی تشریح یہ ہے کہ اولاً تو رواۃ کا اسمیں اختلاف ہو رہا ہے کہ ولید کے شیخ کون ہیں بعض نے کہا محمد بن جعفر بن الزبیر اور بعض نے محمد بن عباد بن جعفر بیان کیا اسی طرح ولید کے شیخ الشیخ میں اضطراب ہے، بعض نے عبید اللہ بن عبد اللہ ذکر کیا ہے، اور بعض نے عبد اللہ بن عبد اللہ، لیکن مصنفؒ نے ولید کے شیخ الشیخ کے اضطراب کو بیان نہیں کیا ہے، یہ طریق اول کا اضطراب ہوا۔

اب رہا یہ سوال کہ وہ اضطراب کا کیا جواب دیتے ہیں، سو اس میں دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت نے دفع اضطراب کیلئے طریق ترجیح کو اختیار کیا ہے، ان ہی میں امام ابو داودؒ اور ابو حاتم رازی ہیں، چنانچہ خود کتاب میں ہے مصنفؒ کہتے ہیں محمد بن عباد بن جعفر صحیح ہے یعنی محمد بن جعفر بن الزبیر غیر صحیح ہے اور ایک جماعت نے دفع تعارض کیلئے طریق جمع کو اختیار کیا ہے، ان ہی میں سے دار قطنی بیہقی ہیں اور ان ہی کا اتباع حافظ ابن حجرؒ نے کیا ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت دونوں سے ہے، محمد بن جعفر بن الزبیر سے بھی اور محمد بن عباد بن جعفر سے بھی، پھر آگے چل کر ولید کے شیخ الشیخ کے بارے میں حافظ فرماتے ہیں کہ ابن الزبیر تو روایت کرتے ہیں عبید اللہ بن عبد اللہ سے، اور محمد بن عباد روایت کرتے ہیں عبد اللہ بن عبد اللہ سے، یعنی دونوں سے روایت کرنا ثابت اور محفوظ ہے، اور جب یہ اختلاف ثابت اور محفوظ ہے تو ظاہر ہے کہ اضطراب نہیں ہے، اضطراب کا تو مطلب یہ ہے کہ روایت فی الواقع کسی ایک سے مروی ہو، لیکن بعض رواۃ کچھ کہتے ہوں اور بعض کچھ اور جب فی الواقع دونوں سے روایت مان لی، تو دونوں طریق ثابت و محفوظ ہوئے پھر اضطراب کہاں ہوا۔

ہماری طرف سے جواب الجواب یہ ہوگا کہ آپ حضرات میں تو دفع اضطراب ہی میں اضطراب ہو گیا، بعض طریق جمع کو اختیار کر رہے ہیں اور بعض طریق ترجیح کو، اب کس کی بات کو صحیح تسلیم کیا جائے؟ لہذا تشفی نہیں ہوتی سند کا اضطراب علی حالہ قائم

رہا، نیز حافظ نے یہ بھی کہا کہ محمد بن جعفر بن الزبیر اور محمد بن عباد بن جعفر دونوں ثقہ ہیں، پس یہ انتقال من ثقہ الی ثقہ ہے جو کچھ مضر نہیں ہے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ ان دونوں کا ثقہ ہونا الگ بات ہے ہمارا مقصد تو رواۃ کا اختلاف بیان کرنا ہے کہ بعض رواۃ اسطرح کہہ رہے ہیں اور بعض رواۃ اس طرح اور یہ صورت حال عدم ضبط پر دلالت کرتی ہے، اسی سے سند میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کا طریق ثانی محمد بن اسحاق کا ہے، یہ بھی اس حدیث کو ولید کی طرح محمد بن جعفر سے روایت کرتے ہیں، اس میں اضطراب اس طرح ہے کہ یہاں پر تو سند اسی طرح ہے جو مذکور ہے، اور مصنفؒ نے اس طریق میں کوئی اختلاف سند بیان نہیں کیا لیکن ہمیں معلوم ہے کہ اس میں بھی اختلاف واضطراب ہے چنانچہ دار قطنی کی روایت میں اس طرح ہے: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [1] اور ایک طریق میں ہے عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ دیکھئے یہ اختلاف واضطراب فی السند پایا جارہا ہے، نیز محمد بن اسحق راوی متکلم فیہ ہے۔

اس حدیث کا طریق ثالث عَاصِمُ بْنُ الْمُنْذِرِ کا ہے جیسا کہ کتاب میں موجود ہے، عاصم سے روایت کرنیوالے دو ہیں، حماد بن سلمہ اور حماد بن زید، حماد بن سلمہ نے اس کو مرفوعاً نقل کیا اور حماد بن زید اس کو موقوفاً نقل کرتے ہیں، دار قطنی کی رائے یہ ہے کہ روایت مرفوعہ کے مقابلہ میں روایت موقوفہ صحیح ہے [2]، اب سند کے تینوں طریق میں اضطراب معلوم ہو گیا۔

دوسرا اضطراب اس حدیث میں باعتبار متن کے ہے، وہ اس طرح ہے کہ حدیث الباب میں تو ہے قُلَّتَيْنِ اور ایک روایت میں ہے: إِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قَدْرَ قُلَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ [3] اور ایک روایت میں ہے: اذا بلغ الماء قلة اور ایک روایت میں ہے: أَرْبَعِينَ قُلَّةً [4] یہ اضطراب فی المتن ہوا، جب یہ صورتحال ہے تو استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

حدیث القلتین کے جوابات: حدیث القلتین کے ہماری طرف سے متعدد جوابات دیے گئے ہیں:

① مسلك [5] الاضطراب، ایک جواب یہی ہے کہ اس میں سنداً ومتناً اضطراب ہے جیسا کہ ابھی تفصیل سے معلوم ہوا۔

② مسلك التضعيف، چنانچہ ایک بڑی جماعت نے اس کی تضعیف کی ہے جیسے ابن عبد البرؒ، ابن العربیؒ، علی بن المدینی، امام غزالیؒ اور اسی طرح ابن دقیق العیدؒ اور ابن تیمیہؒ نے، علامہ زیلعیؒ لکھتے ہیں کہ ابن دقیق العیدؒ نے کتاب الإمام [6] میں اس

[1] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب حكم الماء إذا لقته النجاسة ٢٠

[2] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب حكم الماء إذا لقته النجاسة ٢١

[3] مسند أحمد مسند المكثرين من الصحابة مسند عبد الله بن عمر رضي الله عنهما ٤٧٥٣

[4] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب حكم الماء إذا لقته النجاسة ٣٠ - ٤٤

[5] ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا امیر احمد صاحبؒ نے درس ترمذی میں حدیث قلتین پر کلام کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہم اس حدیث کے جو جوابات دیں گے ان میں سے ہر جواب کو مسلک کے ساتھ تعبیر کریں گے، مثلاً مسلک الاضطراب مسلک الاجمال وغیرہ چنانچہ ان ہی کے اتباع میں ہم نے بھی یہی طرز اختیار کیا۔ بغفر الله لنا ولهم

[6] الإمام في معرفة أحاديث الأحكام - كتاب الطهارة - فصل في النهي عن الغسل والوضوء من الماء الراكد بعد البول فيه ج ١ ص ١٩٥

حدیث پر تفصیلی کلام کیا ہے اور اسکے تمام طرق کو جمع کیا ہے ہر ایک کی الگ الگ چھان بین کی ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ یہ ضعیف ہے، ویسے یہ حدیث صحاح ستہ میں سے صرف سنن اربعہ میں ہے، اسکے علاوہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور مسند احمد میں بھی ہے، امام ترمذیؒ نے خلاف عادت اس حدیث پر کوئی حکم صحت یا حسن کا نہیں لگایا۔

④مسلك الاجمال یعنی اس حدیث میں اجمال ہے اور حدیث مجمل سے استدلال صحیح نہیں، یہ جواب امام طحاویؒ کا ہے وہ کہتے ہیں [1] کہ قلہ کئی معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اسکے معنی قامۂ رجل، راس جبل، ہر بلند چیز اور اونٹ کا کوہان کے بھی آتے ہیں، نیز قلہ جرہ یعنی گھڑے اور مٹکے کو بھی کہتے ہیں، اور پھر مٹکے بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں چھوٹے اور بڑے وہ کہتے ہیں کہ یہاں قلہ جرہ کے معنی میں ہے اور اس سے مراد جرہ کبیرہ ہے جس کی مقدار ان کے یہاں ڈھائی سو اور ایک قول کی بنا پر تین سو رطل ہے اور قلتین کی مجموعی مقدار پانچ سو یا چھ سو رطل ہے، ہم نے کہا کہ قلہ تو سب طرح کا ہوتا ہے چھوٹا بھی بڑا بھی، انہوں نے کہا کہ بمقام ہجر کا قلہ مراد ہے جو عرب میں مشہور ہے، چنانچہ ایک روایت میں قلال ہجر کی تصریح ہے جیسا کہ ابن عدی کی کتاب الکامل میں ہے، علامہ زیلعیؒ نے جواب دیا کہ اس کی سند میں مغیرۃ بن سقلاب ہے جو منکر الحدیث ہے۔

④مسلك التاويل یعنی یہ حدیث ماؤل ہے حدیث کے معنی وہ نہیں ہے جو آپ کہتے ہیں کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے، بلکہ "لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ" کے معنی ہیں کہ ماء قلیل چاہے دو قلوں کے برابر ہی کیوں نہ ہو وہ نجاست کا متحمل نہیں ہوتا، اسکو برداشت نہیں کرپاتا اور ناپاک ہو جاتا ہے، اور اس میں قلتین کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ مراد ہر قلیل پانی ہے، یہ جواب صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے وہ کہنے لگے کہ صاحب ہدایہ تو حنفی ہیں وہ تو کہیں گے ہی، ہم نے کہا کہ علامہ طیبیؒ جو شافعی ہیں اور مشہور شارح مشکوٰۃ ہیں انہوں نے بھی اس معنی کا احتمال لکھا ہے۔

⑤مسلك المعارضة بالروايات الصحيحه، یعنی ہم اس حدیث کے مقابلے میں صحیح اور قوی روایات اسکے خلاف پیش کرتے ہیں، جن کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے، ① ایک حدیث المستيقظ من النوم ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ جب آدمی سو کر اٹھے تو پانی کے برتن میں ہاتھ بغیر دھوئے نہ ڈالے اس میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت مطلقاً کی گئی ہے خواہ اس پانی کی مقدار قلتین ہو یا کم زائد، گھروں کے اندر برتنوں میں قلتین بلکہ اس سے بھی زائد پانی اس زمانے میں جمع رہتا تھا اس کے باوجود یہ حکم دیا جا رہا ہے، قلتین اور مادون القلتين کی کوئی تفریق نہیں ہے، ② نیز ایک صحیح روایت میں ہے جو آگے ابوداود میں بھی تیسرے باب میں آرہی ہے لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ [2] یہ حدیث صحیحین بلکہ جملہ صحاح ستہ کی ہے، اس حدیث میں ماء راکد میں خواہ وہ قلتین سے کم ہو یا زائد مطلقاً پیشاب کرنے سے تاکید کے ساتھ منع کیا ہے، اگر قلتین کا حکم مادون القلتين سے مختلف ہوتا تو اس

---

[1] شرح معاني الآثار - كتاب الطهارة - باب الماء يقع فيه النجاسة ٢٩ ج ١ ص ١٦

[2] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب البول في الماء الراكد ٦٩

کی طرف ضرور اشارہ ہونا چاہئے تھا تاکہ لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

⑥ مسلك الالزام باهمال بعض الحديث، یہ حدیث دراصل سؤر سباع کے بارے میں وارد ہوئی ہے، جیسا کہ شروع باب میں ہم کہہ چکے ہیں اور اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ سؤر سباع ناپاک ہو حالانکہ شافعیہ اس کی ناپاکی کے قائل نہیں ہیں، لہذا حدیث کے جزئین میں سے ایک کا اعمال اور دوسرے کا اہمال لازم آیا۔

⑦ مسلك مخالفة الاجماع، یعنی یہ حدیث ایک لحاظ سے اجماع کے خلاف ہے تشریح اس کی یہ ہے جیسا کہ طحاوی [1] میں ہے کہ ایک حبشی بئر زمزم میں گر کر مر گیا تھا تو اسوقت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ابن عباسؓ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ اسکا پورا پانی نکالیا جائے اس وقت وہاں پر دوسرے صحابہ کرام بھی موجود تھے، کسی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، اور یہ ظاہر ہے کہ بئر زمزم کا پانی قلتین سے زائد ہی ہوگا پھر بھی ناپاک ہو گیا معلوم ہوا کہ قلتین بھی قلیل ہے، کثیر نہیں ہے۔

شافعیہ کی طرف سے کسی نے جواب دیا کہ ہوسکتا ہے کہ نزح بئر کا حکم خروج دم کی وجہ سے دیا گیا ہو یعنی اس حبشی کے بدن سے خون بہنے لگا ہو، ہم کہتے ہیں یہی سہی، آخر جب وہ قلتین تھا تو کیوں ناپاک ہوا؟ وہ اس کے علاوہ اور بھی مختلف جوابات دیتے ہیں، بیہقی [2] وغیرہ نے اس قصہ کی روایت پر سند أکلام کیا ہے کہ منقطع ہے اور بعضوں نے کہا کہ خود اہل مکہ اس واقعہ سے ناواقف ہیں یہ قصہ ان کے یہاں مشہور نہیں ہے، اہل کوفہ کو اس کی خبر کیسے ہو گئی جب کہ واقعہ کا تعلق مکہ سے ہے۔ تفصیل أمانی الاحبار میں دیکھی جائے۔

حافظ ابن القیمؒ نے ابوداود کی شرح تهذيب السنن [3] میں حدیث القلتین پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے اور شروع میں یہ لکھا ہے کہ اس حدیث سے استدلال کرنا پندرہ مقامات اور منازل کو طے کرنے پر موقوف ہے جو اب تک طے نہیں ہوسکے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ پانی کے مسئلہ میں عموم بلوی یعنی ابتلاء عام ہے، سب کو اس کی حاجت ہے اور حدیث القلتین کو روایت کرنے والے صحابہ کی اتنی بڑی جماعت میں بجز عبداللہ بن عمرؓ کے اور کوئی نہیں ہے، مشہور روایات میں صرف وہی اس کے راوی ہیں، نیز اس حدیث کو عبداللہ بن عمرؓ کے تلامذہ میں سے سوائے عبداللہ یا عبیداللہ کے اور کوئی راویت نہیں کرتا "فاین سالم و ابن نافع؟" یعنی سالم اور نافع جو کثرت سے ان کی روایات کے راوی ہیں وہ کہاں گئے، وہ کیوں نہیں اس حدیث کو ان سے روایت کرتے وغیرہ وغیرہ بہت سوال جواب کیے ہیں۔

حدیث القلتین کے سلسلہ میں حضرت گنگوہیؒ کی رائے گرامی: ہمارے حضرت اقدس گنگوہی

---

[1] شرح معاني الآثار - كتاب الطهارة - باب الماء يقع فيه النجاسة ٤٤ ج ١ ص ١٧ - ١٨

[2] سنن البيهقي الكبرى - كتاب الطهارة - باب ما جاء في نزح زمزم ١١٨٣

[3] تهذيب السنن - كتاب الطهارة - باب ما ينجس الماء ج ١ ص ١٥٢

نور اللہ مرقدہٗ نے حدیث القلتین کے بارے میں ایک الگ ہی مسلک اختیار فرمایا، وہ یہ فرماتے ہیں کہ نجاست ماء کے اندر اصل مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہے، حضرت مولانا یحیٰی صاحبؒ "کوکب" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب ترمذی شریف میں حدیث القلتین آئی تو حضرت نے اپنے شاگردوں سے ایک مختصر سا حوض حفر کروایا جو طولاً و عرضاً تقریباً چھ بالشت تھا اور کھدوانے کے بعد قلتین پانی اس میں ڈالا گیا پھر اسکی ایک جانب کی تحریک کی گئی جس سے جانب آخر متحرک نہیں ہوئی تو اس پر حضرت نے فرمایا کہ حدیث القلتین ہمارے خلاف نہیں ہے [1]، لہٰذا اسکی جواب کی حاجت نہیں ہے، حضرت اقدس گنگوہیؒ کی طبیعت حدیث کی توجیہات کی طرف خوب چلتی تھی بنسبت تضعیف روایت یا رواۃ کی طرف وہم منسوب کرنے کے، اور حضرت کو احادیث کی توجیہ میں بہت بڑا ملکہ حاصل تھا، بہر حال حضرت گنگوہیؒ کا یہ جواب ہے اور حضرت نے اس پر اور بھی تفصیلی کلام فرمایا ہے، کوکب میں دیکھا جائے لیکن ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ کا میلان اس طرف نہیں ہے، جیسا کہ حاشیہ کوکب کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

٣٤ ۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي بِئْرِ بُضَاعَةَ

بضاعہ کنویں کا بیان

احکام المیاہ کے سلسلہ کا یہ وہ باب ثانی ہے جس میں مصنفؒ نے مالکیہ کا مستدل ذکر فرمایا ہے، پہلے باب میں شافعیہ وحنابلہ کا مستدل گزر چکا ہے۔

٦٦ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ، قَالُوا: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُطْرَحُ فِيهَا الْحِيَضُ وَلَحْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ رَافِعٍ.

ترجمہ: ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ہم بضاعہ کنویں سے وضو کر سکتے ہیں؟ یہ وہ کنواں ہے جس میں عورت کے حیض کے خون میں استعمال ہونے والے کپڑے اور کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس پانی کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے ہو وہ پاک ہے، اسکو کوئی چیز ناپاک نہیں کرے گی۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع کی جگہ عبید اللہ بن عبد الرحمٰن بن رافع ذکر کیا ہے۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٦٦) سنن النسائي - المياه (٣٢٦) سنن أبي داود - الطهارة (٦٦) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (١٦/٣)

---

[1] الكوكب الدري على جامع الترمذي - ج ١ ص ٩٤

مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣١/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٨٦/٣).

شرح الحديث: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حضور ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا ہمیں بئر بضاعہ کے پانی سے وضو کرنا چاہئے؟ حالانکہ وہ ایک ایسا کنواں ہے جس میں گندگیاں، حیض کے چیتھڑے، اور اسی طرح مردار جانور کتے اور دوسری گندی چیزیں اس میں ڈالی جاتی ہیں تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی طاہر و مطہر ہے کوئی چیز اسکو ناپاک نہیں کرتی ہے۔

قوله: أَنَتَوَضَّأُ: یہ صیغہ جمع متکلم اور واحد مذکر حاضر دونوں طرح مروی ہے، لیکن اصح صیغہ متکلم ہے اور بصیغہ واحد حاضر خلاف اولی اور طریقہ سوال کے خلاف ہے بڑوں سے اس طرح سوال کرنا مناسب نہیں ہے۔

قوله: بِضَاعَةَ: باء کے ضمہ اور کسرہ دونوں طرح منقول ہے، مشہور ضمہ ہے، یہ آبار مدینہ میں سے ایک مشہور کنواں ہے بعض کہتے ہیں بضاعہ صاحب بئر کنویں کے مالک کا نام ہے، اور بعض نے کہا کہ یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں پر یہ کنواں ہے۔ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی وضو کا غسالہ اور لعاب دہن اس میں ڈالا ہے اور آپ اس کنویں کے پانی کو مریض کو صحت کی نیت سے پینے کیلئے فرماتے تھے۔

قوله: يُطْرَحُ: یعنی ڈالے جاتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قصداً ڈالے جاتے ہیں اور لوگ ایسا کرتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کنویں کا محل وقوع کچھ ایسا نشیب میں تھا کہ ہوا اور سیلاب کے پانی سے کوڑیوں پر کی گندی چیزیں اس میں جاگرتی تھیں، اسلئے کہ پانی کو گندا کرنے کیلئے کوئی سمجھدار آدمی تیار نہیں ہو سکتا، غیر مسلم بھی ایسا نہیں کر سکتے چہ جائیکہ مسلمان، شراح نے اسی طرح لکھا ہے۔

قوله: حِيَضٌ: یہ جمع ہے حیضة بالکسر کی جس کے معنی ہیں حیض کے چیتھڑے۔

حدیث بئر بضاعه سے مالکیه کا ستدلال اور دوسرے ائمه کا اس سے اعتذار:

قوله: اَلْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ: پانی کے مسئلہ میں ائمہ اربعہ میں سب سے زیادہ توسع مالکیہ کے یہاں ہے، اس حدیث سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ حدیث میں ماء قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں کی گئی، ہر پانی کے بارے میں یہی کہا گیا ہے کہ وہ ناپاک نہیں ہوتا ہے لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ تغیر وصف کے بعد تو ان کے یہاں بھی ناپاک ہو جاتا ہے اس لئے انہوں نے یہ کہا کہ تغیر وصف والی شکل مستثنیٰ ہے اس لئے کہ اسی حدیث میں دار قطنی کی ایک روایت میں: الا ما غلب علی ریحه او طعمه[1] کی زیادتی موجود ہے اور اب مطلب یہ ہو گیا کہ ماء قلیل ہو یا کثیر ناپاک نہیں ہوتا الا یہ کہ اس کا کوئی وصف

---

[1] عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمَاءُ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَيْهِ رِيحُهُ أَوْ طَعْمُهُ (سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب الماء المتغير ٤٩)

بدل جائے، دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ اس حدیث سے آپ کا استدلال دار قطنی کی استثناء والی روایت کے بغیر ممکن نہیں ہے اور دار قطنی کی روایت ضعیف ہے وہ قابل استدلال نہیں ہے۔

شافعیہ وحنابلہ نے اپنے مسلک کے پیش نظر کہا کہ اس حدیث میں ماء سے مراد مطلق پانی نہیں ہے بلکہ وہ پانی مراد ہے جو مسؤل عنہ ہے یعنی ماء بئر بضاعہ، لہذا مطلب یہ ہوا کہ بئر بضاعہ کا پانی پاک ہے "لا ینجسہ شیئ" اور اسکی وجہ وہ یہ بتلاتے ہیں کہ بئر بضاعہ بڑے قسم کا کنواں تھا، اس کا پانی کسی حال میں قلتین سے کم نہ تھا، پس اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کر سکتی، ہاں! تغیر وصف کے بعد تو بالاجماع ناپاک ہو جاتا ہے اس لئے وہ صورت خارج ہے۔

احناف نے اس حدیث میں اپنے مسلک کی روشنی میں کہا کہ بات تو یہی ہے جو شافعیہ کہہ رہے ہیں کہ اس حدیث میں پانی سے بئر بضاعہ کا پانی مراد ہے، مگر حدیث میں اس پر عدم تنجس کا جو حکم لگا ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ قلتین ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس کنویں کا پانی بوجہ کثرت استعمال کے بمنزلہ جاری تھا اور ماء جاری وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا۔ چنانچہ شراح نے لکھا ہے کہ متعدد بساتین بنو ساعدہ کو اس کنویں کے ذریعہ سیراب کیا جاتا تھا، کہتے ہیں وہ پانچ باغ تھے۔ پانی کے جاری ہونے کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ نہر کی طرح جاری تھا بلکہ مطلب وہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔ اس کنویں کے پانی کے جاری ہونے کو امام طحاویؒ نے واقدی سے نقل کیا ہے [1]، وہ یہ کہتے ہیں کہ واقدی کا قول حجت نہیں ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ واقدی کا قول کم از کم تاریخ میں حجت ہے، احکام شرعیہ میں نہ سہی اور یہ بات یعنی اس کے پانی کا جاری ہونا تاریخ یعنی تاریخ بئر بضاعہ سے متعلق ہے۔

حدیث بئر بضاعہ کے بارے میں امام طحاویؒ کی رائے: ایک بات یہاں پر بہت اہم ہے جس کی طرف امام طحاویؒ نے اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ کہ مالکیہ کا استدلال اس حدیث سے اس وقت صحیح ہے جب حدیث میں یہ مراد ہو کہ مذکورہ نجاسات اس کے اندر فی الحال موجود ہیں، اسلئے کہ انکا مسلک یہی تو ہے کہ ماء قلیل ہو یا کثیر وقوع نجاست کے بعد نجاست کے اس میں ہوتے ہوئے تاوقتیکہ اس پانی میں تغیر پیدا نہ ہو ناپاک نہیں ہوتا اور یہاں پر ایسا نہیں ہے اسلئے یہ بات عند العقل محال ہے کہ کسی کنوئیں میں اتنی کثیر نجاسات واقع ہو جائیں اور پھر اس کا پانی متغیر نہ ہو بلکہ تغیر ضروری ہے، اور تغیر کے بعد پانی سب کے نزدیک ناپاک ہو جاتا ہے، لہذا حدیث کے معنی یہ متعین ہیں کہ صحابہ کی مراد یہ ہے کہ یا رسول اللہ! بئر بضاعہ ایسا کنواں ہے جس میں اس طرح کی نجاستیں واقع ہو جاتی ہیں، اور پھر کثرت استعمال کی وجہ سے وہ سب نکل جاتی ہیں تو اب ان نجاسات کے نکلنے کے بعد ہم اس کے پانی کو ناپاک قرار دیں یا پاک؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں! پاک قرار دیا جائے، لہذا الماء طهور لا ينجسه شيء کے معنی یہ ہوئے کہ کنواں ناپاک ہونے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ناپاک نہیں ہو جاتا بلکہ اخراج نجاست کے بعد پاک ہو سکتا ہے جیسا کہ آپ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا المؤمن لا ينجس [2] اسکے بھی یہ معنی

[1] شرح معاني الآثار - كتاب الطهارة - باب الماء يقع فيه النجاسة ٦ (ج ١ ص ١٢)

[2] صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب الدليل على أن المسلم لا ينجس ٣٧١

نہیں ہے کہ مؤمن ناپاک نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہے "لا یبقی نجسا ای بعد التطهیر" علی ہذ القیاس کنویں کا پانی، یہ مطلب نہیں کہ ناپاک ہی نہیں ہوتا بلکہ ناپاک باقی نہیں رہتا، لہٰذا مالکیہ کا استدلال اس حدیث سے بے محل ہے ہذا ما قالہ الطحاوی [1]۔
میں کہتا ہوں اسی طرح شافعیہ نے اس حدیث کا جو عذر اپنے مسلک کے مطابق بیان کیا تھا کہ بئر بضاعہ کا پانی قلتین تھا اسلئے ناپاک نہیں ہوا، امام طحاویؒ کی مذکورہ بالا تقریر کے بعد یہ اعتذار بھی ہباءً منثورا ہو جاتا ہے۔
اب امام طحاویؒ کی اس تقریر پر یہ اشکال ہوگا کہ اگر مراد یہ ہے کہ اخراج نجاست کے بعد صحابہ یہ سوال کر رہے ہیں کہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟ تو اب سوال کی بات ہی کیا رہ گئی ہے، جب نجاستیں نکال دی گئیں تو پاک ہو ہی گیا، جواب یہ ہے کہ اخراج نجاسات کے بعد بھی یہ مقام محل سوال ہے اس لئے کہ عقل وقیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کنواں کوئی سا بھی ہو ایک مرتبہ ناپاک ہونے کے بعد باوجود اخراج نجاست کے پھر وہ آئندہ کبھی پاک نہ ہو اس لئے کہ کنویں کے اندر کا جو گارا مٹی ہے اور کنویں کی چاروں طرف کی جو دیواریں ہیں وہ ایک بار ناپاک ہو چکی ہیں، اخراج نجاست اور نزح ماء کے باوجود وہ دیواریں اور مٹی کیسے پاک ہو سکتی ہیں، لہٰذا ایک بار کنواں ناپاک ہو کر ہمیشہ کیلئے ناپاک ہونا چاہیے، تو اس خیال کی جناب رسول اللہ ﷺ نے تردید فرمائی کہ قیاس کا تقاضا کچھ بھی ہو لیکن حکم شرعی اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنواں وقوع نجاست سے ناپاک ہو جائے تو اخراج نجاست اور نزح ماء کے بعد اس کنویں کے پانی کو پاکی کا حکم دیا جاتا ہے۔
حدیث کی مذکورہ بالا تشریح وتقریر کے بعد حدیث بئر بضاعہ حنفیہ کا مستدل کہلانے کی مستحق ہو جاتی ہے چنانچہ علامہ عینیؒ نے ایک جگہ لکھا ہے "وعلیہ عمل الحنفیۃ ای بعد تعیین المراد، واللہ اعلم"۔
ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حدیث الباب اپنے عموم پر ائمہ میں سے کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے بلکہ ہر ایک نے اس میں اپنے مسلک کے مطابق قید لگا کر اس سے استدلال یا اعتذار کیا ہے۔

٦٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ، وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيَّانِ، قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ سَلِيطِ بْنِ أَيُّوبَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَافِعٍ الْأَنْصَارِيِّ ثُمَّ الْعَدَوِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُقَالُ لَهُ: إِنَّهُ يُسْتَقَى لَكَ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ، وَهِيَ بِئْرٌ يُلْقَى فِيهَا لُحُومُ الْكِلَابِ، وَالْمَحَايِضُ وَعَذِرُ النَّاسِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وسَمِعْتُ قُتَيْبَةَ بْنَ سَعِيدٍ، قَالَ: سَأَلْتُ قَيِّمَ بِئْرِ بُضَاعَةَ عَنْ عُمْقِهَا؟ قَالَ: أَكْثَرُ مَا يَكُونُ فِيهَا الْمَاءُ إِلَى الْعَانَةِ، قُلْتُ: فَإِذَا نَقَصَ، قَالَ: دُونَ الْعَوْرَةِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: "وَقَدَّرْتُ أَنَا بِئْرَ بُضَاعَةَ بِرِدَائِي مَدَدْتُهُ عَلَيْهَا، ثُمَّ ذَرَعْتُهُ فَإِذَا عَرْضُهَا سِتَّةُ أَذْرُعٍ، وَسَأَلْتُ الَّذِي فَتَحَ لِي بَابَ الْبُسْتَانِ فَأَدْخَلَنِي إِلَيْهِ، هَلْ غُيِّرَ بِنَاؤُهَا عَمَّا كَانَتْ عَلَيْهِ؟ قَالَ: لَا، وَرَأَيْتُ فِيهَا مَاءً مُتَغَيِّرَ اللَّوْنِ".

---
[1] شرح معانی الآثار - کتاب الطہارۃ - باب الماء یقع فیہ النجاسۃ ج ١ ص ١٣

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا درانحال کہ آپ سے اس وقت سوال کیا جارہا تھا کہ آپ کے لئے بضاعہ کنویں سے پینے کا پانی منگوایا جاتا ہے حالانکہ اس بضاعہ کنویں میں کتوں کا گوشت، حیض کے کپڑے اور لوگوں کی گندگی ڈالی جاتی ہے؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ پانی پاک ہے اسکو کوئی شئی ناپاک نہیں کرتی۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قتیبہ بن سعید سے سنا کہ میں نے بضاعہ کنویں کے ذمہ دار سے اس کنویں کی گہرائی کے بارے میں پوچھا اور یہ پوچھا کہ عموماً اس میں پانی کتنا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ناف کے قریب تک اور میں نے پوچھا کہ جب پانی کم ہو تو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ستر کی حدود سے نیچے تک (گھٹنوں تک)۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بضاعہ کے کنویں کو اپنی چادر سے ناپا، میں نے اپنی چادر اس کنویں پر پھیلا دی تو اس کنویں کی چوڑائی چھ ذراع تھی۔ میں نے اس شخص سے جس نے میرے لئے اس باغیچے کا دروازہ کھولا تھا اور مجھے اندر داخل کیا تھا پوچھا: کیا گزشتہ حالت (یعنی عہد نبوی) سے اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کنویں میں پانی دیکھا جس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٦٦) سنن النسائي - المياه (٣٢٦) سنن النسائي - المياه (٣٢٧) سنن أبي داود - الطهارة (٦٧) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣/٣١) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣/٨٦)

شرح الحديث: عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَافِعٍ الْأَنْصَارِيِّ ثُمَّ الْعَدَوِيِّ: اس حدیث کی سند میں یہ راویؒ ہے اسکے بارے میں کہا گیا ہے کہ مجہول ہے، بعضوں نے کہا کہ مستور ہے، اور انکے نام میں اختلاف ہے، بعض نے کہا عبید اللہ، اور بعض کہتے ہیں عبد اللہ، پھر باپ کے نام میں بھی دو قول ہیں، ایک عبد اللہ دوسرا عبد الرحمن اس طرح چار قول ہو گئے: ① عبید اللہ بن عبد اللہ، ② عبید اللہ بن عبد الرحمن، ③ عبد اللہ بن عبد اللہ، ④ عبد اللہ بن عبد الرحمن، اور ⑤ پانچواں قول یہ ہے کہ ان کا نام عبد الرحمن بن رافع ہے۔

حدیث بئر بضاعۃ صحت وسقم کے اعتبار سے: یہ حدیث بئر بضاعہ سنن اربعہ کی روایت ہے، صحیحین میں نہیں ہے امام ترمذیؒ نے اسکو حسن کہا ہے اور امام احمدؒ نے اسکی تصحیح کی ہے، البتہ ابن القطانؒ نے راوی مذکور کی وجہ سے اس حدیث کو معلل قرار دیا ہے، اور یہ پہلے آچکا کہ اس حدیث میں دار قطنی کی ایک روایت میں " إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَيْهِ رِيحُهُ أَوْ طَعْمُهُ " کی زیادتی ہے اور یہ بھی آچکا کہ یہ زیادتی ضعیف ہے، کیونکہ اس میں رشدین بن سعد ہے جو متروک ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَسَمِعْتُ قُتَيْبَةَ بْنَ سَعِيدٍ: قتیبہ شیخ مصنفؒ کہتے ہیں کہ میں نے بئر بضاعہ کے نگران سے اس کنویں کی گہرائی کے بارے میں سوال کیا کہ اس میں زائد سے زائد پانی کتنا رہتا ہے؟ تو اس نے کہ " إِلَى الْعَانَةِ " یعنی ناف کے قریب تک، اور بتایا کہ جب کم ہو جاتا ہے تو تقریباً گھٹنوں تک رہ جاتا ہے

اسکے بعد امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ جب میری مدینہ طیبہ حاضری ہوئی تو میں بھی اس کنوئیں کی زیارت کیلئے گیا، امام ابو داودؒ نے یہ اہتمام فرمایا کہ اپنی چادر کے ذریعہ اس کے عرض کو ناپا، ناپنے کی شکل یہ بتارہے ہیں کہ اول میں نے اپنی چادر کو اس کنویں کے منہ پر پھیلادیا، پھر جتنا حصہ کنویں پر تھا اس کپڑے کو ناپ لیا جس سے اس کا عرض معلوم ہو گیا، جو چھ ذراع تھا اور کہتے ہیں کہ میں نے اس باغبان سے جس نے مجھے اس کنویں تک پہنچایا تھا سوال کیا کہ اس کنویں میں کوئی تعمیری تغیر ہوا ہے یا اسی بناء پر قائم ہے جو عہد نبوی میں تھی؟ تو اس نے بتلایا کہ یہ اسی حال پر ہے۔ امام ابو داودؒ کہتے ہیں میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اس کے پانی کو متغیر اللون پایا، باغات میں جو کنویں ہوتے ہیں ان میں چونکہ درختوں کے پتے گرتے رہتے ہیں اس لئے پانی کی رنگت میں تغیر آہی جاتا ہے، بظاہر یہ اسی کا اثر تھا۔

یہاں پر ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ ماء مخلوط بشیء طاہر سے طہارت جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں اگر پانی میں کوئی پاک چیز مل جائے جس سے پانی کا وصف متغیر ہو جائے جیسے صابون یا خطمی کا پانی تو اس سے طہارت، وضو و غسل جائز نہیں، حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور یہی ایک روایت امام احمدؒ سے ہے، چنانچہ اس کتاب میں ابواب الغسل کے اندر ایک مستقل باب اس سلسلہ کا آرہا ہے "باب في الجنب يغسل رأسه بالخطمي"۔

امام ابو داودؒ اور ان کے شیخ قتیبہ دونوں نے اس کنویں کی تحقیق حال کا جو اہتمام فرمایا وہ اس وجہ سے کہ یہ حضور ﷺ کے زمانہ کا ایک مبارک کنواں ہے، مشہور آثارِ مدینہ میں سے ہے اور طہارت ماء و نجاست ماء کا ایک مسئلہ شرعیہ اس سے وابستہ ہے لہذا اس کے شایان شان اس کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔

اور نیز یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ ایک بڑے قسم کا کنواں تھا جس کے اندر پانی کثیر تھا، بظاہر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قلتین سے کم نہیں تھا اسی لئے آپ ﷺ نے اس کے عدم نجاست کا حکم فرمایا ہم کہتے ہیں کہ اس کے پانی کی کثرت سے ہمیں انکار نہیں باوجود کثرت کے وہ بات ہے جس کو حنفیہ کہتے ہیں "ماؤہ کان جاریا في البساتين" اور دراصل اس کے عدم تنجس کا یہی منشاء ہے۔

۳۵ - بَابُ الْمَاءِ لَا يُجْنِبُ

پانی ناپاک نہیں ہوتا

ترجمة الباب کی تشریح اور اسکی غرض: یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے، آگے حدیث میں یہی الفاظ آرہے ہیں، احقر کی رائے یہ ہے کہ چونکہ نجاست کی دو قسمیں ہیں، حسیہ اور معنویہ، تو گزشتہ دو بابوں میں اس پانی کا ذکر تھا جو نجاست حسیہ سے متاثر ہوا ہو یہاں سے اس پانی کا حکم بیان کرتے ہیں، جو نجاست معنویہ سے متاثر ہوا ہو۔ نجاست معنویہ سے مراد حدث اور جنابت ہے یعنی وہ پانی جس کے ذریعہ سے حدث اصغر یا اکبر کا ازالہ کیا گیا ہو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک، اور آپ جانتے

ہی ہیں کہ اس قسم کے پانی کو فقہاء کی اصطلاح میں ماء مستعمل کہا جاتا ہے تو گویا مصنفؒ کی غرض اس باب سے ماء مستعمل کا حکم بیان کرنا ہے [1]۔

ماء مستعمل میں مذاہب ائمہ: ماء مستعمل کا مسئلہ اختلافی ہے، امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ طاہر و مطہر ہے اور امام شافعی واحمد کا راجح قول یہ ہے کہ طاہر ہے مطہر نہیں ہے، اور حنفیہ کے یہاں تین روایات ہیں، مشہور اور راجح یہی ہے کہ طاہر ہے مطہر نہیں ہے یہ امام صاحب سے امام محمد کی روایت ہے، اور دوسری روایت امام صاحب کی جس کے راوی امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیادؒ ہیں یہ ہے کہ وہ نجس ہے، لیکن حسن بن زیاد سے نجاست غلیظہ اور ابو یوسفؒ سے نجاست خفیفہ منقول ہے۔

٦٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، حَدَّثَنَا سِمَاكٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ، فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَتَوَضَّأَ مِنْهَا أَوْ يَغْتَسِلَ، فَقَالَتْ: لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ».

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی ایک اہلیہ محترمہ نے ایک ٹب سے غسل فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ اس ٹب سے وضو یا غسل فرمانے کیلئے تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا کہ میں جنبی تھی (میں نے اس ٹب سے غسل جنابت کیا تھا) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانی جنبی نہیں ہوتا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٦٥) سنن النسائي - المياه (٣٢٥) سنن أبي داود - الطهارة (٦٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٧٠) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (١/٢٣٥) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (١/٢٨٤) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (١/٣٠٨) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (١/٣٣٧) سنن الدارمي - الطهارة (٧٣٤)

شرح الحدیث: قوله: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَعْضُ أَزْوَاجِ سے مراد حضرت ابن عباسؓ کی خالہ حضرت میمونہؓ ہیں جیسا کہ دار قطنی [2] وغیرہ کی روایات میں ہے، اور چونکہ یہ انکے محرم تھے اسلئے اندر کی بات نقل کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت میمونہؓ نے ایک برتن کے پانی سے غسل فرمایا، اس کے بعد اسی پانی سے وضو یا غسل کے لئے حضور ﷺ تشریف لائے، اس پر حضرت میمونہؓ نے عرض کیا کہ یہ میرے غسل کا بچا ہوا پانی ہے اور میں نے اس سے غسل جنابت کیا ہے، مطلب یہ تھا کہ آپ اس کو استعمال نہ فرمائیں، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ" یعنی اگر جنبی کسی پانی کو استعمال کرے تو جو پانی باقی رہ گیا ہے اس کو جنبی نہیں

---

[1] ترجمۃ الباب کی یہ غرض مصنفؒ کی تراجم کی ترتیب کے پیش نظر ہے کہ یہاں بحث طہارۃ الماء ونجاسۃ الماء کی چل رہی ہے بخلاف ترمذی شریف کے وہاں کی نوعیت دوسری ہے، امام ترمذیؒ نے حدیث الباب کو باب فضل طھور المرأۃ کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے اور انہوں نے اس حدیث پر ترجمہ قائم کیا ہے باب الرخصۃ في ذلك یعنی جواز الوضوء بفضل طھور المرأۃ، وہاں یہ دقت استنباط اور باریک بینی نہیں چلے گی۔ ۱۲

[2] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب استعمال الرجل فضل وضوء المرأة ١٣٧

کہا جائے گا، وہ تو اپنے حال یعنی طہارت پر قائم ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت: اب یہاں سوال یہ ہے کہ حدیث کو ترجمۃ الباب سے مطابقت کیسے ہے، کیونکہ ترجمہ سے مقصود تو ماء مستعمل کا حکم بیان کرنا ہے تو کیا یہ باقی پانی ماء مستعمل تھا؟ جواب یہ ہے کہ یہ پانی تو واقعی مستعمل نہیں تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں "اَلْمَاءُ لَا يُجْنِبُ" اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے، اس لئے کہ پانی کے جنبی نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہی تو مطلب ہے کہ جنابت کے اثر اور جنابت میں استعمال کرنے سے پانی متاثر نہیں ہوتا، گویا ترجمۃ الباب لفظ حدیث سے مترشح ہو رہا ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب محدث یا جنبی پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالدے گا تو اس لحاظ سے وہ پانی مستعمل ہو جائے گا کیونکہ ہاتھ ڈالنے والا جنبی ہے اور یہاں بھی بظاہر [1] ایسا ہی ہوا ہو گا کہ حضرت میمونہؓ نے غسل کے شروع میں اپنے ہاتھ اس میں ڈالے ہوں گے اور ہاتھوں میں ظاہر ہے جنابت کا اثر تھا لہٰذا یہ پانی مستعمل ہوا، غرضیکہ اثبات ترجمہ کیلئے صریح مطابقت ضروری نہیں ہے بلکہ ترجمہ کی طرف حدیث میں اشارہ ہو جانا بھی کافی ہے۔

قوله: فِي جَفْنَةٍ حضرتؒ نے بذل میں اس کی توجیہ اس طرح فرمائی: ای مدخلة یدها فی جفنة [2] یعنی برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لے رہی تھیں اور دار قطنی کی روایت میں فِي جَفْنَةٍ کے بجائے لفظ مِنْ جَفْنَةٍ ہے، وہ تو بالکل صاف ہے محتاج تاویل نہیں ہے، حضرت نے جو تاویل فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر ظرفیت حقیقی مستبعد ہے اس لئے یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ حضرت میمونہؓ نے پانی کے ٹب میں اندر بیٹھ کر غسل فرمایا ہو اور پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضو یا غسل کا ارادہ فرمائیں یہ نظافت کے قطعاً خلاف ہے۔

قوله: لَا يُجْنِبُ: یہ باب افعال سے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں بضم الیاء ہو گا، اور مجرد سے بھی ہو سکتا ہے، مجرد میں اس کا مصدر باب فتح اور سمع اور کرم تینوں سے آتا ہے۔

٣٦ - بَابُ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کا بیان

٦٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، فِي حَدِيثِ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ».

---

[1] لیکن کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت میمونہؓ نے غسل کے وقت اس برتن میں ہاتھ دھونے کے بعد ڈالے ہونگے دھونے سے پہلے ان کا برتن میں ہاتھ ڈالنا ان کی شان سے بعید ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ واقعہ پر اچھی طرح اسی وقت منطبق ہوتے ہیں جب انہوں نے ہاتھ برتن میں قبل الغسل ڈالے ہوں اور الفاظ نبوی ہی کے پیش نظر ترجمۃ الباب کا اثبات ہوا کرتا ہے۔

[2] أی مدخلة یدها فیها تغترف (بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ١٧٨ - ١٧٩)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اسی پانی سے غسل بھی کرے گا (اور اس پانی سے غسل جائز نہیں)۔

تخریج: صحيح مسلم - الطهارة (٢٨٢) صحيح مسلم - الطهارة (٢٨٣) جامع الترمذي - الطهارة (٦٨) سنن النسائي - الطهارة (٥٧) سنن النسائي - الطهارة (٥٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٢٠) سنن النسائي - الطهارة (٢٢١) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٣٩٦) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٣٩٧) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٣٩٨) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٣٩٩) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٠٠) سنن أبي داود - الطهارة (٦٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٤٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٠٥) سنن الدارمي - الطهارة (٧٣٠)

٧٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ، وَلَا يَغْتَسِلْ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ»

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں غسل جنابت کرے۔

تخریج: صحيح مسلم - الطهارة (٢٨٢) صحيح مسلم - الطهارة (٢٨٣) جامع الترمذي - الطهارة (٦٨) سنن النسائي - الطهارة (٥٧) سنن النسائي - الطهارة (٥٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٢٠) سنن النسائي - الطهارة (٢٢١) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٣٩٦) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٣٩٧) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٣٩٨) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٣٩٩) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٠٠) سنن أبي داود - الطهارة (٧٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٤٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٠٥) سنن الدارمي - الطهارة (٧٣٠)

شرح الاحادیث: **حدیث الباب مسلک احناف کی واضح دلیل:** یہ وہ تیسرا باب ہے جس کے بارے میں پہلے آچکا کہ اس سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ حدیث الباب میں ماء دائم میں پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ کہ پیشاب کرکے اس کو ناپاک نہ کیا جائے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ دیکھئے آپ ﷺ نے مطلقاً ماء دائم میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا اب وہ ماء دائم قلتین بھی ہو سکتا ہے اور اس سے کم وزائد بھی آپ ﷺ کی جانب سے اس میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حنفیہ کا مستدل ہے، نیز وہ لکھتے ہیں:

امام شافعیؒ اس کو مادون القلتین کے ساتھ مقید کرتے ہیں، امام مالکؒ چونکہ "اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ" والی روایت سے استدلال کرتے ہیں اور گویا وہ انکے موافق ہے، اور ظاہر ہے کہ حدیث الباب اسکے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اس لئے مالکیہ نے اس حدیث کا حل یہ سوچا کہ اس کو صرف کراہت پر محمول کیا جائے یعنی گو ناپاک نہیں ہوگا لیکن کرنا نہیں چاہئے، مکروہ ہے، شافعیہ نے اپنے مسلک کے مطابق یہ تاویل کی کہ یہ حدیث اس پانی پر محمول ہے جو مادون القلتین ہو، قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ شافعیہ وحنابلہ دونوں کا جواب ایک ہی ہوتا کیونکہ دونوں قلتین کے قائل ہیں، لیکن امام احمدؒ نے یہ نہیں فرمایا، بلکہ انہوں نے اور بات فرمائی وہ یہ کہ مقدار قلتین وقوع نجاست سے اگرچہ ناپاک نہیں ہوتا جب

تک کہ تغیر واقع نہ ہو، لیکن بول آدمی اس سے مستثنیٰ ہے یعنی بول آدمی کے وقوع سے قلتین بھی ناپاک ہو جاتا ہے، ہاں! اس کے علاوہ دوسری نجاسات کا حکم وہی ہے جو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قلتین ناپاک نہ ہو گا اس سے کم ناپاک ہو جائے گا، غرضیکہ یہ حدیث عند الجمہور مؤول اور مقید ہے بخلاف احناف کے کہ انکی تو دلیل ہی ہے۔

طہارت الماء کے مسئلہ میں حنفیہ کے دلائل: نیز حنفیہ کے مسلک کی تائید حدیث المستیقظ من النوم سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ اس کا حاصل بھی یہی ہے جو حدیث الباب کا ہے کہ برتن میں جو پانی رکھا ہوا ہے جو کہ ماء دائم ہے اس میں ہاتھ بغیر دھوئے نہ ڈالے جائیں، یہاں پر بھی قلتین اور ما دون القلتین کی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے اور اسی طرح ولوغ کلب والی روایات بھی مطلق ہیں، اور یہ تینوں حدیثیں جو حنفیہ کا مستدل اور ماخذ ہیں صحت و قوت کے اعتبار سے حدیث القلتین کے مقابلہ میں بہت اونچی ہیں، متفق علیہ ہیں، ان کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے۔

قولہ: لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ: جمہور کے نزدیک بول کی تخصیص نہیں ہے، غائط کا بھی یہی حکم ہے بلکہ وہ اور بھی زیادہ سخت ہے، ایسے ہی فی الماء الدائم میں سب صورتیں داخل ہیں براہ راست ماء دائم میں پیشاب کرے یا اس کے قریب بیٹھ کر کرے جس سے وہ بہہ کر اس میں پہنچ جائے یا کسی برتن میں پیشاب کر کے اس برتن سے اس میں ڈالے اور یہ سب چیزیں عقلی بدیہی اور ظاہر ہیں مزید دلیل کی محتاج نہیں ہیں، لیکن یہاں پر ظاہریہ نے اپنی ظاہریت خوب دکھائی اور انہوں نے کہا کہ یہ حکم بول کے ساتھ خاص ہے، غائط اس میں داخل نہیں ہے اسی طرح براہ راست ماء دائم میں پیشاب کرنا ممنوع ہے، برتن وغیرہ میں کر کے اس میں ڈالے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس کا منشاء صرف جمود علی الظاہر ہے۔

باب کی دونوں حدیثوں کے مفہوم اور مقتضی میں فرق: قولہ: ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ممانعت جمع بین الغسل والبول سے ہے یعنی پہلے ماء دائم میں پیشاب کرے اور پھر اس سے غسل کرے، منفرداً ہر ایک کی ممانعت نہیں ہے۔ چنانچہ ماء دائم سے غسل کرنے میں کچھ بھی حرج نہیں ہے اور دوسری حدیث جو آگے آرہی ہے اس میں بجائے ثم کے واؤ کے ساتھ ہے اور مِنْهُ کے بجائے فِيهِ ہے "وَلَا يَغْتَسِلُ فِيهِ" اس دوسری حدیث میں نہی کا تعلق بول فی الماء الدائم اور اغتسال فی الماء الدائم ہر ایک سے ہے، یعنی ماء دائم میں نہ پیشاب کرے اور نہ اس میں داخل ہو کر غسل کرے دونوں صورتوں میں پانی گندہ ہو گا۔

شرح السند: قولہ: فِي حَدِيثِ هِشَامٍ: یہ اس سند میں ایک نیا سا لفظ آیا ہے جو عام طور سے نہیں ہوتا ہے اسکے مطلب میں دو قول ہیں، حضرت گنگوہیؒ کی تقریر میں ہے "ای فی حدیث هشام الطویل والمذکور ههنا جزء منه" یعنی احمد بن یونس کہتے ہیں کہ زائدہ نے مجھ سے ہشام کی ایک طویل حدیث بیان کی جس کا ایک حصہ وہ ہے جو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے، دوسرا

مطلب اس کا وہ ہے جو حضرت نے بذل [1] میں تحریر فرمایا ہے "فی حدیث ھشام ای من حدیثہ لا من حدیث غیرہ" مطلب یہ ہے کہ زائدہ کے اس حدیث میں بہت سے شیوخ ہیں جن سے زائدہ کو یہ حدیث پہنچی، منجملہ انکے ہشام بھی ہیں اور زائدہ کہتے ہیں کہ میں یہاں جو حدیث بیان کر رہا ہوں، وہ اپنے شیخ ہشام سے نقل کر رہا ہوں گو یہ حدیث دوسروں سے بھی مجھے پہنچی ہے۔

۳۷۔ بَابُ الْوُضُوءِ بِسُؤْرِ الْكَلْبِ

کتے کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کا بیان

سؤر سباع میں مذاہب ائمہ: کلب سباع بہائم میں سے ہے تو گویا یہاں سے مصنف "سؤر سباع" کا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں اور خاص طور سے کلب وہرہ کا سؤر جیسا کہ اس سے اگلے باب میں آرہا ہے۔

سؤر سباع کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے، امام مالکؒ جملہ حیوانات کے سؤر کو طاہر قرار دیتے ہیں، البتہ سؤر خنزیر کے بارے میں ان کے دو قول ہیں، طاہر اور غیر طاہر، امام شافعیؒ کے یہاں بھی سؤر سباع پاک ہے البتہ انہوں نے صرف دو کا استثناء کیا ہے، خنزیر اور کلب، حنفیہ کے یہاں سؤر سباع مطلقاً ناپاک ہے صرف ہرہ اس سے ایک خاص عارض کی وجہ سے مستثنیٰ ہے جس کا باب آگے آرہا ہے اور حنابلہ کے یہاں سؤر سباع میں دونوں قول ہیں طہارت اور عدم طہارت۔

۷۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، فِي حَدِيثِ هِشَامٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «طُهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ، أَنْ يُغْسَلَ سَبْعَ مِرَارٍ، أُولَاهُنَّ بِتُرَابٍ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَلِكَ قَالَ أَيُّوبُ، وَحَبِيبُ بْنُ الشَّهِيدِ: عَنْ مُحَمَّدٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس برتن کی پاکی کا طریقہ یہ ہے کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے پہلی مرتبہ مٹی سے رگڑا جائے ...... امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ایوب اور حبیب بن شہید نے بھی ہشام بن حسان کی روایت کی طرح اس روایت کو محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے۔

۷۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ يَعْنِي ابْنَ سُلَيْمَانَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، جَمِيعًا عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِمَعْنَاهُ، وَلَمْ يَرْفَعَاهُ وَزَادَ: «وَإِذَا وَلَغَ الْهِرُّ غُسِلَ مَرَّةً».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے گزشتہ حدیث کے ہم معنیٰ حدیث مروی ہے لیکن اس سند میں معتمر بن سلیمان اور حماد بن زید نے اس روایت کو مرفوع ذکر نہیں کیا۔ ایوب راوی نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب بلی برتن میں منہ

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۱ ص ۱۸۰

ڈالدے تو برتن ایک مرتبہ دھویا جائے۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (١٧٠) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٩) جامع الترمذي - الطهارة (٩١) سنن النسائي - الطهارة (٦٦) سنن النسائي - المياه (٣٣٥) سنن النسائي - المياه (٣٣٨) سنن النسائي - المياه (٣٣٩) سنن أبي داود - الطهارة (٧١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٦٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٦٤) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٤٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٥٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٦٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٧١) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٣١٤) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٣٩٨) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٢٧) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٦٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٨٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٨٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٥٠٧) موطأ مالك - الطهارة (٦٧)

شرح الاحادیث **حدیث الباب میں تین اختلافی مسائل:** اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ اس ترجمۃ الباب میں تین مسئلے ہیں: اول یہ کہ سؤر کلب پاک ہے یا ناپاک؟ دوسرے یہ کہ اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ولوغ کلب کے بعد برتن کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

① **حکم سؤر کلب:** سو جاننا چاہئے کہ سؤر کلب جمہور وائمہ ثلاثہ کے یہاں ناپاک ہے، مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے، مشہور قول یہ ہے کہ سؤر کلب وخنزیر بلکہ تمام سباع کا سؤر پاک ہے، فیض الباری میں لکھا ہے گویا مالکیہ کے یہاں نجاست سؤر کا باب ہی نہیں ہے، ویسے مالکیہ کے اس میں تین قول ہیں: ① مطلقاً ناپاک مثل جمہور کے ② مطلقاً پاک ہے ③ کلب ماذون الاتخاذ (جس کا پالنا جائز ہو) کا سؤر پاک ہے اور غیر ماذون کا ناپاک ہے، ④ چوتھا قول وہ ہے جو ابن الماجشون مالکی کی طرف منسوب ہے، وہ کلب بدوی وحضری یعنی دیہاتی اور شہری کتے میں فرق کرتے ہیں کلب بدوی کا سؤر طاہر اور حضری کا غیر طاہر ہے [1]۔

② **جواز الوضوء بسؤر الکلب:** مسئلہ ثانیہ یعنی جواز الوضوء بسؤر الکلب، یہ پہلے ہی مسئلہ پر متفرع ہے، جمہور علماء ائمہ ثلاثہ جن کے یہاں سؤر کلب ناپاک ہے ان کے یہاں اس سے وضو بھی جائز نہیں ہے، اور امام مالکؒ کے یہاں ایک قول کی بناء پر اس سے وضو جائز ہے یہاں دو قول اور ہیں، امام زہری کہتے ہیں "یجوز ان لم یکن غیرہ" کہ سؤر کلب کے علاوہ کوئی اور پانی نہ ہو تو جائز ہے، دوسرا قول سفیان ثوری کا ہے وہ فرماتے ہیں 'ھذا ماء وفی النفس منه شئ، یتوضأ به ویتیمم' یعنی وہ کہتے ہیں کہ سؤر کلب پانی ہی ہے لیکن نفس میں اس کی طرف سے کھٹکا ہے، لہذا اس سے وضو کرے اور ساتھ میں تیمم کرے۔

③ **دفع نجاست کا طریقہ:** مسئلہ ثالثہ میں اختلاف یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں تو اس برتن کے پاک کرنے کا وہی طریقہ ہے جو دوسری نجاسات سے پاک کرنے کا ہے، اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ اس باب کی روایات کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں کہ اس میں تسبیع ہونی چاہئے یعنی سات بار دھونا، اور چونکہ ایک روایت میں جو آگے باب میں آرہی ہے تثمین مذکور ہے

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ١ ص ٢٧٦

اس لئے حنابلہ کے یہاں بجائے سات کے آٹھ بار دھونا ضروری ہے، پھر چونکہ مالکیہ کے یہاں سؤر کلب پاک ہے اس لئے ان کے نزدیک غسل اناء کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے، باقی ائمہ کے نزدیک وجوبی ہے نیز شافعیہ اور حنابلہ تتریب یعنی ایک بار مٹی سے مانجھنے کے قائل ہیں اور مالکیہ اس کے قائل نہیں ہیں، حاصل یہ کہ حضرات ائمہ ثلاث جو روایات الباب پر عمل کے قائل ہیں اور ان کو منسوخ وغیرہ نہیں مانتے وہ احادیث کے اختلاف کی وجہ سے خود آپس میں مختلف ہیں ان سب کا عمل ان تمام روایات پر نہیں ہے، البتہ حنابلہ نے حدیث کے سب اجزاء پر عمل کیا چنانچہ وہ صرف تسبیع نہیں بلکہ تثمین کے قائل ہیں، اسی طرح تتریب کے بھی قائل ہیں، یہ تو ہوئے مسائل اور ائمہ کے اختلافات، اب رہ گئی بات دلیل کی۔

حنفیہ کی طرف سے احادیث الباب کی توجیہات: جمہور احادیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ یہ احادیث ان کی موافقت میں ہیں ہماری طرف سے ان کے کئی جواب دیئے گئے، اول یہ کہ ان روایات میں اضطراب ہے بعض میں تسبیع ہے اور بعض میں تثمین، اور یہ دونوں قسم کی روایتیں صحاح میں موجود ہیں اور دار قطنی [1] کی ایک روایت میں جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے اس میں تخییر مذکور ہے اس طرح يَغْسِلُ ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا نیز بعض رواۃ نے تتریب کو ذکر کیا ہے اور بعض نے نہیں، بعض روایات میں ہے أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ [2] اور بعض میں ہے أُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ [3] اور بعض میں ہے إِحْدَاهُنَّ [4] غرضیکہ ان روایات میں اضطراب مختلف اعتبار سے پایا جاتا ہے، دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ ان روایات کو استحباب پر محمول کیا جائے ہمارے یہاں بھی ایک قول استحباب تسبیع کا ہے، اور مشہور جواب یہ ہے کہ یہ احادیث ہمارے یہاں منسوخ ہیں، یہ روایات اس زمانہ کی ہیں جب امر کلاب میں تشدید تھی حتی کہ قتل کلاب کا حکم دیا گیا تھا اور بعد میں یہ تشدید اور قتل کا حکم منسوخ ہو گیا، لہٰذا یہ دوسری تشدید یعنی سات بار دھونے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا ایک اور قرینہ نسخ کا یہ ہے کہ دار قطنی میں ابو ہریرہؓ سے موقوفاً مروی ہے کہ وہ ولوغ کلب کے بعد برتن کو تین بار دھوتے تھے پس راوی کا عمل اپنی بیان کردہ روایت کے خلاف علامت ہوا کرتی ہے نسخ کی اس نسخ والے جواب کو امام طحاویؒ نے وضاحت سے بیان کیا ہے لیکن اس پر حافظ ابن حجرؒ نے اعتراض کیا اور طحاوی کے جوابات کو فرداً فرداً رد کیا ہے، پھر علامہ عینیؒ نے حافظ کے ایرادات کو الگ الگ رد فرمایا ہے، ایک مناظرہ کی سی شکل ہے جس کو حضرت نے بذل [5] میں ذکر فرمایا ہے۔

حافظؒ کا اصل اشکال نسخ پر یہ ہے کہ قتل کلاب کا حکم ابتداء ہجرت میں تھا، اور تسبیع وغیرہ کی روایات بعد کی ہیں، کیونکہ ان کے

---

1. سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب ولوغ الكلب في الإناء ۱۹۳
2. سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب ولوغ الكلب في الإناء ۱۸۵
3. جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب ما جاء في سؤر الكلب ۹۱
4. سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب ولوغ الكلب في الإناء ۱۹۲
5. بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۱ ص ۱۸۵ - ۱۸۸

راوی حضرت ابو ہریرہؓ متاخر الاسلام ہیں، ۷ھ میں اسلام لائے حاصل یہ کہ قتل کلاب کا حکم ابتداء ہجرت میں تھا، پھر کچھ روز بعد منسوخ ہو گیا تھا، اور یہ تسبیع والی روایات اس کے بعد کی ہیں، لہٰذا ان کے منسوخ ہونے کا کیا مطلب؟ ہماری طرف سے جواب دیا گیا کہ اولاً تو تاخر اسلام سے تاخر روایت پر استدلال صحیح نہیں ہے، دوسرے یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی عادت جیسا کہ مشہور بین المحدثین ہے ارسال کی تھی، یعنی وہ کسی قدیم الاسلام صحابی سے حدیث سن کر بلاواسطہ اس کو نقل کر دیا کرتے تھے، اور ایسی روایت کو مرسل صحابی کہتے ہیں تو یہاں پر بھی یہ احتمال ہے کہ انہوں نے یہ روایات کسی قدیم الاسلام صحابی سے سن کر بیان کی ہوں، اور فی الواقع یہ روایات اسی زمانہ ابتداء ہجرت کی ہوں، اور اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابو داود کے اسی باب کے اخیر میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت آ رہی ہے جس میں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے قتل کلاب کا حکم فرمایا "ثُمَّ قَالَ: مَا لَهُمْ وَلَهَا" کہنا یہ ہے کہ بقول آپ کے قتل کلاب کا حکم ابتداء ہجرت میں تھا، حالانکہ عبداللہ بن مغفلؓ متاخر الاسلام صحابی ہیں تو پھر وہ اس کو کیسے نقل کر رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ مرسل صحابی ہے، کسی قدیم الاسلام صحابی سے سن کر نقل کر رہے ہیں۔

نظر طحاوی اور اس پر اشکال وجواب: امام طحاویؒ نے ایک بات بطریق نظر فرمائی ہے کہ دیکھئے کتا اگر کسی برتن میں پیشاب پاخانہ کر دے تو وہاں پر تسبیع کسی کے یہاں نہیں ہے تو کیا ولوغ کلب کا حکم ان دونوں سے زیادہ شدید ہے، جب وہاں سات بار دھونا ضروری نہیں ہے تو یہاں بھی نہیں ہونا چاہئے [1]، اس پر حافظ صاحب بولے یہ قیاس فی مقابلۃ النص ہے، علامہ عینیؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ قیاس نہیں ہے بلکہ استدلال بدلالۃ النص ہے۔

قولہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذٰلِكَ قَالَ أَيُّوبُ: اس حدیث کا مدار محمد بن سیرین پر ہے، پھر ان کے تلامذہ مختلف ہیں، شروع میں ہشام آئے تھے، اس کے بعد مصنفؒ دو اور کا ذکر فرما رہے ہیں ایوب اور حبیب کہ جس طرح ہشام نے کہا اسی طرح ان دونوں نے بھی کہا اب سوال یہ ہے کہ تشبیہ کس بات میں ہے؟ کیونکہ یہاں رواۃ کے دو اختلاف ہیں ایک حدیث کے موقوف و مرفوع ہونے کا، دوسرے أُولَاهُنَّ بالتراب کا اس لئے کہ بعض نے کہا ہے السَّابِعَةُ بِالتُّرَابِ جیسا کہ قتادہ کی روایت میں آگے آ رہا ہے، میرے نزدیک یہاں پر تشبیہ اس ثانی اختلاف میں ہے، مطلب یہ ہوا کہ محمد بن سیرین کے تلامذہ میں سے جس طرح ہشام نے أُولَاهُنَّ بِتُرَابٍ نقل کیا ہے اسی طرح ایوب اور حبیب نے بھی أُولَاهُنَّ بالتراب نقل کیا۔

قولہ: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ يَعْنِي ابْنَ سُلَيْمَانَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ: یہاں دو سندیں ہیں پہلی سند میں مصنفؒ کے شیخ الشیخ معتمر ہیں اور دوسری سند میں حماد بن زید اور پھر یہ دونوں روایت کرتے ہیں، ایوب سختیانی سے، لہٰذا ایوب مجمع السندین ہوئے "ولم يرفعاه" یہ ہے وہ دوسرا اختلاف یعنی معتمر اور حماد نے ایوب سختیانی سے اس حدیث کو بجائے

[1] شرح معانی الآثار - کتاب الطہارۃ - باب سؤر الکلب ج ۱ ص ۲۳

مرفوعاً کے موقوفاً نقل کیا، اور ایوب محمد بن سیرین کے تیسرے شاگرد ہیں گویا ایوب وہشام اس بات میں تو متفق ہیں کہ انہوں نے حدیث میں أُولَاهُنَّ بِالتراب ذکر کیا لیکن ہشام اور ایوب میں باعتبار رفع اور وقف کے اختلاف ہے، ہشام نے اس روایت کو مرفوعاً اور ایوب نے موقوفاً ذکر کیا۔

۷۳ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ، حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ، فَاغْسِلُوهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ، السَّابِعَةُ بِالتُّرَابِ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأَمَّا أَبُو صَالِحٍ، وَأَبُو رَزِينٍ، وَالْأَعْرَجُ، وَثَابِتٌ الْأَحْنَفُ، وَهَمَّامُ بْنُ مُنَبِّهٍ، وَأَبُو السُّدِّيِّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ رَوَوْهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَلَمْ يَذْكُرُوا التُّرَابَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھو ساتویں مرتبہ اس برتن کو مٹی سے مل لو۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابوصالح، ابورزین اعرج، ثابت الاحنف، ہمام بن منبہ اور ابوالسدی عبدالرحمٰن ان سب راویوں نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے اور اس میں مٹی سے ملنے کا ذکر نہیں۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٧٠) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٩) جامع الترمذي - الطهارة (٩١) سنن النسائي - الطهارة (٦٦) سنن النسائي - المياه (٣٣٥) سنن النسائي - المياه (٣٣٨) سنن النسائي - المياه (٣٣٩) سنن أبي داود - الطهارة (٧٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٦٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٦٤) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٤٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٥٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٦٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٧١) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٣٩٨) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٢٧) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٦٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٨٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٨٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٥٠٧) موطأ مالك - الطهارة (٦٧)

شرح الحدیث: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: ابن سیرین کے تلامذہ میں سے یہ قتادہ کی روایت ہے گزشتہ تین تلامذہ کی روایت میں أُولَاهُنَّ بِتُرَابٍ تھا اور قتادہ کی روایت میں السَّابِعَةُ بِالتُّرَابِ ہے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَأَمَّا أَبُو صَالِحٍ: یہاں سے ان رواۃ کو بیان کر رہے ہیں جن کی روایت میں تراب مطلقاً مذکور ہی نہیں ہے۔

قوله: وَأَبُو السُّدِّيِّ: اس سے مراد والد سدی ہیں جن کا نام عبدالرحمٰن ہے اور خود سدی کا نام اسماعیل ہے۔

۷۴ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ ابْنِ مُغَفَّلٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ، ثُمَّ قَالَ: «مَا لَهُمْ وَلَهَا»، فَرَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ، وَفِي كَلْبِ الْغَنَمِ وَقَالَ: «إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ فَاغْسِلُوهُ سَبْعَ مِرَارٍ، وَالثَّامِنَةُ عَفِّرُوهُ بِالتُّرَابِ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَكَذَا قَالَ ابْنُ مُغَفَّلٍ.

ترجمہ: عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم ارشاد فرمایا پھر اس حکم کو منسوخ کر کے ارشاد فرمایا: لوگوں کو کتوں کے مارنے سے کیا غرض ہے، چنانچہ (کتوں کو مارنے سے منع کرنے کے بعد) رسول اللہ ﷺ

نے شکار کیلئے کتا رکھنے اور چوپایوں کی حفاظت کیلئے کتا رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھو اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے اس برتن کو مل لو۔

تخریج صحيح مسلم - الطهارة (٢٨٠) سنن النسائي - المياه (٣٣٦) سنن النسائي - المياه (٣٣٧) سنن أبي داود - الطهارة (٧٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٦٥) سنن ابن ماجه - الصيد (٣٢٠٠) سنن ابن ماجه - الصيد (٣٢٠١) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٨٦/٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٣٧) سنن الدارمي - الصيد (٢٠٠٦)

شرح الحدیث قوله: قَالَ أَبُو دَاوُد: وَهٰكَذَا قَالَ ابْنُ مُغَفَّلٍ: بظاہر مطلب یہ ہے کہ عبد اللہ بن مغفل جو اس حدیث کے راوی ہیں جس میں تثمین مذکور ہے وہ خود بھی اس کے قائل ہیں یعنی ان کا عمل اسی پر ہے کہ آٹھ مرتبہ پاک کیا جائے، بخلاف ابو ہریرہؓ کے کہ وہ تسبیع کے راوی ہیں مگر ان کا عمل اس پر نہیں تھا جیسا کہ بحث میں گزر چکا، بذل میں اس کا یہی مطلب لکھا ہے۔

حضرت ناظم صاحب (مولانا اسعد اللہ صاحب) رحمۃ اللہ علیہ نے احتمالاً ایک اور مطلب بیان کیا ہے وہ یہ کہ قَالَ کا فاعل ابن مغفل نہیں ہے بلکہ قَالَ کی ضمیر راجع ہے راوی کی طرف، مطلب یہ ہے کہ اس سند کے اندر راوی نے بوقت روایت ابن مغفل کہا یعنی ابن المغفل معرف باللام نہیں کہا، کیونکہ یہ نام دونوں طرح چلتا ہے، عبد اللہ بن مغفل اور عبد اللہ بن المغفل، حضرت ناظم صاحب بڑے ادیب تھے اس لئے ان کا ذہن اس مطلب یعنی الفاظ کی باریکیوں کی طرف گیا، واللہ اعلم۔

۳۸۔ بَابُ سُؤْرِ الْهِرَّةِ

بلی کے جھوٹے کا کیا حکم ہے؟

کلب و ہرہ گو دونوں سباع میں سے ہیں لیکن دونوں کے سؤر کے حکم میں بڑا فرق ہے ایک پاک ایک ناپاک، قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ سؤر ہرہ بھی ناپاک ہو، مگر ایک علت کی بناء پر نجاست کا حکم نہیں لگایا گیا، وہ علت جیسا کہ حدیث میں مذکور کثرت دوران و طواف ہے یعنی اسکا گھروں میں بار بار آنا جانا جسکی وجہ سے صون اوانی دشوار تھا، ایسی صورت میں نجاست کا حکم حرج کو مستلزم تھا 'ولا حرج فی الدین'۔

سؤر ہرہ میں مذاہب ائمہ: سؤر ہرہ میں اختلاف یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک طاہر بلا کراہت ہے، اور طرفین کے نزدیک طاہر مع الکراہت ہے راجح قول کی بناء پر کراہت تنزیہی ہے، تیسرا مسلک بعض تابعین جیسے عطاء، طاؤس، مجاہد کا ہے کہ یہ نجس ہے۔ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار [1] میں امام محمدؒ کو امام ابو یوسفؒ کے ساتھ شمار کیا ہے اور

[1] شرح معانی الآثار - کتاب الطهارة - باب سؤر الهر ٥٠ ج ١ ص ١٩

مشکل الآثار[1] میں ان کو امام صاحب کے ساتھ قرار دیا اور یہی صحیح ہے مشکل الآثار بعد کی تالیف ہے، اسکی نقل زیادہ صحیح ہے۔

۷۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ حُمَيْدَةَ بِنْتِ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ - وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ - أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ، دَخَلَ فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوءًا، فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَشَرِبَتْ مِنْهُ، فَأَصْغَى لَهَا الْإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ، قَالَتْ كَبْشَةُ: فَرَآنِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: أَتَعْجَبِينَ يَا ابْنَةَ أَخِي؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّمَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ».

ترجمہ کبشہؓ جو کہ ابو قتادہ کے بیٹے (عبد اللہ) کے نکاح میں تھیں کہتی ہیں کہ ان کے سسر ابو قتادہ انکے ہاں تشریف لائے تو کبشہ نے انکے لئے وضو کا پانی جو برتن میں موجود تھا انکے اعضاء پر انڈیلا تو ایک بلی آئی اور اس برتن سے پینے لگی تو ابو قتادہ نے بھی بلی کیلئے برتن کو جھکا دیا یہاں تک کہ اس بلی نے اس برتن سے پانی پی لیا، حضرت کبشہ فرماتی ہیں کہ ابو قتادہؓ نے مجھے دیکھا کہ میں ابو قتادہ کے اس فعل پر تعجب سے دیکھ رہی تھی تو ابو قتادہ نے فرمایا اے بھتیجی کیا تمہیں اس بارے میں تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! حضرت ابو قتادہ نے فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلی ناپاک نہیں ہے، بلی تو تم پر کثرت سے آنے والے گھر کے خادموں کی مانند ہے اور گھر میں کثرت سے آنے والی خادماؤں کی مانند ہے۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (۹۲) سنن النسائي - الطهارة (۶۸) سنن أبي داود - الطهارة (۷۵) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۳۶۷) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۲۹۶/۵) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۳۰۳/۵) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۳۰۹/۵) موطأ مالك - الطهارة (٤٤) سنن الدارمي - الطهارة (۷۳۶).

شرح الحديث **مضمون حدیث** قوله: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ کبشہ بنت کعب جو عبد اللہ بن ابی قتادہ کے نکاح میں تھیں، وہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ میرے شوہر کے باپ حضرت ابو قتادہؓ میرے پاس آئے میں نے ان کو وضو کرائی وہ مجھ سے پانی ڈلوا رہے تھے تو اچانک ایک بلی وہاں آئی اور اس نے پانی پینا چاہا تو ابو قتادہؓ نے پانی کا برتن بلی کی جانب جھکا دیا یہاں تک کہ اس نے بسہولت پی لیا میں ان کو دیکھتی رہی وہ سمجھ گئے اور فرمانے لگے کیا تعجب کر رہی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، اس پر انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ کہ بلی ناپاک نہیں ہے تحقیق کہ وہ گھروں میں کثرت سے آتی جاتی ہے تو گویا کثرت سے آنے جانے کی وجہ سے چونکہ اس سے بچنا مشکل ہے اس لئے اس کے سؤر کو معاف قرار دیا گیا۔

قوله: إِنَّمَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ: طوافین اور طوافات سے مراد وہ خدمت گزار نابالغ لڑکے اور لڑکیاں ہیں جن

---

[1] شرح مشکل الآثار - ج ۷ ص ۸۲ (مؤسسة الرسالة الطبعة الأولى ۱۴۱۵ھ)

کا خدمت کیلئے گھر میں کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تو گویا اس حدیث میں ہرّہ کو ان خدام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح ان سے کثرت آمد و رفت کی بناء پر گھر میں داخل ہونے کے وقت استیذان ساقط ہے اسی طرح یہاں پر ہرّہ میں کثرت طواف کی وجہ سے اس کے سؤر سے نجاست کا حکم ساقط کر دیا گیا، کثرت طواف کی بناء پر وہاں استیذان کا سقوط ہوا، یہاں نجاست کا۔

حدیث الباب کی امام طحاوی کی طرف سے توجیه: یہ حدیث جمہور کا مستدل ہے امام طحاویؒ [1] نے اسکا جواب دیا کہ جس چیز سے آپ استدلال کر رہے ہیں یعنی اصغاء الاناء یہ صحابی ابو قتادہؓ کا فعل ہے اور حجت حضور ﷺ کا قول یا فعل [2] ہوتا ہے اور حضور ﷺ کا ارشاد جو یہاں پر ہے إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّمَا الحدیث تو ہو سکتا ہے اس کا تعلق سؤر سے نہ ہو بلکہ مماستِ ثیاب و فراش سے ہو یعنی گھروں میں جو بلیاں رہتی ہیں وہ انسانوں کے لحاف اور بستروں میں آکر بیٹھ جاتی ہیں، گھس جاتی ہیں تو اس میں اس کی گنجائش دی گئی ہے سؤر سے اس کا تعلق نہیں ہے، اور پھر آگے چل کر امام طحاویؒ نے بیان فرمایا کہ ولوغ هرّہ والی روایت جس میں یہ ہے کہ ولوغ ہرہ سے برتن کو ایک بار یا دو بار دھویا جائے وہ حدیث مرفوع قوی اور متصل الاسناد ہے، لہذا اس پر عمل کیا جائے گا۔

نیز حنفیہ کے دلائل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث "الهرة سبع" ذکر کی جاتی ہے جو مستدرک حاکم اور مسند احمد [3] وغیرہ میں ہے، لیکن اس کی سند میں عیسی بن المسیب ہیں جو ضعیف ہیں، نیز یہ حدیث موقوفاً اور مرفوعاً نقل کی گئی ہے، ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ اس کا موقوف ہونا اصح ہے۔

حضرت سہارنپوری کی تحقیق: حضرت سہارنپوریؒ نے بذل [4] میں دلائل حنفیہ پر کلام کرتے ہوئے فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض روایات (مثلاً روایت کبشہ) دلالت کرتی ہیں طہارت سؤر ہرّہ پر اور بعض دوسری روایات ایسی ہیں جو دلالت کرتی ہیں اس کی نجاست پر جیسا کہ بعض تابعین عطاء وطاؤس وغیرہ کا یہ مسلک ہے لیکن چونکہ روایات طہارت اقوی تھیں، ان روایات سے جو اس کی نجاست پر دلالت کرتی ہیں "فنزلنا من القول بنجاستها الى القول بالكراهة" یعنی جانبین کی رعایت کرتے ہوئے ہم نہ تو قائل ہوئے مطلق طہارت کے اور نہ مطلق نجاست کے بلکہ درمیانی قول یعنی طہارت مع

---

[1] شرح معانی الآثار - کتاب الطهارة - باب سؤر الهر ج ۱ ص ۱۹

[2] علامہ زیلعیؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ اصغاء الاناء حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث میں حضور ﷺ کے فعل سے بھی ثابت ہے جیسا کہ دار قطنی کی روایت میں دو طریق سے ہے لیکن وہ ضعیف ہے اس لئے کہ ایک طریق میں عبد اللہ بن سعید المقبری ہیں اور دوسرے میں واقدی اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

[3] فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ السِّنَّوْرَ سَبُعٌ" (مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة - مسند أبي هريرة رضي الله عنه ۸۳٤۲)

[4] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۱ ص ۱۹۷ - ۲۰۱

الکراہت اختیار کیا[1]۔

تحقیق السند: قولہ: عَنْ حُمَيْدَةَ: یہ اسحٰق بن عبد اللہ راوی مذکور کی زوجہ ہیں۔

قولہ: عَنْ كَبْشَةَ: یہ حمیدہ کی خالہ اور صحابیہ ہیں، یہ حدیث سنن اربعہ کی روایت ہے اور اس کے علاوہ صحیح ابن خزیمہ و صحیح ابن حبان میں بھی موجود ہے، بہر حال صحیحین میں سے کسی ایک میں نہیں ہے امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے، امام بخاریؒ اور دار قطنیؒ وغیرہ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے، لیکن ابن مندہؒ نے اس حدیث کو معلل قرار دیا ہے وہ یوں کہتے ہیں کہ اس کی سند میں حمیدہ اور کبشہ دونوں مجہول ہیں، لیکن کبشہ اگر صحابیہ ہیں تو ان کی جہالت مضر نہیں ہے۔

٧٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِينَارٍ التَّمَّارِ، عَنْ أُمِّهِ، أَنَّ مَوْلَاتَهَا أَرْسَلَتْهَا بِهَرِيسَةٍ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَوَجَدَتْهَا تُصَلِّي، فَأَشَارَتْ إِلَيَّ أَنْ ضَعِيهَا، فَجَاءَتْ هِرَّةٌ، فَأَكَلَتْ مِنْهَا، فَلَمَّا انْصَرَفَتْ أَكَلَتْ مِنْ حَيْثُ أَكَلَتِ الْهِرَّةُ، فَقَالَتْ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ»، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِفَضْلِهَا.

ترجمہ: داؤد بن صالح اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ انکی والدہ کی سیدہ نے انکو حضرت عائشہؓ کیلئے ہریسہ (دلیا) دیکر بھیجا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا، پس حضرت عائشہؓ نے انکو نماز میں اشارہ کیا کہ اس دلیا کو رکھ دو چنانچہ ایک بلی آئی اور اس نے اسمیں سے کچھ حصہ کھالیا جب حضرت عائشہؓ نماز سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے اس جگہ سے اس دلیا کو تناول فرمایا جہاں سے اس بلی نے کھایا تھا اور ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: بلی ناپاک نہیں ہے یہ تو تم لوگوں پر کثرت سے آنے والے خادموں کی مانند ہے اور تحقیق میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلی کے جھوٹے سے وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٧٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٦٨)۔

شرح الحدیث: قولہ: أَرْسَلَتْهَا بِهَرِيسَةٍ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: یہ باب کی دوسری حدیث ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ام داود کہتی ہیں کہ میری سیدہ نے میرے ذریعہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ہریسہ یعنی دلیا وغیرہ کھانے کی چیز بھیجی، جب میں وہاں پہنچی تو میں نے ان کو نماز میں پایا، انہوں نے اشارہ سے اس کو رکھنے کا حکم فرمایا، اس کے بعد اچانک ایک بلی آئی اور اس میں سے کھانے لگی، حضرت عائشہؓ جب نماز سے فارغ ہوئیں تو جس جگہ سے بلی نے کھایا تھا انہوں نے بھی اسی جگہ سے نوش فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے سؤر کے پانی سے وضو کرتے دیکھا ہے۔

[1] اس پر یہ اشکال ہے کہ جب آپ خود اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ روایات دالۃ علی الطہارۃ اقوی ہیں تو پھر ان ہی کے پیش نظر فیصلہ کیوں نہیں کرتے، اور سؤر ہرۃ کو مکروہ کیوں قرار دیتے ہو؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا کریں تو خلاف احتیاط ہوگا، لہذا طریق احوط کو اختیار کیا گیا ہے، جانبین کی رعایت جب ہی ہوگی۔

یہ حدیث بھی جمہور کا مستدل ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ ام داؤد مجہولہ ہیں، دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے بیان جواز کیلئے آپ نے ایسا کیا ہو، ایک اور جواب ہے جو صاحب بحر کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ کہ جس سؤر ہرّہ سے آپ نے وضو فرمایا ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس بلی کو اس سے قبل پانی پیتے دیکھا ہو، اور ایسی بلی کا سؤر ہمارے یہاں بھی پاک ہے اس لئے کہ سؤر ہرہ کی کراہت ایک قول کی بناء پر علت توقی عن النجاسة کی وجہ سے ہے یعنی یہ کہ وہ گندی چیزیں کھاتی ہے اس لئے اس کا منہ خارجی نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے، اور یہاں یہ علت مرتفع ہے اس کے منہ کا پانی پینے کی وجہ سے پاک ہونا معلوم ہے اور گویہ صرف ایک احتمال ہے لیکن احتمال کا وجود مانع عن الاستدلال ہو جاتا ہے۔

۳۹۔ بَابُ الْوُضُوءِ بِفَضْلِ وَضُوءِ الْمَرْأَةِ

عورت کے طہارت حاصل کرنے کے بعد بچ جانے والے پانی سے وضو کرنے کا بیان

ترجمۃ الباب والا مسئلہ اختلافی ہے، یعنی جس پانی کو عورت نے وضو یا غسل میں استعمال کیا ہو اس کے استعمال کے بعد برتن میں جو پانی باقی رہا ہے اس سے مرد کیلئے وضو جائز ہے یا نہیں؟

مذاہب علماء: مطلق فضل طہور کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: ① ایک یہ کہ مرد وعورت دونوں ایک برتن میں پانی لے کر ایک ساتھ وضو یا غسل کریں (اس میں بھی ہر ایک کو دوسرے کے فضل کا استعمال لازم آتا ہے)۔ ② دوسری شکل یہ ہے کہ تنہا مرد کے طہارت حاصل کرنے کے بعد باقی پانی کو عورت استعمال کرے۔ ③ تیسری شکل اس کا عکس ہے اور یہی ترجمۃ الباب میں مذکور ہے یعنی عورت کے استعمال کرنے کے بعد باقی پانی کو مرد استعمال کرے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ پہلی دو شکلیں بالاجماع جائز ہیں ان میں اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف اس تیسری شکل میں ہے، امام احمدؒ اور داود ظاہریؒ کے یہاں ناجائز ہے، جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے یہاں جائز ہے، حافظ ابن حجرؒ نے امام نوویؒ کے اجماع نقل کرنے پر اشکال کیا ہے اور انہوں نے امام طحاویؒ کے حوالہ سے پہلی دو صورتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے اور یہ کہ پہلی دو صورتوں کا اختلاف حضرت ابوہریرہؓ اور امام احمد کی طرف منسوب ہے، ایک قول یہاں پر شعبی اور اوزاعی کا ہے وہ کہتے ہیں کہ صرف حائض اور جنب کا فضل طہور مرد کیلئے ناجائز ہے، غیر حائض کے فضل کا یہ حکم نہیں ہے۔

۷۷ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَنَحْنُ جُنُبَانِ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ حالت جنابت میں ایک ہی پانی سے غسل کیا کرتے تھے۔

تخریج: صحيح البخاري - الغسل (۲۴۷) صحيح البخاري - الغسل (۲۵۸) صحيح البخاري - الغسل (۲۶۰) صحيح البخاري - الغسل (۲۶۹) صحيح البخاري - الحيض (۲۹۵) صحيح مسلم - الحيض (۳۱۹) صحيح مسلم - الحيض (۳۲۱) صحيح مسلم - الحيض (۳۳۱) جامع

الترمذي - اللباس (١٧٥٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٢٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٣١) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٢) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٥) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٠) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١١) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٢) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٣) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٤) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٦) سنن أبي داود - الطهارة (٧٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٧٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٠٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٤٩) سنن الدارمي - الطهارة (٧٥٠)

شرح الحديث ہم شروع میں کہہ چکے ہیں کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں، ترجمۃ الباب میں صرف اختلافی شکل مذکور ہے یعنی پہلے عورت استعمال کرے اسکے بعد مرد، لیکن اس حدیث میں بظاہر ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث کے معنی متبادر ایک ساتھ غسل کرنے کے ہیں۔

حدیث کی ترجمۃ سے مطابقت: لیکن ترجمۃ الباب سے مطابقت پیدا کرنے کیلئے حدیث کی تاویل اس طرح کرسکتے ہیں کہ یہاں وقت واحد اور زمان واحد میں غسل کرنے کی تصریح نہیں ہے، ہوسکتا ہے یکے بعد دیگرے غسل کرنا مراد ہو، اس لئے کہ وحدت اناء وحدت زمان کو مستلزم نہیں ہے، اب رہی یہ بات کہ حدیث میں تو غسل مذکور ہے اور ترجمۃ الباب میں وضو سو اس کا جواب ظاہر ہے کہ غسل تو خود وضو کو متضمن ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ خَرَّبُوذَ، عَنْ أُمِّ صُبَيَّةَ الْجُهَنِيَّةِ، قَالَتْ: «اخْتَلَفَتْ يَدِي وَيَدُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْوُضُوءِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ».

ترجمہ اُمّ صبیہ الجہنیہ فرماتی ہیں کہ ایک ہی برتن سے وضو کرتے ہوئے میرا ہاتھ اور رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک آگے پیچھے آجارہے تھے (استعمال ہورہے تھے)۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (٧٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٨٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٦٦)

شرح الحديث قوله: عَنْ أُمِّ صُبَيَّةَ الْجُهَنِيَّةِ، قَالَتْ: ام صبیہ فرماتی ہیں کہ میرے اور حضور ﷺ دونوں کے ہاتھ ایک برتن سے وضو کرتے ہوئے اس برتن میں پڑتے ہیں، اختلاف کے معنی آنے جانے کے ہیں، یعنی کبھی میرے ہاتھ اس میں آتے تھے اور کبھی حضور ﷺ کے۔

اس حدیث میں بظاہر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ ام صبیہ کو حضور ﷺ سے کوئی محرمیت کا علاقہ نہیں تھا، پھر بیک وقت ایک ساتھ وضو کرنے کی نوبت کیسے آئی؟ بعضوں نے جواب دیا کہ ہوسکتا ہے یہ واقعہ قبل الحجاب کا ہو لیکن حضرت سہارنپوریؒ [1] کو یہ جواب پسند نہیں اسلئے کہ حجاب سے پہلے عورت کیلئے مرد کے سامنے صرف کشف وجہ ہی تو جائز ہوگا، باقی بدن جو وضو میں کھل جاتا ہے اس کا کشف تو دوسرے کے سامنے جائز نہ تھا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ خواہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٠٦

ہی کا ہو لیکن آپ اور ام صبیہ کے درمیان ہو سکتا ہے حجاب حائل ہو گو وضو ایک ہی برتن سے کر رہے ہوں یا حجاب بھی حائل نہ ہو صرف رخ پھرا ہوا ہو آمنے سامنے نہ بیٹھے ہوں یا یوں کہا جائے کہ یہ ایک برتن سے وضو کرنا اور اختلاف ایدی وقت واحد میں نہ تھا بلکہ الگ الگ وقت میں تھا پہلے ایک نے وضو کی اس کے فارغ ہونے کے بعد دوسرے نے، اس لئے کہ وحدت اناء وحدت زمان کو مستلزم نہیں ہے، اور ایسے پانی پر بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ اس پر اختلاف ایدی ہوا ہے، یہ مطلب اختلاف ایدی کے خلاف نہیں۔

۷۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: «كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّئُونَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»، قَالَ مُسَدَّدٌ: «مِنَ الْإِنَاءِ الْوَاحِدِ جَمِيعًا».

ترجمہ: ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں مرد اور عورتیں سب کے سب اکٹھے ایک ہی برتن سے وضو کیا کرتے تھے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (۱۹۰) سنن النسائي - الطهارة (۷۱) سنن أبي داود - الطهارة (۷۹) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۳۸۱) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۲/٤) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۲/۱۰۳) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۲/۱۱۳) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۲/۱٤۲) موطأ مالك - الطهارة (٤٦)

۸۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: «كُنَّا نَتَوَضَّأُ نَحْنُ وَالنِّسَاءُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، نُدْلِي فِيهِ أَيْدِيَنَا».

ترجمہ: ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں ہم مرد اور عورتیں ایک ہی برتن سے وضو کیا کرتے تھے اس برتن میں ہم اپنے ہاتھ ڈال دیتے تھے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (۱۹۰) سنن النسائي - الطهارة (۷۱) سنن أبي داود - الطهارة (۸۰) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۳۸۱) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۲/٤) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۲/۱۰۳) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۲/۱۱۳) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۲/۱٤۲) موطأ مالك - الطهارة (٤٦)

شرح الاحادیث: قوله: عَنِ ابْنِ عُمَرَ. قَالَ: كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ: اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو مردوں کی محرم اور قریبی رشتہ دار ہوں اور یا یہ کہا جائے کہ یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے یا اس کو معاقبت پر محمول کیا جائے یعنی یکے بعد دیگرے اور آگے پیچھے، لیکن آگے لفظ جمیعًا آرہا ہے تو اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس اجتماع سے اجتماع فی الوقت نہیں بلکہ اجتماع فی الاناء مراد ہے۔

قوله: قَالَ مُسَدَّدٌ: مِنَ الْإِنَاءِ الْوَاحِدِ جَمِيعًا: مصنفؒ کے اس حدیث میں دو استاذ ہیں عبد اللہ بن مسلمہ اور مسدد، عبد اللہ بن مسلمہ کے الفاظ ہیں: كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّئُونَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيعًا اور مسدد کی روایت میں

مِنَ الْإِنَاءِ الْوَاحِدِ کا اضافہ ہے، پس لفظ جَمِيعًا کا تعلق دونوں کی روایت سے ہے اور مِنَ الْإِنَاءِ الْوَاحِدِ صرف مسدد کی روایت میں ہے اور بذل کی عبارت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ مِنَ الْإِنَاءِ الْوَاحِدِ اور لفظ جَمِيعًا دونوں صرف مسدد کی روایت میں ہے، عبداللہ بن مسلمہ کی روایت میں نہیں ہے لیکن ایسا نہیں ہے، ورنہ حدیث کے معنی میں خلل واقع ہو جائے گا غور کر لیا جائے، نبہ علیہ شیخنا فی حاشیۃ البذل [1]۔

تحقیق السند: قولہ: عَنِ ابْنِ خَرَّبُوذَ: ان کا نام سالم ہے یعنی سالم بن خربوذ، خربوذ پالان یا زین کو کہتے ہیں اسی لئے ان کو سالم بن السرج بھی کہا جاتا ہے۔

قولہ: عَنْ أُمِّ صُبَيَّةَ: ان کا نام خولہ بنت سعد ہے۔

قولہ: ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: یہاں دو سندیں ہیں پہلی سند مالک پر ختم ہوئی اور دوسری سند ایوب پر، اور مالک اور ایوب دونوں روایت کرتے ہیں نافع سے، لہٰذا نافع ملتقی السندین ہوا، ملتقی السندین کو کبھی صرف سند ثانی میں ذکر کرتے ہیں اور کبھی دونوں جگہ ذکر کرتے ہیں جیسا کہ یہاں پر ہے عبداللہ بن مسلمہ والی سند عالی ہے اور دوسری سند مسدد والی سافل ہے، اس میں ایک واسطہ زائد ہے۔

٤٠ ۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ ذَلِكَ

عورت کی طہارت حاصل کرنے کے بعد بچ جانے والے پانی سے وضو کرنے کی ممانعت کا بیان

پہلے باب میں مصنفؒ نے جواز کی روایات کو ذکر فرمایا تھا جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، اس باب میں منع کی روایات کو ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ ظاہریہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہ مصنفؒ کے حنبلی ہونے کی علامت ہے کہ اخیر میں منع کی روایات کو ذکر کر رہے ہیں، ورنہ مسلک جمہور کے مطابق تو اس کا عکس ہونا چاہئے تھا۔

٨١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حُمَيْدٍ الْحِمْيَرِيِّ، قَالَ: لَقِيتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ سِنِينَ، كَمَا صَحِبَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ، أَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ» . زَادَ مُسَدَّدٌ: «وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيعًا» .

ترجمہ: حمید حمیری کہتے ہیں کہ میری ایسے صحابی سے ملاقات ہوئی جن کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چار سال شرف صحبت حاصل رہا جیسے حضرت ابو ہریرہؓ کو شرف صحبت حاصل تھی، انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٠٧

بات سے منع فرمایا کہ مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت غسل کرے یا عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد غسل کرے۔
مسدد استاد نے یہ اضافہ کیا کہ مرد وعورت کو اکٹھے چلو بھرنا چاہیے۔

تخریج سنن النسائي - الطهارة (٢٣٨) سنن أبي داود - الطهارة (٨١) مسند أحمد - مسند الشاميين (١١١/٤) مسند أحمد - مسند الشاميين (١١١/٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٦٩/٥)

٨٢ - حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ يَعْنِي الطَّيَالِسِيَّ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي حَاجِبٍ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو وَهُوَ الْأَقْرَعُ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طَهُورِ الْمَرْأَةِ».

ترجمہ حکم بن عمرو سے روایت ہے اور اس عمرو کا لقب اقرع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (٦٤) سنن أبي داود - الطهارة (٨٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٧٣) مسند أحمد - مسند الشاميين (٢١٣/٤)

شرح الاحادیث اس باب میں مصنف ؒ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے پہلی حدیث میں مرد وعورت ہر ایک کے فضل سے دوسرے کو منع کیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں صرف ایک شق مذکور ہے اور وہ وہی ہے جس پر ترجمہ قائم ہے، بہر حال ان روایات میں ممانعت مذکور ہے۔

اب روایات میں تعارض ہو گیا جواز وعدم جواز دونوں طرح کی روایات جمع ہو گئیں، تطبیق کی تین شکلیں ہیں، ترجیح، جمع بین الروایات اور نسخ، جمہور کہتے ہیں جواز کی روایات زیادہ صحیح ہیں جو حضرت عائشہ ؓ حضرت میمونہ ؓ اور حضرت ام سلمہ ؓ سے مروی ہیں، صحیح مسلم وغیرہ میں موجود ہیں، اور جواز کی روایات کی صحت کی بہت سے محدثین نے تصریح کی ہے جیسے امام بخاریؒ، بیہقیؒ، ابن العربیؒ وغیرہ، اور منع کی روایت یعنی حکم بن عمرو کی روایت کو امام بخاریؒ اور بیہقیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے، لہذا جواز کی روایات راجح اور منع کی روایات مرجوح وضعیف ہیں، دوسرا جواب یعنی جمع یہ ہے کہ ممانعت کی روایات نہی تنزیہ پر محمول ہیں اور اثبات کی روایات جواز پر یعنی نہ کرنا اولیٰ ہے اور کرنا جائز ہے، یا یہ کہا جائے کہ فضل سے مراد الماء المتساقط من الأعضاء [1] یعنی عورت کا مستعمل پانی اور اس سے جمہور کے یہاں وضو صحیح نہیں ہے، ایک جواب یہ دیا گیا کہ یہ محمول ہے اجنبیہ پر خوف فتنہ کی وجہ سے اور آخری جواب ہے نسخ کا کہ منع کی روایات منسوخ ہیں اور نسخ کی علامت یہاں موجود ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے جس وقت حضرت میمونہ ؓ کے فضل غسل سے وضو کا ارادہ فرمایا تھا، تو اس پر حضرت میمونہ ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا بچا ہوا پانی ہے جس پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا: إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ تو حضرت میمونہ ؓ کا یہ عرض کرنا کہ یہ میرے مستعمل پانی کا

[1] یہ اگرچہ ایک مشہور توجیہ ہے لیکن اس میں مجھے یہ اشکال ہے کہ اگر ماء مستعمل مراد ہے تو پھر عورت کی اس میں کیا تخصیص، ماء مستعمل مرد وعورت دونوں کا برابر ہے؟

بقیہ ہے علامت ہے اس بات کی کہ انکے پاس اس ممانعت کی کوئی دلیل ہوگی تب ہی تو انہوں نے حضور ﷺ کو روکا تو اب حاصل یہ ہوا کہ منع کی روایات مقدم ہوئیں اور جواز کی مؤخر اور مؤخر مقدم کیلئے ناسخ ہوتا ہے۔

سؤر المرأة: اس مقام کے مناسب ایک اور مسئلہ ہے جس کا تعلق شرب سے ہے، وہ یہ کہ فقہاء نے لکھا ہے اجنبی عورت کا سؤر مرد کیلئے مکروہ ہے اور اس کا عکس یعنی مرد کا سؤر عورت کیلئے مکروہ نہیں ہے، بشرطیکہ خوف فتنہ نہ ہو ورنہ پھر کراہت دونوں کے حق میں ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ عورت بجمیع اجزائھا مستور یعنی قابل حجاب ہے اور عورت کے سؤر میں اس کا لعاب مخلوط ہوگا مقدار یسیر ہی سہی، تو اس سے عورت کے جزء مستور کا استعمال لازم آئے گا۔

قوله: لَقِيتُ رَجُلًا صَحِبَ: اس طرح کی سند بَابُ فِي الْبَوْلِ فِي الْمُسْتَحَمِّ میں گزر چکی اور وہاں ہم رجل کے مصادیق ثلاثہ بیان کر چکے ہیں، لہذا یہاں دوبارہ بیان کی حاجت نہیں ہے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ كَمَا صَحِبَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ کے اندر تشبیہ مدت صحبت میں ہے جو کہ چار سال ہے، باب کی دوسری حدیث کی سند میں ہے عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو وَهُوَ الْأَقْرَعُ یہاں یہ ضمیر راوی حدیث حکم بن عمرو کی طرف راجع نہیں ہے بلکہ خلاف معمول عمرو کی طرف راجع ہے اس لئے کہ اقرع عمرو کا لقب ہے نہ کہ حکم کا۔

٤١ - بَابُ الْوُضُوءِ بِمَاءِ الْبَحْرِ

سمندر کے پانی سے وضو کرنے کا بیان

بحر کا اطلاق زیادہ تر بحر مالح پر ہوتا ہے یعنی سمندر جس کا پانی کھارا ہوتا ہے اور نہر کا اطلاق زیادہ تر شیریں پانی پر ہوتا ہے۔

ترجمة الباب کی غرض: اس باب کو منعقد کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اسلئے کہ سمندر اور نہر کے پانی سے جواز وضو تو سب ہی جانتے ہیں سو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے جواز میں ایک شبہ ہو سکتا تھا وہ یہ کہ نہروں اور سمندروں کے اندر بڑی بڑی نجاستیں جا کر گر جاتی ہیں خصوصا سواحل پر، تو اس سے عدم جواز کا شبہ ہو سکتا تھا یا اسلئے کہ نہروں اور سمندروں کے اندر بے شمار جانور پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں مرتے ہیں تو اس سے بھی شبہ ہو سکتا تھا، اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ وضو بماء البحر میں بعض سلف کا اختلاف رہ چکا ہے، جیسے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، یہ حضرات ماء البحر سے وضو کو مکروہ کہتے تھے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے بیان کیا ہے اور اس کی ایک وجہ بھی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے منقول ہے جو آگے آ رہی ہے، لیکن اس مسئلہ میں اب کوئی اختلاف باقی نہیں رہا بلکہ امت کا اس کے جواز پر اتفاق ہے اختلاف کرنے والے گزر گئے۔

٨٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَلَمَةَ، مِنْ آلِ ابْنِ الْأَزْرَقِ، أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ أَبِي بُرْدَةَ - وَهُوَ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ - أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا

رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ، وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ، فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ عَطِشْنَا، أَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ».

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! ہم سمندر کا سفر کرتے ہیں اور ہم تھوڑا سا پانی اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں اگر ہم اس پانی سے وضو کریں تو ہم پیاسے ہو جائیں گے۔ کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٦٩) سنن النسائي - المياه (٣٣٢) سنن النسائي - الصيد والذبائح (٤٣٥٠) سنن أبي داود - الطهارة (٨٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٨٦) سنن ابن ماجه - الصيد (٣٢٤٦) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٣٧/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٦١/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٧٨/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٩٣/٢) موطأ مالك - الطهارة (٤٣) سنن الدارمي - الطهارة (٧٢٨) سنن الدارمي - الطهارة (٧٢٩)

شرح الحدیث عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَلَمَةَ: اس راوی کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے اس کا عکس یعنی سلمہ بن سعید کہا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کا نام عبد اللہ بن سعید ہے۔

قوله: أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ أَبِي بُرْدَةَ: ان کے نام میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں مغیرہ بن عبد اللہ بن ابی بردہ اور کہا گیا ہے عبد اللہ بن مغیرہ بن ابی بردہ۔

قوله: سَأَلَ رَجُلٌ: اس رجل سائل کے نام میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے عبد اللہ، عبد، عبید، حمید بن صخر اور سمعانی امام لغت والحدیث نے لکھا ہے کہ ان کا نام العرکی ہے، لیکن اس میں اشکال ہے وہ یہ کہ عرکی تو ملاح کو کہتے ہیں یہ نام کیسے ہو گیا یہ تو لقب اور وصف ہے۔

مضمون حدیث: یہ ہے کہ ایک سائل نے آپ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ بحری سفر کرتے رہتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے للصَّيْدِ یعنی شکار کیلئے جس سے معلوم ہوا کہ شکار کیلئے بحری سفر کرنا جائز ہے اس میں ایک حدیث منع کی وارد ہے جس کا ذکر آگے آئے گا، غرضیکہ اس سائل نے کہا کہ ہم اپنے ساتھ بحری سفر میں ماء شیریں پینے کے لئے قلیل مقدار میں رکھتے ہیں، اب اگر ہم اسی سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں گے، تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ یعنی سمندر کا پانی پاک ہے۔

شرح حدیث سے متعلق بعض ضروری توضیحات: قوله: هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ: یہاں پر دو سوال ہیں، ایک یہ کہ هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ پورا جملہ استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جواب میں اگر صرف نعم فرمادیا جاتا تو وہ کافی تھا، اس طوالت میں کیا مصلحت ہے؟ آپکے ارشادات تو جوامع الکلم ہوتے ہیں، جواب یہ ہے کہ اگر یہاں پر صرف نعم کیساتھ جواب پر اکتفاء کیا جاتا تو اس کا تعلق صرف اس صورت سے ہوتا جو سوال میں مذکور ہے، اور پھر اس سے یہ سمجھ میں آتا

کہ ماء البحر سے وضو اسی وقت کر سکتے ہیں جب ماء شیریں قلیل ہو ورنہ نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ماء البحر سے وضو ہر حال میں جائز ہے، اس لئے آپ ﷺ نے جواب میں یہ اُسلوب اختیار فرمایا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جواب میں سوال پر کیوں اضافہ فرمایا؟ سوال تو صرف پانی سے متعلق تھا نہ کہ طعام سے، آپ نے شراب کے ساتھ طعام یعنی میتة البحر کا بھی حکم بیان فرمایا، جواب یہ ہے کہ اس سے ماقبل کے مضمون کی تائید مقصود ہے، یعنی ماء البحر کے طاہر ہونے کی دلیل ہے، وہ اس طرح پر کہ ماء البحر کے طاہر ہونے میں یہ کلام ہو سکتا ہے کہ اس کے اندر تو بکثرت جانور مرتے رہتے ہیں پھر اس کا پانی طاہر و مطہر کیسے؟ تو اس شبہ کا آپ ﷺ نے ازالہ فرمایا کہ میتة البحر پاک ہے، اس صورت میں الحِلُّ بمعنی طاہر ہوگا، اور اگر بمعنی حلال ہو تو اس کو جواب علی اسلوب الحکیم کہا جائے گا یعنی سائل نے گو صرف سمندر کے پانی کے بارے میں سوال کیا تھا کہ اگر شیریں پانی نہ ہو تو سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ ﷺ کو اس سوال پر یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح ان کو پانی کی ضرورت پیش آسکتی ہے اسی طرح زادِ راہ اور طعام ختم ہو جانے کی وجہ سے بحری سفر میں کھانے کی بھی حاجت پیش آسکتی ہے تو آپ نے پیشگی انکے سوال سے پہلے طعام کے بارے میں بھی جواب ارشاد فرمایا کہ میتة البحر حلال ہے، زادِ راہ نہ رہنے پر اسکو خوراک بنا سکتے ہیں، جواب علی اسلوب الحکیم میں سوال کی مطابقت زیادہ ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ مخاطب کی حاجت اور مقام کی رعایت ملحوظ ہوتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ میں مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہیں، اور تعریف الجانبین مفید حصر ہوتی ہے، پھر حصر کبھی تو مسند کا مسند الیہ میں ہوتا ہے اور کبھی اسکا عکس، یہاں پر مسند الیہ کا حصر مسند میں ہو رہا ہے، یعنی ماء البحر منحصر ہے طہوریت میں یعنی ماء البحر طہور ہی ہے غیر طہور نہیں اور اسکا عکس مراد نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ ماء البحر کے علاوہ کوئی اور پانی مطہر نہ ہو، طہوریت منحصر ہو جائے گی ماء البحر میں۔

اس حدیث سے دو مسئلے مستفاد ہو رہے ہیں، ایک مسئلہ مترجم بہا یعنی ماء البحر کا حکم یہ مسئلہ تقریباً اجماعی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ میتة البحر میں احناف اور جمہور کا اختلاف اور ہر فریق کی دلیل: دوسرا مسئلہ میتة البحر کا مستفاد ہو رہا ہے کہ وہ حلال ہے۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے حنفیہ کے یہاں میتة البحر جس پر حلت کا حکم لگایا جا رہا ہے اس کا مصداق صرف سمک ہے لحدیث أحلت لنا المیتتان السمك والجراد [1] اور جمہور کے یہاں تقریباً تمام بحری حیوانات

---

[1] أُحِلَّتْ لنا مَيْتَتَانِ ودَمَانِ: السَّمَكُ، والجَرَادُ، والكَبِدُ، والطِّحَالُ. الشافعي، وأحمد، وابن ماجه، والدارقطني، والبيهقي، من حديث عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن ابن عمر رفعه بهذا، وهو عند الدارقطني أيضا من حديث سليمان بن بلال، عن زيد بن أسلم به موقوفا، وقال: إنه أصح، وكذا صحح الموقوف أبو زرعة وأبو حاتم، ومع ذلك فحكمهما الرفع. (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة رقم الحديث ٣٦ ص ٢٤-٢٥)

مراد ہیں۔ چنانچہ مالکیہ کے یہاں تمام انواع حلال ہیں سوائے خنزیر کے، اس میں ان کے تین قول ہیں: ① حلت ② حرمت ③ توقف اور حنابلہ کے یہاں بھی سوائے تین کے سب حلال ہیں اور وہ تین یہ ہیں: ① تمساح ② ضفدع ③ کوسج اور شافعیہ کے یہاں جیسا کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے تین قول ہیں: اصح قول یہ ہے کہ سوائے ضفدع کے جملہ میتة البحر حلال ہیں اور دوسرا قول مثل حنفیہ کے کہ سوائے سمک کے سب حرام ہیں اور تیسرا قول یہ ہے کہ جس میتة البحر کی نظیر ماکول فی البر ہے وہ حلال اور جس کی نظیر غیر ماکول فی البر ہے وہ حرام ہے اس لئے کہ جتنی انواع کے حیوانات بر میں ہیں اتنے ہی بحر میں ہیں لہذا ان کے یہاں نظیر کا اعتبار ہے جس قسم کے جانور خشکی میں حلال جیسے گائے، بھینس، بکری وغیرہ اسی قسم کا میتة البحر بھی حلال ہے اور جس قسم کے جانور خشکی میں حرام جیسے کلب ذئب اسد وغیرہ تو اس نوع کا میتة البحر بھی حرام ہے۔

جمہور اس مسئلہ میں حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں مطلقاً میتة البحر کو حلال کہا گیا ہے۔ ہم نے کہا کہ یہ حدیث اپنے عموم پر تو آپ کے یہاں بھی نہیں ہے، ہر ایک امام نے کچھ نہ کچھ استثناء کیا ہے لہذا یہ حدیث عام مخصوص منه البعض ہوئی تو جس طرح آپ حضرات نے تخصیص کر رکھی ہے ہمارے یہاں بھی اس میں تخصیص ہے۔

نیز جمہور نے اس مسئلہ میں آیت کریمہ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ [1] سے بھی استدلال کیا ہے اس آیت میں بھی مطلق صَيْدُ الْبَحْرِ کی حلت مذکور ہے، جواب یہ ہے کہ آپ کا استدلال اس آیت سے مبنی ہے اس بات پر کہ آیت میں صید سے مراد مصید ہو ہم کہتے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ آیت میں صید معنی مصدری یعنی اصطیاد کے معنی میں مستعمل ہے، مصید اس کے معنی مجازی ہیں جو آپ نے اختیار کئے ہیں، اور مقصود آیت سے محرم کے حق میں صید البر اور صید البحر کے فرق کو بیان کرنا ہے یعنی حالت احرام میں اصطیاد فی البحر (دریائی شکار) جائز ہے اور اصطیاد فی البر ناجائز، اس آیت سے مقصود حلت لحم کو بیان کرنا نہیں ہے جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے، آیت کے سیاق وسباق سے حنفیہ ہی کی تائید ہوتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ مسئلة الوضوء بماء البحر میں بعض سلف جیسے عبداللہ بن عمروؓ سے جو کراہت منقول ہے جیسا کہ شروع باب میں ہم نے بیان کیا تھا غالباً اس کا منشاء وہ حدیث مرفوع ہے جس کے راوی خود حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں جو ابوداود کی کتاب الجهاد میں ہے لَا يَرْكَبُ الْبَحْرَ إِلَّا حَاجٌّ، أَوْ مُعْتَمِرٌ، أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَإِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا، وَتَحْتَ النَّارِ بَحْرًا [2]۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی [3] میں تحریر فرمایا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ماء البحر سے وضو کو مکروہ سمجھتے تھے اور یہ کہتے تھے هُوَ نَارٌ امام ترمذی کا اشارہ بھی اسی روایت کی طرف ہے چونکہ آپ ﷺ نے ماء البحر کو نار فرمایا ہے بظاہر عبداللہ

[1] حلال: دا تمہارے لئے دریا کا شکار (سورۃ المائدۃ ۹۶)

[2] سنن أبي داود - كتاب الجهاد - باب في ركوب البحر في الغزو ۲٤٨٩

[3] جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب ما جاء في ماء البحر أنه طهور ٦٩

بن عمرو بن العاصؓ اس سے متاثر ہوئے اور عدم جواز الوضوء بماء البحر کے قائل ہوئے۔

اب رہی بات کہ إِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا کا کیا مطلب؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ کلام تشبیہ پر محمول ہے مقصود صرف دریائی سفر کے خطرناک ہونے کو بیان کرنا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

بدریا در منافع بے شمار ست ؎ اگر خواہی سلامت بر کنار ست

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث اپنی حقیقت پر محمول ہو سکتی ہے کیونکہ جہنم آخر زمین کے نیچے ہی ہے اور سمندر کی تخصیص بظاہر اس لئے کی گئی ہے کہ آخرت میں چل کر سمندر کے پانی میں آگ لگا کر اس کو خود جزء جہنم یعنی جہنم کا ایندھن بنادیا جائے گا، کما قال اللہ تعالیٰ: وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ [1]۔

ابوداؤد کی اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ دریائی سفر سوائے حج وعمرہ اور جہاد کے جائز نہیں ہے، حالانکہ حدیث الباب میں جو إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ ہے اس میں بعض روایات میں لِلصَّيْدِ کی زیادتی ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ شکار کیلئے بھی دریائی سفر جائز ہے اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ ابوداؤد کی یہ روایت لَا يَرْكَبُ الْبَحْرَ ضعیف ہے بلکہ ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، لہذا شکار وغیرہ کے لئے دریائی سفر کرنا جائز ہے۔

حدیث البحر کا درجہ صحت وقوت کے اعتبار سے: حدیث الباب یعنی حدیث البحر سنن اربعہ اور صحیح ابن خزیمہ وصحیح ابن حبان کی روایت ہے مؤطا مالک میں بھی ہے، بہر حال صحیحین میں نہیں ہے امام بیہقیؒ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کی تخریج اس لئے نہیں کی کہ اس میں دو راوی ایسے ہیں جن کے نام میں اختلاف ہے، ایک سعید بن سلمہ دوسرے مغیرہ بن ابی بردہ، ویسے اکثر محدثین [2] نے اس کی تصحیح اور تلقی بالقبول کی ہے، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے کما قال الترمذی، لیکن اس پر ابن عبد البرؒ نے اشکال کیا کہ لو كان صحيحا عنده لأخرجه في صحيحه، حافظ کہتے ہیں کہ ابن عبد البرؒ کا یہ اشکال غلط ہے اس لئے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک کسی حدیث کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس کو اپنی صحیح میں بھی لائیں کیونکہ انہوں نے استیعاب کا قصد نہیں کیا کہ جو بھی حدیث ان کے نزدیک صحیح ہو وہ اس کو اپنی صحیح میں ذکر کریں۔

پھر جاننا چاہئے کہ حدیث الباب کی امام شافعیؒ نے بڑی اہمیت بیان کی ہے اور فرمایا کہ "انه نصف علم الطهارة" جسکی وجہ ظاہر ہے کہ دنیا دو حصوں میں منقسم ہے، بر اور بحر، اس حدیث میں بحر کی پاکی وناپاکی کے تمام مسائل آگئے۔

---

[1] اور جب دریا جھونکے جائیں (سورۃ التکویر ٦)

[2] البتہ ابن دقیق العیدؒ نے اس حدیث پر کلام کیا ہے اور اس کو معلل قرار دیا ہے۔

۴۲۔ بَابُ الْوُضُوءِ بِالنَّبِيذِ

نبیذ سے وضو کرنے کا بیان

اس باب سے متعلق پانچ بحثیں: یہاں پر چند باتیں ہیں:

① نبیذ کی تعریف لغۃً وعرفاً ② اسکی اقسام ③ ان اقسام کے احکام ④ نبیذ مختلف فیہ کی تعیین ⑤ حدیث الوضوء بالنبیذ کا ثبوت

بحث اول (نبیذ کی تعریف لغۃً وعرفاً): نبیذ نبذ سے ہے جس کے معنی ڈالنے کے ہیں، فعیل کا صیغہ ہے مفعول کے معنی میں منبوذ۔ یہ ایک قسم کا شربت ہے جو مختلف چیزوں تمر، زبیب، عسل، حنطہ، شعیر وغیرہ سے بنتا ہے، لیکن زیادہ تر نبیذ تمر کی ہوتی تھی، اسی کو آپ ﷺ نوش فرماتے تھے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کی نبیذ بنانی ہو مثلاً کھجور یا کشمش اس کو شام کے وقت پانی میں بھگو کر رکھ دیا جائے صبح کو جب اس میں مٹھاس پیدا ہو جائے پی لیا جائے یا صبح کو پانی میں ڈال کر رکھ دیں اور شام کو پی لیں۔

بحث ثانی وثالث (نبیذ کی اقسام و احکام): احکام کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں، اول یہ کہ کھجوریں تھوڑی دیر کیلئے پانی میں بھگو دی جائیں اور پھر نکال لی جائیں کہ ابھی تک مٹھاس کا اثر بھی پانی میں نہ آیا ہو، دوسری قسم یہ ہے کہ اتنی دیر پانی میں رکھی جائیں کہ اس پانی میں تغیر آجائے حدت اور تیزی، جھاگ اور نشہ پیدا ہو جائے، اور تیسری صورت یہ ہے کہ اتنی دیر بھگوئی جائیں کہ پانی کے اندر صرف مٹھاس پیدا ہو اور کسی قسم کا تغیر تیزی یا جھاگ پیدا نہ ہو، قسم اول سے وضو بالاتفاق جائز ہے اسلئے کہ فی الواقع عرفاً وہ نبیذ ہی نہیں ہے صرف لغۃً نبیذ ہے، اور قسم ثانی جس میں سکر پیدا ہو جائے اس سے وضو بالاتفاق جائز نہیں ہے، اور قسم ثالث جو درمیانی ہوتی ہے اس میں اختلاف ہو رہا ہے، ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس سے وضو جائز نہیں ہے، اور امام صاحب کا قول یہ ہے کہ اس سے وضو جائز ہے، امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسی نبیذ سے وضو بھی کی جائے اور تیمم بھی کیا جائے۔

بحث رابع (نبیذ مختلف فیہ کا تعین): پھر جاننا چاہیئے کہ نبیذ تو مختلف چیزوں کی بنائی جاتی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا، لیکن علماء کا اختلاف صرف نبیذ تمر میں ہے، تمر کے علاوہ دوسری چیزوں سے جو نبیذ بنائی جائے اس سے وضو بالاتفاق جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وضو بالنبیذ کا جواز امام صاحب کے نزدیک خلاف قیاس حدیث کی بناء پر ہے، اور جو حکم خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہو وہ اپنے مورد پر منحصر ہوتا ہے دوسری شی کو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے ہوتا، نیز امام صاحب جو وضو بالنبیذ کے جواز کے قائل ہیں وہ اس وقت میں ہیں جب ماء مطلق نہ ہو اور ماء مطلق کی موجودگی میں وہ بھی جواز کے قائل نہیں ہیں، البتہ امام اوزاعیؒ کے نزدیک ماء مطلق کی موجودگی میں بھی نبیذ سے وضو جائز ہے۔

نیز یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ امام صاحب ابتداء میں نبیذ سے جواز وضو کے قائل تھے، پھر بعد میں مسلک جمہور کے طرف ان کا رجوع ثابت ہے، لہذا اب فتویٰ اسی قول اخیر پر ہے اسی کو امام طحاویؒ نے بھی اختیار فرمایا ہے۔

بحث خامس (حدیث الوضوء بالنبیذ کا ثبوت): اب رہ گیا مسئلہ دلائل کا سو جاننا چاہئے کہ امام صاحبؒ کا استدلال حدیث الباب یعنی عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے ہے جو لیلۃ الجن میں پیش آئی تھی، جس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نبیذ کے بارے میں فرمایا: تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُورٌ اور پھر اس سے وضو فرمایا۔

٨٤ - حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي فَزَارَةَ، عَنْ أَبِي زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ لَيْلَةَ الْجِنِّ: «مَا فِي إِدَاوَتِكَ؟» ، قَالَ: نَبِيذٌ، قَالَ: «تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُورٌ» ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَالَ: سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ أَبِي زَيْدٍ، أَوْ زَيْدٍ، كَذَا قَالَ شَرِيكٌ، وَلَمْ يَذْكُرْ هَنَّادٌ لَيْلَةَ الْجِنِّ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لیلۃ الجن میں ان سے فرمایا کہ تمہارے چمڑے کے مشکیزے میں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: نبیذ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمدہ کھجور اور پاک پانی ہے۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں سلیمان بن داؤد استاد نے بیان کیا کہ شریک استاد نے شک اور تردد کے ساتھ یوں فرمایا کہ یہ روایت ابوزید راوی سے ہے یا زید راوی سے (اور ہناد کے بقول شریک استاد نے بغیر شک کے عن ابی زید کہا تھا) ہناد استاد نے لیلۃ الجن کے لفظ کو ذکر نہیں کیا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٨٨) سنن أبي داود - الطهارة (٨٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٨٤) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٣٩٨/١) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٤٤٩/١)

شرح الحدیث: جمہور علماء اس حدیث کی تضعیف کے درپے ہیں، احناف امام صاحبؒ کی طرف سے جمہور کے اعتراضات کے جواب کے درپے ہیں اور اس سے بحث طویل ہو جاتی ہے، مگر چونکہ امام صاحب کا رجوع اس مسئلہ میں ثابت ہے اور پھر جمہور کے ساتھ ہو جانا منقول ہے تو پھر دلائل پر کلام و بحث کی حاجت ہی نہیں رہتی، صاحب بحر الرائق نے بھی یہ لکھا ہے، لیکن چونکہ یہ بات یقینی ہے کہ شروع میں امام صاحب اس سے جواز وضو کے قائل تھے تو سوال ہوتا ہے کہ آخر کس دلیل کی بناء پر قائل تھے اور کس درجہ میں اس دلیل کا ثبوت ہے یہ معلوم ہونا چاہئے، اس لئے اس بحث کو بیان کرنا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ حضرتؒ نے بذل[1] میں دلائل پر کلام فرمایا ہے اور حدیث الباب کو جو امام صاحبؒ کا مستدل تھا ثابت قرار دیا ہے اور اس پر جمہور محدثین کی جانب سے جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کے جوابات دیئے ہیں لہذا ہم بھی کچھ کلام کرتے ہیں۔

سو جاننا چاہئے کہ حدیث الوضوء بالنبیذ جس کو مصنفؒ نے اس باب میں ذکر فرمایا ہے یہ سنن ثلاثہ ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ کی روایت ہے اسی طرح طحاوی اور مسند احمد میں بھی موجود ہے، شیخین اور امام نسائی نے اس کی تخریج نہیں فرمائی، جمہور محدثین

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢١٧-٢٢٠

نے اس حدیث پر تین طرح کے نقد کئے ہیں:

① اسکی سند میں ابوزید راوی ہیں جو باتفاق محدثین مجہول ہیں۔ چنانچہ ابن عبد البرؒ نے ان کے مجہول ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے امام ترمذیؒ نے بھی یہی نقل فرمایا ہے کہ یہ مجہول ہیں، حدیث نبیذ کے علاوہ کوئی اور حدیث ان سے مروی نہیں ہے۔
علامہ عینیؒ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں اس حدیث کو ابوزید سے راوی مذکور فی السند ابوفزارہ کے علاوہ ابوروق بھی روایت کرتے ہیں، علامہ عینیؒ کہتے ہیں کہ جب ابوزید سے روایت کرنے والے دو ہو گئے تو پھر ابوزید حد جہالت سے خارج ہو گئے (اسلئے کہ مجہول العین اس کو کہتے ہیں من لم یرو عنه الا واحد) پھر علامہ عینیؒ فرماتے ہیں اس حدیث کو ابن مسعودؓ سے نقل کرنے والے صرف ابوزید ہی نہیں ہیں بلکہ ابوزید کے علاوہ ایک جماعت بھی اس کو ان سے روایت کرتی ہے اور عینیؒ نے 'اربعة عشر رجلا'[1] یعنی چودہ رواۃ مع کتب حدیث کے حوالہ کے ایسے شمار کرائے جو اس حدیث کو عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں، ان چودہ رواۃ کا بیان بذل المجهود[2] میں موجود ہے وہاں دیکھ سکتے ہیں یہ پہلے اشکال کا جواب ہوا۔

② دوسرا اشکال ان حضرات کا اس حدیث پر یہ ہے کہ یہ حدیث اخبار آحاد سے ہے جو کتاب اللہ کے اطلاق کے خلاف ہے اس لئے کہ کتاب اللہ میں تو یہ ہے کہ اگر ماء مطلق نہ پاؤ تو تیمم کرو اور ظاہر ہے کہ نبیذ ماء مطلق نہیں ہے بلکہ ماء مقید ہے لہذا تیمم کرنا چاہئے، وضو کیلئے ماء مطلق کا ہونا ضروری ہے۔
اس اشکال کا جواب حضرتؒ نے بذل[3] میں دیا ہے کہ چونکہ وضو بالنبیذ کے بعض اکابر صحابہ قائل ہیں جیسے حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، لہذا اس حدیث کو عمل صحابہ اور تلقی بالقبول کی وجہ سے مشہور کا درجہ دیا جا سکتا ہے، اور اس قسم کی حدیث سے اطلاق کتاب اللہ میں ترمیم اور تخصیص جائز ہے۔

③ تیسرا اشکال اس حدیث پر جمہور کی طرف سے یہ ہے کہ صحیح مسلم اور خود سنن ابوداود کی ایک روایت میں یہ ہے کہ علقمہ نے اپنے استاذ عبد اللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا کہ لیلۃ الجن میں آپ حضرات میں سے کوئی حضور کے ساتھ تھا تو انہوں نے جواب دیا مَا كَانَ مَعَهُ مِنَّا أَحَدٌ، نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں یہ حدیث صریح دلیل ہے اس بات کی کہ وضو بالنبیذ کی وہ حدیث جو سنن ابوداود وغیرہ میں موجود ہے باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔
ہماری طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ لیلۃ الجن کا واقعہ جیسا کہ مشہور ہے کئی بار پیش آیا ہے، جنات کے وفود آپ کی خدمت میں مختلف زمانوں میں چھ مرتبہ حاضر ہوئے ہیں جیسا کہ آکام المرجان فی أحکام الجان میں لکھا ہے، پہلی بار خاص مکہ میں، اس

---

[1] نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار- ج ۲ ص ۲۸۳
[2] بذل المجهود في حل أبي داود- ج ۱ ص ۲۱۹
[3] بذل المجهود في حل أبي داود- ج ۱ ص ۲۲۰

وقت عبداللہ بن مسعودؓ آپکے ساتھ نہیں تھے، دوسری مرتبہ بھی مکہ میں مقام حجون پر جو ایک پہاڑی ہے، تیسری مرتبہ مکہ کے ایک اور مقام میں، چوتھی مرتبہ مدینہ منورہ بقیع الغرقد میں، ان تینوں مرتبہ میں عبداللہ بن مسعودؓ آپ کے ساتھ تھے، اور پانچویں مرتبہ خارج مدینہ، اس وقت آپ کے ساتھ زبیر بن العوامؓ تھے اور چھٹی مرتبہ بعض اسفار میں، اس وقت میں آپ کے ساتھ بلال بن الحارثؓ تھے، (یہ بلال وہ نہیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے وہ تو بلال بن رباح ہیں)۔

اس تیسرے اشکال کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ 'ماکان معه منا احد أي غيري' یعنی میرے علاوہ اور کوئی آپکے ساتھ نہیں تھا یا یہ مراد ہے کہ خاص مقام تعلیم میں جہاں آپ نے جنات کے مقدمات فیصل فرمائے تھے وہاں آپکے ساتھ کوئی نہ تھا اسلئے کہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے یہاں جانے کے وقت عبداللہ بن مسعودؓ کو راستہ میں کسی جگہ میں روک کر بٹھادیا تھا کہ تم یہیں رہنا آگے مت بڑھنا اور اس جگہ آپ نے ان کی حفاظت کی غرض سے حصار فرمادیا تھا۔ چنانچہ یہ وہیں بیٹھے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے قریب جنات کے پاس سے واپس تشریف لائے، اس وقت چونکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا اسلئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا جیسا کہ حدیث الباب میں ہے مَا فِي إِدَاوَتِكَ؟ یہ مشہور ایرادات کے جوابات ہیں حاصل یہ کہ حدیث ثابت ہے، لہذا وضو بالنبیذ جائز ہے۔

وضوء بالنبیذ میں امام محمدؒ کی رائے: اس مسئلہ میں امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ جمع بین الوضوء والتیمم کرے وہ فرماتے ہیں کہ آیت تیمم تو متعین ہے کہ مدنی ہے اور لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ میں بھی پیش آیا اور مدینہ میں بھی، لیلۃ الجن کا واقعہ اگر صرف مکی ہوتا تو آیت کو اس کیلئے ناسخ سمجھ لیا جاتا کیونکہ آیت بعد کی ہے مدنی ہے لیکن چونکہ لیلۃ الجن خود مدینہ میں بھی پیش آئی ہے، اسلئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ آیت کا نزول مؤخر ہے اسلئے عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث کے منسوخ ہونے، نہ ہونے میں تردد ہو گیا اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وضو بالنبیذ اور تیمم دونوں کرلیا جائے۔

٨٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ دَاوُدَ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ؟ فَقَالَ: «مَا كَانَ مَعَهُ مِنَّا أَحَدٌ».

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیلۃ الجن میں آپ میں سے کون تھا؟ تو ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے کوئی بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھا۔

تخریج: جامع الترمذي - تفسير القرآن (٣٢٥٨) سنن أبي داود - الطهارة (٨٥)

٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، أَنَّهُ كَرِهَ الْوُضُوءَ بِاللَّبَنِ وَالنَّبِيذِ، وَقَالَ: «إِنَّ التَّيَمُّمَ أَعْجَبُ إِلَيَّ مِنْهُ».

ترجمہ: عطاء سے مروی ہے کہ انہوں نے دودھ اور نبیذ سے وضو کرنا ناپسند کیا اور فرمایا: اس سے وضو کرنے سے

بہتر یہ ہے کہ تیمم کر لیا جائے۔

٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنَا أَبُو خَلْدَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ، عَنْ رَجُلٍ أَصَابَتْهُ جَنَابَةٌ، وَلَيْسَ عِنْدَهُ مَاءٌ، وَعِنْدَهُ نَبِيذٌ أَيَغْتَسِلُ بِهِ؟ قَالَ: «لَا».

ترجمہ: ابو خلدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کو جنابت لاحق ہو جائے اور اسکے پاس پانی نہ ہو اور اسکے پاس نبیذ ہو تو کیا اس نبیذ سے غسل کر سکتا ہے؟ فرمایا: اس سے غسل نہیں کر سکتا۔

شرح الاحادیث: مصنفؒ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ انہوں نے وضو بالنبیذ کا باب باندھا ہے لیکن وہ اس کے قائل نہیں ہیں، اور نہ وہ حدیث الوضو بالنبیذ کو ثابت مانتے ہیں، غالباً اسی لئے انہوں نے مسلسل کئی چیزیں ایسی ذکر کی ہیں جو اسکے خلاف ہیں مثلاً ایک تو یہی حدیث جس میں ہے مَا كَانَ مَعَهُ مِنَّا أَحَدٌ اور اسکے بعد پھر آگے چل کر عطاء بن ابی رباحؒ کا مسلک نقل کیا ہے أَنَّهُ كَرِهَ الْوُضُوءَ بِاللَّبَنِ وَالنَّبِيذِ، اسکے بعد اثر ابو العالیہ ذکر کیا یہ ابو العالیہ کبار تابعین میں سے ہیں بلکہ مخضرم ہیں زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں پائے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام لائے ان سے کسی نے اغتسال بالنبیذ کا مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی شخص کے پاس ماء مطلق نہ ہو تو وہ نبیذ سے غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں کر سکتا۔

اغتسال بالنبیذ کا حکم: لیکن جاننا چاہئے کہ مسئلہ اغتسال بالنبیذ خود ہمارے مشائخ کے یہاں مختلف فیہ ہے، امام صاحبؒ سے تو اس مسئلہ میں کوئی تصریح مروی نہیں ہے، امام صاحب کی طرف سے بعض مشائخ نے جواز اور بعض نے عدم جواز نقل کیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ امام ابو داود نے اثر ابو العالیہ کو یہاں پورا ذکر نہیں فرمایا، ان کی پوری روایت دار قطنی [1] میں موجود ہے جس کو حضرتؒ نے بذل میں نقل فرمایا ہے اور اس میں یہ زیادتی ہے کہ جب ابو العالیہ نے غسل بالنبیذ کا انکار کیا تو سائل نے ان کو لیلۃ الجن کا واقعہ یاد دلایا کیونکہ اس سے جواز معلوم ہوتا ہے تو اس پر ابو العالیہ نے یہ فرمایا: أَنَبِيذُكُمْ هَذِهِ الْخَبِيثَةُ إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ زَبِيبًا وَمَاءً اس سے ابو العالیہ کا صحیح مسلک معلوم ہو گیا وہ یہ کہ انہوں نے جو غسل بالنبیذ کا انکار فرمایا تھا اس سے وہ نبیذ مراد تھی جو نجس اور خبیث یعنی مسکر ہو اور اس قسم کی نبیذ سے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

٤٣ - بَابُ أَيُصَلِّي الرَّجُلُ وَهُوَ حَاقِنٌ؟

کیا کوئی آدمی پیشاب کو روک کر نماز پڑھ سکتا ہے؟

اس کتاب کے ابواب و مضامین بہت مرتب ہیں، ترمذی شریف میں تو بہت سے ابواب بے محل آجاتے ہیں، لیکن ابو داود میں یہ باب بھی بے محل سا ہے، یا تو یہ مکروہات صلوۃ میں ہوتا اور ابھی کتاب الصلوۃ شروع نہیں ہوئی ہے، یا ابواب الاستنجاء میں ہونا.

---

[1] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب الوضوء بالنبيذ ٢٥٣

چاہئے جو پہلے گزر چکے ہیں۔

مسئلہ مترجم بہا کا حکم اور اختلاف ائمہ: حاقنؒ کہتے ہیں حابس البول کو یعنی جس کو پیشاب کا تقاضا ہو لیکن اس نے روک رکھا ہو اور اس کے بالمقابل لفظ حاقب ہے یعنی حابس الغائط جس کو بڑے استنجاء کی حاجت ہو اور اس نے اس کو روک رکھا ہو یہ وہی مسئلہ ہے جس کو فقہاء صلوۃ عند مدافعۃ الاخبثین سے تعبیر کرتے ہیں، اس صورت میں نماز شروع کرنا بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، بلکہ مالکیہ کے یہاں تو بعض صورتوں میں نماز کا اعادہ واجب ہو جاتا ہے، ان کے یہاں اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے جس کو صاحب منہل نے ذکر کیا ہے، اوجز میں ابن عبدالبرؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں نماز پڑھے تو امام مالکؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ "یعید في الوقت" یعنی وقت کے اندر اندر اعادہ ضروری ہے اور اگر وقت گزر گیا تو خیر نماز ہو جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نماز شروع کرنے کے وقت تو مدافعت یعنی استنجاء کا تقاضا نہیں تھا لیکن نماز شروع ہونے کے بعد تقاضا پیدا ہوا اس صورت کا بھی حکم یہی ہے کہ اسکو نماز قطع کر دینی چاہئے لیکن اگر قطع نہیں کیا تو نماز صحیح ہو جائے گی، امام ترمذیؒ[1] کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں قدرے فرق ہے وہ یہ کہ مدافعت اخبثین کے وقت شروع تو مطلقاً نہ کرے، لیکن شروع کرنے کے بعد اگر مدافعت ہونے لگے تو نماز قطع کرنے میں جلدی نہ کرے جب تک کہ اس حالت کا زیادہ تقاضا نہ ہو۔

اسکے بعد جاننا چاہئے کہ اس حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی علت کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے جس کو ابن العربیؒ نے شرح ترمذی[2] میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں بعض کے نزدیک علت منع شغل بال ہے یعنی قلب کی توجہ اور دھیان سارا استنجاء ہی کی طرف لگا رہے گا اس لئے کراہت ہے اور امام احمدؒ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ علت منع انتقال حدث ہے یعنی پیشاب پاخانہ کا اپنے مستقر و معدن سے منتقل ہونا ہے، اگرچہ خروج نہیں ہوا ہے، لیکن اپنی جگہ سے انتقال ہو چکا، گویا شخص مذکور حامل نجاست ہوا اور حمل نجاست مفسد صلوۃ ہے جیسے کوئی شخص شیشی میں اپنا پیشاب لے کر نماز کے وقت جیب میں رکھ لے اور جو نجاست اپنے معدن اور مستقر میں ہو اگرچہ وہ نماز میں نمازی کے ساتھ ہے لیکن وہ معاف ہے (اس علت کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کا اعادہ واجب ہونا چاہئے، چنانچہ امام احمدؒ کے نزدیک منی کا اپنے محل سے منتقل ہونا موجب غسل ہے اگرچہ خارج میں اس کا ظہور نہ ہوا ہو) اور مالکیہ کہتے ہیں جو بعض صورتوں میں اعادۂ صلوۃ کے قائل ہیں جیسا کہ بیان مذاہب میں گزرا ہے کہ شدید تقاضے کے وقت آدمی کو شدت سے روکنا پڑے گا، اور یہ مقتضی ہو گا عمل کثیر کی طرف، اور عمل کثیر مفسد صلوۃ ہے۔

---

[1] جامع الترمذي – كتاب الطهارة – باب ما جاء إذا أقيمت الصلاة ووجد أحدكم الخلاء فليبدأ بالخلاء ١٤٢

[2] عارضة الأحوذي شرح صحيح الترمذي – ج ١ ص ٢٣٥ – ٢٣٦

۸۸ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَرْقَمِ، أَنَّهُ خَرَجَ حَاجًّا، أَوْ مُعْتَمِرًا وَمَعَهُ النَّاسُ، وَهُوَ يَؤُمُّهُمْ، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ أَقَامَ الصَّلَاةَ، صَلَاةَ الصُّبْحِ، ثُمَّ قَالَ: لِيَتَقَدَّمْ أَحَدُكُمْ وَذَهَبَ إِلَى الْخَلَاءِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَذْهَبَ الْخَلَاءَ وَقَامَتِ الصَّلَاةُ، فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ، وَشُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ، وَأَبُو ضَمْرَةَ، هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَجُلٍ حَدَّثَهُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَرْقَمَ وَالْأَكْثَرُ الَّذِينَ رَوَوْهُ، عَنْ هِشَامٍ، قَالُوا: كَمَا قَالَ زُهَيْرٌ.

ترجمہ عبداللہ بن ارقمؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ حج یا عمرہ کے ایک سفر میں تشریف لے گئے ان کے ساتھ دیگر حضرات بھی تھے، حضرت عبداللہ بن ارقمؓ ان کو نماز پڑھایا کرتے ایک دن عبداللہ بن ارقمؓ نے فجر کی نماز کی اقامت کہنے کے متعلق کہا پھر ارشاد فرمایا کہ حاضرین مجلس میں سے کوئی امامت کیلئے آگے آجائے اور خود بیت الخلاء تشریف لے گئے پھر یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کسی کا بیت الخلاء جانے کا ارادہ ہو اور اس وقت نماز کی اقامت ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ پہلے بیت الخلاء چلا جائے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ وہیب بن خالد، شعیب بن اسحاق اور ابو ضمرہ نے اس حدیث کو ہشام بن عروہ سے بسند عروہ ایک ایسے رجل مجہول سے نقل کیا ہے جس نے ان کو یہ حدیث عبداللہ بن ارقمؓ سے سنائی ہے۔ ہشام کے اکثر شاگردوں نے رجل مجہول کے واسطہ کے بغیر زہیر کی مانند حدیث نقل کی ہے۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (١٤٢) سنن النسائي - الإمامة (٨٥٢) سنن أبي داود - الطهارة (٨٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦١٦) مسند أحمد - مسند المكيين (٤٨٣/٣) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٣٥/٤) موطأ مالك - النداء للصلاة (٣٨١) موطأ مالك - النداء للصلاة (٣٨١) سنن الدارمي - الصلاة (١٤٢٧)

شرح الحدیث حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ عروہ کہتے ہیں عبداللہ بن ارقمؓ صحابی ایک مرتبہ سفر حج یا عمرہ میں جا رہے تھے، ان کے ساتھ بہت سے حضرات بھی اس سفر میں شریک ہو گئے، راستہ میں نماز کی امامت وہی فرماتے تھے، عروہ کہتے ہیں ایک دن کی بات ہے کہ صبح کی نماز کا وقت تھا انہوں نے نماز کیلئے تکبیر شروع کرائی اور اقامت شروع کرانے کے بعد فرمایا کہ حاضرین میں سے کوئی صاحب آگے بڑھ کر امامت کریں، اور خود استنجاء کیلئے تشریف لے گئے، آگے روایت میں ہے: فَإِنِّي سَمِعْتُ الحدیث اس میں دو احتمال ہیں یا تو انہوں نے اسی وقت جانے سے پہلے یہ حدیث سنائی اور یہ بھی احتمال ہے کہ واپس آنے کے بعد سنائی ہو، حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جس شخص کا ارادہ استنجاء کیلئے جانے کا ہو اور ادھر نماز کھڑی ہو رہی ہو تو اس کو چاہیے کہ استنجاء کو مقدم کرے۔

اختلاف فی السند کی تشریح اور توجیہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَى وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ: مصنفؒ کی غرض ہشام کے تلامذہ کا اختلاف بیان کرنا ہے وہ اختلاف یہ ہے کہ عروہ اس واقعہ کو عبداللہ بن ارقم سے براہ راست بیان کر رہے ہیں یا

درمیان میں کسی کا واسطہ ہے؟ سو زہیر کی روایت جو شروع میں آئی وہ بلاواسطہ ہے، اور جن روایات کا مصنفؒ حوالہ دے رہے ہیں یعنی وہیب، شعیب اور ابو ضمرہ ان تینوں کی روایت میں عروہ اور صحابی کے درمیان ایک رجل مبہم کا واسطہ ہے، اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہشام کے اکثر تلامذہ نے اسی طرح روایت کیا جس طرح زہیر نے یعنی بلا واسطہ لہٰذا وہی راجح ہے۔

حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ یہی رائے امام ترمذیؒ کی ہے انہوں نے بھی عدم واسطہ کی روایت کو ترجیح دی ہے اور حضرت شیخؒ نے حاشیۂ بذل [1] میں تہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ترمذیؒ نے العلل المفرد میں تحریر فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ نے واسطہ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

اب اگر دونوں روایتیں صحیح ہیں تو تطبیق کی شکل کیا ہوگی؟ تو اس کی صورت حضرت نے بذل میں یہ تحریر فرمائی ہے کہ ہو سکتا ہے اس سفر میں عروہ عبد اللہ بن ارقمؓ کے ساتھ نہ ہوں اور اس واقعہ کی روایت اُن کو بالواسطہ پہنچی ہو اس کے بعد عروہ کی ملاقات عبد اللہ بن ارقم سے ہوئی ہو اور ان سے براہ راست بھی واقعہ سن لیا ہو لیکن حضرت شیخؒ نے حاشیۂ بذل [2] میں اوجز کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ مصنف عبد الرزاق کی روایت سے عروہ کا اس سفر میں ساتھ ہونا مستفاد ہوتا ہے، لہٰذا یہ توجیہ کی جائے کہ عروہ گو اس سفر میں ساتھ تھے لیکن خاص اس موقعہ پر موجود نہیں تھے اس لئے اولاً بالواسطہ سنا اور ثانیاً بلاواسطہ۔

٨٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، وَمُسَدَّدٌ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الْمَعْنَى قَالُوا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي حَزْرَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ - قَالَ ابْنُ عِيسَى فِي حَدِيثِهِ: ابْنُ أَبِي بَكْرٍ - ثُمَّ اتَّفَقُوا أَخُو الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ - قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ فَجِيءَ بِطَعَامِهَا، فَقَامَ الْقَاسِمُ يُصَلِّي، فَقَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا يُصَلَّى بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْأَخْبَثَانِ».

ترجمہ: عبد اللہ بن محمد جو کہ قاسم بن محمد کے بھائی ہیں کہتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہؓ کی خدمت میں تھے۔ چنانچہ ان کی خدمت میں کھانا لایا گیا تو قاسم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کر دی اس پر حضرت عائشہؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی شخص کھانے کی موجودگی میں نماز نہ پڑھے اور نہ ہی اس وقت میں نماز پڑھے جب کے پیشاب پاخانے کا تقاضہ اس نمازی کو نماز سے ہٹا رہا ہو۔

تخریج: صحيح مسلم - المساجد ومواضع الصلاة (٥٦٠) سنن أبي داود - الطهارة (٨٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٥٤/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٧٣/٦)

شرح حدیث: قوله: قَالَ ابْنُ عِيسَى فِي حَدِيثِهِ: ابْنُ أَبِي بَكْرٍ: اس حدیث میں مصنفؒ کے تین استاذ ہیں جن میں سے

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٢٩

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٢٩

ایک استاذ یعنی ابن عیسیٰ نے عبداللہ بن محمد جو سند میں مذکور ہیں ان کی صفت ابن ابی بکر بیان کی بخلاف دوسرے دو استاذ احمد بن حنبل و مسدد کے کہ انہوں نے صرف عبداللہ بن محمد کہا، البتہ عبداللہ بن محمد کی دوسری صفت أَخُو الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ سب نے بیان کی۔

أبو بکر
عبدالرحمن — محمد
محمد — عبداللہ — قاسم
عبداللہ
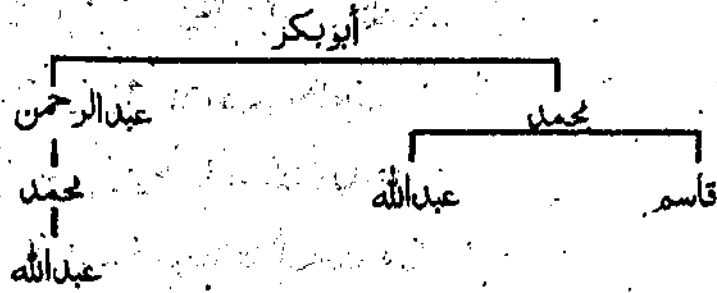
جاننا چاہئے کہ عبداللہ بن محمد دو ہیں ایک عبداللہ بن محمد بن ابی بکر اور دوسرے عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر۔ قاسم ان دونوں میں سے پہلے کے حقیقی بھائی ہیں دونوں کے سلسلہ نسب کو اس نقشہ سے سمجھا جائے، اب جس راوی نے صرف عبداللہ بن محمد کہا اس میں دو احتمال تھے، یا تو نقشہ میں مذکور دائیں طرف والے عبداللہ ہوں یا بائیں طرف والے ایک ابو بکر کے پوتے اور ایک پرپوتے ہیں، اب جس راوی نے ابن ابی بکر کی صفت کا اضافہ کیا تو اس نے گویا دائیں جانب والے کی تعیین کر دی اور آگے چل کر مصنفؒ کے سب اساتذہ نے دوسری صفت یعنی اخو القاسم بیان کی اس صفت کا بھی تقاضا یہی ہے کہ یہ عبداللہ بن محمد بن ابی بکر ہوں۔

لیکن صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن محمد بائیں طرف والے ہیں یعنی عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر اور حافظ نے تہذیب میں لکھا ہے کہ محفوظ وہی ہے جو مسلم کی سند میں ہے، اب اگر یہ بات ہے تو پھر ان کو أَخُو الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ کہنا مجازاً ہوگا اس لئے کہ یہ عبداللہ قاسم کے حقیقی بھائی نہیں ہے، بلکہ چچازاد بھائی ہیں یعنی چچا کے لڑکے کے لڑکے۔

مضمون حدیث: آگے حدیث کا مضمون یہ ہے کہ عبداللہ بن محمد کہتے ہیں میں اور قاسم دونوں اپنی پھوپھی عائشہؓ کے پاس تھے، کچھ دیر کے بعد کھانا آ گیا تو بجائے اس کے کہ قاسم کھانے کی طرف متوجہ ہوتے فوراً کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ لی گویا کھانے سے اعراض کیا، اس پر حضرت عائشہؓ نے ان کو تنبیہاً فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کھانا سامنے آنے کے بعد نماز نہیں شروع کرنی چاہئے، اور نہ مدافعۃ الاخبثین کے وقت پڑھنی چاہئے، اس حدیث میں دو جزء ہیں، حضرت عائشہؓ کا مقصود جزء اول ہے یعنی لَا يُصَلِّي بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ اور مصنفؒ کا مقصود جزء ثانی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت قاسم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب یہ ہے کہ ابوداود کی اس روایت میں تو اختصار ہے، صحیح صورت حال مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے بھتیجے عبداللہ تو فصیح اللسان تھے، صاف گفتگو کرتے تھے، اور یہ قاسم غیر فصیح تھے، ان کی گفتگو صاف اور شستہ نہ تھی، چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے

وَكَانَ الْقَاسِمُ رَجُلًا لَحَّانَةً یعنی ان کے کلام میں لحن بہت پایا جاتا تھا، لحانة بروزن علامة تاء اس میں تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کیلئے ہے علامة کی طرح، حضرت عائشہؓ خود بھی بڑی فصیح اللسان تھیں تو انہوں نے قاسم کو تنبیہ کی مَا لَكَ لَا تَحَدَّثُ كَمَا يَتَحَدَّثُ ابْنُ أَخِي هَذَا...... یعنی تجھے کیا ہو گیا، تو ایسی صاف گفتگو کیوں نہیں کرتا جیسے میرا یہ دوسرا بھتیجا کرتا ہے اور مزید برآں قاسم کو انکی والدہ کے بارے میں عار دلایا اس لئے کہ دراصل وہ ام ولد تھیں، اس پر وہ ناراض ہو گئے اور حضرت عائشہؓ کے کھانے کو دیکھ کر نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے کہ جب تم ہمارے ساتھ اس طرح پیش آتی ہو تو ہم بھی تمہارا کھانا نہیں کھائیں گے، اس پر حضرت عائشہؓ نے وہ حدیث سنائی جو یہاں کتاب میں مذکور ہے۔

لَا يُصَلَّى بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ کی شرح اور فقہی مسئلہ: اس حدیث کا جزء اول یعنی حضور طعام کے وقت نماز نہ پڑھنا، یہ مشہور حدیث ہے جو مختلف الفاظ سے مروی ہے، بعض روایات میں اس طرح ہے إِذَا حَضَرَ الْعِشَاءُ وَالْعَشَاءُ فَابْدَؤُوا بِالْعَشَا [1] اس پر فقہی حیثیت سے کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حضور طعام کے باوجود اول نماز پڑھے تو جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے یہاں نماز صحیح ہو جائیگی، اور ظاہریہ کے نزدیک صحیح نہ ہو گی، علامہ شوکانیؒ نے امام احمد کا بھی مذہب یہی لکھا ہے کہ نماز صحیح نہ ہو گی، لیکن حضرت شیخؒ نے حاشیہ بذل [2] میں لکھا ہے 'النقل عن احمد ليس بصحيح' بلکہ وہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں جیسا کہ مغنی وغیرہ میں تصریح ہے، جمہور علماء کے نزدیک اس حدیث میں نہی تنزیہ کے لئے ہے اور ظاہریہ کے نزدیک تحریم کیلئے نیز عند الجمهور تقديم طعام کا حکم اس وقت ہے جب کہ نماز کے وقت میں گنجائش ہو اور اگر وقت تنگ ہو تو پھر تقدیم صلوۃ واجب ہے۔ چنانچہ ابو داؤد کی کتاب الأطعمة میں حضرت جابرؓ کی حدیث مرفوع آرہی ہے لَا تُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ لِطَعَامٍ وَلَا لِغَيْرِهِ [3] یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے، یعنی جب وقت میں تنگی ہو، ہماری اس تقریر سے دونوں حدیثوں کا تعارض بھی مرتفع ہو جاتا ہے، ایک اور بھی جواب ہے وہ یہ کہ حدیث جابرؓ ضعیف ہے اور تقدیم طعام والی روایات صحیح اور متفق علیہ ہیں۔

نیز علامہ شوکانیؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے اطلاق معلوم ہوتا ہے لیکن امام غزالیؒ نے فساد طعام کے اندیشہ کی قید لگائی ہے یعنی اگر تاخیر طعام میں اس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تب تقدیم کا حکم ہے ورنہ نہیں، اور شافعیہ نے اس میں احتیاج کی قید لگائی ہے یعنی اگر شدت جوع ہے تب تقدیم علی الصلوۃ ہے ورنہ نہیں، اور امام مالکؒ نے اس کو طعام قلیل کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی اگر کسی کو صرف دو چار لقمے کھانے ہوں اس کیلئے تقدیم عشاء ہے میں کہتا ہوں شوکانی نے مالکیہ کا

[1] المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة ٦١ ص ٣٨.
[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٣٢
[3] سنن أبي داود - كتاب الأطعمة - باب إذا حضرت الصلاة والعشاء ٣٧٥٨

مذہب یہی لکھا ہے، لیکن حضرت شیخ نے حاشیۂ بذل میں لکھا ہے کہ الشرح الکبیر اور دسوقی (جو کتب مالکیہ سے ہیں) میں یہ لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے تقدیم عشاء والی حدیث کو اختیار ہی نہیں کیا عمل اہل مدینہ کی وجہ سے، چنانچہ وہ تقدیم عشاء کے قائل ہی نہیں البتہ الشرح الکبیر میں لکھا ہے کہ صائم کیلئے مستحب ہے کہ وہ غروب کے بعد صلوۃ مغرب سے پہلے چند کھجوروں سے روزہ افطار کرلے اور پھر باقاعدہ تعشی نماز مغرب کے بعد کرے نیز علامہ دسوقیؒ لکھتے ہیں کہ بعض مالکیہ نے تقدیم عشاء والی حدیث کو اکل خفیف (جیسے چند کھجور کے دانے یا کشمش) پر محمول کیا ہے اور حنفیہ نے اسکو شغل بال کے ساتھ مقید کیا ہے، جیسا کہ امام طحاویؒ کی مشکل الآثار میں ہے یعنی اگر تقدیم صلوۃ کی صورت میں اندیشہ ہو کہ دھیان اور خیال کھانے میں لگا رہے گا تب یہ حکم ہے اسلئے کہ آدمی بظاہر کھانے میں مشغول ہو اور دل اس کا نماز میں لگا ہوا ہو یہ بہتر ہے اس سے کہ بظاہر نماز پڑھ رہا ہو اور دل کھانے کی طرف متوجہ ہو، امام صاحبؒ سے منقول ہے: لأن يكون طعامي كله صلاة أحب إلي من أن تكون صلاتي كلها طعاما[1] اور ابن العربیؒ نے اس حدیث کو صائم پر محمول کیا ہے کہ صرف اس کیلئے تقدیم عشاء کا حکم ہے۔

٩٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا ابْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ شُرَيْحٍ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ أَبِي حَيٍّ الْمُؤَذِّنِ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "ثَلَاثٌ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَفْعَلَهُنَّ: لَا يَؤُمُّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصُّ نَفْسَهُ بِالدُّعَاءِ دُونَهُمْ، فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ، وَلَا يَنْظُرُ فِي قَعْرِ بَيْتٍ قَبْلَ أَنْ يَسْتَأْذِنَ، فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ دَخَلَ، وَلَا يُصَلِّي وَهُوَ حَقِنٌ حَتَّى يَتَخَفَّفَ".

ترجمہ ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ کسی کیلئے انکا کرنا جائز نہیں ① کوئی فرد کسی جماعت کی امامت نہ کرائے، اور اس میں وہ صرف اپنے لیے دعا مانگے لوگوں کو شریک کیے بغیر اگر کسی نے اس طرح کیا تو ایسا امام خیانت کا مرتکب ہوا۔ ② کوئی آدمی دوسرے کے گھر کے اندر نہ جھانکے اجازت لینے سے پہلے اگر اس طرح کیا تو اس فعل پر وہی گناہ ملے گا جو گناہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے پر ملتا ہے۔ ③ ایک آدمی پیشاب کے تقاضہ کو روک کر نماز نہ پڑھے یہاں تک کے پیشاب پاخانے کے تقاضہ سے فارغ ہو جائے۔

شرح الحدیث قوله: عَنْ ثَوْبَانَ: اس حدیث میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں لیکن یہاں پر حدیث کا صرف تیسرا جزء وَلَا يُصَلِّي وَهُوَ حَقِنٌ مقصود بالذات ہے، اس تیسرے جزء پر تو کلام آ ہی چکا۔

ابن قیمؒ کا اس حدیث پر نقد اور اس کا جواب: اس حدیث میں دو جزء اور ہیں ایک یہ لَا يَؤُمُّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصُّ نَفْسَهُ بِالدُّعَاءِ دُونَهُمْ یعنی اگر کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس امام کو چاہئے کہ دعا کو اپنے لئے خاص نہ کرے بلکہ مقتدیوں کو بھی دعا میں شامل کرے ورنہ خیانت ہوگی۔ ابن قیمؒ نے اس حدیث کو وہم قرار دیا ہے اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جو دعائیں منقول ہیں ان میں سے اکثر بصیغۂ افراد ہیں اور افراد میں بظاہر تخصیص ہے اور اس حدیث

[1] العرف الشذي شرح سنن الترمذي- ج ١ ص ٣٤٤

میں اس کو خیانت کہا گیا ہے، نیز انہوں نے آگے چل کر یہ کہا ہے کہ اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو صرف دعائے قنوت پر محمول ہو سکتی ہے اس لئے کہ اس میں جمع کے صیغے وارد ہیں: اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا فِیْمَنْ ھَدَیْتَ الخ [1] حضرت گنگوہیؒ کی تقریر میں یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں تخصیص سے مراد یہ ہے کہ اس دعا کی دوسروں سے نفی کرے جیسے ایک اعرابی نے دعا کی تھی: اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا [2]، پس اس صورت میں روایت کی تغلیط کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، چنانچہ لفظ دُوْنَھُمْ جو حدیث میں مذکور ہے اس سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ دون نفی کیلئے آتا ہے۔

دوسرا جزء حدیث میں یہ ہے وَلَا یَنْظُرُ فِيْ قَعْرِ بَیْتٍ قَبْلَ أَنْ یَّسْتَأْذِنَ یعنی کسی کے مکان کے دروازہ پر پہنچ کر استیذان سے قبل مکان کے اندر کا حال نہ دیکھا جائے یعنی باہر کھڑے ہو کر جھانکنا نہیں چاہئے، اور اگر کسی نے ایسا کیا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی بغیر استیذان کسی کے مکان میں داخل ہو جائے اس سلسلہ کی بعض اور روایات کتاب الادب کے "باب الاستیذان" میں آئیں گی، بعض روایات میں تصریح ہے کہ اگر کوئی کسی کے مکان میں باہر کھڑا ہو کر جھانکے اور صاحب مکان اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس کی یہ جنایت معاف ہے، چنانچہ امام شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں ضمان واجب نہ ہوگا اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک ضمان واجب ہوتا ہے لیکن غالباً اس حدیث کی بناء پر گناہ نہ ہوگا۔

۹۱ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ السُّلَمِيُّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا ثَوْرٌ، عَنْ یَزِیدَ بْنِ شُرَیْحٍ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ أَبِي حَيٍّ الْمُؤَذِّنِ، عَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ یُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ أَنْ یُصَلِّيَ وَهُوَ حَقِنٌ حَتَّى یَتَخَفَّفَ» - ثُمَّ سَاقَ نَحْوَهُ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ قَالَ: «وَلَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ یُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ أَنْ یَؤُمَّ قَوْمًا إِلَّا بِإِذْنِهِمْ، وَلَا یَخْتَصُّ نَفْسَهُ بِدَعْوَةٍ دُونَهُمْ، فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «هَذَا مِنْ سُنَنِ أَهْلِ الشَّامِ لَمْ یُشْرِکْهُمْ فِیهَا أَحَدٌ».

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پاک اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ پیشاب پاخانے کے تقاضے سے فارغ ہوئے بغیر اس تقاضے کو دباتے ہوئے نماز پڑھے نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کیلئے حلال نہیں کہ کسی جماعت کی امامت ان کی اجازت کے بغیر کرائے اور یہ بھی جائز نہیں کہ مقتدیوں کو دعا میں شریک کئے بغیر صرف اپنے لئے دعا مانگے اگر کسی نے اس طرح کیا تو ایسا امام خیانت کا مرتکب ہوا۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اہل شام کی مرفوع احادیث میں سے ہے ان احادیث میں اہل شام کے علاوہ کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (۹۰) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۵/ ۲۸۰)

---

[1] السنن الکبری للبیهقي کتاب الصلاة باب دعاء القنوت ۳۱٤۱

[2] صحیح البخاري - کتاب الأدب - باب رحمة الناس والبهائم ٥٦٦٤.

شرح الحديث قولہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا مِنْ سُنَنِ أَهْلِ الشَّامِ: یہاں سے مصنفؒ حدیث الباب کی سند میں جو ایک لطیفہ ہے اسکو بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ حدیث ثوبانؓ اور حدیث ابوہریرہؓ ان دونوں کے سند کے راوی سب کے سب شامی ہیں، غیر شامی کوئی نہیں ہے، حضرتؒ نے بذل میں لکھا ہے کہ ہاں! ایسا ہی ہے مگر حدیث ثانی میں حضرت ابوہریرہؓ کو مستثنی کرنا پڑے گا اسلئے کہ وہ شامی نہیں ہیں۔

٤٤ - بَابُ مَا يُجْزِئُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْوُضُوءِ

وضو میں کتنا پانی کافی ہے اس کا بیان

گزشتہ ابواب سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ کس پانی سے وضو کی جا سکتی ہے اور کس سے نہیں اب یہاں سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کتنے پانی سے وضو ہونی چاہئے، اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تقریباً ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے، ایک روایت میں ثُلُثَي الْمُدِّ یعنی ایک ثلث کم ایک مد بھی آیا ہے اور ایک روایت میں نصف مد بھی وارد ہے، لیکن وہ روایت ضعیف ہے، کما فی البذل۔

٩٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ، وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ أَبَانُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ صَفِيَّةَ.

ترجمہ - حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ایک صاع پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے اور ایک مد پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو ابان راوی نے جب قتادہ سے نقل کیا تو سماع کی تصریح کی اور کہا کہ میں نے صفیہ سے سنا ہے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (٩٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٢٦٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/ ٢٢١) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/ ١٣٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/ ٢١٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/ ٢٣٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/ ٢٣٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/ ٢٤٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/ ٢٨٠)

٩٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ، وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ».

ترجمہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے اور ایک مد پانی سے وضو فرماتے۔

تخریج صحيح البخاري - الغسل (٢٤٩) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٠) سنن أبي داود - الطهارة (٩٣)

شرح الأحاديث جمہور کے یہاں وضو یا غسل کیلئے پانی کی مقدار حتمی طور سے متعین نہیں ہے کہ اس میں کمی و زیادتی جائز نہ ہو بلکہ اس کا مدار دراصل اس پر ہے کہ جتنا پانی تمام بدن کو تر کرنے کیلئے اور وضو میں اعضائے وضو کو تر کرنے کیلئے کافی ہو

جائے بس وہی مقدار ضروری ہے ابتداءً اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، وضو میں دو رکن ہیں غسل اور مسح، غسل کی حقیقت اسالۃ الماء ہے یعنی اتنا پانی بہانا جس سے تقاطر ہو جائے، اس حقیقت غسل کا پایا جانا ضروری ہے اور یہی اس کا معیار ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہتر یہ ہے کہ آپ ﷺ سے جو مقدار ماء منقول ہے جہاں تک ہو سکے اس کی متابعت کی جائے۔

فقہاء نے کلی طور پر یہ بات لکھی ہے کہ جتنا پانی بغیر اسراف و تقتیر کے کافی ہو جائے اتنا ہی استعمال کیا جائے اسراف و تقتیر دونوں مکروہ ہیں، غرضیکہ مسئلہ تقریباً اجماعی ہے، البتہ ابن شعبان مالکی کا خلاف اس میں مشہور ہے وہ یوں کہتے ہیں کہ جو مقدار پانی کی حدیث میں وارد ہے اس سے کم جائز نہیں ہے۔ حضرت شیخؒ نے اوجز میں تحریر فرمایا ہے کہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے مغنی میں اس مسئلہ میں حنفیہ کا جو اختلاف نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ حنفیہ کا مسلک اس میں وہی ہے جو جمہور علماء کا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ وہ جو ہمارے یہاں ظاہر الروایۃ ہے کہ غسل کیلئے ادنی مقدار ایک صاع اور وضو کیلئے ایک مد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مقدار مسنون کا ادنی درجہ ہے، مقدار جائز مراد نہیں ہے۔

صاع اور مد کی مقدار کی بحث اور اس میں اختلاف علماء و دلائل فریقین: یہاں صاع اور مد کی مقدار کے سلسلہ میں ایک مشہور بحث ہے جس کو شراح حدیث اور فقہاء سب ہی بیان کرتے ہیں صاع اور مد یہ دو مشہور پیمانے ہیں، اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ ایک صاع چار مد کے برابر ہوتا ہے لیکن من حیث الوزن مقدار مد میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک مد رطل و ثلث رطل کا ہوتا ہے، لہذا ایک صاع پانچ رطل و ثلث رطل کا ہوا، طرفین کے نزدیک ایک مد کی مقدار دو رطل ہے، لہذا صاع آٹھ رطل کا ہوا، جمہور کا صاع صاع حجازی اور ہمارا صاع صاع عراقی کہلاتا ہے اور صاع عراقی صاع حجاجی بھی کہلاتا ہے اسلئے کہ منقول ہے کہ جب صاع عمری مفقود ہو گیا تھا تو حجاج بن یوسف نے اس کا پتہ لگایا تھا، وہ اس بات کا اہل عراق پر احسان بھی جتلایا کرتا تھا اور اپنے خطبہ میں کہا کرتا تھا یَا أَهْلَ الْعِرَاقِ، يَا أَهْلَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ، وَمَسَاوِئِ الْأَخْلَاقِ، أَلَمْ أُخْرِجْ لَكُمْ صَاعَ عُمَرَ [1] اور ظاہر ہے کہ صاع عمر حضور ﷺ کے صاع کے موافق ہو گا۔

ہمارے علماء کہتے ہیں کہ صاع عراقی جو آٹھ رطل کا ہوتا ہے حضور ﷺ کے صاع کے مطابق ہے، جمہور کا دعویٰ یہ ہے کہ صاع حجازی حضور ﷺ کے صاع کے موافق ہے، اب فریقین کی دلیل سن لیجئے، جمہور نے اپنے مسلک پر چند دلیلیں قائم کی ہیں۔

دلیل اول: یہ ہے کہ صحیحین [2] کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرق (جو ایک بڑے پیمانہ کا نام ہے) مساوی ہوتا ہے تین صاع کے، اور یہ بات پہلے سے مشہور ہے کہ ایک فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے، لہذا سولہ کو تین پر تقسیم کریں گے تو

---

[1] العناية شرح الهداية للعيني — ج ۳ ص ۵۰۲

[2] اسلئے کہ حدیث فدیہ میں وارد ہے کہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، ہر مسکین کو نصف صاع لہذا کل تین صاع ہو گئے اور دوسری روایت میں ہے کہ چھ مسکینوں کے درمیان ایک فرق تقسیم کیا جائے، دونوں حدیثوں کو ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک فرق مساوی ہوتا ہے تین صاع کے۔

پانچ اور ثلث ہوگا، پس معلوم ہوا کہ صاع پانچ رطل اور ثلث رطل کا ہوتا ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ بات یقینی نہیں کہ ایک فرق سولہ رطل کے برابر ہوتا ہے اور نہ کسی حدیث سے ثابت ہے، اور اگر وہ یہ کہیں کہ بعض لغویین کے قول سے یہ ثابت ہے تو ہم کہیں گے کہ اہل لغت کا قول ائمہ احناف پر حجت نہیں ہے "لأنهم قدوة في اللغة ايضا" اسی طرح ہمیں یہ بھی تسلیم نہیں کہ ایک فرق مساوی ہے تین صاع کے، بلکہ ہمارے نزدیک یہ بات محل نظر ہے، ظاہر یہ ہے کہ یہ راوی کا استنباط ہے چونکہ راوی کے ذہن میں یہ بات تھی کہ تین صاع ایک فرق کے برابر ہوتا ہے تو اس نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے بجائے صاع کے لفظ فرق کو ذکر کر دیا۔

دلیل ثانی: جمہور نے امام ابویوسفؒ کے قصہ رجوع سے استدلال کیا ہے وہ یہ کہ امام ابویوسفؒ ایک مرتبہ حج کیلئے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اہل مدینہ سے مقدار صاع کی تحقیق فرمائی اور اس کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ صَاعُنَا هٰذَا صَاعُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی ہمارے پاس جو صاع ہے یہی حضور ﷺ کا صاع ہے، امام ابویوسفؒ نے پوچھا مَا حُجَّتُكُمْ فِي ذٰلِكَ؟ کہ اس بارے میں تمہاری دلیل کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: نَأْتِيكَ بِالْحُجَّةِ غَدًا یعنی دلیل ہم آئندہ کل پیش کریں گے۔ چنانچہ دوسرے دن ان کی خدمت میں ابناء مہاجرین میں سے پچاس شیوخ اپنے ساتھ صاع کو لے کر حاضر ہوئے كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ يُخْبِرُ عَنْ أَبِيهِ، وَأَهْلِ بَيْتِهِ، أَنَّ هٰذَا صَاعُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَنَظَرْتُ فَإِذَا هِيَ سَوَاءٌ یعنی ان میں سے ہر ایک یہ خبر دے رہا تھا، کوئی اپنے والد کے حوالہ سے، کوئی اپنے چچا کے حوالہ سے، کوئی اپنی ماں کے حوالہ سے کہ یہی صاع حضور کا صاع تھا۔ چنانچہ امام ابویوسفؒ نے اس کا وزن کیا تو وہ پانچ رطل اور ثلث رطل تھا اس پر امام ابویوسفؒ نے امام صاحب کا قول ترک کر دیا۔ اخرجه البيهقي بسنده [1] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس موقع پر امام مالکؒ نے امام ابویوسفؒ سے مناظرہ کیا ان ہی صیعان کی بناء پر جو یہ حضرات اہل مدینہ لے کر آئے تھے۔

اسکا جواب اولاً تو یہ ہے کہ قواعد محدثین کے پیش نظر اس قصہ سے استدلال صحیح نہیں اسلئے کہ یہ مجاہیل پر مشتمل ہے، خَمْسِينَ شَيْخًا مِنْ أَبْنَاءِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ کون تھے؟ یہ سب مجہول ہیں، ثانیاً یہ کہ اگر یہ واقعہ اس ہیئت کذائیہ کے ساتھ جو بیان کی گئی ہے ثابت ہوتا تو عوام اور خواص سب کے درمیان مشہور ہو جاتا، حالانکہ امام محمدؒ نے نہ تو اس قصہ کو ذکر کیا جس میں امام ابویوسف کا رجوع ذکر کیا جاتا ہے اور نہ ہی انہوں نے اس مسئلہ میں امام ابویوسف کا اختلاف بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابویوسفؒ اس مسئلہ میں طرفین ہی کے ساتھ ہیں، ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اختلاف صرف لفظی ہے اسلئے کہ امام ابو یوسفؒ نے اس صاع کو جس کو ابناء مہاجرین لے کر آئے تھے جس رطل سے وزن کیا تھا وہ رطل مدنی تھا، اور اہل مدینہ کا رطل

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي — كتاب الزكاة باب ما دل على أن صاع النبي كان عياره خمسة أرطال وثلث ٧٧٢١ ج ٤ ص ٢٨٦ . و نصب الراية لأحاديث الهداية كتاب الزكاة فصل في مقدار الواجب ووقته ج ٢ ص ٤٢٩

اہل بغداد و عراق کے رطل سے زائد ہوتا ہے اسلئے کہ رطل مدنی تیس استار کا ہوتا ہے اور رطل بغدادی بیس استار کا اس حساب [1] اور لحاظ سے پانچ رطل و ثلث رطل اور آٹھ رطل دونوں کی مقدار برابر ہو جاتی ہے؟ دلائل کی یہ تمام تفصیلی بحث حضرتؒ نے بذل المجہود میں کتاب الغسل میں پہنچ کر بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائی ہے، ہم نے بطور خلاصہ کے اسکو وہیں سے لیا ہے، امام ابو یوسفؒ کے مسلک اور ان کے قصہ رجوع کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب شیخ ابن الہمامؒ سے منقول ہے، انکے نزدیک راجح اور اصح یہی ہے کہ امام ابو یوسفؒ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ نہیں ہیں بلکہ امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دلیل ثالث: امام طحاویؒ نے جمہور کی جانب سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور ﷺ ایک برتن جس کو فرق کہتے ہیں، اس سے غسل کرتے تھے اور پہلے سے معلوم ہے کہ فرق تین صاع کے برابر ہوتا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اور حضرت عائشہؓ ہر ایک کے غسل کے پانی کی مقدار ایک صاع اور نصف صاع ہے، اور دوسری روایت میں یہ ثابت ہے کہ آپ آٹھ رطل سے غسل فرماتے ہیں، تو ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے نتیجہ نکلا کہ ڈیڑھ صاع برابر ہوتا ہے آٹھ رطل کے جس سے معلوم ہوا کہ ایک صاع کی مقدار پانچ رطل و ثلث رطل ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ فرق کا تین صاع کے برابر ہونا کوئی تحقیقی بات نہیں ہے، دوسرا جواب وہ ہے جو امام طحاویؒ نے دیا کہ حضرت عائشہؓ نے یہ تو فرمایا کہ ہم دونوں ایسے برتن سے غسل کرتے تھے جو بقدر فرق ہوتا تھا لیکن انہوں نے یہ نہیں بیان کیا کہ وہ برتن جسکو وہ فرق کہہ رہی ہیں مملوء ہوتا تھا یا اس سے کم؟ ہو سکتا ہے وہ مملوء نہ ہو مثلاً پونا ہو اور برابر ہو دو صاع کے تو پھر اب یہ حدیث ان احادیث کے موافق ہو جائے گی جن میں یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے۔

حنفیہ کا استدلال ان روایات سے ہے جن میں ان کے مسلک کی تصریح ہے، یعنی مد کی تفسیر رطلین کے ساتھ اور صاع کی تفسیر آٹھ رطل کے ساتھ واقع ہے، چنانچہ امام طحاویؒ نے حضرت عائشہؓ سے بسند جید نقل کیا ہے كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ بِمِثْلِ هَذَا [2] اور ایک برتن کی طرف اشارہ فرمایا، مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے اس برتن کا اندازہ لگایا تو وہ آٹھ رطل تھا یا نو یا دس، غرضیکہ آٹھ تو یقیناً تھا اس میں وہ کوئی تردد نہیں فرمارہے ہیں۔

اور نسائی میں موسیٰ الجہنی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت مجاہد کے پاس ایک قدح (پیالہ) لایا گیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے

---

[1] یعنی ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اس طور پر کہ ہر رطل بیس استار کا ہو اور پانچ رطل و ثلث رطل کا ہوتا ہے اس طور پر کہ ہر رطل تیس استار کا ہو، آٹھ کو اگر بیس میں ضرب دیا جائے تو وہی عدد نکلے گا جو پانچ اور ثلث کو تیس میں ضرب دینے سے نکلتا ہے یعنی ایک سو ساٹھ استار۔

[2] شرح معانی الآثار - کتاب الزکاۃ - باب وزن الصاع کم ھو؟ ۳۱۴۴ ج ۲ ص ۴۸

اسکا اندازہ لگایا تو وہ آٹھ رطل تھا مجاہد کہنے لگے کہ مجھ سے حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ اس سے غسل فرماتے تھے [1]، اس میں ہمارے مذہب کی تصریح ہے۔

نیز دار قطنیؒ نے دو طریق سے حضرت انسؓ کی یہ حدیث نقل کی أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَتَوَضَّأُ بِرَطْلَيْنِ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ ثَمَانِيَةِ أَرْطَالٍ [2] اس روایت کو اگرچہ دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن تعدد طریق سے اس کے ضعف کا انجبار ہو جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت گنگوہیؒ کی تقریر میں ہے کہ چونکہ حضور ﷺ کے زمانہ میں صاع عراقی بھی رائج تھا (جو کہ صاع حجازی سے بڑا ہوتا ہے) اس لئے صدقۃ الفطر میں احوط یہ ہے کہ صاع عراقی کا لحاظ کیا جائے عرف الشذی [3] میں بھی لکھا ہے کہ صاع عراقی و حجازی دونوں حضور ﷺ کے زمانے میں پائے جاتے تھے، روایات صحیحہ اس پر دال ہیں۔

فائدہ ثانیہ: صاع اور مد کی بحث و تحقیق اہتمام کے ساتھ حضرات فقہاء و محدثین اس لئے کرتے ہیں کہ یہ دونوں معیار شرعی یعنی شرعی پیمانے ہیں، بہت سے احکام شرعیہ ان سے وابستہ ہیں جیسے صدقۃ الفطر اور فدیہ و کفارات ایسے ہی وضو و غسل کے پانی کی مقدار کما لا یخفی۔

شرح السند: قال أبوداود: رواه أبان عن قتادة قال: سمعت صفية: یعنی قتادہ سے روایت کرنے والے دو ہیں، ایک ہمام جو اوپر سند میں آئے دوسرے ابان، دونوں کے لفظوں میں فرق ہیں، ہمام کی روایت میں "قتادة عن صفية" اور ابان کی روایت میں بجائے عن صفية کے سمعت صفية ہے، اس اختلاف پر تنبیہ کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قتادہ کا شمار مدلسین میں ہے اور اوپر جو روایت آئی ہے وہ عن کے ساتھ ہے اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں ہوتا، دوسرے طریق میں چونکہ سماع کی تصریح ہے اس لئے مصنفؒ نے دوسرا طریق ذکر کرکے اس کمی کو دور کر دیا، اب اس میں انقطاع کا شائبہ نہیں رہا۔

94 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حَبِيبٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ، عَنْ جَدَّتِهِ وَهِيَ أُمُّ عُمَارَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَأُتِيَ بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ قَدْرُ ثُلُثَيِ الْمُدِّ».

ترجمہ: ام عمارہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے وضو فرمانے کا ارادہ کیا تو ایسا برتن لایا گیا جس میں ایک مد کے دو تہائی کے بقدر پانی موجود تھا۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (٧٤) سنن أبي داود - الطهارة (٩٤)

---

[1] أَبِي لِمُجَاهِدٍ بِقَدَحٍ حَزَرْتُهُ ثَمَانِيَةَ أَرْطَالٍ (سنن النسائي - كتاب الطهارة - باب ذكر القدر الذي يكتفي به الرجل من الماء للغسل ٢٢٦)

[2] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب مقدار الماء المتطهر به ٣١٤

[3] العرف الشذي شرح سنن الترمذي ج١ ص ٩١

شرح الحديث عَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ: عَنْ جَدَّتِهِ: یہاں پر دوسرا نسخہ عن جدتی ہے اور اس صورت میں جدہ سے جدۂ حبیب مراد ہوں گی، اس لئے کہ متکلم وہی ہیں اور ہمارا نسخہ جس میں عن جدتہ ہے اس کی ضمیر عباد کی طرف راجع ہے اس صورت میں جدۂ عباد مراد ہوں گی۔ حضرتؒ نے بذل [1] میں دوسرے نسخہ پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ مجھے یہ بات تحقیق نہ ہو سکی کہ کیا یہ واقعی حبیب کی جدہ ہیں واللہ تعالیٰ اعلم یہ ام عمارہ ہیں جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے ان کے نام میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ ان کا نام نُسیبہ ہے (بالتصغیر) اور کہا گیا ہے کہ نَسیبہ ہے بروزن سفینہ، اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام لسینہ بضم اللام ہے بجائے نون کے۔

٩٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَبْرٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِإِنَاءٍ يَسَعُ رَطْلَيْنِ، وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ آدَمَ، عَنْ شَرِيكٍ، قَالَ: عَنِ ابْنِ جَبْرِ بْنِ عَتِيكٍ، قَالَ: وَرَوَاهُ سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى، حَدَّثَنِي جَبْرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَبْرٍ، سَمِعْتُ أَنَسًا إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: «يَتَوَضَّأُ بِمَكُّوكٍ» وَلَمْ يَذْكُرْ رَطْلَيْنِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ، يَقُولُ: «الصَّاعُ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ، وَهُوَ صَاعُ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، وَهُوَ صَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایسے برتن سے وضو فرماتے تھے کہ جس میں دو رطل پانی آسکتا تھا اور ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن آدم نے شریک سے نقل کیا کہ شریک نے عبد اللہ بن جبر بن عتیک سے روایت نقل کی ہے اور سفیان نے عبد اللہ بن عیسیٰ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا کہ مجھے جبر بن عبد اللہ نے حدیث سنائی۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ شعبہ نے اس حدیث کو نقل کیا تو فرمایا کہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن جبر نے فرمایا کہ میں نے انسؓ کو فرماتے ہوئے سنا (اس روایت میں سماع کی تصریح ہے) البتہ شعبہ نے دو رطل پانی کے بجائے یوں فرمایا کہ حضور ﷺ مکوک سے وضو فرمایا کرتے تھے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے سنا کہ صاع پانچ رطل کا ہوتا ہے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ پانچ رطل والا صاع ابن ابی ذئب کا صاع ہے یہ آپ ﷺ کا صاع تھا۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٩٨) صحيح مسلم - الحيض (٣٢٥) جامع الترمذي - الجمعة (٦٠٩) سنن النسائي - المياه (٣٤٥) سنن أبي داود - الطهارة (٩٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (١١٢/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (١١٦/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (١٧٩/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٨٢/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٩٠/٣) سنن الدارمي - الطهارة (٦٨٩)

شرح الحديث قوله: يَتَوَضَّأُ بِإِنَاءٍ يَسَعُ رَطْلَيْنِ: اس سے بظاہر حنفیہ کی تائید ہو رہی ہے اس لئے کہ حضرت انسؓ ہی کی

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٤١

دوسری روایت میں ہے کہ آپ مد سے وضو فرماتے تھے اور اس میں یہ ہے کہ رطلین سے وضو فرماتے ہیں۔

قوله: يَتَوَضَّأُ بِمَكُّوكٍ: مکوک صاع ونصف صاع یعنی ڈیرھ صاع کو کہتے ہیں لیکن شراح نے لکھا ہے کہ یہاں پر مکوک سے مراد مد ہے۔

قوله: قَالَ: رَوَاهُ سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسَى، حَدَّثَنِي جَبْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: سفیان کی یہ روایت شعبہ اور شریک کی روایت کے خلاف ہے، ان دونوں کی روایت میں عبد اللہ بن جبر تھا، سفیان نے بجائے اس کے جبر بن عبد اللہ کہا، یہ مقلوب الاسماء میں سے ہے صحیح عبد اللہ بن جبر ہے، دراصل یہ راوی عبد اللہ بن عبد اللہ بن جبر ہے، بعضوں نے نسبت الی الجد کے اعتبار سے عبد اللہ بن جبر کہدیا، نیز بعض رواۃ نے بجائے جبر کے جابر کہا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی بعض روایات میں ہے، امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ یہ دونوں صحیح ہیں، جابر اور جبر دونوں کہا جاتا ہے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ: یہاں پر صاع کی مقدار پانچ رطل بیان کی ہے اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مقولہ "ابواب الغسل میں باب فی مقدار الماء الذی یجزئ بہ الغسل" میں آرہا ہے، وہاں پانچ رطل کے ساتھ ثلث رطل بھی مذکور ہے، یہاں پر نقل میں مصنفؒ نے کسر کو حذف کر دیا ہے۔

٤٥ - بَابُ الْإِسْرَافِ فِي الْمَاءِ

وضو میں اسراف کی ممانعت کا بیان [1]

اسراف فی الوضو کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تکثیر ماء کی وجہ سے کہ زیادہ پانی بلا ضرورت بہایا جائے یا تثلیث پر زیادتی یعنی اعضاء کو تین بار سے زائد دھویا جائے، بہر حال جو بھی صورت ہو اسراف بالاتفاق مکروہ ہے خواہ کوئی شخص حوض یا نہر جاری ہی پر وضو کر رہا ہو تب بھی یہ اسراف ہے چنانچہ ابن ماجہ میں ایک روایت ہے جس کی تخریج امام احمدؒ نے بھی کی ہے کہ ایک بار آپ ﷺ کا گزر سعد بن ابی وقاصؓ پر ہوا جو وضو میں زیادہ پانی استعمال کر رہے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا 'مَا هَذَا السَّرَفُ' اے سعد! یہ اسراف کیسا، انہوں نے عرض کیا 'أَفِي الْوُضُوءِ إِسْرَافٌ' تو آپ ﷺ نے فرمایا نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهَرٍ جَارٍ [2]۔

٩٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ، عَنْ أَبِي نَعَامَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ، سَمِعَ ابْنَهُ

---

[1] یہاں ابو داود کے نسخے مختلف ہیں، ابن داسہ کے نسخہ میں فی الماء ہے، اور خطیب کے نسخہ میں فی الوضوء ہے، شیخ عوامہ نے السنن کی تعلیقات میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے (کتاب السنن - ج ١ ص ١٩٣) چونکہ بذل کے نسخہ میں خطیب کے مطابق فی الوضوء ہے اس لئے باب کا ترجمہ فی الوضوء سے کیا گیا ہے۔ (بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٤٥)

[2] سنن ابن ماجه - كتاب الطهارة وسننها - باب ما جاء في القصد في الوضوء وكراهية التعدي فيه ٤٢٥. مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة - مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما ٧٠٦٥

يَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَبْيَضَ، عَنْ يَمِينِ الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلْتُهَا. فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ، سَلِ اللهَ الْجَنَّةَ، وَتَعَوَّذْ بِهِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الطَّهُورِ وَالدُّعَاءِ».

ترجمہ: عبداللہ بن مغفلؓ نے اپنے صاحبزادے کو یہ دُعا مانگتے ہوئے سُنا کہ یااللہ جب میں جنت میں داخل ہوجاؤں تو میں آپ سے جنت کی داہنی جانب سفید محل مانگتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے فرمایا کہ اے بیٹے! اللہ پاک سے جنت مانگو اور اس سے جہنم کی پناہ حاصل کرو کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ عنقریب اس اُمت میں ایسے افراد آئیں گے جو طہارت اور دُعا میں حدودِ شرعیہ سے تجاوز کریں گے۔

تخریج: سنن أبي داود – الطهارة (٩٦) مسند أحمد – أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٨٦/٤) مسند أحمد – أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٨٧/٤) مسند أحمد – أول مسند البصريين (٥٥/٥)

شرح الحدیث: حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے اپنے بیٹے سے سنا جن کا نام یزید ہے جیسا کہ بعض روایات میں اسکی تصریح ہے کہ وہ یوں دعا کر رہے تھے: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَبْيَضَ کہ اے اللہ! جب میں جنت میں جاؤں تو سفید رنگ کا محل جو جنت میں دائیں جانب ہو، تجھ سے اس کا سوال کرتا ہوں، اس پر انکے والد نے فرمایا کہ اے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے مطلق جنت کا سوال کرو، اور مطلق جہنم سے پناہ چاہو یعنی یہ قیود مت لگاؤ اسلئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے يَعْتَدُونَ فِي الطَّهُورِ وَالدُّعَاءِ جو دعا اور وضو وطہارت میں حد سے تجاوز کریں گے۔

اس حدیث میں دو جزء ہیں:

اول: اعتداء فی الطہور، ثانی: اعتداء فی الدعاء،

صحابی کی غرض جزء ثانی ہے اور مصنفؒ کی غرض جزء اول کو بیان کرنا ہے، بہر حال اس حدیث میں اعتداء فی الطہور سے روکا گیا ہے جس سے مصنفؒ نے اسراف فی الوضو کی کراہت مستنبط فرمائی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اعتداء فی الدعاء کی تفسیر میں اقوال: اب یہ کہ اعتداء فی الدعاء سے کیا مراد ہے یعنی دعا میں تجاوز عن الحد کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ علماء نے اسکی کئی صورتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ باعتبار جہر بلیغ کے یعنی زیادہ زور سے دعا مانگنا اور چلانا یا باعتبار قیود زائدہ کے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات کا سوال کرتے وقت اسمیں طرح طرح کی شرطیں لگانا اسلئے کہ یہ حاجت مند سائل کی شان کے خلاف ہے، اور تیسری شکل یہ ہے کہ دعا کے الفاظ وکلمات میں سجع کی رعایت کی جائے مسجع عبارتوں سے دعا مانگی جائے، ظاہر ہے کہ یہ چیز خشوع کے منافی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد غیر ماثور دعائیں مانگنا ہے۔

اس پر یہ اشکال ہوگا کہ آنحضرت ﷺ کی اکثر دعائیں مسجع ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے کلام میں سجع کا پایا جانا بالقصد نہ

تھا، بلکہ کمال فصاحت وبلاغت جو آپ کو فطری طور پر عطاء ہوا تھا اس کے سبب مسجع الفاظ وعبارتیں بلا تکلف زبان مبارک پر آتی تھیں، اور ممانعت کا تعلق تصنع وتکلف سے ہے نہ کہ اس سے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ شراح کا یہاں اس بات میں اختلاف ہو رہا ہے کہ صحابی کے ان صاحبزادے نے دعا میں کیا زیادتی کی تھی جس پر ان کے والد نے ان کو ٹوکا، کوئی کچھ لکھ رہا ہے اور کوئی کچھ جیسا کہ بذل میں موجود ہے لیکن حضرت سہارنپوریؒ کی رائے یہ ہے کہ موجودہ دعا کے مضمون میں کوئی تجاوز عن الحد نہیں ہے لیکن ان کے طرز دعا سے ان صحابی کو اندیشہ ہوا کہ یہ کہیں اس میں تجاوز عن الحد نہ کر جائیں اس لئے پیش بندی کے طور پر انہوں نے اپنے بیٹے کو تنبیہ فرمائی، حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ قصر ابیض عن یمین الجنۃ کے سوال میں کوئی ایسی اشکال کی بات جس کو تجاوز عن الحد کہا جائے نہیں ہے [1]۔

حدیث کے جزاول یعنی اعتداء فی الطہور کے سلسلہ میں حضرت الاستاذ مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ نے اپنی بذل کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے کہ اسراف فی الوضوا گر ماء مباح یا مملوک میں ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر مال وقف میں ہو جیسے مدارس کے حمام وغیرہ کا پانی تو وہ حرام ہے، عام طور سے طلبہ چونکہ مدرسہ کے زیر انتظام مہیا پانی میں بے احتیاطی کرتے ہیں اس لئے ناظم صاحبؒ نے طلباء کے سامنے خاص طور سے یہ بات بیان فرمائی۔

٤٦ - بَابٌ فِي إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ

وضو کو اس کے آداب کی رعایت کے ساتھ کرنے کا بیان

اسباغ کے معنی اکمال کے ہیں، ارشاد باری ہے وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً [2] اور اکمال وضو یہ ہے کہ وضو کو اس کے آداب ومستحبات کی رعایت کے ساتھ کیا جائے، صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے اسباغ کی تفسیر انقاء کے ساتھ مروی ہے یعنی اعضاء کو اچھی طرح رگڑ کر دھونا۔

اسباغ وضوء کی انواع ثلاثہ اور اطالۃ الغرۃ والتحجیل کی تشریح وتحقیق: حضرت مولانا شاہ اسحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بعض حواشی میں منقول ہے کہ اسباغ وضو کی تین قسمیں اور درجات ہیں: پہلا درجہ فرض، دوسرا سنت، تیسرا مستحب۔ ① جملہ اعضاء وضو کو ایک بار بالاستیعاب دھونا، اسباغ بایں معنی فرض ہے۔ ② تثلیث غسل یعنی ہر عضو کو تین بار دھونا اور ایک مرتبہ پورے سر کا بالاستیعاب مسح کرنا، یہ سنت ہے۔ ③ تثلیث غسل کے ساتھ اطالۃ الغرہ والتحجیل کرنا جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کیا کرتے تھے، اسباغ کی یہ نوع مستحب ہے۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٤٧-٢٤٨

[2] اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی (سورۃ لقمان ٢٠)

جاننا چاہئے کہ غرہ کہتے ہیں اس سفیدی کو جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے اور یہاں پر اطالة الغرة سے مراد یہ ہے کہ چہرہ دھوتے وقت پیشانی کے ساتھ مقدم رأس کا کچھ حصہ بھی شامل کر لیا جائے، اور اطالة التحجیل کا مطلب یہ ہے کہ یدین اور رجلین کو دھوتے وقت حد مفروض یعنی مرفقین وکعبین سے تجاوز کیا جائے اور کچھ اوپر کا حصہ بھی دھویا جائے، دراصل یہ ماخوذ ہے فرس محجل سے، محجل اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک سفید ہوں، اور وضو میں مقدار مفروض سے تجاوز کو اطالة الغرة والتحجیل سے تعبیر کرنا بظاہر اس نکتہ کی بناء پر ہے کہ قیامت کے روز یہ اعضاء وضو روشن اور چمکدار ہوں گے، غرہ اور تحجیل میں بھی روشنی کے معنی ہیں، نہایت حسین تعبیر ہے۔

جاننا چاہئے کہ اسباغ بالمعنی الثالث یعنی اطالة الغرة والتحجیل مختلف فیہ ہے جمہور علماء ائمہ ثلاثہ تو اسکے استحباب کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ اور طحطاویؒ نے اسکو مندوبات وضو میں شمار فرمایا ہے، اسی طرح امام نوویؒ نے شرح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث "من استطاع منکم ان یطیل غرته فلیفعل" کے تحت اس اطالت کو مستحب لکھا ہے [1] اور حنابلہ کے یہاں اسکے استحباب کی تصریح نیل المآرب میں موجود ہے خلاصہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں یہ مستحب ہے لیکن مالکیہ اسکے قائل نہیں وہ اس کو مکروہ کہتے ہیں، وہ یوں کہتے ہیں کہ اطالت سے مراد ادامت اور تجدید وضو ہے، یعنی ہمیشہ باوضو رہنا اور تازہ وضو کرنا۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ شراح حدیث میں سے ابن بطال مالکیؒ اور قاضی عیاض مالکیؒ نے جو یہ دعوی کیا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فوق المرفق والکعب دھونا مستحب نہیں ہے، یہ دعوی ان کا باطل ہے [2] میں کہتا ہوں کہ اسی طرح طحاوی کی شرح امانی الاحبار میں علامہ مناویؒ سے نقل کیا ہے کہ ائمہ ثلاثہ یعنی حنفیہ مالکیہ حنابلہ اطالة الغرة والتحجیل کے استحباب کے قائل نہیں ہیں، علامہ مناویؒ کی یہ بات خلاف تحقیق ہے اس لئے کہ ہم ابھی کتابوں کے حوالہ سے حنفیہ وحنابلہ اور اسی طرح شافعیہ کے نزدیک اس کا استحباب نقل کر چکے ہیں۔

امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ وضو میں اطالة الغرة والتحجیل حضور ﷺ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں سے ثابت ہے، لیکن ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے زیادت علی محل الفرض عملاً ثابت نہیں ہے، البتہ حضرت ابو ہریرہؓ [3] ایسا کیا کرتے تھے۔

---

[1] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٣ ص ١٣٤

[2] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٣ ص ١٣٤

[3] جاننا چاہئے کہ اطالة الغرة والتحجیل کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے جس کو صاحب مشکوۃ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں إن أمتي يدعون يوم القيامة غرا محجلين من آثار الوضوء فمن استطاع منكم أن يطيل غرته فليفعل (متفق عليه) اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا آخری جملہ یعنی فمن استطاع الخ، حضرت ابو ہریرہؓ کی جانب سے مدرج ہے، اکثر حفاظ حدیث کی یہی رائے ہے گو بعض نے اسکے مرفوع وموقوف ہونے میں تردد بھی ظاہر کیا ہے، حاصل یہ کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک اس امت کا وضو کی برکت سے بروز محشر اغر محجل ہونا، دوسرے وضو کے درمیان اطالة الغرة والتحجیل کرنا، سو امر اول آپ ﷺ کے کلام سے ثابت ہے، اور امر ثانی حضور ﷺ سے مختلف فیہ ہے، بعض اس کے قائل ہیں اور بعض منکر، اور حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں یہ ثابت اور مشہور ہے کہ وہ ایسا کیا کرتے تھے۔

٩٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ، عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، عَنْ أَبِي يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى قَوْمًا وَأَعْقَابُهُمْ تَلُوحُ. فَقَالَ: «وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ، أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ».

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں (وضو میں ایڑیوں تک پانی نہیں پہنچا تھا جس کی وجہ سے یہ ایڑیاں چمک رہی تھیں) تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ان ایڑیوں کیلئے ہلاکت ہے جہنم کی آگ کی، تم لوگ اچھی طرح وضو کیا کرو۔

تخریج: صحيح البخاري - العلم (٦٠) صحيح البخاري - العلم (٩٦) صحيح البخاري - الوضوء (١٦١) صحيح مسلم - الطهارة (٢٤١) سنن النسائي - الطهارة (١١١) سنن أبي داود - الطهارة (٩٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٥١) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (١٩٣/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢٠٥/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢١١/٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢٢٦/٢) سنن الدارمي - الطهارة (٧٠٦)

شرح الحدیث: اس باب میں مصنفؒ نے ایک ہی حدیث ذکر فرمائی ہے حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ کی کہ حضور ﷺ نے بعض صحابہ کو دیکھا جنہوں نے اسی وقت وضو کی تھی کہ انکی ایڑیوں کا کچھ حصہ خشک رہ جانے کی وجہ سے چمک رہا تھا یعنی محسوس ہو رہا تھا، تو آپ نے ان کو یہ وعید سنائی وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ یعنی تباہی ہے ان ایڑیوں کیلئے یعنی آگ اور پھر فرمایا وضو کامل و مکمل کیا کرو۔

مضمون حدیث: اس حدیث میں دراصل اختصار ہے روایت مفصلہ مسلم وغیرہ میں ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ ایک سفر میں تھے، چلتے چلتے جب منزل کے قریب پہنچے تو قافلے میں سے کچھ جوان قسم کے صحابہ قریب میں آنے والے چشمہ پر تیزی سے چل کر آگے چلے گئے، اور وہاں جا کر اپنی ضرورتیں پوری کیں، اور چشمہ پر ان لوگوں نے جلدی جلدی وضو کیا جس میں بعض کی ایڑیوں کا کچھ حصہ خشک رہ گیا اور وہ لوگ اپنے نزدیک وضو سے فارغ ہو کر گویا تیار ہو گئے تھوڑی دیر بعد باقی قافلہ جس میں حضور ﷺ بھی تھے وہاں اس چشمہ پر پہنچا تو اس وقت حضور ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں یہ فرمایا جو حدیث الباب میں مذکور ہے۔

حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب سے صاف ہے اور جس اسباغ کا ذکر اس حدیث میں ہے وہ اسباغ کی اقسام ثلاثہ میں سے وہ قسم ہے جو فرض ہے اسلئے کہ ان لوگوں نے رجلین کو ایک بار بھی بالاستیعاب نہیں دھویا تھا حالانکہ ایک بار بالاستیعاب اعضاء کو دھونا فرض ہے۔

قولہ: وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ: اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اعقاب سے اصحاب الاعقاب مراد ہیں، دوسرے یہ کہ اعقاب ہی مراد ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ تکلیف صرف اعقاب ہی کو پہنچائی جائے گی، جس کی وجہ وہ ہے جو ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ اعضاء وضو کو نار مس نہیں کرے گی اور چونکہ ان اعقاب کو وضو کا پانی نہیں پہنچا ہے اسلئے ان کو آگ مس کرے گی۔

وَيْلٌ کی تفسیر میں کئی قول ہیں کہا گیا ہے کہ اس کے معنی رسوائی کے ہیں اور کہا گیا ہے کہ ہلاکت کے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی خسران یعنی خسارہ کے ہیں، اور صحیح ابن حبان میں ایک مرفوع روایت ہے جس میں ہے وَيْلٌ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ [1] یعنی ویل جہنم کے ایک طبقے کا نام ہے، چونکہ یہ حدیث ہے اس لئے اسی کو اصح التفسیر کہا جائے گا۔

نیز اس سے ایک اور اشکال بھی رفع ہو گیا وہ یہ کہ یہاں وَيْلٌ ترکیب میں مبتدا واقع ہو رہا ہے حالانکہ نکرہ ہے، اشکال اس لئے رفع ہو گیا کہ روایت مرفوعہ سے معلوم ہوا کہ یہ تو جہنم کے ایک خاص طبقہ کا نام ہے لہٰذا بنابر علمیت کے معرفہ ہوا اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ جملہ دعائیہ میں واقع ہونے والا مبتدا نکرہ ہو سکتا ہے۔

٤٧ ـ بَابُ الْوُضُوءِ فِي آنِيَةِ الصُّفْرِ

پیتل کے برتن میں وضو کرنے کا بیان

جاننا چاہئے کہ اس ترجمہ کو دیکھ کر یہ بات ذہن میں آئی کہ اتباع رسول اور حب رسول کا مقتضی یہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا کو دیکھا جائے، آپ وضو کیسے کرتے تھے، غسل کیسے کرتے تھے، وضو کتنے پانی سے کرتے تھے، کیسے برتن سے کرتے تھے، حضرات محدثین کے عشق رسول کا کون انکار کر سکتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ احکام شرعیہ کا مدار نقل پر ہے، ہر حکم کا ثبوت خواہ وہ کوئی اہم ہو یا معمولی محتاج نقل ہے اور تمام نقول کا منبع و مأخذ آپ کی ذات گرامی ہے، محدثین کے یہ تراجم ابواب اسی حقیقت کے مظہر ہیں امام بخاریؒ نے بھی اوانی وضو یعنی جن برتنوں سے وضو کرنا ثابت ہے اس پر ایک دو باب منعقد کئے ہیں، لیکن بخاری میں آنیۃ الصفر پر کوئی مستقل باب نہیں ہے گو بخاری شریف کی حدیث میں یہ لفظ مذکور ہے، البتہ امام ابن ماجہؒ نے امام ابو داودؒ کی طرح آنیۃ الصفر پر باب باندھا ہے اسکے حاشیہ میں حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء سے جو بتانبے، پیتل کے برتن سے وضو کی کراہت منقول ہے، شاید انکی مراد کراہت تنزیہی ہے اسلئے کہ مٹی کے برتن کا استعمال اقرب الی التواضع ہے اور حدیث بیان جواز پر محمول ہے، پھر آگے شاہ صاحب لکھتے ہیں، لیکن مجھے کسی روایت میں اسکی تصریح نہیں ملی کہ آپ ﷺ مٹی کے برتن سے وضو فرماتے تھے، ہاں البتہ امام غزالیؒ نے احیاء میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کیلئے ایک مٹی کا لوٹا تھا جس سے وضو فرماتے اور پانی پیتے تھے لیکن حافظ عراقی نے احیاء العلوم کی تخریج میں لکھا ہے کہ مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔

صفر اور شبہ کی لغوی تحقیق اور حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت: صفر کے ترجمہ میں اختلاف ہے، حضرت شیخؒ کے حاشیہ بذل میں ہے کہ حضرت گنگوہیؒ سے سوال کیا گیا کہ صفر کا ترجمہ غیاث اللغات میں کانسی

[1] صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان - كتاب إخباره عن مناقب الصحابة - باب صفة النار وأهلها ٧٤٦٧ (ج ١٦ ص ٥٠٨)

کے ساتھ کیا ہے اور غایة الأوطار تر جمہ درمختار میں اس کا ترجمہ پیتل کے ساتھ کیا ہے تو حضرت نے اس کا جواب یہ مرحمت فرمایا جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے کہ صاحب غایة الأوطار کا قول صحیح ہے۔

اب یہ کہ آنِيَةِ الصُّفْرِ میں وضو کرنا کیسا ہے تو باب کی دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے آنِيَةِ الصُّفْرِ میں وضو فرمائی، اور باب کی پہلی حدیث میں فِي تَوْرٍ مِنْ شَبَهٍ کا لفظ ہے شبہ پیتل ہی کو کہتے ہیں تو گویا پہلی حدیث کو ترجمۃ الباب سے مطابقت من حیث المعنی ہے اور حدیث ثانی کو ترجمہ کے ساتھ مطابقت لفظاً و معنیً دونوں طرح ہے۔

بہر حال صحاح کی ان احادیث سے جن میں سے بعض بخاری میں بھی ہیں، آنِيَةِ الصُّفْرِ میں وضو کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہوا لیکن غیر صحاح کی بعض روایات سے وضوء فی آنیة الصفر کی کراہت معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ مصنف ابن أبي شیبة میں ہے، نیز ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ آنِيَةِ الصُّفْرِ سے نہ پانی پیتے تھے اور نہ وضو کرتے تھے، اسی طرح ابن رسلان نے امام غزالیؒ سے اسکی کراہت نقل کی ہے مصنف ابن أبي شیبة کی روایت میں ہے انه علیه السلام کرهه [1] کہ حضور ﷺ پیتل کے برتن کے استعمال کو مکروہ سمجھتے تھے۔

لیکن جواز کی روایات صحاح کی ہیں جو اصح اور راجح ہیں، ہو سکتا ہے مصنفؒ کی غرض اس باب سے انہی روایات کی طرف اشارہ اور ان پر رد ہو اور جمع بین الروایات کی شکل یہ ہے کہ کراہت کی روایات کو زہد اور ترک تنعم پر محمول کیا جائے، اور بعضوں نے کہا کہ کراہت اسلئے ہے کہ اس قسم کے قیمتی برتنوں کے استعمال کرنے میں فقراء و ناداروں کی دل شکنی ہے بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ تانبے پیتل کے برتن میں پانی اگر دیر تک رکھا رہے تو اس میں تغیر آجاتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ پیتل چونکہ لون میں ذہب کے ساتھ مشابہ ہے اس لئے کراہت ہے ویسے مسئلہ وہی ہے جس کو ابن قدامہؒ نے مغنی میں لکھا ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ تانبے پیتل وغیرہ اور اسی طرح یاقوت اور قیمتی پتھروں کے برتنوں کا استعمال جائز ہے، البتہ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ جو ظروف بہت زیادہ قیمتی جواہر سے بنائے گئے ہوں ان کا استعمال ناجائز ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال صرف مردوں ہی کیلئے ناجائز نہیں ہے بلکہ عورتوں کیلئے بھی ناجائز ہے، عورتوں کیلئے صرف زیورات کا استعمال جائز ہے۔

٩٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنِي صَاحِبٌ لِي، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَوْرٍ مِنْ شَبَهٍ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں غسل کیا کرتی تھی پیتل کے چھوٹے برتن سے۔

٩٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، أَنَّ إِسْحَاقَ بْنَ مَنْصُورٍ حَدَّثَهُمْ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ رَجُلٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ

---

[1] عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ الصُّفْرَ، وَكَانَ لَا يَتَوَضَّأُ فِيهِ. (مصنف ابن أبي شيبة - كتاب الطهارة - باب في الوضوء في النحاس ٤٠٦)

أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح نقل فرماتی ہیں۔

تخریج: صحيح البخاري - الغسل (٢٤٧) صحيح البخاري - الغسل (٢٥٨) صحيح البخاري - الغسل (٢٦٠) صحيح البخاري - الغسل (٢٦٩) صحيح البخاري - الحيض (٢٩٥) صحيح مسلم - الحيض (٣١٩) صحيح مسلم - الحيض (٣٢١) صحيح مسلم - الحيض (٣٣١) جامع الترمذي - اللباس (١٧٥٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٢٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٣١) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٢) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٥) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٠) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١١) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٢) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٣) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٤) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٦) سنن أبي داود - الطهارة (٩٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٧٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٠٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٤٩) سنن الدارمي - الطهارة (٧٥٠)

١٠٠ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، وَسَهْلُ بْنُ حَمَّادٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ: «جَاءَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِي تَوْرٍ مِنْ صُفْرٍ فَتَوَضَّأَ».

ترجمہ: عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے ایک پیتل کے برتن میں آپ ﷺ کو پانی پیش کیا (نکال کر دیا) اس سے آپ ﷺ نے وضو فرمایا۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٩٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٠٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٧١) سنن الدارمي - الطهارة (٦٩٤)

شرح الاحادیث **شرح السند:** قوله: أَخْبَرَنِي صَاحِبٌ لِي: اور اس سے اگلی سند میں ہے عَنْ رَجُلٍ غرضیکہ دونوں جگہ سند میں یہ راوی مبہم ہے اس سے مراد: شعبہ ہیں جیسا کہ حافظ نے تہذیب میں لکھا ہے اور حضرتؒ نے اسکو بذل [1] میں لیا ہے، نیز پہلی اور دوسری سند میں ایک فرق یہ ہے کہ پہلی سند میں ہشام براہ راست حضرت عائشہؓ سے روایت کر رہے ہیں، اور دوسری سند میں ہشام اور عائشہؓ کے درمیان عروہ ہیں، پہلی سند منقطع ہوئی اسلئے کہ ہشام نے حضرت عائشہؓ کو نہیں پایا ہے۔

٤٨ - بَابٌ فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الْوُضُوءِ

وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا بیان

ادعیہ واذکار وضو دو طرح کی ہیں، ایک وہ جو ابتداء وضو میں پڑھی جاتی ہیں اور دوسرے وہ جو بعد الفراغ عن الوضو ہیں، جس کا باب آئندہ آئے گا، اور کچھ دعائیں وہ ہیں جو اثناء وضو میں ہر ہر عضو پر پڑھی جاتی ہیں ان سب کا بیان ان شاء اللہ وہیں اگلے باب

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٥١

میں آئیگا۔

۱۰۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ، وَلَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا وضو صحیح نہ ہوا اسکی نماز صحیح نہ ہوگی اور جس نے وضوء سے پہلے اللہ جل مجدہ کا نام نہیں لیا اس کا وضو صحیح نہیں ہوا۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۱۰۱) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۳۹۹)

۱۰۲ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنِ الدَّرَاوَرْدِيِّ، قَالَ: وَذَكَرَ رَبِيعَةُ، أَنَّ تَفْسِيرَ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ» أَنَّهُ الَّذِي يَتَوَضَّأُ وَيَغْتَسِلُ، وَلَا يَنْوِي وُضُوءًا لِلصَّلَاةِ، وَلَا غُسْلًا لِلْجَنَابَةِ.

ترجمہ: ربیعہ (الرائی) نے اس حدیث کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ جو شخص وضو اور غسل سے پہلے نماز کے وضو کی نیت نہ کرے اور غسل جنابت کی نیت نہ کرے (غسل سے پہلے) ایسے شخص کا (بغیر نیت کیے) وضو معتبر نہیں۔

شرح الاحادیث — **مسئلۃ الباب میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تحقیق:** تسمیہ عند الوضوء کے حکم میں اختلاف ہے، حنفیہ کے یہاں سنت یا مستحب دونوں قول ہیں اکثر نے سنت لکھا ہے اور صاحب ہدایہ نے استحباب لکھاہے، علامہ عینیؒ نے ایک روایت امام صاحب سے عدم استحباب کی بھی نقل کی ہے لیکن علامہ شامیؒ وغیرہ فقہاء نے اس کو ذکر نہیں کیا، اور حنفیہ میں سے ابن الہمامؒ وجوب تسمیہ کے قائل ہیں لیکن یہ ان کی اپنی تحقیق ہے جس کا اعتبار نہیں، چنانچہ ان کے معروف شاگرد قاسم بن قطلوبغاؒ فرماتے ہیں: ابحاث شیخنا اذا خالفت المنقول لا تعتبر اور شافعیہ [1] کے نزدیک تسمیہ عند الوضو سنت ہے جیسا کہ ان کی کتابوں میں مصرح ہے، مالکیہ کے یہاں مشہور اور تحقیقی قول جیسا کہ علامہ دسوقیؒ نے لکھا ہے یہ ہے کہ تسمیہ علی الوضو فضائل یعنی مستحبات میں سے ہے، غیر مشروع یا مکروہ ہونے کی انہوں نے تردید کی ہے، لہٰذا وہ جو ابن العربیؒ نے شرح ترمذی میں امام مالکؒ کی طرف تسمیہ کا عدم استحباب منسوب کیا ہے وہ خلاف تحقیق یا کم از کم قول مرجوح ہے،

---

[1] ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے پاس استحباب تسمیہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، نیز انہوں نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، اسی طرح حافظ منذری نے لکھاہے کہ احادیث تسمیہ کی اسانید مستقیم نہیں، اور معارف السنن میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے حوالہ سے لکھاہے کہ کتب حدیث کے اندر حضور ﷺ کی وضو کے بارے میں جو احادیث فعلیہ وارد ہوئی ہیں جن میں حضور ﷺ کے وضو کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اور صحابہ کرام لوگوں کو اسکی تعلیم دیتے رہے ہیں ان میں کہیں بھی تسمیہ کا ذکر نہیں، سواب حاصل یہ ہوا کہ وضو کے سلسلہ میں احادیث کثیرہ صحیحہ فعلیہ میں تو تسمیہ کا ذکر ہی نہیں البتہ احادیث قولیہ میں اس کا ذکر ہے لیکن وہ ضعیف ہیں، غالباً یہی وجہ ہے کہ امام صاحب سے بھی ایک روایت اس سلسلہ میں عدم استحباب کی منقول ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک جیسا کہ کتب حنابلہ نیل المآرب وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ تسمیہ علی الوضوء واجب عند التذکر ہے یعنی نسیاناً معاف ہے یہی مذہب اسحق بن راہویہ کا ہے لہذا اگر کوئی عمداً تسمیہ ترک کریگا تو وضو صحیح نہ ہوگی، اور ظاہریہ کے نزدیک تذکر کی قید نہیں بلکہ مطلقاً فرض ہے، حنابلہ کا مذہب مشہور عند الشراح بھی یہی ہے جو اسحق بن راہویہ کا ہے، لیکن مغنی میں تسمیہ کے سنت ہونے کو اظهر الراويتين عن أحمد لکھا ہے، نیز امام احمدؒ کے نزدیک وضو غسل اور تیمم تینوں میں تسمیہ واجب ہے، خلاصہ یہ کہ اس میں پانچ قول ہیں:

① حنفیہ کے یہاں سنت یا مستحب۔

② شافعیہ کے نزدیک سنت۔

③ مالکیہ کے نزدیک مستحب راجح اور مشہور قول کی بناء پر۔

④ حنابلہ کے نزدیک واجب عند التذکر بغیر اس کے وضو درست نہیں۔

⑤ ظاہریہ کے نزدیک مطلقاً واجب۔

اب یہ کہ تسمیہ علی الوضوء کے الفاظ کیا ہیں؟ شیخ ابن الہمام نے لکھا ہے اسکے الفاظ جو سلف سے منقول ہیں اور بعض نے کہا جو حضور ﷺ سے منقول ہیں وہ بسم الله العظيم والحمد لله على دين الاسلام اور علامہ عینیؒ نے طبرانی کے حوالہ سے مرفوعاً بسم الله والحمد لله لکھے ہیں۔

جمہور کی طرف سے حدیث الباب کے جوابات: حدیث الباب تسمیہ کے وجوب پر دال ہے جیسا کہ ظاہریہ اور حنابلہ کا مسلک ہے جمہور کی طرف سے اس کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں:

① ایک کلی جواب وہ ہے جس کو ابن العربیؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے لم یصح فی هذا الباب شئ [1] چنانچہ حدیث الباب میں یعقوب بن سلمہ غیر قوی ہیں وہ اپنے باپ سے روایت کر رہے ہیں ان کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں، اور ایسے ہی ان کے باپ کا سماع حضرت ابو ہریرہؓ سے ثابت نہیں، لہذا یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہوئی۔

② دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ ان احادیث میں کمال کی نفی ہے، اور کمال کی نفی اس لئے مراد لے رہے ہیں تاکہ دلائل کا آپس میں تعارض نہ ہو جائے، نیز ابن سید الناسؒ نے شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ بعض روایات میں نفی کمال کی تصریح ہے یعنی لا وضوء کاملاً وارد ہوا ہے،

③ تیسرا جواب یہ دیا گیا جیسا کہ امام ابو داودؒ نے اسی باب میں ربیعۃ الرائی سے نقل کیا ہے کہ تسمیہ سے مراد نیت ہے اور جمہور کے نزدیک نیت ضروری ہے۔

---

[1] ولم تصح ولا شئ في الباب (عارضة الأحوذي شرح صحيح الترمذي - ج ١ ص ٧٤)

④ چوتھا جواب قاضی ابو بکر باقلانی نے یہ دیا ہے کہ اس قسم کے الفاظ یعنی لا وضوء اور لاصلوٰۃ مجمل ہیں، کیونکہ کبھی یہ نفی ذات وصحت کیلئے آتے ہیں اور کبھی نفی کمال کیلئے، واذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

اس مسئلہ میں جمہور کے دلائل: جمہور نے عدم وجوب تسمیہ عند الوضوء پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو دار قطنی اور بیہقی وغیرہ میں متعدد صحابہ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے من توضأ وذکر اسم اللہ علیہ کان طھوراً لجمیع بدنہ ومن توضأ ولم یذکر اسم اللہ کان طھوراً لاعضاء وضوئہ [1] یعنی جو بسم اللہ پڑھ کر وضو کرے اس سے تمام بدن کی طہارت حاصل ہوتی ہے، اور جو بغیر بسم اللہ پڑھے وضو کرے اس سے صرف اعضاء وضو طاہر ہوتے ہیں، یہاں پر طہارت سے مراد طہارت عن الذنوب ہے، طہارت عن الحدث نہیں اس لئے کہ حدث متجزی نہیں ہوتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر تسمیہ کے وضو تو ہو جاتی ہے لیکن ثواب کم ہے۔

یہ روایات گو ضعیف ہیں ہر ایک میں کوئی نہ کوئی راوی ضعیف ہے، مگر پہلی بات تو یہ ہے کہ احادیث دالہ علی الوجوب کونسی ایسی قوی ہیں لہذا جانبین کی حدیثیں ضعیف ہوئیں، دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایات گو بانفرادہا ضعیف ہوں، لیکن کثرت طرق کی وجہ سے اعتضاد وتقویت ہو جاتی ہے، لہذا یوں کہا جائے گا کہ یہ احادیث قرینہ ہیں اس بات پر کہ جن روایات میں بغیر تسمیہ کے وضو کی نفی ہے وہ نفی، نفی کمال پر محمول ہے۔

امام بیہقیؒ نے جمہور کی طرف سے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے إِنَّهَا لَا تَتِمُّ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللهُ بِهِ [2] یعنی آدمی کی وضو اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس طرح وضو نہ کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اور أَمَرَهُ اللهُ سے آیت وضو کی طرف اشارہ ہے اور آیت وضو میں کہیں تسمیہ مذکور نہیں۔

امام طحاویؒ نے عدم وجوب پر رد السلام بالتیمم کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کا مضمون باب فی الرجل یرد السلام وھو یبول کے ذیل میں گزر چکا کہ آپ نے سلام کا جواب بغیر وضو اس لئے نہیں دیا کہ سلام ذکر ہے، اور ذکر کو آپ نے بغیر وضو کے مکروہ سمجھا لہذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ کم از کم آپ نے اس موقع پر جو وضو فرمائی وہ بغیر تسمیہ کے تھی، لہذا تسمیہ عند الوضو ضروری نہیں ہے۔

---

[1] عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ تَوَضَّأَ فَذَكَرَ اسْمَ اللهِ تَعَالَى عَلَى وُضُوئِهِ كَانَ طُهُورًا لِجَسَدِهِ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَى وُضُوئِهِ كَانَ طُهُورًا لِأَعْضَائِهِ (سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب التشهد بعد الوضوء ٢٣٣)

[2] إِنَّهَا لَا تَتِمُّ صَلَاةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللهُ بِهِ (سنن الكبرى للبيهقي - كتاب الطهارة - باب التسمية على الوضوء ١٩٧)

٤٩ - بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا

اگر کوئی شخص ہاتھ دھوئے بغیر اپنا ہاتھ برتن (ماء قلیل) میں داخل کر دے تو اس پانی کا کیا حکم ہے؟

۱۰۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي رَزِينٍ، وَأَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ».

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کی نیند سے بیدار ہو تو یہ شخص برتن میں اپنا ہاتھ نہ ڈالے یہاں تک کہ وہ اس ہاتھ کو تین مرتبہ دھولے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کے اسکے ہاتھ نے رات کہاں گزاری۔

۱۰٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي بِهَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا وَلَمْ يَذْكُرْ أَبَا رَزِينٍ.

ترجمہ: اعمش نے ابوصالح سے نقل کیا ہے وہ حضرت ابوہریرہؓ کے واسطے سے نبی اکرم ﷺ کا مذکورہ بالا فرمان نقل کرتے ہیں اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اپنے ہاتھ کو دو دفعہ یا تین دفعہ دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے اس سند میں اعمش کے بعد (صرف ابوصالح راوی کا ذکر ہے) ابورزین کا ذکر نہیں ہے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٦٠) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٨) جامع الترمذي - الطهارة (٢٤) سنن النسائي - الطهارة (١) سنن النسائي - الطهارة (١٦١) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٤١) سنن أبي داود - الطهارة (١٠٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٩٣) موطأ مالك - الطهارة (٤٠) سنن الدارمي - الطهارة (٧٦٦)

شرح الحدیث: آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص رات میں سو کر اٹھے تو جب تک اپنے ہاتھوں کو تین بار نہ دھولے ان کو پانی کے برتن میں نہ ڈالے فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ اس لئے کہ وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کے ہاتھوں نے رات کہاں گزاری ہے، پاک جگہ یا ناپاک جگہ۔

یہاں پر ایک طالبعلمانہ اشکال ہے، وہ یہ کہ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ جملۂ استفہامیہ ہے، جو صدارت کلام کو چاہتا ہے اور یہاں پر ایسا نہیں ہے بلکہ ترکیب میں مفعول واقع ہو رہا ہے، جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ أَيْنَ مطلق ظرف کے معنی میں مجرداً عن معنی الاستفہام استعمال ہو رہا ہے، اور ترجمہ یہ ہے کہ وہ سونے والا نہیں جانتا بدن کے اس حصہ اور جگہ کو جہاں اسکے ہاتھ نے رات گزاری ہے گویا أَيْنَ موضع کے معنی میں ہے یا یہ کہا جائے یہ جملہ یہاں پر بطور سوال کے نہیں بلکہ حکایت عن السوال ہے کہ اگر سو کر اٹھنے والے سے یہ سوال کیا جائے کہ اسکے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے؟ تو وہ اس سوال کا جواب نہ دے سکے گا، اور تقدیر عبارت یہ

ہے "فانه لا يدرى اين باتت يده"۔

حدیث سے متعلق مباحث اربعہ: اس حدیث میں چند بحثیں ہیں:

① اول یہ کہ نہی تنزیہ کیلئے ہے یا تحریم کیلئے؟

② دوسری بحث یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قبل الغسل ہاتھوں کو پانی میں داخل کر دے تو اس پانی کا حکم کیا ہے، طاہر ہے یا نجس؟

③ تیسری بحث یہ ہے کہ علت نہی اور سبب حدیث کیا ہے؟

④ چوتھی بحث یہ ہے کہ اس حدیث میں جو ابتداء غسل الیدین کا حکم ہے، آیا یہ احکام المیاہ کے قبیل سے ہے یا سنن الوضوء کے قبیل سے ہے؟

بحث اول: جمہور اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ نہی تنزیہ کیلئے ہے خواہ استیقاظ دن میں ہو یا رات میں، اور امام احمدؒ وداود ظاہری کے نزدیک نوم اللیل میں تحریم کیلئے ہے اور نوم النہار میں تنزیہ کیلئے، اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں مطلق تحریم کیلئے ہے خواہ دن میں ہو یا رات میں، امام احمدؒ کا استناد باب کی حدیث اول سے ہے جس میں مِنَ اللَّيْلِ کی قید موجود ہے اور حسن بصریؒ کا استناد اس روایت سے ہے جس میں مطلق استیقاظ من النوم مذکور ہے لیل کی قید نہیں ہے جیسا کہ باب کی حدیث ثالث میں ہے۔

بحث ثانی: جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں پانی ناپاک نہیں ہوتا مطلقاً، اور اسحٰق بن راہویہؒ، حسن بصریؒ اور محمد بن جریر طبریؒ کے نزدیک نوم اللیل میں ناپاک ہو جائے گا، اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے، چنانچہ ابن قدامہؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں اعجب إليّ ان يهريقه۔

اسحٰق بن راہویہ وغیرہ کا استدلال اس روایت سے ہے جس میں اراقتہ ماء کا حکم ہے، جس کو ابن عدی نے روایت کیا ہے لیکن وہ خود یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت منکر اور غیر محفوظ ہے، اور جمہور یہ کہتے ہیں کہ جو حکم احتمال پر مبنی ہو وہ وجوب کیلئے نہیں ہو سکتا ہے لہذا غسل یدین کے حکم کو وجوبی نہیں کہا جا سکتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ قاعدہ ہے "اليقين لايزول الا بمثله" اور یہاں پانی کا پہلے سے طاہر ہونا یقینی تھا، اور یدین کی نجاست صرف محتمل اور مشکوک ہے، لہذا شک سے یقینی چیز زائل نہ ہو گی۔

بحث ثالث: عند الجمہور سبب نہی احتمال نجاست ہے امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ اہل حجاز کی عادت استنجاء بالحجر پر اکتفاء کرنے کی تھی، اور ان لوگوں کے مزاج اور ملک حار ہوتے ہیں، سونے کے بعد پسینہ آتا ہے، اور اس کی وجہ سے محل استنجاء تر ہو جاتا ہے جس سے نجاست کے عود آنے کا احتمال ہے، اور ہو سکتا ہے کہ سونے والے کا ہاتھ حالت نوم میں مقام استنجاء تک پہنچا ہو، نیز چونکہ عند الجمہور یہ حکم احتمال نجاست کی بنا پر ہے اس لئے حکم اسی علت پر دائر رہے گا، لہذا جب بھی ہاتھوں میں نجاست کا احتمال ہو خواہ سو کر اٹھا ہو یا نہیں تب بھی یہی حکم ہو گا کہ بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں نہ ڈالے جائیں، اور بعض علماء

کے نزدیک جن میں قاضی ابو الولید باجیؒ بھی ہیں، یہ نہی تنظیف کیلئے ہے اس لئے کہ سونے والے کا ہاتھ ایسی جگہوں پر پہنچ جاتا ہے جو میل کچیل اور پسینہ کے مواضع ہیں، مثلاً ناک کے اندر اور بغل وغیرہ، لہذا ایسی صورت میں قبل الغسل ان ہاتھوں کو پانی میں ڈالنا نظافت کے خلاف ہے تیسرا قول اس میں یہ ہے کہ یہ حکم تعبدی ہے، اس قول کی نسبت امام مالکؒ کی طرف کی جاتی ہے، نیز ابن القیمؒ اور ابن دقیق العیدؒ سے بھی یہی منقول ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں اس حکم کی تعلیل مذکور ہے، لہذا یہ حکم معلل ہوا نہ کہ تعبدی۔

اس اختلاف پر ثمرہ یہ مرتب ہوگا کہ جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ حکم تعبدی ہے، ان کے نزدیک غسل یدین کا حکم ہر حال میں ہوگا، اور جن کے نزدیک حکم معلل ہے احتمال نجاست کے ساتھ جیسا کہ جمہور کی رائے ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ عدم احتمالِ نجاست کی شکل میں غسل یدین کا حکم نہ ہو، مثلاً کوئی شخص سونے سے پہلے اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لے یا دستانے پہن لے اور پھر سو جائے تو چونکہ اس صورت میں احتمال نجاست نہیں ہے، اس لئے غسل الیدین کا حکم بھی مرتب نہ ہوگا گو اولیٰ اس وقت بھی یہی ہے کہ پہلے دھولیا جائے۔

ابتداء وضوء میں غسل یدین کی بحث: بحث رابع، اس حدیث میں ادخال یدین فی الاناء سے پہلے جو غسل یدین کا حکم دیا گیا ہے، آیا یہ وہی غسل یدین ہے جو ابتداء وضو میں ہوتا ہے جس کو فقہاء سنن وضو میں شمار کرتے ہیں، یا اسکے علاوہ ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس میں دو قول ہیں، فقہاء کے طرز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی غسل یدین ہے جو ابتداء وضو میں مسنون ہے لیکن علامہ سندھیؒ نے اس محمل پر اشکال کیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق سنن وضو سے نہیں ہے بلکہ احکام المیاہ سے ہے، یعنی مقصد یہ ہے کہ گھروں میں برتنوں میں جو پانی بھرا ہوا رکھا رہتا ہے جو وضو غسل اور ساری ہی ضروریات میں استعمال ہوتا ہے، اسکے پاک رکھنے کا اہتمام ہونا چاہئے، مثلاً سو کر اٹھ کر ہاتھ بغیر دھوئے اس میں نہ ڈالنے چاہئیں تاکہ استعمال کیلئے پاک پانی میسر ہو سکے، اور یہی رائے ابن رشدؒ کی ہے، انہوں نے بھی بدایۃ المجتہد[1] میں اس حدیث پر بحث فرمائی ہے، احقر کہتا ہے کہ اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابتداء وضو میں غسل یدین تو ہر حال میں مستحب ہے، سو کر اٹھنے کے ساتھ مقید نہیں اور اس حدیث میں استیقاظ من النوم کی قید ہے۔

حاصل یہ کہ سیاق حدیث اس بات کو مقتضی ہے کہ اس حکم کا تعلق مطلق پانی سے مانا جائے، وضو کے ساتھ اسکو خاص نہ کیا جائے لیکن مصنفؒ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سنن وضو سے متعلق مانا ہے اسلئے کہ اس باب کو وہ ابواب وضو کے درمیان میں لائے ہیں، احکام المیاہ اور اسکے ابواب اس سے پہلے گزر چکے۔

---

[1] شرح بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد - ج ۱ ص ۳۱

① **ایک خاص اشکال اور اس کا جواب:** یہاں پر ایک سوال ہے وہ یہ کہ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میرے استاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے یہ سوال فرمایا کہ حدیث میں سو کر اٹھنے کے بعد غسل یدین کا حکم دیا گیا محض احتمال نجاست کی وجہ سے کہ نہ جانے ہاتھ کہاں کہاں پہنچا ہوگا، ہو سکتا ہے شرمگاہ اور محل استنجاء پر پہنچا ہو، جب یہ بات ہے تو پھر پائجامہ اور لنگی کا وہ حصہ جو شرمگاہ کے متصل رہتا ہے، سو کر اٹھنے کے بعد اس کے دھونے کا حکم بطریق اولی ہونا چاہئے حالانکہ حدیث میں اس کے دھونے کا حکم وارد نہیں ہوا، اس کا جواب حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ مرحمت فرمایا کہ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کی نجاست متعدی ہے، اگر پانی ناپاک یا مشکوک ہوگا تو جس چیز کو بھی لگے گا وہ سب چیزیں مشکوک وناپاک ہو جائیں گی بخلاف کپڑے کے کہ اس کی نجاست کا اثر کسی دوسری شئی کی طرف منتقل نہیں ہوگا، اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے "طهارة الماء أوكد" یعنی پانی کی پاکی کا مسئلہ زیادہ اہم ہے، نیز ایک فرق اور بھی ہے کہ غسل یدین میں کوئی دشواری نہیں ہے، اور پائجامہ کی سیانی بار بار دھونے میں ظاہر ہے کہ حرج ہے، اور حرج شریعت میں مدفوع ہے۔

② قوله: قَالَ: مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا: مصنفؒ اعمش کے شاگردوں کا اختلاف بیان کر رہے ہیں پہلی روایت میں شاگرد ابومعاویہ تھے، اس میں عیسیٰ بن یونس ہیں، پہلی روایت میں ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ہے بغیر شک کے، دوسری روایت میں مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا شک کے ساتھ ہے، ظاہر یہی ہے کہ یہ أو شک کیلئے ہے، لہٰذا اس کو اس طرح پڑھا جائے گا مرتين أو قال ثلاثا، دوسرا احتمال یہاں پر یہ ہے کہ أو شک راوی نہ ہو بلکہ متکلم یعنی حضور ﷺ ہی کے کلام میں ہو، اس صورت میں أو کے بعد قال نہیں پڑھا جائے گا، أو کے بعد قال وہاں پڑھا جاتا ہے جہاں شک راوی ہو۔

۱۰۵ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ، فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ، أَوْ أَيْنَ كَانَتْ تَطُوفُ يَدُهُ».

ترجمہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو تین مرتبہ دھونے سے قبل برتن میں نہ ڈالے کیونکہ اُسے نہیں معلوم کہ اسکے ہاتھ نے رات کہاں بسر کی ہے یا یہ ارشاد فرمایا کہ رات کو اسکا ہاتھ کس جگہ پر پھرتا رہا۔

تخریج صحيح البخاري – الوضوء (١٦٠) صحيح مسلم – الطهارة (٢٧٨) جامع الترمذي – الطهارة (٢٤) سنن النسائي – الطهارة (١) سنن النسائي – الطهارة (١٦١) سنن النسائي – الغسل والتيمم (٤٤١) سنن أبي داود – الطهارة (١٠٥) سنن ابن ماجه – الطهارة وسننها (٣٩٣) موطأ مالك – الطهارة (٤٠) سنن الدارمي – الطهارة (٧٦٦)

شرح حدیث اس روایت میں نوم کا اضافہ ہے، سوال ہوتا ہے کہ استیقاظ کے بعد اس قید کی کیا ضرورت ہے؟ بیداری تو نوم ہی سے ہوتی ہے، جواب یہ ہے کہ استیقاظ کا استعمال اور اطلاق کبھی افاقہ من الغشی پر بھی ہوتا ہے، دوسرا سوال یہ ہے کہ نَوْمِهِ میں ضمیر کی اضافت کی کیا ضرورت تھی من النوم کہہ دیتے، کیونکہ ہر شخص اپنی ہی نیند سے بیدار ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ متکلم اس حکم میں داخل نہیں، مخاطب کی نوم مراد ہے، اور اسی وجہ سے أَحَدُكُمْ کو بھی ذکر کیا گیا ہے تاکہ اس حکم سے متکلم کا خارج ہونا معلوم ہو جائے۔

٥٠ - بَابُ صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی اکرم ﷺ کے وضو کی تفصیلی کیفیت کا بیان

اس باب سے مصنف ؒ کی غرض وضو کی تفصیلی کیفیت بیان کرنا ہے اور یہ کہ حضور ﷺ سے کس کس طرح وضو کرنا ثابت ہے، یہ باب غالباً کتاب الطہارۃ کا سب سے طویل و عریض باب ہے، اس میں مصنف ؒ نے نو صحابہ کی روایات ذکر فرمائی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ؒ کو بیان وضو کا بڑا اہتمام ہے، اور فی الواقع ہے بھی وہ اہتمام کے لائق، روایات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو آپس میں تعلیم وضو کا بڑا اہتمام تھا۔

١٠٦ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ حُمْرَانَ بْنِ أَبَانَ، مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، قَالَ: رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ تَوَضَّأَ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَغَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا، ثُمَّ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ، ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا، ثُمَّ الْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مِثْلَ وُضُوئِي هَذَا، ثُمَّ قَالَ: «مَنْ تَوَضَّأَ مِثْلَ وُضُوئِي هَذَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ».

ترجمہ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام حمران کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا چنانچہ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین مرتبہ برتن سے پانی ڈالا اور ان کو دھویا پھر کلی کر کے ناک صاف کی اور اپنا چہرہ تین بار دھویا اور اپنے داہنے ہاتھ کو کہنی تک تین دفعہ دھویا پھر بائیں ہاتھ کو بھی اسی طرح دھویا پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے دائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا پھر اپنے بائیں پاؤں کو اسی طرح دھویا پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس وضو کی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا پھر ارشاد فرمایا {نبی اکرم ﷺ نے یا حضرت عثمانؓ نے} کہ جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعات نماز اس صفت کے ساتھ پڑھے کہ ان دو رکعتوں میں اس کو وسوسہ نہ آئے (اپنے نفس سے باتیں نہ کرے) تو اللہ پاک اس کے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

۱۰۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ وَرْدَانَ، حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنِي حُمْرَانُ، قَالَ: رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ تَوَضَّأَ، فَذَكَرَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَضْمَضَةَ وَالِاسْتِنْشَاقَ، وَقَالَ فِيهِ: وَمَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ هَكَذَا، وَقَالَ: «مَنْ تَوَضَّأَ دُونَ هَذَا كَفَاهُ» وَلَمْ يَذْكُرْ أَمْرَ الصَّلَاةِ.

ترجمہ: حمران نے کہا کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا اس دوسری سند میں گزشتہ روایت کی طرح حدیث ہے البتہ راوی نے کُلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر نہیں کیا، ہاں اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے سر کا تین مرتبہ مسح کیا پھر اپنے دونوں پاؤں تین مرتبہ دھوئے پھر فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا اور فرمایا کہ جو آدمی اس سے (تین دفعہ سے) کم وضو کرے تو وہ اس کیلئے کافی ہے، اس روایت میں وضو کے بعد کی دو رکعات تحیۃ الوضو کا ذکر نہیں۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (۱۵۸) صحيح البخاري - الوضوء (۱٦۲) صحيح مسلم - الطهارة (۲۲٦) صحيح مسلم - الطهارة (۲۲۹) صحيح مسلم - الطهارة (۲۳۰) سنن النسائي - الطهارة (۸٤) سنن النسائي - الطهارة (۸۵) سنن النسائي - الطهارة (۱۱٦) سنن أبي داود - الطهارة (۱۰٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۲۸۵) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (۵۹/۱) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٦٤/۱) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٦٦/۱) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٦۸/۱) موطأ مالك - الطهارة (٦۱) سنن الدارمي - الطهارة (٦۹۳)

۱۰۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ الْإِسْكَنْدَرَانِيُّ، حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ زِيَادٍ الْمُؤَذِّنُ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ التَّيْمِيِّ، قَالَ: سُئِلَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ الْوُضُوءِ، فَقَالَ: رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ سُئِلَ عَنِ الْوُضُوءِ «فَدَعَا بِمَاءٍ، فَأُتِيَ بِمِيضَأَةٍ فَأَصْغَاهَا عَلَى يَدِهِ الْيُمْنَى، ثُمَّ أَدْخَلَهَا فِي الْمَاءِ فَتَمَضْمَضَ ثَلَاثًا، وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا، وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا، وَغَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرَى ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَأَخَذَ مَاءً فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ، فَغَسَلَ بُطُونَهُمَا وَظُهُورَهُمَا مَرَّةً وَاحِدَةً، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ»، ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُونَ عَنِ الْوُضُوءِ؟ «هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: "أَحَادِيثُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ الصِّحَاحُ كُلُّهَا تَدُلُّ عَلَى مَسْحِ الرَّأْسِ أَنَّهُ مَرَّةً، فَإِنَّهُمْ ذَكَرُوا الْوُضُوءَ ثَلَاثًا، وَقَالُوا فِيهَا: وَمَسَحَ رَأْسَهُ وَلَمْ يَذْكُرُوا عَدَدًا كَمَا ذَكَرُوا فِي غَيْرِهِ".

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ سے وضو کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ ان سے وضو کے طریقہ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے پانی طلب کیا پس ایک چھوٹے برتن میں پانی پیش کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس برتن کو اپنے داہنے ہاتھ پر جھکایا (اور داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے ساتھ ملا کر ان دونوں ہاتھوں کو دھویا) پھر اپنے داہنے ہاتھ کو پانی میں ڈالا پس تین مرتبہ کُلی کی اور تین مرتبہ ناک صاف کی اور اپنا چہرہ تین مرتبہ دھویا پھر اپنا

داہنا ہاتھ تین مرتبہ دھویا اور اپنا بایاں ہاتھ تین مرتبہ دھویا پھر برتن میں اپنا ہاتھ ڈال کر پانی لیا پھر اس سے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا اور کانوں کے اندرون اور کانوں کے بیرون کا ایک مرتبہ مسح کیا پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھویا پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ وضو کے متعلق پوچھنے والے کہاں ہیں میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے..... امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی تمام صحیح احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ ہوگا کیونکہ حضرت عثمانؓ سے وضو کے طریقہ کو نقل کرنے والے راوی جب ان سے نقل کرتے ہیں تو ہر عضو کے ساتھ تین دفعہ دھونے کی قید نقل کرتے ہیں اور سر کے مسح کے متعلق یہ راوی کوئی عدد ذکر نہیں کرتے جیسا کہ اعضائے مغسولہ میں عدد کی تصریح کرتے ہیں (صرف یوں کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سر کا مسح کیا)۔

١٠٩ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عِيسَى، أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي عَلْقَمَةَ، أَنَّ عُثْمَانَ «دَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ، فَأَفْرَغَ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى، ثُمَّ غَسَلَهُمَا إِلَى الْكُوعَيْنِ»، قَالَ: «ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا، وَذَكَرَ الْوُضُوءَ ثَلَاثًا»، قَالَ: «وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ»، وَقَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مِثْلَ مَا رَأَيْتُمُونِي تَوَضَّأْتُ»، ثُمَّ سَاقَ نَحْوَ حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ وَأَتَمَّ.

ترجمہ: ابو علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے وضو کیلئے پانی منگوایا چنانچہ برتن سے اپنے داہنے ہاتھ میں پانی لے کر بائیں ہاتھ پر ڈالا پھر دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھویا پھر کلی تین دفعہ کی اور ناک میں تین دفعہ پانی ڈالا چنانچہ راوی نے وضو کے تمام اعضاء کو تین مرتبہ دھونے کا ذکر کیا پھر کہا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھویا اور فرمایا کہ جس طرح تم نے مجھے وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح میں نے حضور ﷺ کو وضو کرتے دیکھا تھا پھر عبید اللہ راوی نے زہری کی حدیث کی مثل حدیث نقل کی اور اس حدیث کو مکمل نقل کیا۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٥٨) صحيح البخاري - الوضوء (١٦٢) صحيح مسلم - الطهارة (٢٢٦) صحيح مسلم - الطهارة (٢٢٦) صحيح مسلم - الطهارة (٢٣٠) سنن النسائي - الطهارة (٨٤) سنن النسائي - الطهارة (٨٥) سنن النسائي - الطهارة (١١٦) سنن أبي داود - الطهارة (١٠٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٢٨٥) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٥٩/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٦٤/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٦٦/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٦٨/١) سنن الدارمي - الطهارة (٦٩٣)

١١٠ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ عَامِرِ بْنِ شَقِيقِ بْنِ جَمْرَةَ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ، قَالَ: رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ «غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَمَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا»، ثُمَّ قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ هَذَا». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ وَكِيعٌ، عَنْ إِسْرَائِيلَ قَالَ: تَوَضَّأَ ثَلَاثًا فَقَطْ.

شقیق بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو دیکھا انہوں نے اپنی کہنیوں کو تین تین

مرتبہ دھویا اور سر کا تین مرتبہ مسح فرمایا پھر فرمایا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ وکیع نے اسرائیل سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے وضو میں ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھویا۔

تخریج: صحیح البخاري - الوضوء (١٦٢) صحیح مسلم - الطهارة (٢٢٦) صحیح مسلم - الطهارة (٢٣٠) سنن النسائي - الطهارة (٨٤) سنن النسائي - الطهارة (٨٥) سنن النسائي - الطهارة (١١٦) سنن أبي داود - الطهارة (١١٠) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٦٦/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٦٨/١)

شرح الأحادیث: **مسانید عثمان رضی اللہ عنہ:** عَنْ حُمْرَانَ بْنِ أَبَانَ، قَالَ: رَأَيْتُ عُثْمَانَ الخ: سب سے پہلے مصنفؒ نے اس سلسلہ میں مسانید عثمان کو بیان فرمایا ہے اسکے بعد مسانید علی کو، ان دونوں کی روایات کو مصنفؒ نے مفصلاً ذکر فرمایا ہے وضو کے اکثر مسائل واختلافاتِ ائمہ انہی دو روایات میں آگئے ہیں۔

قوله: فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا: ظاہر لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ایک ساتھ دھویا، اور بہت سی روایات میں اس طرح آیا ہے أَفْرَغَ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى [1] جس کا مطلب بظاہر تقدیم [2] الیمنی علی الیسری ہے، یعنی پہلے دائیں ہاتھ کو دھو کر پھر اس سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا، اس صورت میں غسل یدین علی التعاقب ہوگا ابن دقیق العیدؒ لکھتے ہیں ان دونوں صورتوں میں کونسی صورت افضل ہے، فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

ابتداء وضو میں غسل یدین عند الجمہور سنت ہے، اور ظاہر یہ اسکے وجوب کے قائل ہیں، ابتداء وضو میں غسل یدین کا ذکر احادیث مرفوعہ فعلیہ میں تو بکثرت وارد ہوا ہے، جیسا کہ احادیث الباب میں آپ دیکھیں گے، اس سلسلہ میں کوئی حدیث قولی ہے یا نہیں؟ علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے لکھا ہے کہ مجھے اس مسئلہ میں کوئی قولی حدیث یاد نہیں، اور حدیث الاستیقاظ من النوم غسل یدین کے سلسلہ میں گو قولی حدیث ہے، لیکن اس حدیث کو سنن وضو سے قرار دینے میں علماء کا اختلاف ہے جس کی بحث اس سے پہلے باب میں گزر چکی۔

قوله: ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ: مضمضہ کے لغوی معنی ہیں تحريك الماء في الفم یا مطلق تحریک، چنانچہ کہا جاتا ہے "مضمض النعاس في عينيه اي تحرك" یعنی فلاں شخص کی آنکھوں میں نیند پھر رہی ہے، اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس کی حقیقت "ادخال

---

[1] مسند أحمد - ومن مسند بني هاشم - مسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب ٢٨٠٠

[2] اس لئے کہ بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنے کے لئے جب دائیں ہاتھ کو پانی میں داخل کیا تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں دایاں ہاتھ پہلے دھلا اور اگر یہاں ادخال ید في الاناء کے بجائے اصغاء اناء والی صورت مراد لیں تو پھر تقدیم الیسری علی الیمنی لازم آئے گا جس کا کوئی قائل نہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وضو میں پانی استعمال کرنے کے دو طریقے ہیں، ادخال ید في الاناء، اصغاء اناء، پہلی صورت حوض یا بڑے برتن میں چلتی ہے اور دوسری چھوٹے برتن میں، مزید یہ کہ ابن رسلان شارح ابو داود نے لکھا ہے کہ پہلی صورت میں پانی متوضی کی دائیں جانب ہونا چاہئے، اور دوسری صورت میں بائیں جانب، سبحان اللہ! ہماری شریعت کیسی جامع ہے کہ اس میں ہر چیز کا طریقہ اور تفصیل موجود ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے لیلها ونهارها سواء۔

الماء فی الفم" ہے۔

پھر فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ مضمضہ کیلئے منہ میں پانی لینے کے بعد ادارۃ الماء بھی شرط ہے یا نہیں، جمہور علماء اس کے قائل نہیں ہیں، بعض قائل ہیں، اسی طرح منہ میں پانی لینے کے بعد اسکا مج یعنی باہر گرانا عند الجمہور ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر اسکو نگل لے تو مضمضہ کا تحقق ہو جائے گا، ہاں البعض فقہاء اسکے وجوب کے قائل ہیں۔

ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ مضمضہ کے بعد استنشاق کا ذکر ہوتا، چنانچہ بعض نسخوں میں بجائے استنثر کے استنشق ہے جیسا کہ حاشیہ پر نسخہ کی علامت بنا کر لکھا ہوا ہے، اور یہاں پر مراد یہ ہے "استنثر ای بعد الاستنشاق" اسلئے کہ ذکر استنثار مستلزم ہے استنشاق کو جمہور کی رائے یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے، استنشاق کہتے ہیں "ادخال الماء فی الأنف" کو، اور استنثار اس کی ضد ہے لیکن اس میں ابن الاعرابی اور ابن قتیبہ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں استنثار کے معنی بھی استنشاق ہی کے ہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صحیح جمہور کا قول ہے [1]، لیکن احقر کہتا ہے کہ مغرب اور المصباح المنیر [2] دونوں میں استنثار کی تفسیر استنشاق کے ساتھ کی ہے۔

مضمضہ واستنشاق کے حکم میں اختلاف علماء: اسکے بعد جاننا چاہئے کہ مضمضہ اور استنشاق کے حکم میں اختلاف ہے، امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں دونوں سنت ہیں اور یہی مذہب ہے حسن بصریؒ وامام زہریؒ کا، اور امام احمدؒ کے نزدیک مشہور قول کی بناء پر یہ دونوں، دونوں میں فرض ہیں اور داؤد ظاہری کے نزدیک استنشاق وضو اور غسل دونوں میں واجب ہے اور مضمضہ دونوں میں سنت ہے، اور یہی ایک روایت امام احمدؒ کی ہے، اور تیسری روایت امام احمدؒ کی مثل جمہور کے ہے، اور حنفیہ کے یہاں وضو اور غسل میں فرق ہے، وضو میں دونوں سنت اور غسل جنابت میں دونوں واجب ہیں، مضمضہ واستنشاق کے یہ اختلافات مع دلائل کے باب السواك من الفطرۃ میں گزر چکے ہیں۔

مضمضہ واستنشاق کی کیفیت میں مذاہب ائمہ: جاننا چاہئے کہ یہاں پر ایک اختلاف اور ہے یعنی مضمضہ اور استنشاق کا طریقہ اور کیفیت۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے اس سلسلہ میں دو باب قائم کئے ہیں، ایک مضمضہ اور استنشاق کے بیان حکم کیلئے اور دوسرا باب مستقلاً بیان کیفیت کیلئے، اختلاف اس میں یہ ہو رہا ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں وصل اولیٰ ہے یا فصل؟ [3] نیز یہ کہ دونوں بماء واحد کئے جائیں یا دونوں کیلئے الگ الگ پانی لیا جائے۔ فعندنا ومالك على الأشهر الفصل أولى وعن الشافعي وأحمد روايتان والأشهر عنهما الوصل.

---

[1] المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج۔ ج ۳ ص ۱۰۵

[2] وَنَثَرَ الْمُتَوَضِّئُ وَاسْتَنْثَرَ بِمَعْنَى اسْتَنْشَقَ (المصباح المنير في غريب الشرح الكبير۔ ج ۲ ص ۵۹۲ ط المكتبة العلمية)

[3] فصل کا مطلب یہ ہے کہ مضمضہ سے فارغ ہونے کے بعد استنشاق کیا جائے اور وصل کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو ساتھ ساتھ کیا جائے اس مسئلہ کو امام ابوداودؒ نے آگے چل کر ایک مستقل باب میں ذکر کیا ہے باب الفرق بین المضمضۃ والاستنشاق

امام نوویؒ فرماتے ہیں ہمارے یہاں اس مسئلہ میں پانچ قول ہیں جن کو میں اپنے لفظوں میں حفظ کی سہولت کیلئے اس طرح تعبیر کیا کرتا ہوں، پہلا قول الوصل بثلاث غرفات یعنی ایک چلو میں پانی لے کر اسکے بعض حصہ سے مضمضہ اور بعض سے استنشاق کیا جائے، پھر اسی طرح دوسری اور تیسری مرتبہ کیا جائے، دوسرا قول الوصل بغرفة واحدة یعنی ایک چلو میں پانی لے کر پہلے مضمضہ اور پھر اسی پانی سے استنشاق، اسی طرح اس بچے ہوئے پانی سے دوسری اور تیسری مرتبہ کیا جائے، گویا وصل کے دو طریقے ہوئے: بثلاث غرفات اور بغرفة واحدة، پھر فصل کی انکے یہاں تین صورتیں ہیں: ① الفصل بغرفة واحدة جسکا مطلب یہ ہے کہ غرفۂ واحدہ سے پہلے تین بار مسلسل مضمضہ کیا جائے اور پھر باقی پانی سے تین بار مسلسل استنشاق کیا جائے۔ ② الفصل بغرفتین یعنی ایک غرفہ پانی سے پہلے تین بار مضمضہ کرلیا جائے، پھر دوسرے غرفہ سے تین مرتبہ استنشاق کیا جائے۔ ③ الفصل بست غرفات یعنی تین غرفہ تین بار مضمضہ کیلئے، اور پھر تین غرفہ تین بار استنشاق کیلئے، جس طرح ہمارے یہاں ہوتا ہے اور ہم اور آپ کرتے ہیں، لیکن شافعیہ کے یہاں ان پانچ صورتوں میں سے پہلی صورت یعنی الوصل بثلاث غرفات زیادہ اولیٰ ہے۔ کما قاله النووي[1]۔

جاننا چاہئے کے حنفیہ کے نزدیک وصل کی وہ صورت تو جائز ہے جس میں ماء مستعمل کا استعمال لازم نہ آتا ہو، اور جس صورت میں ماء مستعمل کا استعمال لازم آتا ہو وہ صورت ناجائز ہے مثلاً اگر کوئی شخص ایک غرفہ سے پہلے مضمضہ اور پھر اسی باقی پانی سے استنشاق کرے تو جائز ہے لیکن ایک چلو میں پانی لے کر اس سے استنشاق کرنے کے بعد اسی پانی سے پھر دوبارہ استنشاق یا مضمضہ کرنا صحیح نہ ہوگا، اسلئے کہ ایک بار استنشاق کرنے کے بعد چلو میں جو پانی باقی رہ جاتا ہے وہ مستعمل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

قوله: وَغَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى الْمِرْفَقِ: یہ غایت جمہور علماء جن میں ائمہ اربعہ بھی ہیں کے نزدیک مغیا میں داخل ہے اس میں امام زفرؒ داؤد ظاہری کا اختلاف مشہور ہے وہ کہتے ہیں غایت مغیا سے خارج ہے، اور بعض نے امام مالکؒ کا بھی اس میں اختلاف نقل کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

غایت کی دو قسمیں غایت اسقاط وغایت امتداد: غایت کبھی مغیا میں داخل ہوتی ہے اور کبھی خارج، باب الصوم یعنی آیت کریمہ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ[2] میں خارج ہے اور باب الوضو میں داخل ہے۔ اعدہ اس کا یہ لکھا ہے کہ غایت کی دو قسمیں ہیں، غایت الاسقاط اور غایت الامتداد، اول میں غایت مغیا میں داخل ہوتی ہے اور ثانی میں خارج، غایت الاسقاط وہ کہلاتی ہے جہاں غایت مغیا کی جنس سے ہو کما فی الوضو اس لئے کہ ید کا اطلاق انگلیوں سے لے کر

---

① المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج ٣ ص ١٠٥ ـ ١٠٦

② پھر پورا کرو روزہ کو رات تک (سورة البقرة ١٨٧)

بغل تک ہوتا ہے، اور یہاں یعنی فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ [1] میں ذکر غایت مافوق المرفق کو حکم غسل سے ساقط کرنے کیلئے ہے، اگر غایت ذکر نہ کی جاتی تو غسل ید ابط تک ضروری ہوتا اسی لئے اس غایت کا نام غایت الاسقاط رکھا گیا ہے کہ مابعد الغایۃ کو ساقط کرنے کیلئے ہے اسی کو صاحب ہدایہ فرمارہے ہیں إذ لولاها لاستوعبت الوظيفة الكل [2] اور غایت الامتداد وہ کہلاتی ہے جو حکم کو بڑھانے اور پھیلانے کیلئے ذکر کی جائے اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں غایت مغیا کی جنس سے نہ ہو جیسے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ میں، اسلئے کہ روزہ کی ابتداء اول نہار سے ہوتی ہے، اور صوم کے لغوی معنی مطلق امساک کے ہیں خواہ ایک ہی ساعت کیلئے ہو، سو یہاں اِلَى الَّيْلِ، جو غایت ذکر کی گئی ہے وہ امتداد کیلئے ہے تاکہ امساک کا حکم آخر نہار تک ہو جائے، یہاں اگر غایت ذکر نہ کی جاتی تو لازم آتا کہ صوم کا تحقق امساک ساعۃ سے بھی حاصل ہو جائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ وضوء میں یہ اختلاف مرفقین و کعبین دونوں ہی میں ہے، نیز اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وضوء میں کعب سے کیا مراد ہے؟ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک کعب نام ہے "العظمان الناتیان بین الساق والقدم" کا اور ہر رجل میں دو کعب ہوتے ہیں، اس مسئلہ میں روافض کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر رجل میں ایک کعب ہوتا ہے عند معقد الشراک (یعنی قدم کی پشت پر جوتے کا تسمہ باندھنے کی جگہ) وہ وضوء میں اسی کے قائل ہیں کہ پاؤں کو معقد الشراک تک دھویا جائے۔

یہاں پر حافظ ابن حجرؒ [3] سے ایک وہم ہوا وہ یہ کہ انہوں نے امام محمدؒ کی طرف بھی اس قول کو منسوب کر دیا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، علامہ عینیؒ [4] نے اس کو رد کیا ہے، غالباً حافظ کو مغالطہ باب الحج کے ایک مسئلہ سے ہوا وہ یہ کہ حدیث میں ہے إِذَا لَمْ يَجِدْ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ [5] امام محمدؒ نے اس مسئلہ میں فرمایا ہے کہ یہاں پر کعب سے مراد معقد الشراک ہے نہ کہ باب وضوء میں۔

مسح رأس کے مباحث اربعہ: قوله: ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ: جاننا چاہئے کہ مسح رأس میں چار بحثیں ہیں، اول مقدار مفروض، ثانی تثلیث مسح، ثالث مسح رأس کیلئے ماء جدید کا لینا، رابع کیفیت مسح یعنی مسح رأس کا طریقہ کیا ہے۔

بحث اول مقدار مفروض: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں فقہاء کے اس میں تیرہ قول ہیں، مشہور ان میں سے تین ہیں:

---

[1] دھولو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک (سورۃ المآئدہ ٦)

[2] الهداية شرح بداية المبتدي - ج ١ ص ٩٥ (إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه الطبعة الأولى ١٤١٧هـ)

[3] فتح الباري شرح صحيح البخاري - كتاب الحج - باب ما لا يلبس المحرم من الثياب ج ٣ ص ٤٠٣

[4] عمدة القاري شرح صحيح البخاري - كتاب الحج - باب ما لا يلبس المحرم من الثياب ج ٩ ص ٢٣٢

[5] صحيح البخاري - كتاب الحج - باب ما لا يلبس المحرم من الثياب ١٤٦٨

① عند الحنفیہ ربع رأس یامقدار ثلثة اصابع من اصابع الید،

② عند الشافعیہ اس میں دو قول ہیں، ایک ادنیٰ ما یطلق علیہ اسم المسح یعنی کم سے کم وہ مقدار جس پر مسح کا اطلاق ہو سکتا ہو، اگرچہ ایک بال ہی کیوں نہ ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ کم از کم ثلاث شعرات۔

③ امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک مشہور قول کی بناء پر استیعاب رأس واجب ہے، اور امام احمدؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ بعض رأس کا مسح کافی ہے اور یہ دو قول ان کے یہاں مردوں کے حق میں ہیں، اور عورتوں کیلئے مقدم رأس کا مسح کرنا کافی ہے، اسی طرح مالکیہ کے یہاں اور بھی اقوال ہیں، چنانچہ بعض مالکیہ کے نزدیک مسح الثلثین ہے، اور بعض کے نزدیک مسح الثلث ہے۔

حنفیہ کی دلیل مغیرہ بن شعبہؓ [1] کی حدیث سے جو مسلم اور ابوداؤد وغیرہ میں ہے، جس میں ہے مسح علی ناصیتہ نیز حضرت انسؓ کی حدیث جو ابوداؤد میں ہے جس میں مسح مقدم رأسہ کے لفظ ہیں۔ ابن الہمام فرماتے ہیں: مقدم رأس اور ناصیہ اور ربع رأس یہ سب ایک ہی ہیں، نیز وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ [2] میں میں باء تبعیض کیلئے ہے، شافعیہ فرماتے ہیں کہ آیت وضو میں مسح رأس مطلقاً مذکور ہے والمطلق یجزی علی إطلاقہ اس کا ایک جواب اصولیین نے یہ دیا ہے کہ آیت وضو مسح رأس کے بارے میں مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے، اور مجمل پر عمل کیلئے مجمل یعنی متکلم کی جانب سے بیان ضروری ہے کہ بغیر بیان کے اس پر عمل ممکن نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یعنی مسح علی الناصیہ اس مجمل کا بیان ہے، لہذا مسح علی الناصیہ فرض ہوگا، رہی یہ بات کہ اس کو مطلق کیوں نہیں کہہ سکتے اس کا جواب یہ ہے کہ مطلق کی علامت یہ ہے کہ اس کے افراد میں سے جس فرد کو بھی مکلف اختیار کرے تو مامور بہ کو ادا کرنے والا سمجھا جائے، اور یہاں پر ایسا نہیں ہے، کیونکہ مطلق مسح رأس کے کئی فرد ہیں، مسح علی الکل، مسح علی الثلثین، مسح علی النصف، مسح علی الثلث، مسح علی الربع، مسح علی الخمس، مسح علی السدس وغیرہ وغیرہ تو دیکھئے اگر کوئی شخص مطلق کے ان افراد میں سے شروع کے چار کو اختیار کرتا ہے تو صرف مامور بہ کا ادا کرنے والا نہ آپ کے نزدیک ہے نہ ہمارے نزدیک بلکہ وہ ان صورتوں میں مامور بہ مع شئ زائد کو ادا کرنے والا ہے فلم توجد علامة المطلق فثبت ماقلنا۔ مالکیہ حنابلہ فرماتے ہیں قرآن میں مسح رأس کا حکم ہے واسم الرأس حقیقة فی العضو کلہ یعنی رأس نام ہے پورے عضو کا، نیز وہ کہتے ہیں وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں باء تبعیض کیلئے نہیں ہے بلکہ زائدہ ہے، ابن القیم الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ نے بعض رأس کے مسح پر اکتفاء کیا ہو، ہاں! ایسا تو ہوا ہے کہ صرف ناصیہ پر مسح فرما کر باقی مسح کی تکمیل مسح علی العمامہ سے فرمائی۔

بحث ثانی تثلیث مسح: جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسح رأس میں توحید ہے، تثلیث مستحب نہیں ہے،

---

[1] وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى خُفَّيْهِ (صحیح مسلم - کتاب الطهارة - باب المسح على الناصية والعمامة ٢٧٤)

[2] اور مل لو اپنے سر کو (سورة المائدة ٦)

حضرت امام شافعیؒ وعطاء کے نزدیک تثلیث مستحب ہے، اور ابن العربیؒ نے ابن سیرین کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک مسح رأس مرتین ہے، ایک مرتبہ فرض اور ایک مرتبہ سنت [1]۔

شافعیہ کا استدلال ان روایات مجملہ سے ہے جن میں آتا ہے توضأ ثلاثاً ثلاثاً وہ کہتے ہیں کہ ان روایات سے بظاہر عموم معلوم ہو رہا ہے، تمام اعضاء اس میں داخل ہیں، نیز حضرت عثمانؓ و علیؓ کی بعض روایات جو ابوداود میں آگے آرہی ہیں ان میں تثلیث مسح کی تصریح ہے، نیز وہ قیاس کرتے ہیں رأس کو بقیہ اعضاء پر، جمہور کا استدلال روایات مفصلہ سے ہے، جمہور کہتے ہیں روایات مفصلہ قاضی ہیں روایات مجملہ پر اور روایات مفصلہ صحیحہ سے توحید مسح معلوم ہوتا ہے اور جن روایات مفصلہ میں مسح رأس میں تثلیث مذکور ہے وہ متکلم فیہ اور ضعیف ہیں۔ چنانچہ امام ابوداود نے آگے چل کر فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کی احادیث صحیحہ اس بات پر دال ہیں کہ مسح رأس صرف ایک مرتبہ ہے، معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی جن دو حدیثوں میں تثلیث مسح مذکور ہے وہ ضعیف ہیں، اسلئے کہ ان میں سے ایک کی سند میں عبدالرحمن بن وردان ہے، اور دوسری کی سند میں عامر بن شقیق ہے وهما ضعیفان کما حققه شیخ شیخنا فی البذل، علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں انصاف کی بات یہ ہے کہ تثلیث مسح کی احادیث درجۂ اعتبار کو نہیں پہنچی ہیں، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے بھی تثلیث کی روایات پر کلام کیا ہے وہ فرماتے ہیں: ولو صح فمحمول علی الاستیعاب لا انها مسحات مستقلات [2]، یعنی اول تو تثلیث مسح کی روایات صحیح نہیں ہیں اور اگر صحیح مان لیا جائے تو مؤول ہیں، یعنی وہاں پر تثلیث سے مراد تین بار مستقلاً مسح کرنا نہیں ہے بلکہ مقصود استیعاب رأس ہے، ایک مشہور حدیث میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمائی جس میں ایک بار مسح رأس مذکور ہے، وضو پوری کرنے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: مَنْ زَادَ عَلٰی هٰذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ [3] حافظ کہتے ہیں یہ روایت توحید مسح پر قوی دلیل ہے، حنفیہ کی طرف سے دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ محمول ہے مسح بماءٍ واحدٍ پر، اور تثلیث المسح بماءٍ واحدٍ ایک روایت میں امام ابوحنیفہؒ سے بھی منقول ہے بخلاف حضرت امام شافعیؒ کے کہ وہ تثلیث مسح بثلاثة میاہٍ کے قائل ہیں، نیز شافعیہ کا مسح رأس کو بقیہ اعضاء پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اسلئے کہ مسح کی بناء تخفیف پر ہے بخلاف غسل کے، پھر کیسے ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

بحث ثالث تجدید ماء: مسح رأس کیلئے تجدید ماء حنفیہ کے یہاں سنت ہے اور شافعیہ وحنابلہ کے یہاں تجدید ماء واجب۔

---

[1] عارضة الأحوذي شرح صحيح الترمذي - ج ۱ ص ۵۲ - ۵۳

[2] ويحمل ما ورد من الأحاديث في تثليث المسح إن صحت على إرادة الاستيعاب بالمسح لا أنها مسحات مستقلة لجميع الرأس. (فتح الباري بشرح صحيح البخاري - ج ۱ ص ۲۹۸)

[3] ومِنْ أَقْوَى الْأَدِلَّةِ عَلَى عدم العدد الحديث الْمَشْهُور الَّذِي صَححهُ ابن خُزَيْمَةَ وَغَيْرُهُ مِنْ طَرِيقِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فِي صِفَةِ الْوُضُوءِ حَيْثُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ فَرَغَ مَنْ زَادَ عَلَى هَذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ فَإِنَّ فِي رِوَايَةِ سَعِيدِ بْنِ مَنْصُورٍ فِيهِ التَّصْرِيحَ بِأَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً فَدَلَّ عَلَى أَنَّ الزِّيَادَةَ فِي مَسْحِ الرَّأْسِ عَلَى الْمَرَّةِ غَيْرُ مُسْتَحَبَّةٍ. (فتح الباري بشرح صحيح البخاري ج ۱ ص ۲۹۸)

ہے، اس پر ہم کلام آگے چل کر عبداللہ بن زید بن عاصم کی روایت کے ذیل میں کریں گے۔

بحث رابع کیفیت مسح: جمہور علماء ائمہ اربعہ کے نزدیک مسح رأس کی ابتداء مقدم رأس سے کی جائیگی اور وکیع بن الجراح فرماتے ہیں جیسا کہ ترمذی میں ہے کہ اسکی ابتداء موخر رأس سے ہوگی۔ اس پر ابن العربیؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں: لانعلم أحدا قال به غيره [1] کہ وکیع بن الجراح کے علاوہ کسی اور نے اسکو اختیار کیا ہو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ حضرت شیخؒ حاشیۂ کوکب میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ عینیؒ نے اس قول کو حسن بن [2] صالح سے بھی نقل کیا ہے، اور تیسرا قول وہ ہے جو حسن بصریؒ سے منقول ہے، البداية من الهامة یعنی مسح رأس کی ابتداء وسط رأس سے ہوگی اس طور پر کہ وسط [3] رأس پر ہاتھ رکھ کر اسکو مقدم رأس کی طرف لائے، اور پھر لوٹا کر گردن کی طرف لے جائے، اس مسئلہ کے دلائل عبداللہ بن زید بن عاصم کی حدیث کے ذیل میں آئیں گے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ صاحب منیہ اور صاحب محیط نے مسح رأس کا ایک خاص طریقہ لکھا ہے وہ یہ کہ مسح رأس کے وقت میں سباحتین اور ابہامین کو سر سے جدا رکھا جائے تاکہ سباحتین سے باطن اذنین اور ابہامین سے ظاہر اذنین کا مسح کیا جائے، نیز ابتداء مسح میں جب دونوں ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لیجائے تو اس وقت میں کفین کو بھی سر سے جدا رکھے، صرف دونوں ہاتھوں کی تینوں انگلیاں ملاکر ان سے سر کے بالائی حصہ کا مسح کیا جائے، اور پھر جب استیعاب رأس کے قصد سے دونوں ہاتھوں کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے تو اس وقت کفین کو مسح میں استعمال کرے، تاکہ سر کے بالائی حصہ کا مسح انگلیوں سے اور جانبین کا مسح کفین سے ہو جائے، یہ خاص ترکیب ان حضرات نے اس لئے بیان کی ہے کہ اگر دونوں ہاتھوں کو سر پر رکھ کر آگے سے پیچھے اور پیچھے سے آگے کی طرف لایا جائے گا تو اس میں ہاتھوں کی تری کا دوبارہ استعمال ہوگا گویا ماء مستعمل کا استعمال لازم آئے گا، لیکن محقق ابن ہمامؒ نے مسح کی اس خاص شکل کی تردید فرمائی ہے کہ اسکا ثبوت کسی روایت میں نہیں ہے، بلاوجہ تکلف ہے، اسلئے کہ ہاتھوں پر جو تری ہے اسکے تکرار استعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے، پانی اس وقت تک مستعمل نہیں ہوتا جب تک عضو سے منفصل نہ ہو۔

قوله: ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَهُ الْيُمْنَى: وظیفۂ رجلین میں اختلاف ہے، جمہور علماء ائمہ اربعہ غسل کے قائل ہیں، اور بعض لوگ مسح رجلین کے قائل ہیں، اس کیلئے مصنفؒ نے آگے چل کر مستقل ترجمہ باب غسل الرجل قائم کیا ہے، تفصیل وہاں آئے گی۔

شرح حدیث: قوله: لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ: یعنی جو شخص مذکورہ بالا طریقہ پر وضو کرنے کے بعد دو رکعت اس

---

[1] عارضة الأحوذي شرح صحيح الترمذي - ج ١ ص ٥١

[2] ان کو حسن بن حی بھی کہتے ہیں، یہ نسبت الی الجد ہے، دراصل یہ نام اس طرح ہے حسن بن صالح بن صالح بن حی۔

[3] غالباً اسکا ماخذ وہ روایت ہے جو آگے ربیع بنت معوذ بن عفراء کی حدیث میں آرہی ہے جس کے الفاظ ہیں: فَمَسَحَ الرَّأْسَ كُلَّهُ مِنْ قَرْنِ الشَّعْرِ كُلَّ نَاحِيَةٍ لِمُنْصَبِّ الشَّعْرِ۔

طرح پڑھے کہ جن میں اپنے نفس سے باتیں نہ کرے تو اس کے گزشتہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث میں وساوس کی نفی ہے، یہاں ایک اختلاف تو یہ ہے کہ کونسے وساوس کی نفی مراد ہے وساوس اختیاریہ کی یا مطلق وساوس کی، کیونکہ وساوس دو طرح کے ہوتے ہیں اختیاری اور غیر اختیاری اکثر شراح جس میں امام نوویؒ اور قاضی عیاضؒ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ وساوس اختیاریہ کی نفی مراد ہے اسلئے کہ وساوس غیر اختیاریہ جن کو خطرات کہتے ہیں وہ اس امت سے معاف ہیں إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَكَلَّمْ [1] نیز مطلق وساوس کا نہ آنا آدمی کے اختیار میں نہیں ہے، اس پر انسان قادر ہی نہیں ہے لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا [2]۔ دوسرا قول اس میں وہ ہے جس کو قاضی عیاضؒ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے، وہ یہ کہ اس حدیث میں مطلق وساوس کی نفی مراد ہے، رہی یہ بات کہ یہ چیز غیر اختیاری ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث باب تکلیف و وعید سے نہیں ہے، باب وعد اور ترتب ثواب مخصوص سے ہے، یعنی وہ فضیلت جو حدیث میں مذکور ہے، ان دو رکعات پر اس وقت مرتب ہو گی جب مطلقاً وساوس نہ آئیں، خصوصی انعام و ثواب کیلئے اس قسم کی قید لگانے میں کوئی اشکال نہیں۔

اور دوسرا اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ کون سے خیالات مراد ہیں، صرف مایتعلق بالدنیا یا مطلقاً، اس میں قول راجح جس کو امام نووی و قاضی عیاض نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ مطلق وساوس مراد ہیں، خواہ وہ امور دنیا سے متعلق ہوں یا امور آخرت سے علاوہ صلوۃ کے [3]، اور دوسرا قول یہ ہے کہ مایتعلق بامور الدنیا مراد ہیں، اور وہ خیالات جو امور آخرت یا کسی دینی کام سے متعلق ہوں وہ اس میں داخل نہیں ہیں، اسلئے کہ حکیم ترمذی کی ایک روایت میں بشئ من امور الدنیا کی قید وارد ہے نیز حضرت عمرؓ سے مروی ہے إِنِّي لَأُجَهِّزُ جَيْشِي، وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ [4] کہ حضرت عمرؓ باوجود نماز میں مشغول ہونے کے تجہیز جیش جو امور دین سے ہے اس کا ان کو نماز میں خیال آتا رہتا تھا [5]۔

قوله: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: یہ حضرت عثمانؓ کی مذکورہ بالا حدیث کا طریق ثانی ہے، پہلی سند میں حمران سے روایت کرنے والے عطاء تھے، اور اس طریق میں ان سے روایت کرنے والے ابو سلمہ بن عبد الرحمن ہیں۔

قوله: فَذَكَرَ نَحْوَهُ: ذکر کی ضمیر ابو سلمہ کی طرف راجع ہے، جو طریق ثانی کے راوی ہیں، اور نحوہ کی ضمیر عطاء کی طرف راجع

---

[1] صحيح البخاري - كتاب العتق - باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق ونحوه ۲۳۹۱

[2] اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے (سورة البقرة ۲۸۶)

[3] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج ۳ ص ۱۰۸

[4] صحيح البخاري - أبواب العمل في الصلاة - باب يفكر الرجل الشيء في الصلاة ج ۱ ص ۴۰۸

[5] لیکن حضرت عمرؓ کے اس مقولہ کا دوسرا مطلب بعض علماء نے یہ لیا ہے کہ میں تجہیز جیش میں مصروف رہتا ہوں، لیکن نماز کا وقت چونکہ قریب ہوتا ہے اس لئے خیال اور دھیان نماز ہی کا لگا رہتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے تجہیز جیش کا خیال لگا رہتا ہے۔

ہے جو طریق اول میں مذکور ہیں، مصنفؒ کی غرض ابو سلمہ اور عطاء دونوں کی روایت کے الفاظ میں جو کمی وزیادتی ہے اس کو بیان کرنا ہے۔ چنانچہ اس روایت میں مضمضہ اور استنشاق مذکور نہیں، پہلی روایت میں مذکور تھا، ابو سلمہ کی روایت میں مسح ثلاثاً ہے، عطاء کی روایت میں مسح راسہ مطلقاً ہے، تیسرا فرق یہ ہے کہ ابو سلمہ کی روایت میں غسل رجلین کو مجملاً ذکر کیا ہے، اور عطاء کی روایت میں دونوں کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے، اور چوتھا فرق یہ ہے کہ عطاء کی روایت میں تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا مَنْ تَوَضَّأَ مِثْلَ وُضُوئِي هٰذَا ابو سلمہ کی روایت میں یہ نہیں ہے، بلکہ اسکے بجائے مَنْ تَوَضَّأَ دُونَ هٰذَا كَفَاهُ ہے اور پانچواں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت میں ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ الحديث مذکور تھا اس دوسری روایت میں یہ نہیں ہے، یہ وہ پانچ فرق ہیں جو مصنفؒ نے خود ان دونوں روایتوں کے درمیان بیان فرمائے ہیں۔

حدثنا محمد بن داؤد الخ: یہ حدیث عثمانؓ کا تیسرا طریق ہے، اس میں حضرت عثمانؓ کے شاگرد بدل گئے، پہلی روایت میں حمران تھے، اس میں ان کے بجائے ابن ابی ملیکہ ہیں، جن کا نام عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ ہے، یہ نسبت الی الجد ہے۔

قوله: فَأُتِيَ بِمِيضَأَةٍ: میضاۃ یعنی وہ برتن جس میں وضو کے بقدر پانی ہو۔

قوله: فَأَصْغَاهَا عَلَى يَدِهِ الْيُمْنَى: یعنی بائیں ہاتھ سے اس برتن کو جھکا کر دائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اس کا مقتضی یہ ہے کہ ماء وضو کا برتن متوضی کی بائیں جانب ہونا چاہئے۔ ابن رسلان لکھتے ہیں کہ اگر وضو کا برتن چھوٹا ہو جس کو ہاتھ سے جھکا سکتے ہوں تو برتن کو بائیں طرف رکھا جائے تاکہ غسل یدین میں ابتداء بالیمین ہو سکے اور اگر پانی بڑی چیز میں ہے جس کو ہاتھ سے جھکا نہیں سکتے تو پھر وہ متوضی کی دائیں جانب ہونا چاہئے تاکہ دائیں ہاتھ کو پہلے اسکے اندر دھو کر پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال سکے۔

قوله: فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ: اس حدیث میں مسح اذنین مذکور ہے پہلی حدیث میں مذکور نہ تھا، غالباً وہ راوی کا اختصار ہوگا، حدیث تو دونوں حضرت عثمانؓ ہی کی ہیں، لیکن اس کے طرق مختلف ہیں، ایک حدیث کو متعدد طرق سے اس لئے بھی ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مضمون یا الفاظ میں اگر رواۃ کا اختلاف ہو تو وہ سامنے آجائے۔

مسح اذنین میں مسائل خلافیہ: مسح اذنین میں چار بحثیں اختلافی ہیں:

① اول وظیفہ اذنین کیا ہے، مسح یا غسل؟ ② ثانی واجب ہے یا سنت؟

③ ثالث مسح اذنین کے لئے تجدید ماء مسنون ہے یا نہیں؟ ④ رابع اذنین مستقل عضو ہیں یا جزء راس ہیں؟

بحث اول (وظیفہ اذنین کیا ہے مسح یا غسل؟): ائمہ اربعہ کے نزدیک وظیفہ اذنین مسح ہے اور داود ظاہریؒ وامام زہریؒ کے نزدیک ان کا وظیفہ غسل ہے، اور شعبی اور حسن بن صالح کے نزدیک اذنین کا حکم غسل اور مسح دونوں ہے، ما اقبل من الاذنین یعنی کانوں کا وہ حصہ جو چہرہ کی طرف ہے، (جس کو باطن اذنین بھی کہتے ہیں) اس کا غسل ہوگا غسل وجہ کے ساتھ، اور ما ادبر من الاذنین کا مسح ہوگا مسح اذنین کے ساتھ، اور چوتھا قول اس میں اسحق بن راہویہ کا ہے، وہ یہ کہتے ہیں

که اذنین کا حکم ہے تو مسح ہی، لیکن ما اقبل من الاذنین کا مسح غسل وجہ کے ساتھ اور ما ادبر من الاذنین کا مسح مسح راس کے ساتھ ہو گا۔

بحث ثانی (وظیفہ اذنین واجب ہے یا سنت): جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسح اذنین سنت ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک واجب ہے۔

بحث ثالث (مسح اذنین کیلئے تجدید ماء کا حکم): امام شافعیؒ[1]، امام مالکؒ، امام احمدؒ تینوں کے نزدیک مسح اذنین کیلئے تجدید ماء مسنون ہے اور حنفیہ کے یہاں مسنون یہ ہے کہ مسح اذنین بماء الراس ہو۔ چنانچہ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے مسح اذنین کیلئے تجدید ماء ثابت نہیں[2] ہے، اسی طرح اس باب کی آخری حدیث اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ ہماری دلیل ہے اور وہ حضرات اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں جیسا کہ اسکی تفصیل اس حدیث کے ذیل میں آخر باب میں آئے گی، اور بعض نے اسکا جواب یہ دیا کہ اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ کا مطلب یہ ہے کہ إنهما ممسوحتان لا مغسولتان[3]، یعنی سر کی طرح کان بھی اعضاء ممسوحہ میں سے ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ یہ سر کا جزء ہیں لہذا تجدید ماء کی ضرورت نہیں قاله ابن عبد البر في الكافي۔ نیز حدیث تکفیر الوضو بھی حنفیہ کی دلیل ہے، چنانچہ امام نسائیؒ نے اس پر باب باندھا ہے بَابُ مَسْحِ الْأُذُنَيْنِ مَعَ الرَّأْسِ وَمَا يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى أَنَّهُمَا مِنَ الرَّأْسِ۔

سوال یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں تجدید ماء مستحب بھی ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارے فقہاء کا اختلاف ہے، مراقی الفلاح میں تو مستحب[4] لکھا ہے اور فتح القدیر میں لا یستحب لکھا ہے اور یہی علامہ شامیؒ کی بھی تحقیق ہے اور یہی حضرت گنگوہیؒ کی رائے ہے، چنانچہ کوکب میں اس کو لا بأس به لکھا ہے۔

بحث رابع (اذنین مستقل عضو ہیں یا ...): ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ اور امام شافعیؒ

---

[1] امام شافعیؒ کا یہ مسلک متن ابو شجاع اور اس کی شرح اور انوار ساطعہ ص۱۰۵ میں اسی طرح لکھا ہے، اور امام مالکؒ کا یہ مسلک انوار ساطعہ ص۱۸۰ ارشاد السالک اور کتاب الکافی ص۱۴۱ لابن عبد البر میں لکھا ہے اور امام احمدؒ کا یہ مذہب الروض المربع اور انوار ساطعہ ص۲۴۲ میں لکھا ہے۔

[2] لیکن متن ابو شجاع کے حاشیہ میں بحوالہ حاکم ایک حدیث نقل کی ہے جس میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے مسح اذنین کیلئے ماء جدید لیا، ونصه هكذا روى الحاكم من حديث عبد الله بن زيد في صفة وضوئه صلى الله عليه وسلم انه توضأ ومسح اذنيه بماء غير الماء الذي مسح به الرأس قال الحافظ الذهبي صحيح۔

[3] الكافي في فقه أهل المدينة لابن عبد البر - كتاب الطهارة - باب سنن الوضوء وآدابه ۲۳

[4] جاننا چاہئے کہ جس طرح صاحب مراقی الفلاح نے مسح اذنین کے لئے تجدید ماء کو مستحب لکھا ہے اسی طرح صاحب در مختار کے کلام سے بھی استحباب مفہوم ہوتا ہے لیکن شامیؒ نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ متون احناف میں مسح اذنین بماء الراس کے سنت ہونے کی تصریح ہے اور یہی انہوں نے صاحب ہدایہ اور صاحب البدائع سے بھی نقل کیا ہے اور پھر آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ سنت عدم تجدید ہے تو پھر تجدید ماء کو مستحب کیسے کہہ سکتے ہیں، خلاف سنت کام مستحب کیسے ہو سکتا ہے میں کہتا ہوں کہ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرت گنگوہیؒ نے اس کو صرف مباح لکھا ہے۔

کے نزدیک عُضْوَانِ مُسْتَقِلَّانِ [1] اور داؤد ظاہری وامام زہریؒ کے نزدیک اَلْاُذُنَانِ مِنَ الْوَجْہِ [2] یعنی اذنین چہرہ کا جزء ہیں۔
امام شافعیؒ دلیل میں یہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مسح اذنین کیلئے نیا پانی لیا، لہذا وہ مستقل عضو ہوئے اور حدیث اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ کو مرفوعاً ثابت نہیں مانتے کہتے ہیں کہ موقوف ہے، جیسا کہ اسکی تفصیل اس باب کی آخری حدیث کے ذیل میں آئے گی، اور امام مالکؒ واحمدؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ جزء راس ہیں، لیکن تجدید ماء مسح اذنین کیلئے اس لئے ہے کہ آپ ﷺ سے ثابت ہے، اور داؤد ظاہری وامام زہریؒ دلیل میں یہ پیش فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے سجدہ میں یہ دعا ثابت ہے: سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ [3] اس حدیث میں سمع اور بصر دونوں کی اضافت وجہ کی طرف کی گئی ہے۔ لہذا سمع وبصر چہرہ کا جزء ہوئے (هكذا في المنهل)
قولہ: فَغَسَلَ بُطُونَهُمَا وَظُهُورَهُمَا: یہاں پر غسل سے مراد مسح ہے، اس لئے کہ یہ جملہ تفسیر ہے فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ کی، اور غسل کا اطلاق مسح پر ثابت ہے، لہذا داؤد ظاہری اور امام زہری اس لفظ سے اپنے مسلک پر استدلال نہیں کر سکتے، اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں کے یہاں غسل اذنین تو چہرہ کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ مسح راس کے وقت، اور یہاں ذکر چل رہا ہے مسح راس کا۔

تثلیث مسح سے متعلق امام ابوداؤد کی رائے: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أَحَادِيثُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الصِّحَاحُ كُلُّهَا الخ: چونکہ ماقبل میں حدیث عثمان کے ایک طریق میں وَمَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا آیا تھا، اس لئے یہاں مصنفؒ اس پر تنبیہ فرمارہے ہیں وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کی جتنی صحیح احادیث وضو کے بارے میں مروی ہیں، وہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسح راس ایک مرتبہ ہے لہذا حضرت عثمانؓ کی جس حدیث میں اسکے خلاف ہوگا وہ غیر صحیح ہوگی۔
قولہ: فَإِنَّهُمْ ذَكَرُوا الْوُضُوءَ: یہاں سے مصنفؒ اپنے دعوے کو ثابت کر رہے ہیں مصنفؒ کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی تمام احادیث صحیحہ توحید مسح پر دال ہیں، اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے؟ جب کہ ان کی اکثر احادیث مسح راس کے بارے میں مطلق ہیں، مرۃ کی ان میں قید نہیں جواب یہ اس لئے کہ جب راوی بقیہ اعضاء کے ساتھ بالتفصیل "ثلاثا ثلاثا" کہہ رہا ہے اور جب وہ مسح راس پر پہنچتا ہے تو صرف مَسَحَ رَأْسَهُ کہتا ہے سو اگر مسح راس بھی تین بار ہوتا تو راوی یہاں بھی ثلاثا کہتا السکوت فی محل البیان یفید الحصر اس سے معلوم ہوا کہ مسح راس ایک بار ہے۔
تنبیہ: حضرت عثمانؓ کی ایک گزشتہ روایت اور ایک آئندہ آنے والی روایت میں مَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا کی تصریح ہے، اس

[1] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج٦ ص٦٠
[2] التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد - ج٤ ص٣٧
[3] جامع الترمذي - كتاب السفر - باب ما يقول في سجود القرآن ٥٨٠

بناء پر بعض شراح حدیث کو مصنفؒ کے اس دعوے پر قوی اشکال ہے، پھر اس اشکال کا انہوں نے خود ہی جواب دیا وہ یہ کہ مصنفؒ کی مراد کلّہا سے اکثرھا ہے، وللاکثر حکم الکل، حافظ نے ایک دوسرا جواب دیا کہ مصنفؒ کی مراد تمام احادیث سے ان دو طریق کے علاوہ ہے، یہ دونوں طریق مستثنیٰ ہیں، حضرت سہارنپوریؒ بذل [1] میں تحریر فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے دعوے پر یہ اشکال اس وقت صحیح تھا جب یہ دونوں طریق صحیح ہوتے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ہر طریق میں ایک راوی ضعیف موجود ہے، ایک میں عبدالرحمن بن وردان اور دوسرے میں عامر بن شقیق، فلا اشکال غرضیکہ یہ اشکال اس وقت صحیح تھا جب یا تو مصنفؒ کا دعویٰ عام ہوتا صحاح کی قید اس میں نہ ہوتی یا پھر یہ دونوں روایتیں فی نفسہ صحیح ہوتیں۔

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ...... وَمَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا: اس پر کلام ابھی گزر چکا ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ وَكِيعٌ، عَنْ إِسْرَائِيلَ قَالَ: تَوَضَّأَ ثَلَاثًا فَقَطْ: مصنفؒ کی غرض اس سے لفظ مذکور یعنی وَمَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا کی تضعیف ہے، اور وہ اس طرح کے لفظ مذکور کو اسرائیل سے نقل کرنے والے اس سند میں یحییٰ بن آدم ہیں، مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ اس حدیث کو وکیع نے اسرائیل سے یحییٰ بن آدم کے خلاف نقل کیا، وکیع کی روایت میں لفظ مذکور نہیں ہے بلکہ وہ روایت مجمل ہے، اس میں صرف تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ہے اور وکیع کی روایت یحییٰ کی روایت سے راجح ہے کیونکہ وکیع یحییٰ سے اقویٰ ہیں، اور دوسرے اسلئے بھی کہ یحییٰ کی روایت عثمان کی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، جیسا کہ مصنفؒ پہلے فرما چکے ہیں، ہماری اس تشریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ لفظ متن میں قط سکون طاء کے ساتھ ہے، بمعنی فقط، اور تشدید طاء کے ساتھ نہیں ہے، جیسا کہ کتاب میں لکھا ہے یہ کاتب کی غلطی ہے۔

۱۱۱ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ، قَالَ: أَتَانَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَقَدْ صَلَّى فَدَعَا بِطَهُورٍ، فَقُلْنَا مَا يَصْنَعُ بِالطَّهُورِ وَقَدْ صَلَّى مَا يُرِيدُ، إِلَّا لِيُعَلِّمَنَا، فَأُتِيَ بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ وَطَسْتٍ «فَأَفْرَغَ مِنَ الْإِنَاءِ عَلَى يَمِينِهِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا، فَمَضْمَضَ وَنَثَرَ مِنَ الْكَفِّ الَّذِي يَأْخُذُ فِيهِ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا، وَغَسَلَ يَدَهُ الشِّمَالَ ثَلَاثًا، ثُمَّ جَعَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا، وَرِجْلَهُ الشِّمَالَ ثَلَاثًا»، ثُمَّ قَالَ: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَعْلَمَ وُضُوءَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ هَذَا».

ترجمہ: عبد خیر کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ صبح کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے یہاں تشریف لائے اور انہوں نے وضو کا پانی منگوایا ہم نے دل میں سوچا کہ حضرت علیؓ نماز پڑھ چکے ہیں وہ وضو کے پانی کا کیا کریں گے...... حضرت علیؓ صرف ہمیں وضو کا طریقہ سکھلانا چاہتے ہیں چنانچہ ایک برتن لایا گیا جس میں وضو کا پانی تھا اور ایک طشت (ہاتھ دھونے کا، تانبے کا برتن) بھی لایا گیا چنانچہ حضرت علیؓ نے برتن سے اپنے دائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا، پھر تین

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٧٣

مرتبہ کلی کی، پھر تین مرتبہ ناک صاف کی، اور جس ہتھیلی میں پانی لیا تھا (یعنی داہنی ہتھیلی) اس ہتھیلی سے کلی بھی کی اور اسی ہتھیلی سے ناک میں پانی بھی ڈالا پھر حضرت علیؓ نے اپنا چہرہ تین مرتبہ دھویا اور اپنا داہنا ہاتھ اور اپنا بایاں ہاتھ تین تین مرتبہ دھویا پھر اپنے ہاتھ کو برتن میں ڈالا پھر اپنے سر کا ایک دفعہ مسح کیا پھر دائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا اور اپنے بائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا پھر فرمایا کہ جسکو یہ پسند ہو کہ وہ نبی ﷺ کے وضو کے طریقہ کو معلوم کرے تو یہ نبی ﷺ کے وضو کا طریقہ ہے۔

۱۱۲ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ، عَنْ زَائِدَةَ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَلْقَمَةَ الْهَمْدَانِيُّ، عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ، قَالَ: صَلَّى عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الْغَدَاةَ، ثُمَّ دَخَلَ الرَّحْبَةَ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتَاهُ الْغُلَامُ بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ وَطَسْتٍ، قَالَ: «فَأَخَذَ الْإِنَاءَ بِيَدِهِ الْيُمْنَى، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى، وَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى فِي الْإِنَاءِ فَتَمَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا»، ثُمَّ سَاقَ قَرِيبًا مِنْ حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ، قَالَ: «ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ مُقَدَّمَهُ وَمُؤَخِّرَهُ مَرَّةً» ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيثَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: عبد خیر کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے پھر کوفہ کے مقام رحبہ پر تشریف لائے چنانچہ انہوں نے پانی منگوایا تو ایک لڑکا ایک برتن میں پانی اور ایک تانبہ کا تھال لے کر حاضر ہوا چنانچہ حضرت علیؓ نے اس برتن کو اپنے سیدھے ہاتھ کے پاس رکھا اور سیدھے ہاتھ میں پانی لے کر اس کا پانی اپنے بائیں ہاتھ پر اُنڈیلا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین مرتبہ دھویا پھر اپنے داہنے ہاتھ کو برتن میں داخل کیا چنانچہ تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اس کے بعد زائدہ راوی نے ابو عوانہ کی حدیث کے مثل حدیث نقل کی زائدہ نے کہا پھر حضرت علیؓ نے اپنے سر کے اگلے اور پچھلے حصہ کا ایک مرتبہ مسح فرمایا اس کے بعد زائدہ راوی نے ابو عوانہ کی حدیث کی طرح نقل کیا ہے۔

۱۱۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، حَدَّثَنِي شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ عُرْفُطَةَ، سَمِعْتُ عَبْدَ خَيْرٍ، رَأَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ «أُتِيَ بِكُرْسِيٍّ فَقَعَدَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أُتِيَ بِكُوزٍ مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ مَعَ الِاسْتِنْشَاقِ بِمَاءٍ وَاحِدٍ»، وَذَكَرَ الْحَدِيثَ.

ترجمہ: شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے مالک بن عرفطہ کے واسطہ سے عبد خیر سے سنا کہ عبد خیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ ایک کرسی لائی گئی جس پر حضرت علیؓ تشریف فرما ہوئے پھر ایک لوٹے میں پانی لایا گیا چنانچہ حضرت علیؓ نے تین دفعہ اپنے ہاتھ کو دھویا پھر ایک ہی پانی سے کلی بھی کی اور ناک میں بھی پانی ڈالا إلى آخر الحديث۔

۱۱٤ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا رَبِيعَةُ الْكِنَانِيُّ، عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَسُئِلَ عَنْ وُضُوءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، وَقَالَ: «وَمَسَحَ عَلَى رَأْسِهِ حَتَّى لَمَّا يَقْطُرْ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا»، ثُمَّ قَالَ: «هَكَذَا كَانَ وُضُوءُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ترجمہ: زر بن حبیش سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ سے آپ ﷺ کے وضو کے طریقہ کے متعلق دریافت کیا

گیا اس کے بعد راوی نے پوری حدیث نقل کی پھر زر بن حبیش راوی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے سر کا اس طرح مسح کیا کہ سر سے پانی نہیں ٹپکا اور اپنے پاؤں کو تین مرتبہ دھویا پھر فرمایا آپ ﷺ کا وضو اسی طرح تھا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٤٨) سنن النسائي - الطهارة (٩١) سنن النسائي - الطهارة (٩٢) سنن النسائي - الطهارة (٩٣) سنن النسائي - الطهارة (٩٤) سنن النسائي - الطهارة (٩٥) سنن النسائي - الطهارة (٩٦) سنن النسائي - الطهارة (١١٥) سنن أبي داود - الطهارة (١١١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٨٣/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١١٠/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١١٥/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٢/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٥/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٧/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٥/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٩/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٤١/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٤٢/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٦/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٧/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٨/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٦٠/١) سنن الدارمي - الطهارة (٧٠١)

١١٥ - حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الطُّوسِيُّ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا فِطْرٌ، عَنْ أَبِي فَرْوَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ «تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَاحِدَةً»، ثُمَّ قَالَ: «هَكَذَا تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ترجمہ: عبد الرحمن ابن ابی لیلی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا چنانچہ انہوں نے اپنے چہرہ کو تین مرتبہ دھویا اور اپنی کلائیوں کو تین مرتبہ دھویا اور اپنے سر کا ایک مرتبہ مسح فرمایا اور فرمایا کہ آپ ﷺ نے اسی طرح وضو کیا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٤٨) سنن النسائي - الطهارة (٩٢) سنن النسائي - الطهارة (٩٣) سنن النسائي - الطهارة (٩٤) سنن النسائي - الطهارة (٩٥) سنن النسائي - الطهارة (٩٦) سنن النسائي - الطهارة (١١٥) سنن أبي داود - الطهارة (١١٥) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٨٣/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١١٠/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١١٥/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٢/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٥/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٧/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٥/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٩/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٤١/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٤٢/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٦/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٧/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٨/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٦٠/١)

١١٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَأَبُو تَوْبَةَ، قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، ح وحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي حَيَّةَ، قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ «تَوَضَّأَ فَذَكَرَ وُضُوءَهُ كُلَّهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا»، قَالَ: «ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ»، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّمَا أَحْبَبْتُ أَنْ أُرِيَكُمْ طُهُورَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ترجمہ: ابوحیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا چنانچہ ابوحیہ نے حضرت علیؓ کے وضو کو اس طرح ذکر کیا کہ آپؓ نے ہر ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھویا پھر ابوحیہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ دکھلاؤں۔

تخریج: جامع الترمذي- الطهارة (٤٨) سنن النسائي- الطهارة (٩١) سنن النسائي- الطهارة (٩٢) سنن النسائي- الطهارة (٩٣) سنن النسائي- الطهارة (٩٤) سنن النسائي- الطهارة (٩٥) سنن النسائي- الطهارة (٩٦) سنن النسائي- الطهارة (١١٥) سنن أبي داود- الطهارة (١١٦) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (٨٣/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١١٠/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١١٥/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٢/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٥/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٧/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٥/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٩/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٤١/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٤٢/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٦/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٧/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٨/١) مسند أحمد- مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٦٠/١) سنن الدارمي- الطهارة (٧٠١)

١١٧- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ الْخَوْلَانِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: دَخَلَ عَلَيَّ عَلِيٌّ يَعْنِي ابْنَ أَبِي طَالِبٍ، وَقَدْ أَهْرَاقَ الْمَاءَ فَدَعَا بِوَضُوءٍ، فَأَتَيْنَاهُ بِتَوْرٍ فِيهِ مَاءٌ، حَتَّى وَضَعْنَاهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، أَلَا أُرِيكَ كَيْفَ كَانَ يَتَوَضَّأُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قُلْتُ: بَلَى. قَالَ: «فَأَصْغَى الْإِنَاءَ عَلَى يَدِهِ فَغَسَلَهَا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى فَأَفْرَغَ بِهَا عَلَى الْأُخْرَى، ثُمَّ غَسَلَ كَفَّيْهِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَيْهِ فِي الْإِنَاءِ جَمِيعًا، فَأَخَذَ بِهِمَا حَفْنَةً مِنْ مَاءٍ فَضَرَبَ بِهَا عَلَى وَجْهِهِ، ثُمَّ أَلْقَمَ إِبْهَامَيْهِ مَا أَقْبَلَ مِنْ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ الثَّانِيَةَ، ثُمَّ الثَّالِثَةَ مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ أَخَذَ بِكَفِّهِ الْيُمْنَى قَبْضَةً مِنْ مَاءٍ، فَصَبَّهَا عَلَى نَاصِيَتِهِ فَتَرَكَهَا تَسْتَنُّ عَلَى وَجْهِهِ، ثُمَّ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ وَظُهُورَ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَيْهِ جَمِيعًا فَأَخَذَ حَفْنَةً مِنْ مَاءٍ فَضَرَبَ بِهَا عَلَى رِجْلِهِ، وَفِيهَا النَّعْلُ فَفَتَلَهَا بِهَا، ثُمَّ الْأُخْرَى مِثْلَ ذَلِكَ» قَالَ: قُلْتُ: وَفِي النَّعْلَيْنِ؟ قَالَ: وَفِي النَّعْلَيْنِ، قَالَ: قُلْتُ: وَفِي النَّعْلَيْنِ؟ قَالَ: وَفِي النَّعْلَيْنِ، قَالَ: قُلْتُ: وَفِي النَّعْلَيْنِ؟ قَالَ: وَفِي النَّعْلَيْنِ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: "وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ شَيْبَةَ، يُشْبِهُ حَدِيثَ عَلِيٍّ، لِأَنَّهُ قَالَ فِيهِ حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عن ابْنِ جُرَيْجٍ: وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً، وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ فِيهِ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ ثَلَاثًا".

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب میرے گھر تشریف لائے چنانچہ آپؓ پیشاب فرما چکے تھے تو آپؓ نے پانی منگوایا تو ہم آپ (حضرت علیؓ) کے پاس ایک پیتل یا پتھر کے برتن میں پانی لے گئے اور ہم نے

آپؓ کے سامنے اس برتن کو رکھ دیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اے ابن عباس! کیا میں تمہیں حضور ﷺ کے وضو کرنے کا طریقہ نہ دکھلاؤں؟ میں نے عرض کیا: ضرور ضرور بتلائیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے برتن کو جھکا کر اپنے (سیدھے) ہاتھ پر پانی ڈالا اور اس ہاتھ کو دھو کر برتن میں اسکو داخل کیا پھر اپنے سیدھے ہاتھ سے الٹے ہاتھ پر پانی ڈالا پھر دونوں ہتھیلیوں کو دھویا پھر کُلی کی اور ناک صاف کی پھر دونوں ہاتھ اکٹھے برتن میں ڈالے اور ان دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر اپنے چہرے پر پانی ڈالا پھر کانوں کے اندرون میں اپنے انگوٹھے کو داخل کیا پھر دوسری اور تیسری مرتبہ اسی طرح کیا پھر اپنی داہنی ہتھیلی میں ایک مُٹھی پانی بھر کر اپنی پیشانی پر بہادیا اور وہ پانی چہرہ پر بہنے لگا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت تین تین مرتبہ دھویا پھر سر کا مسح کیا اور کانوں کے پچھلے حصہ کا مسح کیا پھر دونوں ہاتھ اکٹھے برتن میں داخل کیے اور ایک لَپ پانی بھر کر اپنے پاؤں پر بہایا حالانکہ اس پاؤں میں چپل پہنے ہوئے تھے پھر ایک لَپ بھر کر دوسرے پاؤں پر بہایا۔ راوی (ابن عباس) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے بطور تعجب پوچھا کہ چپلوں کے پہننے کی حالت میں پاؤں دھوئے جائیں گے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: جی ہاں چپلیں پہننے کی حالت میں پاؤں دھوئے جائیں گے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں پھر میں نے دوسری مرتبہ یہی سوال کیا تو حضرت علیؓ نے یہی جواب مرحمت فرمایا۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو حضرت علیؓ نے یہی جواب مرحمت فرمایا۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے شیبہ سے جو حدیث نقل کی ہے وہ حضرت علیؓ کی اس گزشتہ حدیث کے مشابہ ہے کیونکہ اس میں حجاج بن محمد نے ابن جریج سے یہ الفاظ نقل کئے کہ حضرت علیؓ نے سر کا ایک مرتبہ مسح کیا اور اسکے برعکس ابن وہب نے ابن جریج سے یہ نقل کیا کہ حضرت علیؓ نے سر کا مسح تین دفعہ کیا ہے۔

تخريج جامع الترمذي - الطهارة (٤٨) سنن النسائي - الطهارة (٩١) سنن النسائي - الطهارة (٩٢) سنن النسائي - الطهارة (٩٣) سنن النسائي - الطهارة (٩٤) سنن النسائي - الطهارة (٩٥) سنن النسائي - الطهارة (٩٦) سنن النسائي - الطهارة (١١٥) سنن أبي داود - الطهارة (١١٧) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٨٣/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١١٠/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١١٥/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٢/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٥/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٧/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٥/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٩/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٤١/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٦/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٧/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٥٨/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٦٠/١) سنن الدارمي - الطهارة (٧٠١)

شرح الأحاديث **مسانيد علی** رضی اللہ عنہ: اب تک حضرت عثمانؓ کی روایات چل رہی تھیں، اب یہاں سے حضرت علیؓ کی روایات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ مصنفؒ نے حدیث عثمان کی طرح حدیث علی کو بھی متعدد طرق سے ذکر فرمایا ہے، یہ ہم شروع میں کہہ چکے ہیں کہ اس باب میں مصنفؒ نے نو صحابہ کی روایات کی تخریج کی ہے، اور وہ یہ ہیں: حضرت عثمان، حضرت علی، عبد اللہ بن زید بن عاصم، مقدام بن معد یکرب، معاویہ بن ابی سفیان، ربیع بنت معوذ بن عفراء، جد طلحہ، عبد اللہ بن عباس،

ابوامامہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، چونکہ وضو کے اکثر مسائل مع اختلافات اور دلائل سب گزر گئے ہیں اس لئے اب آگے مصنف کا طرز عمل یہ ہے کہ جن جن صحابہ کی روایات کو لینا ہے ان میں سے ہر ایک کو پورا نہیں ذکر کیا بلکہ جس حدیث میں جو نئی سی بات آئی خاص طور سے اس کو لیا، لہٰذا اب ہم بھی آئندہ روایات میں جو بات قابل کلام ہو گی اسی کو لیں گے۔

قولہ: عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ: یہ مخضرمین میں سے ہیں، جنہوں نے اسلام اور جاہلیت دونوں کا زمانہ پایا، لیکن اسلام حضور ﷺ کے وصال کے بعد لائے، ایسے ہی شخص کو مخضرم کہا جاتا ہے، حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے ہیں، انہوں نے کافی عمر پائی، بذل میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کم اتی علیك؟ آپکی عمر کیا ہے؟ انہوں نے کہا عشرون ومائة سنة یعنی ایک سو بیس سال [1]، امام ترمذیؒ نے حضرت علیؓ کی حدیث عبد خیر اور ابو حیہ دو طریق سے ذکر کی ہے، اور امام ابوداودؒ نے اس کو عبد خیر، ابو حیہ، زر بن حبیش، عبدالرحمن بن ابی لیلی اور ابن عباس پانچ طرق سے ذکر کیا ہے۔

قولہ: وَقَدْ صَلَّى: یہ نماز صبح کی نماز تھی جیسا کہ اگلی روایت میں آرہا ہے، یہ واقعہ مقام رحبہ کا ہے، جو کوفہ میں ایک محلے کا نام ہے، حضرت علیؓ کا دارالخلافہ کوفہ تھا، وہیں کا یہ واقعہ ہے۔

صحابۂ کرام میں تعلیم وضو کا اہتمام: روایت کا مفہوم یہ ہے کہ عبد خیر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر ہمارے پاس یعنی ہمارے محلہ میں تشریف لائے اور ہم لوگوں سے وضو کا پانی منگایا ہم نے دل میں سوچا کہ یہ وضو کے پانی کا کیا کریں گے نماز تو پڑھ چکے ہیں۔

قولہ: مَا يُرِيدُ، إِلَّا لِيُعَلِّمَنَا: یعنی معلوم ہوتا ہے کہ مقصود وضو کرنا نہیں ہے بلکہ وضو کا طریقہ تعلیم کرنا ہے۔ چنانچہ ایک برتن میں وضو کا پانی لایا گیا، اور اسکے علاوہ وضو کے غسالہ کیلئے ایک طشت لایا گیا، پھر آگے حضرت علیؓ کے وضو کرنے کی تفصیل مذکور ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابۂ کرام کے یہاں وضو کی تعلیم اور لوگوں کو اس کا طریقہ سمجھانے کا خاص اہتمام تھا۔ ہم لوگ اسکو معمولی چیز سمجھتے ہیں، ہمارے یہاں بہت سے طلبہ کا حال یہ ہے کہ وہ فقہ کی اونچی کتابیں حتی کہ مشکوۃ اور دورۂ حدیث سب پڑھ لیتے ہیں اس کے باوجود ان کو وضو کا صحیح اور مسنون طریقہ نہیں آتا، طلبہ کو اپنے اساتذہ سے وضو کا طریقہ سیکھنا چاہئے، ابوداؤد باب غسل الجنابة میں ایک روایت آئے گی جس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب غسل جنابت کرتے تو غسل یدین سات بار کرتے، ان کے شاگرد شعبہ بن دینار کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ ہاتھ دھو رہے تھے میں بھی سامنے بیٹھا تھا، دھونے کی تعداد بھول گئے، مجھ سے پوچھا کہ میں نے کتنی مرتبہ دھویا؟ میں نے کہا لا ادری، وہ فرمانے لگے لا أم لك وما منعك ان تدری یعنی تیرا ناس ہو کیوں نہیں معلوم، حضرت ابن عباسؓ کا مقصد یہ تھا کہ شاگرد جو

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۱ ص ۲۷۹

اساتذہ کی خدمت میں رہتے ہیں وہ اسی لئے تو کہ ان سے مسائل کی باتیں سیکھیں، دین حاصل کریں، محض خدمت تھوڑی مقصود ہے، اس وقت میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ چھوٹوں کو بڑوں سے، شاگردوں کو اساتذہ سے یہ سب چیزیں سیکھنی چاہئیں، ہر کام سیکھنے ہی سے آتا ہے۔

قولہ: فَمَضْمَضَ وَنَثَرَ مِنَ الْكَفِّ الَّذِي يَأْخُذُ فِيهِ: اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مضمضہ اور استنثار ایک ہی ہاتھ سے کیا، حالانکہ مضمضہ دائیں ہاتھ سے اور استنثار بائیں ہاتھ سے ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں پر نثر (استنثار) سے مراد استنشق (استنشاق) ہے، اسکے دو قرینے ہیں: ایک یہ کہ مضمضہ کے بعد استنشاق ہی ہوتا ہے نہ کہ استنثار، دوسرا قرینہ یہ ہے کہ یہاں پر ہے مِنَ الْكَفِّ اور کف سے استنشاق ہوتا ہے نہ کہ استنثار، استنثار تو اطراف اصابع سے ہوتا ہے، نیز پہلے گزر چکا کہ ابن قتیبہ وغیرہ کے نزدیک استنثار استنشاق ہی کے معنی میں ہے۔

قولہ: ثُمَّ سَاقَ قَرِيبًا مِنْ حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ: ساق کی ضمیر زائدہ کی طرف راجع ہے دراصل اس حدیث کا مدار خالد بن علقمہ پر ہے، پھر علقمہ کے متعدد تلامذہ ہیں، پہلے ابو عوانہ آئے تھے، اور یہاں پر ان کے شاگرد زائدہ ہیں مصنفؒ فرمارہے ہیں زائدہ راوی نے حدیث اسی طرح بیان کی جس طرح ابو عوانہ نے کی تھی۔

سند حدیث میں وہم شعبہ: قولہ: حَدَّثَنِي شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ عُرْفُطَةَ: شعبہ خالد کے تیسرے شاگرد ہیں، مگر ان سے غلطی [1] یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنے استاذ کا نام بجائے خالد بن علقمہ کے مالک بن عرفطہ بیان کیا، شعبہ کی یہ روایت نسائی میں بھی اسی طرح ہے، امام نسائیؒ نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق فرمایا: قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: هٰذَا خَطَأٌ وَالصَّوَابُ خَالِدُ بْنُ عَلْقَمَةَ [2] اور امام ترمذیؒ نے بھی جامع ترمذی میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو عوانہ جو خالد کے دوسرے شاگرد ہیں، ان سے یہ لفظ دونوں طرح مروی ہے عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ بھی اور عَنْ مَالِكِ بْنِ عُرْفُطَةَ [3] بھی، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل [4] میں لکھا ہے ابو عوانہ شروع میں اپنے استاذ کا نام صحیح ذکر کیا کرتے تھے، یعنی خالد بن علقمہ، پھر جب کسی نے ان سے یہ کہا کہ شعبہ تو بجائے اس کے مالک بن عرفطہ کہتے ہیں تو انہی شعبہ کے اتباع میں مالک

---

[1] یہاں پر شیخ احمد محمد شاکر نے حاشیہ ترمذی میں ایک قوی اشکال کیا ہے وہ یہ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی کو اپنے استاذ کا بھی صحیح نام یاد نہ ہو یہ تو شدید قسم کی غفلت ہے جو شعبہ جیسے راویٔ حدیث بلکہ امام حدیث سے مستبعد ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ مالک بن عرفطہ کوئی اور دوسرے راوی ہوں جن سے شعبہ روایت کرتے ہیں، احقر کہتا ہے کہ ان کا اشکال تو اپنی جگہ صحیح ہے لیکن تمام محدثین وہم شعبہ پر متفق ہیں، نیز مالک بن عرفطہ نام کا کوئی راوی کتب اسماء رجال میں ملتا بھی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

[2] سنن النسائي - الطهارة - باب غسل الوجه ٩٣

[3] جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب في وضوء النبي صلى الله عليه وسلم كيف كان ٤٩

[4] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٢٨١-٢٨٢

بن عرفطہ کہنا شروع کر دیا اور یہ کہا شعبۃ اعلم منی، ابو داود کی اس روایت میں ابو عوانہ نے اپنے استاذ کا نام صحیح ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے رجوع [1] سے رجوع کر لیا۔

قولہ: رأیتُ علیًّا رضي الله عنهُ أُتِيَ بِكُرْسِيٍّ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کرسی کا رواج صحابہ ہی کے زمانے سے ہے، بلکہ مسلم شریف کی ایک روایت میں جو کتاب الجمعۃ میں ہے اس میں حضور ﷺ کے کرسی پر بیٹھنے کی تصریح ہے فَأُتِيَ بِكُرْسِيٍّ، حَسِبْتُ قَوَائِمَهُ حَدِيدًا، قَالَ: فَقَعَدَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [2] یعنی آپ ﷺ کیلئے ایک کرسی لائی گئی پس حضور ﷺ اس پر بیٹھ گئے، راوی کہتے ہیں میں گمان کرتا ہوں کہ اس کے پائے لوہے کے تھے، اور اس پر یہ بھی تفریع کی جاسکتی ہے کہ کرسی کا استعمال زہد کے خلاف نہیں ہے، اور پھر کرسی کا ثبوت تو خود قرآن کریم میں بھی ہے، وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ [3]۔

قولہ: ثُمَّ تَمَضْمَضَ مَعَ الِاسْتِنْشَاقِ بِمَاءٍ وَاحِدٍ: اس روایت میں مضمضہ اور استنشاق کے درمیان وصل سمجھ میں آرہا ہے، شافعیہ کے یہاں تو یہی اولیٰ ہے، حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت علیؓ کی وہی حدیث ہے جو اوپر سے ذکر ہوتی چلی آرہی ہے پہلے طرق میں سے کسی طریق میں اس طرح وارد نہیں ہوا، صرف شعبہ کے طریق میں اس طرح ہے، اور ابھی معلوم ہوا کہ شعبہ سے یہاں ایک اور بھی خطا ہوئی ہے، پس اس کا ثبوت بھی بس ایسا ہی ہے، اکثر رواۃ نے جس طرح نقل کیا ہے اس کو اس پر ترجیح ہوگی، لہذا یہ لفظ شاذ اور مرجوح ہوا اور اگر صحیح مان لیا جائے تو بیان جواز پر محمول ہو سکتا ہے۔

لفظ حدیث حَتّٰى لَمَّا يَقْطُرْ **کی شرح**: قولہ: وَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِهِ حَتّٰى لَمَّا يَقْطُرْ: یعنی آپ اپنے سر کا مسح (بار بار) کرتے رہے یہاں تک کہ قریب تھا کہ پانی ٹپکے مگر نہیں ٹپکا، اس عبارت کا ہم نے جو ترجمہ کیا ہے اول تو اسلئے کہ حَتّٰى غایت کیلئے آتا ہے اور غایت وہاں ذکر کی جاتی ہے جہاں پر امتداد ہو، دوسرے اسلئے کہ لَمَّا کا استعمال ایسی شئ کی نفی میں کیا جاتا ہے جو متوقع الحصول ہو، یہ مطلب تو وہ ہے جو ظاہر الفاظ کے مطابق اور متبادر الی الذہن ہے، لیکن چونکہ احادیث صحیحہ سے توحید مسح ثابت ہوتا ہے نہ کہ تثلیث، اس لئے اس عبارت کی تاویل کی جائیگی کہ حَتّٰى بمعنی فاء اور لما بمعنی لم ہے ای مسح رأسه فلم يقطر اور نفی تقاطر اس بات پر دال ہوگی کہ مسح خفیف طریقہ سے کیا، چنانچہ پانی کا کوئی قطرہ نہیں ٹپکا، اور اگر مسح مبالغہ اور تکرار کے ساتھ کیا جائے، خصوصاً بمیاہ جدیدۃ جس کے شافعیہ قائل ہیں تو اس صورت میں تقاطر کا قوی امکان ہے أفادہ استاذنا

---

[1] قال الحافظ في التقريب في ترجمة خالد بن علقمة وكان شعبة يهم في اسمه واسم أبيه فيقول مالك بن عرفطة ورجع أبو عوانة إليه ثم رجع عنه اهـ (تقريب التهذيب برقم ١٦٦٤ ج ١ ص ٢٦١)

[2] صحيح مسلم - كتاب الجمعة - باب حديث التعليم في الخطبة ٨٧٦

[3] گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو (سورۃ البقرۃ ٢٥٥)

مولانا محمد اسعد اللہ ؒ۔

مضمون حدیث اور اس میں بعض اشکال وجواب:

قولہ: وَقَدْ أَهْرَاقَ الْمَاءَ: یعنی حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں ایک بار حضرت علی ؓ میرے پاس تشریف لائے اور اسی وقت پیشاب سے فارغ ہوئے تھے، اور آنے کے بعد وضو کا پانی منگایا، پس ہم ایک برتن میں ان کے پاس پانی لائے، حضرت علی ؓ نے ابن عباس ؓ سے فرمایا کہ میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو جیسا وضو کر کے نہ دکھاؤں، انہوں نے عرض کیا ضرور۔

یہاں پر دو اشکال ہیں، ایک تو یہ کہ اس حدیث میں پیشاب پر پانی کا اطلاق کیا گیا ہے، حالانکہ طبرانی کی ایک روایت میں ہے: لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ أَهْرَقْتُ الْمَاءَ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ أَبُولُ [1] یعنی کوئی شخص پیشاب کیلئے أَهْرَقْتُ الْمَاءَ کا لفظ نہ استعمال کرے بلکہ صاف کہے: أَبُولُ، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حدیث الباب صحیح ہے اور طبرانی کی مذکورہ بالا حدیث ضعیف ہے، بلکہ شراح نے تو یہ لکھا ہے کہ یہ کنایہ ہے بول سے، پس اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پیشاب وغیرہ کو بطریق کنایہ ذکر کرنا اولیٰ ہے۔
"قلت: وهذا كما يقال: ماخرج من السبيلين"۔

دوسرا اشکال یہاں پر یہ ہے کہ حضرت علی ؓ کا ابن عباس ؓ سے یہ فرمانا کہ کیا میں تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو جیسا وضو کر کے نہ دکھاؤں، اور پھر ابن عباس ؓ کا اس پر یہ فرمانا کہ ہاں! ضرور دکھایئے، کیا ابن عباس ؓ نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی وضو کرتے نہیں دیکھا تھا، ظاہر ہے سینکڑوں دفعہ دیکھا ہوگا، اور صرف وضو ہی کیا انہوں نے تو ایک مرتبہ ساری رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزاری اور آپ کی عبادت کے معمولات رات بھر جاگ کر دیکھے، جواب یہ ہے کہ حضرت علی ؓ کی مراد یہ تھی کہ میں تم کو حضور کی ایسی وضو کر کے نہ دکھلاؤں جو نئی طرح کی ہو اور تم نے کبھی نہ دیکھی ہوگی، اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہاں! دکھلایئے، چنانچہ آگے چل کر حضرت علی ؓ نے وضو کا جو طریقہ بیان کیا ہے وہ بہت انوکھا تھا، اس میں بہت سی باتیں مشہور روایات کے خلاف ہیں۔

قولہ: فَضَرَبَ بِهَا عَلَى وَجْهِهِ: یعنی حضرت علی ؓ نے دونوں ہاتھ میں پانی لے کر اسکو چہرہ پر مارا جس کو چھپکہ مارنا کہتے ہیں، اس میں اشکال کی بات یہ ہے کہ وضو میں چہرہ پر زور سے پانی ڈالنا جس کو لطم کہتے ہیں خلاف ادب ہے جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے، سو اسکا کیا جواب ہے؟ اور حد تو یہ ہے کہ ابن حبان جیسے محدث نے اس حدیث پر اسی لفظ کی وجہ سے ترجمہ قائم کر دیا باب ذکر استحباب صك الوجه بالماء للمتوضئ عند إرادته غسل وجهه [2] ابھی ہم نے کہا تھا کہ اس حدیث میں بہت سی نئی چیزیں آئیں گی یہ بھی ان ہی میں سے ہے، اب اسکے دو جواب ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہا جائے کہ ضرب الماء کنایہ ہے صب الماء سے، اور

---

[1] المعجم الكبير للطبراني رقم الحديث ۱۵۰ ج ۲۲ ص ۶۲

[2] صحيح ابن حبان — كتاب الطهارة — باب سنن الوضوء — ذكر استحباب صك الوجه بالماء للمتوضئ عند إرادته غسل وجهه ۱۰۸۰ ج ۳ ص ۳۶۲

ضرب کے متبادر معنی مراد نہیں، یا یوں کہا جائے کہ یہ لفظ شاذ ہے، معروف اور مشہور روایات کے خلاف ہے لہذا قابل عمل نہیں یا پھر آخری جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کیلئے گاہے ایسا بھی کیا ہو، صرف خلاف ادب ہی تو ہے حرام نہیں ہے۔

مسح اذنین میں اسحق بن راہویہ کا مستدل اور اس پر کلام:

قوله: ثُمَّ أَلْقَمَ إِبْهَامَيْهِ مَا أَقْبَلَ مِنْ أُذُنَيْهِ: یہ ایک دوسری نئی بات آئی وہ یہ کہ حضرت علیؓ نے غسل وجہ کے ساتھ اپنے دونوں انگوٹھوں کو کانوں کا لقمہ بنایا یعنی جس طرح لقمہ کو منہ میں داخل کرتے ہیں اسی طرح ابہامین کو اذنین میں داخل کیا، اسکا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے ما اقبل من الاذنین کا مسح غسل وجہ کے ساتھ فرمایا، جیسا کہ اسحق بن راہویہ کا مذہب ہے جمہور کی جانب سے اسکا جواب یہی ہوگا کہ آپ نے احیانا بیان جواز کیلئے ایسا کیا، ورنہ مسنون طریقہ تو وہی ہے جو روایات کثیرہ وشہیرہ میں آتا ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مسح اذنین کے بارے میں حسن بن صالح اور شعبی کے مسلک کی دلیل ہے، ان کا مسلک یہ ہے کہ ما اقبل من الاذنین کا وظیفہ غسل ہے اسکو چہرہ کے ساتھ دھویا جائے، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل[1] میں اسکی تردید فرمائی ہے کہ صرف تر انگوٹھے کانوں میں داخل کرنے سے غسل اذنین ثابت نہیں ہوتا، بلکہ مسح ثابت ہوتا ہے لہذا یہ حدیث اسحق بن راہویہ کی دلیل ہوئی نہ کہ شعبی وحسن بن صالح کی، مسح اذنین کے اختلافات قریب میں گزر چکے۔

قوله: ثُمَّ أَخَذَ بِكَفِّهِ الْيُمْنَى قَبْضَةً مِنْ مَاءٍ، فَصَبَّهَا عَلَى نَاصِيَتِهِ: یہ اس حدیث میں ایک تیسری نئی بات آئی وہ یہ کہ حضرت علیؓ نے تین بار غسل وجہ فرمانے کے بعد چوتھی مرتبہ دائیں ہاتھ کے چلو میں پانی لے کر اس کو پیشانی پر رکھ چھوڑا جو آپ کے چہرہ پر اتر آیا، اشکال ظاہر ہے کہ یہ تثلیث غسل پر زیادتی ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

امام بخاری کا اس حدیث پر نقد اور اس پر حضرتؒ کا اشکال: اسکا اور گزشتہ وآئندہ آنے والے سب اشکالات کا ایک مشترکہ جواب تو یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے، چنانچہ منذریؒ کہتے ہیں: وفیہ مقال۔ امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو اس پر انہوں نے اس حدیث کی تضعیف[2] کی دوسرا جواب اس اشکال کا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے اپنی پیشانی پر جو پانی ڈالا یہ تکمیل وضو کے طور پر نہیں بلکہ یہ تبرید اتھا، یعنی محض

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود ج ١ ص ٢٩٤

[2] حضرتؒ نے بذل میں اس حدیث کی تضعیف پر اشکال کیا ہے کہ جب اس حدیث کی سند کے تمام رواۃ ثقات ہیں، تو پھر ضعیف کیوں ہے، حضرتؒ نے بذل میں تضعیف والے جواب کو نہیں اختیار فرمایا بلکہ تاویل کا پہلو اختیار فرمایا ہے، لیکن احقر عرض کرتا ہے کہ اہل اصول نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ثقاہت رواۃ صحت حدیث کو مستلزم نہیں صحت حدیث کیلئے اور بھی دوسری شرطیں ہیں جن کے مفقود ہونے سے باوجود رجال کے ثقہ ہونے کے حدیث ضعیف ہو سکتی ہے، اس حدیث میں بہت سی باتیں خلاف معہود اور شاذ ہیں، اس بناء پر اس کو ضعیف کہنا درست ہوگا، ویسے بھی حضرت امام بخاریؒ ناقدین فن میں سے ہیں۔

چہرہ کو ٹھنڈک پہنچانے کیلئے، اور امام نوویؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہو سکتا ہے پیشانی کا بالائی حصہ تین بار میں اچھی طرح تر نہ ہوا ہو اس لئے اس کی تکمیل میں آپ نے ایسا کیا، اور بعض نے کہا کہ یہ جو چوتھی مرتبہ آپ نے مقدم راس پر پانی ڈالا تھا یہ اصل ہے فقہاء کے اس قول کی کہ آدمی کو چاہئے کہ چہرہ دھوتے وقت پیشانی کے ساتھ مقدم راس کا بھی کچھ حصہ دھولے استیعاب وجہ کے قصد سے۔

حدیث سے مسح رجلین پر استدلال اور اس کے جوابات: فَضَرَبَ بِهَا عَلَى رِجْلِهِ، وَفِيهَا النَّعْلُ: یعنی حضرت علیؓ نے بغیر جوتے نکالے پاؤں کو اس طرح دھویا کہ ایک لپ پانی پاؤں پر ڈالا اور پھر پاؤں کو ہاتھ سے مل لیا، پھر ایک لپ پانی دوسرے پاؤں پر اسی طرح ڈال کر کیا، یہاں پر اشکال یہ ہے کہ ہر ایک پاؤں کو صرف ایک لپ پانی سے دھو رہے ہیں باوجودیکہ پاؤں جوتے کے اندر ہیں، جوتے سے باہر نہیں نکالے تو ایسی صورت میں غسل قدمین کا تحقق کیسے ہو سکتا ہے جب کہ پانی کی مقدار بھی قلیل ہی ہے، اسی لئے بعض نے اس سے مسح قدمین پر استدلال کیا ہے، اس اشکال کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں، ایک جواب ابھی قریب میں اوپر گزرا کہ حدیث ضعیف ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ غسل رجلین کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ و علیؓ کی روایات مختلف ہیں، بعض سے غسل ثابت ہوتا ہے اور بعض سے مسح، اور حال یہ ہے کہ روایات صحیحہ کثیرہ سے غسل رجلین ثابت ہے، لہذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے، بعض نے نسخ کا جواب دیا ہے کہ احادیث غسل نے آکر احادیث مسح کو منسوخ کر دیا، بعض نے جواب دیا کہ بیشک اس حدیث سے مسح ثابت ہو رہا ہے لیکن مسح قدمین پر نہیں تھا بلکہ جوربین پر تھا، گو یہاں پر جوربین مذکور نہیں لیکن انکی نفی بھی نہیں ہے۔

قوله: قَالَ: قُلْتُ: وَفِي النَّعْلَيْنِ؟ اس میں شراح کا اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ سوال و جواب کن دو شخصوں کے درمیان ہے، اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ سوال ابن عباسؓ اور انکے شاگرد عبید اللہ خولانی کے درمیان ہے عبید اللہ اپنے استاذ ابن عباسؓ سے بطور تعجب دریافت کر رہے ہیں کہ کیا انہوں نے باوجود نعلین کے غسل قدمین کیا، انہوں نے کہا ہاں! ایسا ہی کیا، اور یہی سوال و جواب بار بار ہوتا رہا، غالباً منشاء تعجب یہ ہے کہ اس سے مسح رجلین کا شبہ ہوتا ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ سوال و جواب حضرت علی و ابن عباس کے درمیان ہے، لیکن اس صورت میں اشکال یہ ہوگا کہ ایک حدیث 'باب فی الوضوء مرتین' میں آرہی ہے جس کے راوی خود ابن عباسؓ ہیں اور اس میں غسل قدمین فی النعلین موجود ہے تو پھر جس مضمون کو وہ خود روایت کر رہے ہیں، اس پر تعجب کیوں ہو رہا ہے، اس اشکال سے بچنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ احتمال اول کو اختیار کیا جائے، اور یا یہ کہا جائے کہ ابن عباسؓ کو اس وقت اس مضمون روایت سے ذہول ہو گیا ہو۔

قول ابوداود کی تشریح: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ شَيْبَةَ إلخ: میرے نزدیک یہ قال ابوداود

خصوصیت رکھتا ہے، مشکل اور مغلق ہے، محتاج توضیح ہے، اس کا حاصل [1] یہ ہے کہ مصنفؒ نے اب تک حضرت علیؓ سے جتنی روایات ذکر کی ہیں ان میں سے کسی طریق میں مسح رأسہ ثلاثاً مذکور نہیں ہے، اب یہاں سے مصنفؒ یہ فرمارہے ہیں کہ حدیث علی کا ایک طریق اور ہے جو اب تک کتاب میں نہیں آیا یعنی طریق ابن جریج اسکو یہاں تعلیقاً ذکر فرمارہے ہیں اور یہ فرمارہے ہیں کہ ابن جریج کا جو طریق ہے وہ مختلف فیہ ہے، ابن جریج کے بعض شاگردوں نے ان سے مسح برأسہ مرۃ ذکر کیا ہے اور یہ شاگرد حجاج بن محمد ہیں اور ان کے بعض شاگردوں نے ان سے مسح برأسہ ثلاثاً ذکر کیا اور یہ شاگرد ان کے ابن وہب ہیں، اب مصنفؒ یہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ ابن جریج کے ان دو طریق میں حجاج بن محمد کا جو طریق ہے جس میں مسح برأسہ مرۃً مذکور ہے یہ حضرت علیؓ کی گزشتہ روایات کے مطابق ہے، کیونکہ اب تک حضرت علیؓ کی جتنی روایات آئی ہیں ان میں بھی توحید مسح ہی مذکور ہے، لہذا حجاج بن محمد کی روایت راجح ہوگی ابن وہب کی روایت سے۔

جاننا چاہئے کہ حجاج بن محمد کے طریق میں ابن جریج کے استاذ اور ہیں اور ابن وہب کے طریق میں ابن جریج کے استاذ دوسرے ہیں۔ حجاج بن محمد کی سند اس طرح ہے 'عن حجاج بن محمد عن ابن جریج عن شیبة عن ابی جعفر عن ابیه عن جده عن علی' اور ابن وہب کی اس طرح ہے 'عن ابن وهب عن ابن جریج عن محمد بن علی بن حسین عن ابیه عن جده عن علی' حجاج کی روایت کی امام نسائی نے تخریج کی ہے اور ابن وہب کی روایت کی بیہقی نے جیساکہ حضرتؒ نے بذل [2] میں تحریر فرمایا ہے، اور ابوداود کی حضرت علیؓ کی گزشتہ روایات توحید مسح میں حدیث ابن جریج عن شیبہ کے مشابہ ہیں، اور حدیث ابن جریج عن محمد بن علی کے مخالف ہیں کیونکہ حدیث ابن جریج عن محمد بن علی میں تثلیث مسح مذکور ہے۔

ہماری اس جملہ تقریر سے معلوم ہوا کہ مصنفؒ کے اس کلام میں حدیث ابن جریج عن شیبہ جس کے راوی حجاج بن محمد ہیں وہ مشبہ ہے اور گزشتہ روایات علی مشبہ بہ اور وجہ تشبیہ توحید مسح ہے، اور یہ وجہ شبہ، حدیث ابن جریج عن محمد بن علی میں جس کو مصنفؒ نے بعد میں ذکر کیا ہے نہیں پائی جارہی ہے اسی لئے وہ مرجوح ہے۔

۱۱۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ - وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ -: هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ عَبْدُ

---

[1] مصنفؒ نے حضرت علیؓ کی حدیث مختلف طرق واسانید سے ماقبل میں ذکر فرمائی ہے، لیکن ان میں ابن جریج کے طریق سے کوئی روایت نہیں آئی، نسائی اور بیہقی نے اسکی تخریج کی ہے، مصنفؒ تعلیقاً اس روایت کو یہاں ذکر فرمارہے ہیں لیکن طرق ابن جریج میں ان کے شاگردوں کا اختلاف ہے وہ یہ کہ حجاج بن محمد نے تو ان سے مسح راس مرۃً ذکر کیا ہے، اور ابن وہب نے ان سے مسح راس ثلاثاً ذکر کیا ہے، مصنفؒ فرماتے ہیں چونکہ اب تک جتنی احادیث علی کی بیان ہوئی ہیں سب میں مسح راس مرۃً ہے، اسلئے حجاج کی روایت کو ترجیح ہوگی ابن وہب کی روایت پر، لہذا احادیث علی میں صحیح اور راجح مسح راس مرۃً ہوا نہ کہ ثلاثاً، جیساکہ حدیث عثمان میں بھی ایسا ہی ہے کہ صحیح مسح راس مرۃً ہی ہے، کما تقدم التصریح بذلك عن المصنفؒ، اس حاشیہ سے مقصود صرف مزید توضیح مقام ہے۔ ۱۲ منہ

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۱ ص ۲۹۶

اللهِ بْنُ زَيْدٍ: نَعَمْ، «فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ، ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ، ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ».

ترجمہ: یحییٰ بن عمارہ نے عبد اللہ بن زید سے کہا...... عبد اللہ بن زید بن عاصم عمرو بن یحییٰ المازنی کے دادا ہیں (یہ ابو داؤد کی روایت میں وہم واقع ہوا ہے)...... کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن زید نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن زید نے وضو کا پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر انڈیلا اور دونوں ہاتھوں کو دھویا۔ پھر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک صاف کی۔ پھر تین مرتبہ اپنے چہرے کو دھویا پھر دو دو دفعہ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ پس وہ دونوں ہاتھوں کو گدی سے پیشانی کی طرف لے گئے اور پیشانی سے گدی کی طرف لے آئے۔ حضور اکرم ﷺ نے سر کے مسح کی ابتداء پیشانی سے فرمائی تھی۔ پھر حضور ﷺ اپنے دونوں ہاتھوں کو گدی کی طرف لے گئے تھے۔ پھر ان دونوں ہاتھوں کو گدی سے واپس لائے۔ یہاں تک کے جس جگہ سے آپ نے سر کے مسح کی ابتداء فرمائی تھی وہاں دونوں ہاتھ واپس پہنچ گئے۔ پھر آپ نے اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔

١١٩ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: «فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ» يَفْعَلُ ذَلِكَ، ثَلَاثًا، ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: عبد اللہ بن زید بن عاصم سے یہ حدیث مروی ہے اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے ایک ہی ہتھیلی سے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی ڈالا۔ تین مرتبہ اسی طرح کرتے رہے۔ پھر خالد راوی نے امام مالک کی حدیث کی طرح روایت نقل کی۔

تخریج: صحيح البخاري-الوضوء(١٨٣)صحيح البخاري-الوضوء(١٨٤)صحيح البخاري-الوضوء(١٨٨)صحيح البخاري-الوضوء(١٨٩)صحيح البخاري-الوضوء(١٩٤)صحيح البخاري-الوضوء(١٩٦)صحيح مسلم-الطهارة(٢٣٥)صحيح مسلم-الطهارة(٢٣٦)جامع الترمذي-الطهارة(٣٢)جامع الترمذي-الطهارة(٣٥)سنن النسائي-الطهارة(٩٧)سنن أبي داود-الطهارة(١١٨)سنن ابن ماجه-الطهارة وسننها(٤٣٤)مسند أحمد-أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين(٣٨/٤)مسند أحمد-أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين(٣٩/٤)مسند أحمد-أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين(٤٠/٤)مسند أحمد-أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين(٤١/٤)مسند أحمد-أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين(٤٢/٤)موطأ مالك-الطهارة(٣٢)سنن الدارمي-الطهارة(٦٩٤)

١٢٠ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّ حَبَّانَ بْنَ وَاسِعٍ، حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيَّ، يَذْكُرُ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ وُضُوءَهُ، وَقَالَ: «وَمَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ حَتَّى أَنْقَاهُمَا».

ترجمہ: حبان بن واسع فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن زید بن عاصم المازنی سے سنا کہ وہ ذکر کر رہے تھے کہ انہوں

نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت فرمائی ہے چنانچہ عبد اللہ بن زیدؓ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کرنے کا طریقہ ذکر فرمایا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح ایسے پانی سے فرمایا تھا جو آپ کے دونوں ہاتھوں پر موجود استعمال شدہ پانی کے علاوہ تھا (یعنی نئے پانی سے سر کا مسح فرمایا تھا) اور آپ نے دونوں پاؤں کو اس قدر دھویا کہ ان سے میل کچیل دور فرمادی۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (١٨٣) صحيح البخاري - الوضوء (١٨٤) صحيح البخاري - الوضوء (١٨٨) صحيح البخاري - الوضوء (١٨٩) صحيح البخاري - الوضوء (١٩٤) صحيح البخاري - الوضوء (١٩٦) صحيح مسلم - الطهارة (٢٣٦) جامع الترمذي - الطهارة (٣٢) جامع الترمذي - الطهارة (٣٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٢٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٣٤) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٣٨/٤) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٣٩/٤) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٤٠/٤) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٤١/٤) موطأ مالك - الطهارة (٣٢)

شرح الأحاديث یہاں سے عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ کی مسانید کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

عبداللہ بن زید سے سوال کرنے والے شخص کی تعیین میں اختلافات روایات: أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ - وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ: یعنی عمرو بن یحییٰ روایت کرتے ہیں اپنے باپ یحییٰ سے کہ یحییٰ نے عبد اللہ بن زید سے سوال کیا، سوال آگے مذکور ہے هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُرِيَنِي؟ کیا آپ مجھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے دکھلا سکتے ہیں۔ ابو داؤد کی اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ عبد اللہ بن زید سے وضو کا طریقہ معلوم کرنے والے یحییٰ ہیں، اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں اس حدیث میں ایک مشہور بحث تو یہ ہے کہ سائل کون ہے؟ اور دوسری بحث یہ ہے کہ وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى میں ضمیر کس کی طرف راجع ہے اور عمرو بن یحییٰ کا دادا کس کو کہا جا رہا ہے؟

اول کا جواب یہ ہے کہ ابو داود کی اس روایت سے تو معلوم ہو رہا ہے کہ سائل یحییٰ ہیں، اور موطا امام محمد [1] کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل یحییٰ کے دادا یعنی ابو الحسن ہیں، اور بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل یحییٰ کے چچا عمرو بن ابی الحسن ہیں، نیز بخاری کی ایک روایت میں أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللهِ [2] ہے یعنی سائل رجل مبہم ہے اس کی تعیین نہیں، اس کو سمجھنے کیلئے عمرو بن یحییٰ کا سلسلہ نسب معلوم ہونا ضروری ہے اور وہ اس طرح ہے:

أبو الحسن

عمرو — عمارة

يحيى

عمرو

---
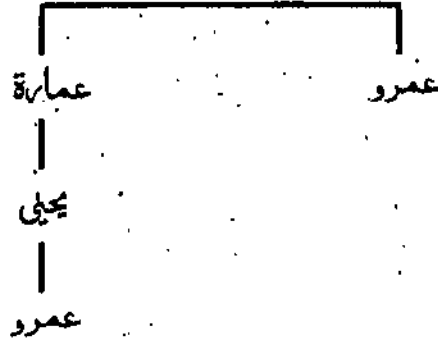
[1] أخبرنا مالك أخبرنا عمرو بن يحيى بن عمارة بن أبي حسن المازني عن أبيه يحيى أنه سمع جده أبا حسن يسأل عبد الله بن زيد بن عاصم (موطأ الإمام مالك - رواية محمد بن الحسن - أبواب الصلاة - باب ابتداء الوضوء ٥)

[2] صحيح البخاري - كتاب الوضوء - باب مسح الرأس كله ١٨٣

حافظ ابن حجرؒ چونکہ شارح بخاری ہیں، اس لئے انہوں نے ان مختلف روایات کے درمیان جمع کرتے ہوئے بخاریؒ کی روایت کو اصل ٹھہرایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان روایات مختلفہ کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایک مجلس جس میں ابوالحسن اور عمرو بن ابی الحسن اور یحیٰ تینوں موجود تھے، اس مجلس میں سے عمرو نے عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے سوال کیا، لہذا عمرو کی طرف سوال کی نسبت تو حقیقی ہے، اور ابوالحسن کی طرف اس حیثیت سے ہے کہ وہ مجلس کے بڑے تھے، اور یحیٰ کی طرف نسبت اس وجہ سے کردی گئی کہ وہ بوقت سوال مجلس میں موجود تھے۔

ابوداؤد کی روایت میں ایک وہم اور اسکی تحقیق وتصحیح: دوسری بحث کی تحقیق یہ ہے کہ ابوداؤد کی اس روایت سے معلوم ہورہا ہے کہ ھو ضمیر عبداللہ بن زید کی طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ عبداللہ بن زید بن عاصم عمرو بن یحیٰ کے دادا ہیں، حالانکہ یہ واقع کے بالکل خلاف ہے ان کے دادا تو عمارہ ہیں جیسا کہ نقشہ میں مذکور ہے، نیز معلوم ہونا چاہئے کہ مؤطا مالکؒ کی روایت کے الفاظ بھی بعینہ اسی طرح ہیں، لہذا یہی اشکال وہاں بھی ہوگا، تحقیق اس سلسلہ میں یہ ہے کہ دراصل اس روایت میں کسی راوی [1] سے وہم واقع ہوا ہے، اصل روایت کے الفاظ وہ ہیں جو بخاری شریف میں ہیں أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى اس روایت سے اشکال ختم ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ یہاں پر اس روایت میں عبداللہ بن زید صحابی کا کسی سے رشتہ نہیں بیان کیا جارہا ہے بلکہ سند میں جو رجل مبہم مذکور ہے یعنی سائل، اسکی تعیین مقصود ہے کہ وہ رجل سائل عمرو بن یحیٰ کے دادا ہیں، اور سائل کی تحقیق ہمارے یہاں حافظ کے کلام سے پہلے گزر چکی ہے کہ وہ عمرو بن ابی الحسن ہیں، اور عمرو بن ابی الحسن، عمرو بن یحیٰ کے اگرچہ دادا نہیں لیکن دادا کے بھائی تو ہیں جیسا کہ نقشہ سے واضح ہورہا ہے، فالحمد للہ بخاری کی اس روایت سے صحیح صورتحال معلوم ہوگئی، سند کی مذکورہ بالا تحقیق حضرتؒ نے بذل میں اسی طرح تحریر فرمائی ہے اور ایسے ہی الفیض السمائی میں بھی ذکر کی گئی ہے۔

قولہ: فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ: یعنی دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا، اور مسح کے وقت یدین کا اقبال اور ادبار کیا، اقبال کے معنی ہیں توجہ الی القبل یعنی پیچھے سے آگے کی طرف آنا، اور ادبار کے معنی ہیں توجہ الی الدبر یعنی آگے سے پیچھے کی طرف جانا، اور بِهِمَا میں باء تعدیہ کیلئے ہے لہذا ترجمہ ہوگا: لائے دونوں ہاتھوں کو آگے کی طرف اور لے گئے دونوں ہاتھوں کو پیچھے کی طرف، اگلے جملہ میں اسی اقبال وادبار کی ترتیب مذکور ہے۔

کیفیت مسح راس میں دلیل جمہور: بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ: یعنی مسح راس کی ابتداء سر کے اگلے حصہ سے

---

[1] شراح موطا کا خیال یہ ہے کہ یہ وہم خود امام مالکؒ ہی سے ہوا، امام مالکؒ اس سند کے راوی ہیں انہوں نے جب بھی اس روایت کو نقل کیا، اسی طرح کیا، چنانچہ ابوداؤدؒ کی اس روایت کی سند میں بھی امام مالکؒ ہیں اور بعض اکابر محدثین علماء رجال میں سے اس روایت پر اعتماد کرنے کی وجہ سے غلطی میں مبتلا ہوئے، چنانچہ انہوں نے ھو ضمیر عبداللہ بن زید ہی کی طرف راجع کی اور یہ کہا کہ عبداللہ بن زید، عمرو بن یحیٰ کے نانا ہیں حالانکہ فی الواقع نہ دادا ہیں نہ نانا۔

کی، سر کے اگلے حصہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر ان کو پیچھے کی طرف لے گئے، یہ تو ادبار ہوا ثم ردّهما الى المكان الذى بدأ منه یہ اقبال ہوا، اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ مسح راس کی ابتداء مقدم راس سے ہوگی جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے، نیز تفسیر راوی سے معلوم ہوا کہ لفظ أَقْبَلَ بِهِمَا گو ذکر میں مقدم ہے، لیکن وجود میں وہ مؤخر ہے، اور ادبر اگرچہ لفظاً مؤخر ہے لیکن وجوداً مقدم ہے، اور اس میں من حیث العربیۃ کوئی اشکال نہیں، اس لئے کہ واؤ ترتیب کیلئے نہیں آتا اور یہاں اقبال وادبار کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ہم نے شروع میں بیان کیا تھا کہ مسح راس میں چار بحثیں ہیں ان میں ایک بحث کیفیت مسح کی تھی۔

امام ترمذیؒ نے مسح راس کی کیفیت کے سلسلہ میں دو باب قائم کئے ایک باب میں مسلک جمہور یعنی بدایۃ بمقدم الرأس کو بیان فرمایا، اور دوسرے باب میں مستقلاً بدایۃ بمؤخر الرأس کو بیان کیا، اور اس دوسرے باب میں انہوں نے ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ کی روایت ذکر فرمائی جو آگے ابوداود میں بھی آرہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّتَيْنِ، بَدَأَ بِمُؤَخَّرِ رَأْسِهِ [1] یہ حدیث ربیع، وکیع بن الجراحؒ کے مسلک کی دلیل ہے، اور جمہور کی دلیل عبداللہ بن زید بن عاصمؓ کی یہ حدیث ہے، امام ترمذیؒ نے فرمایا وَحَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ أَصَحُّ لہٰذا حدیث ربیع جو جمہور کے خلاف ہے وہ مرجوح اور ضعیف ہے، بظاہر وہ روایت غلط فہمی پر مبنی ہے، روایت کے اصل الفاظ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ تھے اقبال چونکہ پہلے مذکور ہے اور ادبار بعد میں کسی راوی نے یہ سمجھا ہوگا کہ جس طرح اقبال لفظاً مقدم ہے شاید وجوداً بھی مقدم ہو، اس غلط فہمی کے پیش نظر اس نے روایت اس طرح نقل کی بَدَأَ بِمُؤَخَّرِ رَأْسِهِ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو یوں کہا جائے گا کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے کسی وقت مسح کی ابتداء مؤخر راس سے فرمائی ہو بیان جواز کیلئے۔

نیز اس حدیث ربیع میں ایک چیز اور قابل اشکال ہے یعنی 'مَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّتَيْنِ' یہ بھی بظاہر وہی غلط فہمی ہے کہ راوی نے اقبال وادبار دونوں کو مستقل شمار کر کے مرتین کہدیا، حالانکہ اقبال وادبار سے مقصود تکرار نہیں ہے بلکہ استیعاب راس مقصود ہے لہٰذا اس حدیث میں دو وہم ہوئے۔

قوله: فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ: اس میں دو احتمال ہیں، یا تو یہ کہ اس سے مقصود تخصیص کف ہے، یعنی جس ہاتھ سے مضمضہ کیا اسی سے استنشاق کیا یعنی کف یمنی بخلاف استنثار کے کہ وہ بائیں ہاتھ سے ہوتا ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ وحدت ماء کو بیان کرنا ہے کہ ایک چلو میں پانی لے کر اسی سے مضمضہ اور استنشاق دونوں کیا یعنی وصل بین المضمضة والاستنشاق کیا اور یہ ہمارے یہاں بھی جائز ہے گو خلاف اولیٰ ہے، اس پر تفصیلی کلام باب کی پہلی حدیث کے ذیل میں گزر چکا۔

مسح راس کیلئے تجدید ماء کی بحث: قوله: وَمَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ: یعنی مسح راس ماء جدید سے کیا، ہاتھوں پر بچی ہوئی تری سے نہیں کیا، مسح راس کیلئے تجدید ماء ضروری ہے یا نہیں؟ باب کی حدیث اول میں اختلافات

[1] جامع الترمذی - کتاب الطهارة - باب ما جاء أنه يبدأ بمؤخر الرأس ۳۲

گزر چکے، شافعیہ حنابلہ کے یہاں تجدید ماء ضروری ہے، حنفیہ کے یہاں ضروری نہیں صرف سنت ہے روایات حدیثیہ دونوں طرح کی ہیں، بعض سے تجدید ماء ثابت ہے اور بعض سے نہیں حنفیہ کے مسلک کے تو ان میں سے کوئی سی بھی خلاف نہیں، کیونکہ ہمارے یہاں دونوں جائز ہیں، لیکن ان میں ایک نوع کی روایات یعنی جن میں تجدید ماء نہیں ہے وہ شافعیہ کے خلاف ہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اس تجدید ماء والی روایت سے اس بات پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ بقیہ تری سے مسح راس جائز نہیں، کیونکہ اس حدیث سے مسح راس کیلئے تجدید ماء کا صرف ثبوت ہو رہا ہے اور اس کا ضروری و شرط ہونا معلوم نہیں ہو رہا نفس فعل لزوم پر دلالت نہیں کرتا[1]، امام نوویؒ کی یہ بات قاعدہ اور انصاف کی ہے ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تجدید ماء والی روایت حنفیہ کے خلاف نہیں۔

جاننا چاہئے کہ حدیث الباب یعنی عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ کی حدیث کے راوی حبان بن واسع ہیں اور پھر ان سے روایت کرنے والے ایک تو عمرو بن الحارث ہیں جیسا کہ یہاں کتاب میں ہے اور دوسرے ابن لہیعہ ہیں امام ترمذیؒ نے دونوں طریق کو ذکر کیا ہے، اور ان دونوں کی روایت کے الفاظ مختلف ہیں عمرو بن الحارث کی روایت کے الفاظ تو آپ کے سامنے ہیں یعنی بِماءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ اور ابن لہیعہ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: بِماءٍ غَبَرَ فَضْلِ يَدَيْهِ[2]، غبر بمعنی بقی کا ماضی کا صیغہ ہے، اور فضل یدیہ ماغبر سے بدل واقع ہو رہا ہے اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے سر کا مسح باقی رہنے والی تری سے کیا، صرف ایک نقطہ کے فرق سے مضمون برعکس ہو گیا، اب احناف کیلئے تو اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں کیونکہ ہمارے یہاں دونوں طرح جائز ہے، لیکن یہ ابن لہیعہ والی روایت شافعیہ کے خلاف ہے، امام ترمذیؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ عمرو بن الحارث کی روایت اصح ہے اور ابن لہیعہ ضعیف ہیں، لیکن جاننا چاہئے کہ ابن لہیعہ کی روایت کے ہم معنی ایک اور حدیث ابو داود میں آگے آ رہی ہے، یعنی حدیث ربیع بنت معوذ جس کے الفاظ یہ ہیں: مَسَحَ بِرَأْسِهِ مِنْ فَضْلِ مَاءٍ كَانَ فِي يَدِهِ[3] جو حنفیہ کی صریح دلیل ہے، اور جس روایت میں تجدید ماء مذکور ہے اول تو وہ ہمارے خلاف نہیں ہم خود سنیت تجدید ماء کے قائل ہیں، اور بعض احناف نے اسکے بارے میں کہا کہ تجدید والی روایت اس صورت پر محمول ہے جب ہاتھ پر تری باقی نہ رہی ہو، اور اسکے بالمقابل شافعیہ کی جانب سے امام بیہقیؒ نے فضل ماء والی روایت کی توجیہ یہ کی ہے کہ آپ نے مسح راس کیلئے ہاتھ میں پانی لیا، اور پھر اس کو چھوڑ دیا، چھوڑنے کے بعد جو تری ہاتھوں پر باقی رہی اس سے مسح راس فرمایا، سبحان اللہ! جواب ترکی بترکی۔

غسل رجلین میں تثلیث کی قید ہے کہ نہیں؟ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ حَتَّى أَنْقَاهُمَا: اب تک روایات میں

---

[1] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٣ ص ١٢٥
[2] جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب ما جاء أنه يأخذ لرأسه ماء جديدا ٣٥
[3] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب صفة وضوء النبي صلى الله عليه وسلم ١٣٠

غسل رجلین کے بارے میں ثلاثا ثا کا لفظ آ تارہا، اور یہاں بجائے اسکے حَتَّى أَنْقَاهُمَا کا لفظ وارد ہے، یعنی دونوں پاؤں کو دھوتے رہے یہاں تک کہ ان کو بالکل صاف کر دیا، اس سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ غسل رجلین میں تثلیث کی قید نہیں، بلکہ وہاں پر مقصود انقاء ہے جتنی مرتبہ میں بھی حاصل ہو، چنانچہ مالکیہ کے یہاں ایک قول یہی ہے، اور اس لفظ سے بظاہر ان کی تائید ہو رہی ہے لیکن چونکہ اکثر روایات میں ثلاثا وارد ہوا ہے اس لئے جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے، دوسرا قول مالکیہ کے یہاں بھی جمہور کی طرح ہے۔

۱۲۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ، حَدَّثَنَا حَرِيزٌ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَيْسَرَةَ الْحَضْرَمِيُّ، سَمِعْتُ الْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِي كَرِبَ الْكِنْدِيَّ، قَالَ: «أُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ ظَاهِرِهِمَا وَبَاطِنِهِمَا».

ترجمہ: مقدام بن معدیکرب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس وضو کا پانی لایا گیا۔ چنانچہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے وضو فرمایا۔ پس اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین مرتبہ دھویا پھر تین مرتبہ کلی فرمائی اور ناک میں تین دفعہ پانی ڈالا اور اپنے چہرہ کو تین مرتبہ دھویا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو تین تین مرتبہ دھویا پھر اپنے سر کا مسح فرمایا اور اپنے دونوں کانوں کی بیرون اور اندرون کا مسح فرمایا۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۱۲۱) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۴۴۲) مسند أحمد - مسند الشاميين (۱۳۲/۴)

۱۲۲ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ، وَيَعْقُوبُ بْنُ كَعْبٍ الْأَنْطَاكِيُّ - لَفْظُهُ - قَالَا: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ حَرِيزِ بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، فَلَمَّا بَلَغَ مَسْحَ رَأْسِهِ، وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى مُقَدَّمِ رَأْسِهِ، فَأَمَرَّهُمَا حَتَّى بَلَغَ الْقَفَا، ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ»، قَالَ مَحْمُودٌ: قَالَ: أَخْبَرَنِي حَرِيزٌ.

ترجمہ: مقدام بن معدیکرب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر جب آپ اپنے سر کے مسح تک پہنچے تو آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنی پیشانی پر رکھیں اور ان دونوں ہتھیلیوں کو کھینچ کر گدی تک لے گئے پھر ان دونوں ہتھیلیوں کو اس جگہ واپس لے آئے جس جگہ سے آپ نے مسح کی ابتداء فرمائی تھی۔ امام ابو داؤد کے استاد محمود کہتے ہیں کہ میرے استاد ولید بن مسلم نے حریز سے یہ حدیث لفظ أَخْبَرَنِي سے نقل کی ہے (جبکہ یعقوب استاد نے یہ حدیث ولید سے عن حریز معنعن نقل کی تھی)۔

۱۲۳ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ، وَهِشَامُ بْنُ خَالِدٍ، الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، قَالَ: «وَمَسَحَ بِأُذُنَيْهِ ظَاهِرِهِمَا

وَبَاطِنِهِمَا» . زَادَ هِشَامٌ «وَأَدْخَلَ أَصَابِعَهُ فِي صِمَاخِ أُذُنَيْهِ».

ترجمہ محمود بن خالد اور ہشام بن خالد نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے (اس میں یہ الفاظ ہیں) کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دونوں کانوں کے اندرون اور بیرون کا مسح فرمایا۔ ہشام راوی نے یہ اضافہ کیا کہ آپ نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں کے سوراخ میں داخل کیں۔

تخریج سنن أبي داود – الطهارة (١٢٢) سنن ابن ماجه – الطهارة وسننها (٤٤٢) مسند أحمد – مسند الشاميين (١٣٢/٤)

شرح الاحادیث **مسانید مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ:** حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ: اب یہاں سے مصنفؒ مقدام بن معد یکربؓ کی مسانید کو بیان کرتے ہیں جو اس باب کی روایات کے اعتبار سے چوتھے صحابی ہیں۔

قوله: ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ: اس حدیث میں مضمضہ واستنشاق غسل وجہ اور یدین کے بعد آیا ہے جو ترتیب مسنون کے خلاف ہے لیکن یہاں پر نسخ ابوداود مختلف ہیں، بعض نسخوں میں یہ حدیث ترتیب مسنون ہی کے مطابق ہے جیسا کہ حضرتؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے، بہر حال اگر ہم اپنے نسخہ کی ترتیب کا اعتبار کریں تو یہ کہا جائے گا کہ یہ روایت شاذ ہے اور روایات شہیرہ صحیحہ کے خلاف ہے، لہٰذا وہ روایات راجح اور یہ مرجوح ہوگی اور عمل راجح پر ہوتا ہے نہ کہ مرجوح پر، یا اسکو بیان جواز پر محمول کیا جائے ممکن ہے آپ ﷺ نے گاہے بیان جواز کیلئے ترتیب مسنون کے خلاف کیا ہو، اس لئے کہ اعضاء وضو کے درمیان ترتیب حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں واجب نہیں، ہاں! البتہ شافعیہ وحنابلہ کے یہاں واجب ہے، وہ حضرات اس کو خلاف مذہب ہونے کی وجہ سے بیان جواز پر محمول نہیں کر سکتے، ان کے یہاں اس حدیث کا مرجوح اور شاذ ہونا متعین ہے۔

ترتیب فی الوضوء میں مذاہب ائمہ اور انکے دلائل: شافعیہ وحنابلہ وجوب ترتیب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ وضو اسی ترتیب سے کی جو احادیث میں مذکور ہے کبھی اسکے خلاف نہیں کیا، اگر یہ ترتیب واجب نہ ہوتی تو کبھی تو بیان جواز کیلئے اسکو ترک کرتے، جیسا کہ تثلیث صرف سنت ہے، آپ نے بیان جواز کیلئے بسا اوقات اس کو ترک کیا ہے۔

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللهُ بِهِ [1] گو یہ حدیث کتاب الحج کی ہے لیکن حکم تو عام ہوگا، لہٰذا جو ترتیب قرآن کریم میں مذکور ہے اسکو اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

نیز آیت وضو میں اعضاء مغسولہ کے بیچ میں عضو ممسوح کو ذکر فرمایا ہے، ایسا نہیں کیا کہ اعضاء مغسولہ سب کے سب ایک طرف ذکر کردیئے ہوں اور عضو ممسوح کو الگ، تو متجانسین کے درمیان خلاف جنس کو ذکر کرنا یہ کسی خاص نکتہ اور فائدہ کو مقتضی ہے، ورنہ بلا فائدہ ونکتہ کے عرب لوگ متجانسین کے درمیان تفریق نہیں کرتے "تفريق المتجانسين لايرتكبه العرب

---

[1] صحيح مسلم – كتاب الحج – باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم ١٢١٨

الا لفائدة" اور فائدہ اور نکتہ یہاں پر وجوب ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

ہماری طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا کہ یہ صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے وضو ہمیشہ مرتباً فرمائی ہے، ترتیب کے خلاف کبھی نہیں کیا، لیکن مجرد فعل وجوب پر نہیں دلالت کرتا، اور یہ احادیث میں اعضاء وضو کے درمیان جو لفظ ثم مذکور ہے (جو ترتیب پر دال ہے) وہ راوی کا لفظ ہے حضور ﷺ کے کلام میں نہیں، تا کہ اس سے ترتیب پر استدلال کیا جائے، بس زائد سے زائد اتنا کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے وضو مرتباً فرمائی اور مجرد فعل وجوب کو مقتضی نہیں ہے، اول تو یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ ایک ہی ترتیب سے وضو فرمائی ہے، چنانچہ زیر بحث حدیث اس کے لئے شاہد عدل ہے۔

نیز آیت کریمہ میں اعضاء وضو کو گو ایک خاص ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے، لیکن وہاں پر تعبیر میں حرف واؤ ہے، اعضاء وضو میں سے ایک کا جو دوسرے پر عطف کیا گیا ہے وہ واؤ کے ذریعہ سے ہے جو کہ مطلق جمع کیلئے آتا ہے، البتہ فاء آیت وضو کے شروع میں لائی گئی ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا [1] جس کا تعلق مجموع وضو سے ہے، یعنی یہ کہ وضو کا تحقق ارادۂ قیام الی الصلوۃ کے بعد ہونا چاہئے تو اس فاء سے قیام الی الصلوۃ اور وضو کے درمیان ترتیب مستفاد ہو رہی ہے، آپس میں اعضاء وضو کی ترتیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

رہی بات تفریق المتجانسین کی، تو یہ ضروری نہیں کہ اس کا نکتہ وہی ہو جو آپ فرما رہے ہیں بلکہ اس کا نکتہ ہمارے نزدیک وہ ہے جو علامہ زمخشریؒ نے بیان کیا "ولله دره" وہ یہ کہ مسح راس کو غسل رجلین پر مقدم کرنے میں اشارہ اور تنبیہ ہے اس بات کی طرف کہ غسل رجلین میں پانی کم استعمال کیا جائے اس لئے کہ عام لوگوں کی عادت ہے کہ وہ پاؤں پر زیادہ پانی بہاتے ہیں، جتنا برتن میں بچ جاتا ہے، سب بلا ضرورت پاؤں پر بہا دیتے ہیں، لہذا آیت کریمہ میں غسل رجلین کو ذکر کرنے سے قبل مسح راس کو ذکر کیا گیا گویا تقلیل ماء کی طرف اشارہ کیا گیا، مسح میں ظاہر ہے کہ پانی بہت ہی کم خرچ ہوتا ہے۔ الحمد اللہ یہاں تک باب کی ان تین چار حدیثوں میں تقریباً تمام مسائل وضو اختلافی وغیر اختلافی سب آگئے ہیں، دو مسئلے اور ہمارے ذہن میں آرہے ہیں جن کا یہاں ذکر کر دینا مقام کے مناسب ہے۔

① نیت: جمہور علماء وائمہ ثلاثہ کے نزدیک طہارت صغریٰ و کبریٰ دونوں میں نیت ضروری اور شرط ہے اور احناف کے یہاں صرف سنت یا مستحب ہے، حنفیہ کی دلیل اس سلسلہ میں حدیث مفتاح الصلوۃ الطہور کے ذیل میں گزر گئی دوبارہ یہاں ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔

② موالاۃ فی الوضوء، ابھی یاد آیا کہ اس سلسلہ میں تو کتاب میں مستقل باب آرہا ہے جس کا عنوان ہے "باب فی تفریق الوضوء" لہذا اس پر کلام وہیں ہو جائے گا۔

---

[1] جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو (سورۃ المائدۃ ٦)

دلک فی الوضوء میں مسلک مالکیہ کی تحقیق:

③ دلک: مالکیہ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں دلک یعنی امرار الید علی الاعضاء واجب ہے، علامہ دسوقی مالکیؒ الشرح الکبیر [1] کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ غسل کا تحقق بغیر دلک یعنی امرار الید کے ہوتا ہی نہیں، ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، افاضۃ الماء اور غسل، بغیر امرار الید کے غسل نہیں کہلاتا بلکہ وہ افاضۃ الماء ہے اور ماموربہ وضو میں غسل ہے نہ کہ افاضۃ الماء، چنانچہ ان کے یہاں اگر کوئی شخص نہر یا حوض میں غوطہ لگائے اور دلک نہ کرے تو طہارت حاصل نہ ہوگی، بخلاف ائمہ ثلاثہ کے کہ ان کے یہاں حاصل ہو جائے گی۔

ابن عبد البرؒ نے کتاب الکافی میں اسی قول کو امام مالکؒ کا مذہب مشہور لکھا ہے، اور دوسرا قول انہوں نے امام مالکؒ کا یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پانی میں غوطہ لگائے اور دیر تک اس میں ٹھہرا رہے تو یہ بھی کافی ہو جائے گا اگرچہ امرار الید علی الجسد نہ پایا گیا ہو [2]۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک فرائض وضوء کی تعداد: صاوی حاشیہ جلالین میں آیت وضو کے ذیل میں لکھا ہے کہ فرائض وضو حنفیہ کے یہاں صرف چار ہیں جو آیت وضو میں مذکور ہیں یعنی غسل اعضاء ثلاثہ اور مسح راس، اور شافعیہ کے یہاں فرائض وضو کل چھ ہیں، چار تو وہی فرائض قرآنیہ (یعنی جو آیت وضو میں مذکور ہیں) اور دو اس کے علاوہ، نیت اور ترتیب، اور مالکیہ کے نزدیک فرائض وضو سات ہیں، الاربعۃ القرآنیہ اور نیت، موالاۃ، دلک (صاوی) میں کہتا ہوں کے حنابلہ کے یہاں بھی سات چیزیں فرض ہیں مثل مالکیہ کے، فرق یہ ہے کہ مالکیہ کے یہاں ساتویں چیز دلک ہے، حنابلہ کے نزدیک بجائے اس کے ترتیب ہے۔ (کما فی زاد المستقنع للحنابلۃ)

قولہ: فَلَمَّا بَلَغَ مَسْحَ رَأْسِهِ: یعنی جب حضور ﷺ وضو کرتے کرتے مسح راس پر پہنچے تو مسح اس طرح کیا جو آگے مذکور ہے۔ یہاں پر لفظ مسح مصدر ہے فعل ماضی نہیں، اور منصوب ہے بناء پر مفعولیت کے، اس جملہ میں بندہ کے نزدیک دو احتمال ہیں، اول یہ کہ یہ صحابی راوی حدیث کے الفاظ ہیں، اس صورت میں یہ اصل روایت ہوگی بغیر اختصار کے، جس کو مصنفؒ نے پورا پورا ذکر کر دیا، دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس جملہ کے قائل مصنفؒ ہیں یعنی مصنف کہہ رہے ہیں کہ مقدام بن معدیکربؓ جب روایت بیان کرتے ہوئے مسح راس پر پہنچے تو آگے اس طرح ذکر کیا: وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى مُقَدَّمِ رَأْسِهِ اس مطلب کا مقتضی یہ ہے کہ مصنفؒ نے روایت ذکر کرنے میں اختصار فرمایا، اور حدیث کے شروع کا حصہ ترک کر دیا کیونکہ اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی، اور مصنفؒ ان روایات میں صرف ان زیادات کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو شروع کی روایات مفصلہ میں نہیں ہیں، باقی

---

[1] حاشية الدسوقي على الشرح الكبير - ج ١ ص ٩٠ (دار الفكر)

[2] الكافي في فقه أهل المدينة - ص ٢٥

احتمال اول راجح ہے مراجعت الی الکتب سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

قوله: وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى مُقَدَّمِ رَأْسِهِ. فَأَمَرَّهُمَا حَتَّى بَلَغَ الْقَفَا: اسی طرح کالفظ آگے چل کر جد طلحہ کی روایت میں بھی آرہا ہے جسکے لفظ ہیں يَمْسَحُ رَأْسَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً حَتَّى بَلَغَ الْقَذَالَ - وَهُوَ أَوَّلُ الْقَفَا۔

مسح رقبہ میں اختلاف ائمہ: اس لفظ سے بعض علماء نے مسح الرقبہ پر استدلال کیا ہے جو کہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، چنانچہ ابن قدامہؒ نے مغنی میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مسح رقبہ کو مستحب لکھا ہے جو کہ امام احمدؒ کی ایک روایت ہے اور حنفیہ کی کتب میں مسح رقبہ کو مستحباب وآداب وضو میں شمار کیا ہے، اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے لیکن امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مسح رقبہ بدعت ہے "لم یثبت عن الشافعی" دوسرے علماء نے امام نوویؒ کا تعقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ انکی یہ بات صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ بغوی اور رویانی جو ائمہ شافعیہ میں سے ہیں، وہ اسکے استحباب کے قائل ہیں، ہاں! البتہ "مسح الرقبة امان من الغل یوم القیامة" حدیث ضعیف ہے اور امام نوویؒ نے اس کو موضوع کہا ہے، اس مسئلہ پر مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ کا ایک مستقل رسالہ تحفة الطلبة في مسح الرقبة کے نام سے ہے، البتہ مسح الحلقوم کا کوئی قائل نہیں، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں جیسا کہ منہل میں ہے آپ ﷺ سے مسح عنق میں قطعاً کوئی حدیث ثابت نہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ، وَهِشَامُ بْنُ خَالِدٍ: یہ مقدام بن معدیکربؓ کی حدیث کا ایک اور طریق ہے، اسکو مصنفؒ اسلئے لائے ہیں کہ اس میں ایک نئی چیز یہ ہے وَأَدْخَلَ أَصَابِعَهُ فِي صِمَاخِ أُذُنَيْهِ، اصابع کا لفظ گو جمع ہے لیکن اس سے مافوق الواحد مراد ہے، چنانچہ ربیع بنت معوذ کی روایت میں آگے آرہا ہے فَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي جُحْرَيْ أُذُنَيْهِ اور اصبعین سے مراد سباحتین ہیں جیسا کہ باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً میں آرہا ہے، حاصل یہ کہ ظاہر اذنین کا مسح ابہامین سے اور باطن اذنین کا مسح سباحتین سے ہونا چاہئے۔

یہاں پر ایک چیز اور ہے جس کو فقہاء الگ ذکر کرتے ہیں وہ یہ کہ ایک تو باطن اذنین ہے، دوسرے صماخ اذنین، شروح حدیث سے تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہو رہا ہے، چنانچہ ربیع کی روایت "فَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي جُحْرَيْ أُذُنَيْهِ" کی شرح میں حضرتؒ نے بذل میں اصبعین کی تفسیر سباحتین اور جحرین کی تفسیر صماخین کے ساتھ فرمائی ہے، اور بعض فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ باطن اذنین کا مسح سباحتین سے، اور صماخ اذنین میں خنصر کو داخل کیا جائے۔

۱۲٤ - حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ الْحَرَّانِيُّ. حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْعَلَاءِ. حَدَّثَنَا أَبُو الْأَزْهَرِ الْمُغِيرَةُ بْنُ فَرْوَةَ، وَيَزِيدُ بْنُ أَبِي مَالِكٍ. أَنَّ مُعَاوِيَةَ. تَوَضَّأَ لِلنَّاسِ كَمَا «رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ. فَلَمَّا بَلَغَ رَأْسَهُ غَرَفَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ. فَتَلَقَّاهَا بِشِمَالِهِ حَتَّى وَضَعَهَا عَلَى وَسَطِ رَأْسِهِ حَتَّى قَطَرَ الْمَاءُ. أَوْ كَادَ يَقْطُرُ. ثُمَّ مَسَحَ مِنْ مُقَدَّمِهِ إِلَى مُؤَخَّرِهِ. وَمِنْ مُؤَخَّرِهِ إِلَى مُقَدَّمِهِ».

ترجمہ: مغیرہ بن فروہ اور یزید بن ابی مالک کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے لوگوں کو دکھلانے کے واسطے وضو فرمایا جیسے حضرت معاویہؓ نے حضور ﷺ کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب حضرت معاویہؓ سر کے مسح تک پہنچے تو انہوں نے اپنے داہنے ہاتھ میں ایک چلو پانی بھرا پھر اپنے بائیں ہاتھ میں وہ چلو پانی لیا۔ پھر سر کے بیچ میں وہ چلو پانی ڈال دیا، یہاں تک کے پانی ٹپک گیا یا ٹپکنے کے قریب ہو گیا پھر سر کے اگلے حصہ سے پچھلے حصہ کی طرف اور پچھلے حصہ سے پیشانی کی طرف ہاتھ لے جاکر مسح فرمایا۔

١٢٥ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، بِهَذَا الْإِسْنَادِ، قَالَ: «فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ بِغَيْرِ عَدَدٍ».

ترجمہ: محمود بن خالد نے اسی سند سے حدیث نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ انہوں نے ہر عضو کو وضو میں تین تین مرتبہ دھویا اور پاؤں کے دھونے میں انہوں نے کسی عدد کو ذکر نہیں کیا۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (١٢٤) مسند أحمد - مسند الشاميين (٤/ ٩٤).

شرح الحدیث: **مسانید معاویہ**ؓ: قوله: فَلَمَّا بَلَغَ رَأْسَهُ غَرَفَ غَرْفَةً: یہ اس باب کے پانچویں صحابی حضرت معاویہؓ کی حدیث ہے، یعنی حضرت معاویہؓ جب وضو کرتے کرتے مسح راس پر پہنچے تو انہوں نے ایسا کیا کہ داہنے ہاتھ میں ایک چلو پانی لیا اور پھر اس پانی کو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں لیا اور پھر اس پانی کو سر کے بیچ میں ڈالا، یہاں تک کہ ایک دو قطرہ پانی ٹپکا یا ٹپکنے کے قریب ہو گیا، پھر اس پانی سے اپنے سر کا بالاستیعاب مسح کر لیا، ظاہر ہے کہ یہ اس حدیث میں ایک نئی بات آئی، چلو میں پانی لینا غسل کیلئے ہوتا ہے نہ کہ مسح کیلئے۔

حدیث کی تشریح اور مسئلہ اجزاء الغسل عن المسح پر کلام: حضرت سہارنپوریؒ بذل[1] میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں شراح نے کچھ نہیں لکھا البتہ حضرت گنگوہیؒ کی تقریر میں یہ بات ملتی ہے کہ غالباً آپ ﷺ نے گاہے ایسا اس لئے کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ غسل مسح کے قائم مقام ہو سکتا ہے کہ اگر بجائے مسح کے غسل کر لیا جائے تو وہ جائز ہے اور اس کا عکس یعنی مسح غسل کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، چنانچہ فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کے سر پر بارش کا پانی پڑ جائے تو مسح راس کیلئے کافی ہے خواہ بعد میں سر پر ہاتھ پھیرے یا نہ پھیرے، حضرت شیخؒ نے حاشیۂ بذل میں ابن قدامہ حنبلیؒ سے نقل کیا ہے کہ حنابلہ کے یہاں اس مسئلہ یعنی اجزاء الغسل عن المسح میں دونوں روایتیں ہیں جواز وعدم جواز لیکن عدم جواز کی روایت اس صورت میں ہے جب امرار الید نہ پایا جائے، اور اگر امرار الید پایا گیا ہو تو پھر غسل کافی ہے اور ابن رسلانؒ نے امام الحرمینؒ سے شافعیہ کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ ان کے یہاں مسح کی جگہ غسل معتبر ہے لان الغسل فوق المسح، البتہ ان کے یہاں کراہت وعدم کراہت دونوں روایتیں ہیں لیکن اصح عدم کراہت ہے۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٣١٢

ایک نادر تحقیق: اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں ہے فَنَقَلَهَا بِشِمَالِهِ، یعنی دائیں ہاتھ میں جو پانی لیا تھا اس کو پھر آپ نے بائیں ہاتھ میں لیا اس کے بارے میں بذل میں کچھ لکھا نہیں ہے، البتہ حضرت گنگوہیؒ کی تقریر میں ہے لئلا یذهب الماء حضرتؒ کی اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ پانی کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں الٹنا مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دائیں چلو میں پانی لے کر اس کو سر پر رکھنے کیلئے بایاں ہاتھ بھی شامل کر لیا تا کہ پانی ضائع نہ ہو سکے، یہ سب کچھ جو لکھا گیا حضرت شراح کی رائے ہے میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہاں پر غسل رأس کا تحقق ہی نہیں ہوا جیسا کہ یہ سب حضرات فرما رہے ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ اتخاذ شعر کی تھی آپ ذو جمہ تھے، نیز آپ سر کے بالوں میں تیل بھی کثرت سے استعمال فرماتے تھے تو اب ظاہر ہے کہ سر کے دہنی (چکنے) بالون کا صرف ایک چلو پانی سے غسل کیسے ہو سکتا ہے، بلکہ میرے نزدیک ایک چلو پانی بھی پورا نہ تھا اس لئے کہ دائیں ہاتھ کے پانی کو جب بائیں ہاتھ میں منتقل کیا تو اس انتقال میں ظاہر ہے کہ وہ پانی ایک چلو کے بقدر بھی نہ رہا ہو گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ تقلیب الماء تقلیل ماء کیلئے ہو، کیونکہ سر کو دھونا تو مقصود تھا ہی نہیں اس لئے اس ایک چلو پانی کو کم کرنے کیلئے دائیں سے بائیں میں لیا ھذا ما عندی۔

قوله: وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ بِغَيْرِ عَدَدٍ: یہاں پر جار مجرور یعنی بغیر عدد غسل سے متعلق نہیں ورنہ تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ غسل رجلین کیا انگنت بار، حالانکہ یہ مراد نہیں، بلکہ یہ جار مجرور قال کے متعلق ہے یعنی راوی نے غسل رجلیہ مطلقا کہا بغیر ذکر عدد کے، غسل رجلین کے بعد عدد ذکر نہیں کیا، بخلاف دوسرے اعضاء کے اس میں ثلاثا ثلاثا کہا، یہ تو مطلب ہوا اس جملہ کا، باقی اس مسئلہ میں اختلاف پہلے گزر چکا کہ مالکیہ کے یہاں فی روایۃ غسل رجلین میں تثلیث کی قید نہیں، یہ ان کی دلیل ہو سکتی ہے۔

۱۲۶ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَأْتِينَا فَحَدَّثَتْنَا أَنَّهُ قَالَ: «اسْكُبِي لِي وَضُوءًا» . فَذَكَرَتْ وُضُوءَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فِيهِ: فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا، وَوَضَّأَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مَرَّةً، وَوَضَّأَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّتَيْنِ: يَبْدَأُ بِمُؤَخَّرِ رَأْسِهِ، ثُمَّ بِمُقَدَّمِهِ وَبِأُذُنَيْهِ كِلْتَيْهِمَا ظُهُورِهِمَا وَبُطُونِهِمَا. وَوَضَّأَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَذَا مَعْنَى حَدِيثِ مُسَدَّدٍ.

ترجمہ: ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ چنانچہ ربیع نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے لئے برتن میں وضو کیلئے پانی انڈیل دو (رکھ دو) چنانچہ ربیع نے رسول اکرم ﷺ کے وضو کی کیفیت بیان کی۔ اس میں وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین مرتبہ دھویا اور اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور ایک دفعہ کلی کی اور ناک میں ایک بار پانی ڈالا (یہ بیان جواز کیلئے ہے) اور اپنے دونوں ہاتھوں کو تین تین مرتبہ دھویا اور اپنے سر کا دو مرتبہ مسح کیا (یعنی ہاتھوں کو دو مرتبہ حرکت دی جس کا بیان اگلے جملہ میں ہے) سر کے

پچھلے حصہ سے مسح کی ابتداء فرمائی پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح فرمایا اور اپنے دونوں کانوں کے باہر والے حصے اور اندر والے حصوں کا مسح فرمایا اور اور اپنے دونوں پاؤں کو تین تین مرتبہ دھویا۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں یہ مذکورہ بالا حدیث مسدد استاد کی حدیث کا مفہوم ہے۔ (یعنی مجھے مسدد استاد کی حدیث کے الفاظ یاد نہیں رہے لہٰذا میں نے اس حدیث کو روایت بالمعنی نقل کردیا)۔

١٢٧ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ، يُغَيِّرُ بَعْضَ مَعَانِي بِشْرٍ، قَالَ فِيهِ: «وَتَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا».

ترجمہ: ابن عقیل سے یہ حدیث مروی ہے اس میں بشر بن مفضل راوی کی روایت کردہ گزشتہ حدیث کے برعکس بعض مضامین میں فرق ہے۔ سفیان نے اس حدیث میں فرمایا کہ کلی تین مرتبہ فرمائی اور ناک تین مرتبہ صاف کی (جبکہ بشر بن مفضل راوی نے مضمض واستنشق مرۃ نقل کیا تھا)۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٣٣) جامع الترمذي - الطهارة (٣٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٢٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٩٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤١٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٣٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٤٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٤١) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٥٨/٦) سنن الدارمي - الطهارة (٦٩٠)

١٢٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الْهَمْدَانِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ عِنْدَهَا فَمَسَحَ الرَّأْسَ كُلَّهُ، مِنْ قَرْنِ الشَّعْرِ كُلِّ نَاحِيَةٍ، لِمُنْصَبِّ الشَّعْرِ، لَا يُحَرِّكُ الشَّعْرَ عَنْ هَيْئَتِهِ».

ترجمہ: ربیع بنت معوذ بن عفراء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاں وضو فرمایا چنانچہ آپ نے پورے سر کا مسح فرمایا اور سر کے مسح کی ابتداء سر کے درمیانی حصہ سے فرمائی اور اپنے ہاتھوں کو اس جانب لے گئے جس حصہ میں بال گر رہے تھے (یعنی پیشانی سے ہاتھ گدی کی طرف لے گئے) حضور ﷺ بالوں کو جس ہیئت پر وہ تھے اس ہیئت سے نہیں ہٹاتے تھے۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٣٣) جامع الترمذي - الطهارة (٣٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٢٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٩٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٣٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٥٨/٦)

١٢٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا بَكْرٌ يَعْنِي ابْنَ مُضَرَ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ [عَنْ أَبِيهِ]، أَنَّ رُبَيِّعَ بِنْتَ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ، قَالَتْ: «فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَمَسَحَ مَا أَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا أَدْبَرَ، وَصُدْغَيْهِ وَأُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً».

ربیع بنت معوذ بن عفراء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ ربیع کہتی ہیں کہ

آپ نے اپنے سر کا مسح فرمایا اور سر کے اگلے حصہ اور پچھلے حصہ اور دونوں کنپٹیوں کا اور دونوں کانوں کا ایک ہی بار مسح فرمایا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٣٣) جامع الترمذي - الطهارة (٣٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٢٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٩٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٣٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٤٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٤١) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٥٨)

١٣٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ سُفْيَانَ بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مِنْ فَضْلِ مَاءٍ كَانَ فِي يَدِهِ».

ترجمہ: ربیع کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ میں پانی کی بچی ہوئی تری سے اپنے سر کا مسح فرمایا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٣٣) جامع الترمذي - الطهارة (٣٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٣٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٣٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٥٨)

١٣١ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، فَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي جُحْرَيْ أُذُنَيْهِ»

ترجمہ: ربیع کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو اپنے دونوں کانوں کے سوراخوں میں اپنی دونوں انگلیوں کو داخل فرمایا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٣٣) جامع الترمذي - الطهارة (٣٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٣١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٤٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٤١)

شرح الأحاديث **مسانید ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا**: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ ...... عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ: یہاں سے مصنفؒ ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ کی روایات کو ذکر فرما رہے ہیں۔

ربیع کی جدہ عفراء کے کچھ حالات: جاننا چاہئے کہ ربیع کے والد معوذ بھی صحابی ہیں اور عفراء معوذ کی والدہ کا نام ہے، یہ نسبت الی الام ہے، یہ بھی صحابیہ ہیں، اور معوذ کے والد کا نام حارث بن رفاعہ ہے، معوذ مشہور صحابی ہیں، قاتلین ابو جہل میں ان کا شمار ہے، جنگ بدر میں شہید ہوئے ان کے دوسرے بھائی جنکا نام معاذ ہے وہ بھی قتل ابو جہل میں اپنے بھائی کے ساتھ تھے۔ یہ عفراء بہت مبارک خاتون ہیں۔ بذل [1] میں لکھا ہے کہ یہ پہلے حارث بن رفاعہ کے نکاح میں تھیں، حارث سے انکے تین لڑکے پیدا ہوئے معاذ، معوذ، عوف، پھر حارث کے بعد انہوں نے بکیر بن یالیل سے شادی کی تو چار لڑکے ان سے پیدا ہوئے، ایاس، عاقل، خالد، عامر، کل سات بیٹے ہوگئے، لکھا ہے کہ یہ ساتوں جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ یہ خصوصیت کسی اور صحابی یا صحابیہ کو حاصل نہیں ہے، معوذ اور عفراء سے متعلق یہ سب باتیں اور حالات ضمناً آگئے ہیں، اس

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٣١٤

حدیث میں ان دونوں کا کوئی دخل نہیں، اس حدیث کو روایت کرنے والی تو ربیع صحابیہ ہیں۔

میرے والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے میرا نام عاقل سن کر فرمایا تھا کہ عاقل کیا ہوتا ہے، عقیل ہونا چاہئے، بظاہر حضرت کا منشاء یہ تھا کہ عقیل تو صحابی کا نام ہے جو حضرت علیؓ کے بھائی تھے، تو صحابی کے نام پر نام رکھنا چاہئے، شاید حضرت کے ذہن میں نہ ہو کہ عاقل بھی ایک صحابی کا نام ہے، عاقل بن بکیر بن یالیل اور اگر نسبت الی الام کریں تو عاقل بن عفراء۔

ربیع کی حدیث میں دو ایک باتیں خلاف معہود ہیں، چنانچہ مضمضہ واستنشاق کا ذکر غسل وجہ کے بعد ہے، مَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّتَيْنِ ہے نیز مسح راس کی ابتداء مؤخر راس سے مذکور ہے، اس پر ہم کلام عبداللہ بن زید بن عاصمؓ کی روایت کے ذیل میں کر چکے، یہاں اسکے اعادہ کی حاجت نہیں۔

قوله: يُغَيِّرُ بَعْضَ مَعَانِيْ بِشْرٍ: يُغَيِّرُ کی ضمیر سفیان کی طرف راجع ہے، یعنی سفیان نے حدیث کے مضمون میں قدرے تغیر کر دیا، بعینہ وہ مضمون نہیں ذکر کیا جو بشر نے کیا تھا، حدیث ربیع کو مصنفؒ نے متعدد طرق سے ذکر کیا ہے اور سب کا مدار عبداللہ بن محمد بن عقیل پر ہے، چنانچہ پہلی سند میں ان کے شاگرد بشر بن المفضل تھے، اور اس دوسری سند میں سفیان ہیں، اور آگے تیسری سند میں ان کے شاگرد ابن عجلان آرہے ہیں، مصنفؒ کی غرض ابن عقیل کے تلامذہ کی روایات میں جو فرق ہے اس کو بیان کرنا ہے۔

قوله: فَمَسَحَ الرَّأْسَ كُلَّهٗ، مِنْ قَرْنِ الشَّعْرِ: یہ حدیث ربیع میں ابن عجلان کا طریق ہے اس میں مسح راس کی ایک نئی شکل مذکور ہے، حضرت عثمانؓ کی حدیث کے ذیل میں مسح راس کے مباحث اربعہ کے ضمن میں ہم اس حدیث کا حوالہ دے چکے ہیں۔

الفاظ متن کی شرح اور حل: یہاں پر نسخ مختلف ہیں، ہمارے نسخہ میں ہے "مِنْ قَرْنِ الشَّعْرِ" اور ایک نسخہ میں ہے من فرق الشعر اور ایک میں ہے من فوق الشعر ان میں زیادہ صحیح قرن اور فرق کا نسخہ معلوم ہوتا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مسح راس کی ابتداء سر کے بیچ سے کی جیسا کہ باب کے شروع میں گزر چکا کہ یہ حسن بصریؒ کا مذہب ہے کہ مسح راس کی ابتداء وسط راس سے کی جائے 'لمنصب الشعر' میں لام الی کے معنی میں ہے 'ای الی منصب الشعر' اور منصب بمعنی محل انصباب، انصباب کے معنی جھکنا یعنی سر کے جس حصہ کے بالوں کا رخ جس طرف کو تھا اسی طرف کو اس حصہ کا مسح کیا، تاکہ بال مسح راس کی وجہ سے پراگندہ اور منتشر نہ ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ عورت اور وہ شخص جسکے بال بڑے بڑے ہوں، وہ مسح کیسے کرے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر چاہے تو اس طرح کرے جس طرح ربیع بنت معوذ کی روایت میں آتا ہے، بہر حال مسح کا یہ

طریقہ جائز ہے، اور بظاہر بیان جواز ہی کیلئے آپ ﷺ نے ایسا کیا، دراصل ہمارے دین اور شریعت میں بڑی سہولتیں ہیں، مگر ان ہی سہولتوں کو اختیار کیا جاسکتا ہے جو منقول اور ثابت ہوں اپنی طرف سے نہیں۔

قولہ: وَصُدْغَيْهِ وَأُذُنَيْهِ: صدغ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک 'مابین الاذن والعین' جس کو کنپٹی کہتے ہیں، اور دوسری تفسیر اسکی ہے 'مابین الاذن والناصیۃ' یعنی سر کا وہ حصہ جو کان اور پیشانی کے درمیان ہے، معنی اول کے اعتبار سے صدغ حد وجہ میں داخل ہے، اور معنی ثانی کے اعتبار سے حد وجہ سے خارج اور حد رأس میں داخل ہے، نیز صدغ کا اطلاق ان بالوں پر بھی ہوتا ہے جو اس جگہ آجاتے ہیں یعنی زلفیں، صدغین کا مسح آپ ﷺ نے تکمیل مسح رأس اور اسکے استیعاب کیلئے فرمایا۔

قولہ: مَسَحَ بِرَأْسِهِ مِنْ فَضْلِ مَاءٍ كَانَ فِي يَدِهِ: اس پر بحث عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ کی حدیث کے ذیل میں گزر چکی، جہاں پر آیا تھا: وَمَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ۔

۱۳۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، وَمُسَدَّدٌ، قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ رَأْسَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً حَتَّى بَلَغَ الْقَذَالَ - وَهُوَ أَوَّلُ الْقَفَا، وَقَالَ مُسَدَّدٌ - وَمَسَحَ رَأْسَهُ مِنْ مُقَدَّمِهِ إِلَى مُؤَخَّرِهِ حَتَّى أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ أُذُنَيْهِ» . قَالَ مُسَدَّدٌ: فَحَدَّثْتُ بِهِ يَحْيَى فَأَنْكَرَهُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وسَمِعْتُ أَحْمَدَ، يَقُولُ: «إِنَّ ابْنَ عُيَيْنَةَ زَعَمُوا أَنَّهُ كَانَ يُنْكِرُهُ، وَيَقُولُ إِيشْ هَذَا طَلْحَةُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ» .

ترجمہ: طلحہ بن مصرف اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے سر کا ایک مرتبہ مسح کرتے ہوئے دیکھا یہاں تک کے آپ گدی کے بالائی حصہ پر مسح کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ مسدد استاد فرماتے ہیں کہ سر کے مسح کی ابتداء سر کے اگلے حصے سے فرمائی یہاں تک کہ پچھلے حصہ کی طرف ہاتھ لے گئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے نیچے سے نکالا۔ مسدد استاد کہتے ہیں میں نے یہ حدیث یحیٰی القطان راوی کو بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ سے میں نے سنا کہ ائمہ کے بقول سفیان بن عیینہ اس حدیث کا انکار کرتے تھے اور سفیان بن عیینہ فرماتے یہ سند طَلْحَةُ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ کیسی ہے (یعنی ناقابل قبول ہے)۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (۱۳۲) مسند أحمد - مسند المكيين (۴۸۱/۳)

شرح الحدیث **مسند جد طلحہ رضی اللہ عنہ** یہ ساتویں صحابی جد طلحہ کی حدیث شروع ہو رہی ہے، یہ روایت سنداً ضعیف ہے اسلئے کہ لیث بن ابی سلیم ضعیف ہیں، طلحہ بن مصرف کے باپ جن سے وہ روایت کر رہے ہیں کہا گیا ہے کہ وہ مجہول ہیں عن جدہ میں ضمیر طلحہ کی طرف راجع ہے، جد طلحہ کے نام میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ کعب بن عمرو، وقیل عمرو بن کعب اور بعض علماء کو ان کے صحابی ہونے پر کلام ہے۔

قولہ: حَتَّى بَلَغَ الْقَذَالَ - وَهُوَ أَوَّلُ الْقَفَا: اس سے بعض علماء نے مسح رقبہ کے استحباب پر استدلال کیا ہے جیسا کہ اس پر

تفصیلی کلام مقدام بن معدیکرب کی حدیث ۱۲۳ کے ذیل میں آچکا ہے۔

قولہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ، يَقُولُ: اس حدیث پر جو کلام ہے اسکو مصنفؒ بیان فرمارہے ہیں یہاں پر جو جملہ ہے اس میں ترکیب نحوی کے اعتبار سے اغلاق ہے، یا یہ کہئے کہ اس میں تعقید لفظی ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ کلام میں تقدم و تاخر ہے، اصل عبارت ایسے ہونی چاہئے تھی: قال احمد: زعموا ان ابن عیینۃ کان ینکرہ امام احمدؒ فرماتے ہیں علماء یوں کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ اس حدیث کا انکار کرتے تھے۔

قولہ: وَيَقُولُ إِيشْ هَذَا: یہ لفظ ای شيءٍ کا مخفف ہے، سفیان بن عیینہ نے اس حدیث پر جو کلام کیا ہے یہ اس کا بیان ہے إِيشْ هَذَا میں هَذَا کا اشارہ سند کے اس ٹکڑے کی طرف ہے جو آگے خود عبارت میں مذکور ہے یعنی طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ، گویا ابن عیینہ کا اشکال اس سند پر ہے، اب جو حدیث بھی اس سند سے مروی ہوگی اس پر یہ اشکال ہوگا، موجب اشکال اس سند میں کیا امر ہے؟ شرح میں لکھا ہے کہ وہ طلحہ کے والد کا مجہول ہونا ہے جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ طلحہ کے باپ مجہول ہیں، اور ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سفیان بن عیینہ کو جد طلحہ کے صحابی ہونے میں تردد ہے، اسکے بعد مصنفؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث ذکر کی ہے جس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔

۱۳۳ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، «رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ - فَذَكَرَ الْحَدِيثَ - كُلَّهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا»، قَالَ: «وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ مَسْحَةً وَاحِدَةً».

ترجمہ: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ ابن عباسؓ نے پوری حدیث ذکر کی اور اس میں ہر عضو مغسول کے تین مرتبہ دھونے کو ذکر فرمایا اور فرمایا کہ اپنے سر اور دونوں کانوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مسح فرمایا۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (۱۰۱) سنن النسائي - الطهارة (۱۰۲) سنن أبي داود - الطهارة (۱۳۳)

۱۳۴ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَقُتَيْبَةُ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سِنَانِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، وَذَكَرَ وُضُوءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ الْمَأْقَيْنِ»، قَالَ: وَقَالَ: «الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ»، قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: يَقُولُهَا: أَبُو أُمَامَةَ، قَالَ قُتَيْبَةُ: قَالَ حَمَّادٌ: لَا أَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مِنْ أَبِي أُمَامَةَ - يَعْنِي قِصَّةَ الْأُذُنَيْنِ - قَالَ قُتَيْبَةُ: عَنْ سِنَانٍ أَبِي رَبِيعَةَ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ ابْنُ رَبِيعَةَ كُنْيَتُهُ أَبُو رَبِيعَةَ.

ترجمہ: ابو امامہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو ذکر کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنپٹیوں کا مسح فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کہ دونوں کان سر کا حصہ ہیں۔ امام ابوداؤدؒ کے ایک استاد سلیمان بن حرب فرماتے ہیں

الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ ابو امامہ کا قول ہے (نبی اکرم ﷺ کا فرمان نہیں) اور قتیبہ استاد نے فرمایا کہ حماد کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ حضور ﷺ کا فرمان ہے یا ابو امامہ صحابی کا قول ہے۔ قتیبہ نے راوی کا نام سنان ابی ربیعہ نقل کیا ہے (جبکہ سلیمان بن حرب اور مسدد نے سنان بن ربیعہ نقل کیا ہے)۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (٣٧) سنن أبي داود - الطهارة (١٣٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٤٤)

شرح الحدیث **مسند ابوامامہ رضی اللہ عنہ:** قوله: عَنْ أَبِي أُمَامَةَ: یہ اس باب کی آخری حدیث ہے جس کے راوی ابو امامہؓ ہیں، اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ ابو امامہ کونسے ہیں؟ اس لئے کہ ابو امامہ دو ہیں ایک ابوامامہ الباہلی جن کا نام صدی بن عجلان ہے، جو بالاتفاق صحابی ہیں، دوسرے ابوامامہ الانصاری جن کا نام سعد بن حنیف ہے، ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے، بعض ان کو تابعی کہتے ہیں اور بعض صحابی۔ یہ حدیث مشکوۃ شریف میں بھی ہے اور مشکوۃ کے اخیر میں الإکمال کے نام سے ایک رسالہ ملحق ہے جو صاحب مشکوۃ ہی کی تصنیف ہے اس میں انہوں نے مشکوۃ میں جتنے راوۃ آئے ہیں سب کا مختصر مختصر حال لکھا ہے، غرضیکہ صاحب مشکوۃ نے ان کو ابوامامۃ الانصاری قرار دیا ہے، یعنی سعد بن حنیف۔ ملا علی قاریؒ نے صاحب مشکوۃ کی رائے لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے ابوامامہ الباہلی مراد ہوں [1]۔ حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں لکھا ہے امام احمدؒ کے نزدیک یہ ابوامامہ الباہلی ہی ہیں اس لئے کہ اس حدیث کو انہوں نے مسند احمد میں ابوامامہ الباہلی کی مسانید میں ذکر فرمایا ہے۔ نیز حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ تهذیب التهذیب اور الإصابة کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کا میلان بھی اسی طرف ہے جو امام احمدؒ کی رائے ہے [2]۔

قوله: يَمْسَحُ الْمَأْقَيْنِ: یہ اس حدیث میں ایک نئی بات آئی جو اب تک کسی حدیث میں نہیں آئی تھی اور مسند احمد کی روایت میں ہے: يتعاهد المأقين، ماق کہتے ہیں گوشۂ چشم کو جس میں اکثر میل آجاتا ہے، اسی لئے حضور ﷺ چہرہ دھوتے وقت آنکھوں کے اس حصہ کا بھی تعاہد (خبر گیری) فرمایا کرتے تھے، ایسا نہ ہو کہ وہاں پانی نہ پہنچ سکے، لہذا متوضی کو چاہئے کہ چہرہ دھوتے وقت اس کا خیال رکھے، آنکھوں کو اچھی طرح ملے۔

اسی کے مشابہ ایک لفظ اور آتا ہے یعنی موق، چنانچہ 'باب المسح علی الخفین' میں ایک حدیث آرہی ہے جسکے لفظ یہ ہیں: "ويمسح على عمامة وموقيه" یہاں موقین سے مراد خفین ہیں، موقین خفین کی ایک نوع کا نام ہے۔

یہ حدیث حنفیہ کا مستدل اور شافعیہ کے خلاف ہے: قوله: قَالَ: وَقَالَ: الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ:

---

[1] وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ بِأَبِي أُمَامَةَ هُنَا أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ، وَهُوَ مِنَ الْمُكْثِرِينَ فِي الرِّوَايَةِ مِنَ الصَّحَابَةِ. وَاللهُ أَعْلَمُ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ٢ ص ١١٤)

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٣٢٩.

اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ کس کا قول ہے، حضور ﷺ کا یا صحابی کا؟ بعض علماء نے قَالَ اول کی ضمیر کا مرجع شہر بن حوشب کو قرار دیا ہے اور قَالَ ثانی کا مرجع ابو امامہ کو، اس صورت میں یہ مقولہ ہو گا صحابی کا، اور بعض علماء نے قَالَ اول کا مرجع ابو امامہ کو اور قَالَ ثانی کا مرجع حضور ﷺ کو قرار دیا ہے، اس صورت میں یہ جملہ مرفوع ہو گا، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل [1] میں تحریر فرمایا ہے کہ سنن ابن ماجہ [2] کی روایت سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں شک نہیں کہ یہ لفظ مرفوعاً و موقوفاً دونوں طرح مروی ہے، اور بعض رواۃ نے بوقت روایت تردد کا اظہار کیا ہے، جیسا کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے، اب ترجیح کس کو ہے اس میں علماء مختلف ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں قاعدہ کی بات یہ ہے کہ جب رفع اور وقف میں رواۃ کا اختلاف ہو تو رفع کو ترجیح ہونی چاہئے اس لئے کہ رافع کے پاس زیادتی علم ہے اور یہی رائے ابن دقیق العیدؒ اور منذریؒ کی معلوم ہوتی ہے، لیکن حافظ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ مدرج ہے چنانچہ وہ التلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں: وَقَدْ بَيَّنْتُ أَنَّهُ مُدْرَجٌ اور یہی رائے دار قطنیؒ اور ابن العربیؒ کی ہے، کمافی حاشیۃ البذل [3]۔ جاننا چاہئے کہ اس حدیث کی بناء پر حنفیہ مسح اذنین کیلئے تجدید ماء کے قائل نہیں ہیں، اور چونکہ حضرت امام شافعیؒ اذنین کو عضوین مستقلین قرار دیتے اور ان کیلئے تجدید ماء کے قائل ہیں وہ اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ جملہ اس حدیث میں مدرج ہے مرفوعاً ثابت نہیں، ان کی طرف سے اسکی ایک اور توجیہ مسح اذنین کے مباحث میں پہلے گزر چکی۔

قوله: قَالَ قُتَيْبَةُ: عَنْ سِنَانٍ أَبِي رَبِيعَةَ: سنان ترکیب میں مبدل منہ اور ابی ربیعہ اس سے بدل واقع ہے، سنان راوی کا نام ہے اور ابو ربیعہ کنیت، لہذا سنان اور ابو ربیعہ دونوں کا مصداق ایک ہی شخص ہوا، نیز سنان کے والد کا نام ربیعہ ہے لہذا ان کو سنان بن ربیعہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مصنفؒ کے اس سند میں دو استاذ ہیں، سلیمان بن حرب اور قتیبہ بن سعید، مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ میرے استاذ سلیمان نے بوقت روایت عن سنان بن ربیعة کہا، اور قتیبہ نے عن سنان ابی ربیعة کہا، ایک صورت میں راوی کے ساتھ اس کے باپ کا نام مذکور ہوا، اور ایک صورت میں بجائے باپ کے نام کے راوی کا نام اور اس کی کنیت مذکور ہوئی، لہذا دونوں لفظوں میں کوئی تعارض نہیں۔

بَابُ صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پورا ہو گیا،

جس میں تقریباً تمام ہی مسائل وضو اور انکے اختلافات آ گئے، فالحمد للہ علی ذلک۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٣٣٠ - ٣٣١

[2] سنن ابن ماجه - كتاب الطهارة وسننها - باب الأذنان من الرأس ٤٤٤

[3] التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير - ج ١ ص ٢٨٣. بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٣٣٠

٥١ - بَابُ الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

وضو میں ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھونے کا بیان

مصنفؒ نے یہاں پر مسلسل تین باب قائم کئے ہیں، پہلا بَابُ الْوُضُوءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، دوسرا بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّتَيْنِ، تیسرا بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً، اسی طرح تین باب امام ترمذیؒ نے بھی قائم فرمائے ہیں مگر انہوں نے ایک چوتھا باب بھی قائم فرمایا ہے بَابٌ فِي الْوُضُوءِ مَرَّةً، وَمَرَّتَيْنِ، وَثَلَاثًا یعنی تینوں صورتوں کو ایک ترجمہ میں جمع کر دیا ہے، اس پر اشکال ہوا کہ اس چوتھے باب سے کونسی نئی بات معلوم ہوئی، یہ تو پہلے تین کا مجموعہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ کی غرض یہ ہے کہ الگ الگ مختلف روایات سے تین طرح وضو ثابت ہے، اور چوتھے باب سے یہ ثابت کیا کہ بعض روایات ایسی بھی ہیں جن سے بیک وقت تینوں صورتیں ایک ہی حدیث سے ثابت ہیں، چنانچہ اس چوتھے باب کے ضمن میں امام ترمذیؒ اسی قسم کی حدیث لائے ہیں، پھر ایک پانچواں باب بھی انہوں نے قائم کیا ہے: بَابٌ فِيمَنْ يَتَوَضَّأُ بَعْضَ وُضُوئِهِ مَرَّتَيْنِ، وَبَعْضَهُ ثَلَاثًا یعنی ایک ہی وضو میں بعض اعضاء کو دو مرتبہ اور بعض کو تین مرتبہ دھونا ثابت ہے۔

١٣٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ الطُّهُورُ؟ فَدَعَا بِمَاءٍ فِي إِنَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ فَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّاحَتَيْنِ فِي أُذُنَيْهِ، وَمَسَحَ بِإِبْهَامَيْهِ عَلَى ظَاهِرِ أُذُنَيْهِ، وَبِالسَّبَّاحَتَيْنِ بَاطِنَ أُذُنَيْهِ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا»، ثُمَّ قَالَ: «هَكَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ - أَوْ ظَلَمَ وَأَسَاءَ -».

ترجمہ: عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ کی سند سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وضو کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین مرتبہ دھویا۔ اپنے چہرہ کو تین مرتبہ دھویا پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو (کہنیوں سمیت) تین مرتبہ دھویا۔ پھر اپنے سر کا ایک مرتبہ مسح فرمایا اور سیدھے ہاتھ کی انگشت شہادت اور بائیں ہاتھ کی سبابہ کو اپنے دونوں کانوں میں داخل کیا (سباحہ: انگشت شہادت) یہاں بائیں ہاتھ کی سبابہ کو بھی تغلیباً سباحہ کہہ دیا) اور اپنے دونوں انگوٹھوں کے ذریعے اپنے دونوں کانوں کے باہر والے حصہ کا مسح فرمایا اور انگشت شہادت اور سبابہ کے ذریعہ کانوں کے اندر والے حصہ کا مسح فرمایا پھر اپنے دونوں پاؤں کو تین تین مرتبہ دھویا پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کامل وضو اس طرح ہوتا ہے، جس نے اس وضو پر زیادتی کی یا اس سے کمی کی تو اس نے (سنّت چھوڑ کر) برا کام کیا اور (نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کر کے)

اپنے آپ پر ظلم کیا۔ راوی کہتا ہے یایوں فرمایا: ظَلَمَ وَأَسَاءَ۔

سنن النسائي- الطهارة (١٤٠) سنن أبي داود- الطهارة (١٣٥)

شرح الحديث عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ: یہ ایک مشہور سند ہے اور اس پر جو کلام ہے وہ بھی مشہور ہے، سلسلۂ نسب ایسے ہے عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، یہ تو متعین ہے کہ أبیہ کی ضمیر عمرو کی طرف راجع ہے، لیکن عَنْ جَدِّهِ میں اختلاف ہے کہ اسکی ضمیر بھی عمرو ہی کی طرف راجع ہے یا شعیب کی طرف؟ جد عمرو کا نام محمد ہے اور جد شعیب کا نام عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ ہے محمد تابعی ہیں اور عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ مشہور صحابی ہیں، اگر ضمیر عمرو کی طرف راجع مانیں تو روایت مرسل ہوگی، کیونکہ جد عمرو یعنی محمد تابعی ہیں، اور اگر جدّہ کی ضمیر شعیب کی طرف راجع مانیں تو اس صورت میں روایت مسند ہوگی صحابی مذکور ہونے کی وجہ سے اور مطلب یہ ہوگا کہ شعیب روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے۔ بعض محدثین جیسے ابن حبان اور ابن عدی [1] وغیرہ کو اس سند پر اشکال ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ سند ایک صورت میں مرسل اور ایک صورت میں منقطع ہے، منقطع اس لئے کہ ان کے نزدیک شعیب کا سماع اپنے دادا سے ثابت نہیں ہے، لیکن اکثر محدثین جیسے حضرت امام احمد بن حنبلؒ، علی بن مدینیؒ، اسحق بن راہویہؒ، امام بخاریؒ، اور امام نوویؒ اس سند کو حجت مانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جدّہ کی ضمیر شعیب کی طرف راجع ہے، اور شعیب کا سماع اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ثابت ہے، لہذا سند منقطع نہیں ہے۔

امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں ثبوت سماع کی تصریح [2] کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: وَشُعَيْبٌ قَدْ سَمِعَ مِنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: وَمَنْ ضَعَّفَهُ، فَإِنَّمَا ضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ أَنَّهُ يُحَدِّثُ مِنْ صَحِيفَةِ جَدِّهِ یعنی جن لوگوں نے عمرو بن شعیب کی تضعیف کی ہے وہ اس وجہ سے نہیں کی وہ فی نفسہ ضعیف ہیں بلکہ تضعیف کرنے والے اس لیے تضعیف کرتے ہیں کہ وہ جو حدیث اس سند سے بیان کرتے ہیں یعنی عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ وہ از قبیل وجادہ ہے یعنی وہ اپنے دادا کے صحیفہ سے روایت کرتے ہیں، بغیر ثبوت سماع کے، لیکن جمہور یہ کہتے ہیں کہ انکا اپنے دادا سے سماع ثابت ہے، لہذا صحیفہ سے بھی نقل کرنے میں کوئی اشکال نہیں، دراصل بات یہ ہے کہ وجادہ کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ از قبیل مرسل یعنی منقطع ہے، لیکن جب ائمہ فن ثبوت سماع کی تصریح کر رہے ہیں فأین الانقطاع تیسرا قول یہاں پر امام دار قطنیؒ کا ہے وہ یہ کہ اگر سند کے اندر جدہ کا مصداق عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ صراحۃً مذکور ہو جیسا کہ بعض جگہ مذکور ہے تب تو یہ سند معتبر ہے ورنہ معتبر نہیں، لہذا اس سند کے بارے

---

[1] اس طرح امام ترمذیؒ نے یحیٰی القطان کی طرف سے نقل کیا ہے کہ وہ بھی اس سند کو حجت نہیں مانتے، اور یحیٰی بن معین بھی اسی فہرست میں شامل ہیں، لیکن وہ یہ کہتے ہیں عمرو بن شعیب تو فی نفسہ ثقہ ہیں، البتہ اشکال اس سند سے نقل کرنے میں ہے۔

[2] جامع الترمذي- كتاب الزكاة- باب ما جاء في زكاة مال اليتيم ٦٤١

میں تین قول ہو گئے، ایک قول ابن عدی وابن حبان اور یحییٰ القطان وغیرہ کا کہ حجت نہیں، دوسرا قول جمہور علماء کا جن میں امام بخاریؒ اور ان کے مشائخ ہیں کہ مطلقاً حجت ہے، تیسرا قول دار قطنیؒ کا کہ ایک صورت میں حجت ہے اور ایک صورت میں نہیں۔

ابو داؤد کی اس روایت پر ایک اشکال اور اس کے جوابات: فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا أَوْ نَقَصَ: اس حدیث میں مشہور اشکال ہے وہ یہ کہ نقص عن الثلاث متعدد احادیث میں حضور ﷺ سے ثابت ہے، ہاں! البتہ زیادت علی الثلاث ثابت نہیں، تو جو چیز آپ سے ثابت ہے اس کو اساءۃ اور ظلم کیوں کہا جارہا ہے۔

نیز اس حدیث کی بناء پر ابو حامد اسفرائنیؒ نے بعض علماء سے نقل کیا کہ ان کے نزدیک نقص عن الثلاث ناجائز ہے، اور ایسے ہی دارمی نے بعض علماء سے نقل کیا کہ انکے نزدیک وضو کے اندر زیادت علی الثلاث مبطل وضو ہے جیسا کہ زیادۃ فی الصلوۃ مفسد صلوۃ ہے علامہ زرقانیؒ نے اس اختلاف کو غرائب میں شمار کیا ہے۔

بہر حال اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ نَقَصَ ثابت نہیں وہم راوی ہے، چنانچہ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے، ان تمام کتب میں اس حدیث میں لفظ نقص مذکور نہیں صرف لفظ زاد ہے، اصل جواب تو یہ ہے۔

لیکن اگر اس لفظ کو ثابت مان لیا جائے تو اسکی تاویل یہ کی جائے گی کہ نقص سے مراد نقص عن مرۃ واحدۃ ہے، یعنی ایک مرتبہ بھی تمام اعضاء کو اچھی طرح نہیں دھویا، اس صورت میں نقص کا اِساءت اور ظلم ہونا ظاہر ہے، دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ یہاں پر شرط کی جانب میں دو چیزیں مذکور ہیں زاد اور نقص اسی طرح جانب جزاء میں دو چیزیں مذکور ہیں اساءت اور ظلم، اساءت کا تعلق نقص سے اور ظلم کا تعلق زاد سے ہے اس صورت میں اشکال واقع نہ ہو گا اس لئے کہ نقصان کو اساءت اور زیادتی کو ظلم کہا جارہا ہے، یا یوں کہا جائے کہ مجموعہ مجموعہ پر مرتب ہو رہا ہے، ہر ایک کو الگ الگ ظلم واساءت نہیں کہا جارہا ہے، ایک جواب یہ ہے کہ ظلم کلی مشکک ہے، حرام سے لے کر خلاف اولیٰ تک سب پر صادق آتا ہے۔

٥٢ ۔ بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّتَيْنِ

وضو میں ہر عضو کو دو دو مرتبہ دھونے کا بیان

١٣٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا زَيْدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحُبَابِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ ثَوْبَانَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْفَضْلِ الْهَاشِمِيُّ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہر عضو کو وضو میں دو دو مرتبہ دھویا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٤٣) سنن أبي داود - الطهارة (١٣٦)

١٣٧ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ، حَدَّثَنَا زَيْدٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ:

قَالَ لَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ: أَتُحِبُّونَ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ؟ «فَدَعَا بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ فَاغْتَرَفَ غَرْفَةً بِيَدِهِ الْيُمْنَى فَتَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ أَخَذَ أُخْرَى فَجَمَعَ بِهَا يَدَيْهِ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ، ثُمَّ أَخَذَ أُخْرَى فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنَى، ثُمَّ أَخَذَ أُخْرَى فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرَى، ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنَ الْمَاءِ، ثُمَّ نَفَضَ يَدَهُ، ثُمَّ مَسَحَ بِهَا رَأْسَهُ وَأُذُنَيْهِ، ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً أُخْرَى مِنَ الْمَاءِ فَرَشَّ عَلَى رِجْلِهِ الْيُمْنَى، وَفِيهَا النَّعْلُ، ثُمَّ مَسَحَهَا بِيَدَيْهِ يَدٍ فَوْقَ الْقَدَمِ وَيَدٍ تَحْتَ النَّعْلِ، ثُمَّ صَنَعَ بِالْيُسْرَى مِثْلَ ذَلِكَ».

ترجمہ عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباسؓ نے ہم سے فرمایا کہ تم یہ پسند کروگے کہ میں تمہیں یہ دکھلاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور اپنے سیدھے ہاتھ میں ایک چلو بھرا اس چلو سے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی ڈالا پھر دوسرا چلو بھرا اور اس ہاتھ کے ساتھ دوسرا ہاتھ ملایا اور اپنے چہرے کو دھویا پھر ایک اور چلو بھرا اور اس سے اپنے داہنے ہاتھ کو دھویا پھر چلو بھرا اور اس سے اپنے بائیں ہاتھ کو دھویا۔ پھر ایک مٹھی میں پانی لیا پھر اپنے ہاتھ کو جھاڑا اور اس ہاتھ کے ذریعہ اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔ پھر ایک اور چلو بھرا اور اپنے دائیں پاؤں پر وہ پانی بہادیا۔ یہ پاؤں چپل کے اندر تھا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اس پاؤں پر ہاتھ پھیرا ایک ہاتھ پاؤں کے اوپر تھا اور دوسرا ہاتھ چپل کے نیچے تھا پھر دوسرے پاؤں پر بھی اسی طرح پانی ڈال کر ایسا ہی فرمایا۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (١٤٠) صحيح البخاري - الوضوء (١٥٦) جامع الترمذي - الطهارة (٣٦) جامع الترمذي - الطهارة (٤٢) سنن النسائي - الطهارة (٨٠) سنن النسائي - الطهارة (١٠١) سنن النسائي - الطهارة (١٠٢) سنن أبي داود - الطهارة (١٣٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٠٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤١١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٣٩) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٦٨/١) سنن الدارمي - الطهارة (٦٩٦) سنن الدارمي - الطهارة (٦٩٧)

شرح الأحاديث **ابوداؤد کی اس روایت پرایک اشکال اوراسکے جوابات:** قوله: فَرَشَّ عَلَى رِجْلِهِ الْيُمْنَى، وَفِيهَا النَّعْلُ، ثُمَّ مَسَحَهَا بِيَدَيْهِ يَدٍ فَوْقَ الْقَدَمِ وَيَدٍ تَحْتَ النَّعْلِ: یعنی ابن عباسؓ نے جوتا پہنے ہوئے ایک لپ پانی پاؤں پر ڈالا اور پانی ڈالنے کے بعد پھر دونوں ہاتھوں سے پاؤں کو ملا اس طور پر کہ ایک ہاتھ تو پاؤں کے اوپر تھا اور دوسرا ہاتھ جوتے کے نیچے تھا، اس قسم کا مضمون بَابُ صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں حضرت علیؓ کی حدیث میں گزر چکا ہے، اور اس کی توجیہ بھی وہاں آچکی۔

حدیث کی شرح اور بیان مراد میں اختلاف آراء: لیکن یہاں پر ایک نئی چیز جو زیادہ قابل اشکال ہے وہ یہ ہے کہ راوی کہہ رہا ہے يَدٍ فَوْقَ الْقَدَمِ وَيَدٍ تَحْتَ النَّعْلِ کہ ایک ہاتھ پاؤں کے اوپر تھا اور دوسرا ہاتھ جوتے کے نیچے، دوسرا ہاتھ اگر قدم کے نیچے ہوتا تب تو چنداں اشکال نہیں تھا کہ ایک لپ پانی پاؤں پر ڈالا اور جلدی سے پاؤں کو اوپر نیچے سے دونوں ہاتھوں سے مل لیا، لیکن جب دوسرا ہاتھ پاؤں کے بجائے جوتے کے نیچے ہوگا تو پاؤں کے نیچے کا حصہ کیسے تر ہوگا؟

اس اشکال کے شراح نے کئی جواب دیئے ہیں، شوکانیؒ کی رائے یہ ہے کہ تحت النعل میں نعل سے مراد قدم ہیں ہے لہذا ایک ہاتھ قدم کے اوپر اور دوسرا ہاتھ قدم کے نیچے تھا، علامہ سیوطیؒ نے دوسرا جواب اختیار کیا وہ یہ کہ اس صورت میں جو روایت میں مذکور ہے غسل قدم کا تو تحقق ہوگا نہیں، لہذا انہوں نے اس حدیث کو مسح علی الخف پر محمول کیا، یعنی اگرچہ اس حدیث میں خف کا ذکر نہیں لیکن نفی بھی نہیں ہے، تیسرا جواب وہ ہے جس کو حضرت سہارنپوریؒ نے اختیار فرمایا ہے وہ یہ کہ نہ تو نعل کنایہ ہے قدم سے جیسا کہ شوکانیؒ نے کہا اور نہ مراد یہاں پر مسح علی الخف ہے جیسا کہ سیوطیؒ نے کہا، بلکہ حدیث میں غسل رجل ہی مذکور ہے، رہی یہ بات کہ جب دوسرا ہاتھ قدم کے نیچے نہیں بلکہ جوتے کے نیچے ہے تو اس کا کیا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ دوسرا ہاتھ جو جوتے کے نیچے تھا وہ حمل قدم اور امساک قدم کے لئے تھا، یعنی داہنا ہاتھ قدم کے اوپر تھا، اور بایاں ہاتھ جو جوتے کے نیچے تھا اس کے ذریعہ پاؤں کو سنبھال رکھا تھا اور وہی دایاں ہاتھ جو شروع میں قدم کے اوپر تھا اسی ہاتھ سے پورے قدم کو اوپر نیچے سے ملا، ملنے کے بعد ظاہر ہے غسل کا تحقق ہو ہی جائے گا۔

قولہ: يَدٍ فَوْقَ الْقَدَمِ: کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ایک ہاتھ بس قدم کے اوپر ہی رہا، بلکہ شروع میں اوپر تھا، پاؤں کے اوپر کے حصہ سے نمٹ کر پھر اس کو نیچے کی طرف لے گئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ایک لپ پانی پاؤں پر ڈالا اور جلدی جلدی داہنے ہاتھ سے پاؤں کو اوپر نیچے سے ملا اس طور پر کہ دوسرے ہاتھ سے پاؤں کو مع جوتے کے سنبھال رکھا تھا، الحمد للہ حدیث کی توجیہ اور وضاحت بخوبی ہوگئی ورنہ فی الواقع یہ مقام "من مزال الاقدام" ہے، نیز حضرت نے یہ بھی لکھا ہے کہ نعل کے باوجود غسل قدم میں کوئی اشکال نہیں اسلئے کہ یہ نعل نعل عربی ہے جو چپل کی شکل میں ہوتا تھا نیچے تلا اور اوپر صرف دو تسمے یوں سمجھئے جیسے آج کل ہوائی چپل ہوتی ہے، غرضیکہ بند جوتا مراد نہیں جس کے ہوتے ہوئے پاؤں کا دھونا تقریباً ناممکن ہے [1]، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

٥٣ - بَابُ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً

وضو میں ہر عضو کو ایک ایک مرتبہ دھونے کا بیان

١٣٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِوُضُوءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ «فَتَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً».

ترجمہ: عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: کیا میں تمہیں حضور ﷺ کے وضو کے متعلق نہ بتلاؤں؟ چنانچہ انہوں نے ایک ایک مرتبہ اعضائے وضو پر پانی بہایا (یہ فرض وضو کا بیان ہے، کم از کم ایک مرتبہ ہر عضو کو

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ١ ص ٣٤٠

دھونا فرض ہے)۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (١٤٠) صحيح البخاري - الوضوء (١٥٦) جامع الترمذي - الطهارة (٤٢) سنن النسائي - الطهارة (٨٠) سنن النسائي - الطهارة (١٠٢) سنن أبي داود - الطهارة (١٣٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤١١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٦٨/١) سنن الدارمي - الطهارة (٦٩٦) سنن الدارمي - الطهارة (٦٩٧)

٥٤ - بَابٌ فِي الْفَرْقِ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ

کلی اور ناک میں الگ الگ چلو استعمال کرنے کا بیان

١٣٩ - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ لَيْثًا، يَذْكُرُ عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: «دَخَلْتُ - يَعْنِي - عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، وَالْمَاءُ يَسِيلُ مِنْ وَجْهِهِ وَلِحْيَتِهِ عَلَى صَدْرِهِ، فَرَأَيْتُهُ يَفْصِلُ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ».

ترجمہ طلحہ بن مصرف کے دادا کعب بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ وضو فرمارہے تھے اور پانی آپ ﷺ کے چہرہ انور اور داڑھی مبارک سے آپ کے سینے مبارک پر بہہ رہا تھا۔ چنانچہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کلی الگ چلو سے فرمارہے تھے اور ناک میں الگ چلو سے پانی ڈال رہے تھے۔

شرح الحدیث اس مسئلہ میں اختلاف اور کلام بَابُ صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں آچکا، مصنفؒ کے اس ترجمۃ الباب سے حنفیہ اور حنابلہ کی تائید ہورہی ہے، حدیث الباب میں فصل بین المضمضۃ والاستنشاق کی تصریح موجود ہے۔

٥٥ - بَابٌ فِي الِاسْتِنْثَارِ

ناک سے پانی چھڑکنے کا بیان

١٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ مَاءً ثُمَّ لِيَنْثُرْ».

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو وہ اپنے ناک میں پانی ڈالے پھر ناک سے پانی چھڑک لے۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (١٥٩) صحيح البخاري - الوضوء (١٦٠) صحيح مسلم - الطهارة (٢٣٧) سنن النسائي - الطهارة (٨٦) سنن النسائي - الطهارة (٨٨) سنن أبي داود - الطهارة (١٤٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٠٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٣٦/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٧٧/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٧٨/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٠٨/٢) مسند أحمد -

باقي مسند المكثرين (٢/١ ٤٠) موطأ مالك - الطهارة (٣٣) موطأ مالك - الطهارة (٣٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٠٣)

شرح الحديث استنثار امام احمدؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کے نزدیک واجب ہے، عند الجمہور مستحب ہے، استنشاق اور استنثار کے درمیان فرق اور اختلافات وغیرہ باب صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں گزر چکے۔

١٤١ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ قَارِظٍ، عَنْ أَبِي غَطَفَانَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اسْتَنْثِرُوا مَرَّتَيْنِ بَالِغَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا».

ترجمہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم لوگ دو مرتبہ مبالغہ کے ساتھ ناک سے پانی نکال کر ناک کو صاف کر لیا کرو یا فرمایا کہ تین مرتبہ ناک صاف کرو۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (١٤١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٠٨)

١٤٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، فِي آخَرِينَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيطِ بْنِ صَبْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ لَقِيطِ بْنِ صَبْرَةَ، قَالَ: كُنْتُ وَافِدَ بَنِي الْمُنْتَفِقِ - أَوْ فِي وَفْدِ بَنِي الْمُنْتَفِقِ - إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ نُصَادِفْهُ فِي مَنْزِلِهِ، وَصَادَفْنَا عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَ: فَأَمَرَتْ لَنَا بِخَزِيرَةٍ فَصُنِعَتْ لَنَا، قَالَ: وَأُتِينَا بِقِنَاعٍ - وَلَمْ يَقُلْ قُتَيْبَةُ: الْقِنَاعَ، وَالْقِنَاعُ: الطَّبَقُ فِيهِ تَمْرٌ - ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «هَلْ أَصَبْتُمْ شَيْئًا؟ - أَوْ أُمِرَ لَكُمْ بِشَيْءٍ؟» قَالَ: قُلْنَا: نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: فَبَيْنَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُلُوسٌ، إِذْ دَفَعَ الرَّاعِي غَنَمَهُ إِلَى الْمُرَاحِ، وَمَعَهُ سَخْلَةٌ تَيْعَرُ، فَقَالَ: «مَا وَلَّدْتَ يَا فُلَانُ؟»، قَالَ: بَهْمَةً، قَالَ: «فَاذْبَحْ لَنَا مَكَانَهَا شَاةً»، ثُمَّ قَالَ: "لَا تَحْسِبَنَّ وَلَمْ يَقُلْ: لَا تَحْسَبَنَّ أَنَّا مِنْ أَجْلِكَ ذَبَحْنَاهَا، لَنَا غَنَمٌ مِائَةٌ لَا نُرِيدُ أَنْ تَزِيدَ، فَإِذَا وَلَّدَ الرَّاعِي بَهْمَةً، ذَبَحْنَا مَكَانَهَا شَاةً" قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي امْرَأَةً وَإِنَّ فِي لِسَانِهَا شَيْئًا - يَعْنِي الْبَذَاءَ - قَالَ: «فَطَلِّقْهَا إِذًا»، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لَهَا صُحْبَةً، وَلِي مِنْهَا وَلَدٌ، قَالَ: "فَمُرْهَا يَقُولُ: عِظْهَا فَإِنْ يَكُ فِيهَا خَيْرٌ فَسَتَفْعَلْ، وَلَا تَضْرِبْ ظَعِينَتَكَ كَضَرْبِكَ أُمَيَّتَكَ" فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ، قَالَ: «أَسْبِغِ الْوُضُوءَ، وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ، وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا».

ترجمہ عاصم بن لقیط بن صبرہ اپنے والد لقیط بن صبرہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں بنی المنتفق قبیلہ کا وفد بن کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا یا فرمایا کہ میں بنی المنتفق وفد کا ایک فرد بن کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ جب ہم حضور کے پاس پہنچے تو آپ کے گھر میں ہماری آپ سے ملاقات نہ ہوئی۔ ہم نے آپ کے گھر میں حضرت عائشہؓ کو پایا چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اپنی باندی کو کہا کہ ہمارے لئے خزیرہ تیار کرے (گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے زیادہ پانی اور نمک میں اس کو پکایا جاتا ہے، جب اس کا پانی سوکھ جائے تو آٹا ملایا جاتا ہے پھر اس کا سالن بنایا جاتا ہے) چنانچہ اس باندی نے

ہمارے لئے وہ کھانا تیار کیا اور ہمارے پاس ایک تھال لایا گیا جس تھال میں کھجوریں تھیں۔ قتیبہ استاد نے تھال کو ذکر نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ ہمیں کھجوریں پیش کیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے کچھ لیا ہے یا فرمایا تمہارے لئے کچھ تیار کرنے کا کہا گیا؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ہم کھا چکے ہیں۔ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک چرواہا چراگاہ سے اپنی بکریوں کو واپس لا رہا تھا اور اس چرواہے کے ساتھ بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا جو اسی وقت پیدا ہوا تھا وہ بچہ آواز نکال رہا تھا جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے چرواہے تم نے بکری سے کیا جنوایا؟ اس نے جواب دیا کہ بکری (مادہ) جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اس نوزائدہ بچہ کے بدلے ہمارے لئے ایک بکری ذبح کرو۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لاتحسبن سین کے زیر کے ساتھ نہ کہ سین کے زبر کے ساتھ (یہ لقیط بن صبرہ یا کسی اور راوی کے کمال حفظ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے سین کے زیر کے ساتھ فرمایا تھا) تم لوگ یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری وجہ سے ہم نے اس بکری کو ذبح کیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہماری سو بکریاں ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان کی تعداد سو سے زیادہ ہو۔ پس جب چرواہا کسی بچہ کو جنواتا ہے تو ہم اس کے بدلے ایک بکری ذبح کر دیتے ہیں (تاکہ اس کی تعداد سو سے زیادہ نہ ہو) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری ایک بیوی ہے اسکی زبان میں کچھ (بیماری) ہے یعنی وہ بیہودہ باتیں کرتی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم پھر اسکو طلاق دے دو۔ میں نے عرض کیا یہ عورت میرے ساتھ ایک بڑے عرصے سے رہ رہی ہے اور میری اس سے اولاد بھی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کو کہو یعنی اس کو وعظ و نصیحت کرو۔ اگر اس میں خیر ہو گی تو وہ تمہاری بات مانے گی۔ اور تم اپنی بیوی کو ایسے مت مارو جیسا کہ تم اپنی باندی کو مارتے ہو۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وضو کے بارے میں بتلایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: وضو اچھے طریقہ پر کرو اور اپنی (ہاتھ پاؤں کی) انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی ڈالنے میں تم مبالغہ کرو سوائے اس کے کہ تم روزہ سے ہو۔

۱۴۳ - حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ كَثِيرٍ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ، عَنْ أَبِيهِ وَافِدِ بَنِي الْمُنْتَفِقِ، أَنَّهُ أَتَى عَائِشَةَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ، قَالَ: فَلَمْ يَنْشَبْ أَنْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَتَقَلَّعُ يَتَكَفَّأُ، وَقَالَ: عَصِيدَةٌ، مَكَانَ خَزِيرَةٍ.

ترجمہ: بنو المنتفق کے وفد کے رکن لقیط بن صبرہ کہتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہؓ کے گھر گئے اس کے بعد گزشتہ حدیث کی طرح نقل کیا اس میں یہ اضافہ ہے کہ ابھی ہم تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے کہ حضور ﷺ مضبوطی کے ساتھ قدم اُٹھاتے ہوئے آگے کی طرف جھکتے ہوئے (جیسا کہ آدمی ڈھلوان میں اُتر رہا ہو) تشریف لائے اور راوی نے اس حدیث میں خزیرہ کی جگہ عصیدہ (بغیر گوشت والا دلیہ) ذکر کیا۔

۱۴۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ فِيهِ: «إِذَا تَوَضَّأْتَ

فَمَضْمِضْ».

ترجمة ابن جریج نے یہ حدیث نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تم وضو کرو تو کلی کرو۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (٣٨) جامع الترمذي - الصوم (٧٨٨) سنن النسائي - الطهارة (٨٧) سنن النسائي - الطهارة (١١٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٤٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٠٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٤٨) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٣٣/٤) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٣٣/٤) مسند أحمد - مسند الشاميين (٢١١/٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٠٥)

شرح الأحاديث وفد جمع ہے وافد کی، یہاں پر شک راوی ہے کہ روایت میں وافد کا لفظ ہے یا وفد کا، اگر وافد کا لفظ ہے تو اسکا تقاضا بظاہر یہ ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں آنے والے تنہا یہ صحابی تھے، اور اگر روایت میں لفظ وفد ہے تو اسکا تقاضا یہ ہے کہ آپکی خدمت میں آنے والی ایک جماعت تھی، جس میں یہ صحابی یعنی لقیط بن صبرہ بھی شامل تھے۔

مضمون حدیث: حدیث کا مضمون یہ ہے کہ لقیط بن صبرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنی المنتفق کا وفد جس میں میں بھی شامل تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا، ہم حضور ﷺ کے مکان پر پہنچے، حضرت عائشہؓ کے یہاں اس وقت حضور مکان پر تشریف فرما نہیں تھے، حضرت عائشہؓ نے ہماری خاطر مدارات فرمائی جیسا کہ مہمان کی ہونی چاہئے تھوڑی دیر گزری تھی کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے پہنچتے ہی مہمانوں سے دریافت فرمایا کہ تمہاری کچھ خاطر بھی کی گئی یا نہیں؟ ہم نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ! آگے صحابی بیان کرتے ہیں کہ ہم آپ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ حضور ﷺ کا چرواہا چراگاہ سے آپ کی بکریوں کو واپس لایا، نیز چرواہے کے ساتھ ایک بکری کا نوزائیدہ بچہ بھی تھا جو ممیا رہا تھا (یعنی مے مے کر رہا تھا)۔

قوله: فَقَالَ: «مَا وَلَّدْتَ يَا فُلَانُ؟». قَالَ: بَهْمَةً: آپ نے چرواہے سے سوال فرمایا کہ تم نے بکری سے کیا جنوایا، چرواہے نے جواب دیا: بَهْمَةً. بَهْمَةً کہتے ہیں بکری کے بچے کو خواہ مادہ ہو یا نر، لیکن یہاں پر ظاہری لفظوں کے اعتبار سے مادہ ہی مراد ہے، اسلئے کہ اگر مطلق بچہ مراد لیا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ بکری نے بچہ دیا ہے اور یہ کلام بظاہر بے فائدہ ہے اس لئے مراد یہی ہے کہ بکری نے جو بچہ دیا ہے وہ مادہ یعنی انثی ہے، لیکن علامہ سیوطیؒ کی رائے یہ ہے آپ کا مقصود سوال عن العدد ہے نہ کہ عن الذکر والانثی، یعنی آپ کا مقصد یہ ہے کہ بکری نے ایک بچہ دیا ہے یا دو، چرواہے نے جواب دیا ایک بچہ، اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے جو سیوطیؒ نے کہی، سیاق کلام سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

غرضیکہ آپ ﷺ نے اس سوال و جواب کے بعد چرواہے سے فرمایا: فَاذْبَحْ لَنَا مَكَانَهَا شَاةً، یعنی بکری کے اس بچہ کے بدلہ میں ایک بکری ذبح کرو، اور اسکے بعد پھر حضور نے مہمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا، آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ اہتمام آپ کی وجہ

سے کیا جارہا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے ریوڑ میں سو بکریاں ہیں، ہم نہیں چاہتے کہ ان میں سو[1] پر اضافہ ہو چنانچہ اگر کوئی بکری بیاتی ہے تو اگر وہ بکری ایک بچہ دیتی ہے تو ہم ایک بکری کو ذبح کرادیتے ہیں اور اگر وہ دو بچے دیتی ہے تو دو بکریوں کو ذبح کرادیتے ہیں، غرضیکہ یہ چاہتے ہیں کہ بکریوں میں سو کے عدد پر زیادتی نہ ہو، سو اس وقت یہ بکری ذبح کرانا اسی بناء پر ہے، محض آپ کیلئے نہیں۔

قوله: إِنَّ لِي امْرَأَةً وَإِنَّ فِي لِسَانِهَا شَيْئًا: ان صحابی نے حضور اقدس ﷺ سے مانوس ہونے کے بعد اپنے ذاتی خانگی مسائل دریافت کرنے شروع کر دیئے، اور ایک بات یہ دریافت کی کہ میری بیوی کو بکواس کرنے کی عادت ہے، ہر وقت بک بک کرتی رہتی ہے اس کا کیا کیا جائے؟ آپ ﷺ نے برجستہ فرمایا فَطَلِّقْهَا إِذًا کہ اسکو طلاق دے ڈال، اس پر انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اس سے دیرینہ صحبت حاصل ہے اور اس سے مجھے اللہ نے اولاد بھی دی ہے، طلاق دینے کو جی نہیں چاہتا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: فَمُرْهَا یہ امر یأمر سے امر کا صیغہ ہے، اور اسکی تفسیر آگے راوی نے خود بیان کی يَقُولُ: عِظْهَا یعنی حضور ﷺ نے فرمایا اگر طلاق دینا نہیں چاہتا تو کم از کم اسکو وعظ و نصیحت کر دے، اگر اس میں کوئی ذرۂ خیر ہو گا تو یقیناً تیری نصیحت قبول کرے گی، اس پر وہ صحابی خاموش ہو گئے گویا اس مشورہ کو پسند کیا۔

حدیث پر ایک سوال اور اس کا جواب: یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ نے طلاق کا مشورہ اتنی جلدی کیوں دے دیا وہ تو ابغض المباحات ہے، جواب یہ ہے کہ یہ طلاق کا مشورہ امتحاناً و تنبیہاً تھا اگر بیوی پسند نہیں ہے اور اس سے تم کو شکایت ہے تو طلاق دے ڈالو، وہ اس پر گھبرا گئے اور معذرت کرنے لگے، آپ بھی یہ کب چاہتے تھے کہ وہ طلاق دیں، آپ نے تو صرف تنبیہاً فرمایا تھا، چنانچہ آپکی تنبیہ پر وہ سنبھل گئے اسکے بعد آپ نے اصل اور صحیح مشورہ دیا جو مقصود تھا، بات یہ ہے کہ نعمت کی قدر اسی وقت ہوتی ہے جب وہ ہاتھ سے جانے لگے، سبحان اللہ! حضور ﷺ کی کیا حکیمانہ تعلیمات ہیں۔

قوله: وَلَا تَضْرِبْ ظَعِينَتَكَ كَضَرْبِكَ أُمَيَّتَكَ: ظعينة، ہودج نشین عورت کو کہتے ہیں جو عام طور سے حرہ ہوتی ہے، لیکن اس کا اطلاق مطلق عورت پر بھی ہوتا ہے خواہ ہودج میں ہو یا نہ ہو۔ امية، امة کی تصغیر ہے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی حرہ بیوی کو اسطرح مت مارو جس طرح باندی کو مارا کرتے ہیں، شراح نے لکھا ہے یہ تشبیہ تقبیح کیلئے ہے، یعنی اپنی حرہ بیوی کو بھی کوئی مارا کرتا ہے، مارا تو باندی کو جاتا ہے نہ کہ بیوی کو۔

تخلیل اصابع کا حکم اور اس میں اختلافات: وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ: تخلیل اصابع کا مسئلہ مختلف فیہ

---

[1] آگے ابوداؤد کی کتاب الاضحیة (باب فی العقیقة ۲۸۴۲) میں ایک حدیث آرہی ہے، الفرع حق جسکی تفسیر میں اختلاف ہے، ایک معنی اس حدیث کے یہ بیان کئے گئے ہیں کہ بکریوں کا عدد جب پورا سو ہو جائے تو اسکے بعد جو بچہ پیدا ہوا اسکو ذبح کیا جائے، یہاں حدیث میں جو صورت مذکور ہے یہ اسی معنی کے قریب ہے فرق یہ ہے کہ فرع یہ ہوا کہ بچے کو ذبح کیا جائے اور یہاں بڑی بکری مراد ہے۔

ہے، مالکیہ کے یہاں اصابع یدین کی تخلیل واجب ہے اور اصابع رجلین کی مستحب ہے اور حنفیہ شافعیہ کے نزدیک اصابع الیدین والرجلین دونوں کی تخلیل مستحب ہے الا اذا کانت الاصابع منضمة فحینئذ یجب التخلیل اور امام احمدؒ کے اس میں دو قول ہیں ایک مثل جمہور کے اور یہی ان کے یہاں اصح ہے جیسا کہ مغنی میں لکھا ہے، اور دوسری روایت امام احمدؒ سے یہ ہے کہ تخلیل اصابع مطلقاً یعنی یدین اور رجلین دونوں کی واجب ہے۔

قولہ: وَبَالِغْ فِي الاِسْتِنْشَاقِ: یہ مسلک ظاہریہ اور امام احمدؒ کی ایک روایت کی دلیل ہے کہ مضمضہ سنت اور استنشاق واجب ہے۔

یہاں پر سوال یہ ہے کہ حدیث کو ترجمۃ الباب سے مطابقت کیسے ہے؟

ترجمہ میں تو استنثار کا ذکر ہے اور حدیث میں استنشاق کا، جواب یہ ہے کہ اول تو اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں استنشاق اور استنثار دونوں ہم معنی ہیں جیسا کہ بَابُ صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں تفصیل سے گزر چکا، اور اگر دونوں کو مختلف مانتے ہیں تو یوں کہا جائے گا کہ ترجمۃ الباب کا اثبات بطریق قیاس ہے، تیسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں لفظ أَسْبِغِ الْوُضُوءَ مذکور ہے، اسباغ کے عموم میں جملہ آداب و مستحبات آجاتے ہیں جن میں استنثار بھی داخل ہے۔

حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ...... فَلَمْ يَنْشَبْ أَنْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَتَقَلَّعُ يَتَكَفَّأُ: یہ لقیط بن صبرہ کی حدیث کا دوسرا طریق ہے، پہلے طریق میں اسماعیل بن کثیر سے روایت کرنے والے یحییٰ بن سلیم تھے، اور یہاں ان سے روایت کرنے والے ابن جریج ہیں۔ یہ زیادتی ابن جریج کے طریق میں ہے، طریق سابق میں نہیں ہے، یعنی راوی کہتا ہے کہ کچھ دیر نہیں گزری تھی ہمیں مکان پر پہنچے ہوئے کہ حضور ﷺ جلد ہی تشریف لے آئے۔

قولہ: يَتَقَلَّعُ يَتَكَفَّأُ: اس میں آپ ﷺ کی رفتار کی کیفیت کا بیان ہے وہ یہ کہ آپ بہت قوت سے قدم اٹھا رہے تھے اور آگے کو جھک کر چل رہے تھے، حضور ﷺ کی رفتار کے بیان میں یہی آتا ہے کہ آپکی چال مردانہ وار تھی زمین سے پاؤں قوت کے ساتھ اٹھاتے تھے، نیز تواضعاً آگے کو جھک کر چلتے تھے كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ فِي صَبَبٍ[1]، جیسے کوئی بلندی سے نشیب پر اترا کرتا ہے۔

ایک دوسرا فرق اس روایت میں یہ ہے کہ پہلی روایت کے الفاظ تھے فَأَمَرَتْ لَنَا بِخَزِيرَةٍ اور اس میں بجائے خزیرہ کے عَصِيدَةٌ ہے، خزیرہ کا ترجمہ آپ یہ سمجھیے کہ گوشت دار دلیہ یا حریرہ، اور اگر بغیر گوشت کے ہو تو وہ عصیدہ کہلاتا ہے۔

٥٦ - بَابُ تَخْلِيلِ اللِّحْيَةِ

داڑھی کے خلال کا بیان

١٤٥ - حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ يَعْنِي الرَّبِيعَ بْنَ نَافِعٍ، حَدَّثَنَا أَبُو الْمَلِيحِ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ زَوْرَانَ، عَنْ أَنَسٍ يَعْنِي ابْنَ مَالِكٍ، «أَنَّ

[1] المعجم الكبير للطبراني – ج ٢٢ ص ١٦٢ (مكتبة ابن تيمية – القاهرة الطبعة: الثانية)

رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا تَوَضَّأَ، أَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَأَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنَكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ» ، وَقَالَ: «هَكَذَا أَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَالْوَلِيدُ بْنُ زَوْرَانَ، رَوَى عَنْهُ حَجَّاجُ بْنُ حَجَّاجٍ، وَأَبُو الْمَلِيحِ الرَّقِّيُّ.

ترجمہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب وضو فرماتے تو ایک ہتھیلی میں پانی لے کر اپنی ٹھوڑی کے نیچے اس پانی کو ڈالتے اور اسکے ذریعے اپنی داڑھی کا خلال فرماتے اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔

تخریج سنن أبي داود- الطهارة (١٤٥) سنن ابن ماجه- الطهارة وسننها (٤٣١)

شرح الحدیث یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک تو وظیفۂ لحیہ یعنی وضو میں داڑھی کا حکم کیا ہے، غسل یا مسح؟ دوسرا مسئلہ وہ ہے جس کو مصنفؒ ذکر فرمارہے ہیں یعنی تخلیل لحیہ، حضرت شیخؒ نے لکھا ہے کہ بعض شراح ان دو مسئلوں کو بیان کرنے میں خلط کردیتے ہیں اس لئے ہر ایک کو الگ الگ سمجھنا چاہیے۔

تخلیل لحیہ میں مذاہب ائمہ: تخلیل لحیہ میں تو اختلاف یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ کے یہاں وضو میں سنت اور غسل جنابت میں واجب ہے اور امام مالکؒ کی اس سلسلہ میں کئی روایتیں ہیں مشہور یہ ہے کہ تخلیل لحیہ وضو میں مستحب نہیں، اور غسل میں ان سے دو روایتیں ہیں: ایک وجوب دوسرے سنیت، اور ابو ثور و حسن بن صالح اور ظاہریہ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں واجب ہے۔

ہمارے یہاں ایک قول یہ ہے کہ تخلیل لحیہ کا وضو میں سنت ہونا امام ابو یوسفؒ اور جمہور کا مسلک ہے، اور طرفین کے نزدیک سنت نہیں مستحب ہے، بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ صرف جائز ہے یعنی بدعت نہیں، اور وجہ اس قول کی یہ ہے کہ تخلیل لحیہ کے سلسلہ میں روایات ضعیف ہیں، چنانچہ امام احمدؒ اور ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں لیس فیہ شئ صحیح یعنی اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ امام ترمذیؒ نے تخلیل لحیہ کے سلسلہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ کی حدیث ذکر فرمائی أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ [1] اور انہوں نے اسکے بارے میں فرمایا هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ نیز یہ حدیث صحیح ابن حبان و صحیح ابن خزیمہ و مستدرک حاکم میں بھی موجود ہے، لہذا امام احمدؒ اور ابو حاتمؒ کا قول محل نظر ہے، نیز علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایۃ لأحادیث الھدایۃ [2] میں چودہ صحابہ سے تخلیل لحیہ کی روایات ذکر فرمائی ہیں، اور امام ترمذیؒ نے بھی وفی الباب کی تحت متعدد صحابہ کے نام ذکر کئے ہیں۔

---

[1] جامع الترمذی- کتاب الطھارۃ- باب ما جاء فی تخلیل اللحیۃ ٣١

[2] رَوَى تَخْلِيلَ اللِّحْيَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ. وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ. وَعَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ. وَابْنُ عَبَّاسٍ. وَعَائِشَةُ. وَأَبُو أَيُّوبَ. وَابْنُ عُمَرَ. وَأَبُو أُمَامَةَ. وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى. وَأَبُو الدَّرْدَاءِ. وَكَعْبُ بْنُ عَمْرٍو. وَأَبُو بَكْرَةَ. وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ. وَأُمُّ سَلَمَةَ. وَكُلُّهَا مَدْخُولَةٌ. وَأَمْثَلُهَا حَدِيثُ عُثْمَانَ (نصب الرایۃ لأحادیث الھدایۃ ج ١ ص ٢٣)

جاننا چاہئے کہ تخلیل لحیہ کا طریقہ یہ ہے کہ ٹھوڑی کے نیچے سے داڑھی کے اندر انگلیوں کو داخل کیا جائے مسح کے وقت تقاطر الماء من الاصابع شرط نہیں۔

وظیفۂ لحیہ اور اس میں اختلاف: دوسرا مسئلہ وظیفۂ لحیہ ہے یعنی لحیہ کا حکم کیا ہے غسل یا مسح؟
جواب یہ ہے کہ لحیہ کی دو قسمیں ہیں، خفیفہ اور کثہ، لحیہ خفیفہ وہ ہے جس میں چہرہ کی کھال نظر آئے اسکا حکم ہے یجب غسل ماتحتہا یعنی ایسی صورت میں چہرہ کی کھال کو تر کرنا ضروری ہے، داڑھی کو تر کرنا کافی نہیں، اور اگر لحیہ کثہ (گھنی داڑھی) ہے تو اس میں ہمارے یہاں آٹھ قول ہیں، اصح قول ہے غسل جمیع اللحیۃ فرض یعنی بجائے چہرے کے خود داڑھی کو دھونا فرض ہے، مگر اس سے وہ داڑھی مراد ہے جو خدین اور ذقن کے محاذات میں ہو، مسترسل حصہ اس میں داخل نہیں، اس کا دھونا ضروری ہے نہ مسح، معارف السنن میں بحوالہ امام نوویؒ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے [1]۔
لحیہ کثہ کے بارے میں اقوال ثمانیہ میں سے اصح قول ہمارے یہاں یہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا، باقی سات قول مرجوح ہیں، وہ یہ ہیں: مسح الکل، مسح الثلث، مسح الربع، مسح مایلاقی البشرۃ، غسل الثلث، غسل الربع، عدم الغسل والمسح۔

۵۷۔ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ

پگڑی پر مسح کرنے کا بیان

مسح علی العمامہ کا مسئلہ مشہور اور مختلف فیہ بین الائمہ ہے، ظاہریہ اور حنابلہ اور ابو ثور کے یہاں بجائے مسح راس کے مسح علی العمامہ جائز ہے اور کافی ہو جاتا ہے جسطرح مسح علی الخفین غسل رجلین کے قائم مقام ہو جاتا ہے، جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے یہاں صرف مسح علی العمامہ کافی نہیں اس سے فرض مسح ادا نہ ہوگا۔
البتہ ایک دوسرا مسئلہ یہاں پر ہے وہ یہ کہ مسح علی العمامہ سے سنت استیعاب بھی حاصل ہو سکتی ہے یا نہیں؟
یعنی بقدر فرض مسح سر پر کیا جائے اور سنت استیعاب حاصل کرنے کیلئے باقی مسح عمامہ پر کر لیا جائے سو شافعیہ کے یہاں مسح علی العمامہ سے سنت استیعاب حاصل ہو جاتی ہے اور یہی حکم ان کے یہاں قلنسوہ کا بھی ہے، چنانچہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ مسح علی العمامہ اور مسح علی القلنسوہ سے سنت استیعاب حاصل ہو جاتی ہے، خواہ لبس علی طہارۃ ہو یا نہ ہو [2]، اس مسئلہ کی تصریح کتب حنفیہ میں موجود نہیں البتہ حضرت گنگوہیؒ کا کلام الکوکب الدری میں جواز کی طرف مشیر ہے،

---

[1] معارف السنن شرح جامع الترمذي - ج ۱ ص ۱۷۲ - ۱۷۳
[2] المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ج ۳ ص ۱۷۲

یعنی سنت استیعاب کی تحصیل کیلئے مسح علی العمامہ جائز ہے [1]، مالکیہ فرماتے ہیں کہ مسح علی العمامہ بغیر عذر کے جائز نہیں نہ اس سے فرض ادا ہوتا ہے نہ سنت استیعاب لیکن اگر کسی عذر مثلاً سر میں کوئی زخم ہے یا اور کوئی بیماری ہے زکام وغیرہ جسکی وجہ سے کشف رأس یعنی سر پر سے پگڑی اتارنا مشکل ہو تو پھر اس صورت میں انکے یہاں مسح علی العمامہ جائز ہے جیسے مسح علی الجبیرہ کیا جاتا ہے۔

قائلین مسح علی العمامہ کیے نزدیک اس کیے شرائط: دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ مسح علی العمامہ کے جواز کے قائل ہیں، جیسے حنابلہ انکے یہاں اس کیلئے کچھ شرطیں بھی ہیں [2] کہ بغیر انکے مسح علی العمامہ صحیح نہیں، اول یہ کہ لبس علی طہارۃ ہو یعنی وضو اور طہارت حاصل کرنے بعد عمامہ باندھا گیا ہو، دوسری شرط یہ کہ عمامہ ساتر لجمیع الرأس ہو، تیسری شرط ان تکون علی صفۃ عمائم المسلمین یعنی جس طرح مسلمان عمامہ باندھتے ہیں اسطرح باندھا گیا ہو جس کی تفسیر یہ ہے کہ عمامہ محنک یا شملہ دار ہو، چوتھی شرط توقیت ہے یعنی جس طرح مسح علی الخفین موقت ہے، مدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں، اس کے بعد نہیں، اسی طرح مسح علی العمامہ بھی۔

حدیث مسح علی العمامہ کی توجیہات: اب رہ گیا مسئلہ دلائل کا سو جاننا چاہئے کہ مسح علی العمامہ کی حدیث صحاح ستہ کے اندر موجود ہے اور سنن اربعہ میں اسکے بارے میں مستقل ترجمۃ الباب بھی قائم کیا گیا ہے، البتہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس پر کوئی مستقل باب قائم نہیں کیا، مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اگرچہ حدیث مسح علی العمامہ کی تخریج کی ہے، مگر انہوں نے اس پر مستقل ترجمہ قائم نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسح علی العمامہ ان کے نزدیک ضعیف ہے، وہ فرماتے ہیں میرا تجربہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی عادت شریفہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث ان کے نزدیک قوی ہوتی ہے اور اس میں کوئی لفظ ایسا ہوتا ہے جس میں امام بخاریؒ کو تردد ہوتا ہے تو ایسے موقعہ پر امام بخاریؒ یہ کرتے ہیں کہ اس حدیث کو تو ذکر کر دیتے ہیں لیکن جس لفظ میں تردد ہوتا ہے اس پر باب قائم نہیں کرتے، لہٰذا امام بخاریؒ کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مسح علی العمامہ کے جواز میں تردد ہے۔

مسح علی العمامہ کی روایات کے جمہور کی جانب سے متعدد جواب دیے گئے ہیں۔

① یہ احادیث معلل ہیں کما قالہ مولانا عبد الحي قلت: لکن قال ابن العربي صحیحۃ لا غبار علیہا۔

② امام محمدؒ موطا فرماتے ہیں بلغنا ان المسح علی العمامۃ کان ثم ترک [3] یعنی مسح علی العمامہ شروع میں مشروع تھا، بعد میں

[1] الكوكب الدري على جامع الترمذي – ج ۱ ص ۱۳۵ – ۱۳۷ (مطبعۃ ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۳۹۵ھ)

[2] المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني كتاب الطهارة فصول حكم المسح على العمامة ج ۱ ص ۳۴۰

[3] بلغنا أن المسح على العمامة كان فترك وهو قول أبي حنيفة والعامة من فقهائنا (موطأ الإمام مالك – برواية محمد بن الحسن أبواب الصلاة باب المسح على العمامة والخمار رقم الحديث ۵۳ الناشر دار القلم – دمشق. الطبعة الأولى ۱۴۱۳ھ)

منسوخ ہو گیا۔

③ حدیث میں راوی کی جانب سے اختصار ہوا ہے بعض صحیح روایات میں مسح علی العمامہ کے ساتھ مسح علی الناصیہ بھی مذکور ہے جیسا کہ مغیرہ بن شعبہ کی حدیث میں ہے جو اسی کتاب میں باب المسح علی الخفین میں آئے گی جسکے لفظ یہ ہیں کَانَ یَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَعَلَى نَاصِيَتِهِ وَعَلَى عِمَامَتِهِ نیز مسلم [1] میں بھی یہی الفاظ موجود ہیں، لہذا یہ کہا جائیگا کہ ناصیہ پر مسح کیا آپ نے بطور فرض کے اور اس کے ساتھ عمامہ پر بھی مسح کیا سنت استیعاب حاصل کرنے کیلئے۔

④ عمامہ سے مراد ماتحت العمامہ ہے، حال بول کر محل مراد لیا گیا ہے اطلاق اسم الحال علی المحل کے قبیل سے ہے، چنانچہ اسی باب کی دوسری حدیث حضرت انسؓ کی روایت میں آرہا ہے فَأَدْخَلَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْعِمَامَةِ یعنی آپ نے بغیر عمامہ اتارے ہوئے عمامہ کے نیچے ہاتھ داخل کر کے سر کا مسح فرمایا۔

⑤ آپ نے مسح راس کے بعد پگڑی کو درست کیا ہو گا فظن التسویۃ مسحا جس سے دیکھنے والے نے دور سے یہ سمجھا کہ آپ مسح کر رہے ہیں۔

⑥ قاضی عیاض مالکی وغیرہ نے اپنے مسلک کے مطابق یہ جواب دیا کہ ہو سکتا ہے آپ نے مسح علی العمامہ کسی ایسے عذر کی وجہ سے کیا ہو جو کشف راس سے مانع تھا، لہذا آپ کا عمامہ پر مسح کرنا مثل مسح علی الجبیرہ کے ہے۔

⑦ مسح راس کا ثبوت قطعی ہے، لہذا اسکو ان اخبار آحاد کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا جو کہ محتمل ہیں، اور مسح عمامہ کو مسح علی الخفین پر قیاس کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ مسح علی الخفین کے سلسلہ میں روایات حدیثیہ شہرت بلکہ تواتر کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں، ایک فرق اور بھی ہے وہ یہ کہ غسل رجلین بغیر نزع خفین کے ممکن نہیں بخلاف عمامہ کے کہ بغیر نقض عمامہ کے مسح راس کر سکتے ہیں غرضیکہ وہاں حرج ہے اور یہاں حرج نہیں ہے، ہاں! استیعاب راس بالمسح صرف سنت ہے فرض نہیں، لہذا سنت اس سے حاصل ہو سکتی ہے، ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے نزدیک یہی آخری جواب زیادہ صحیح ہے۔

١٤٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: «بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً، فَأَصَابَهُمُ الْبَرْدُ فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوا عَلَى الْعَصَائِبِ وَالتَّسَاخِينِ».

ترجمہ: ثوبانؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جہاد میں ایک سریہ روانہ فرمایا انکو اس سفر میں سخت سردی لگی جب یہ حضرات واپس خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی پگڑیوں اور موزوں پر مسح کریں۔

---

[1] صحیح مسلم - کتاب الطھارۃ - باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ ٢٤٧

تخريج: سنن أبي داود - الطهارة (١٤٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٥/٢٧٧).

شرح الحديث بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً: یعنی حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ایک دستہ (چھوٹا سا لشکر) جہاد کیلئے روانہ فرمایا، ان اصحاب سریہ کو اس سفر کے دوران سردی لگ گئی، جب مدینہ منورہ حضور ﷺ کی خدمت میں ان کی واپسی ہوئی أَمَرَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوا عَلَى الْعَصَائِبِ وَالتَّسَاخِينِ یعنی حضور ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ بجائے رجلین کے مسح علی الخفین اور بجائے مسح رأس کے مسح علی العمامہ کریں۔

سَرِيَّةً کہتے ہیں قطعة من الجیش کو یعنی لشکر کا ایک ٹکڑا اور حصہ، جس کی تعداد کم سے کم پانچ اور زائد سے زائد تین سو ہوتی ہے، اور کہا گیا ہے چار سو، چنانچہ کہا جاتا ہے: خير السرايا اربعمائة رجل عصائب جمع ہے عصابة کی جس سے مراد عمامہ ہے، اور تساخین جمع ہے تسخان یا تسخین کی، وہ چیز جس کے ذریعہ پاؤں کو گرم کیا جائے یعنی خف۔

شروح میں جو جوابات دیے گئے ہیں انکا تعلق مطلق احادیث مسح علی العمامہ سے ہے اور خاص اس حدیث کے دو جواب دیے گئے ہیں، شیخ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں "مخصوص بهذه السرية" یعنی یہ حکم اس سریہ کے ساتھ خاص ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں المراد ماتحت العصائب یعنی حدیث میں عصائب سے ماتحت العصائب مراد ہے، حال بول کر محل مراد لیا گیا[1]۔

١٤٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي مَعْقِلٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ قِطْرِيَّةٌ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْعِمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهِ وَلَمْ يَنْقُضِ الْعِمَامَةَ».

ترجمہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو میں نے وضو کرتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ ایک قطری عمامہ باندھے ہوئے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے عمامہ کو کھولے بغیر عمامہ کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصہ کا مسح فرمایا۔

تخريج: سنن أبي داود - الطهارة (١٤٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٦٤)

٥٨ - بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ

پاؤں دھونے کا بیان

بَابٌ فِي إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ کے ذیل میں ایک حدیث گزری ہے وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ، وہاں ہم نے بیان کیا تھا کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ غسل رجلین ضروری ہے، اور یہ کہ اس پر ہم کلام باب غسل الرجل میں کریں گے، چنانچہ وہ باب آ گیا ہے۔

وظیفہ رجلین میں مذاہب علماء: وظیفہ رجلین کے بارے میں چار مذہب مشہور ہیں:

---

[1] أنه يجوز أن يكون هذا من قبيل ذكر الحال، وإرادة المحل، ذكر العصائب وأراد ما تحويه العصائب مجازا (شرح سنن أبي داود للعيني ج ١ ص ٣٤٦)

① ائمہ اربعہ کے نزدیک رجلین کا حکم غسل ہے۔

② فرقہ امامیہ کے نزدیک وظیفہ رجلین مسح ہے، بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ غسل جائز نہیں۔

③ حسن بصری محمد بن جریر طبری اور ابو علی جبائی کے نزدیک تخییر بین الغسل والمسح ہے۔

④ ظاہریہ کے نزدیک جمع بین الغسل والمسح ضروری ہے۔

لیکن جاننا چاہئے کہ محمد بن جریر طبری دو ہیں، ایک تو وہی جن کی تفسیر مشہور و معروف ہے یہ تو ہیں اہلسنت والجماعت سے، اور ایک ابن جریر طبری اہل تشیع میں سے ہیں، اور یہ دونوں ہی صاحب تفسیر ہیں، حافظ ابن القیمؒ کی رائے یہ ہے کہ ابن جریر طبری جو مسح رجلین کے قائل ہیں یہ ابن جریر طبری سنی نہیں بلکہ ابن جریر شیعی ہیں، مولانا یوسف بنوریؒ نے معارف السنن[1] میں یہ بات لکھ کر ابن قیمؒ کے خیال کی تائید نہیں فرمائی بلکہ لکھا ہے کہ ابن جریر سنی کا کلام بھی اس سلسلہ میں موہم ہے نیز قاضی ابو بکر بن العربی نے شرح ترمذی[2] میں ان ابن جریر سنی کی طرف تخییر بین الغسل والمسح کا قول منسوب کیا ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے اس مسئلہ کو اور زائد صاف وواضح کر کے لکھا ہے[3]۔

رہ گیا مسئلہ دلائل کا سو جاننا چاہئے کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں غسل رجلین کے سلسلہ میں احادیث مشہور و متواتر ہیں اور بعض صحابہ جیسے حضرت علیؓ وابن عباسؓ سے جو جواز مسح منقول ہے ان سے رجوع بھی ثابت ہے، عبد الرحمن بن ابی لیلی فرماتے ہیں اجمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی غسل الرجلین اور امام طحاویؒ وابن حزم ظاہری کی رائے یہ ہے کہ جن احادیث سے مسح رجلین مستفاد ہوتا ہے وہ منسوخ ہیں[4]، اور امام ترمذیؒ نے وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ کی حدیث سے وجوب غسل رجلین پر استدلال کیا ہے[5]۔

مجوزین مسح کا استدلال قرأت جر سے اور اسکے جوابات: مجوزین مسح کا استدلال آیت وضو[6] میں وَأَرْجُلِكُمْ کی قرأت جر سے بھی ہے، جمہور علماء نے اسکے متعدد جواب دیئے ہیں:

① قرأت نصب معارض ہے قرأت جر کے یعنی اگر قرأت جر کا تقاضا جواز مسح رجلین کا ہے تو قرأت نصب کا تقاضا وجوب

---

[1] معارف السنن شرح جامع الترمذي - ج ١ ص ١٨٦

[2] عارضة الأحوذي شرح صحيح الترمذي - ج ١ ص ٥٨

[3] تفسير ابن كثير - ج ٥ ص ١٠٧ـ ١٢٦

[4] فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ١ ص ٢٦٦

[5] وَفِقْهُ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ (جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب ماجاء ويل للأعقاب من النار ٤١)

[6] يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلوٰةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھو لو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور مل لو اپنے سر کو اور پاؤں ٹخنوں تک (سورۃ المائدۃ ٦)

غسل رجلین کا ہے اور دو قرأتیں حکم میں دو مستقل آیتوں کے ہوتی ہیں، لہذا بہتر یہ ہے کہ دونوں قرأتوں کو دو حالتوں پر محمول کیا جائے، قرأت جر کو (جس کا تقاضا مسح ہے) حالت تخفف پر، اور قرأت نصب کو حالت تجرد قدمین پر۔

③ابو علی فارسی کہتے ہیں کہ مسح کا اطلاق غسل خفیف پر بھی ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے "تمسح للصلوۃ ای توضأ"۔

④علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں قرأت نصب پر عمل کرنے سے قرأت جر بھی معمول بہا ہو جاتی ہے اس لئے کہ غسل متضمن ہوتا ہے مسح کو، بخلاف قرأت جر کے کہ اس پر عمل کرنے سے قرأت نصب کا متروک ہونا لازم آتا ہے [1]۔

⑥وَاَرْجُلِكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اندر جرّ جَرِّ جوار ہے یعنی پڑوس کی رعایت میں منصوب کو مجرور پڑھ دیا گیا اور فی الواقع یہ منصوب ہی ہے، کلام عرب میں جر جوار ایک مشہور چیز ہے، کہا جاتا ہے "عذاب یوم الیم" الیم کو مجرور پڑھتے ہیں حالانکہ عذاب کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونا چاہئے، اسی طرح "جحر ضب خرب" میں خرب مجرور ہے جر جوار کی وجہ سے، ورنہ فی الواقع مرفوع ہے، ترکیب میں جحر کی صفت واقع ہے۔

اس جواب پر فریق مخالف نے یہ اعتراض کیا کہ جر جوار عطف کی صورت میں نہیں ہوتا، چنانچہ آپ نے جتنی مثالیں پیش کی وہ بغیر عطف کی ہیں، اور یہاں آیت وضو میں حرف عطف موجود ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب دیا گیا کہ یہ اشکال قلت تتبع کی بناء پر ہے ورنہ کلام عرب میں جر جوار حرف عطف کے ساتھ بھی آتا ہے، معلقہ کا مشہور شعر ہے

فظل [2] طهاة اللحم من بين منضج　　　صفيف شواء أو قدير معجل

قدیر کا عطف صفیف پر ہے جو منصوب ہے، لہذا فی الواقع قدیر بھی منصوب ہی ہے لیکن پڑوس کی رعایت میں لفظ قدیر پر جر لایا گیا ہے، دیکھئے یہاں پر جر جوار حرف عطف کے ساتھ موجود ہے۔

قدیر کے معنی ہیں ہانڈی میں پکا ہوا گوشت، اور صفیف شواء کا مطلب ہے گوشت کے وہ ٹکڑے جن کو گرم پتھر پر رکھ کر بھونا گیا ہو۔

⑤ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ وارجلکم میں جر والی قرأت علفتها تبناً وماءً بارداً کے قبیل سے ہے یعنی ایسے دو فعل جو متقارب المعنی ہوں ان میں سے ایک کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں اور دوسرے کو حذف کر دیتے ہیں، چنانچہ اس جملہ میں اصل عبارت اس طرح ہے عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَسَقَيْتُهَا مَاءً بَارِدًا اسلئے کہ پانی پلایا جاتا ہے کھلایا نہیں جاتا مگر چونکہ اکل و شرب یہ دونوں فعل متقارب المعنی ہیں اسلئے ایک فعل کے ذکر پر اکتفاء کر دیا کرتے ہیں [3]، اسی طرح اس آیت میں ہے کہا گیا مسح کرو سروں

---

[1] شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى بالكاشف عن حقائق السنن- ج ۳ ص ۷۹٦ (مكتبة نزار مصطفى الباز الطبعة الأولى ۱۴۱۷ھ)

[2] شکار کا گوشت پکانے والیاں دو طرح کی ہو گئیں، بعض ہانڈی میں پکانے والی اور بعض گرم پتھر پر گوشت کو بچھا کر بھوننے والی۔

[3] فتح الباري شرح صحيح البخاري- ج ٤ ص ۳٦۳

کا اور پیروں کا اور مراد یہ ہے مسح کرو سروں کا اور غسل کرو پیروں کا اسلئے کہ اصل عبارت یوں ہے "وامسحوا برؤسکم واغسلوا ارجلکم" چونکہ مسح اور غسل متقارب المعنی تھے اس لئے ایک کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

۱٤٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيِّ، عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهِ».

ترجمہ: مستورد بن شدادؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے وضو میں اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کا اپنی چھنگلی سے خلال فرمارہے تھے۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٤٠) سنن أبي داود - الطهارة (١٤٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٤٦) مسند أحمد - مسند الشاميين (٢٢٩/٤)

شرح الحدیث: اس حدیث سے مصنفؒ نے غسل رجلین پر استدلال کیا ہے، اس لئے کہ اصابع رجلین کی تخلیل مبالغہ غسل رجلین کو مقتضی ہے، اس لئے کہ مسح کی بناء تو تخفیف پر ہوتی ہے، وہاں ایسا مبالغہ کہاں مطلوب ہوتا ہے۔

٥٩ - بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کا بیان

مسائل وضو اور اسکے احکام کا بیان تو ختم ہوا اب غسل کا نمبر تھا، مگر مصنفؒ نے مسح علی الخفین کو غسل پر اس لئے مقدم کیا کہ یہ توابع وضو میں سے ہے غسل سے اس کا کوئی تعلق نہیں بالاجماع وضو ہی کے ساتھ خاص ہے، نیز مصنفؒ نے مسح علی الخفین کو تیمم پر مقدم کیا اس لئے کہ تیمم خلیفہ ہے تمام وضو کا اور مسح علی الخفین نائب ہے جزو وضو کا، اور جزء مقدم ہوتا ہے کل پر۔

علماء نے لکھا ہے کہ مسح علی الخفین اس امت کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ حضور ﷺ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے صلوا فی خفافکم فإن الیھود لایصلون فی خفافھم [1]۔ روضۃ المحتاجین میں لکھا ہے کہ مسح علی الخفین کی مشروعیت ۹ھ غزوۂ تبوک میں ہوئی، امام نوویؒ فرماتے ہیں اجماع میں جن لوگوں کا قول معتبر ہوسکتا ہے ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسح علی الخفین مطلقاً جائز ہے خواہ سفر ہو یا حضر، کسی ضرورت کی وجہ سے ہو یا بلا ضرورت، اور اس میں مرد و عورت سب برابر ہیں، البتہ شیعہ اور خوارج نے اسکا انکار کیا ہے لیکن ان کا اختلاف قابل شمار نہیں، اور امام مالکؒ سے اس سلسلہ میں مختلف روایات ہیں، ان کا بھی مشہور مذہب وہی ہے جو جمہور کا ہے، نیز وہ فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین بیشمار صحابہ سے منقول ہے حسن بصریؒ فرماتے ہیں حدثنی سبعون من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان

---

[1] عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَالِفُوا الْيَهُودَ وَصَلُّوا فِي خِفَافِكُمْ وَنِعَالِكُمْ، فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي خِفَافِهِمْ وَلَا فِي نِعَالِهِمْ. (مسند البزار رقم الحديث ٧٢٣٠ ج ١٣ ص ٤٥٦، مكتبة العلوم والحكم الطبعة الأولى)

بمسح علی الخفین[1]۔

امام مالکؒ کے مسلک کی تحقیق: حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابن عبد البرؒ سے نقل کیا ہے کہ فقہاء میں سے کسی فقیہ سے بجز امام مالکؒ کے مسح علی الخفین کا انکار منقول نہیں، اور روایات صحیحہ امام مالکؒ سے بھی اسکے اثبات میں ہیں، امام شافعیؒ نے بھی کتاب الام میں مالکیہ کے اس قول پر نکیر فرمائی ہے، پھر حافظؒ لکھتے ہیں اس وقت مالکیہ کے یہاں دو قول مشہور ہیں اول مطلقاً جواز، ثانی مسافر کیلئے جواز اور مقیم کیلئے عدم جواز، وہ کہتے ہیں کہ مدونہ کی عبارت کا مقتضی قول ثانی ہے، لیکن قاضی ابوالولید باجی مالکیؒ نے قول اول یعنی مطلقاً جواز کو صحیح قرار دیا ہے، نیز علامہ باجی فرماتے ہیں امام مالکؒ کو اپنے بارے میں مسح علی الخفین میں توقف تھا اور عام فتویٰ وہ جواز ہی کا دیتے تھے[2]۔

حضرت شیخؒ نے اوجز میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ کی مؤطا شاہد عدل ہے اس بات پر کہ وہ سفراً و حضراً مسح علی الخفین کے قائل تھے[3]، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کا ثبوت متواتر ہے، کہا گیا ہے کہ اس کے رواۃ اسی صحابہ سے متجاوز ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں[4]، ابن المبارکؒ فرماتے ہیں مسح علی الخفین کے بارے میں صحابہ سے کوئی اختلاف منقول نہیں اور اگر بعض صحابہ جیسے حضرت علیؓ و ابن عباسؓ وغیرہ سے اس کا انکار منقول بھی ہے تو ان سے اسکا اثبات بھی مروی ہے (أوجز المسالك الى موطأ مالك ج ۱ ص ۴۳۷)۔

أوجز میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور اسی طرح امام ابوحنیفہؒ سے اہل سنت والجماعت کی علامات کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا أن تفضیل الشیخین، وتحبّ الختنین، وتمسح علی الخفین، نیز امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے ما قلت بالمسح حتی جاءنی فیہ مثل ضوء النہار، یعنی میں اس وقت تک مسح علی الخفین کا قائل نہیں ہوا جب تک کہ اس سلسلہ میں دلائل مجھ پر روز روشن کی طرح واضح نہ ہو گئے[5]۔

شیعہ حضرات جو اسکے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ مسح علی الخفین کے قائل نہیں تھے، جب ان سے اسکے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا سَبَقَ الْكِتَابُ الْخُفَّيْنِ یعنی قرآن کریم کا حکم مسح علی الخفین پر غالب ہے اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ قول بسند متصل ثابت نہیں۔

اور خوارج یہ کہتے ہیں کہ مسح علی الخفین کتاب اللہ کے خلاف ہے اس کا جواب ظاہر ہے کہ اول تو اس سلسلہ میں روایات

---

1. المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج ۳ ص ۱۶۴
2. فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ۱ ص ۳۰۵
3. أوجز المسالك إلى موطأ مالك - ج ۱ ص ۴۳۸ (دار القلم دمشق الطبعة الأولى ۱۴۲۴ھ)
4. فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ۱ ص ۳۰۶
5. أوجز المسالك إلى موطأ مالك - ج ۱ ص ۴۳۷

حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں، اسکے ذریعہ سے کتاب اللہ کے حکم میں ترمیم کی جاسکتی ہے، ثانیاً یہ کہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ کتاب اللہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ آیت وضو میں رجلین کے بارے میں دو قرائتیں، قرأت نصب اور قرأت جر اور مسح علی الخفین قرأت جر کے مطابق ہے۔

دراصل بعض صحابہ کو اس وقت تک تردد تھا جب تک ان کے علم میں یہ نہیں آیا تھا کہ آپ ﷺ نے نزول مائدہ (آیت الوضو) کے بعد بھی مسح علی الخفین کیا ہے، جب ان کو اس کا علم ہوگیا تو پھر تردد بھی ختم ہوگیا، جیسا کہ حدیث جریر میں آگے آرہا ہے۔

یہاں ایک اختلافی مسئلہ اور ہے، وہ یہ کہ مسح علی الخفین افضل ہے یا غسل رجلین؟ ابن قدامہ نے مغنی میں لکھا ہے امام احمدؒ سے مروی ہے کہ مسح افضل ہے غسل رجلین سے اس لئے کہ حضور ﷺ اور اسی طرح آپ کے اصحاب طالب فضل تھے تو جب انہوں نے بجائے غسل کے مسح کو اختیار فرمایا تو معلوم ہوا کہ اسی میں فضیلت ہے، وہ لکھتے ہیں کہ یہی مذہب امام شافعیؒ اور اسحق بن راہویہ کا ہے اس لئے کہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ أَنْ يُؤْخَذَ بِرُخَصِهِ، اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی رخصتوں کو قبول کیا جائے (کذا فی المغنی [1]) لیکن میں کہتا ہوں کہ میں نے کتب شافعیہ میں دیکھا انہوں نے لکھا ہے الافضل الغسل، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں غسل افضل ہے بشرطیکہ ترک مسح بطریق اعراض عن السنة کے نہ ہو، اور امام مالکؒ کے یہاں بھی غسل ہی افضل ہے اور حنفیہ کا مذہب مراقی الفلاح میں یہ لکھا ہے اگر کوئی شخص باوجود جواز مسح کے اعتقاد کے مشقت برداشت کرے اور موزے اتار کر غسل رجلین کرے تو اس کو اس عزیمت کا زائد ثواب ہوگا، کیونکہ غسل بنسبت مسح کے اشق واصعب ہے اور شعبی کی رائے یہ ہے کہ مسح افضل ہے، ابن المنذر فرماتے ہیں یہ مسئلہ علماء کے مابین گو اختلافی ہے لیکن میرے نزدیک مسح افضل ہے اس لئے اہل بدع یعنی خوارج وروافض سنیت مسح کا انکار کرتے ہیں، لہذا ان کی مخالفت میں مسح کو اختیار کرنا اولیٰ ہوگا۔

١٤٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي عَبَّادُ بْنُ زِيَادٍ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ الْمُغِيرَةَ، يَقُولُ: عَدَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا مَعَهُ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ قَبْلَ الْفَجْرِ، فَعَدَلْتُ مَعَهُ، فَأَنَاخَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَرَّزَ، ثُمَّ جَاءَ فَسَكَبْتُ عَلَى يَدِهِ مِنَ الْإِدَاوَةِ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ، ثُمَّ حَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ، فَضَاقَ كُمَّا جُبَّتِهِ، فَأَدْخَلَ يَدَيْهِ فَأَخْرَجَهُمَا مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ، فَغَسَلَهُمَا إِلَى الْمِرْفَقِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ عَلَى خُفَّيْهِ، ثُمَّ رَكِبَ، فَأَقْبَلْنَا نَسِيرُ حَتَّى نَجِدَ النَّاسَ فِي الصَّلَاةِ قَدْ قَدَّمُوا عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ، فَصَلَّى بِهِمْ حِينَ كَانَ وَقْتُ الصَّلَاةِ وَوَجَدْنَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَفَّ مَعَ

---

[1] المغني لابن قدامة - ج ١ ص ٢٠٦ (مكتبة القاهرة ١٣٨٨هـ)

الْمُسْلِمِينَ فَصَلَّى وَرَاءَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ الرَّكْعَةَ الثَّانِيَةَ، ثُمَّ سَلَّمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاتِهِ فَفَزِعَ الْمُسْلِمُونَ، فَأَكْثَرُوا التَّسْبِيحَ لِأَنَّهُمْ سَبَقُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلَاةِ، فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَهُمْ: «قَدْ أَصَبْتُمْ - أَوْ قَدْ أَحْسَنْتُمْ -».

ترجمہ مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز سے پہلے غزوہ تبوک کے سفر میں رسول اللہ ﷺ مسافروں کے قافلے کے درمیان سے ہٹ کر ایک راستہ کی طرف تشریف لے گئے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ اس راستہ کی طرف چل پڑا، حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک جگہ اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور آپ ﷺ قضائے حاجت کیلئے میدان میں تشریف لے گئے (تبرز قضائے حاجت کیلئے میدان جانا [1]) پھر آپ ﷺ تشریف لائے میں نے چمڑے کے چھوٹے سے برتن سے آپ ﷺ کے دست مبارک پر پانی ڈالا آپ ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دھویا پھر اپنے چہرہ کو دھویا پھر اپنی دونوں کلائیوں کو کھولا لیکن آپ ﷺ کے چوغہ مبارکہ کی دونوں آستین آپ ﷺ کے ہاتھوں پر چست ہو گئیں چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ جبہ کے اندر ڈال کر ان کو جبہ کے نیچے سے باہر نکالا۔ پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا اور اپنے سر کا مسح فرمایا پھر اپنے دونوں چمڑے کے موزوں پر مسح فرمایا۔ پھر حضور ﷺ سوار ہوئے اور ہم چلنے لگے یہاں تک کہ ہم صحابہؓ کے پاس پہنچے کہ وہ نماز میں مصروف تھے اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امامت کیلئے آگے کیا ہوا تھا۔ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز کے وقت ہو جانے پر ان کی نماز شروع کرا دی تھی اور عبدالرحمٰن بن عوف صحابہؓ کو فجر کی نماز کی ایک رکعت پڑھا چکے تھے تو حضور ﷺ جماعت میں دیگر صحابہ کے ساتھ صف میں شریک ہو گئے اور حضور ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پیچھے دوسری رکعت ادا فرمائی۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب سلام پھیر دیا تو حضور ﷺ اپنی نماز میں (بغیر سلام پھیرے) کھڑے ہو گئے (تاکہ چھوٹی ہوئی ایک رکعت ادا فرمائیں) چنانچہ مسلمان گھبرا گئے (کہ حضور ﷺ کی ایک رکعت فوت ہو گئی اور ہم نے آپ ﷺ کے آنے سے پہلے ہی نماز شروع کر دی تھی) اور انہوں نے بکثرت سبحان اللہ کہا کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے انہوں نے نماز شروع کر دی تھی جب حضور ﷺ نے سلام پھیرا (صحابہؓ کے دل کی تسلی کیلئے) ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے صحیح کیا یا فرمایا تم لوگوں نے ٹھیک کیا۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (١٨٠) صحيح البخاري - الوضوء (٢٠٠) صحيح البخاري - الصلاة (٣٥٦) صحيح البخاري - الصلاة (٣٨١) صحيح البخاري - الجهاد والسير (٢٧٦١) صحيح البخاري - المغازي (٤١٥٩) صحيح البخاري - اللباس (٥٤٦٢) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٤) جامع الترمذي - الطهارة (٩٧) جامع الترمذي - الطهارة (٩٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٠٠) سنن النسائي - الطهارة (٧٩) سنن النسائي - الطهارة (٨٢) سنن النسائي - الطهارة (١٢٣) سنن النسائي - الطهارة (١٢٤) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٤٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٨٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٤٥) سنن

---

[1] مصباح اللغات — ص ٥٦

ابن ماجه-الطهارة وسننها (٥٥٠) موطأ مالك-الطهارة (٧٣) سنن الدارمي-الطهارة (٧١٣)

شرح الحديث قوله: عَدَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عدول سے مراد قطار سے نکلنا ہے، دستور اس وقت یہ تھا کہ مسافروں کا قافلہ سفر میں قطار باندھ کر چلتا تھا، پھر جس کسی مسافر کو قضاء حاجت وغیرہ کی کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ قطار سے نکل آتا یہاں پر اسی کو حضرت مغیرہ بن شعبہ فرمارہے ہیں کہ حضور ﷺ استنجاء کی ضرورت سے قطار سے باہر نکل آئے، وہ کہتے ہیں کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے صبح صادق سے پہلے اسکی نوبت آئی۔

قوله: فَعَدَلْتُ مَعَهُ: یعنی جب آپ ﷺ قطار سے الگ ہوگئے تو میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ کسی ضرورت سے علیحدہ ہوئے ہیں، لہذا خدمت کیلئے میں بھی قطار سے نکل آیا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہولیا چنانچہ آپ ﷺ استنجاء کیلئے فاصلہ پر تشریف لئے گئے، اور پھر استنجاء سے فارغ ہوکر تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو وضو کرائی اور برتن سے آپ ﷺ کے اعضاء پر پانی ڈالا، جب ہاتھ دھونے کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے اپنے جبہ کی آستین اوپر چڑھانا چاہیں، مگر وہ تنگ ہونے کی وجہ سے اوپر نہ چڑھ سکیں اس لئے آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ جبہ کے اندر کی جانب سے باہر کو نکالے، اور چونکہ آپ ﷺ اس موقعہ پر لابس خفین تھے اس لئے آپ نے مسح علی الخفین فرمایا، راوی کہتے ہیں اسکے بعد ضروریات سے فارغ ہوکر ہم لوگ سواری پر سوار ہوکر جس طرف قافلہ جارہا تھا ادھر کو چلدیے، جب قافلے سے ہم جاملے تو دیکھا کہ ان لوگوں نے نماز کا وقت ہوجانے کی وجہ سے عبدالرحمن بن عوفؓ کو امامت کیلئے آگے بڑھادیا ہے اور ہمارے پہنچنے تک ایک رکعت ہوچکی تھی، آپ ﷺ جماعت میں شریک ہوئے، امام کے ساتھ ایک رکعت ادا فرمائی اور دوسری رکعت امام کے فارغ ہونے کے بعد حسب قاعدہ پڑھی۔

نمازیوں نے یہ دیکھ کر کہ ہم لوگوں نے دوسرے کو امام بنانے میں پیش قدمی کی گھبرائے اور بار بار تسبیح پڑھتے رہے، جب آپ ﷺ نے اپنی نماز پوری کرکے سلام پھیرا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا قَدْ أَصَبْتُمْ یا قَدْ أَحْسَنْتُمْ یعنی تم نے جو کچھ کیا صحیح کیا اسمیں قلق اور افسوس کی کوئی بات نہیں۔

سنن ابوداود اور مؤطا کی روایت کا تعارض: ابوداؤد کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا تسبیح پڑھنا نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہوا اور مؤطا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسبیح پڑھنا اس وقت ہوا جب حضور ﷺ وہاں پہنچے، اور ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نمازیوں نے حضور ﷺ کے پہنچنے پر اپنے امام کو متوجہ کرنے کیلئے نماز ہی میں یہ تسبیح پڑھی تاکہ وہ پیچھے ہٹ جائے، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے پیچھے آنے کا ارادہ فرمالیا تھا، لیکن حضور ﷺ کے اشارے پر انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا اور نماز پڑھاتے رہے۔

یہاں پر جمع بین الروایتین بھی ممکن ہے، ہوسکتا ہے کہ دونوں وقت میں تسبیح پڑھی ہو، شروع میں تو امام کو آگاہ کرنے کیلئے، اور

نماز سے فارغ ہونے کے بعد اظہار افسوس و قلق کے طور پر۔ واللہ اعلم بالصواب

اس قصہ میں مسح علی الخفین مذکور ہے، اور یہ واقعہ غزوۂ تبوک ۹ھ کا ہے اور سورہ مائدہ (آیت الوضو) جس میں غسل رجلین کا حکم مذکور ہے، اس کا نزول اس سے بہت پہلے غزوۂ بنو المصطلق ۵ھ یا ۴ھ میں ہو چکا تھا، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا مسح علی الخفین فرمانا نزول مائدہ کے بعد بھی ہے، اس سے بعض صحابہ کا یہ تردد مرتفع ہو جاتا ہے کہ نہ معلوم آپ ﷺ نے نزول مائدہ کے بعد مسح علی الخفین کیا یا نہیں، جیسا کہ آگے حدیث جریر میں بھی آرہا ہے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت کے دو مختلف قصے: یہاں پر ایک علمی سوال ہے، وہ یہ کہ جس طرح یہاں پر امامت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کا قصہ پیش آیا، اسی طرح کا ایک اور واقعہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، چنانچہ ابو داود میں بھی آگے بَابُ التَّصْفِيقِ فِي الصَّلَاةِ میں آرہا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں مصالحت کرنے کیلئے تشریف لے گئے، ان کے یہاں آپس میں کوئی قصہ پیش آگیا تھا، اسی اثناء میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے آکر عرض کیا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے آپ نماز پڑھا دیجئے، انہوں نے نماز شروع کرادی، نماز شروع کرانے کے بعد حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے اور صف میں آکر شامل ہو گئے، اس پر لوگوں نے تصفیق کی، بہت دیر کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور ان کو محسوس ہوا کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے، اس پر انہوں نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا، حضور ﷺ نے اشارہ سے منع فرمایا، مگر ان سے رہا نہیں گیا پیچھے ہٹ آئے پھر حضور ﷺ نے آگے بڑھ کر امامت فرمائی [1]۔

سوال یہ ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تو نماز پڑھاتے رہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے چلے آئے، ان میں سے کس کا طرز عمل زیادہ مناسب ہے؟ بعض شراح نے لکھا ہے کہ طرز عمل میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حضور ﷺ مسبوق ہو گئے تھے، اگر وہ پیچھے چلے آتے اور حضور آگے بڑھ جاتے تو اس صورت میں نماز کی ترتیب میں خلل واقع ہو جاتا اس لئے کہ لوگوں کی ایک رکعت ہو چکی تھی اور حضور کی دونوں رکعت باقی تھیں اور اس دوسرے قصہ میں آپ شروع ہی میں تشریف لے آئے تھے، اس میں یہ اشکال نہیں تھا اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ آئے۔

بعض حضرات نے اس میں دوسرا نکتہ پیدا کیا ہے، وہ یہ کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں، ایک امتثال امر، دوسرے سلوک ادب، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امتثال امر کو ترجیح دی، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سلوک ادب کو اختیار فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو بات مشہور ہے "الامر فوق الادب" یہ کوئی متفق علیہ چیز نہیں بلکہ دو مختلف الگ الگ پہلو ہیں، ملا علی

---

[1] سنن أبي داود - كتاب الصلاة - باب التصفيق في الصلاة ٩٤٠

قاریؒ فرماتے ہیں جس پہلو کو صدیق اکبرؓ نے اختیار فرمایا یعنی سلوک ادب وہ زیادہ اونچا ہے [1]۔

١٥٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ، ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ، عَنِ التَّيْمِيِّ، حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «تَوَضَّأَ وَمَسَحَ نَاصِيَتَهُ - وَذَكَرَ - فَوْقَ الْعِمَامَةِ»، قَالَ: عَنِ الْمُعْتَمِرِ، سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَعَلَى نَاصِيَتِهِ وَعَلَى عِمَامَتِهِ»، قَالَ بَكْرٌ: وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنَ ابْنِ الْمُغِيرَةِ.

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وضو فرمایا اور اپنی پیشانی کی طرف والے سر کے حصہ پر مسح فرمایا مغیرہ بن شعبہؓ نے بیان فرمایا کہ حضور ﷺ نے عمامہ کے اوپر مسح فرمایا تھا..... دوسری سند میں مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ چمڑے کے دونوں موزوں پر مسح فرماتے تھے اور سر کے اس حصہ پر مسح فرماتے تھے جو پیشانی کی طرف ہے اور اپنے عمامہ پر مسح فرماتے تھے۔ بکر راوی کہتا ہے کہ میں نے اس حدیث کو مغیرہ بن شعبہ کے صاحبزادہ سے سنا ہے۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (١٨٠) صحيح البخاري - الوضوء (٢٠٠) صحيح البخاري - الصلاة (٣٥٦) صحيح البخاري - الصلاة (٣٨١) صحيح البخاري - الجهاد والسير (٢٧٦١) صحيح البخاري - المغازي (٤١٥٩) صحيح البخاري - اللباس (٥٤٦٢) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٤) جامع الترمذي - الطهارة (٩٧) جامع الترمذي - الطهارة (٩٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٠٠) سنن النسائي - الطهارة (٧٩) سنن النسائي - الطهارة (٨٢) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٥٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٨٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٤٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٥٠) موطأ مالك - الطهارة (٧٣) سنن الدارمي - الطهارة (٧١٣)

شرح الحدیث ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: اس تحویل کی میرے نزدیک کوئی خاص احتیاج نہیں، سندین فی الواقع دو نہیں ایک ہی ہے مگر صرف فرق تعبیر کی وجہ سے مصنفؒ نے اس کو دو سندیں قرار دیدیا۔

شرح السند: حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں مصنفؒ کے استاذ دونوں سندوں میں مسدد ہیں اور پھر مسدد کے دو استاذ ہیں، یحیٰی بن سعید اور معتمر بن سلیمان، اور پھر یحیٰی و معتمر دونوں کے استاذ ایک ہی ہیں یعنی سلیمان تیمی، لیکن فرق یہ ہے کہ یحیٰی نے جب اس حدیث کو اپنے استاذ سے نقل کیا تو عَنِ التَّيْمِيِّ کہا جس سے مراد سلیمان تیمی ہیں، اور معتمر نے جب اس روایت کو نقل کیا تو بجائے عَنِ التَّيْمِيِّ کے سَمِعْتُ أَبِي کہا، أَبِي کا مصداق بھی وہی سلیمان تیمی ہیں، سلیمان تیمی چونکہ معتمر کے والد تھے اس لئے انہوں نے اس طرح تعبیر کیا، پھر آگے اخیر تک سند ایک ہی ہے۔

---

[1] أن أبا بكر فهم أن سلوك الأدب أولى من امتثال الأمر بخلاف عبد الرحمن، فإنه فهم أن امتثال الأمر أولى، ولا شك أن الأول أكمل (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ٢ ص ٢٠٣)

قوله: قَالَ: عَنِ الْمُعْتَمِرِ، سَمِعْتُ أَبِي: قال کی ضمیر مسدد کی طرف راجع ہے، یعنی کہا مسدد نے معتمر سے نقل کرتے ہوئے سَمِعْتُ أَبِي اور مسدد نے جب یحییٰ بن سعید سے نقل کیا تھا تو عَنِ التَّيْمِي کہا تھا، جیسا کہ ابھی گزرا۔

قوله: عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: اس ابن المغیرہ کا مصداق یا تو عروہ ہیں جیسا کہ اگلی سند میں آرہا ہے، یا مغیرہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں جن کا نام حمزہ ہے، حسن بصریؒ نے یہاں پر عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ مبہماً ذکر فرمایا ہے اور اگلی روایت شعبی کی ہے جس میں اس ابن کی تعیین فرماتے ہوئے انہوں نے سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ کہا، اور بعض روایات میں حمزة بن المغيرة کی تصریح ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں فی نفسہ یہ روایت عروہ اور حمزہ دونوں سے مروی ہے لیکن بکر بن عبد اللہ کی روایت میں صحیح یا تو حمزہ ہے یا پھر مطلق ابن المغیرۃ ہے بلا تعیین کے، بکر بن عبد اللہ کی روایت میں عروہ کی تعیین صحیح نہیں، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں اس کے بعد تهذيب التهذيب سے حافظ ابن حجرؒ کی عبارات نقل فرما کر ثابت فرمایا ہے کہ حافظ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بکر بن عبد اللہ کی روایات میں بھی عروہ اور حمزہ دونوں طرح آیا ہے، بکر کی روایت میں عروہ کی تعیین حافظ کے نزدیک وہم نہیں [1]۔

قوله: قَالَ بَكْرٌ: وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنَ ابْنِ الْمُغِيرَةِ: گذشتہ سند میں بکر اور ابن المغیرہ کے درمیان حسن کا واسطہ تھا، یہاں پر بکر یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث براہ راست ابن المغیرہ سے بھی سنی ہے بغیر واسطہ حسن کے۔

جاننا چاہئے کہ یحییٰ اور معتمر کی روایت میں سند کے اعتبار سے جو فرق تھا اس کا بیان اوپر آچکا، ان دونوں کی روایت میں الفاظ متن کے اعتبار سے جو فرق ہے وہ بھی سمجھ لینا چاہئے، وہ دو طرح کا ہے، ایک یہ کہ یحییٰ کی روایت میں مسح علی الخفین مذکور نہیں ہے اور معتمر کی روایت میں مذکور ہے، دوسرے یہ کہ یحییٰ کی روایت میں مسح علی العمامہ کو دوسرے انداز سے بیان کیا ہے اور وہ انداز وہ ہے جہاں پر راوی کو استاذ کے اصل الفاظ یاد نہیں رہتے وہ اس مضمون کو اپنے الفاظ میں ادا کرتا ہے، اور معتمر کی روایت میں ایسا نہیں ہے انہوں نے مسح علی العمامہ کو استاذ کے الفاظ میں بالجزم بیان کیا۔

۱۵۱ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، يَذْكُرُ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَكْبِهِ وَمَعِي إِدَاوَةٌ فَخَرَجَ لِحَاجَتِهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ فَتَلَقَّيْتُهُ بِالْإِدَاوَةِ فَأَفْرَغْتُ عَلَيْهِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ ذِرَاعَيْهِ، وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ مِنْ جِبَابِ الرُّومِ، ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ، فَضَاقَتْ فَادَّرَعَهُمَا ادِّرَاعًا، ثُمَّ أَهْوَيْتُ إِلَى الْخُفَّيْنِ لِأَنْزِعَهُمَا. فَقَالَ لِي: «دَعِ الْخُفَّيْنِ، فَإِنِّي أَدْخَلْتُ الْقَدَمَيْنِ الْخُفَّيْنِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا». قَالَ أَبِي: قَالَ الشَّعْبِيُّ: شَهِدَ لِي عُرْوَةُ، عَلَى أَبِيهِ، وَشَهِدَ أَبُوهُ، عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

---

[1] تهذيب التهذيب - ج ۳ ص ۳۳. بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۱۰۱ - ۱۱

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک قافلہ میں تھے میرے پاس چمڑے کا ایک چھوٹا سا برتن تھا۔ حضور ﷺ اپنی قضائے حاجت کیلئے تشریف لے گئے پھر واپس آئے تو میں چمڑے کا مشکیزہ لے کر حاضر ہوا اور میں نے اس مشکیزے سے آپ ﷺ کے اوپر پانی ڈالا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دھویا اور اپنے چہرہ مبارک کو دھویا پھر آپ ﷺ نے یہ چاہا کہ اپنی کلائیوں کو آستینوں سے نکالیں لیکن چونکہ آپ ﷺ روم کا ایک ایسا اونی جبہ پہنے ہوئے تھے جسکی آستینیں تنگ تھیں تو اس جبہ کی تنگ اور چست آستینوں کی وجہ سے آپ نے اپنی دونوں کہنیوں کو جبہ کے نیچے سے نکالا پھر میں نے چمڑے کے موزوں کے اُتارنے کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو حضور ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ان چمڑوں کے موزوں کو رہنے دو کیونکہ میں نے اپنے دونوں پاؤں چمڑے کے موزوں میں حالت طہارت میں داخل کئے تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے چمڑے کے موزوں پر مسح فرمایا۔ عیسیٰ راوی کہتا ہے کہ میرے والد نے فرمایا کہ شعبی نے کہا کہ عروۃ نے جب یہ حدیث سنائی تو یوں کہتا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے والد مغیرہ نے یہ حدیث سنائی تھی اور مغیرہ نے یوں فرمایا تھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے اس طرح فرمایا تھا (تو یہ حدیث مسلسل بالشہادہ ہے)۔

١٥٢ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، وَعَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ، قَالَ: تَخَلَّفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ هَذِهِ الْقِصَّةَ، قَالَ: فَأَتَيْنَا النَّاسَ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ يُصَلِّي بِهِمُ الصُّبْحَ، فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَتَأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ يَمْضِيَ، قَالَ: فَصَلَّيْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهُ رَكْعَةً، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى الرَّكْعَةَ الَّتِي سُبِقَ بِهَا، وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا شَيْئًا، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ، وَابْنُ الزُّبَيْرِ، وَابْنُ عُمَرَ، يَقُولُونَ: «مَنْ أَدْرَكَ الْفَرْدَ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ».

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک سفر میں صحابہ کی جماعت سے پیچھے رہ گئے (اور انکے ساتھ جاتے ہوئے راستہ سے ہٹ کر دوسرے راستہ پر تشریف لے گئے) پھر اسکے بعد یہ گزشتہ واقعہ ذکر کیا۔ اس حدیث میں یہ اضافہ ہے حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم صحابہؓ کے پاس پہنچے اس وقت عبدالرحمٰن بن عوفؓ انہیں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے جناب رسول اکرم ﷺ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنی امامت کی جگہ سے پیچھے ہونے کا ارادہ کیا لیکن نبی اکرم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اشارہ فرمایا کہ وہ نماز پڑھاتے رہیں۔ مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پیچھے ایک رکعت پڑھی۔ جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے سلام پھیرا تو حضور ﷺ کھڑے ہوگئے اور آپ ﷺ نے اپنی چھوٹی ہوئی رکعت ادا فرمائی اور اس پر کوئی اضافہ نہیں فرمایا (یعنی سجدہ سہو نہیں فرمایا اور اس پر اجماع ہے کہ مسبوق پر سجدہ سہو نہیں) امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابوسعید خدریؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو امام کے ساتھ طاق رکعت ملے (ایک یا تین رکعت) تو اس کے اوپر سجدہ

سہو لازم ہے۔

تخریج صحیح البخاري - الوضوء (۱۸۰) صحیح البخاري - الوضوء (۲۰۰) صحیح البخاري - الصلاة (۳۵٦) صحیح البخاري - الصلاة (۳۸۱) صحیح البخاري - الجهاد والسیر (۲۷٦۱) صحیح البخاري - المغازي (٤١٥٩) صحیح البخاري - اللباس (٥٤٦٢) صحیح مسلم - الطهارة (۲۷٤) جامع الترمذي - الطهارة (۹۷) جامع الترمذي - الطهارة (۹۸) جامع الترمذي - الطهارة (۱۰۰) سنن النسائي - الطهارة (۷۹) سنن النسائي - الطهارة (۸۲) سنن النسائي - الطهارة (۱۲۳) سنن النسائي - الطهارة (۱۲٤) سنن النسائي - الطهارة (۱۲٥) سنن النسائي - الطهارة (۱۲٥) سنن أبي داود - الطهارة (۱٥۱) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۳۸۹) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٤٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٥۰) موطأ مالك - الطهارة (۷۳) سنن الدارمي - الطهارة (۷۱۳)

شرح حدیث حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ الخ قوله فِي رَكْبَةٍ: یعنی سوار مسافروں کا قافلہ۔

قولہ: فَإِنِّي أَدْخَلْتُ الْقَدَمَيْنِ الْخُفَّيْنِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ: اس سے معلوم ہوا کہ مسح علی الخفین کے صحت کی شرط یہ ہے کہ لبس خفین طہارت پر ہوا ہو، مسئلہ اجماعی ہے۔

لبس خفین کے وقت طہارت کا ملہ ہونے میں اختلاف: لیکن اختلاف اس میں ہو رہا ہے کہ بوقت لبس خفین طہارت کاملہ ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی اگر غسل قدمین کے بعد موزے پہن لے اور اس کے بعد وضو کی تکمیل کرے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ سو جمہور کے نزدیک طہارت کاملہ عند اللبس شرط ہے، اور حنفیہ کے نزدیک لبس خفین کے وقت صرف طہارت القدمین کافی ہے بشرطیکہ حدث لاحق ہونے سے پہلے وضو کی تکمیل کرلے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ترتیب مسنون کے مطابق وضو کر رہا ہے اور ایک پاؤں دھونے کے بعد موزہ پہن لیا اور دوسرا پاؤں دھونے کے بعد دوسرا موزہ پہن لیا تو سفیان ثوریؒ اور مزنیؒ اور حنفیہ کے یہاں یہ صورت بھی جائز ہے جمہور علماء کے یہاں جائز نہیں۔

قولہ: قَالَ الشَّعْبِيُّ: شَهِدَ لِي عُرْوَةُ: یہ عیسیٰ بن یونس کا مقولہ ہے کہ مجھ سے میرے باپ یونس نے بیان کیا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے میرے استاذ شعبی نے بیان کیا کہ یہ حدیث مجھ سے میرے استاذ عروہ نے بلفظ شہادت بیان کی تھی اور آگے عروہ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث میرے استاذ مغیرہ بن شعبہ نے بلفظ شہادت بیان کی تھی، جاننا چاہئے کہ حدیث کو بوقت روایت لفظ شہادت سے بیان کرنا بعض مرتبہ تقویت حدیث کیلئے ہوا کرتا ہے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ......مَنْ أَدْرَكَ الْفَرْدَ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ: یعنی ابو سعید خدری، عبد اللہ بن الزبیر اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا یہ مسلک ہے کہ جس شخص کو امام کے ساتھ ایک یا تین رکعات ملی ہوں تو ایسے مسبوق کو نماز کے فراغ پر سجدہ سہو کرنا چاہئے شرح میں لکھا ہے کہ یہی مذہب عطاء اسحٰق بن راہویہ، طاوس اور مجاہد کا ہے۔

بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کو امام کے ساتھ ایک یا تین رکعات ملیں گی تو اس کو نماز میں جلوس فی غیر محلہ کرنا پڑے

گا، چنانچہ جب اس کو صرف ایک رکعت ملے گی تو اس کو ایک ہی رکعت پر بیٹھنا پڑے گا، اور جس صورت میں تین رکعات ملیں گی اور صرف ایک رکعت فوت ہوگی اس کو بھی ایک رکعت کے بعد فوراً بیٹھنا ہوگا کیونکہ امام کی وہ دوسری رکعت ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جمہور کے یہاں یہ کچھ نہیں اس لئے کہ اس واقعہ میں حضور ﷺ کو ایک ہی رکعت ملی تھی اور آپ نے سجدہ سہو نہیں کیا، یہ جمہور کی دلیل ہے۔

۱۵۳ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ يَعْنِي ابْنَ حَفْصِ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ، سَمِعَ أَبَا عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، أَنَّهُ شَهِدَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَوْفٍ يَسْأَلُ بِلَالًا، عَنْ وُضُوءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «كَانَ يَخْرُجُ يَقْضِي حَاجَتَهُ، فَآتِيهِ بِالْمَاءِ فَيَتَوَضَّأُ، وَيَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ وَمُوقَيْهِ» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هُوَ أَبُو عَبْدِ اللهِ مَوْلَى بَنِي تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ.

ترجمہ ابو عبد الرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ وہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے پاس موجود تھے اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ حضرت بلالؓ سے حضور ﷺ کے وضو کے متعلق پوچھ رہے تھے تو حضرت بلالؓ نے یہ جواب دیا کہ حضور ﷺ قضاء حاجت سے باہر تشریف لاتے تو میں آپ ﷺ کو پانی پیش کرتا (جس سے آپ ﷺ استنجاء فرماتے) پھر آپ وضو فرماتے اور اپنے عمامہ اور چمڑے کے موزوں پر مسح فرماتے۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں سند میں مذکورہ راوی ابو عبد اللہ قبیلہ بنی تیم بن مرہ کے مولیٰ ہیں۔

تخریج صحیح مسلم - الطهارة (٢٧٥) جامع الترمذي - الطهارة (١٠١) سنن النسائي - الطهارة (١٠٤) سنن النسائي - الطهارة (١٠٥) سنن النسائي - الطهارة (١٠٦) سنن أبي داود - الطهارة (١٥٣)

شرح الحدیث قوله: وَيَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ وَمُوقَيْهِ: اس حدیث میں مسح علی الخفین اور مسح علی العمامہ دونوں مذکور ہیں موقین سے مراد خفین ہیں، اس سے پہلے باب صفۃ الوضوء میں لفظ "كان يمسح على الماقين" گزر چکا، اس کی شرح وہاں گزر گئی۔

۱۵۴ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ الدِّرْهَمِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ دَاوُدَ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ، أَنَّ جَرِيرًا، بَالَ، ثُمَّ «تَوَضَّأَ فَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ» وَقَالَ: مَا يَمْنَعُنِي أَنْ أَمْسَحَ وَقَدْ «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ» . قَالُوا: إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ قَبْلَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ، قَالَ: مَا أَسْلَمْتُ إِلَّا بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ.

ترجمہ ابو زرعہ بن عمرو بن جریر سے مروی ہے کہ ان کے دادا جریر بن عبد اللہ البجلی نے پیشاب کیا پھر وضو کیا جس میں چمڑے کے موزوں پر مسح فرمایا اور فرمایا مجھے چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے سے کیا شی مانع ہے میں نے حضور ﷺ کو چمڑے کے موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حاضرین مجلس نے سوال کیا کہ چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کا حکم سورۃ مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے (اور سورۃ مائدہ میں تو پاؤں دھونے کا حکم ہے لہٰذا مسح علی الخفین منسوخ ہو گیا)

حضرت جریر نے جواب دیا کہ میں تو سورۃ مائدۃ کے نازل ہونے کے بعد ہی مسلمان ہوا ہوں۔

تخریج: صحيح البخاري - الصلاة (٣٨٠) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٢) جامع الترمذي - الطهارة (٩٣) جامع الترمذي - الطهارة (٩٤) جامع الترمذي - الجمعة (٦١١) سنن النسائي - الطهارة (١١٨) سنن أبي داود - الطهارة (١٥٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٤٣) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٣٥٨/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٣٦١/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٣٦٣/٤)

شرح حدیث: قوله: مَا يَمْنَعُنِي أَنْ أَمْسَحَ: حضرت جریر بن عبد اللہؓ نے جب مسح علی الخفین کیا تو اس پر بعض لوگوں نے اشکال کیا ہوگا اور یہ اشکال کرنے والے وہی حضرات ہوں گے جنہیں یہ بات معلوم نہیں تھی کہ حضور ﷺ نے نزول مائدہ یعنی آیت وضو کے نزول کے بعد مسح علی الخفین فرمایا ہے، چنانچہ حضرت جریرؓ نے فرمایا جب میں نے آپ ﷺ کو مسح علی الخفین کرتے دیکھا ہے تو پھر میں کیوں نہ کروں، اشکال کرنے والوں کے ذہن میں جو بات تھی وہ انہوں نے عرض کی: إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ قَبْلَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ، حضرت جریر بن عبد اللہؓ نے اسکا جواب دیا مَا أَسْلَمْتُ إِلَّا بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ یعنی میں تو نزول مائدہ کے بعد ہی اسلام لایا ہوں، اور میں نے آپکو مسح علی الخفین کرتے جو دیکھا ہے، وہ نزول مائدہ کے بعد ہی ہے، یہاں پر مسلم کی روایت میں ایک زیادتی ہے وہ یہ کہ راوی کہتا ہے كَانَ يُعْجِبُهُمْ هَذَا الْحَدِيثُ، دراصل آیت وضو کا نزول غزوہ بنو المصطلق ۴ سنہ ھ یا ۵ سنہ ھ میں ہوا اور ایک قول کی بنا پر ۶ سنہ ھ میں ہوا، اور حضرت جریرؓ کا اسلام بماہ رمضان ۱۰ سنہ ھ ہے۔

١٥٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَأَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا دَلْهَمُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، «أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ، فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا» . قَالَ مُسَدَّدٌ: عَنْ دَلْهَمِ بْنِ صَالِحٍ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «هَذَا مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ أَهْلُ الْبَصْرَةِ».

ترجمہ: بریدہ بن حصیب سے مروی ہے کہ نجاشی نے حضور ﷺ کو دو چمڑے کے موزے ہدیہ دیے جو بالکل سیاہ تھے ان موزوں پر کوئی نقش و نگار نہیں تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان موزوں کو پہن کر وضو فرمایا اور ان موزوں پر مسح فرمایا۔ مصنف کے استاد مسدد نے دلہم بن صالح سے روایت معنعن نقل کی ہے (جبکہ مصنف کے دوسرے استاد احمد بن ابی شعیب نے اس روایت کو حدثنا کی تصریح کے ساتھ نقل کیا تھا)۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو اہل بصرہ نقل کرنے میں متفرد ہیں۔

تخریج: جامع الترمذي - الأدب (٢٨٢٠) سنن أبي داود - الطهارة (١٥٥)

شرح حدیث: قوله: أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى: نجاشی تخفیف جیم کے ساتھ اور یاء مشدد و مخفف دونوں طرح منقول ہے انکا نام اصحمہ بن بحر ہے اور نجاشی لقب ہے، ہر شاہ حبشہ کا لقب نجاشی ہوتا ہے جیسے شاہ فارس کا کسریٰ اور شاہ روم کا قیصر، یہ نجاشی حضور ﷺ کے زمانہ میں اسلام لے آئے تھے لیکن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کی نوبت نہیں آئی تھی، اور بوقت اسلام انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا، جیسا کہ ابو داؤد کتاب الجنائز میں ہے وَلَوْلَا مَا أَنَا

فِيهِ مِنَ الْمُلْكِ لَأَتَيْتُهُ حَتَّى أَحْمِلَ نَعْلَيْهِ[1] کہ اگر میں اپنے امور سلطنت میں مشغول نہ ہوتا تو البتہ ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے نعلین شریفین اٹھا کر فخر حاصل کرتا۔

قوله: خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ: ساذج معرب ہے سادہ کا یعنی غیر منقوش، یا مراد یہ ہے کہ ان پر بال نہیں تھے، صاف چمڑا تھا، یا یہ مطلب ہے کہ وہ خالص سیاہ تھے کوئی دوسرا رنگ شامل نہ تھا۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «هَذَا مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ أَهْلُ الْبَصْرَةِ»: یعنی اس حدیث کے تمام رواۃ بصری ہیں لیکن یہ باعتبار اکثر کے صحیح ہے ورنہ بعض رواۃ اس میں غیر بصری بھی ہیں جیسے دلہم بن صالح کوفی ہیں۔

١٥٦ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا ابْنُ حَيٍّ هُوَ الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَامِرٍ الْبَجَلِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي نُعْمٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَسِيتَ؟، قَالَ: «بَلْ أَنْتَ نَسِيتَ، بِهَذَا أَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ».

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چمڑے کے موزوں پر مسح فرمایا میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ بھول گئے (کہ پاؤں کو تو دھویا جاتا ہے اور آپ ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا ہے)؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلکہ تم بھول گئے (کہ چمڑے کے موزوں پر شریعت میں مسح کرنے کا حکم ہے) میرے رب نے چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کا مجھے حکم دیا۔

تخریج: صحيح البخاري- الوضوء (١٨٠) صحيح البخاري - الوضوء (٢٠٠) صحيح البخاري - الصلاة (٣٥٦) صحيح البخاري - الصلاة (٣٨١) صحيح البخاري - الجهاد والسير (٢٧٦١) صحيح البخاري - المغازي (٤١٥٩) صحيح البخاري - اللباس (٥٤٦٢) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٤) جامع الترمذي - الطهارة (٩٧) جامع الترمذي - الطهارة (٩٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٠٠) سنن النسائي - الطهارة (٧٩) سنن النسائي - الطهارة (٨٢) سنن النسائي - الطهارة (١٢٣) سنن النسائي - الطهارة (١٢٤) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٥٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٨٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٤٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٥٠) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٤٤/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٤٥/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٤٦/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٤٧/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٤٨/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٤٩/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٥٠/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٥١/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٥٣/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٥٤/٤) موطأ مالك - الطهارة (٧٣) سنن الدارمي - الطهارة (٧١٣)

شرح الحدیث: قَالَ: «بَلْ أَنْتَ نَسِيتَ، بِهَذَا أَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ»: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ جب مغیرہ بن شعبہ نے حضور ﷺ کو مسح کرتے ہوئے دیکھا اور اس پر اشکال کیا کہ کیا آپ بھول سے مسح کر رہے ہیں؟ تو اس پر

---

[1] سنن أبي داود - كتاب الجنائز - باب في الصلاة على المسلم يموت في بلاد الشرك ٣٢٠٥

حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے بھول نہیں واقع ہو رہی ہے بلکہ تم بھول رہے ہو اس لئے کہ مسح علی الخفین جائز ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ ان کو تنبیہ فرمارہے ہیں کہ سوال کا یہ طریقہ نہیں ہے، بڑوں سے اس طرح خطاب نہیں کرنا چاہئے کہ ان کی طرف نسیان کی نسبت کی جائے، یعنی میں نہیں بھولا غسل رجلین کو بلکہ تم بھلا بیٹھے طریقہ سوال کو۔

٦٠ـ بَابُ التَّوْقِيتِ فِي الْمَسْحِ

چمڑے کے موزوں پر مسح کے وقت کا بیان

مسئلہ مترجم بہا مختلف فیہ ہے، جمہور علماء ائمہ ثلاثہ توقیت فی المسح کے قائل ہیں اور امام مالکؒ مشہور قول کی بناء پر توقیت کے قائل نہیں اور یہی مسلک لیث بن سعد کا ہے، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حضرت عمرؓ سے بھی عدم توقیت مسح نقل کیا ہے۔

١٥٧ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، وَحَمَّادٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيِّ، عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَلِلْمُقِيمِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ بِإِسْنَادِهِ، قَالَ فِيهِ: وَلَوِ اسْتَزَدْنَاهُ لَزَادَنَا.

ترجمہ: خزیمہ بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسافر کیلئے چمڑے کے موزوں پر تین دن تک مسح کرنے کی اجازت ہے اور مقیم کیلئے ایک دن اور ایک رات تک مسح کرنے کی اجازت ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: دوسری سند میں یہ اضافہ ہے: اگر ہم نبی اکرم ﷺ سے اس سے زیادہ وقت طلب کرتے تو آپ ﷺ مسح کی مدت میں ہمارے لئے اضافہ ضرور فرماتے۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٩٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٥٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٥٣) مسند أحمد - مسند الأنصار رضي الله عنهم (٥/٢١٣) مسند أحمد - مسند الأنصار رضي الله عنهم (٥/٢١٥)

شرح الحدیث **توقیت فی المسح کی روایات:** حافظ کہتے ہیں کہ توقیت مسح کے سلسلہ میں امام بخاریؒ نے کوئی روایت ذکر نہیں فرمائی، البتہ امام مسلمؒ نے حضرت علیؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس کا مضمون یہ ہے: شریح بن ہانی کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہؓ سے مسح علی الخفین کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا حضرت علیؓ سے دریافت کرو، اسلئے کہ وہ سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے شریح کہتے ہیں کہ پھر ہم نے حضرت علیؓ سے اسکے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: حضور ﷺ نے مسافر کیلئے تین دن تین رات اور مقیم کے ایک دن ایک رات متعین فرمایا[1]، حافظ ابن حجرؒ[2] فرماتے ہیں

[1] صحيح مسلم - كتاب الطهارة - باب التوقيت في المسح على الخفين ٢٧٦

[2] فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ١ ص ٣١٠

صفوان بن عسال کی حدیث مرفوع میں بھی اسی طرح توقیت فی المسح مذکور ہے، جسکی تخریج ابن خزیمہ [1] نے کی ہے۔
امام ابوداودؒ وامام ترمذیؒ نے توقیت فی المسح کے بارے میں خزیمہ بن ثابت کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس کا مضمون بھی یہی ہے کہ مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کیلئے ایک دن ایک رات ہے، امام ترمذیؒ نے وفی الباب کے ذیل میں متعدد صحابہ کی روایات کا حوالہ دیا ہے، اور حاشیہ ابوداود میں لکھا ہے کہ توقیت فی المسح کی روایات اٹھارہ صحابہ سے مروی ہیں۔

حدیث خزیمہ کی تصحیح اورتضعیف میں محدثین کا اختلاف: جاننا چاہئے کہ خزیمہ بن ثابت کی حدیث جس کو مصنفؒ نے باب کے شروع میں ذکر کیا ہے اس کی تصحیح وتضعیف میں محدثین کا شدید اختلاف ہے، ایک جماعت نے جس میں ابن حبانؒ، ابن معینؒ، اور ابن دقیق العیدؒ ہیں اس کی مطلقاً تصحیح کی ہے اور ایک جماعت نے جس میں امام بخاریؒ، امام بیہقیؒ، اور امام نوویؒ ہیں، اسکی مطلقاً تضعیف کی ہے۔ امام نوویؒ نے یہاں تک کہہ دیا اتفقوا علی ضعفہ، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس پر اشکال کیا ہے کہ یہ اتفاق نقل کرنا صحیح نہیں، اور تیسری رائے اس میں امام ترمذیؒ کی ہے، انہوں نے اس حدیث کو دو طریق سے ذکر کیا ہے: بطریق نخعی وبطریق التیمی، طریق اول کے اعتبار سے تضعیف کی ہے اور طریق ثانی کے اعتبار سے تصحیح کی ہے۔
امام ترمذیؒ کی اس تفریق کا منشا یہ ہے کہ ابراہیم نخعیؒ کے طریق میں انقطاع ہے اس لئے کہ وہ اس کو براہ راست ابو عبداللہ الجدلی سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ ان کا ان سے سماع ثابت نہیں اور ابراہیم تیمی نے اس حدیث کو ابو عبداللہ الجدلی سے بواسطہ عمرو بن میمون روایت کیا ہے اس لئے وہ طریق انقطاع سے محفوظ ہے، اسی لئے امام ترمذیؒ نے اس کی تصحیح فرمائی ہے۔
اور امام بخاریؒ وغیرہ نے جو اسکی مطلقاً تضعیف کی ہے خواہ بطریق تیمی ہو یا بطریق نخعی سواس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں طریق میں اس حدیث کو ابو عبداللہ الجدلی خزیمہ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ جدلی کا سماع خزیمہ سے ثابت نہیں، لہذا امام بخاریؒ کے نزدیک یہ حدیث دونوں طریق کے اعتبار سے ضعیف ہوئی۔
اور امام ابوداودؒ نے اس حدیث کو اگرچہ دو طریق سے ذکر کیا ہے لیکن ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ طریق النخعی والتیمی دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں کی سند ایک ہی ہے، جب کہ جامع ترمذی سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں فرق ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔

حدیث خزیمہ کس کی دلیل ہے ؟ اس کے بعد جاننا چاہئے کہ حدیث خزیمہ بطریق نخعی تو یقیناً توقیت فی المسح میں جمہور کے مسلک کے مطابق ہے لیکن حدیث خزیمہ بطریق التیمی میں ایک خلجان کی بات پیدا ہوگئی ہے وہ یہ کہ اس میں ایک جملہ وَلَوِ اسْتَزَدْنَاهُ لَزَادَنَا کا اضافہ ہے، یعنی راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے گو مسح کی مدت موقت فرمائی لیکن اگر ہم اس مدت میں زیادتی طلب کرتے تو آپ ضرور اضافہ فرماتے، اس جملہ کی وجہ سے یہ حدیث فی الجملہ مسلک جمہور کے خلاف ہو

[1] صحیح ابن خزیمة - کتاب الوضوء ۱۹۳ - ج ۱ ص ۹۷

رہی ہے، اسکے تین جواب ہیں: ① اول یہ کہ طریق تیمی میں یہ زیادتی جو ابوداود کی روایت میں ہے سنن ترمذی میں نہیں ہے، وہاں دونوں روایتوں کے الفاظ ایک ہیں لہٰذا اس کے ثبوت میں تردد ہو گیا، ② ثانی یہ کہ حرف لو تو نفی ہی کیلئے آتا ہے "لو جئتنی لاکرمتك" اس میں مجئی اور اکرام کی سراسر نفی ہے، اسی طرح یہاں پر بھی ہے کہ اگر ہم زیادتی طلب کرتے تو آپ زیادہ فرمادیتے "واذلیس فلیس"، ③ ثالث یہ کہ یہ ظن راوی ہے جو از قبیل حسبان و تخمین ہے فلا یعتبر۔

تنبیہ: بذل میں حضرتؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے حدیث خزیمہ کی مطلقاً تصحیح کی ہے لیکن ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے صرف ایک طریق کے اعتبار سے اسکی تصحیح کی ہے اور دوسرے طریق کے اعتبار سے تضعیف کی ہے۔

مدت مسح کی ابتداکب سے معتبر ہے: جاننا چاہئے کہ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسح میں توقیت ہے اس میں اختلاف ہے کہ مدت مسح کی ابتدا کب سے ہوگی، اکثر علماء اور حنفیہ شافعیہ کے یہاں مدت مسح کی ابتدا موزے پہننے کے بعد جس وقت حدث لاحق ہو اس وقت سے ہوگی، اور امام احمدؒ واوزاعیؒ کے نزدیک جس وقت موزے پہنے اسی وقت سے مسح کی مدت شمار ہوگی، یہاں پر تین حالتیں ہیں: ① وقت اللبس، ② وقت المسح، ③ وقت الحدث، مذکورہ بالا اختلاف سے معلوم ہوا کہ مدت مسح کی ابتدا من وقت المسح ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں نہیں ہے، البتہ حسن بصریؒ سے مروی ہے، جیسا کہ شامی میں لکھا ہے۔

١٥٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الرَّبِيعِ بْنِ طَارِقٍ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَزِينٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ قَطَنٍ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ عِمَارَةَ، قَالَ يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ: وَكَانَ قَدْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْقِبْلَتَيْنِ، أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: يَوْمًا؟ قَالَ: «يَوْمًا»، قَالَ: وَيَوْمَيْنِ؟ قَالَ: «وَيَوْمَيْنِ»، قَالَ: وَثَلَاثَةً؟ قَالَ: «نَعَمْ وَمَا شِئْتَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ الْمِصْرِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَزِينٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ أُبَيِّ بْنِ عِمَارَةَ قَالَ فِيهِ: حَتَّى بَلَغَ سَبْعًا، قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ، وَمَا بَدَا لَكَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي إِسْنَادِهِ وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ، وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، وَيَحْيَى بْنُ إِسْحَاقَ وَالسَّيْلَحِينِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي إِسْنَادِهِ.

ترجمہ: ابی بن عمارہ سے روایت ہے یحییٰ بن ایوب نے کہا، ان صحابی نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہوئی ہے، انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں چمڑے کے موزوں پر مسح کر سکتا ہوں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، میں نے عرض کیا: کیا میں ایک دن تک مسح کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں ایک دن تک مسح کر سکتے ہو، اور عرض کیا: کیا دو دن تک میں مسح کر سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں! دو دن تک مسح کر سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا: اور تین دن تک مسح کر سکتا ہوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جی ہاں!

(اتنے دن مسح کر سکتے ہو) اور جتنے دن چاہو مسح کر سکتے ہو۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: ابن ابی مریم نے دوسری سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابی بن عمارہ نے سوال کرتے کرتے سات دن تک مسح کے متعلق دریافت کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جی ہاں اور جتنے دن تک چاہو مسح کر سکتے ہو۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں ابن ابی مریم والی اس حدیث کی سند میں اختلاف واقع ہوا ہے اور حدیث کی یہ سند مضبوط نہیں ہے، ابن ابی مریم، یحییٰ بن اسحاق اور سلیحینی نے اس حدیث کو یحییٰ بن ایوب سے نقل کیا ہے لیکن یحییٰ بن اسحاق کی سند میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (١٥٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٥٧)

شرح الحديث یہ حدیث مالکیہ کی دلیل ہے اس لئے کہ اس سے عدم توقیت فی المسح ثابت ہو رہی ہے کہ جب تک چاہے مسح کر سکتے ہیں، درمیان میں موزے اتارنے کی حاجت نہیں۔

ابی بن عمارہ کی حدیث پر کلام اور اس کے جوابات: لیکن یہ حدیث ابی عمارہ بالاتفاق ضعیف ہے خود امام ابوداودؒ نے اس حدیث کی سند میں شدید اختلاف واضطراب ثابت کیا ہے، امام بیہقیؒ اور دار قطنیؒ اور حافظ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں "اسنادہ غیر قائم" بلکہ امام نوویؒ نے تو لکھا ہے اتفقوا علی ضعفہ، امام نوویؒ کی یہ بات یہاں صحیح ہے اگرچہ باب کی پہلی حدیث یعنی حدیث خزیمہ کے بارے میں بھی امام نوویؒ نے یہی فرمایا تھا اتفقوا علی ضعفہ، لیکن وہاں نوویؒ کی بات قابل تسلیم نہیں جیسا کہ مفصلاً گزر چکا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں" وبالغ الجوزقاني فذكره في الموضوعات" میں کہتا ہوں اسی طرح ابن الجوزیؒ نے بھی اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے اس حدیث کی سند میں راوی ہیں عبد الرحمن بن رزین، وہ مجہول ہیں اسی طرح انکے شیخ محمد بن یزید اور شیخ الشیخ ایوب بن قطن سب مجاہیل ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث ابی ابن عمارہ کی جس میں یہ ہے کہ جب تک چاہے مسح کرتے رہو کوئی تحدید نہیں، ایک توجیہ اور تاویل بھی کی گئی ہے، وہ یہ کہ مطلب یہ ہے کہ مسح علی الخفین حسب قاعدہ وضابطہ جب تک چاہے کرتے رہو اور وہ ضابطہ و قاعدہ یہ ہے کہ مقیم ایک دن ایک رات اور مسافر تین دن تین رات کے بعد موزے اتار کر پاؤں دھوئے اور پہن لئے اور پھر ہمیشہ اسی طرح کرتا رہے اتارتا رہے اور پہنتا رہے، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلَى عَشْرِ سِنِينَ [1]، یعنی پاک مٹی مسلمان آدمی کیلئے وضو ہے اگرچہ دس سال ہو یعنی دس سال تک حسب ضابطہ و قاعدہ عند الحاجت تیمم کرتا رہے، یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی تیمم دس سال تک چلتا رہے گا۔ یہ توجیہ تو بہت لطیف ہے لیکن اس کی حاجت اس لئے نہیں کہ یہ حدیث ابی بن عمارہ بالاتفاق ضعیف ہے۔

---

[1] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب الجنب يتيمم ٣٣٢

٦١۔ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ

یہ باب ہے جوربین (اونی، سوتی موزوں) پر مسح کرنے کے بیان میں

جوربین کی تعریف اور اقسام میں تفصیل ہے، اور مختلف اقوال ہیں لیکن اتنی بات واضح اور منقح ہے کہ خفین کہتے ہیں چمڑے کے موزوں کو اور جوربین وہ موزے جو چمڑے کے علاوہ اون، سوت یا کتان وغیر کے ہوں۔

مسح علی الجوربین میں اختلاف ائمہ: مسح علی الجوربین میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسح علی الجوربین اس وقت جائز ہے إن کانا مجلدین أو منعلین [1]، صاحبین اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر ثخینین ہوں تب بھی ان پر مسح جائز ہے اور امام صاحبؒ نے بعد میں اسی قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا، لہٰذا اب یہی مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے، امام مالکؒ کا مسلک ہے "إن کانا مجلدین فقط" یعنی ان کے یہاں صرف اس وقت جائز ہے جب کہ وہ مجلد ہوں اوپر اور نیچے دونوں طرف چمڑا جڑا ہوا ہو، اور اگر منعل ہے یعنی چمڑا صرف نیچے کی جانب جڑا ہو یا نہ مجلد ہو نہ منعل بلکہ ثخینین ہو، ان دونوں صورتوں میں ان کے یہاں مسح جائز نہیں، امام شافعیؒ سے اس سلسلہ میں متعدد روایتیں ہیں، ایک مثل مالکیہ کے، دوسری مثل حنفیہ کے، اور تیسری روایت ان کی یہ ہے کہ "ما یمکن متابعة المشي فیه" یعنی جن جوربین کو پہن کر آدمی بغیر جوتے کے ایک دو میل بلا تکلیف چل سکتا ہو، اور یہی ان کے یہاں اصح قول ہے، اس کا حاصل وہی ہے جو امام احمدؒ اور صاحبین کا مسلک ہے۔

سو اب خلاصہ یہ ہو گیا کہ ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ) اور صاحبین کے نزدیک مسح علی الجوربین جائز ہے إن کانا مجلدین أو منعلین أو ثخینین، اور امام مالکؒ کے نزدیک إن کانا مجلدین فقط۔

١٥٩ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، عَنْ وَكِيعٍ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ الْأَوْدِيِّ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ ثَرْوَانَ، عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ، وَالنَّعْلَيْنِ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: كَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ: لَا يُحَدِّثُ بِهَذَا الْحَدِيثِ لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ عَنِ الْمُغِيرَةِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ هَذَا أَيْضًا عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَلَيْسَ بِالْمُتَّصِلِ وَلَا بِالْقَوِيِّ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، وَابْنُ مَسْعُودٍ، وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، وَأَبُو أُمَامَةَ، وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ، وَعَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ وَرُوِيَ ذَلِكَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو فرمایا: اور جوربین (اونی، سوتی موزوں) اور چپلوں پر مسح فرمایا۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن مہدی یہ حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے اس لئے کہ مغیرہ بن

---

[1] قوله: ولا يجوز المسح على الجوربين عند أبي حنيفة إلا أن يكونا مجلدين أو منعلين (الهداية شرح بداية المبتدي - ج ١ ص ٢٠١-٢٠٢)

شعبہ کی مشہور روایت میں یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چمڑے کے موزوں پر مسح فرمایا۔ یہ حدیث اس طریقے سے بھی روایت کی گئی ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جوربین پر مسح فرمایا لیکن یہ ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث متصل نہیں ہے اور نہ ہی قوی ہے۔ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب، ابن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، انس بن مالکؓ، ابو امامہؓ، سہل بن سعدؓ، عمرو بن حریثؓ نے جوربین (اونی سوتی موزوں) پر مسح فرمایا اور عمر بن الخطابؓ اور ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (۹۹) سنن أبي داود - الطهارة (۱۵۹) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۵۹) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (۲۵۲/٤)

شرح الحدیث: قوله: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ، وَالنَّعْلَيْنِ: مطلب یہ ہے کہ جوتے پہنے ہوئے مسح علی الجوربین کیا، نعلین پر مسح کرنا مقصود نہیں تھا۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: [illegible] امام ابوداودؒ فرما رہے ہیں کہ عبد الرحمن بن مہدی مغیرہ بن شعبہ کی اس حدیث کو بیان نہیں کیا کرتے تھے ان کو اس کی صحت میں تردد تھا اس لئے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی مشہور حدیث میں مسح علی الجوربین مذکور نہیں بلکہ مسح علی الخفین منقول [illegible]

لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں یہ اشکال کیا ہے کہ دونوں حدیثوں میں تعارض ہی کیا ہے، یہ دو حدیثیں الگ الگ ہو سکتی ہیں، ایک وقت میں آپ ﷺ نے مسح علی الخفین فرمایا اور دوسرے وقت میں مسح علی الجوربین فرمایا مغیرہ بن شعبہ نے ان دونوں کو روایت کیا ہے، ہاں! اگر ان دونوں حدیثوں کو ایک ہی واقعہ اور ایک وقت پر محمول کیا جائے تب بیشک یہ بات صحیح ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کی مشہور حدیث میں مسح علی الخفین ہے نہ کہ مسح علی الجوربین، پھر آگے حضرت سہارنپوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث مغیرہ کی جو مسح علی الجوربین کے بارے میں ہے تصحیح کی ہے، حالانکہ امام ترمذیؒ مغیرہ بن شعبہ کی دوسری حدیث مسح علی الخفین کی بھی تخریج کر چکے ہیں، معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک یہ بھی دو حدیثیں الگ الگ ہیں [1]۔

۱۶۰ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَعَبَّادُ بْنُ مُوسَى، قَالَا: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ - قَالَ عَبَّادٌ - قَالَ: أَخْبَرَنِي أَوْسُ بْنُ أَبِي أَوْسٍ الثَّقَفِيُّ، «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى نَعْلَيْهِ وَقَدَمَيْهِ». وَقَالَ عَبَّادٌ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى كِظَامَةَ قَوْمٍ - يَعْنِي الْمِيضَأَةَ - وَلَمْ يَذْكُرْ مُسَدَّدٌ الْمِيضَأَةَ وَالْكِظَامَةَ ثُمَّ اتَّفَقَا فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى نَعْلَيْهِ وَقَدَمَيْهِ».

ترجمہ اوس بن ابی اوس ثقفی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور اپنی دونوں چپلوں اور قدموں پر

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۳۳

مسح فرمایا اور عباد کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے کنویں یعنی وضو کرنے کی جگہ (حوض) پر تشریف لائے اور مسدد استاد نے میضاۃ اور کظامۃ کا ذکر نہیں کیا پھر (اگلی عبارت میں) دونوں استاد عباد اور مسدد متفق ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور چپلوں اور قدموں پر مسح فرمایا۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (١٦٠) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٩/٤) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (١٠/٤)

شرح حدیث **نسخۂ بذل اور باب بلا ترجمہ**[1]: بعض مرتبہ مصنفین لفظ باب بلا ترجمہ لکھتے ہیں جسکے مختلف اسباب ہوتے ہیں کبھی تو ترجمہ کا مضمون حدیث الباب سے ظاہر ہوتا ہے تو ظاہر ہونے کے وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں، اور کبھی تشحیذ اذہان کیلئے ایسا کرتے ہیں، یہاں اس باب پر ترجمہ "المسح علی النعلین" ہو سکتا ہے، کیونکہ حدیث الباب میں مسح علی النعلین ہی مذکور ہے، لیکن مسح علی النعلین کا ائمہ اربعہ میں سے کوئی قائل نہیں، البتہ امام طحاویؒ نے ایک قوم کی طرف یہ مذہب منسوب کیا ہے۔

شرح السند: قوله: قَالَ عَبَّادٌ - قَالَ: أَخْبَرَنِي: اس حدیث میں مصنفؒ کے دو استاذ ہیں، مسدد اور عباد، عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ تک دونوں کی سند مشترک اور موافق ہے عَنْ أَبِيهِ کے بعد سند کے الفاظ کیا ہیں اس میں مسدد اور عباد کا اختلاف ہو گیا، عباد کے لفظ تو یہ ہیں قَالَ: أَخْبَرَنِي أَوْسُ بْنُ أَبِي أَوْسٍ الثَّقَفِيُّ، قال کی ضمیر عطاء کی طرف راجع ہے، یعنی کہا عطاء نے أَخْبَرَنِي أَوْسُ بْنُ أَبِي أَوْسٍ الثَّقَفِيُّ، عباد کا مقولہ الثقفی پر آکر ختم ہو گیا، رہی یہ بات کہ مسدد کے الفاظ کیا ہیں؟ انہوں نے عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ کے بعد سند کیسے بیان کی؟ اس سے مصنفؒ نے یہاں تعرض نہیں کیا، ہو سکتا ہے مسدد کی روایت میں أَخْبَرَنِي أَوْسٌ کے بجائے حدثنی اوس، ہو یا عن اوس بن ابی اوس ہو۔

قوله: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى نَعْلَيْهِ وَقَدَمَيْهِ: یہ متن حدیث ہے اور یہ مسدد کے الفاظ ہیں، عباد کے الفاظ آگے آرہے ہیں (بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ بھی عباد ہی کے الفاظ ہیں، مگر ایسا نہیں ہے) چنانچہ آگے چل کر مصنفؒ فرماتے ہیں وَقَالَ عَبَّادٌ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

قوله: وَلَمْ يَذْكُرْ مُسَدَّدٌ الْمِيضَأَةَ وَالْكِظَامَةَ: اب مسدد کی روایت کے الفاظ یہ ہوئے: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ عَلَى نَعْلَيْهِ وَقَدَمَيْهِ، اور عباد کی روایت کے الفاظ یہ ہوئے: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى عَلَى كِظَامَةِ قَوْمٍ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى نَعْلَيْهِ وَقَدَمَيْهِ، حاصل یہ کہ مسدد کی روایت میں کظامہ اور میضاۃ کا ذکر نہیں بلکہ وہ صرف عباد کی

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود کے نسخہ میں اس حدیث پر ایک باب بلا ترجمہ قائم کیا گیا ہے، یہ تشریح اسی کی مناسبت سے ہے۔ جب کہ محمد محیی الدین عبد الحمید کے نسخہ میں یہاں کوئی باب قائم نہیں کیا گیا اور یہ باب المسح علی الجوربین کے تحت درج ہے۔

روایت میں ہے اور مسح علی النعلین والقدمین دونوں کی روایت میں مشترک ہے۔

حدیث الباب کی تشریح وتوجیہ: اس حدیث میں مسح علی النعلین والقدمین مذکور ہے، یہاں پر دو احتمال ہیں:

① ایک یہ کہ مسح سے مراد غسل ہو، مطلب یہ ہے کہ جوتے پہنے ہوئے غسل قدمین فرمایا، اور اس میں کسی قسم کے اشکال کی بات نہیں، اس لئے کہ نعلین سے صرف دو تسمہ والے چپل مراد ہیں جن کو پہنے پہنے آدمی پاؤں دھو سکتا ہے، ② دوسرا احتمال یہ ہے کہ مسح کو اپنے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ یہ منسوخ ہے بلکہ مسح علی القدمین کی تمام ہی روایات منسوخ ہیں ایک توجیہ یہ ہے کہ مسح سے مراد مسح ہی ہے اور قدمین سے مراد قدمین مجردین نہیں بلکہ مع الجوربین ہیں اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے نعلین پہنے ہوئے مسح علی الجوربین فرمایا، یہ آخری توجیہ امام طحاویؒ کی ہے وہ فرماتے ہیں: الاحادیث یفسر بعضها بعضاً، اور مغیرہ بن شعبہ وابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں مسح علی جوربیہ ونعلیہ مذکور ہے، لہذا اس حدیث کو بھی اسی پر محمول کیا جائیگا۔

٦٢ - بَابٌ كَيْفَ الْمَسْحُ

یہ باب ہے مسح کی کیفیت کے بیان میں

مصنفؒ مسح علی الخفین کی کیفیت بیان کرنا چاہتے ہیں، اور کیفیت سے مراد یہ ہے کہ مسح علی الخفین صرف اوپر کی جانب ہوگا یا اوپر اور نیچے دونوں طرف؟ مسئلہ مختلف فیہ ہے، حنفیہ حنابلہ کے یہاں صرف ظاہر خفین یعنی بالائی حصہ پر ہوگا، اور امام شافعی وامام مالکؒ کے نزدیک خفین کے اعلیٰ واسفل دونوں حصوں پر ہوگا، اعلیٰ پر بطریق وجوب اور اسفل پر بطور سنت، امام مالکؒ کے نزدیک مسح علی الاسفل کافی نہیں اور امام شافعیؒ کا بھی قول اصح یہی ہے، اور تیسرا مذہب امام زہریؒ کا ہے، ان کے نزدیک مسح علی الاسفل کافی ہو جائیگا۔

جاننا چاہئے کہ ایک روایت ہمارے یہاں بھی مسح علی اسفل الخفین کے استحباب کی ہے لیکن یہ روایت مرجوح ہے، کما قال الشامی۔

پھر دوسرا اختلاف یہاں پر یہ ہے کہ مسح علی الخفین کی مقدار واجب کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک مقدار ثلثة اصابع اور امام شافعیؒ کے نزدیک ادنیٰ مایطلق علیہ اسم المسح، اور امام مالکؒ کے نزدیک اعلی الخف (بالائی حصہ) کا استیعاب، اور امام احمدؒ کے نزدیک مقدم الخف کا اکثر حصہ۔

١٦١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، قَالَ: ذَكَرَهُ أَبِي، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ»، وَقَالَ غَيْرُ مُحَمَّدٍ: «عَلَى ظَهْرِ الْخُفَّيْنِ».

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ چمڑے کے موزوں پر مسح فرماتے تھے۔ اور محمد بن صباح کے علاوہ (دوسرے استاد) نے فرمایا موزوں کے بالائی حصہ پر (مسح فرمایا کرتے تھے)۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٨٠) صحيح البخاري - الوضوء (٢٠٠) صحيح البخاري - الصلاة (٣٥٦) صحيح البخاري - الصلاة (٣٨١) صحيح البخاري - الجهاد والسير (٢٧٦١) صحيح البخاري - المغازي (٤١٥٩) صحيح البخاري - اللباس (٥٤٦٢) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٤) جامع الترمذي - الطهارة (٩٧) جامع الترمذي - الطهارة (٩٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٠٠) سنن النسائي - الطهارة (٧٩) سنن النسائي - الطهارة (٨٢) سنن النسائي - الطهارة (١٢٣) سنن النسائي - الطهارة (١٢٤) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٦١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٨٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٤٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٥٠) موطأ مالك - الطهارة (٧٣) سنن الدارمي - الطهارة (٧١٣)

١٦٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا حَفْصٌ يَعْنِي ابْنَ غِيَاثٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ، وَقَدْ «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ».

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر دین کا مدار عقل پر ہوتا تو مسح کیلئے موزے کا نچلا حصہ بالائی حصہ سے زیادہ موزوں تھا تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزے کے بالائی حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

١٦٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنِ الْأَعْمَشِ - بِإِسْنَادِهِ بِهَذَا الْحَدِيثِ - قَالَ: «مَا كُنْتُ أَرَى بَاطِنَ الْقَدَمَيْنِ إِلَّا أَحَقَّ بِالْغَسْلِ، حَتَّى» رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى ظَهْرِ خُفَّيْهِ".

ترجمہ: اعمش اپنی سند سے ماقبل حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا میری رائے یہی تھی کہ قدموں کا نچلا حصہ دھونے کا زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں کے بالائی حصہ پر مسح فرماتے ہوئے دیکھا۔

١٦٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، بِهَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ، لَكَانَ بَاطِنُ الْقَدَمَيْنِ أَحَقَّ بِالْمَسْحِ مِنْ ظَاهِرِهِمَا، وَقَدْ «مَسَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ظَهْرِ خُفَّيْهِ» وَرَوَاهُ وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ بِإِسْنَادِهِ قَالَ: كُنْتُ أَرَى أَنَّ بَاطِنَ الْقَدَمَيْنِ أَحَقُّ بِالْمَسْحِ مِنْ ظَاهِرِهِمَا حَتَّى «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِهِمَا»، قَالَ وَكِيعٌ: يَعْنِي الْخُفَّيْنِ وَرَوَاهُ عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، كَمَا رَوَاهُ وَكِيعٌ، وَرَوَاهُ أَبُو السَّوْدَاءِ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ خَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا «تَوَضَّأَ فَغَسَلَ ظَاهِرَ قَدَمَيْهِ»، وَقَالَ: «لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ» وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

ترجمہ: حفص بن غیاث اعمش سے ماقبل حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا اگر دین کا مدار عقل پر ہوتا تو قدموں کا نچلا حصہ زیادہ موزون تھا مسح کیلئے ظاہری حصہ کی بنسبت اور تحقیق کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے موزوں کے بالائی حصہ پر مسح فرمایا۔ اور وکیع نے اعمش سے (اعمش کی) اپنی سند سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میری رائے یہ تھی کہ قدموں کا نچلا حصہ زیادہ موزوں ہے مسح کیلئے قدموں کے بالائی حصہ کے مقابلے میں یہاں تک کے میں نے نبی کریم ﷺ کو ظاہری حصہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ وکیع استاد کہتے ہیں یعنی موزوں کے (ظاہری حصہ پر) اور عیسی بن یونس نے (یہ روایت) اعمش سے اسی طرح (یعنی انہی الفاظ سے) بیان کی ہے جس طرح وکیع نے اور ابو السوداء نے عن ابن عبد خیر عن أبیہ کی سند سے روایت کیا کہ عبد خیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا آپ نے وضو فرمایا پھر اپنے قدموں کے بالائی حصہ کو دھویا اور فرمایا: اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا۔ اور آگے مکمل حدیث بیان فرمائی۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (١٦٢) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١/٩٥) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١/١١٤) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١/١٢٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧١٥)

شرح الاحادیث قوله: عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ: اس باب میں مصنفؒ نے تین حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، اول مغیرہ بن شعبہ کی حدیث جس میں مسح علی ظاہر الخفین مذکور ہے، دوسرے حضرت علیؓ کی یہ روایت کہ اگر دین کا مدار صرف عقل اور رائے پر ہوتا تو بجائے ظاہر خفین کے باطن خفین کا مسح مشروع ہوتا، یہ دونوں حدیثیں حنفیہ اور حنابلہ کی دلیل ہیں کہ مسح صرف خفین کے بالائی حصہ پر ہونا چاہئے۔

آگے چل کر مصنفؒ نے مغیرہ بن شعبہ کی ایک اور حدیث بیان کی جس کے راوی کاتب مغیرہ ہیں اس کے اندر مسح علی ظاہر الخفین وباطن الخفین دونوں مذکور ہے، وہ شافعیہ اور مالکیہ کی دلیل ہے۔

قوله: مَا كُنْتُ أُرَى بَاطِنَ الْقَدَمَيْنِ إِلَّا أَحَقَّ بِالْغَسْلِ: اس جملہ میں دو احتمال ہیں، اول یہ کہ باطن القدمین سے مراد باطن الخفین اور غسل سے مراد مسح ہے اس صورت میں مطلب ظاہر ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کو ظاہر پر رکھا جائے قدمین سے قدمین اور غسل سے غسل ہی مراد لیا جائے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا میں وضو میں قدمین کے نچلے حصہ کو دھونا زیادہ ضروری سمجھتا تھا بنسبت بالائی حصہ کے، لیکن جب میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ صرف ظاہر خفین پر مسح کر رہے ہیں اور باطن خفین پر نہیں کر رہے ہیں تو پھر میرا یہ خیال نہ رہا، میری رائے بدل گئی۔

حضرت علیؓ کے کلام کا مطلب: تمام شراح حدیث نے حضرت علیؓ کے اس کلام میں باطن الخفین سے اسفل الخفین ہی مراد لیا ہے یعنی وہ حصہ جو زمین سے متصل ہوتا ہے، اور شیخ ابن الہمامؒ کی رائے یہ ہے کہ باطن الخفین سے خفین

کا وہ اندرونی حصہ مراد ہے جو جسم سے متصل ہوتا ہے لیکن ظاہر ہے بغیر نزع خفین کے اندرونی حصہ کا مسح کیسے ہو سکتا ہے اسی لئے شراح نے اس مطلب کو اختیار نہیں کیا لیکن فی نفسہ شیخ ابن الہمامؒ کی رائے دقت نظر پر مبنی ہے اور ایک لحاظ سے معقول بات ہے اس لئے کہ وضو اور مسح خفین سے مقصود ازالۂ حدث ہے نہ کہ ازالۂ نجاست و گرد و غبار، اور حدث کا تعلق بدن سے ہے لہذا خفین کا جو حصہ بدن سے متصل ہو وہی مسح کا زیادہ مستحق ہے۔

فائدہ: حضرت علیؓ کا یہ ارشاد گرامی کہ ہمارے دین اور احکام شرع کا مدار عقل پر نہیں یہ بالکل صحیح ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ دین اور شریعت کے احکام خلاف عقل ہیں، فقہاء اور اصولیین نے بہت سے احکام کو غیر مدرک بالرائ لکھا ہے یعنی بعض احکام شرعیہ ایسے ہیں جن تک ہماری عقل کی رسائی نہیں لیکن خلاف عقل ہونے کے قول کی جرأت کسی نے نہیں کی، اس لئے کہ بحمد اللہ ہماری شریعت کے تمام احکام عقل سلیم اور فطرت کے عین مطابق ہیں، اصحاب عقل سلیم کا اولین مصداق حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں، ثم الامثل فالامثل۔

١٦٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مَرْوَانَ، وَمَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ مَحْمُودٌ: أَخْبَرَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ رَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ، عَنْ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: «وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، فَمَسَحَ أَعْلَى الْخُفَّيْنِ وَأَسْفَلَهُمَا». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَبَلَغَنِي أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ ثَوْرٌ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ رَجَاءٍ.

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو غزوۂ تبوک میں وضو کروایا چنانچہ آپ ﷺ نے موزوں پر اور ان کے نچلے حصہ پر مسح فرمایا۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ثور نے یہ حدیث رجاء سے نہیں سنی۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٨٠) صحيح البخاري - الوضوء (٢٠٠) صحيح البخاري - الصلاة (٣٥٦) صحيح البخاري - الصلاة (٣٨١) صحيح البخاري - الجهاد والسير (٢٧٦١) صحيح البخاري - المغازي (٤١٥٩) صحيح البخاري - اللباس (٥٤٦٢) صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٤) جامع الترمذي - الطهارة (٩٧) جامع الترمذي - الطهارة (٩٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٠٠) سنن النسائي - الطهارة (٧٩) سنن النسائي - الطهارة (٨٢) سنن النسائي - الطهارة (١٢٣) سنن النسائي - الطهارة (١٢٤) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن النسائي - الطهارة (١٢٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٦٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٨٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٤٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٥٠) موطأ مالك - الطهارة (٧٣) سنن الدارمي - الطهارة (٧١٣)

شرح الحدیث: **حنفیہ، حنابلہ کی طرف سے حدیث کے جوابات:** یہ باب کی آخری حدیث ہے جس میں مسح علی خفین اوپر اور نیچے دونوں مذکور ہے جو شافعیہ اور مالکیہ کے موافق ہے۔ امام ابو داودؒ نے اس پر کلام فرمایا ہے وہ یہ کہ ثور بن یزید نے اس حدیث کو رجاء بن حیوہ سے نہیں سنا لہذا یہ حدیث منقطع ہے اور امام بیہقیؒ نے اس حدیث کی سند میں ایک دوسری علت بیان کی ہے وہ یہ کہ بعض رواۃ نے اس حدیث کو کاتب مغیرہ سے مرسلاً نقل کیا ہے، چنانچہ ترمذی میں عبد اللہ بن المبارکؒ نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ رَجَاءٍ، قَالَ: حُدِّثْتُ عَنْ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ. مُرْسَلٌ عَنِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اس میں صحابی یعنی مغیرہ بن شعبہ مذکور نہیں، نیز اس حدیث میں ایک اور جرح ہے وہ یہ کہ کاتب المغیرہ مجہول ہیں لیکن ابن ماجہ کی روایت میں کاتب المغیرہ تعیین کے ساتھ مذکور ہیں اس طرح: عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، لہذا یہ اشکال تو رفع ہو جائے گا اور دوسرے اشکالات علی حالہا باقی ہیں۔

شافعیہ کی جانب سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث گو ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے، اس لئے کہ شافعیہ اسفل خفین کے مسح کو صرف سنت اور فضیلت کہتے ہیں، لہذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔

فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کی شرائط: ہماری طرف سے حضرت نے بذل میں ملا علی قاری سے نقل کرتے ہوئے یہ جواب دیا ہے کہ حدیث ضعیف [1] پر عمل فضائل اعمال میں اس وقت صحیح ہے جب وہ حدیث ضعیف کسی حدیث صحیح یا حسن کے خلاف نہ ہو، نیز حدیث ضعیف پر عمل ان فضائل اعمال میں ہو سکتا ہے جو دوسرے دلائل سے ثابت ہوں، اور جو حکم ابتدائی ہو وہاں حدیث ضعیف پر عمل فضائل اعمال میں بھی صحیح نہیں، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ فی نفسہ ایک چیز ثابت ہے اور اس کی کوئی مزید فضیلت کسی حدیث ضعیف سے ثابت ہو رہی ہے تو بیشک وہاں پر حدیث ضعیف معتبر ہو سکتی ہے، اور یہاں یہ اسفل خف کے مسح کا حکم کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں صرف اس ضعیف حدیث میں مذکور ہے، اگر ہم اسفل خف کے مسح کو اس حدیث کی بناء پر مان لیتے ہیں تو حدیث ضعیف پر ایک حکم شرعی کی بناء لازم آتی ہے، بلفظ دیگر حکم ابتدائی کا ثبوت حدیث ضعیف سے لازم آتا ہے [2]۔

نیز علماء نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کیلئے ایک اور قید بھی لکھی ہے، وہ یہ کہ وہ حدیث ضعیف شدید الضعف یا موضوع نہ ہو، اور شدید الضعف کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب یا کثیر الغلط اور متروک نہ ہو۔

٦٣۔ بَابٌ فِي الِانْتِضَاحِ

یہ باب ہے وضو کے بعد شرمگاہ پر پانی چھڑکنے کے بیان میں

انتضاح کے شراح نے متعدد معنی لکھے ہیں: ① ابن رسلان کہتے ہیں کہ الانتضاح عند الجمهور رش الفرج بالماء بعد الوضوء، یعنی وضو سے فارغ ہونے کے بعد دفع وساوس کیلئے شرمگاہ کے مقابل کپڑے پر پانی کا چھینٹا دینا۔ ② امام نوویؒ فرماتے ہیں قال المحققون هو الاستنجاء بالماء [3]، ③ صب الماء على الأعضاء، ④ استنجاء بالماء کے وقت شرمگاہ پر پانی ٹپکانا تا کہ تقاطر کا

---

[1] اس مسئلہ پر تفصیلی کلام مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی کتاب الأجوبة الفاضلة عن الاسئلة العشرة المتكاملة میں میری نظر سے گزرا ہے، اسی طرح العلماء السكن مقدمة إعلاء السنن (إعلاء السنن-ج١٨ ص٤٠٨٩٠) میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے۔

[2] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح- ج٢ ص٢٠٦، بذل المجهود في حل أبي داود- ج٢ ص٤٨

[3] قال الجمهور الانتضاح نضح الفرج بماء قليل بعد الوضوء لينفي عنه الوسواس وقيل هو الاستنجاء بالماء (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج٣ ص١٥٠)

بالکلیہ انقطاع ہو جائے۔

ترجمۃ الباب میں مصنف کی مراد بظاہر معنی اول ہے اور مصنفؒ نے اس باب میں تین حدیثیں ذکر فرمائی ہیں حدیث اول اور ثالث میں نضح کے ان معانی مذکورہ میں سے بظاہر اول معنی مراد ہیں اور حدیث ثانی میں ظاہر یہ ہے کہ دوسرے معنی مراد ہیں، اور تاویل کے بعد اس کو بھی اول معنی پر محمول کر سکتے ہیں، اور ترمذی کی روایت میں من حدیث أبي هريرة مرفوعاً اس طرح ہے جَاءَنِي جِبْرِيلُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ [1]، یہاں پر انتضاح کے تینوں معنی بلا تکلف مراد ہو سکتے ہیں:

① اے محمد جب آپ وضو سے فارغ ہو جائیں تو کپڑے پر چھینٹا دے لیا کریں، ② جب آپ وضو کا ارادہ فرمائیں تو اس سے پہلے استنجاء بالماء کر لیا کریں، ③ جب آپ وضو فرمائیں تو اعضاء پر اچھی طرح پانی بہائیں اور صرف مسح اعضاء پر اکتفانہ کریں۔

١٦٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ هُوَ الثَّوْرِيُّ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ سُفْيَانَ [2] بْنِ الْحَكَمِ الثَّقَفِيِّ أَوِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ الثَّقَفِيِّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «إِذَا بَالَ يَتَوَضَّأُ وَيَنْتَضِحُ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَافَقَ سُفْيَانَ جَمَاعَةٌ عَلَى هَذَا الْإِسْنَادِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: الْحَكَمُ أَوِ ابْنُ الْحَكَمِ.

ترجمہ سفیان بن حکم ثقفی یا حکم بن سفیان ثقفی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب پیشاب فرماتے تھے تو وضو کرتے اور کپڑے پر چھینٹا دیتے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے سفیان کی موافقت فرمائی ہے اس سند پر اور بعض نے حکم یا ابن حکم کہا ہے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (١٦٦)، سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٦١)

شرح الحدیث قوله: عَنْ سُفْيَانَ بْنِ الْحَكَمِ الثَّقَفِيِّ: اس راوی کے نام میں اختلاف ہے، بعض سفیان بن الحکم کہتے ہیں اور بعض حکم بن سفیان، امام ابو حاتم رازی، علی بن مدینی اور امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ حکم بن سفیان صحیح ہے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَافَقَ سُفْيَانَ جَمَاعَةٌ: اس حدیث کی سند میں رواۃ کا جو اختلاف ہے مصنفؒ اس پر تنبیہ فرما رہے ہیں وہ یہ کہ سند کے جو آخری راوی ہیں یعنی سفیان بن حکم یا حکم بن سفیان بعض رواۃ نے اس کے بعد سند میں عَنْ أَبِيهِ کا اضافہ کیا ہے جیسا کہ بعد کی دونوں سندوں میں آ رہا ہے، اور بعض نے عَنْ أَبِيهِ نہیں ذکر کیا، مصنفؒ فرماتے ہیں جس طرح سفیان نے اس سند میں عَنْ أَبِيهِ نہیں ذکر کیا اسی طرح ایک جماعت نے اس بات میں سفیان کی موافقت کی ہے، جماعت کا مصداق جیسا کہ

---

[1] جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب في النضح بعد الوضوء ٥٠

[2] روى هذا اللفظ على عشرة اوجه ذكرت في البذل عن الحافظ وغيره وحاصل مافي المقام انهم اختلفوا في التعبير باسم هذا الراوي، فبعضهم يقولون سفيان بن الحكم وبعضهم الحكم بن سفيان، وقال بعضهم على الابهام اي عن رجل من ثقيف، والامر الثاني ان بعض الرواة يقولون بعده عن ابيه وبعضهم لا، وايضا الصحيح الحكم بن سفيان عن ابيه كما قال البخاري وعلي بن المديني وابو حاتم الرازي، وهل للحكم صحبة؟ قال البخاري لا، وقال ابوزرعة نعم

بیہقی کے کلام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جو بذل[1] میں مذکور ہے، ابو عوانہ، روح بن القاسم، اور جریر بن عبد الحمید ہیں ان تینوں نے بھی جب اس روایت کو منصور سے ذکر کیا تو عَنْ أَبِيهِ کا اضافہ نہیں کیا۔

۱۶۷ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ ثَقِيفٍ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ ثُمَّ نَضَحَ فَرْجَهُ».

ترجمہ: بنو ثقیف کے ایک شخص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ (ان کے والد) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے پیشاب کیا پھر اپنی شرم گاہ پر پانی کا چھڑکاؤ کیا (وساوس کے علاج کیلئے یا یہ مطلب ہے کہ پانی سے استنجاء فرمایا)۔

(نوٹ) شخص سے مراد سفیان بن حکم یا حکم بن سفیان ہیں اور ابیہ سے مراد حکم یا سفیان علی اختلاف القولین۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۱۶۷) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۴۶۱)

شرح الحدیث: جاننا چاہئے کہ پہلی سند میں سفیان سے سفیان ثوری مراد ہیں اور اس دوسری سند میں سفیان جو ابن أبي نجیح سے روایت کر رہے ہیں، اس سے مراد سفیان بن عیینہ ہیں، امام بیہقیؒ کہتے ہیں سفیان بن عیینہ اس سند میں کبھی عَنْ أَبِيهِ کا اضافہ کرتے ہیں جیسا کہ ہماری اس سند میں ہے، اور کبھی اضافہ نہیں کرتے، اگر اس سند میں بھی سفیان سے سفیان ثوری مراد لئے جائیں جیسا کہ پہلی سند میں سفیان ثوری مراد ہیں تو مضمون کلام مختل ہو جائے گا۔ کما لا یخفی علی الفطن اللبیب۔

۱۶۸ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ الْمُهَاجِرِ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ الْحَكَمِ أَوِ ابْنِ الْحَكَمِ، عَنْ أَبِيهِ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرْجَهُ».

ترجمہ: حکم یا ابن حکم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پیشاب کیا پھر وضو فرمایا اور اپنی شرم گاہ پر پانی چھڑکا (یا پانی سے استنجاء فرمایا)۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۱۶۸) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۴۶۱)

۶۴ - بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا تَوَضَّأَ

یہ باب ہے اس حکم کے بیان میں کہ آدمی وضوء سے فارغ ہو کر کون سی دُعا پڑھے

تَوَضَّأَ تین معنی میں مستعمل ہوتا ہے: ① اراد الوضوء، ② شرع فی الوضوء، ③ فرغ عن الوضوء، یہاں پر آخری معنی مراد ہیں مصنفؒ کی غرض اختتام وضوء پر جو دعاء منقول ہے اس کو بیان کرنا ہے، ابتداء وضوء میں جو دعا پڑھی جاتی ہے اس کا باب شروع

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۵۱

میں آچکا، اب چونکہ ابواب وضوء کے بیان کا خاتمہ ہو رہا ہے اس لئے یہاں اختتام کی دعاء بیان کر رہے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ ادعیہ وضوء دو طرح کی ہیں: ① بعض وہ جو بعد الفراغ پڑھی جاتی ہیں، اور ② بعض وہ جو اثناء وضوء میں ہر ہر عضو پر الگ الگ پڑھی جاتی ہیں، جن کو فقہاء دعاء الاعضاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعد الفراغ کی دعاء یعنی شہادتین احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، ابوداود اور ترمذی کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، اور ترمذی کی روایت میں اس دعاء میں: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ، وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ کی زیادتی ہے جو ابوداود اور مسلم کی روایت میں نہیں ہے، لیکن اس حدیث ترمذی میں اضطراب ہے۔

معارف السنن[1] میں لکھا ہے کہ اذکار وادعیہ وضوء جو قوی روایات سے ثابت ہیں وہ چار ہیں، تین مرفوعاً ثابت ہیں اور ایک موقوفاً علی ابی سعید الخدریؓ:

① بِسْمِ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ یہ ابتداء وضوء میں ہے، علامہ عینیؒ نے اس کو شرح ہدایہ میں طبرانی[2] کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، (بعض فقہاء نے اس طرح لکھا ہے: بسم الله العظيم والحمد لله على دين الاسلام)۔

② وہ دعاء جو حدیث الباب میں مذکور ہے یعنی شہادتین (أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ)۔

③ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي، وَبَارِكْ لِي فِي رِزْقِي، رواه النسائي وابن السني في عمل اليوم والليلة[3]۔

④ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ أَسْتَغْفِرُكَ اللّٰهُمَّ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، رواه النسائي في عمل اليوم والليلة۔

میں کہتا ہوں کہ ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اذکار وضوء پر تین باب قائم کئے ہیں: ① باب التسمية على الوضوء، ② مايقول بين ظهراني وضوئه، یعنی درمیان وضوء کی دعاء، اس میں انہوں نے صرف ایک دعاء اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي الخ، ذکر فرمائی ہے، ③ باب مايقول اذا فرغ من وضوئه، اور اس میں انہوں نے دو دعائیں ذکر کی ہیں، اول سبحانك اللهم الخ، ثانی شہادتین، حافظ ابن القیمؒ نے ان چار میں سے تین ذکر کی ہیں درمیانی کو نہیں لیا۔

---

[1] معارف السنن شرح جامع الترمذي - ج ١ ص ٢٠٤ - ٢٠٦

[2] المعجم الصغير للطبراني ج ١ ص ١٣١

[3] (ابن السني، والطبراني عن أبي موسى. أحمد عن رجل من الصحابة) حديث أبي موسى: أخرجه أيضًا: ابن أبي شيبة (٦/ ٥٠، رقم ٢٩٣٩١)، والنسائي في الكبرى (٦/ ٢٤، رقم ٩٩٠٨) وأبو يعلى (١٣/ ٢٥٧، رقم ٧٢٧٣). قال الهيثمي (١٠/ ١٠٩): رواه أحمد وأبو يعلى، ورجالهما رجال الصحيح غير عباد بن عباد المازني وهو ثقة وكذلك رواه الطبراني.

اعضاء وضوء کی ادعیہ کی بحث: اسکے بعد جاننا چاہئے کہ بعض کتب حنفیہ وشافعیہ جیسے طحطاوی روضۃ المحتاجین اور انوار ساطعہ وغیرہ میں دعاء الاعضاء کے نام سے ہر ہر عضو کی الگ الگ دعائیں لکھی ہیں روضۃ المحتاجین کا محشی لکھتا ہے کہ یہ دعائیں تاریخ ابن حبان وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد طرق سے منقول ہیں، یہ روایات اگرچہ ضعیف ہیں لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے، اور علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ ان ادعیہ کو بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے سلف صالحین کی طرف منسوب کرنا زیادہ اولیٰ ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ سے ان دعاؤں کے بارے میں سوال کیا گیا تو حافظ صاحب نے فرمایا یہ مرفوعاً ثابت نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن القیمؒ، ابن العربیؒ، ابن دقیق العیدؒ اور امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ اثناء وضو کی دعائیں بے اصل ہیں بلکہ ابن دقیق العیدؒ نے لکھا ہے یجب الاقتصار علی الوارد کہ جو دعائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ان ہی پر اکتفا کرنا چاہئے میں کہتا ہوں کہ یہ ابن دقیق العیدؒ کی اپنی رائے ہے، ورنہ جو فقہاء قائل ہیں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان ادعیہ کو مسنون ہونے کی نیت سے نہ پڑھا جائے بلکہ مستحب السلف ہونے کی حیثیت سے، ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ حاشیۂ بذل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان ادعیہ کو بے اصل نہیں کہا جاسکتا، یہ صحیح ہے کہ ان کے ثبوت میں ضعف ہے، مولانا عبدالحی صاحب نے سعایہ میں ان ادعیہ پر بحث فرمائی ہے اور ان کی اصل لکھی ہے [1]، احقر عرض کرتا ہے کہ علامہ طحطاویؒ کی بات بہت موزوں اور معتدل ہے کہ ان ادعیہ کو مسنون نہ قرار دیا جائے بلکہ مستحب العلماء سمجھتے ہوئے ان کو پڑھا جائے۔

١٦٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ يَعْنِي ابْنَ صَالِحٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُدَّامَ أَنْفُسِنَا، نَتَنَاوَبُ الرِّعَايَةَ - رِعَايَةَ إِبِلِنَا - فَكَانَتْ عَلَيَّ رِعَايَةُ الْإِبِلِ، فَرَوَّحْتُهَا بِالْعَشِيِّ، فَأَدْرَكْتُ رَسُولَ اللهِ يَخْطُبُ النَّاسَ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوءَ، ثُمَّ يَقُومُ فَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ، يُقْبِلُ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ، إِلَّا قَدْ أَوْجَبَ» . فَقُلْتُ: بَخٍ بَخٍ، مَا أَجْوَدَ هَذِهِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ الَّتِي قَبْلَهَا: يَا عُقْبَةُ، أَجْوَدُ مِنْهَا، فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقُلْتُ: مَا هِيَ يَا أَبَا حَفْصٍ؟ قَالَ: إِنَّهُ قَالَ آنِفًا قَبْلَ أَنْ تَجِيءَ: "مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوءَ، ثُمَّ يَقُولُ حِينَ يَفْرُغُ مِنْ وُضُوئِهِ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ، يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ". قَالَ مُعَاوِيَةُ: وَحَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ.

ترجمہ: عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے خادم خود ہی تھے۔ اپنے اُونٹوں کو باری باری خود ہی چراتے تھے۔ ایک دن اونٹ چرانے کی میری باری تھی۔ میں شام کو اُونٹوں کو چراگاہ سے واپس لے کر لوٹا تو میں

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٥٥

نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔ چنانچہ میں نے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے: تم میں سے جو کوئی اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کرتا ہے اپنے دل اور چہرے سے نماز کی طرف متوجہ رہتا ہے تو اس نے واجب کر لیا (جنت کو)۔ تو میں نے کہا: واہ! واہ! کتنی عمدہ ہے یہ بشارت، تو ایک آدمی جو میرے آگے تھا اس نے کہا: اے عقبہ! وہ کلمہ جو اس کلمہ سے پہلے کہا تھا وہ اس (بعد والے) سے بھی عمدہ ہے۔ میں نے دیکھا تو وہ عمرؓ بن الخطاب تھے۔ میں نے کہا: اے ابو حفص! وہ کلمہ کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ابھی ابھی تمہارے آنے سے پہلے یہ کلمہ ارشاد فرمایا تھا: تم میں سے جو کوئی بھی اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے پھر اپنے وضو سے فارغ ہو کر یہ دُعا پڑھتا ہے أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندہ اور رسول ہیں) تو اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں جس دروازے سے وہ چاہے داخل ہو۔ معاویہ کہتے ہیں ربیعہ نے (یہ حدیث) ابو ادریس عن عقبۃ بن عامر کی سند سے بیان کی ہے۔

١٧٠ - حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ، عَنْ حَيْوَةَ وَهُوَ ابْنُ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِي عَقِيلٍ، عَنِ ابْنِ عَمِّهِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ أَمْرَ الرِّعَايَةِ، قَالَ: عِنْدَ قَوْلِهِ: «فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ»، ثُمَّ رَفَعَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: وَسَاقَ الْحَدِيثَ، بِمَعْنَى حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ

ترجمہ: ابن عم ابی عقیل عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی سند سے اس (ماقبل) جیسی روایت بیان کرتے ہیں اور ابن عم ابی عقیل نے (اونٹ) چرانے کا قصہ ذکر نہیں کیا۔ ابن عم ابی عقیل نے نبی اکرم ﷺ کے اس قول فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ کے بعد یہ جملہ ذکر کیا ثُمَّ رَفَعَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ (پھر آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ دُعا پڑھی) اور پھر آگے معاویہ کی حدیث کے ہم معنیٰ حدیث لے کر آئے۔

تخریج: صحيح مسلم - الطهارة (٢٣٤) سنن النسائي - الطهارة (١٥١) سنن أبي داود - الطهارة (١٦٩) مسند أحمد - مسند الشاميين (١٤٦/٤) مسند أحمد - مسند الشاميين (١٥٣/٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧١٦)

شرح الاحادیث: قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُدَّامَ أَنْفُسِنَا، نَتَنَاوَبُ الرِّعَايَةَ: مضمون حدیث یہ ہے کہ عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ شروع زمانہ میں (فتوحات سے پہلے) اپنے خادم خود ہی تھے نوکر چاکر اس وقت ہمارے پاس نہیں تھے، اپنے اونٹوں کو باری باری خود ہی چرایا کرتے تھے ایک مرتبہ کی بات ہے کہ جب میرے چرانے کے باری تھی میں اونٹوں کو شام کے وقت چراگاہ سے لے کر واپس لوٹا تو آبادی میں پہنچ کر دیکھا کہ حضور ﷺ لوگوں کو وعظ فرما رہے ہیں، آگے مضمون حدیث ظاہر ہے۔

قوله: فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، حالانکہ دوسری احادیث میں جنت کے دروازوں کی تعداد اس سے بہت زائد آئی ہے، اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہاں پر من مقدر ہے "أي من أبواب الجنة الثمانية" جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے، دوسرا جواب وہ ہے جو کوکب میں لکھا ہے، وہ یہ کہ دروازے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک داخلی واندرونی اور ایک بیرونی یعنی صدر دروازے اور پھاٹک، تو یہاں پر صدر دروازے مراد ہیں ہو سکتا ہے وہ صرف آٹھ ہی ہوں جیسا کہ جہنم کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے اندر سات دروازے ہیں۔

علماء ان آٹھ دروازوں کے نام بھی لکھے ہیں، باب الایمان، باب الصلوة، باب الصیام (اس کا دوسرا نام باب الریان بھی ہے) باب الصدقة، باب الکاظمین الغیظ، باب الراضین، باب الجهاد، باب التوبة، مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں ان اعمال میں سے جس عمل کا غلبہ ہو گا وہ اسی دروازے سے داخل ہو گا۔

قوله: ثُمَّ رَفَعَ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ: اس سے معلوم ہوا کہ وضو کے بعد شہادتین پڑھتے وقت نظر آسمان کی طرف اٹھانا چاہئے، بہت سے فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

٦٥ - بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ

یہ باب ہے اس بات کے بیان میں کہ ایک شخص کئی نمازیں ایک ہی وضوء سے ادا کرتا ہے

اس باب کا مقابل بَابُ الرَّجُلِ يُجَدِّدُ الْوُضُوءَ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ شروع ابواب وضو میں گزر چکا ہے۔

مسئلة الباب میں اقوال علماء: مسئلہ مترجم بہا میں چار قول ہیں، بعض صحابہ اور تابعین جیسے عبداللہ بن عمرؓ، ابو موسی اشعریؓ، عبیدہ سلمانی اور سعید بن المسیب سے منقول ہے کہ وضو لکل صلوة مطلقاً واجب ہے، اور ظاہریہ وشیعہ کہتے ہیں وضو لکل صلوة صرف مقیمین کے حق میں واجب ہے، اور ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں ایک وضو سے صرف پانچ نمازیں پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد اعادۂ وضو ضروری ہے اور جمہور علماء وائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ ایک وضو سے جتنی چاہیں نمازیں پڑھ سکتا ہے جب تک حدث لاحق نہ ہو۔

١٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ الْبَجَلِيِّ، قَالَ: مُحَمَّدٌ هُوَ أَبُو أَسَدِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، عَنِ الْوُضُوءِ، فَقَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ، وَكُنَّا نُصَلِّي الصَّلَوَاتِ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ».

ترجمہ: محمد جو کہ والد ہیں اسد بن ابی عمرو کے ...... کہتے ہیں میں نے انس بن مالکؓ سے وضو کے حکم کے متعلق سوال کیا (کہ آیا ہر نماز کیلئے تجدید وضو ضروری ہے یا ایک وضو سے کئی نمازیں ادا ہو سکتی ہیں) تو حضرت انسؓ نے کہا نبی

اکرم ﷺ ہر نماز کیلئے جدید وضو فرمایا کرتے تھے اور ہم کئی نمازیں ایک وضو سے ادا کرلیا کرتے تھے۔

تخریج صحيح البخاري-الوضوء(۲۱۱)جامع الترمذي-الطهارة(۵۸)جامع الترمذي-الطهارة(۶۰)سنن النسائي-الطهارة(۱۳۱)سنن أبي داود-الطهارة(۱۷۱)سنن ابن ماجه-الطهارة وسننها(۵۰۹)مسند أحمد-باقي مسند المكثرين(۱۳۲/۳)مسند أحمد-باقي مسند المكثرين(۱۵۴/۳)مسند أحمد-باقي مسند المكثرين(۲۶۰/۳)سنن الدارمي-الطهارة(۷۲۰)

شرح الحدیث: قوله: عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ الْبَجَلِيِّ: جاننا چاہئے کہ عمرو بن عامر دو ہیں، ایک البجلی اور ایک الأنصاري، یہاں پر البجلی کی تصریح ہے اور اس کے بالمقابل ترمذی میں الأنصاري کی تصریح ہے لیکن یہاں ابوداود میں آگے آرہا ہے هُوَ أَبُو أَسَدِ بْنُ عَمْرٍو (یہ ابو اسد کنیت نہیں ہے بلکہ اضافی معنی مراد ہیں) مطلب یہ ہے کہ یہ عمرو بن عامر وہ ہیں جن کے بیٹے کا نام اسد ہے، اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ یہ بجلی ہوں، اس لئے کہ اسد، عمرو بن عامر بجلی ہی کے بیٹے ہیں نہ کہ انصاری کے۔

راوئ سند عمرو بن عامر کی تحقیق: لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں یہ تحقیق فرمائی ہے کہ یہ عمرو بن عامر الأنصاري ہیں جیسا کہ ترمذی میں ہے بجلی نہیں، اسلئے کہ تقریب التہذیب میں عمرو بن عامر کے نام پر تمیز کی علامت لکھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صحاح ستہ کے راوی نہیں، اور عمرو بن عامر الأنصاري پر جماعت کی علامت لکھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، نیز عمرو بن عامر بجلی طبقۂ سادسہ کے ہیں اور انصاری طبقۂ خامسہ کے [1]، طبقۂ خامسہ کے رواۃ وہ کہلاتے ہیں جنہوں نے ایک دو صحابہ کو دیکھا ہو اور طبقۂ سادسہ کے رجال وہ ہیں جن کا لقاء کسی صحابی سے ثابت نہیں، اور یہاں پر عمرو بن عامر یوں کہہ رہے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے سوال کیا، لہذا یہ عمرو بن عامر طبقۂ سادسہ کے نہیں ہوسکتے بلکہ طبقۂ خامسہ کے ہیں، اور وہ الأنصاريؒ ہیں نہ کہ البجلی۔

۱۷۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، أَخْبَرَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ، وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: إِنِّي رَأَيْتُكَ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهُ. قَالَ: «عَمْدًا صَنَعْتُهُ».

ترجمہ: بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن پانچ نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں اور اس میں اپنے موزوں پر مسح فرمایا تو حضرت عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا میں نے آج آپ ﷺ کو ایک ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا جو آپ ﷺ (اس سے پہلے) نہیں کرتے تھے۔ یعنی موزوں پر مسح پہلے نہیں فرماتے تھے یا ایک وضو سے پانچ نمازیں پہلے تو اکٹھے نہیں پڑھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جان کر میں نے ایسا کیا (کہ موزوں پر مسح اور ایک وضو سے

[1] تقریب التہذیب – ص۷۳۹

پانچ نمازیں جان کر پڑھی ہیں)۔

تخریج صحيح مسلم - الطهارة (٢٧٧) جامع الترمذي - الطهارة (٦١) سنن النسائي - الطهارة (١٣٣) سنن أبي داود - الطهارة (١٧٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥١٠) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٥١/٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٥٨/٥)

شرح الحدیث صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ بِوُضُوءٍ وَاحِدٍ: یعنی حضور ﷺ نے فتح مکہ والے روز پانچوں نمازیں ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں اور مسح علی الخفین بھی فرمایا، اس پر حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میں نے آج آپ کو ایسا کام کرتے دیکھا جس کو آپ اس سے پہلے نہ کرتے تھے، آپ نے فرمایا میں نے قصداً ایسا کیا۔

ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی مراد اس کام سے صلوات خمسہ کو ایک وضو سے ادا کرنا ہے، مسح علی الخفین سے سوال متعلق نہیں اس لئے کہ مسح علی الخفین تو آپ اسفار میں عام طور سے کرتے ہی تھے، آپ نے فرمایا میں نے قصداً ایسا کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ تجدید وضو ضروری نہیں۔

یہاں پر ایک سوال ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ اس سے پہلے ہر نماز کیلئے جو وضو فرماتے تھے وہ وجوباً تھا یا استحباباً؟ امام طحاویؒ [1] فرماتے ہیں اس میں دونوں احتمال ہیں، یہ کہ آپ وضو لکل صلوۃ بطریق وجوب فرماتے ہوں، اور پھر یہ وجوب فتح مکہ کے دن منسوخ ہو گیا ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ وضوء لکل صلوۃ استحباباً فرماتے ہوں اور پھر فتح مکہ کے روز آپ نے بیان جواز کیلئے اس کو ترک فرمایا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ احتمال ثانی اقرب الی الصواب ہے، اس پر علامہ شوکانیؒ نے اضافہ فرمایا کہ عبد اللہ بن حنظلہ کی حدیث (جو ابو داود میں باب السواک میں پہلے گزر چکی ہے) اس سے احتمال اول کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں آپ ﷺ پر وضو صلوۃ واجب تھی، لیکن امام طحاویؒ کا یہ کہنا اس کا نسخ فتح کے روز ہوا صحیح نہیں، بلکہ نسخ اس سے پہلے غزوۂ خیبر کے سفر میں ماننا پڑے گا جیسا کہ سوید بن النعمان کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے [2]، جس کا مضمون یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم غزوہ خیبر کے سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے جب آپ مقام صہباء پر پہنچے جو کہ خیبر کے قریب ہے تو وہاں آپ نے نماز عصر اور اس کے بعد پھر نماز مغرب ایک ہی وضو سے ادا فرمائی [3]، اور یہ واقعہ فتح مکہ سے ایک سال پہلے کا ہے۔

---

[1] شرح معاني الآثار - ج ١ ص ٤٢

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٦٣

[3] صحيح البخاري - كتاب الطهارة - باب الوضوء من غير حدث ٢١٢

٦٦- بَابُ تَفْرِيقِ الْوُضُوءِ

وضو کے اعضاء الگ الگ مجلس میں دھونے کا بیان

تفریق سے مراد ترک موالاۃ ہے یعنی اعضاء وضو کے غسل میں تفریق کرنا۔

موالاۃ فی الوضوء میں مذاہب ائمہ: یہ گذشتہ ابواب میں آچکا کہ مالکیہ کے یہاں موالاۃ فی الوضو واجب اور شرط صحت وضو ہے، اگر کوئی شخص عمداً تفریق کرے تو اس کی وضو باطل ہے البتہ نسیان کی صورت میں معاف ہے اور کتب مالکیہ میں موالاۃ کو فور سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، اسی طرح حنابلہ کے یہاں بھی موالاۃ فرض ہے ان کے یہاں نسیان سے بھی ساقط نہیں ہوتی، اور حنفیہ کے نزدیک موالاۃ صرف سنت ہے، امام شافعیؒ کے دونوں قول ہیں، ابن رسلان فرماتے ہیں امام شافعیؒ کے قول قدیم میں موالاۃ واجب ہے اور اصح الروایتین عن احمد بھی یہی ہے، اور قول جدید امام شافعیؒ کا اور روایت ثانیہ امام احمدؒ کی مثل حنفیہ کے ہے۔ (کذا فی ہامش البذل[1])

١٧٣ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ، أَنَّهُ سَمِعَ قَتَادَةَ بْنَ دِعَامَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدْ تَوَضَّأَ وَتَرَكَ عَلَى قَدَمِهِ[2] مِثْلَ مَوْضِعِ الظُّفُرِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «هَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِمَعْرُوفٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ، وَلَمْ يَرْوِهِ إِلَّا ابْنُ وَهْبٍ وَحْدَهُ»، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ الْجَزَرِيِّ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، قَالَ: «ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ».

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے وضو کیا تھا اور اس کے پاؤں پر انگوٹھے کے برابر جگہ سوکھی چھوڑ دی تھی نبی اکرم ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی یہ سند معروف نہیں ہے۔ اس حدیث کو جریر سے ابن وہب نے اکیلے نقل کیا اور معقل بن عبید اللہ الجزری نے ابوالزبیر سے (عن جابر عن عمر کی سند سے نبی اکرم ﷺ سے) مسندات عمر میں اسی طرح حدیث نقل کی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔

١٧٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ، وَحُمَيْدٌ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِمَعْنَى قَتَادَةَ.

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٦٤

[2] یہاں ابوداؤد کے نسخے مختلف ہیں، شیخ عوامہ کے نسخہ میں وترك على قدمه مثل موضع الظفر ہے۔ (كتاب السنن - ج ١ ص ٢٣٢)

ترجمہ: حسن بصری نبی اکرم ﷺ سے قتادہ کی حدیث کی طرح (مرسلا) نقل کر رہے ہیں۔

تخریج: سنن أبي داود – الطهارة (۱۷۳) مسند أحمد – باقي مسند المكثرين (۳/۱٤٦)

شرح الاحادیث: ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ: حاصل مضمون یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کے سامنے وضو کی، اور اس کے پاؤں کا کچھ حصہ خشک رہ گیا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ، یعنی جاؤ اپنی وضو کو درست کرو، حضرت سہارنپوریؒ بذل میں تحریر فرماتے ہیں احسان وضو کی شکل یہ ہے کہ جو کچھ خشک رہ گیا ہے اس کو تر کر لیا جائے، پس اس سے غسل اعضاء میں تفریق کا جواز ثابت ہو گیا[1]۔

امام خطابی شافعیؒ اور ابن بطال مالکیؒ نے اس حدیث سے وجوب موالاۃ پر استدلال کیا ہے۔

حدیث الباب سے وجوب موالاۃ پر استدلال درست نہیں: لیکن امام نوویؒ نے ان کے استدلال کو رد فرمایا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ یہ استدلال کم از کم ضعیف ورنہ باطل ہے اسلئے کہ حضور ﷺ نے جو احسان وضو کا حکم فرمایا ہے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ استئناف وضو کیا جائے، دوسرے یہ کہ جتنا حصہ خشک رہ گیا ہے اسکو تر کر لیا جائے[2]، اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، ہاں! اگر آپ اعادۂ وضو کا حکم فرماتے تب استدلال صحیح تھا اگرچہ اس وقت بھی یہ احتمال ہے کہ اعادہ کا حکم بطریق استحباب ہو نہ بطریق وجوب۔

۱۷۵ - حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنْ بَحِيرٍ[3] هُوَ ابْنُ سَعْدٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي، وَفِي ظَهْرِ قَدَمِهِ لُمْعَةٌ قَدْرُ الدِّرْهَمِ، لَمْ يُصِبْهَا الْمَاءُ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعِيدَ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ».

ترجمہ: خالد بن معدانؒ ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے پاؤں کے اوپر والے حصہ کی کچھ جگہ خشک ہونے کی وجہ سے چمک رہی ہے جو ایک درہم کے بقدر تھی وہاں پانی نہیں پہنچا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ وضو اور نماز کو لوٹائے۔

تخریج: سنن أبي داود – الطهارة (۱۷۵) مسند أحمد – مسند المكيين (۳/٤۲٤)

شرح الحدیث: قوله: فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعِيدَ الْوُضُوءَ وَالصَّلَاةَ: اس حدیث میں آپ نے اعادۂ وضو کا حکم فرمایا جس سے بظاہر قائلین موالاۃ کی تائید ہوتی ہے، لیکن اول تو یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی سند میں بقیۃ بن الولید راوی ہیں جو حجت نہیں، ابو مسہر غسانی ان کے بارے میں فرماتے ہیں بقية ليست أحاديثه نقية، فكن

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود – ج ۲ ص ٦٥

[2] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج ۳ ص ۱۳۲

[3] هو أبو خالد بحير بن سعد السحولي، الحمصي، الشامي، قال في التقريب: ثقة ثبت، من الطبقة السادسة

منها على تقية[1]، نیز وہ مدلس ہیں، اور یہاں بطریق عنعنہ روایت کر رہے ہیں، اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ اعادۂ وضو کا حکم آپ نے بطریق استحباب فرمایا ہو۔

جو حضرات وجوب موالاۃ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آیت وضو میں صرف غسل اعضاء اور مسح راس کا حکم فرمایا ہے، اس میں موالات کا کہیں ذکر نہیں، نیز امام بیہقیؒ[2] نے ابن عمرؓ کا ایک اثر صحیح ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے بازار میں وضو کی اور صرف غسل وجہ ویدین اور مسح راس کیا، اور نماز جنازہ پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر جملہ حاضرین کے سامنے مسح علی الخفین کیا، جب کہ وضو خشک ہو چکی تھی، اور اس پر حاضرین میں سے کسی نے نکیر نہیں کی۔ (منہل[3])

احادیث الباب کا خلاصہ: خلاصہ یہ کہ اس باب میں مصنفؒ نے تین حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، تینوں کا مضمون مشترک ہے کہ ایک شخص وضو کرنے کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے پاؤں کا ایک حصہ ناخن کے برابر خشک رہ گیا تھا، ان تین احادیث میں سے پہلی اور دوسری حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص کو احسان وضو کا حکم فرمایا، ظاہر ہے کہ ان دو حدیثوں سے تو موالات پر استدلال صحیح نہیں، اور تیسری حدیث میں البتہ آپ ﷺ نے اعادۂ وضو کا حکم فرمایا، اس کا جواب ہم دے چکے ہیں۔

٦٧۔ بَابٌ إِذَا شَكَّ فِي الْحَدَثِ

یہ باب ہے اس مسئلہ کے بیان میں جب (انسان کو) حدث (کے ہونے یا نہ ہونے) میں شک ہو

نواقض وضوء کی ابتداء: جاننا چاہئے کہ باب سابق یعنی باب تفریق الوضو تک احکام و مسائل وضو مصنفؒ کی ترتیب کے مطابق پورے ہو گئے، اب مصنفؒ کا مقصود نواقض وضو کو بیان کرنا ہے، جس کی ابتداء اس سے اگلے باب بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ الْقُبْلَةِ سے ہو رہی ہے گویا وہ نواقض وضو کا پہلا باب ہے، اور یہ باب بطور تمہید اور توطئہ کے ہے اسلئے کہ شک فی الحدث میں دونوں جہتیں ہیں، ناقض ہونے کی بھی اور نہ ہونے کی بھی، گویا یہ ادنیٰ درجہ کا ناقض ہے اسلئے مصنفؒ اس باب کو شروع میں لائے ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوا کرتی ہے، اس کتاب کے ابواب بہت مہذب و مرتب اور قابل تعریف ہیں۔ فللہ در المصنف

جاننا چاہئے کہ حدث کے لغوی معنی تجدد یعنی وجود بعد العدم کے ہیں اور شرعاً حدث نام ہے اس حالت کا جو ناقض طہارت ہو،

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٦٨

[2] السنن الكبرى للبيهقي - كتاب الطهارة - باب تفريق الوضوء ٣٩٧ - ج ١ ص ١٣٦

[3] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ٢ ص ١٧١

اس کی جمع احداث آتی ہے جیسے سبب کی جمع اسباب۔

مسئلة الباب میں مذاہب ائمه: مسئلۃ الباب مختلف فیہ ہے جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو پہلے سے بالیقین طہارت حاصل ہے اور اس کے بعد زوال طہارت میں تردد اور شک واقع ہو رہا ہے تو یہ کچھ مضر نہیں الیقین لایزول الا بمثلہ، یعنی یقینی بات کو یقین ہی ختم کر سکتا ہے، امام مالکؒ کی اس میں مختلف روایات ہیں، ایک مثل جمہور کے، دوسری روایت یہ ہے کہ شک فی الحدث مطلقاً ناقض ہے، تیسری روایت یہ ہے کہ اگر خارج صلوۃ شک واقع ہو تب تو ناقض ہے لہذا بغیر اعادۂ وضو کے نماز نہ شروع کرے، اور اگر داخل صلوۃ شک طاری ہو تو پھر ناقض نہیں اور یہی مذہب ہے حسن بصریؒ کا۔

داخل صلوۃ اور خارج صلوۃ میں فرق کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث میں فی الصلوۃ کی قید مذکور ہے اور دوسری وجہ اسکی یہ ہے کہ اگر داخل صلوۃ شک فی الحدث کو ناقض قرار دیا جائے تو اس سے ابطال عمل لازم آتا ہے، اور یہ وَلَا تُبْطِلُوٓا اَعْمَالَكُمْ [1] کے خلاف ہے اور خارج صلوۃ میں یہ خرابی لازم نہیں آتی لہذا وہاں شک فی الحدث کو ناقض قرار دیا جائے گا، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے مالکیہ کے اس استدلال پر اعتراض کیا ہے کہ ابطال عمل تو اس وقت لازم آئے گا جب شک فی الحدث کی حالت میں صحت صلوۃ کو تسلیم کیا جائے اور صحت صلوۃ اس وقت ہو سکتی ہے جب شک فی الحدث ناقض وضو نہ ہو سو اگر شک فی الحدث فی الواقع ناقض نہیں تو خارج میں بھی ناقض نہ ہونا چاہئے، اور اگر فی الواقع ناقض وضو ہے تو ابطال عمل کہاں۔

١٧٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَعَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: شُكِيَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى يُخَيَّلَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: «لَا يَنْفَتِلْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيحًا».

ترجمہ: عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی (عم عباد) سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو نماز کی حالت میں کچھ محسوس کرے (یعنی خروج ریح کا وہم اور شک ہو) یہاں تک کے اُسکو گمان ہونے لگے (خروج ریح کا) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ شخص (نماز سے) نہ ہٹے (وضو ٹوٹنے کے احتمال سے) جب تک کہ (اپنے کان سے ریح کی) آواز نہ سنے یا (اپنے ناک سے ریح کی) بو نہ محسوس کرے (یعنی جب تک ہوا نکلنے کے وجود کا علم یقینی حاصل نہ ہو جائے)۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٣٧) صحيح البخاري - الوضوء (١٧٥) صحيح مسلم - الحيض (٣٦١) سنن النسائي - الطهارة (١٦٠) سنن أبي داود - الطهارة (١٧٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥١٣)

شرح الحدیث: عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وَعَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ: یعنی سعید بن المسیبؒ اور عباد بن تمیم دونوں

[1] اور ضائع مت کرو اپنے کیے ہوئے کام (سورۃ محمد ٣٣)

روایت کرتے ہیں عم عباد سے جن کا نام عبد اللہ بن زید بن عاصم ہے۔

قولہ: شُكِيَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو نماز کی حالت میں کچھ محسوس کرے مثلاً بطریق شک و وہم کے خروج ریح وغیرہ، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص نماز سے نہ ہٹے جب تک اپنے کان سے ریح کی آواز نہ سنے یا ناک سے بدبو نہ محسوس کرے، کان اور ناک سے محسوس ہونا چونکہ ذریعہ ہے حصول یقین کا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ذکر فرمایا، ورنہ مقصود حصول یقین ہے خواہ وہ جیسے بھی حاصل ہو۔

حدیث میں فِي الصَّلَاةِ کی قید سے بعض مالکیہ نے استدلال کیا کہ یہ حکم شک کا ناقض نہ ہونا داخل صلوۃ کے ساتھ خاص ہے خارج صلوۃ میں اگر شک واقع ہو تب پھر یہ حکم نہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ لفظ عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: شُكِيَ یہاں پر اور اسی طرح مسلم کی روایت میں بصیغۂ مجہول وارد ہے اور الرجل نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا، فاعل شکایت کون ہے؟ اس روایت سے کچھ معلوم نہیں ہوتا لیکن بخاری کی روایت [1] سے اشارۃً اور ابن خزیمہ کی روایت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ فاعل یہی عم عباد ہیں جو سند میں مذکور ہیں، امام نوویؒ فرماتے ہیں فاعل معلوم ہونے کے بعد بھی اس لفظ شكي کو بصیغۂ معروف نہیں پڑھ سکتے، علامہ عینیؒ نے امام نوویؒ کے کلام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ فاعل معلوم ہونے کی صورت میں اسکو معروف پڑھ سکتے ہیں، اور ضمیر فاعل راجع ہوگی عم عباد کی طرف اسلئے کہ اسکا فاعل ہونا معلوم ہوگیا، حضرتؒ نے بذل میں یہ ساری بات نقل فرمانے کے بعد سکوت فرمایا ہے [2]، لیکن واضح رہے کہ امام نوویؒ کی بات درست ہے عینی کی تردید صحیح نہیں، وجہ اسکی یہ ہے یہ لفظ مسلم اور ابوداود کی روایت میں شكي یاء کے ساتھ لکھا ہے اور اس صورت میں اسکو مجہول پڑھنا متعین ہے، اسلئے کہ ناقص واوی ہونے کی وجہ سے شكي فعل مجہول یاء کے ساتھ اور شکا فعل معروف الف کے ساتھ لکھنا ضروری ہے جس طرح دعا وعفا فعل معروف الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے، اور جب فعل مجہول ہوں گے تو یاء کے ساتھ لکھے جائیں جیسے "دعی وعفی" اسی طرح یہ لفظ شكي بھی ہے البتہ رمی۔ فعل معروف بھی یاء کے ساتھ لکھا جائے گا اسلئے کہ یہ ناقص یائی ہے، خلاصہ یہ کہ فاعل متعین ہونے کے بعد ہی لفظ شكي یہاں پر مجہول ہی پڑھا جائے گا نہ کہ معروف کذا أفادہ العلامۃ السندی فی حاشیۃ النسائی وهکذا سمعت من شیخی مولانا محمد اسعد اللہ رحمہ اللہ۔

١٧٧ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا سُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى

---

[1] اس لئے کہ بخاری شریف میں یہ لفظ الف کے ساتھ اسطرح وارد ہے عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ اس کا فعل معروف ہونا متعین ہے (صحیح البخاری - کتاب الوضوء - باب لا یتوضأ من الشك حتى يستيقن ١٣٧)۔

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٧٢

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَوَجَدَ حَرَكَةً فِي دُبُرِهِ، أَحْدَثَ أَوْ لَمْ يُحْدِثْ، فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ فَلَا يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيحًا».

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں ہو پھر وہ اپنی دبر میں کوئی حرکت محسوس کرے (یعنی خروج ریح کا خلجان ہو اور اس خلجان کی بنا پر اسے شک ہو جائے) جس سے اُس پر (معاملہ) مشتبہ ہو جائے کہ اُسے حدث لاحق ہوا ہے یا نہیں تو (نماز سے) نہ پھرے (خروج ریح کے احتمال سے) یہاں تک کہ (اپنے کان سے ریح کی) آواز سن لے یا (اپنی ناک سے ریح کی) بو محسوس کرلے۔

تخریج: صحيح مسلم - الحيض (٣٦٢) جامع الترمذي - الطهارة (٧٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٧٧) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٣٠/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٤١٤/٢) سنن الدارمي - الطهارة (٧٢١)

شرح الحديث: قوله: فَوَجَدَ حَرَكَةً فِي دُبُرِهِ: **ريح القبل ناقض ہے یا نہیں؟** اس مقام کے مناسب ایک اور مسئلہ ہے، وہ یہ کہ ریح القبل ناقض ہے یا نہیں؟ مسئلہ مختلف فیہ ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں ناقض ہے اور مالکیہ کے یہاں ناقض نہیں اور حنفیہ کے یہاں دونوں روایتیں ہیں امام محمدؒ کہتے ہیں ناقض ہے اور امام کرخیؒ کہتے ہیں ناقض نہیں۔

قوله: حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا، أَوْ يَجِدَ رِيحًا: یہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ سماع صوت اور وجدان ریح کنایہ ہے حصول یقین سے یعنی جب تک ریح خارج ہونے کا یقین نہ ہو اس وقت تک محض دبر میں سرسراہٹ اور حرکت ہونے سے وضو باطل نہ ہوگی، چونکہ سماع صوت اور وجدان ریح حصول یقین کا ذریعہ اور سبب ہیں اس حیثیت سے ان کو ذکر کیا ورنہ لازم آئے گا کہ جو شخص اصم [1] اور اخشم ہو اس کی کبھی خروج ریح سے وضو نہ ٹوٹے۔

٦٨- بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ الْقُبْلَةِ

(یہ باب ہے بوسے سے وضو کے بیان میں (یعنی بیوی کو بوسہ دینا ناقض وضو ہے یا نہیں؟))

یہاں سے نواقض وضو کا بیان شروع ہو رہا ہے، اس دنیا میں کسی حالت کو دوام اور بقاء نہیں، ہر کمالے را زوال۔

قبلہ یعنی قبلۃ المرأۃ سے مراد مس مرأۃ ہے مس مرأۃ ناقض وضو ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، شافعیہ کے یہاں مطلقاً ناقض ہے، اور حنفیہ کے یہاں مطلقاً ناقض نہیں، مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں تفصیل ہے، اگر مس مرأۃ شہوت کے ساتھ ہو تو ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔

مس مرأۃ کے ناقض وضو ہونے کا مسئلہ قرآن میں مذکور ہے یا نہیں؟ دراصل یہ مسئلہ قرآن کریم

---

[1] اصم بہرہ اور اخشم جس کی قوت شامہ ضائع ہوگئی ہو۔

میں آیت تیمم أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لَٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ [1] میں مذکور ہے اس میں دو قرأتیں ہیں: ① لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ باب مجرد سے، ② دوسرے لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ، باب مفاعلت سے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لمس اپنے معنی حقیقی یعنی لمس بالید پر محمول ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مس مرأۃ ناقض وضو ہے، اور احناف کہتے ہیں کہ لمس سے جماع مراد ہے اسلئے کہ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسکی تفسیر جماع ہی کے ساتھ کی ہے اور علماء نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر دوسروں پر راجح ہے، نیز اس آیت میں دوسری قرأت لٰمَسْتُمْ والی اس سے حنفیہ کے معنی کی تائید ہوتی ہے، لہذا اگر لَمَسْتُم والی قرأت لمس بالید کے معنی کے زیادہ قریب ہے تو لٰمَسْتُمْ والی قرأت اقرب الی معنی الجماع ہے جیسا کہ ابو بکر جصاص رازیؒ نے تحریر فرمایا ہے [2]۔

نیز حنفیہ نے آیت کو جس معنی پر محمول کیا ہے اس میں زائد افادیت ہے اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حدث اصغر میں تیمم مشروع ہے اسی طرح حدث اکبر میں بھی مشروع ہے بخلاف شافعیہ کی تفسیر کے کہ اس سے تیمم جنب کا حکم معلوم نہیں ہوتا، نیز حنفیہ کی تائید احادیث الباب سے بھی ہو رہی ہے اس لئے کہ ان احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مس مرأۃ ناقض وضو نہیں، حنفیہ کے مسلک میں حدیث اور آیت کے درمیان تعارض سے سلامتی ہے، اور شافعیہ کی تفسیر حدیث الباب کے معارض پڑ رہی ہے اسی لئے شافعیہ حضرات حدیث الباب کی تضعیف یا تاویل کے درپے ہیں جیسا کہ آگے معلوم ہو جائے گا۔

حضرات مالکیہ اور حنابلہ نے اس آیت اور احادیث کے تعارض کو رفع کرنے کیلئے ایک دوسری شکل اختیار فرمائی وہ یہ کہ مس مرأۃ اگر شہوت کے ساتھ ہے تب تو ناقض ہے ورنہ نہیں...... لہذا آیت شریفہ میں لمس سے مس بالشہوت مراد ہے اسی لئے اس کو ناقض وضو قرار دیا ہے اور حدیث میں مس سے مس بلا شہوت مراد ہے اسی لئے وہ ناقض وضو نہیں ہوا۔

۱۷۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي رَوْقٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَهَا وَلَمْ يَتَوَضَّأْ» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: كَذَا رَوَاهُ الْفِرْيَابِيُّ وَغَيْرُهُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ مُرْسَلٌ إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَائِشَةَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: مَاتَ إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ وَلَمْ يَبْلُغْ أَرْبَعِينَ سَنَةً، وَكَانَ يُكْنَى أَبَا أَسْمَاءَ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں (حضرت عائشہؓ کو) بوسہ دیا اور وضو نہیں کیا۔

امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ فریابی وغیرہ نے بھی اسی طرح اس حدیث کو (مرسلا) روایت کیا ہے۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں یہ (ابراہیم تیمی کی) حدیث مرسل ہے اور ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہؓ سے بالکل (کسی حدیث میں) سماع نہیں کیا۔ امام ابو داودؒ

---

[1] یا پاس گئے ہو عورتوں کے (سورۃ المائدہ ٦)

[2] أحكام القرآن للجصاص - ج ٤ ص ٧ - ٨

فرماتے ہیں: ابراہیم تیمی چالیس سال کی عمر نہ پاسکے اور وفات پا گئے اور ان کی کنیت ابو اسماء تھی۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٨٦) سنن النسائي - الطهارة (١٧٠) سنن أبي داود - الطهارة (١٧٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٠٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢١٠/٦)

شرح حدیث: **حدیث الباب پر منصفؒ کا نقد:** قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ مُرْسَلٌ: جاننا چاہیے کہ تقبیل مرأۃ کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی جو حدیث ہے اسکو مصنفؒ نے دو طریق سے ذکر فرمایا ہے ایک بطریق ابراہیم تیمی عن عائشہؓ دوسرے بطریق حبیب بن ثابت عن عروہ، اور ہر دو طریق پر مصنفؒ نے کلام فرماکر حدیث کو ضعیف قرار دے دیا۔ طریق اول پر کلام یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے، اس لئے کہ اس کو ابراہیم تیمی عائشہؓ سے روایت کر رہے ہیں حالانکہ تیمی کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ انقطاع صرف اس طریق میں ہے، اس کے علاوہ دوسرے بعض طرق انقطاع سے سالم ہیں، چنانچہ یہ روایت دار قطنی[1] میں موجود ہے اور اس کی سند میں ابراہیم تیمی اور عائشہؓ کے درمیان واسطہ مذکور ہے عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ یہ طریق انقطاع سے سالم ہے۔

١٧٩ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ» ، قَالَ عُرْوَةُ: مَنْ هِيَ إِلَّا أَنْتِ؟ فَضَحِكَتْ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَكَذَا رَوَاهُ زَائِدَةُ، وَعَبْدُ الْحَمِيدِ الْحِمَّانِيُّ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے ایک زوجہ کو بوسہ دیا پھر نماز کیلئے تشریف لے گئے اور وضو نہ فرمایا۔ عروۃ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا یہ آپ ہی ہونگی تو حضرت عائشہ ہنس پڑیں (نبی اکرم ﷺ کے ہاں اپنے مرتبہ سے خوش ہوتے ہوئے اور حضرت عروہ کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے) امام ابوداودؒ کہتے ہیں اسی طرح اس حدیث کو (مرسلا) زائدۃ اور عبد الحمید الحمانی نے سلیمان اعمش سے روایت کیا ہے۔

١٨٠ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَخْلَدٍ الطَّالَقَانِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ مَغْرَاءَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، أَخْبَرَنَا أَصْحَابٌ لَنَا، عَنْ عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ، بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ لِرَجُلٍ احْكِ عَنِّي أَنَّ هَذَيْنِ يَعْنِي حَدِيثَ الْأَعْمَشِ هَذَا، عَنْ حَبِيبٍ، وَحَدِيثَهُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ «فِي الْمُسْتَحَاضَةِ أَنَّهَا تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ» قَالَ يَحْيَى: احْكِ عَنِّي أَنَّهُمَا شِبْهُ لَا شَيْءَ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رُوِيَ عَنِ الثَّوْرِيِّ، قَالَ: مَا حَدَّثَنَا حَبِيبٌ، إِلَّا عَنْ عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ يَعْنِي لَمْ يُحَدِّثْهُمْ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ بِشَيْءٍ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَدْ رَوَى حَمْزَةُ الزَّيَّاتُ، عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ حَدِيثًا صَحِيحًا.

ترجمہ: عروۃ المزنی بھی حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ یحیی بن سعید

---

[1] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - ٥٠٠ - ج ١ ص ٢٥٦

القطان نے ایک شخص سے کہا میری طرف سے بیان کرو کہ یہ دونوں یعنی اعمش کی حبیب سے یہ حدیث اور اعمش کی اسی سند سے مستحاضہ کے بارے میں حدیث کہ وہ ہر نماز کیلئے وضو کرے گی یحیٰی کہتے ہیں میری طرف سے بیان کرو کہ یہ دونوں حدیثیں غیر معتبر اور لاشئ (یعنی ضعیف) ہیں۔ (اور ضعف کی وجہ یہ ہے کہ) امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں سفیان ثوری سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں حبیب بن ابی ثابت نے صرف عروۃ المزنی سے ہی حدیث بیان کی ہے یعنی حبیب نے انہیں (سفیان ثوری اور انکے ساتھیوں کو) عروہ بن زبیر سے کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں (سفیان ثوری سے منقول بات کا رد کرتے ہوئے) حمزہ زیات نے عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ کی سند سے صحیح حدیث بیان کی ہے۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (٨٦) سنن النسائي - الطهارة (١٧٠) سنن أبي داود - الطهارة (١٧٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٠٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/ ٢١٠)

شرح الأحاديث قوله: حدثنا أعمش عن حبيب بن ابي ثابت عن عروة: یہ حدیث عائشہؓ کا دوسرا طریق ہے، اس کے بارے میں مصنفؒ فرماتے ہیں قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَكَذَا رَوَاهُ زَائِدَةُ، وَعَبْدُ الْحَمِيدِ الْحِمَّانِيُّ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ، یعنی وکیع نے جس طرح اس حدیث کو اعمش سے نقل کیا اسی طرح زائدہ اور عبدالحمید نے نقل کیا، مطلب یہ ہے کہ وکیع کی روایت میں جس طرح عروہ غیر منسوب واقع ہوا ہے اسی طرح ان دونوں کی روایت میں بھی واقع ہوا ہے۔

اس کے بعد مصنفؒ نے اس حدیث کو اعمش سے ایک اور طریق سے ذکر کیا ہے حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ مَغْرَاءَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ اس میں تصریح ہے اس بات کی کہ یہ عروہ عروہ بن الزبیر نہیں بلکہ عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ ہیں اور آگے چل کر بھی مصنفؒ نے بعض ائمہ حدیث کے کلمات نقل کر کے یہی ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہ عروہ عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ ہیں اور عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ بالاتفاق مجہول ہیں، لہذا پہلے طریق پر تو یہ کلام ہوا کہ وہ مرسل یعنی منقطع ہے، اور اس دوسرے طریق پر یہ کلام ہوا کہ اس میں عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ ہیں جو بالاتفاق مجہول ہیں، لہذا احادیث الباب جو حنفیہ کا مستدل ہے وہ ثابت نہیں۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ لِرَجُلٍ الخ: مصنفؒ کہتے ہیں کہ یحیٰی بن سعید قطان نے ایک شخص سے کہا (اس شخص سے مراد علی بن مدینی شیخ بخاری ہیں) کہ میری طرف سے لوگوں سے کہہ دو کہ اعمش کی یہ حدیث (حدیث الباب اور وہ دوسری حدیث جو مستحاضہ کے بارے میں ہے جس میں یہ ہے أَنَّهَا تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ [1]، میرے نزدیک یہ دونوں حدیثیں غیر معتبر اور لاشئ کے درجہ میں ہیں (یہ دوسری حدیث آگے ابواب الاستحاضہ میں بَابُ مَنْ قَالَ تَغْتَسِلُ مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ میں آرہی ہے)۔

یہ دونوں حدیثیں کیوں غیر معتبر اور لاشئ محض کے درجہ میں ہیں؟ اسکی وجہ مصنفؒ آگے

[1] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب الوضوء من القبلة ١٨٠

سفیان ثوریؒ سے نقل کرتے ہیں وَمُرْوِيَ عَنِ الثَّوْرِيِّ. قَالَ الخ، یعنی سفیان ثوری فرماتے ہیں حبیب بن ابی ثابت جب بھی روایت کرتے ہیں عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ ہی سے روایت کرتے ہیں یعنی عروہ بن الزبیر سے روایت نہیں کرتے لہذا حدیث الباب میں جو عروہ ہیں وہ عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ ہوئے اور وہ بالاتفاق ضعیف و مجہول ہیں۔

مصنفؒ کی رائے تو یہی ہے کہ حدیث الباب میں عروہ سے عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ مراد ہیں لیکن سفیان ثوری نے جو قاعدہ کلیہ بیان کیا کہ حبیب بن ابی ثابت عروہ بن الزبیر سے مطلقاً روایت نہیں کرتے یہ قاعدہ کلیہ مصنفؒ کو تسلیم نہیں چنانچہ فرماتے ہیں قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَدْ رَوَى حَمْزَةُ الزَّيَّاتُ، عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ حَدِيثًا صَحِيحًا، اس سند سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب کبھی عروہ بن الزبیر سے بھی روایت کرتے ہیں لہذا بالکلیہ ان سے روایت کی نفی کرنا درست نہیں۔

یہاں پر صاحب معارف السنن [1] سے تسامح ہوا وہ یہ کہ وہ فرماتے ہیں امام ابوداودؒ کے نزدیک حدیث الباب کی سند میں عروہ سے عروہ بن الزبیر مراد ہیں، بذل المجہود [2] میں حضرتؒ کی وہی رائے ہے جو ہم نے بیان کی۔

عروہؓ سے عروۃ بن الزبیر مراد ہونے کے قرائن: اسکے بعد جاننا چاہئے کہ ہمارے حضرت سہارنپوریؒ نے بذل المجہود میں اس بات پر نصف درجن سے زائد قرائن تحریر فرمائے ہیں کہ یہ عروہ بن الزبیر ہیں عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ نہیں، لہذا مصنفؒ کی بات ہمیں تسلیم نہیں، وہ قرائن یہ ہیں: ① عبدالرحمن بن مغراء جنکی روایت میں عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ ہونے کی تصریح ہے، وہ ضعیف ہیں، ② ابن ماجہ اور مصنفؒ ابن ابی شیبہ میں وکیع نے عبدالرحمن بن مغراء کی مخالفت کی ہے اور ان کو عروۃ بن الزبیر قرار دیا ہے، ③ اس سند میں عروہ سے نقل کرنے والے اصحاب ہیں جو جمع کا صیغہ ہے اور جس راوی سے ایک جماعت نقل کرتی ہو وہ معروف ہوگا نہ کہ مجہول، اور عروۃ المزنی بالاتفاق مجہول ہیں لہذا یہ عروہ عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ نہیں ہو سکتے، ④ عروۃ بن الزبیر معروف راوی ہیں اور عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ مجہول ہیں، اور اکثر روایات میں عروہ مطلقاً بغیر نسبت کے وارد ہوا ہے، اور محدثین کے یہاں راوی غیر منسوب کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ معروف پر محمول ہوتا ہے، لہذا یہ عروہ عروۃ بن الزبیر ہوئے نہ کہ عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ، ⑤ اس روایت میں ہے فَقُلْتُ لَهَا مَنْ هِيَ إِلَّا أَنْتِ، یعنی جب حضرت عائشہؓ نے عروہ کے سامنے مجملاً بیان کیا کہ حضور ﷺ نے اپنی ازواج میں سے کسی زوجہ کی تقبیل کی تو اس پر عروہ بولے وہ کون ہے تم ہی تو ہو گی، اس پر وہ ہنس پڑیں، یہ سوال وجواب قرینہ ہے اس بات پر کہ یہ عروہ عروۃ بن الزبیر ہیں اس لئے کہ عروہ بن الزبیرؒ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان بے تکلفی اور کثرت سوال وجواب مشہور و معروف ہے نہ کہ حضرت عائشہؓ اور عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ کے درمیان، ⑥ دار قطنی اور مسند احمد کی بہت سی روایات اس پر دال ہیں کہ یہ عروہ عروۃ بن الزبیر ہیں، ⑦ اس سند میں عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد

---

[1] معارف السنن شرح جامع الترمذي - ج ۱ ص ۳۰۳

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۸۲

اصحاب ہیں جو مجہول ہیں، لہٰذا یہ سند غیر معتبر ہے، غرضیکہ مصنفؒ نے حدیث الباب کے ہر دو طریق پر جو نقد کیا وہ رفع ہو گیا۔

حدیث الباب کی تائیدمیں دوسری روایات: اس کے علاوہ بھی بہت سی روایات حدیثیہ بخاری وغیرہ میں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مس مرأۃ ناقض وضو نہیں، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں رات میں آپ ﷺ کے سامنے لیٹی ہوئی ہوتی اور آپ ﷺ نماز پڑھتے ہوتے اور میرے پاؤں آپ ﷺ کے سجدہ کی جگہ ہوتے فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ [1]، اور ایک روایت میں ہے إِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ مَسَّنِي بِرِجْلِهِ [2] یعنی جب آپ ﷺ سجدہ میں جانے کا ارادہ فرماتے تو میرے بدن پاؤں وغیرہ کو چھو دیتے جس سے میں ان کو سمیٹ لیتی، یہاں پر عین حالت نماز میں مس مرأۃ پایا جارہا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اسکی تاویل کی ہے کہ ہوسکتا ہے مس بحائل ہو یا یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، یہ سب باتیں ایسی ہی ہیں اپنے مسلک کی حمایت کیلئے۔

امام بیہقیؒ کےزعم میں حدیث کامحمل: اور امام بیہقیؒ نے تو ایک عجیب بات فرمائی وہ یہ کہ یہ حدیث دراصل کتاب الصوم کی ہے جو قبلۃ الصائم کے بارے میں تھی كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ کہ آپ ﷺ حالت صوم میں تقبیل فرماتے تھے مگر بیان کرنے والے راویوں سے اس میں وہم واقع ہوا اور اس طرح روایت کر دیا کہ آپ ﷺ تقبیل کے بعد نماز کیلئے تجدید وضو نہ فرماتے تھے، حضرت سہارنپوریؒ فرماتے ہیں امام بیہقیؒ کا بلا دلیل رواۃ کی تضعیف کرنا اور ان کو وہم کا شکار قرار دینا دیانت کے خلاف ہے۔ واللہ الموفق

قولہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَدْ رَوَى حَمْزَةُ الزَّيَّاتُ الخ: حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں لکھا ہے غالباً اس حدیث صحیح سے مراد وہ حدیث ہے جو ترمذی کی "کتاب الدعوات" میں اسی سند سے مذکور ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں اللَّهُمَّ عَافِنِي فِي جَسَدِي، وَعَافِنِي فِي بَصَرِي، وَاجْعَلْهُ الوَارِثَ مِنِّي، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الحَلِيمُ الكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ العَرْشِ العَظِيمِ، الحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ [3]، لیکن ترمذی کی سند میں عروہ بن الزبیر ہونے کی تصریح نہیں، ہوسکتا ہے کہ امام ابوداودؒ کے نزدیک وہ عروہ بن الزبیر ہی ہوں۔

٦٩ - بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ

یہ باب ہے مس ذکر سے وضو کے بیان میں (یعنی ہتھیلی کے اندرونی حصہ سے ذکر کو چھونے کا حکم)

١٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ، يَقُولُ: دَخَلْتُ عَلَى مَرْوَانَ بْنِ

---

[1] صحیح البخاری - کتاب الصلاۃ - باب الصلاۃ علی الفراش ٣٧٥

[2] السنن الکبری للبیهقي - کتاب الطهارة - باب ما جاء في غمز الرجل امرأته من غير شهوة أو من وراء حائل ٦١٥ - ج ١ ص ٢٠٣-٢٠٤

[3] جامع الترمذي - کتاب الدعوات - باب (بلا ترجمة) ٣٤٨٠

الْحَكَمِ فَذَكَرْنَا مَا يَكُونُ مِنْهُ الْوُضُوءُ، فَقَالَ مَرْوَانُ: وَمِنْ مَسِّ الذَّكَرِ؟ فَقَالَ عُرْوَةُ: مَا عَلِمْتُ ذَلِكَ، فَقَالَ مَرْوَانُ: أَخْبَرَتْنِي بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ»

ترجمہ عروہ کہتے ہیں کہ میں مروان بن الحکم کے پاس گیا تو ہم نے مذاکرہ کرنا شروع کیا کہ وضو کس کس چیز سے ضروری ہے (یعنی نواقض وضو کے بارے میں مذاکرہ کیا) تو مروان کہنے لگا اور (اپنے) ذکر کو چھونے سے (وضو ٹوٹ جاتا ہے)۔ عروۃ نے کہا مجھے تو اس کا علم نہیں (یعنی مس ذکر سے وضو لازم ہوتا ہو) تو مروان نے کہا مجھے بسرۃ بنت صفوان نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو اپنے ذکر (شرمگاہ) کو چھوئے تو اسے چاہیے کہ وہ وضو کرلے۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (٨٢) سنن النسائي - الطهارة (١٦٣) سنن النسائي - الطهارة (١٦٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٨١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٧٩) مسند أحمد - من مسند القبائل (٤٠٦/٦) مسند أحمد - من مسند القبائل (٤٠٧/٦) موطأ مالك - الطهارة (٩١) سنن الدارمي - الطهارة (٧٢٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٢٥)

شرح الحدیث **مسئلة الباب میں مذاہب ائمہ:** مسئلۃ الباب مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مس ذکر ناقض وضو ہے امام احمدؒ کے نزدیک مطلقاً اور امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک اذا کان المس بباطن الکف اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً ناقض نہیں ہے مصنفؒ نے یہاں پر دو باب قائم کیے ہیں، پہلے باب سے مس ذکر کا ناقض ہونا اور دوسرے باب سے ناقض نہ ہونا ثابت کیا ہے۔

اس باب میں مصنفؒ نے حدیث بسرہ بنت صفوان ذکر فرمائی ہے جس سے مس ذکر کا ناقض وضو ہونا معلوم ہوتا ہے، ہماری طرف سے اس حدیث کے دو جواب دیے گئے ہیں تضعیف اور تاویل یا ترجیح۔

حنفیہ کی طرف سے حدیث الباب کا جواب: حدیث ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں عروہ اور بسرہ کے درمیان یا مروان کا واسطہ ہے یا اس کے شرطی کا، مروان غیر ثقہ ہیں ان کی روایت قابل استدلال نہیں، حضرت گنگوہیؒ کی تقریر الکوکب الدری میں ہے اما مروان ففسقه اظهر من الشمس وابين من الامس واما الشرطی فمجهول كما لايخفى[1]۔

جمہور نے اسکے دو جواب دیے ہیں: ① بعض نے یہ کہا کہ مروان حجت اور قابل استدلال ہیں، امام بخاریؒ نے انکی روایت کو اپنی صحیح میں لیا ہے اور ② بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ مروان حجت نہیں لیکن یہ روایت بدون مروان کے بھی ثابت ہے، یعنی عروہ براہ راست بسرہ سے روایت کرتے ہیں چنانچہ ابن حبان فرماتے ہیں ومعاذ الله أن نحتج بمروان بن الحكم في شيء من كتبنا، ولكن عروة لم يقنع بسماعه من مروان حتى بعث مروان شرطيا له إلى بسرة فسألها[2]، یعنی عروہ نے مروان کے

---

[1] الکوکب الدري على جامع الترمذي - ج ١ ص ١١٣

[2] نصب الراية لأحاديث الهداية - ج ١ ص ٥٥

قول پر قناعت نہیں کی بلکہ انہوں نے براہ راست بسرہ سے جاکر اس مسئلہ کو دریافت کیا، لہذا مروان سند کے درمیان سے نکل گئے۔

ہماری طرف سے پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ امام بخاریؒ نے ان کی روایت کو لیا ہے، اور یہ رجال بخاری میں سے ہیں، لیکن یہ بخاری کے ان رجال میں سے ہیں جن پر نقد اور طعن کیا گیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے مروان کو مقدمۂ فتح الباری میں اس فصل میں ذکر کیا جس میں بخاری کے متکلم فیہ رواۃ ذکر کئے گئے ہیں، اسماعیلیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین نے امام بخاری پر مروان کی روایات کی تخریج پر نقد کیا ہے، اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ان کی روایات کو متابعات میں لیا ہے نہ کہ اصول میں اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ امام بخاریؒ نے مروان کی ان روایات کو لیا ہے جس کو انہوں نے اپنی امارۃ سے پہلے بیان کیا ہے اور امارۃ کے بعد کی روایات کو نہیں لیا ہے، اور دوسری بات کا جواب وہ ہے جو خود بیہقیؒ کے کلام سے مستنبط ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ حدیث بسرہ کی تخریج شیخین نے اسلئے نہیں کی کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اس روایت کو عروہ براہ راست بسرہ سے روایت کرتے ہیں یا بواسطۂ مروان اور اس کے شرطی کے، معلوم ہوا کہ مروان کا واسطہ نہ ہونا امر محقق نہیں۔ امام ابوداؤدؒ نے مروان کے واسطہ والی روایت کو لیا ہے اور امام ترمذیؒ نے دونوں طریق کو ذکر کیا ہے اور نسائی میں ایک روایت بلاواسطہ ہے اور ایک بواسطۂ مروان اور ایک بواسطہ حرسی (شرطی)۔

حديث الوضوء من مس الذكر مأول ہے: ہم نے شروع میں کہا تھا کہ اس حدیث کے دو جواب ہیں: ① اول تضعیف جس کا بیان آچکا، ② دوسرے ترجیح یا تاویل، اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک دوسرے باب کی حدیث یعنی حدیث طلق راجح ہے، اسلئے کہ وہ روایۃ الرجال کے قبیل سے ہے، دوسرے اسلئے کہ اسکی سند میں کوئی اختلاف واضطراب نہیں ہے، علی بن مدینی فرماتے ہیں "هو عندي احسن من حديث بسرة"۔

اور اگر تاویل کی جائے تو اس کا دروازہ بھی مفتوح ہے، متعدد تاویلیں ہیں: ① حدیث بسرہ استحباب پر محمول ہے، ② وضو لغوی پر محمول ہے اور یہ اس لئے تاکہ روایات میں تعارض پیدا نہ ہو، ③ محمول على ما اذا خرج من الذكر شئ لاجل المس، ④ مس ذکر سے مراد مس الذكر بفرج المرأة ہے جس کو مباشرت فاحشہ کہتے ہیں، اور یہ ہمارے یہاں بھی ناقض وضو ہے، ⑤ مس سے مراد مس عند الاستنجاء ہے، لہذا استنجاء ناقض ہوا نہ کہ مس۔

شافعیہ نے اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث بھی پیش کی ہے جو دارقطنی میں ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں اذا افضى احدكم بيده الى فرجه فليتوضأ[1]۔

---

[1] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب ما روي في لمس القبل والدبر والذكر والحكم في ذلك ٥٣٢ - ج ١ ص ٢٦٧

٧٠۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

یہ باب ہے اس حکم (یعنی مس ذکر ناقض وضو ہے) سے رخصت کے بیان میں

١٨٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَنَفِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَدْرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ كَأَنَّهُ بَدَوِيٌّ، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، مَا تَرَى فِي مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ: «هَلْ هُوَ إِلَّا مُضْغَةٌ مِنْهُ» ، أَوْ قَالَ: «بَضْعَةٌ مِنْهُ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ، وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَشُعْبَةُ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ، وَجَرِيرٌ الرَّازِيُّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ.

ترجمہ طلق بن علی کہتے ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو ایک شخص آیا جو کہ دیہاتی لگ رہا تھا اس نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں جو وضو کرنے کے بعد اپنے ذکر کو چھوئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اس کے جسم ہی کا ایک لوتھڑا ہے یا فرمایا کہ اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے (جس طرح جسم کے دوسرے ٹکڑے کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو شرم گاہ کے ہاتھ لگانے سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا)۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: ہشام بن حسان، سفیان ثوری، شعبہ، سفیان بن عیینہ اور جزیر الرازی نے اس حدیث کو محمد بن جابر سے قیس بن طلق سے نقل کیا ہے۔

١٨٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، وَقَالَ: فِي الصَّلَاةِ.

ترجمہ مسدد استاد نے محمد بن جابر سے قیس بن طلق سے اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن بدر کی حدیث کے ہم معنی حدیث نقل کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ سائل نے یہ پوچھا اے اللہ کے نبی! آپ کی کیا رائے ہے اس آدمی کے متعلق جو نماز میں اپنی شرمگاہ کو چھوئے۔

تخریج جامع الترمذي – الطهارة (٨٥) سنن النسائي – الطهارة (١٦٥) سنن أبي داود – الطهارة (١٨٢) سنن ابن ماجه – الطهارة وسننها (٤٨٣) مسند أحمد – أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٢٣/٤)

شرح الاحادیث جاننا چاہئے کہ پہلے باب کی حدیث یعنی حدیث بسرہ، اور اس باب کی حدیث یعنی حدیث طلق دونوں سنن اربعہ کی روایات ہیں صحیحین میں سے کسی میں نہیں ہیں، البتہ حدیث بسرہ مؤطا مالک، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان دونوں میں ہے، اور حدیث طلق سنن اربعہ کے علاوہ صحیح ابن حبان، بیہقی اور طحاوی میں ہے۔

حدیث الباب پر شافعیہ کا نقد اور اسکا جواب: جمہور نے حدیث طلق کے دو جواب دیے ہیں، اول یہ کہ یہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے اندر ایک راوی ہیں قیس بن طلق ان کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں قد سألنا عن قیس

بن طلق فلم نجد من يعرفه [1]۔

ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ تو فرمارہے ہیں ہم نے ان کے بارے میں معلومات کیں مگر پتہ نہیں چل سکا کہ یہ کون ہیں؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن حضرات محدثین نے اس حدیث کی تصحیح یا تحسین کی ہے ظاہر بات ہے کہ ان کو قیس بن طلق کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی اور من عرف حجت ہوتا ہے من لم یعرف پر۔

دوسرا جواب جمہور نے اس حدیث کا یہ دیا کہ یہ حدیث طلق منسوخ ہے حدیث ابوہریرہؓ سے جس سے مس ذکر کا ناقض ہونا معلوم ہوتا ہے (جس کے الفاظ پہلے باب کے اخیر میں گزر چکے) اسلئے کہ حدیث طلق مقدم ہے حدیث ابوہریرہؓ پر، کیونکہ قدوم طلق مدینہ منورہ میں ہجرت کے پہلے سال ہوا تھا جس وقت مسجد نبوی کی تاسیس ہو رہی تھی، اور حضرت ابوہریرہؓ کا اسلام ۷ سنہ میں ہے امام بغویؒ صاحب المصابیح نے یہی جواب دیا ہے۔

ہماری طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ دعوی نسخ کا ثبوت دو باتوں پر موقوف ہے: ① اول یہ کہ مسجد نبوی کی بناء حضور ﷺ کے زمانہ میں صرف ایک ہی مرتبہ ۱ سنہ میں ہوئی، ② اور دوسری بات یہ کہ قدوم طلق صرف ایک ہی مرتبہ ہوا جس وقت مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی، اسکے بعد پھر دوبارہ مدینہ میں آنے کی نوبت نہیں آئی، اور حال یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں ثابت نہیں اسلئے کہ مسجد نبوی کی تعمیر حضور ﷺ کے زمانہ میں دو مرتبہ ہوئی جیسا کہ علامہ نورالدین سمہودی نے وفاء الوفاء میں تصریح کی ہے، پہلی مرتبہ ۱ سنہ میں اور دوسری مرتبہ فتح خیبر کے بعد ۷ سنہ میں، نیز دوسری بات بھی ثابت نہیں اسلئے کہ واقدی اور ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ قدوم طلق وفد بنو حنیفہ میں ہوا تھا، اور اس وفد کا قدوم سنۃ الوفود ۹ سنہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قدوم طلق دو بار ہوا ۱ سنہ اور ۹ سنہ تو ہو سکتا ہے سماع طلق دوسری مرتبہ میں ہوا ہو، لہذا نسخ کا دعوی ثابت نہیں، اس بحث کو أمانی الاحبار میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

۷۱۔ بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ

اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کا بیان

مذاہب ائمہ: مسئلہ مترجم بہا مختلف فیہ ہے، جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لحم ابل ناقض وضو نہیں، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحق بن راہویہؒ اسکے قائل ہیں، شافعیہ میں سے امام بیہقیؒ نے بھی اسکو اختیار کیا ہے اور اسکی وجہ انہوں نے یہ لکھی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے: ان صح حدیث الوضوء من لحوم الإبل قلت به یعنی اگر وضو من لحوم الابل کی حدیث ثابت ہو جائے تو پھر میں اس کا قائل ہوں، اس پر امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دو حدیثیں صحیح اور ثابت ہیں، ایک حضرت

[1] سبل السلام الموصلة إلى بلوغ المرام – ج ۱ ص ۳۴۳ (دار ابن الجوزی الطبعة الأولی ۱۴۱۸ھ)

براء بن عازبؓ کی حدیث جو ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہے، دوسرے حضرت جابر بن سمرہؓ کی حدیث جو مسلم میں ہے، ابن العربیؒ اور امام نوویؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے وہ کہتے ہیں وھذا المذھب أقوی دلیلا وان کان الجمھور علی خلافه[1]، لیکن خلفاء اربعہ اور ائمہ ثلاثہ اس کے قائل نہیں۔

۱۸۴ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الرَّازِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: "سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ، فَقَالَ: «تَوَضَّئُوا مِنْهَا» وَسُئِلَ عَنْ لُحُومِ الْغَنَمِ، فَقَالَ: «لَا تَتَوَضَّئُوا[2] مِنْهَا» ، وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ، فَقَالَ: «لَا تُصَلُّوا فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ، فَإِنَّهَا مِنَ الشَّيَاطِينِ» وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، فَقَالَ: «صَلُّوا فِيهَا فَإِنَّهَا بَرَكَةٌ».

ترجمہ براء بن عازب کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کے واجب ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضو کرو اور حضور سے یہ دریافت کیا گیا کہ بکری کے گوشت کھانے سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں...... نیز نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اونٹوں کے باڑہ میں نماز نہ پڑھو کیونکہ اونٹوں کا باڑہ شیطانوں کے رہنے کی جگہ ہے...... اور حضور سے دریافت کیا گیا کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو کیونکہ یہ برکت والی جگہ ہے۔

تخریج جامع الترمذي - الطھارۃ (۸۱) سنن أبي داود - الطھارۃ (۱۸۴) سنن ابن ماجه - الطھارۃ وسننھا (۴۹۴) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (۲۸۸/۴)

شرح الحدیث **جمہور کی طرف سے حدیث کا جواب:** قوله: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوُضُوءِ مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ، فَقَالَ: «تَوَضَّئُوا مِنْهَا»: یہ حدیث حنابلہ وغیرہ کی دلیل ہے، اور مصنفؒ بھی حنبلی ہیں، ان کا میلان بھی اسی طرف ہے جمہور علماء ائمہ ثلاثہ جو وضو من لحوم الابل کے قائل نہیں انہوں نے اس حدیث کے دو جواب دیے ہیں:

① اول یہ کہ ان احادیث میں وضو سے وضو شرعی نہیں بلکہ وضو لغوی مراد ہے اس لئے کہ لحوم ابل میں دسومۃ زائد ہوتی ہے اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل ہے لَأَنْ أَتَوَضَّأَ مِنَ الْكَلِمَةِ الْمُنْتِنَةِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَوَضَّأَ مِنَ اللُّقْمَةِ الطَّيِّبَةِ[3]، اس کے علاوہ بھی بعض دوسرے آثار صحابہ ہیں جن کی تخریج امام طحاویؒ نے کی ہے۔

② دوسرا جواب یہ کہ اگر ان احادیث کو وضو شرعی پر محمول کیا جائے تو پھر یہ منسوخ ہیں اس حدیث جابرؓ سے جس کی

---

[1] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٤ ص ٤٩

[2] یہاں ابوداؤد کے نسخے مختلف ہیں، شیخ عوامہ کے نسخہ میں لا توضؤوا منھا ہے۔ (کتاب السنن - ج ۱ ص ۲۳۷)

[3] شرح معاني الآثار - ج ۱ ص ٦٨

تخریج اصحاب السنن نے کی ہے، جس کے الفاظ ہیں كَانَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ ❶۔

امام نوویؒ وغیرہ نے قول نسخ پر اعتراض کیا ہے وہ یہ کہ جس حدیث کو آپ ناسخ مان رہے ہیں، یعنی ترک الوضو مماست النار وہ عام ہے اور وضو من الحوم الابل والی حدیث خاص ہے، عام خاص کیلئے ناسخ نہیں ہو سکتا، بلکہ خاص عام پر راجح اور مقدم ہوتا ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ہم وضو من لحوم الابل کو منسوخ اس حیثیت سے نہیں مان رہے کہ وہ خاص ہے اور دوسری حدیث عام ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ خاص اس عام کے افراد میں سے ایک فرد ہے پس جب عام منسوخ ہو گیا تو وہ بجمیع افرادہ منسوخ ہو گا۔

لیکن یہاں پر ابن قیمؒ نے ایک بات کہی جو بڑی قوی ہے وہ یہ کہ آپ ترك الوضوء مما مست النار والی حدیث کو ناسخ اور وضو من لحوم الابل والی حدیث کو منسوخ مان رہے ہیں، حالانکہ وضو من لحوم الابل کا مسئلہ مامست النار سے متعلق ہی نہیں اس لئے کہ امام احمدؒ جو وضو من لحوم الابل کے قائل ہیں، وہ اس سے ہر حال میں وضو کے قائل ہیں خواہ لحم ابل کا آگ نے مس کیا ہو یا نہیں، لحم ابل نضیج اور غیر نضیج میں کوئی فرق نہیں، چنانچہ کتب حنابلہ جیسے نیل المآرب وغیرہ میں اسکی تصریح ہے۔

حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں اسکا جواب دیا ہے "ان عممتم نعممنا" یعنی اگر آپ اس مسئلہ میں تعمیم کرتے ہیں کہ لحم ابل سے وضو ہر حال میں واجب ہے خواہ وہ کچا ہو یا پکا تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ جس طرح اس حدیث میں کچے اور پکے کی قید نہیں اسی طرح اس میں کھانے کی بھی قید نہیں، لہذا آپ کو لحم ابل کے مس سے بھی وضو کا قائل ہونا چاہئے "فما هو جوابكم فهو جوابنا" احقر کہتا ہے کہ یہ بس ایسا ہی الزامی جواب ہے اس سے تشفی نہیں ہوتی۔

قوله: لَا تُصَلُّوا فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ: مبارک جمع ہے مبرک کی بروزن جعفر یعنی اونٹوں کا باڑہ ان کے بندھنے کی جگہ، اس پر تو اتفاق ہے کہ مبارک ابل میں نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن آگے پھر اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ حنفیہ اور شافعیہ کے یہاں نماز صحیح ہے اور ظاہریہ و حنابلہ کے یہاں مبارک ابل میں نماز صحیح نہیں اور امام مالکؒ سے دو روایتیں ہیں: ① الاعادة في الوقت، ② الاعادة مطلقاً، نیز جو حضرات فساد نماز کے قائل ہیں ان کے یہاں فساد ہر حال میں ہے خواہ محل طاہر ہی کیوں نہ ہو۔

قوله: فَإِنَّهَا مِنَ الشَّيَاطِينِ: یہ ضمیر یا تو مبارک کی طرف راجع ہے اس صورت میں مضاف مقدر ہو گا "أي فإنها مأوى الشياطين" دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر راجع ہے ابل کی طرف، اس صورت میں لازم آئے گا کہ ابل شیاطین کی نسل سے ہوں بعض نے کہا یہ حقیقت پر محمول ہے لتولدها من مائها اور بعض نے یہ کہا کہ اس سے مقصود نفور اور شرارت میں تشبیہ ہے، اور

---

❶ سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب في ترك الوضوء مما مست النار ١٩٢

بعض نے کہا کہ شیطان دو ہیں ایک تو وہی جو جنات کی نسل سے ہے اور معروف ہے، دوسرے ہر سرکش اور شریر پر بھی شیطان کا اطلاق ہوتا ہے "کل عاد متمرد فھو شیطان" (کمافی القاموس [1])۔

اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مبارک ابل میں نماز پڑھنے کی علت نہی کیا ہے؟ بعض نے کہا کہ ارباب ابل کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اونٹوں کی آڑ میں بیٹھ کر استنجاء کرتے ہیں "وقیل لاینظفھا اھلھا" یعنی مبارک ابل کو اونٹ والے صاف ستھرا نہیں رکھتے "وقیل لنفار الابل وشرادھا" یعنی اونٹ بڑا شریر ہوتا ہے اچھلتا اور بدکتا رہتا ہے اس سے مصلی کو ضرر جسمانی پہنچنے کا اندیشہ ہے "وقیل لاجل ثقل رائحتھا الکریھة" یعنی رائحہ کریہہ کی وجہ سے ممانعت ہے اور کتاب الأم میں امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ کراہت کی وجہ قرب شیطان ہے کیونکہ حدیث میں ابل کو من جنس الشیاطین کہا گیا ہے۔

قولہ: وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ: مرابض جمع ہے مربض کی بروزن مجلس، مرابض غنم میں بالاتفاق نماز بلا کراہت جائز ہے۔

قولہ: صَلُّوا فِيهَا فَإِنَّهَا بَرَكَةٌ: بعض نے کہا کہ غنم کو برکت ابل کے مقابل میں کہا گیا ہے یعنی ابل ایک موذی جانور ہے بخلاف غنم کے اس سے اذیت نہیں پہنچتی، اور بعض نے کہا کہ یہ حقیقت پر محمول ہے اس لئے کہ ایک روایت میں ہے "الغنم برکة" اور ایک روایت میں ہے ام ہانی فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا اتَّخِذِي غَنَمًا فَإِنَّ فِيهَا بَرَكَةً [2] نیز ایک روایت میں ہے إِنَّ الْغَنَمَ مِنْ دَوَابِّ الْجَنَّةِ [3]۔

بول ماکول اللحم کی طہارت کی بحث: اسکے بعد جاننا چاہئے کہ علماء کی ایک جماعت نے صلوۃ فی مرابض الغنم کی حدیث سے ابوال وابعار غنم کی طہارت پر استدلال کیا ہے اس لئے کہ مرابض غنم ان چیزوں سے خالی نہیں ہوتے اور اسکے باوجود آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، پھر ان حضرات نے ابوال ابل کو بھی اسی پر قیاس کیا بلکہ تمام ہی ماکول اللحم جانوروں کو غنم پر قیاس کر کے ان کے ابوال وابعار کو طاہر قرار دے دیا، رہی یہ بات کہ مبارک ابل میں تو نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے سو اس کی وجہ وہاں نجاست کا ہونا نہیں بلکہ دوسرے اسباب ہیں، اونٹ کی شرارت وغیرہ جو پہلے بیان کئے جا چکے۔ یہ قائلین طہارت امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ اور ائمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ، امام احمد اور شافعیہ میں سے ابن المنذر، ابن حبان اور ابوسعید اصطخری اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمہم اللہ ہیں۔

---

[1] والشَّيطانُ: م، وكلُّ عاتٍ متمرّدٍ من إنسٍ أو جنٍّ أو دابّةٍ (القاموس المحيط ص ١٢٠٩)

[2] سنن ابن ماجه - كتاب التجارات - باب اتخاذ الماشية ٢٣٠٤

[3] السنن الكبرى للبيهقي كتاب الصلاة باب ذكر المعنى في كراهية الصلاة في أحد هذين الموضعين دون الآخر ٤٣٦٠ - ج ٢ ص ٦٣٠

اور حنفیہ واکثر شافعیہ اور جمہور علماء نجاست کے قائل ہیں جمہور کی دلیل حدیث اسْتَنْزِهُوا مِنَ الْبَوْلِ ہے، رواہ الدارقطنی [1] والحاکم وصححہ، نیز حدیث المرور علی القبرین جو کہ متفق علیہ ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا لَا يَسْتَنْزِهُ عَنِ الْبَوْلِ -أَوْمِنَ الْبَوْلِ [2]۔

جاننا چاہئے کہ حدیث الباب آگے کتاب الصلوۃ میں بَابُ النَّهْيِ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ کے ذیل میں آرہی ہے، یہاں پر حدیث کا جزء اول یعنی وضو من لحوم الابل مقصود ہے، اور کتاب الصلوۃ میں حدیث کا جزء ثانی مقصود ہے۔

۷۲ - بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ اللَّحْمِ النِّيءِ وَغَسْلِهِ

کچے گوشت کو ہاتھ سے چھونے کی صورت میں وضو واجب ہوتا ہے یا صرف ہاتھ کو دھونا کافی ہے

جاننا چاہئے کہ غسلہ کے عطف میں دو احتمال ہیں: اول یہ کہ اس کا عطف الوضو پر ہو اور الوضو میں الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت ہوگی "باب وضوء الرجل من مس اللحم النیء وباب غسل الرجل ای یدہ من مس اللحم النیء" ترجمۃ الباب کا مطلب یہ ہوگا کہ کچے گوشت کو چھونے سے وضو شرعی واجب ہے یا صرف غسل ید جس کو وضو لغوی بھی کہتے ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ غسلہ کا عطف اللحم پر مانا جائے، اس صورت میں تقدیر عبارت ہوگی باب الوضوء من مس اللحم النیء وباب الوضوء من غسل اللحم، ترجمۃ الباب کا مطلب یہ ہوگا کہ کچے گوشت کو چھونے اور اس کے دھونے سے وضو کے بیان میں، یعنی اگر کوئی شخص گوشت دھوئے تو کیا اس سے وضو ہے؟ عطف کے سلسلے میں حضرت سہارنپوریؒ نے بذل [3] میں احتمال اول ہی لکھا ہے، احتمال ثانی استاذ محترم مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا تھا۔

ترجمۃ الباب کی غرض: یہاں پر سوال یہ ہے کہ کچے گوشت کے چھونے سے جمہور علماء اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی وضو شرعی یا وضو لغوی واجب نہیں، پھر مصنفؒ نے ترجمۃ الباب کیوں قائم کیا؟ جواب یہ ہے کہ بعض تابعین جیسے سعید بن المسیبؒ سے اس کے بارے میں وضو منقول ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے عن سعید بن المسیب انہ قال من مسہ یتوضأ، اور حسن بصریؒ وعطاؒ سے منقول ہے انہ یغسل یدہ، تو مصنفؒ نے ان روایات پر رد کرنے کیلئے یہ باب قائم فرمایا ہے۔

۱۸۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، وَأَيُّوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّقِّيُّ، وَعَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ الْحِمْصِيُّ الْمَعْنَى، قَالُوا: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ

---

[1] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب نجاسة البول، والأمر بالتنزه منه، والحكم في بول ما يؤكل لحمه ٤٦٤ - ج ١ ص ٢٣٣

[2] صحيح مسلم - كتاب الطهارة - باب الدليل على نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه ٢٩٢

[3] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ١٠٠

مُعَاوِيَةَ، أَخْبَرَنَا هِلَالُ بْنُ مَيْمُونٍ الْجُهَنِيُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، قَالَ هِلَالٌ: لَا أَعْلَمُهُ إِلَّا، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَقَالَ أَيُّوبُ، وَعَمْرٌو: أُرَاهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِغُلَامٍ وَهُوَ يَسْلُخُ شَاةً، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَنَحَّ حَتَّى أُرِيَكَ» فَأَدْخَلَ يَدَهُ بَيْنَ الْجِلْدِ وَاللَّحْمِ، فَدَحَسَ بِهَا حَتَّى تَوَارَتْ إِلَى الْإِبِطِ، ثُمَّ مَضَى فَصَلَّى لِلنَّاسِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: زَادَ عَمْرٌو فِي حَدِيثِهِ، يَعْنِي لَمْ يَمَسَّ مَاءً، وَقَالَ: عَنْ هِلَالِ بْنِ مَيْمُونٍ الرَّمْلِيِّ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، وَأَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ هِلَالٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا، لَمْ يَذْكُرْ أَبَا سَعِيدٍ.

ترجمہ ابو سعید فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ ایک نوجوان لڑکے کے پاس سے گزرے جو ایک بکری کی کھال اتار رہا تھا۔ تو حضور ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا پیچھے ہٹو میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ بکری کی کھال کیسے اتاری جاتی ہے چنانچہ حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک کھال اور گوشت کے درمیان داخل فرمایا یہاں تک کہ آپ کا دست مبارک اتنا اندر چلا گیا کہ بغل تک چھپ گیا (اور آپ نے فرمایا اے لڑکے اس طرح کھال اتارا کرو) پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور آپ ﷺ نے وضو نہیں فرمایا۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: عمرو راوی نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا یعنی آپ نے اس کام کے بعد پانی کو ہاتھ نہیں لگایا اور عمرو راوی نے ہلال بن میمون رملی سے معنعن روایت نقل کی ہے (جبکہ مروان نے أخبرنا ھلال کے ساتھ روایت نقل کی تھی اور ہلال کی صفت الجہنی بیان کی تھی نہ کہ الرملی) امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں عبد الواحد بن زیاد اور ابو معاویہ نے عن ھلال عن عطاء حضور ﷺ سے ابو سعید کے واسطے کے بغیر مرسلا روایت نقل کی ہے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (۱۸۵) سنن ابن ماجه - الذبائح (۳۱۷۹)

شرح الحدیث قوله: قَالَ هِلَالٌ: لَا أَعْلَمُهُ: اس سند میں ہلال کے استاذ عطاء اور عطاء کے استاذ ابو سعید خدری ہیں لیکن ہلال یوں کہتے ہیں کہ مجھے اس میں تردد ہے کہ عطاء اس حدیث کو ابو سعید ہی سے روایت کرتے ہیں یا کسی اور صحابی سے باقی ظن غالب یہی ہے کہ وہ اس کو ابو سعید ہی سے روایت کرتے ہیں، ہلال کا یہ کلام نقل کرنے میں مصنف کے اساتذہ کے الفاظ ذرا مختلف ہیں، چنانچہ ایک استاذ (ابن العلاء) نے تو اسطرح نقل کیا لا اعلم الا عن ابی سعید اور مصنف کے دوسرے دو استاذ (ایوب وعمرو) نے اس طرح نقل کیا اراہ عن ابی سعید صرف لفظوں کا فرق ہے حاصل سب کا یہی ہے کہ ہلال اسمیں تردد ظاہر کر رہے ہیں کہ عطاء کے استاذ اس میں ابو سعید ہیں یا کوئی اور صحابی؟ ظن غالب یہی ہے کہ ابو سعید خدریؓ ہیں کذا یستفاد من المنہل والظاہر عندی ان التردد لیس فی تعیین الصحابی فی ذکر الصحابی اذا الحدیث رواہ بعضھم (کما سیاتی) مرسلاً بدون ذکر الصحابی۔

مضمون حدیث: قوله: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِغُلَامٍ الخ: مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نماز کے لئے مسجد تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک

لڑکے پر گزر ہوا جو بکری ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اتار رہا تھا (اس غلام سے مراد معاذ بن جبلؓ ہیں جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے) مگر چونکہ وہ لڑکا ناتجربہ کار تھا، کھال اتارنا اچھی طرح نہیں جانتا تھا، یہ دیکھ کر آپ نے اس سے ارشاد فرمایا تَنَحَّ حَتّٰى أُرِيَكَ کہ پرے ہٹ میں تجھ کو کھال اتار کر دکھاتا ہوں کہ بکری کی کھال کیسے اتاری جاتی ہے، چنانچہ آپ نے بڑی پھرتی و چستی کے ساتھ مردانہ وار ایکدم کھال اور گوشت کے بیچ میں زور سے اپنا ہاتھ داخل کیا یہاں تک کہ آپ کا دست مبارک کھال کے اندر غائب ہو گیا اور ذرا سی دیر میں کھال کو گوشت سے جدا کر کے آگے تشریف لے گئے اور مسجد میں جا کر لوگوں کو نماز پڑھائی نماز سے پہلے نہ وضو فرمائی نہ ہاتھ دھویا۔

ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا کہ کچے گوشت کو چھونے کے بعد نہ وضو شرعی کی ضرورت ہے نہ غسل ید کی، سبحان اللہ! آنحضرت ﷺ کی کیا شان عالی ہے مزاج مبارک میں کس قدر سادگی ہمت و جوانمردی، نیز ہر وقت کے ضروری کاموں سے واقفیت اور اس میں سمجھ بوجھ "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم"۔

۷۳- بَابُ تَرْكِ الْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الْمَيْتَةِ

ذبح ہوئے جانور کو ہاتھ لگانے سے وضو کے واجب نہ ہونے کا بیان

جس طرح لحم مذبوح کے چھونے سے وضو وغیرہ واجب نہیں ہوتی اسی طرح مس میتہ سے وضو واجب نہیں ہوتی، مسئلۃ الباب میں ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں۔

۱۸۶- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِالسُّوقِ دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ، وَالنَّاسُ كَنَفَتَيْهِ، فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ، فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ» وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

ترجمہ: جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مدینہ منورہ کے عوالی کے علاقوں میں سے ایک علاقہ میں بازار پر سے گزرے اور لوگ حضور ﷺ کے دونوں جانب تھے تو آپ ﷺ کا گزر بکری کے چھ ماہ کے ایک بچہ پر ہوا جسکے کان کے سوراخ چھوٹے تھے وہ مرا پڑا تھا حضور ﷺ نے اُسکی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کے کان سے پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ تم میں کون شخص چاہتا ہے کہ یہ مردار جانور لے۔ اس کے بعد پوری حدیث ذکر کی۔

تخریج: صحيح مسلم - الزهد والرقائق (۲۹۵۷) سنن أبي داود - الطهارة (۱۸۶) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۳۶۵/۳)

شرح حدیث: عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ: یہ جعفر وہی ہیں جو جعفر صادق کے ساتھ مشہور ہیں ان کے والد کا نام محمد ہے جن کا لقب باقر ہے، اور وہ بیٹے ہیں علی بن حسین کے جن کا لقب امام زین العابدین ہے جو حضرت حسین بن علیؓ کے بیٹے ہیں۔

قوله: مَرَّ بِالسُّوقِ دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ: عالیہ عوالی کا مفرد ہے، عوالی مدینہ مدینہ میں وہ محلے اور بستیاں ہیں جو مدینہ کی

مشرقی جانب میں واقع ہیں۔

مضمون حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ عوالی مدینہ تشریف لے جارہے تھے، آپکا گزر وہاں کے ایک بازار میں کو ہوا، صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے دائیں بائیں ساتھ جارہے تھے کہ آپ کا گزر بکری کے ایک مردار بچہ پر ہوا جس کے کان چھوٹے چھوٹے تھے اور وہ بچہ ایک کوڑی پر پڑا ہوا تھا آپ ﷺ چلتے چلتے ٹھہر گئے صحابہ کرام بھی ٹھہرے، آپ ﷺ نے اس بکری کے بچہ کا کان پکڑ کر فرمایا أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هَذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ؟ یہ الفاظ یہاں پر نہیں ہیں مسلم [1] کی روایت میں ہیں یعنی آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کوئی تم میں سے اس کو ایک درہم میں لے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کو تو کوئی مفت بھی نہ لے گا چہ جائیکہ قیمت دے کر، تو اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ، مِنْ هَذَا عَلَيْكُمْ، یعنی اللہ تعالیٰ شانہ کے نزدیک ساری دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جتنا یہ بکری کا بچہ تمہارے نزدیک ذلیل ہے۔

قوله: بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ: جدی کے معنی ہیں بکری کا بچہ أسك کا اطلاق فاقد الأذنین، مقطوع الأذنین اور ملتصق الأذنین (جس کے کان سر سے بالکل ملے ہوئے ہوں) ان تینوں پر آتا ہے لیکن یہاں پر صغیر الأذنین مراد ہے کما قال النووی [2] اس لئے کہ سیاق کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس کے کان تھے اور آپ ﷺ نے اس کے ایک کان کو پکڑا تھا۔

جاننا چاہئے کہ یہ حدیث دراصل کتاب الزہد کی ہے، چنانچہ امام مسلمؒ اور ترمذیؒ نے اس کو مفصلاً کتاب الزہد میں ذکر کیا ہے، امام ابو داؤدؒ کو چونکہ اس سے طہارت کا ایک فقہی مسئلہ مستنبط کرنا تھا اس لئے انہوں نے اس کو یہاں کتاب الطہارۃ میں ذکر کیا، فللّٰہ در المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ۔

٧٤ - بَابٌ فِي تَرْكِ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

باب آگ پر پکی ہوئی چیزوں (کو کھانے) سے وضو کے واجب نہ ہونے کے متعلق

اس باب کے شروع میں تسمیہ [3] ابو داؤد کے اکثر نسخوں میں ہے، مگر کسی شارح نے اس سے تعرض نہیں کیا کہ یہ بسم اللہ کیوں لکھی ہیں؟ احقر کی سمجھ میں یہ آیا کہ خطیب بغدادیؒ نے سنن ابو داؤد کا تجزیہ کر کے اس کو بتیس اجزاء بنائے ہیں جیسا کہ بخاری شریف کا تجزیہ مشہور ہے اسکی تیس پارے ہیں، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں اس کا اہتمام فرمایا ہے کہ ہر پارے کے شروع میں ہر جزء کی تعیین کی ہے، چنانچہ یہاں پر بھی بذل کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے "آخر الجزء الأول"۔

---

[1] صحیح مسلم - کتاب الزهد والرقائق ۲۹۵۷

[2] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج ۱۸ ص ۹۳

[3] بذل کے نسخہ میں اس باب سے پہلے بسم اللہ موجود ہے، جبکہ متن کے نسخہ محقق محمد محي الدين عبد الحميد میں بھی ہے، اور شارح نے اسکے مطابق تشریح کی ہے، جبکہ شیخ عوامہؒ کے نسخہ میں بسم اللہ نہیں ہے، محمد محی الدین کے نسخہ کے حاشیہ میں خطیب کے تجزیہ کا ذکر موجود ہے۔

توچونکہ یہاں سے دوسرا پارہ شروع ہو رہا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ بعض ناسخین نے اس مناسبت سے یہاں بسم اللہ لکھ دی ہو، اور اگر اس کو مصنف کی طرف سے مانا جائے تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مصنف کو اس کتاب کی تصنیف کے وقت یہاں پہنچ کر فترۃ واقع ہوئی ہو پھر جب یہاں سے تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو بسم اللہ لکھی۔

بخاری شریف میں بھی کہیں کہیں اس طرح بیچ میں بسم اللہ آجاتی ہے، اسکی بھی شراح بخاری مختلف توجیہات کیا کرتے ہیں۔

۱۸۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ترجمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کی دستی کا گوشت نوش فرمایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (٢٠٤) صحيح البخاري - الأطعمة (٥٠٨٩) صحيح مسلم - الحيض (٣٥٤) صحيح مسلم - الحيض (٣٥٩) سنن النسائي - الطهارة (١٨٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٨٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٨٨) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٢٦/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٤١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٥٣/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٥٨/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٦٤/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٦٧/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٧٢/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٧٩/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٨١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٢٧/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٥١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦٥/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦٦/١) موطأ مالك - الطهارة (٥٠)

شرح حدیث **مسئلة الباب میں اختلاف ائمه:** مسئلہ مترجم بہا میں صدر اول میں اختلاف رہ چکا ہے بعض صحابہ و تابعین جیسے حضرت ابوہریرہؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ، ابن شہاب زہریؒ، حسن بصریؒ وغیرہ ماست النار سے وجوب وضو کے قائل تھے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صدر اول کے بعد اختلاف مرتفع ہو گیا اور اب علماء کا ترک وضو پر اجماع ہو گیا ہے [1]۔

وضوء مما مست النار میں مصنفؒ کا مسلک: بندہ کی رائے جو بہت غور و خوض کے بعد قائم ہوئی ہے، یہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ اس مسئلہ میں جمہور سے متفق نہیں، وہ وضو مما مست النار کے قائل ہیں اس لئے کہ انہوں نے اس باب کے بعد ایک دوسرا باب اور قائم کیا ہے بَابُ التَّشْدِيدِ فِي ذَلِكَ، باب اول سے تو مصنفؒ نے وضو مما مست النار کا منسوخ ہونا ثابت کیا جیسا کہ اس باب کی احادیث سے بھی معلوم ہو رہا ہے اور ترجمہ ثانیہ سے دوبارہ وجوب وضو کو ثابت کر رہے ہیں گویا نسخ سابق کا نسخ ہو گیا، جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس مسئلہ میں دو مرتبہ نسخ ہوا ہے۔

---

[1] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج ٤ ص ٤٣

وہ احکام جن میں تعدد نسخ ہوا: چنانچہ علماء نے بعض ایسے احکام شمار کرائے ہیں جن میں تعدد نسخ ہوا ہے اور منجملہ ان کے وضو مماست النار بھی ہے، چنانچہ قاضی ابو بکر بن العربیؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ قبلہ، نکاح متعہ اور لحوم حمر اہلیہ ان تینوں میں دو مرتبہ نسخ واقع ہوا ہے، وہ فرماتے ہیں دلا أحفظ رابعا، ان تین کے علاوہ چوتھی چیز ذہن میرے نہیں ہے، اس پر علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ابو العباس العرفی فرماتے ہیں کہ چوتھا حکم وضو مماست النار ہے، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان چاروں کو ایک جگہ نظم کر دیا ہے:

وأربع تكرر النسخ لها *** جاءت بها النصوص والآثار

لقبلة ومتعة وحمر *** كذا الوضوء مما تمس النار

۱۸۸ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ الْمَعْنَى، قَالَا: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ أَبِي صَخْرَةَ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ: ضِفْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَمَرَ بِجَنْبٍ فَشُوِيَ، وَأَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ لِي بِهَا مِنْهُ، قَالَ: فَجَاءَ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، قَالَ: فَأَلْقَى الشَّفْرَةَ، وَقَالَ: «مَا لَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ» وَقَامَ يُصَلِّي، زَادَ الْأَنْبَارِيُّ: «وَكَانَ شَارِبِي وَفَى فَقَصَّهُ لِي عَلَى سِوَاكٍ» أَوْ قَالَ: «أَقُصُّهُ لَكَ عَلَى سِوَاكٍ؟».

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضور ﷺ کا مہمان ہوا آپ ﷺ نے بکری کی ران پکانے کا حکم ارشاد فرمایا پس اُسے بھونا گیا اور آپ ﷺ نے چھری لے کر میرے لئے اسمیں سے گوشت کاٹنا شروع کیا کہ اسی اثنا میں حضرت بلالؓ آئے اور آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے چھری رکھ دی اور فرمایا خاک آلود ہوں اسکے ہاتھ اس کو کیا ہوا (یہ جملہ بطورِ تنبیہ کے فرمایا یعنی اس وقت ادب کا تقاضہ تھا کہ کچھ توقف فرماتے) اور نماز کیلئے کھڑے ہوگئے اور انباری راوی نے یہ اضافہ کیا کہ (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ) اتفاق سے (اس روز) میری مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے میری لب (مونچھوں) کے نیچے مسواک رکھ کر اوپر سے بالوں کو تراش دیا، یا نبی اکرم ﷺ فرمایا کہ (نماز کے بعد آکر) کاٹ دوں گا۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۱۸۸) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (۲۵۳/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (۲۵۵/٤)

شرح الحدیث: قوله: قَالَ: ضِفْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضور ﷺ کا مہمان ہوا، یہ روایت شمائل ترمذی [1] میں بھی ہے، اور اس کے لفظ ہیں ضِفْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جس سے معلوم ہوتا ہے یہ حضور کے مہمان نہیں تھے، بلکہ حضور کے ساتھ کسی اور کے یہاں مہمان تھے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ دراصل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ مہمان تو حضور ﷺ کے تھے لیکن

[1] الشمائل المحمدية للترمذي - باب ما جاء في إدام رسول الله صلى الله عليه وسلم ۱٦۷ ص ۷۱-۷۲

اس دن حضور ﷺ مع اپنے مہمانوں کے دوسری جگہ مدعو تھے، لہٰذا دونوں طرح کہنا صحیح ہے [1]۔

دو حدیثوں میں رفع تعارض: قوله: وَأَخَذَ الشَّفْرَةَ: اس سے معلوم ہوا کہ گوشت کو چاقو سے کاٹنا جائز ہے، اور ابوداؤد کی کتاب الاطعمہ میں ایک حدیث ہے لَا تَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسِّكِّيْنِ [2]، دونوں میں تعارض ہے، جواب یہ ہے کہ کتاب الاطعمہ والی حدیث ضعیف ہے، بلکہ ابن الجوزیؒ نے اسکو موضوعات میں شمار کیا ہے اور اگر اسکو صحیح مانا جائے تب توجیہ ہو سکتی ہے کہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر پھر اسی سے کھایا بھی جائے، اور اگر چھری سے کاٹ کر پھر ہاتھ سے اسکو منہ میں رکھے تو جائز ہے، یا یہ کہا جائے کہ اسکا مدار حاجت اور ضرورت پر ہے منع اس صورت میں ہے جب بلا ضرورت محض تکلفاً استعمال کی جائے۔

قوله: وَقَالَ: «مَالَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ» وَقَامَ يُصَلِّي: تَرِبَتْ يَدَاهُ، یہ جملہ تنبیہ کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے، اس کے اصلی معنی فقر وذلت کی بد دعاء کے ہیں، لیکن یہ معنی یہاں مراد نہیں ہیں۔

مضمون حدیث: مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کا مہمان تھا، آپ بھنا ہوا گوشت اپنے دست مبارک سے مجھ کو چھری سے کاٹ کاٹ کر عنایت فرما رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت بلالؓ آگئے اور انہوں نے نماز کی اطلاع کی، ان کی اطلاع پر حضور ﷺ نماز کیلئے فوراً اٹھ گئے لیکن تنبیہاً آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تَرِبَتْ يَدَاهُ اس لئے کہ ان کیلئے اولیٰ یہ تھا کہ جب آپ ﷺ مہمان نوازی میں مشغول تھے تو کچھ دیر توقف کرتے۔

اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث میں تو ہے إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ، وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ [3]، یعنی جب نماز اور کھانا دونوں حاضر ہوں تو کھانے کو مقدم کرنا چاہئے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ تقدیم طعام کا حکم غیر امام کیلئے ہے امام راتب کیلئے نہیں ہے، اور ابن رسلانؒ نے لکھا ہے کہ تقدیم طعام والی حدیث حالت جوع پر یا حالت صوم پر محمول ہے، اس تقدیم طعام والی حدیث پر کلام ہمارے یہاں ابواب الاستنجاء میں بَابُ أَيُصَلِّي الرَّجُلُ وَهُوَ حَاقِنٌ؟ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

قوله: وَكَانَ شَارِبِي وَفَى فَقَصَّهُ لِي عَلَى سِوَاكٍ: حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ اتفاق سے اس روز میری لبیں بڑھی ہوئی تھیں تو آپ ﷺ نے میرے لب کے نیچے مسواک رکھ کر اوپر سے بالوں کو تراش دیا، یا یہ فرمایا کہ (نماز کے بعد آکر) کاٹ دیں گے۔
اس سے معلوم ہوا کہ میزبان کو مہمان کی مصالح اور اس کے احوال کا تفقد کرنا چاہئے، گویا ہر طرح سے اس کی خدمت کرے،

---

[1] خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم - ص ۱۲۲
[2] سنن أبي داود - كتاب الأطعمة - باب في أكل اللحم ۳۷۷۸
[3] صحيح مسلم - كتاب المساجد ومواضع الصلاة - باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال وكراهة الصلاة مع مدافعة الأخبثين ۵۵۷

سبحان اللہ! کیا اخلاق نبوی ہیں، اور ہمارے مذہب اسلام کی تعلیمات کس قدر عمدہ ہیں۔

١٨٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، حَدَّثَنَا سِمَاكٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتِفًا، ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِمِسْحٍ كَانَ تَحْتَهُ، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى».

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دستی کا گوشت نوش فرمایا پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ پونچھ لئے اس چادر سے جو آپ کے نیچے تھی، پھر نماز کیلئے کھڑے ہو گئے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (٢٠٤) صحيح البخاري - الأطعمة (٥٠٨٩) صحيح مسلم - الحيض (٣٥٤) صحيح مسلم - الحيض (٣٥٩) سنن النسائي - الطهارة (١٨٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٨٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٨٨) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٢٦/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٤١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٥٣/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٥٨/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٦٤/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٦٧/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٧٢/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٧٩/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٨١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٢٧/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٥١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦٥/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦٦/١) موطأ مالك - الطهارة (٥٠)

١٩٠ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتَهَشَ مِنْ كَتِفٍ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دستی کا گوشت دانتوں سے نوچ کر نوش فرمایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (٢٠٤) صحيح البخاري - الأطعمة (٥٠٨٩) صحيح مسلم - الحيض (٣٥٤) صحيح مسلم - الحيض (٣٥٩) سنن النسائي - الطهارة (١٨٤) سنن أبي داود - الطهارة (١٩٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٨٨) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٢٦/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٤١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٥٣/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٥٨/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٦٤/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٦٧/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٧٢/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٧٩/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٨١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٢٧/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٥١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦١/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦٥/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦٦/١) موطأ مالك - الطهارة (٥٠)

١٩١ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ الْخَثْعَمِيُّ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ: ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، يَقُولُ: «قَرَّبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا وَلَحْمًا فَأَكَلَ، ثُمَّ دَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ بِهِ، ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ طَعَامِهِ فَأَكَلَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ترجمہ: محمد بن المنکدر فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبد اللہؓ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روٹی اور گوشت پیش کیا آپ ﷺ نے اس کو (تھوڑا سا) نوش فرمایا پھر وضو کا پانی منگوا کر اس سے وضو فرمایا پھر ظہر کی نماز ادا فرمائی پھر آپ ﷺ نے باقی کھانا منگوایا اور اس کو نوش فرمایا پھر (دوبارہ دوسری) نماز پڑھی اور (اسکے لئے) وضو نہیں فرمایا۔

تخریج: صحيح البخاري - الأطعمة (٥١٤١) جامع الترمذي - الطهارة (٨٠) سنن النسائي - الطهارة (١٨٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٩١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٨٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣/٣٢٢) موطأ مالك - الطهارة (٥٧)

١٩٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ سَهْلٍ أَبُو عِمْرَانَ الرَّمْلِيُّ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ، حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: «كَانَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا اخْتِصَارٌ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ.

ترجمہ: محمد بن المنکدر جابرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دو عملوں میں سے آخر عمل آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو کے ترک کا تھا۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں یہ پہلی حدیث کا اختصار ہے۔

تخریج: صحيح البخاري - الأطعمة (٥١٤١) جامع الترمذي - الطهارة (٨٠) سنن النسائي - الطهارة (١٨٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٩٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٨٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣/٣٢٢) موطأ مالك - الطهارة (٥٧)

شرح حدیث: حضرت جابرؓ کی یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ آنحضرت ﷺ کا آخری فعل ترک الوضو مما مست النار ہے، چنانچہ جمہور علماء نے اس حدیث سے وضو مما مست النار کے نسخ پر استدلال کیا ہے، امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں اس کی تصریح کی ہے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا اخْتِصَارٌ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ: یہ قال ابوداود، ذرا مہتم بالشان ہے محتاج توضیح ہے، امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث کوئی مستقل حدیث نہیں بلکہ حدیث سابق کا اختصار ہے، حدیث سابق کے راوی بھی حضرت جابرؓ ہی ہیں، اس کا مضمون یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک روز میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں خبز و لحم پیش کیا آپ نے اس کو تھوڑا نوش فرمایا اور اسکے بعد وضو فرما کر ظہر کی نماز اداء فرمائی، نماز چونکہ درمیان میں پڑھی تھی اس لئے نماز سے فارغ ہو کر آپ نے باقی کھانا منگایا اور اس کو نوش فرمایا، اسکے بعد جب دوسری نماز پڑھی تو اس کیلئے آپ نے وضو نہیں فرمایا، امام ابوداودؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب اصل حدیث یہ ہے جس کا مضمون ہم نے ابھی بیان کیا تو اسی کا اعتبار ہوگا، اب اگر اصل حدیث سے وضو مما مست النار کے نسخ پر استدلال صحیح ہے تو اس حدیث كَانَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ الخ سے بھی صحیح ہے، اور اگر اس سے نسخ پر استدلال صحیح نہیں تو اس حدیث سے بھی صحیح نہیں۔

لہٰذا دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حدیث طویل سے نسخ پر استدلال صحیح ہے یا نہیں؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث سابق

سے نسخ پر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ آپ نے تناول لحم کے بعد ظہر کی نماز کیلئے جو وضو فرمائی اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ یہ وضو مماست النار کے اکل کی وجہ سے تھی، دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ وضو کرنا اس لئے تھا کہ پہلے سے آپ کو وضو نہ تھی، اور وضو مماست النار کا اس وقت تک حکم ہی نہیں ہوا تھا وہ اس قصہ کے بعد ہوا لہٰذا اس احتمال ثانی کی صورت میں نسخ پر استدلال صحیح نہیں وإذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، ہاں! اگر حضرت جابرؓ کی یہ حدیث كَانَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ مستقل حدیث ہوتی تب بیشک اس سے نسخ پر استدلال صحیح تھا، یہ امام ابوداودؒ کے کلام کی تشریح ہے، امام بیہقیؒ نے بھی مصنفؒ کے کلام کا یہی مطلب سمجھا اور یہی غرض بیان کی ہے۔

دوسرے لفظوں میں اسکی مزید وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا مدار محمد بن المنکدر پر ہے، انکے دو شاگرد ہیں: ابن جریج اور شعیب بن ابی حمزہ، ابن جریج نے تو محمد بن المنکدر سے اصل حدیث بلا کسی اختصار اور تغیر کے نقل کی، اور شعیب بن ابی حمزہ نے اپنے نزدیک اس حدیث کا ایک مفہوم متعین کر کے اس کو مختصراً روایت کیا، اور مفہوم سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی اور کہہ دیا کہ كَانَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ۔

لیکن امام ابوداودؒ کی یہ بات کہ ثانی حدیث، حدیث اول ہی کا اختصار ہے، ہمیں تسلیم نہیں اس لئے کہ اختصار ماننے میں راوی کی طرف وہم کی نسبت لازم آتی ہے، کیونکہ حدیث اول سے نسخ پر استدلال واقعی صحیح نہیں ہے، جیسا کہ آپ بھی فرما رہے ہیں، الحاصل حدیث جابرؓ مستقل حدیث ہے اور نسخ کے بارے میں صریح ہے [1] كما قال الجمهور۔

۱۹۳ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَبِي كَرِيمَةَ قَالَ ابْنُ السَّرْحِ: ابْنُ أَبِي كَرِيمَةَ مِنْ خِيَارِ الْمُسْلِمِينَ قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ ثُمَامَةَ الْمُرَادِيُّ، قَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا مِصْرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ فِي مَسْجِدِ مِصْرَ، قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ أَوْ سَادِسَ سِتَّةٍ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَارِ رَجُلٍ، فَمَرَّ بِلَالٌ فَنَادَاهُ بِالصَّلَاةِ، فَخَرَجْنَا فَمَرَرْنَا بِرَجُلٍ وَبُرْمَتُهُ عَلَى النَّارِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَطَابَتْ بُرْمَتُكَ»، قَالَ: نَعَمْ، بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي فَتَنَاوَلَ مِنْهَا بَضْعَةً، فَلَمْ يَزَلْ يَعْلُكُهَا حَتَّى أَحْرَمَ بِالصَّلَاةِ، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ.

ترجمہ عبید بن ثمامہ المرادی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مصر میں عبداللہ بن حارث بن جزء صحابی رسول ﷺ تشریف لائے میں نے ان سے مصر کی ایک مسجد میں سنا وہ فرما رہے تھے کہ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک صحابی کے گھر میں ہم سات یا چھ آدمی تھے ان میں سے ایک میں تھا تو بلالؓ گزرے اور حضور ﷺ کو نماز کی اطلاع دی پس ہم وہاں سے چل دیئے راستہ میں ہمارا گزر ایسے شخص سے ہوا جن کے ہاں ہانڈی آگ پر رکھی ہوئی پک رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے

[1] لیکن مصنفؒ امام فن ہیں وہ اپنی رائے میں متفرد بھی ہوسکتے ہیں دوسروں کی رائے کے وہ پابند نہیں ہیں بلکہ مصنفؒ کی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، رواۃ اس طرح کے تصرف کر دیا کرتے ہیں۔

ان سے دریافت کیا کیا تمہاری ہانڈی اچھی طرح پک گئی۔ ان صحابی نے عرض کیا جی ہاں میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ ﷺ نے اس (ہانڈی) میں سے ایک بوٹی نکالی اور اس کو منہ میں رکھ کر چباتے ہوئے مسجد چلے گئے اور مسجد پہنچ کر نماز کی نیت باندھ لی (گویا) وہ منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

سنن أبي داود - الطهارة (١٩٣) مسند أحمد - مسند الشاميين (١٩٠/٤) مسند أحمد - مسند الشاميين (١٩١/٤)

شرح حدیث قوله: لَقَدْ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ: عبید بن ثمامۃ المرادی کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں مصر میں عبداللہ بن الحارث صحابی رسول ﷺ تشریف لائے میں نے ان سے مصر کی ایک مسجد میں سنا وہ فرما رہے تھے کہ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک صحابی کے گھر میں ہم سات یا چھ آدمی تھے، ان میں سے ایک میں تھا، اس طرف کو حضرت بلالؓ گزرے اور حضور ﷺ کو نماز کی اطلاع کی، بس ہم وہاں سے چل دیے، راستہ میں ہمارا گزر ایسے شخص پر ہوا جن کے یہاں ہانڈی آگ پر رکھی ہوئی پک رہی تھی آپ ﷺ نے ان صحابی سے دریافت کیا کہ تمہاری ہانڈی اچھی طرح پک گئی؟ ان صحابی نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ ﷺ نے اس ہانڈی میں سے ایک بوٹی نکالی اور اس کو منہ میں رکھ کر چباتے ہوئے مسجد چلے گئے، مسجد پہنچ کر نماز کی نیت باندھ لی۔

قوله: وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ: اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور چشم دید واقعہ نقل کر رہا ہوں، دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ گذشتہ واقعہ اس وقت میری نظروں میں پھر گیا، اور اس واقعہ کے بیان کے وقت نقشہ بالکل میرے سامنے آگیا، یہ دراصل تعلق و محبت کی بات ہوتی ہے، اور صحابہ کرام کی محبت کا تو کہنا ہی کیا۔

اس حدیث سے بھی ترک الوضوء مما مست النار ثابت ہو رہا ہے جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے۔

٧٥ - بَابُ التَّشْدِيدِ فِي ذَلِكَ

باب اس مسئلہ میں (آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے) وضو کے واجب ہونے کے بیان میں

گزشتہ باب جس کا ترجمہ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے ما مست النار سے وضو واجب ہوتی تھی بعد میں متروک ہو گئی، یعنی اس کا نسخ ہو گیا، اور اس ترجمۃ الباب کا حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دوبار تشدد ہوا اور پھر ما مست النار سے وضو واجب ہو گئی گویا نسخ اول کا نسخ ہو گیا، جیسا کہ میں پہلے باب کے شروع میں بہت اچھی طرح اس کی وضاحت کر چکا ہوں، اس باب کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصنف علامؒ وضوء لما مست النار کے قائل ہیں جیسا کہ وضوء من لحوم الابل کے بھی قائل ہیں جو پہلے سے پہلے باب میں گزر چکا۔

١٩٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ، عَنِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْوُضُوءُ مِمَّا أَنْضَجَتِ النَّارُ».

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو (واجب ہو جاتا) ہے۔

تخریج: صحیح مسلم - الحیض (٣٥٢) جامع الترمذي - الطهارة (٧٩) سنن النسائي - الطهارة (١٧١) سنن النسائي - الطهارة (١٧٢) سنن النسائي - الطهارة (١٧٣) سنن النسائي - الطهارة (١٧٤) سنن النسائي - الطهارة (١٧٥) سنن أبي داود - الطهارة (١٩٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٨٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٦٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٧١) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٢٧) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٧٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٧٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٥٠٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٥٢٩)

١٩٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ، عَنْ يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ فَسَقَتْهُ قَدَحًا مِنْ سَوِيقٍ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ، فَقَالَتْ: يَا ابْنَ أُخْتِي أَلَا تَوَضَّأُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «تَوَضَّئُوا مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ» أَوْ قَالَ: «مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: فِي حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ يَا ابْنَ أَخِي.

ترجمہ: ابوسلمہ سے روایت ہے کہ ابوسفیان بن سعید بن مغیرہ نے ان سے بیان کیا کہ وہ ام المومنین ام حبیبہؓ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے ابوسفیان کو ستو کا پیالہ پلایا تو ابوسفیان نے پانی منگوا کر کلی کی تو ام حبیبہؓ فرمانے لگیں اے میرے بھانجے تم وضو کیوں نہیں کرتے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں (کو کھانے سے) وضو واجب ہو جاتا ہے۔ یا (شک راوی) آپ ﷺ نے ("مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ" کی بجائے) "مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ" فرمایا۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ زہری کی حدیث میں اے میرے بھانجے کے بجائے اے میرے بھتیجے کے الفاظ ہیں۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (١٨٠) سنن النسائي - الطهارة (١٨١) سنن أبي داود - الطهارة (١٩٥)

شرح الحدیث: قوله: أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ: یعنی ابوسفیان بن سعید ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کے پاس تشریف لے گئے، یہ رشتہ میں ان کی خالہ ہوتی ہیں۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: فِي حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ يَا ابْنَ أَخِي: اس سے مصنفؒ رواۃ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں، اس حدیث کو ابوسلمہ سے روایت کرنے والے دو ہیں: یحییٰ بن ابی کثیر اور زہری، یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت میں تھا کہ حضرت ام حبیبہؓ نے ابو سفیان بن سعید کو یَا ابْنَ أُخْتِي کہہ کر خطاب کیا اور زہری کی روایت میں ہے کہ بجائے اس کے یَا ابْنَ أَخِي کہہ کر خطاب کیا یَا ابْنَ أُخْتِي کہنا تو واقعہ کے مطابق ہے اس لئے کہ یہ دونوں خالہ بھانجے ہیں اور یَا ابْنَ أَخِي کہنا مجازاً ہے۔

لیکن جاننا چاہئے کہ طحاوی اور نسائی کی روایت سے معاملہ اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے یعنی اس میں زہری کی روایت میں یَا ابْنَ أُخْتِي ہے اور یحییٰ کی روایت میں یَا ابْنَ أَخِي ہے، صاحب منہل نے طحاوی کی روایت کے پیش نظر یہ رائے قائم کی ہے کہ ابوداود کی روایت میں وہم ہے صحیح وہ ہے جو نسائی اور طحاوی کی روایت میں ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ طحاوی کی شرح أماني

الأحبار میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس میں رواۃ کا اختلاف ہے اور ہر دو سے دونوں طرح مروی ہے۔

٧٦- بَابٌ فِي الْوُضُوءِ مِنَ اللَّبَنِ

باب ہے دودھ پینے کے بعد کلی کرنے کے بارے میں

١٩٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ لَهُ دَسَمًا».

ترجمہ: ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا پھر پانی منگوا کر کلی کی پھر فرمایا کہ اس میں چکنائی ہوتی ہے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (٢٠٨) صحيح مسلم - الحيض (٣٥٨) جامع الترمذي - الطهارة (٨٩) سنن النسائي - الطهارة (١٨٧) سنن أبي داود - الطهارة (١٩٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٩٨) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٢٣/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٢٧/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٢٩/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٣٧/١)

شرح الحدیث: ترجمۃ الباب میں اگر وضوء سے مراد وضو لغوی ہے تب تو مصنفؒ کی غرض اس کا استحباب ثابت کرنا ہے، اور اگر وضوء سے وضو شرعی مراد ہو تو اس کی نفی مقصود ہے، اس لیے کہ حدیث الباب میں یہ ہے کہ ایک بار آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا اور اس کے بعد مضمضہ کیا۔

جاننا چاہیے کہ شرب لبن کے بعد نماز سے پہلے وضو لغوی یعنی مضمضہ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے یہاں مستحب ہے البتہ امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ لبن ابل سے وضو شرعی واجب ہے، اس لئے کہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے وَتَوَضَّئُوا مِنْ أَلْبَانِ الإِبِلِ [1]۔

مسئلۃ الباب میں اختلاف: حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ لبن سے وضو شرعی واجب نہیں لیکن امام ترمذیؒ کے کلام سے اس میں اختلاف معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شیخؒ نے حاشیۂ کوکب میں لکھا ہے وہ یہ کہ اس کے اندر تین مذہب ہو سکتے ہیں، ایک ائمہ اربعہ کا جو اوپر مذکور ہوا، دوسرا مسلک بعض صحابہ کا جیسے حضرت ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ یہ حضرات اس سے وجوب وضو کے قائل تھے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ان دونوں سے روایت ہے لَا وُضُوءَ إِلَّا مِنَ اللَّبَنِ [2]، اور تیسرا مسلک اس میں ابوسلمہ بن عبدالرحمن کا ہے وہ استحباب کے بھی قائل نہیں تھے، چنانچہ مصنف ابن شیبہ میں ہے کہ جب ان سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا مِنْ شَرَابٍ سَائِغٍ

[1] سنن ابن ماجه - كتاب الطهارة وسننها - باب ما جاء في الوضوء من لحوم الإبل ٤٩٦-٤٩٧

[2] المصنف لابن أبي شيبة - كتاب الطهارة - باب في اللبن يشرب، من قال: يتوضأ ٦٤٢-٦٤٣ - ج ١ ص ٤٣٥

لِلشَّارِبِينَ؟ کیا ایسی خوشگوار شراب سے وضو کی جاتی ہے؟[1]

۷۷۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

باب دودھ پینے کے بعد کلی کرنے کی رخصت کے بیان میں

اس باب سے مقصود ترک المضمضہ من اللبن ثابت کرنا ہے یعنی دودھ پینے کے بعد کلی کرنا کوئی ضروری نہیں چنانچہ حدیث الباب میں ہے حضرت انسؓ فرماتے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا اسکے بعد نہ مضمضہ فرمایا نہ وضو اور نماز پڑھی۔

ابن رسلانؒ فرماتے ہیں "واغرب ابن شاہین" یعنی ابن شاہین نے ایک عجیب بات کہی وہ یہ کہ حضرت انسؓ کی یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کیلئے جو گذشتہ باب میں گزری ناسخ ہے، عجیب کا مطلب یہ ہے کہ نسخ تو وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی وجوب کا قائل ہو، جب دونوں باتیں بالاتفاق جائز ہیں تو نسخ کیسا۔

۱۹۷ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ الْحُبَابِ، عَنْ مُطِيعِ بْنِ رَاشِدٍ، عَنْ تَوْبَةَ الْعَنْبَرِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: «إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا، فَلَمْ يُمَضْمِضْ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَصَلَّى»، قَالَ زَيْدٌ: دَلَّنِي شُعْبَةُ عَلَى هَذَا الشَّيْخِ.

ترجمہ توبہ عنبری سے مروی ہے کہ انہوں نے انس بن مالکؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا پھر نہ کلی فرمائی اور نہ وضو فرمایا اور نماز ادا فرمائی۔ زید فرماتے ہیں کہ مجھے اس شیخ کے بارے میں شعبہ نے بتایا (یعنی زید بن حباب بتانا چاہ رہے ہیں کہ شیخ مطیع بن راشد سے حدیث حاصل کرنے کیلئے شعبہ استاد نے میری رہنمائی کی ہے اس سے مقصود مطیع بن راشد استاد کی توثیق ہے کہ شعبہ جیسے محدث نے ان کی طرف میری رہنمائی کی یقیناً یہ راوی ثقہ ہونگے)۔

شرح الحدیث قوله: قَالَ زَيْدٌ: دَلَّنِي شُعْبَةُ عَلَى هَذَا الشَّيْخِ: اس حدیث کی سند میں زید بن الحباب کے استاذ مطیع بن راشد ہیں، زید بن الحباب کہتے ہیں کہ سماع حدیث کیلئے مطیع بن راشد کی نشاندہی اور ان کی طرف رہنمائی مجھے شعبہ نے کی تھی غالباً زید کا مقصود اس سے اپنے شیخ کی توثیق ہے، اور یہ دو طرح سے ہو رہی ہے ایک یہ کہ ان کو شیخ سے تعبیر کر رہے ہیں اور شیخ الفاظ توثیق میں سے ہے گو ادنی درجہ ہی کی سہی، دوسرے یہ کہ شعبہ جیسے بڑے محدث نے جب ان کی طرف رہنمائی کی ہے تو یقیناً وہ ثقہ راوی ہوں گے۔

۷۸۔ بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ الدَّمِ

باب خون کے نکلنے سے وضو کے واجب ہونے کے بارے میں

مسئلة الباب میں مذاہب ائمہ: ترجمۃ الباب میں جو مسئلہ ہے وہ اختلافی ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک

[1] المصنف لابن أبي شيبة - كتاب الطهارة - باب من كان لا يتوضأ منه ولا يمضمض ٦٤٨ - ج ١ ص ٤٣٦

مطلقاً بدن سے دم سائل کا خروج ناقض وضو ہے خواہ سبیلین سے ہو یا غیر سبیلین سے (اس میں دم کی تخصیص نہیں بلکہ مطلق نجاست) شافعیہ کے نزدیک جو دم خارج من السبیلین ہو وہ ناقض ہے اور اسکے علاوہ ناقض نہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں سبیلین سے خارج ہونے والا خون اگر بالکل خالص ہو کوئی اور نجاست پیشاب پاخانہ اسکو لگا ہوا نہ ہو تو ناقض نہیں ہے، البتہ اگر اسکے ساتھ دوسری نجاست مخلوط ہو تو امر آخر ہے، امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے بَاب مَنْ لَمْ يَرَ الْوُضُوءَ إِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَيْنِ الْقُبُلِ وَالدُّبُرِ، جاننا چاہئے کہ حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ بدن کے کسی بھی حصے سے نجاست کا خارج ہونا ناقض وضو ہے اور شافعیہ ومالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر نجاست کا خروج غیر سبیلین سے ہو تو وہ ناقض نہیں، امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ بدن سے اس نجاست کا خروج ناقض ہے جو مخرج معتاد یعنی سبیلین سے ہو اور امام مالک مخرج معتاد کے ساتھ ایک اور بھی قید لگاتے ہیں وہ یہ ہے کہ خروج بھی معتاد ہو، لہٰذا اگر کسی عارض یا بیماری کی وجہ سے سبیلین سے نجاست خارج ہوگی تو وہ ناقض طہارت نہ ہوگی مثلاً کسی شخص کے سبیلین سے خون کا خروج ہو یا کوئی کنکری یا کیڑا وغیرہ خارج ہو تو ان کے یہاں ناقض وضو نہیں اسلئے کہ ان کا خروج معتاد نہیں یعنی عادت کے مطابق نہیں بلکہ خلاف عادت ہے، اسی لئے مالکیہ کے یہاں استحاضہ ناقض وضو نہیں اگر چہ وہ احد السبیلین سے خارج ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کا خروج معتاد نہیں بلکہ خلاف عادت مرض کی وجہ سے ہے اس لئے وہ ان کے یہاں ناقض نہیں، اور امام شافعیؒ کے یہاں مخرج معتاد سے کسی شئ کا نکلنا ناقض طہارت ہونے کیلئے کافی ہے خروج کا معتاد ہونا ضروری نہیں، امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا باب میں اسی اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔
مصنفؒ نے اس باب میں جو واقعہ ذکر کیا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خروج دم من غیر السبیلین ناقض وضوء نہیں۔

۱۹۸ حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي صَدَقَةُ بْنُ يَسَارٍ، عَنْ عَقِيلِ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَعْنِي فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ - فَأَصَابَ رَجُلٌ امْرَأَةَ رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَحَلَفَ أَنْ لَا أَنْتَهِي حَتَّى أُهَرِيقَ دَمًا فِي أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ، فَخَرَجَ يَتْبَعُ أَثَرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلًا، فَقَالَ: مَنْ رَجُلٌ يَكْلَؤُنَا؟ فَانْتَدَبَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: «كُونَا بِفَمِ الشِّعْبِ»، قَالَ: فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلَانِ إِلَى فَمِ الشِّعْبِ اضْطَجَعَ الْمُهَاجِرِيُّ، وَقَامَ الْأَنْصَارِيُّ يُصَلِّي، وَأَتَى الرَّجُلُ فَلَمَّا رَأَى شَخْصَهُ عَرَفَ أَنَّهُ رَبِيئَةٌ لِلْقَوْمِ، فَرَمَاهُ بِسَهْمٍ فَوَضَعَهُ فِيهِ فَنَزَعَهُ، حَتَّى رَمَاهُ بِثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ، ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ، ثُمَّ انْتَبَهَ صَاحِبُهُ، فَلَمَّا عَرَفَ أَنَّهُمْ قَدْ نَذِرُوا بِهِ هَرَبَ، وَلَمَّا رَأَى الْمُهَاجِرِيُّ مَا بِالْأَنْصَارِيِّ مِنَ الدَّمِ، قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ أَلَا أَنْبَهْتَنِي أَوَّلَ مَا رَمَى، قَالَ: كُنْتُ فِي سُورَةٍ أَقْرَؤُهَا فَلَمْ أُحِبَّ أَنْ أَقْطَعَهَا.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں تھے۔
• ایک مسلمان شخص نے ایک مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا (اس مشرک کو اس پر بڑا غصہ آیا) اور اس نے اس بات پر قسم کھائی

کہ جب تک میں اصحاب محمد میں سے کسی کا خون نہ کرلوں چین سے نہ بیٹھوں گا چنانچہ اس مشرک نے نبی اکرم ﷺ کا تعاقب کیا۔ آپ ﷺ ایک منزل پر اترے (اور حسب معمول آپ ﷺ نے رات میں پہرے کا نظم فرمایا) اور دریافت کیا کہ رات میں ہمارا کون پہرہ دے گا اس پر دو صحابی ایک مہاجرین میں سے (یعنی حضرت عمار بن یاسرؓ) اور ایک انصار میں سے یعنی حضرت عباد بن بشرؓ) نے حضور ﷺ کی آواز پر لبیک کہا، آپ ﷺ نے انکو ہدایت فرمادی کہ گھاٹی کے دھانے پر چلے جائیں (اور وہاں جاگ کر رات گزاریں) چنانچہ یہ دونوں صحابی وہاں پہنچ گئے (اور آپس میں طے کیا کہ ہم دونوں باری باری رات میں جاگیں گے) چنانچہ مہاجر لیٹ گئے اور انصاری نماز کی نیت باندہ کر کھڑے ہوگئے اور وہ مشرک شخص (جو تاک میں تھا) آگیا اس نے (دور سے) صحابی کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ قافلے کے پہرے دار ہیں چنانچہ اس نے ان پر تیر چلایا ان کو جا کر لگا انہوں نے وہ تیر (بدن سے نکال کر) پھینک دیا یہاں تک کہ اس نے یکے بعد دیگرے تین تیروں سے حملہ کیا آخر انہوں نے رکوع سجدہ کیا اور (نماز سے فارغ ہو کر) اپنے ساتھی کو بیدار کیا جب اس مشرک نے دیکھا کہ ان کو اسکے بارے میں پتہ چل گیا تو وہ بھاگ گیا پھر جب مہاجری نے انصاری کے بدن پر خون ہی خون دیکھا تو کہا سبحان اللہ تم نے مجھ کو شروع میں کیوں نہ جگایا جب تم پر پہلا وار ہوا تھا تو انصاری نے کہا کہ میں نے نماز میں ایک سورۃ شروع کر رکھی تھی اس کو پورا کئے بغیر میں نے نماز ختم نہیں کرنا چاہا۔

تخریج سنن أبی داود - الطهارة (١٩٨) مسند أحمد - باقی مسند المكثرين (٣٤٤/٣) مسند أحمد - باقی مسند المكثرين (٣٥٩/٣)

شرح الحدیث مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ہم حضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ ذات الرقاع میں تھے ایک مسلمان شخص نے ایک مشرک کی بیوی کو قتل کر دیا اس مشرک کو اس پر بڑا غصہ آیا اور اس نے اس بات پر قسم کھائی کہ جب تک میں اصحاب محمد میں سے کسی کا خون نہ کرلوں چین سے نہ بیٹھوں گا، چنانچہ اس مشرک نے مسلمانوں کے قافلہ کا تعاقب کیا، آپ ﷺ ایک منزل پر اترے اور حسب معمول آپ نے رات میں پہرہ کا نظم فرمایا، اور دریافت کیا کہ رات میں کون پہرہ دے گا؟ اس پر دو صحابی ایک مہاجرین میں سے یعنی حضرت عمار بن یاسرؓ اور ایک انصار میں سے یعنی حضرت عباد بن بشرؓ نے حضور ﷺ کی آواز پر لبیک کہا، آپ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمادی کہ سامنے کی پہاڑی پر چلے جائیں اور وہاں جاگ کر رات گزاریں، چنانچہ یہ دونوں صحابی وہاں پہنچ گئے اور آپس میں طے کیا کہ ہم دونوں باری باری رات میں جاگیں گے چنانچہ شروع شب میں عمار بن یاسر کا لیٹنا اور عباد بن بشر کا جاگنا طے ہوا، عباد بن بشر نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہوگئے، وہ مشرک پہلے سے ان کی تاک میں تھا اس نے دور سے صحابی کو دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ قافلہ کے چوکیدار و پہرہ دار ہیں، چنانچہ اس نے ان پر تیر چلایا وہ ان کو جا کر لگا، یہ صحابی نماز میں تھے نماز ہی میں انہوں نے یہ تیر اپنے بدن سے نکال کر پھینکا، اس مشرک نے یکے بعد دیگرے تین بار ان پر تیر سے حملہ کیا آخر کار صحابی نے رکوع سجدہ کیا اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے ساتھی یعنی حضرت عمارؓ کو

بیدار کیا، جب اس مشرک نے دیکھا کہ ان دونوں میں ہلچل ہے تو سمجھ گیا کہ ان کو میرا پتہ چل گیا ہے وہ فوراً وہاں سے بھاگ گیا، حضرت عمارؓ نے جب انصاری صحابی کے بدن پر خون ہی خون دیکھا تو کہا سبحان اللہ! تم نے مجھ کو شروع میں کیوں نہ جگایا، جب پہلی بار اس نے تیر مارا تھا تو ان انصاری صحابی حضرت عباد بن بشرؓ نے جواب دیا میں نے نماز میں ایک سورۃ شروع کر رکھی تھی اس کو پورا کئے بغیر میں نماز کو ختم کرنا نہیں چاہا، بعض روایات میں ہے کہ اس سورۃ سے مراد سورۂ کہف ہے۔

حدیث الباب کے حنفیہ کی طرف سے جوابات: شافعیہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جو دم خارج من غیر السبیلین ہو وہ ناقض وضو نہیں اور امام بخاریؒ کا مسلک بھی یہی ہے چنانچہ انہوں نے صحیح بخاری میں اس سلسلہ کے متعدد آثار ذکر فرمائے ہیں۔

اس کے ہماری طرف سے متعدد جواب دیئے گئے ہیں: ① اول یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں عقیل بن جابر ایک راوی ہیں جو مجہول ہیں اسی لئے امام بخاریؒ نے اس قصہ کو تعلیقاً بصیغۂ تمریض ذکر کیا ہے، ② دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ فعل صحابی ہے، ہو سکتا ہے ان کا مسلک یہی ہو، ③ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ صحابی مناجات کی حالت میں تھے ہو سکتا ہے ان کو خروج دم کا پتہ ہی نہ چلا ہو، ④ چوتھا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ خروج دم من غیر السبیلین ناقض وضو نہیں لیکن فی نفسہ دم کثیر تو بالاتفاق نجس ہے اس کثرت دم کے باوجود نماز کیسے صحیح ہو گی "فما ھو جوابکم فھو جوابنا"۔

شافعیہ کی طرف سے استدلال میں حضرت عمرؓ کا واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے جو مؤطا مالک میں ہے کہ مسعر کہتے ہیں کہ جس رات حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا تھا میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے بدن سے خون بہہ رہا تھا[1]، ہماری طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا کہ قصہ عمرؓ خارج عن البحث ہے اسلئے کہ انکے تو خون مسلسل بہہ رہا تھا وہ معذور کے حکم میں تھے، اور معذور کا حکم علیحدہ ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حنفیہ کے مسلک کی بہت سی دلیلیں ہیں، منجملہ ازاں استحاضہ والی روایت ہے جو صحاح ستہ میں موجود ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ استحاضہ تو خارج من السبیلین ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ استحاضہ کے ناقض ہونے کی علت یہ نہیں بیان کی گئی کہ وہ خارج من السبیلین ہے بلکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "فانھا دم عرق" معلوم ہوا کہ نقض وضو کا مدار استحاضہ اور خارج من السبیلین ہونے پر نہیں بلکہ صرف دم عرق ہونے پر ہے اور بدن کے جس حصہ سے بھی خون نکلے گا وہ دم عرق ہی ہو گا۔

نیز حنفیہ نے حدیث الرعاف سے استدلال کیا جو ابن ماجہ اور دار قطنی میں متعدد طرق سے ہے، جس کے لفظ یہ ہیں مَنْ أَصَابَهُ

---

[1] موطأ مالك - كتاب الطهارة - باب العمل فيمن غلبه الدم من جرح أو رعاف ١١٧

قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ، فَلْيَنْصَرِفْ، فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ[1]، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل[2] میں حنفیہ کے مسلک کی متعدد روایات تفصیل کیساتھ ذکر فرمائی ہیں۔

دم کی مقدار معفو میں مسالک ائمہ: اس مقام کے مناسب ایک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ دم معفو کی مقدار کیا ہے؟ اور معاف ہے بھی یا نہیں؟ حنفیہ کے یہاں بقدر درہم معاف ہے اور امام شافعیؒ کی دو روایتیں ہیں: ① احدهما لايعفى مطلقاً، ② ثانيهما يعفى مادون الكف وهو مذهب احمد، وعند المالكية روايتان: ① قدر الدرهم، ② مادون الدرهم، كذا في هامش الكوكب والفيض السمائي۔

٧٩۔ بَابٌ فِي الْوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ

باب ہے نیند کے ناقض وضو ہونے کے بیان میں

نواقض وضو کا بیان چل رہا ہے نوم ناقض وضو ہے یا نہیں اور کس صورت میں ہے کس صورت میں نہیں؟ اس میں علماء کے آٹھ قول مشہور ہیں جن کو امام نوویؒ نے بھی ذکر فرمایا ہے[3]۔

نوم کے ناقض ہونے میں مذاہب ائمہ: ① مطلقاً ناقض ہے یہ مروی ہے اسحق ابن راہویہؒ، حسن بصریؒ اور مزنیؒ سے، ② مطلقا غیر ناقض ہے یہ مروی ہے ابو موسیٰ اشعریؓ سعید بن المسیبؒ اور اوزاعیؒ سے، ③ نوم کثیر ناقض ہے مطلقاً اور قلیل ناقض نہیں مطلقاً یہ منقول ہے حضرت امام مالکؒ اور زہریؒ سے، اور ایک روایت امام احمدؒ کی بھی یہی ہے، ④ حالت قیام وقعود میں نوم کثیر اور ان دو حالتوں کے علاوہ باقی میں مطلقاً ناقض ہے، یہ مذہب ہے امام احمدؒ کا، ⑤ جو نوم على هيئة من هيئات الصلوة ہو وہ ناقض نہیں ورنہ ناقض ہے، یہ مذہب ہے حنفیہ کا مگر اس سے نماز کی ہیئت مسنونہ مراد ہے، چنانچہ قیام وقعود اور رکوع و سجود جو سنت کے طریقے کے مطابق ہو اس میں سونا ناقض وضو نہیں، باقی حالات جیسے نوم متکئاً یا مضطجعاً و مستقلیاً وہ ناقض ہوگی، ⑥ جو نوم جالساً ممکن مقعد على الارض کے ساتھ ہو صرف وہ ناقض نہیں باقی تمام حالات میں ناقض ہے، یہ مذہب ہے امام شافعیؒ کا، ⑦ لاينقض الا نوم الراكع والساجد رواية عن احمد، ⑧ لاينقض الا نوم الساجد فقط رواية عن أحمد ايضاً۔

ان اقوال ثمانیہ میں قول ثالث امام مالکؒ کا مسلک ہے اور قول رابع امام احمدؒ کا اور قول خامس حنفیہ کا اور قول سادس شافعیہ کا

---

[1] سنن ابن ماجه - كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها - باب ماجاء في البناء على الصلاة ١٢٢١

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ١٣٣ - ١٣٧

[3] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٤ ص ٧٣

ہے، لہٰذا ان ہی چار کا یاد رکھنا طلباء کیلئے اہم ہے۔

۱۹۹ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَأَخَّرَهَا حَتَّى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ رَقَدْنَا، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ رَقَدْنَا، ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا، فَقَالَ: «لَيْسَ أَحَدٌ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ»

ترجمہ: نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ سے یہ بات بیان کی کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں اس قدر تاخیر ہوگئی کہ ہم مسجد میں سوگئے پھر بیدار ہوئے پھر سوگئے پھر بیدار ہوئے پھر سوگئے پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو فرمایا کہ تمہارے علاوہ کوئی ایسا نہیں جو عشاء کی نماز کا انتظار کرتا ہو۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۱۹۹) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۸۸/۲) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (۱۲٦/۲)

شرح الحدیث: **حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت:** قوله: حَتَّى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ: حدیث کو ترجمۃ الباب سے مطابقت یہ ہے کہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر نوم ناقض وضو نہیں ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے، اور ظاہر ہے کہ ان کی یہ نوم قاعداً تھی علیٰ ہیئت الصلوۃ اس لئے کہ نماز کا انتظار بیٹھ کر ہی کرنا مستحب ہے، اسی لئے ناقض وضو نہیں ہوئی، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے اس بات پر کہ نوم قلیل ناقض نہیں اس لئے کہ خفقان راس نوم قلیل ہی میں ہوا کرتا ہے۔

قوله: فَقَالَ: «لَيْسَ أَحَدٌ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ»: آپ ﷺ کا مقصود اس ارشاد سے ان منتظرین صلوۃ صحابہ کی تسلی اور ہمت افزائی ہے تاکہ کلفت انتظار دور ہو، اور مطلب یہ ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی نماز کے انتظار کرنے کی بخلاف دوسرے لوگوں کے وہ نماز پڑھ کر سو رہے یعنی بچے عورتیں معذورین وغیرہ، اور یہ بھی احتمال ہے کہ دوسرے اہل مساجد مراد ہوں کہ دوسری مسجدوں والے نمازیں پڑھ پڑھ کر سوگئے اور تم ہو کہ انتظار صلوۃ میں بیٹھے ہو، اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ غیرکم سے مراد دوسرے لوگ اہل کتاب یہود وغیرہ مراد ہوں، اس لئے کہ وہ عشاء کی نماز پڑھتے ہی نہ تھے۔

۲۰۰ - حَدَّثَنَا شَاذُّ بْنُ فَيَّاضٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ حَتَّى تَخْفِقَ رُءُوسُهُمْ، ثُمَّ يُصَلُّونَ وَلَا يَتَوَضَّئُونَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: زَادَ فِيهِ شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: كُنَّا نَخْفِقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ بِلَفْظٍ آخَرَ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ عشاء کی نماز کا اس قدر انتظار کیا کرتے تھے کہ ان کے سر (نیند کی وجہ سے) جھک جاتے تھے (یعنی وہ بیٹھے بیٹھے ٹھوڑی سینے پر رکھ کر سو جاتے تھے) پھر وہ نماز پڑھ لیا کرتے

تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ شعبہ نے قتادہ کے واسطہ سے یہ اضافہ کیا کہ ہم لوگوں کے سر رسول اللہ ﷺ کے دور میں جھک جایا کرتے تھے۔ (امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ) ابن ابی عروبہ قتادہ کے واسطے سے دوسرے الفاظ نقل فرماتے ہیں۔

تخریج صحیح مسلم - الحيض (٣٧٦) جامع الترمذي - الطهارة (٧٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٠٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣/٢٧٧)

شرح الحديث قوله: حَتَّى تَخْفِقَ رُءُوسُهُمْ: یعنی اونگھ اور نیند آنے کے وجہ سے ان کے سر جھک جاتے تھے، جیسے بیٹھے بیٹھے سوتے کی حالت میں ہوا کرتا ہے کہ ٹھوڑی سینے سے لگ جاتی ہے۔

٢٠١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، وَدَاوُدُ بْنُ شَبِيبٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: أُقِيمَتْ صَلَاةُ الْعِشَاءِ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي حَاجَةً، «فَقَامَ يُنَاجِيهِ حَتَّى نَعَسَ الْقَوْمُ، أَوْ بَعْضُ الْقَوْمِ، ثُمَّ صَلَّى بِهِمْ وَلَمْ يَذْكُرْ وُضُوءًا».

ترجمہ: انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ عشاء کی نماز کھڑی ہوئی (اسی وقت) ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے ایک کام ہے آپ ﷺ اس سے سرگوشی میں بات کرنے لگے حتی کہ لوگ اونگھنے لگے یا بعض لوگ اونگھنے لگے پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور (راوی نے) وضو کا ذکر نہیں کیا۔

تخریج صحیح مسلم - الحيض (٣٧٦) جامع الترمذي - الطهارة (٧٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٠١) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣/٢٧٧)

٢٠٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، وَعُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ بْنِ حَرْبٍ وَهَذَا لَفْظُ حَدِيثِ يَحْيَى عَنْ أَبِي خَالِدٍ الدَّالَانِيِّ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْجُدُ وَيَنَامُ وَيَنْفُخُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ. قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: صَلَّيْتَ وَلَمْ تَتَوَضَّأْ وَقَدْ نِمْتَ، فَقَالَ: «إِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا»، زَادَ عُثْمَانُ، وَهَنَّادٌ: «فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَوْلُهُ: «الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا» هُوَ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ لَمْ يَرْوِهِ إِلَّا يَزِيدُ أَبُو خَالِدٍ الدَّالَانِيُّ، عَنْ قَتَادَةَ وَرَوَى أَوَّلَهُ جَمَاعَةٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَلَمْ يَذْكُرُوا شَيْئًا مِنْ هَذَا، وَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَحْفُوظًا

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدہ کیا کرتے اور سو جاتے اور خراٹے لینے لگتے پھر کھڑے ہوتے اور نماز ادا فرمالیتے لیکن وضو نہ فرماتے تو میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) آپ نے نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں فرمایا حالانکہ آپ کو نیند آگئی تھی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کروٹ پر سونے والے پر واجب ہوتا ہے، عثمان اور ہناد نے (حدیث کے الفاظ میں یہ) اضافہ کیا کہ (یہ اسلئے) جب کوئی شخص کروٹ پر لیٹتا ہے اسکے اعضاء ڈھیلے پڑ

جاتے ہیں، امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: یہ قول: "اور وضو کروٹ پر لیٹنے سے واجب ہوتا ہے" یہ حدیث منکر ہے اور اس کو قتادہ سے یزید دالانی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور اس حدیث کا اوّل حصہ ایک جماعت نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ بات نہیں ہے۔ اور عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایسی نیند سے محفوظ تھے کہ نیند میں حدث لاحق ہو جائے اور آپ ﷺ کو اسکی خبر نہ ہو۔

وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي»، وَقَالَ شُعْبَةُ: إِنَّمَا سَمِعَ قَتَادَةُ، مِنْ أَبِي الْعَالِيَةِ أَرْبَعَةَ أَحَادِيثَ: حَدِيثَ يُونُسَ بْنِ مَتَّى، وَحَدِيثَ ابْنِ عُمَرَ فِي الصَّلَاةِ، وَحَدِيثَ الْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ، وَحَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ، حَدَّثَنِي رِجَالٌ مَرْضِيُّونَ مِنْهُمْ عُمَرُ، وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِي عُمَرُ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَذَكَرْتُ حَدِيثَ يَزِيدَ الدَّالَانِيِّ لِأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، فَانْتَهَرَنِي اسْتِعْظَامًا لَهُ، وَقَالَ: «مَا لِيَزِيدَ الدَّالَانِيِّ يُدْخِلُ عَلَى أَصْحَابِ قَتَادَةَ، وَلَمْ يَعْبَأْ بِالْحَدِيثِ».

اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا اور شعبہ فرماتے ہیں کہ قتادہ نے ابو العالیہ سے چار حدیثیں سماعت کی ہیں: ① حدیث یونس بن متی، ② حدیث ابن عمرؓ نماز کے بارے میں، ③ قاضی تین قسموں پر ہیں والی حدیث، ④ حدیث ابن عباسؓ کہ وہ فرماتے ہیں مجھے کئی پسندیدہ افراد نے حدیث سنائی جن میں میری سب سے زیادہ پسندیدہ شخصیت حضرت عمرؓ تھے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: میں نے یزید دالانی کی حدیث کا ذکر امام احمد حنبلؒ کے سامنے کیا (اس کی صحت و ضعف کا حال دریافت کرن کیلئے) تو امام احمد بن حنبلؒ نے یزید دالانی کی حدیث کے ضعف کو شدید سمجھتے ہوئے مجھے (ان کی حدیث کے تذکرے سے) روک دیا اور کہا: یزید دالانی کی احادیث کا کیا کہنا! وہ تو قتادہ کے شیوخ پر حدیثیں گھڑا کرتا ہے اور امام احمدؒ نے یزید دالانی کی حدیث کو (ضعف کی وجہ سے) قابل توجہ نہ سمجھا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (٧٧) سنن النسائي - الأذان (٦٨٦) سنن أبي داود - الطهارة (٢٠٢).

شرح الأحاديث: قوله: عَنْ أَبِي خَالِدٍ الدَّالَانِيِّ: ان کا نام یزید بن عبدالرحمن ہے جیسا کہ مصنفؒ کے کلام میں آگے آرہا ہے بہت سے ائمہ رجال نے ان کی تضعیف کی ہے

قوله: كَانَ يَسْجُدُ وَيَنَامُ وَيَنْفُخُ: ترمذی کی روایت میں ہے نَامَ وَهُوَ سَاجِدٌ، حَتَّى غَطَّ أَوْ نَفَخَ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے سے مراد نماز میں سجدہ کی حالت میں سونا ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ نوم علی هيئة من هئيات الصلوة ناقض نہیں، صاحب منہل نے بھی یہی بات لکھی ہے باقی نوم انبیاء تو کسی حال میں ناقض نہیں۔

قوله: وَلَمْ تَتَوَضَّأْ وَقَدْ نِمْتَ. فَقَالَ: «إِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا»: یعنی حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کو نماز کے درمیان نیند آگئی تھی آپ نے اسی حالت میں نماز کو پورا فرمالیا اور میان میں وضو نہیں فرمایا تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا وضو اس شخص پر واجب ہے جس کی نوم مضطجعاً ہو ہر قسم کی نوم ناقض وضو نہیں۔

جاننا چاہئے کہ حضرت ابن عباسؓ کا سوال تو ظاہر ہے محتاج تشریح نہیں لیکن آپ کا یہ جواب جو یہاں مذکور ہے۔

دو حدیثوں میں رفع تعارض: اس پر ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ اس سے بطریق مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی نوم اگر مضطجعاً ہوگی تو ناقض وضو ہوگی حالانکہ نوم انبیاء ناقض نہیں مشہور مسئلہ ہے، اسی لئے ایک دوسری حدیث میں جس کا ذکر آگے آرہا ہے حضرت عائشہؓ نے جب آپ سے اسی نوع کا سوال کیا تو اس وقت آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا: تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي، جس سے آپ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ نوم نبی ناقض وضو نہیں ہے تو اب دونوں جوابوں میں تعارض ظاہر ہے، اسی اشکال اور خلجان کی بناء پر امام ابوداود آگے چل کر اس روایت پر کلام فرما رہے ہیں۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَوْلُهُ: «الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا» هُوَ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ الخ: اس حدیث کا جو آخری ٹکڑا ہے یعنی حضرت ابن عباسؓ کا آپ سے سوال کرنا اور پھر اس پر آپ کا جواب إِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا یہ ثابت نہیں اس کے ساتھ ابو خالد دالانی منفرد ہیں جو کہ ضعیف ہیں ابو خالد کے علاوہ دوسرے رواۃ نے اس حدیث کے صرف اول حصہ کو ذکر کیا ہے، آخری حصہ کو ذکر نہیں کیا لہذا ایک جواب تو اوپر والے اشکال کا یہ ہو گیا کہ حدیث ثابت ہی نہیں۔

دعویٰ نکارۃ کے دلائل:۔ آگے مصنفؒ اور بھی بعض دلائل حدیث کے اس ٹکڑے کے عدم ثبوت کے پیش کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں وَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَحْفُوظًا یعنی حضور ﷺ اس بات سے محفوظ اور بری تھے کہ حالت نوم میں آپ کو حدث (خروج ریح) لاحق ہو، اور آپ کو اس کا احساس نہ ہو، یعنی نوم فی نفسہ تو ناقض نہیں بلکہ اس وجہ سے ناقض ہے کہ وہ مظنہ خروج ریح ہے، اور عام لوگوں کو حالت نوم میں خروج ریح کا پتہ چلتا نہیں اس لئے عام لوگوں کے حق میں نوم ہی کو خروج ریح کے قائم مقام کر دیا گیا اور آپ ﷺ کی شان یہ نہیں ہے کہ آپ کو خروج ریح کا پتہ نہ چلا، لہذا آپ ﷺ کے حق میں نوم ناقض بھی نہیں خواہ مضطجعاً ہو یا کسی اور طرح، یہ تو اس کلام کی تشریح ہوئی۔

لیکن جاننا چاہئے کہ وقال کی ضمیر کس طرف راجع ہے ظاہر سیاق سے معلوم ہو رہا ہے کہ ابن عباسؓ کی طرف ہے لیکن حضرتؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ ابوداؤد کی اس روایت کو امام بیہقیؒ نے بھی ذکر فرمایا ہے اس میں اس طرح ہے قَالَ عِكْرِمَةُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَحْفُوظًا [1]. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نسخے میں قال کے بعد لفظ عکرمہ چھوٹ گیا ہے۔

قوله: وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي»: یہ مصنفؒ کی جانب سے دعویٰ مذکور پر دوسری دلیل ہے، اس کی تشریح ہمارے یہاں اوپر کلام میں گزر چکی۔

لیلۃ التعریس کے واقعہ پر ایک شبہ: لیکن اس حدیث پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ جب یہ بات ہے کہ آپ کی نیند ایسی غفلت کی نہ ہوتی تھی تو لیلۃ التعریس کا واقعہ کیوں پیش آیا وہاں نماز کے وقت سب سوتے رہ گئے، جواب یہ ہے کہ

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي - كتاب الطهارة - باب ما ورد في نوم الساجد ٥٩٩ - ج ١ ص ١٩٦

طلوع شمس کا تعلق آنکھ سے ہے قلب سے نہیں اور آنکھ بیدار نہیں بخلاف حدث کے کہ اسکا تعلق باطن سے ہے اور قلب بیدار ہے، حضرات علماء کرام نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا قلب مبارک بیدار رہتا تھا اور اس میں اللہ تعالی کی حکمت یہ ہے کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے رؤیا و خوابات وحی ہوتے ہیں اس لئے آپ کا قلب مبارک بیدار رہتا تھا تاکہ آپ ﷺ اس وحی کو محفوظ رکھ سکیں اور ہر حال میں معارف الہیہ میں ترقی فرماتے رہیں۔

نیز جاننا چاہئے کہ یہ صرف آپ ﷺ ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اس میں شامل ہیں، چنانچہ ابن سعدؒ کی ایک روایت میں جو عطاء سے مرسلاً مروی ہے اس میں اس طرح ہے: إنا معاشر الأنبياء تنام أعيننا، ولا تنام قلوبنا [1] اس سے معلوم ہوا کہ تمام ہی انبیاء کے قلوب حالت نوم میں بیدار رہتے ہیں (منہل)۔

قوله: وَقَالَ شُعْبَةُ: إِنَّمَا سَمِعَ قَتَادَةُ، مِنْ أَبِي الْعَالِيَةِ أَرْبَعَةَ أَحَادِيثَ: یہ مصنفؒ کے دعویٰ مذکور پر چوتھی دلیل ہے، وہ یہ کہ شعبہ فرماتے ہیں کہ قتادہ نے ابو العالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں [2] آگے ان چاروں حدیثوں کی تعیین ہے، مطلب یہ ہے کہ حدیث الباب کو قتادہ ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں اور قتادہ نے ابو العالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں، اور یہ حدیث ان چار میں سے نہیں لہذا حدیث منقطع ہوئی۔

بہر حال مصنفؒ کا کہنا یہ ہے کہ حدیث کا یہ ٹکڑا ثابت نہیں اور معنوی اشکال اس پر وہی ہے جسکو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، لیکن اس اشکال کا ایک جواب دیا گیا ہے جسکو حضرتؒ نے بھی بذل میں ذکر فرمایا ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ کا یہ جواب إِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا جواب علی اسلوب الحکیم کی قبیل سے ہے جواب علی اسلوب الحکیم اس کو کہتے ہیں جس میں سوال کی مطابقت کی رعایت نہ ہو، بلکہ سائل کے حال اور مقام کی رعایت ملحوظ ہو، چنانچہ اس جواب میں آپ ﷺ نے عام لوگوں کے احوال کے پیش نظر تعلیم امت کیلئے یہ جواب ارشاد فرمایا اسلئے کہ امت کا حکم یہی ہے کہ انکی نوم مضطجعا ناقض ہے، لہذا اس اشکال سے بچنے کی غرض سے تو حدیث کی تضعیف کی حاجت نہیں ہاں البتہ تحقیق روایت امر آخر ہے۔

۲۰۳ - حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ الْحِمْصِيُّ، فِي آخَرِينَ، قَالُوا: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنِ الْوَضِينِ بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ مَحْفُوظِ بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَائِذٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ، فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ».

ترجمہ: حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سرین کا بندھن آنکھیں ہیں (وکاء کہتے ہیں اس رسی کو جس سے کسی برتن، مشکیزے وغیرہ کو باندھا جائے) پس جو سو جائے اسے چاہیے کہ وضو کر لے۔

---

[1] التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد ج٦ ص ٣٩٢

[2] لكن الحصر في الاربعة اما باعتبار علمه او تقريبي اذ ذكر البيهقي حديثين آخرين والمجموع ستة وفي الترمذي قال شعبة لم يسمع قتادة من ابي العالية الا ثلاثة اشياء

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٢٠٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٧٧) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١/ ١١١)

شرح الحدیث: قوله: وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ، فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ: یعنی سرین کا بندھن آنکھیں ہیں، آنکھوں سے مراد یقظہ یعنی بیداری ہے مطلب یہ ہوا کہ جب تک آدمی بیدار رہتا ہے اور اس کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں تو گویا سرین پر بندھن لگا رہتا ہے کہ اندر کی چیز باہر نہیں آسکتی اور جیسے ہی آدمی کی آنکھ لگی اور وہ سویا تو گویا وہ بندھن کھل جاتا ہے جس کی وجہ سے اندر کی چیز بسہولت باہر آسکتی ہے جس کا احساس اس نائم کو نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ آدمی کے پیٹ میں ریاح وغیرہ ہوتی ہی ہیں تو جب وہ سو جاتا ہے تو سرین سے بندھن کے ہٹ جانے کی وجہ سے ریح کے خروج کا قوی امکان ہے اسی لئے شریعت نے نوم ہی کو ناقض وضو قرار دیا ہے، اس حدیث سے یہ بات بالکل صاف طور سے معلوم ہو رہی ہے کہ نوم فی نفسہ ناقض وضو نہیں جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے جاننا چاہئے کہ السَّه جو اس حدیث میں مذکور ہے یہ حروف ناقصہ میں سے ہے یعنی جس کا حرف اصلی غائب ہے اسلئے کہ یہ لفظ دراصل ستہ تھا جس کی جمع استاہ آتی ہے جیسے فرس کی جمع افراس، سو اس میں تعلیل یہ ہوئی کہ اولاً اسکے حرف آخر ہاء کو تخفیفاً حذف کیا گیا اور پھر اس کے عوض شروع میں ہمزہ لایا گیا تو یہ است ہو گیا، اور لفظ است احادیث میں وارد ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے فَخَرَجَتْ اِسْتِي ❶، پھر یہ ہوا کہ ہاء جو اس کا آخری حرف تھا یعنی لام کلمہ اس کو دوبارہ لایا گیا، اور عین کلمہ یعنی تاء کو حذف کیا گیا تو وہ ہمزہ جو اسکے شروع میں ہاء کے عوض لایا گیا تھا اس کو حذف کر دیا گیا لہذا اب سَہ رہ گیا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ جو اس حدیث میں وارد ہے فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ، اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو نوم کو مطلقاً ہر حال میں ناقض مانتے ہیں، جو کہ منجملہ اقوال ثمانیہ کے ایک قول ہے اور یہ جمہور کے خلاف ہے اس لئے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں دو راوی ایسے ہیں جو ضعیف ہیں ایک بقیۃ بن الولید دوسرے وضین، نیز یہ حدیث منقطع ہے اس لئے کہ عبد الرحمن بن عائذ کا سماع حضرت علیؓ سے ثابت نہیں "نقله العيني عن ابي زرعة الرازي"، تیسری تاویل حدیث کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس حدیث میں بتایا جا رہا ہے کہ نوم اس لئے ناقض ہے کہ اس سے سرین کا بندھن کھل جاتا ہے تو جس نوم میں بندھن کا کھلنا اقرب واغلب ہو گا وہی نوم یہاں مراد ہو گی ہر قسم کی نوم اس میں داخل نہ ہو گی، نیز احادیث سابقہ بھی اسی پر دال ہیں کہ ہر نوم ناقض وضو نہیں، واللہ تعالی أعلم بالصواب

٨٠۔ بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَطَأُ الْأَذَى بِرِجْلِهِ

باب اس شخص کے (لئے وضو کے حکم کے) بارے میں جو ناپاکی پر چلے

٢٠٤ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ، ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنِي

---

❶ صحيح مسلم - كتاب الإيمان - باب من لقي الله بالإيمان وهو غير شاك فيه دخل الجنة وحرم على النار ٣١

شَرِيكٌ، وَجَرِيرٌ، وَابْنُ إِدْرِيسَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: «كُنَّا لَا نَتَوَضَّأُ مِنْ مَوْطِئٍ وَلَا نَكُفُّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ: إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي مُعَاوِيَةَ فِيهِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، أَوْ حَدَّثَهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: وَقَالَ هَنَّادٌ، عَنْ شَقِيقٍ، أَوْ حَدَّثَهُ عَنْهُ.

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ہم راستوں میں چلنے کی وجہ سے پاؤں نہیں دھوتے تھے اور نہ ہی بالوں اور کپڑوں کو (سجدہ میں جاتے ہوئے) سمیٹتے تھے۔ امام ابوداود نے کہا: ابراہیم بن ابی معاویہ نے کہا: اعمش شقیق سے وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں بغیر واسطہ کے یا شقیق، مسروق سے کسی راوی کے واسطے سے حدیث نقل کرتے ہیں لیکن مصنفؒ کے دوسرے استاد ہناد نے یہ فرمایا کہ یہ روایت شقیق سے اعمش نے بغیر واسطہ کے نقل کی ہے یا اعمش نے شقیق سے ایک واسطہ سے روایت نقل کی ہے۔

شرح الحدیث یعنی ایک شخص ننگے پاؤں چلا جارہا ہے اور جا بھی رہا ہے وہ مسجد کی طرف نماز کیلئے اور پہلے سے باوضو ہے، اب راستہ کی گندگی اور ناپاک چیزوں پر سے گزرتا ہوا جارہا ہے تو کیا اس کیلئے ضروری ہے کہ مسجد میں پہنچ کر نماز سے قبل وضو کرے یا پاؤں دھوئے؟ مصنفؒ نے اس باب میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے: كُنَّا لَا نَتَوَضَّأُ مِنْ مَوْطِئٍ۔

شرح السند: مَوْطِئٍ میں دو احتمال ہیں، یا یہ مصدر میمی ہے وطئ کے معنی روندنا، یا اسم مفعول ہے اصل موطوء تھا، یعنی وہ چیز جو روندی گئی ہو، نجاست وغیرہ یعنی نہیں وضو کیا کرتے تھے ہم روندنے کی وجہ سے، جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ وضو جس کی نفی کی جارہی ہے اس سے وضو شرعی مراد ہو یعنی روندنے کی وجہ سے باقاعدہ ہم وضو نہیں کیا کرتے تھے، دوسرا یہ کہ وضو سے وضو لغوی مراد ہے یعنی غسل رجلین، یعنی ہم وہاں پہنچ کر غسل رجلین نہیں کیا کرتے تھے اگر روندنے سے یہاں طین شارع یعنی راستے کا گارہ کیچڑ یا اور گھناؤنی چیزوں کا روندنا مراد ہے جیسے تھوک بلغم وغیرہ، تب تو وضو شرعی ولغوی ہر دو کی نفی کرنا صحیح ہے ایسے ہی اگر نجاست یابسہ مراد ہو تب بھی، لیکن اگر تر نجاست کو روندنا مراد ہو تو اس صورت میں متعین ہے کہ نفی وضو شرعی کی ہوگی، وضو لغوی کی نفی اس وقت مراد لینا صحیح نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں غسل رجلین ضروری ہے۔

قولہ: وَلَا نَكُفُّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا الخ: یعنی نماز میں سجدہ میں جاتے وقت ہم اپنے سر کے بال اور کپڑوں کو (اس خیال سے کہ کہیں زمین کی مٹی گرد وغبار نہ لگ جائے) سمیٹتے نہیں تھے، کیونکہ یہ چیز خشوع فی الصلوۃ کے خلاف ہے، یہ کلام تو متن حدیث سے متعلق تھا، اس حدیث کی سند کا سمجھنا ذرا مشکل ہے جس کو مصنف آگے بیان کر رہے ہیں۔

قولہ: قَالَ: إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي مُعَاوِيَةَ فِيهِ الخ: مصنف کے اس حدیث میں تین استاذ ہیں: ہناد، ابراہیم، عثمان، مصنفؒ اپنے اساتذہ کا اختلاف فی السند بیان کر رہے ہیں، اصل سند جو شروع میں مصنفؒ نے بیان کی وہ تو الفاظ مصنفؒ کے استاد عثمان ابن ابی

شیبہ" کے ہیں، اب آگے مصنف "یہاں سے اپنے باقی دو استاذوں کی سند کے الفاظ نقل کرتے ہیں، ایک ابراہیم، دوسرے ہناد، عثمان کی سند کے الفاظ جو شروع میں مذکور ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمش اور شقیق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور ایسے ہی شقیق اور عبداللہ ابن مسعودؓ کے درمیان بھی واسطہ نہیں، اور ابراہیم کی روایت میں اعمش اور شقیق کے درمیان تو کوئی واسطہ نہیں ہے لیکن شقیق اور عبداللہ ابن مسعودؓ کے درمیان مسروق کا واسطہ ہے أو حدثه عنه، اس صورت میں دو واسطے ہو جائیں گے مسروق اور ایک اس کے علاوہ مبہم ہے سند میں مذکور نہیں اور یہ دوسرا مبہم واسطہ شقیق اور مسروق کے درمیان ہوگا تقدیر عبارت یہ ہے او حدث شقیق عن مسروق یعنی یا تو شقیق براہ راست مسروق سے روایت کرتے ہیں یا کسی راوی کے واسطے سے اور پھر آگے مسروق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

قولہ: وقال هناد اى عن الاعمش عن شقيق او حدثه عنه اى حدث الاعمش عن شقيق: یعنی ہناد کو شک ہے اس بات میں کہ اعمش براہ راست شقیق سے روایت کرتے ہیں یا کسی واسطے سے (جو یہاں سند میں مذکور ہیں) اس تیسرے استاذ یعنی ہناد کے کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ شقیق اور ابن مسعودؓ کے درمیان تو کوئی واسطہ نہیں البتہ اعمش اور شقیق کے درمیان تردد کے ساتھ واسطہ ذکر کر رہے ہیں[1]۔

یہ سند کی تمام تشریح اس صورت میں ہے جبکہ او حدثه عنه کو بصیغہ مجہول پڑھا جائے اور اگر اس کو بصیغہ معروف پڑھتے ہیں اس صورت میں مطلب ہی دوسرا ہو جائے گا، پہلی جگہ مطلب یہ ہوگا کہ شقیق مسروق سے بطریق عنعنہ روایت کرتے ہیں یا بطریق تحدیث اسی طرح دوسری جگہ مطلب یہ ہوگا کہ اعمش شقیق سے بطریق عنعنہ روایت کرتے ہیں یا بصیغہ تحدیث یعنی راوی کو شک ہو رہا ہے کہ روایت بلفظ عن ہے یا بلفظ حدث واسطہ اور عدم واسطہ کی بحث اس صورت میں نہ ہوگی۔

٨١۔ بَابُ مَنْ يُحْدِثُ فِي الصَّلَاةِ

﴿باب اس شخص کے بارے میں جس کا نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے﴾

٢٠٥ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ عِيسَى بْنِ حِطَّانَ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ سَلَّامٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ، فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ

---

[1] "قال ابن ابی معاویة" ابراہیم کی روایت میں شقیق اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان مسروق کی زیادتی ہے اور ایک صورت میں جس کو وہ او حدثه عنه سے بیان کر رہے ہیں، مسروق کے علاوہ ایک اور راوی کی بھی زیادتی ہے جو مبہم ہے "وقال هناد الخ" ان کی روایت میں شک ظاہر کیا گیا ہے کہ اعمش کی روایت شقیق سے یا تو بلا واسطہ ہے یا بالواسطہ، ابراہیم کی روایت میں واسطہ خواہ ایک ہو یا دو وہ شقیق اور ابن مسعودؓ کے درمیان ہے اور ہناد کی روایت میں اگر واسطہ ہے تو وہ اعمش اور شقیق کے درمیان ہے اور عثمان کی روایت میں جو شروع میں مذکور ہے واسطہ دونوں جگہ نہیں نہ اعمش اور شقیق کے درمیان اور نہ شقیق اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے درمیان۔

وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ».

ترجمہ: حضرت علی بن طلق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کی نماز کے دوران ریح نکل جائے تو اسے چاہئے کہ نماز سے نکل جائے اور وضو کر کے نماز کا اعادہ کر لے۔

تخریج: جامع الترمذي - الرضاع (١١٦٤) سنن أبي داود - الطهارة (٢٠٥) سنن الدارمي - الطهارة (١١٤١)

شرح حدیث: یعنی اگر نماز کے درمیان حدث لاحق ہو جائے تو کیا کیا جائے، وضو کر کے اسی نماز پر بناء کی جاسکتی ہے یا اعادۂ صلوۃ کیا جائے، مسئلہ مختلف فیہ ہے، سو اگر حدث عمداً ہو تب تو استیناف صلوۃ بالاتفاق ضروری ہے اور اگر بغیر عمد کے ہے تو جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اسوقت بھی استیناف ضروری ہے اور احناف کے نزدیک اس صورت میں بناء بھی جائز ہے لیکن اولیٰ استیناف ہے، حدیث الباب جس میں اعادہ مذکور ہے ہمارے نزدیک وہ استحباب پر محمول ہے یا یہ کہا جائے کہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ حدث عمداً ہو حنفیہ کا استدلال مسئلۃ البناء میں ان متعدد روایات سے ہے جو سنن ابن ماجہ اور دار قطنی میں مروی ہیں جن کو بذل المجهود [1] میں باب الوضوء من الدم کے ذیل میں حضرتؒ نے نقل فرمایا ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رُعَافٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ، فَلْيَنْصَرِفْ، فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ [2] یہ حدیث تقریباً انہیں الفاظ سے متعدد صحابہ: عائشہؓ، ابوسعید خدریؓ، علی ابن ابی طالبؓ، ابن عباسؓ وغیرہم سے مروی ہے۔

شرح السند: عَنْ مُسْلِمِ بْنِ سَلَّامٍ: یہ سلام تشدید لام کے ساتھ ہے بلکہ سبھی جگہ سلام مشدد ہے سوائے دو جگہ کے ایک عبداللہ بن سلام صحابی دوسرے محمد بن سلام امام بخاریؒ کے استاذ (کذا قال الامام النووی فی مقدمۃ شرح مسلم) ہمارے ابوداودؒ کے استاذ محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ جو شعر و ادب سے کافی ذوق رکھتے تھے ان کا شعر ہے:

ع بہر موضع مشدد ہست سلّام | مگر شیخ بخاری و صحابی

قولہ: عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ: آپ کو یاد ہوگا کہ وضوء من مس الذکر کے باب میں ایک راوی طلق بن علی گزر چکے ہیں، اور یہاں ہے علی بن طلق، سو یہ نہ سمجھا جائے کہ نام میں قلب واقع ہو گیا ہے بلکہ یہ دو راوی الگ الگ ہیں، چنانچہ بعض علماء رجال کی تحقیق کے پیش نظر یہ علی بن طلق گزشتہ راوی طلق بن علی ہی کے والد ہیں تو گویا طلق علی کے باپ کا بھی نام ہے اور بیٹے کا بھی اور سلسلہ نسب اس طرح ہے، طلق بن علی بن طلق یہی رائے حافظ ابن عبد البرؒ کی ہے، چنانچہ وہ علی بن طلق کے بارے میں فرماتے ہیں أظنه والد طلق بن علي [3]، اس پر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں هو ظن قوي اذ نسبهما واحد۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ١٣٤

[2] سنن ابن ماجه - كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها - باب ما جاء في البناء على الصلاة ١٢٢١. وسنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب في الوضوء من الخارج من البدن كالرعاف والقيء والحجامة ونحوه ٥٦٣

[3] الاستيعاب في معرفة الأصحاب ص ٥٤٤ (دار الأعلام الطبعة الأولى ١٤٢٣هـ)

٨٢۔ بَابٌ فِي الْمَذْيِ

باب مذی کے بیان میں

مجملہ نواقض وضو کے خروج مذی ہے مذی سکون ذال اور تخفیف یاء کے ساتھ اور مذی تشدید یاء کے ساتھ بروزن غنی دونوں طرح صحیح ہے "هو ماء رقيق اصغر يخرج عند الشهوة الضعيفة" اور اسی حکم میں ودی ہے، هو ماء ابيض ثخين جو پیشاب کے بعد یا کسی وزنی چیز کو اٹھانے سے نکلتی ہے۔

مذی سے متعلق مسائل اربعہ خلافیہ: جاننا چاہئے کہ مذی کے متعلق چار مسائل اختلافی ہیں: ① کیا مذی حکم میں بول کے ہے، جس طرح پیشاب کے بعد استنجاء بالحجر کافی ہے اسی طرح یہاں بھی کافی ہے یا غسل ضروری ہے، حنفیہ وشافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ اس میں استجمار کافی ہے غسل ضروری نہیں اور مالکیہ وحنابلہ کی دو روایتیں ہیں، جواز اور عدم جواز، ② مسئلہ ثانیہ خروج مذی کے بعد صرف محل نجاست کو پاک کرنا ضروری ہے یا اسکے علاوہ بھی، امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ بغسل جمیع الذکر، اور حنابلہ کے نزدیک ذکر کے ساتھ انثیین کا دھونا بھی ضروری ہے اور حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک صرف موضع نجاست کا دھونا ضروری ہے، ③ مسئلہ ثالثہ جس کپڑے کو مذی لگ جائے اس کا غسل ہی ضروری ہے یا نضح بھی کافی ہے، جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غسل ضروری ہے نضح یعنی رش الماء کافی نہیں اور امام احمدؒ سے دونوں روایتیں ہیں، قول راجح ان کا یہ ہے کہ نضح کافی ہے (کما فی هامش الکوکب) علامہ شوکانیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور اپنی طرف سے اسکی وجہ ترجیح بھی بیان کی ہے جس کو حضرتؒ نے بذل میں رد فرمایا ہے، ④ مسئلہ رابعہ یہ ہے کہ مذی ائمہ اربعہ اور جماہیر علماء سلفاً وخلفاً سب کے نزدیک نجس ہے، بخلاف فرقہ امامیہ کے روافض میں سے کہ وہ اس کو طاہر کہتے ہیں لفظ نضح سے استدلال کرتے ہوئے، لیکن ہم کہتے ہیں لفظ نضح تو دم حیض اور بول صبی کے بارے میں بھی وارد ہوا ہے حالانکہ دم حیض بالاتفاق نجس ہے۔

٢٠٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ الْحَذَّاءُ، عَنِ الرُّكَيْنِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ حُصَيْنِ بْنِ قَبِيصَةَ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَجَعَلْتُ أَغْتَسِلُ حَتَّى تَشَقَّقَ ظَهْرِي، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَوْ ذُكِرَ لَهُ - فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَفْعَلْ إِذَا رَأَيْتَ الْمَذْيَ فَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، وَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ، فَإِذَا فَضَخْتَ الْمَاءَ فَاغْتَسِلْ».

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں کثرت مذی کی شکایت میں مبتلا تھا اسی لئے میں کثرت سے غسل کرتا تھا جس کی وجہ سے میری کمر کی کھال پھٹنے لگی تو میں نے اس (تکلیف) کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا یا کسی اور نے (میری تکلیف کا) آپ ﷺ سے ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا مت کرو بلکہ جب مذی نکل جائے تو عضو مخصوص

کو دھولیا کرو اور نماز کی طرح کا وضو کر لیا کرو اور جب منی نکلے تب غسل کیا کرو۔

تخریج: صحيح البخاري - العلم (١٣٢) صحيح البخاري - الوضوء (١٧٦) صحيح البخاري - الغسل (٢٦٦) صحيح مسلم - الحيض (٣٠٣) صحيح مسلم - الحيض (٣٠٣) صحيح مسلم - الحيض (٣٠٣) جامع الترمذي - الطهارة (١١٤) سنن النسائي - الطهارة (١٥٢) سنن النسائي - الطهارة (١٩٣) سنن النسائي - الطهارة (١٩٤) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٥) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٦) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٧) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٨) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٩) سنن أبي داود - الطهارة (٢٠٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٠٤) موطأ مالك - الطهارة (٨٦)

شرح الحدیث: قوله: كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَجَعَلْتُ أَغْتَسِلُ الخ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں مجھے مذی کثرت سے نکلتی تھی، اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں اس سے غسل کیا کرتا تھا اور کثرت سے اس کی نوبت آتی تھی یہاں تک کہ موسم سرما میں سردی کی شدت اور بار بار غسل کرنے کی وجہ سے میری کمر میں شقوق اور پھٹن ہو گئی تھی۔

روایات مختلفه کے درمیان تطبیق: قوله: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ الخ: اس میں روایات مختلف ہیں یہاں پر تو شک کے ساتھ ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا یا کسی اور نے آپ سے ذکر کیا اور آگے ابو داود میں آرہا ہے کہ میں نے مقداد بن اسود سے کہا کہ وہ آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کریں اور نسائی کی روایت میں ہے کہ میں نے عمار بن یاسر کو کہا اور مصنف عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ علی اور مقداد بن اسود اور عمار رضی اللہ عنہم کے درمیان اس مسئلہ میں مذاکرہ ہوا اور علیؓ نے ان دونوں کو حکم فرمایا کہ وہ حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کریں، اور ترمذی وابن ماجہ کی روایت میں ہے علی فرماتے ہیں سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ، ابن حبانؒ نے ان روایات مختلفہ کو اس طرح جمع کیا ہے کہ علیؓ نے پہلے عمارؓ کو حکم دیا اور پھر مقدادؓ کو، اور پھر انہوں نے خود سوال کر لیا، حافظؒ فرماتے ہیں کہ یہ جمع جید ہے مگر ان کا یہ کہنا کہ پھر علیؓ نے خود سوال کیا یہ صحیح نہیں اس لئے کہ یہ ان کے قول أَنَا أَسْتَحْيِي کے خلاف ہے لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کیلئے استحیاء شروع میں تھا، لیکن جب ان دونوں نے سوال میں تاخیر کی تو حضرت علیؓ نے شدت احتیاج کی وجہ سے خود سوال کر لیا امام نوویؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ جہاں پر سوال کی نسبت علیؓ نے اپنی طرف کی ہے وہ مجاز ہے، آمر ہونے کی حیثیت سے اپنی طرف نسبت کر دی اور بعضوں نے یہ کہا کہ سوال بالواسطہ اپنے لئے تھا اور اس میں استحیاء کا ہونا ظاہر ہے اور براہ راست سوال مطلق مسئلہ کی حیثیت سے تھا۔

یہاں پر اشکال نہ کیا جائے کہ طلب علم میں حضرت علیؓ نے استحیاء کیوں کیا، اس لئے کہ طلب علم سے انہوں نے استحیاء نہیں کیا، طلب علم کے تو وہ مسلسل درپے رہے ہاں براہ راست سوال سے استحیاء ہوا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ خروج مذی عامۃً اپنی اہل کے ساتھ ملاعبت سے ہوتا ہے اور ان کے نکاح میں حضور ﷺ کی صاحبزادی تھیں، اس لئے استحیاء کا ہونا قرین قیاس تھا یہ ساری تفصیل اسی طرح أوجز المسالك میں ہے۔

قوله: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَفْعَلْ إِذَا رَأَيْتَ الْمَذْيَ الخ: آپ نے علیؓ کو خروج مذی سے غسل کرنے سے منع کر دیا، مسئلہ اجماعی ہے کہ خروج مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا، فَإِذَا فَضَخْتَ الْمَاءَ فَاغْتَسِلْ جب کدائے تو پانی کو تب غسل کر یعنی غسل ماء دافق (منی) سے واجب ہوتا ہے نہ کہ مذی سے۔

۲۰۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَمَرَهُ أَنْ يَسْأَلَ لَهُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ الرَّجُلِ إِذَا دَنَا مِنْ أَهْلِهِ، فَخَرَجَ مِنْهُ الْمَذْيُ، مَاذَا عَلَيْهِ؟ فَإِنَّ عِنْدِي ابْنَتَهُ وَأَنَا أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَهُ، قَالَ الْمِقْدَادُ: فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: «إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ ذَلِكَ فَلْيَنْضَحْ فَرْجَهُ، وَلْيَتَوَضَّأْ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ».

ترجمہ: مقداد بن الاسود سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھیں کہ ایک شخص جب اپنی بیوی کے قریب جائے اور مذی خارج ہو جائے تو اس پر کیا چیز واجب ہے؟ چونکہ میرے نکاح میں آپ ﷺ کی صاحبزادی ہیں اسلئے مجھے آپ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھنے میں شرم معلوم ہوتی ہے، مقداد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے ساتھ یہ مسئلہ پیش آجائے تو اسے چاہیے کہ اپنی شرمگاہ کو دھولے اور وضو کرلے جس طرح نماز کیلئے وضو ہوتا ہے۔

۲۰۸ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ لِلْمِقْدَادِ وَذَكَرَ نَحْوَ هَذَا قَالَ فَسَأَلَهُ الْمِقْدَادُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «لِيَغْسِلْ ذَكَرَهُ وَأُنْثَيَيْهِ» ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَجَمَاعَةٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْمِقْدَادِ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: عروہ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے مقداد سے فرمایا اور گزشتہ حدیث کی طرح حدیث بیان کی اور فرمایا کہ مقداد نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اُسے چاہیے کہ عضو مخصوص اور اپنے خصیتین دھولے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری اور ایک جماعت نے ہشام سے اور ہشام نے اپنے والد سے اور انہوں نے مقداد سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی ہے۔

شرح الحدیث: قوله: لِيَغْسِلْ ذَكَرَهُ وَأُنْثَيَيْهِ: اس روایت میں ذکر کے ساتھ انثیین بھی مذکور ہے یہ امام احمدؒ اور اوزاعیؒ کی دلیل ہے۔

۲۰۹ - حَدَّثَنَا. عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَدِيثٍ حَدَّثَهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَ: قُلْتُ لِلْمِقْدَادِ، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ، وَالثَّوْرِيُّ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ. وَرَوَاهُ ابْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْمِقْدَادِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَذْكُرْ أُنْثَيَيْهِ.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے مقدادؓ سے کہا اس کے بعد گزشتہ روایت جیسی روایت بیان کی۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت مفضل بن فضالہ اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ ہشام سے وہ اپنے والد سے وہ علیؓ سے نقل کرتے ہیں اور ابن اسحٰق نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد (عروہ) سے اور انہوں نے مقداد سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے اور اس میں أُنْثَيَيْهِ (یعنی خصیتین) کا ذکر نہیں کیا۔

تخریج: صحيح البخاري - العلم (١٣٢) صحيح البخاري - الوضوء (١٧٦) صحيح البخاري - الغسل (٢٦٦) صحيح مسلم - الحيض (٣٠٣) جامع الترمذي - الطهارة (١١٤) سنن النسائي - الطهارة (١٥٣) سنن النسائي - الطهارة (١٥٥) سنن النسائي - الطهارة (١٥٦) سنن النسائي - الطهارة (١٩٣) سنن النسائي - الطهارة (١٩٤) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٥) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٦) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٧) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٨) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٣٩) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٤٠) سنن أبي داود - الطهارة (٢٠٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٠٤) موطأ مالك - الطهارة (٨٦)

شرح الحدیث: قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ وَجَمَاعَةٌ: مصنفؒ یہاں سے ہشام کے تلامذہ کا اختلاف بیان کرتے ہیں، اوپر زہیر کی روایت میں انثیین کا ذکر تھا، مصنفؒ اسی کو بیان کررہے ہیں کہ جس طرح زہیر نے ہشام سے اس حدیث کو انثیین کے ساتھ ذکر کیا ہے اسی طرح مفضل اور سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ نے بھی ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ انثیین کو ذکر کرنے والی ایک جماعت ہے، آگے چل کر مصنفؒ کہہ رہے ہیں بخلاف محمد ابن اسحاق کے کہ انہوں نے بھی ہشام سے اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر انثیین کو ذکر نہیں کیا، ہمارے حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک حضرت امام ابوداودؒ پکے حنبلی ہیں اور یہ آپ کو اوپر معلوم ہی ہو چکا کہ امام احمدؒ غسل انثیین کے قائل ہیں بظاہر مصنفؒ بھی اسی کو ترجیح دے رہے ہیں، جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہوگا کہ ذکر انثیین میں رواۃ کا اختلاف ہوا اضطراب ہے، اس لئے اس سے غسل ثابت نہ ہوگا، یا یہ کہا جائے کہ یہ اس وقت ہے جب انثیین مذی سے ملوث ہوگئے ہوں یا ہو سکتا ہے کہ غسل انثیین کا حکم آپ نے تبریداً فرمایا ہو تاکہ سیلان مذی جلد منقطع ہو۔

٢١٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: كُنْتُ أَلْقَى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً، وَكُنْتُ أُكْثِرُ مِنَ الِاغْتِسَالِ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَ: «إِنَّمَا يُجْزِيكَ مِنْ ذَلِكَ الْوُضُوءُ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَكَيْفَ بِمَا يُصِيبُ ثَوْبِي مِنْهُ؟ قَالَ: «يَكْفِيكَ بِأَنْ تَأْخُذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ، فَتَنْضَحَ بِهَا مِنْ ثَوْبِكَ، حَيْثُ تَرَى أَنَّهُ أَصَابَهُ».

ترجمہ: سہل بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ مجھے مذی نکلنے کی وجہ سے بڑی مشقت کا سامنا تھا اور اس کی وجہ سے میں کثرت سے غسل کیا کرتا تھا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس (مذی

کے نکلنے) سے تمہارے لئے وضو کرنا کافی ہے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول جو مذی میرے کپڑے پر لگ جائے تو اسکا کیا حکم ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ایک چلو پانی لے کر اس جگہ چھڑک دو جس جگہ کپڑے میں تم اسے لگا محسوس کرو۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (١١٥) سنن أبي داود - الطهارة (٢١٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٠٦) مسند أحمد - مسند المكيين (٣/٤٨٥) سنن الدارمي - الطهارة (٧٢٣)

شرح الحدیث: قوله: يَأْخُذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ، فَتَنْضَحَ بِهَا مِنْ ثَوْبِكَ: اس حدیث سے بظاہر حنابلہ کی تائید ہو رہی ہے کہ جس کپڑے کو مذی لگ جائے اس کو پاک کرنے کیلئے رش الماء کافی ہے غسل کی حاجت نہیں اور مسلم شریف کی روایت میں ابن عباسؓ سے وَانْضَحْ فَرْجَكَ[1] وارد ہوا ہے، جمہور یہ کہتے ہیں کہ بہت سی احادیث میں لفظ نضح غسل کے معنی میں بھی آیا ہے یہاں وہی مراد ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں چونکہ دوسری روایت میں يَغْسِلُ ذَكَرَهُ کی تصریح ہے لہذا نضح کو اسی پر محمول کیا جائے گا[2]۔

٢١١ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ يَعْنِي ابْنَ صَالِحٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَرَامِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يُوجِبُ الْغُسْلَ، وَعَنِ الْمَاءِ يَكُونُ بَعْدَ الْمَاءِ، فَقَالَ: «ذَاكَ الْمَذْيُ، وَكُلُّ فَحْلٍ يَمْذِي، فَتَغْسِلُ مِنْ ذَلِكَ فَرْجَكَ وَأُنْثَيَيْكَ، وَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ»

ترجمہ: حرام بن حکیم اپنے چچا عبد اللہ بن سعد انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جو غسل کو واجب کر دیتی ہیں اور اس (مذی) پانی کے بارے میں جو پانی (یعنی منی) کے بعد (نکلتا) ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ مذی ہے اور ہر نر کی مذی نکلتی ہے پس مذی کی وجہ سے اپنی شرمگاہ اور خصیتین کو دھولو اور نماز کی طرح وضو کر لو۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٢١١) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/٣٤٢)

شرح الحدیث: وَعَنِ الْمَاءِ يَكُونُ بَعْدَ الْمَاءِ: یعنی وہ پانی جو تھوڑا تھوڑا مسلسل آتا رہے جس کو رسنا کہتے ہیں یعنی مذی اس لفظ کی صحیح تشریح یہی ہے اور علامہ شوکانیؒ کو اسکی شرح میں وہم ہو گیا انہوں نے بعد الماء میں ماء سے مراد بول لیا ہے یعنی وہ پانی جو پیشاب کے بعد نکلے لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ پیشاب کے بعد جو رقیق چیز نکلتی ہے اس کو ودی کہتے ہیں نہ کہ مذی، اور یہاں ذکر ہو رہا ہے مذی کا۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ اب آگے جو دو حدیثیں آرہی ہیں، ان دونوں میں مباشرت حائض کا ذکر ہے یہاں پر نسخے مختلف ہیں، نسخۂ بذل المجہود میں یہ دو حدیثیں بھی ترجمہ سابقہ باب فی المذی میں داخل ہیں اور بعض نسخ ابو داود میں ان پر مستقل ترجمہ

---

[1] صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب المذي ٣٠٣

[2] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٣ ص ٢١٣

قائم کیا گیا ہے "باب فی مباشرۃ الحائض" اگر یہ ترجمہ یہاں پر مان لیا جائے تب تو ان دونوں حدیثوں اور ترجمہ میں مطابقت ظاہر ہے اور اگر یہاں ترجمہ نہیں مانتے ہیں جیسا کہ نسخہ بذل میں نہیں ہے تو عدم مطابقت کا اشکال ہوگا، غالباً اسی اشکال سے بچنے کیلئے بعض ناسخین نے یہاں یہ باب قائم کر دیا ہے لیکن اس سے ایک دوسرا اشکال پیدا ہو جاتا ہے وہ یہ کہ حیض واستحاضہ کی روایات آگے چل کر آرہی ہیں نیز وہاں مباشرۃ الحائض کا مستقل باب بھی آرہا ہے تو گویا دو اشکال ہو جائیں گے، ایک تکرار فی الترجمہ کا، دوسرے اس باب کے یہاں بے محل ہونے کا کہ یہ محل اس باب کا نہیں ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یہاں یہ ترجمہ نہ ہو بلکہ ان دونوں حدیثوں کو ترجمہ سابقہ ہی سے متعلق مانا جائے اور ترجمۃ الباب سے مطابقت کچھ سوچ لی جائے چنانچہ مناسبت یہ ہو سکتی کہ مباشرت حائض خروج مذی کا سبب ہے، اور ترجمۃ الباب مذی ہی سے متعلق ہے، لہٰذا فی الجملہ مناسبت ہو گئی۔

٢١٢ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بَكَّارٍ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ، حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ حَرَامِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا يَحِلُّ لِي مِنَ امْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضٌ؟ قَالَ: «لَكَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ»، وَذَكَرَ مُؤَاكَلَةَ الْحَائِضِ أَيْضًا، وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

ترجمہ: حرام بن حکیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا میرے لئے اپنی بیوی سے کیا چیز حلال ہے جس وقت کہ وہ حالت حیض میں ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے لئے تہبند سے اوپر (سے نفع اُٹھانا) جائز ہے اور حائضہ کے ساتھ مل کر کھانے پینے کے بارے میں بھی ذکر کیا اور راوی نے آخر تک حدیث بیان کی۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (١٣٣) سنن أبي داود - الطهارة (٢١٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٥١) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/٣٤٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٥/٢٩٣) سنن الدارمي - الطهارة (١٠٧٣)

٢١٣ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْيَزَنِيُّ، حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ، عَنْ سَعْدٍ الْأَغْطَشِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَائِذٍ الْأَزْدِيِّ، قَالَ: هِشَامٌ وَهُوَ ابْنُ قُرْطٍ - أَمِيرُ حِمْصَ - عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَمَّا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ مِنَ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ؟ قَالَ: فَقَالَ: «مَا فَوْقَ الْإِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذَلِكَ أَفْضَلُ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَلَيْسَ هُوَ، يَعْنِي: الْحَدِيثَ بِالْقَوِيِّ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا ان کاموں کے متعلق جو مرد کیلئے اپنی بیوی سے حالت حیض میں جائز ہیں؟ راوی کہتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تہبند سے اوپر کا حصہ جائز ہے اور اس سے بھی بچنا افضل ہے۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قوی نہیں ہے۔

شرح الحدیث: قوله: قَالَ: هِشَامٌ وَهُوَ ابْنُ قُرْطٍ - أَمِيرُ حِمْصَ -: یہ ضمیر عائذ کی طرف راجع ہے یعنی عائذ بیٹے ہیں

قرط کے اور آگے چل کر امیر حمص میں دونوں احتمال ہو سکتا ہے کہ عبد الرحمن کی صفت ہو اور ہو سکتا ہے کہ عائذ کی ہو۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَلَيْسَ هُوَ، يَعْنِي: الْحَدِيثَ بِالْقَوِيِّ: ضمیر ھُوَ سعد اغطش کی طرف راجع ہے جو سند میں مذکور ہے مصنفؒ کی غرض اس راوی کی تضعیف ہے، اور شارح ابن رسلان نے یہ ضمیر حدیث کی طرف لوٹائی ہے یعنی یہ حدیث قوی نہیں ہے اور منشا قوی نہ ہونے کا یہی راوی سعد اغطش ہے، اغطش بمعنی اعمش۔

۸۳۔ بَابٌ فِي الْإِكْسَالِ

باب ہے جماع بلا انزال (سے غسل کے حکم) کے بارے میں

نواقض وضو کا بیان ختم ہوا اب یہاں سے مصنفؒ موجبات غسل کا بیان شروع کر رہے ہیں، اکسال کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو اور بعض عوارض کی وجہ سے ایسا ہو بھی جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ جماع بلا انزال موجب غسل ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ جمہور علماء سلفاً وخلفاً اور ائمہ اربعہ کے نزدیک موجب غسل ہے داؤد ظاہری کے نزدیک نہیں ہے، دراصل اس سلسلے میں دو حدیثیں مروی ہیں: ایک إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ یہ روایت تو متفق علیہ [1] ہے، حضرت ابوہریرہؓ وعائشہؓ سے مروی ہے، اور دوسری حدیث: إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ یہ حدیث بهذا اللفظ تو صحیح مسلم [2] اور ابوداؤد وغیرہ میں ہے لیکن مضمون کے اعتبار سے یہ بھی متفق علیہ ہے، چنانچہ بخاری شریف میں عثمان غنیؓ اور ابی ابن کعبؓ سے یہ مضمون مروی ہے لیکن اس مسئلہ میں امام بخاریؒ نے صرف حدیث اول (إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ الخ) سے استدلال کیا ہے اور اس دوسری حدیث کو ایک اور مسئلہ کے ذیل میں لائے ہیں، صحابہ کرامؓ میں انصار کی ایک جماعت الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ کے پیش نظر اکسال میں غسل کی قائل نہ تھی جیسے ابو ایوب اور ابوسعید خدری، زید بن خالد، ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم، لیکن ابی بن کعب سے رجوع ثابت ہے اور مہاجرین کی ایک جماعت غسل کی قائل تھی انکے پیش نظر إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ الخ حدیث تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں اس مسئلہ پر گفتگو ہو رہی تھی، یہ دونوں جماعتیں آپس میں اختلاف کر رہی تھیں، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: فَمَنْ أَسْأَلُ بَعْدَكُمْ وَأَنْتُمْ أَهْلُ بَدْرٍ الْأَخْيَارُ؟ تم اتنے بڑے بڑے اہل بدر حضرات جب اس مسئلہ میں اختلاف کر رہے ہو تو بعد والوں کا کیا حال ہوگا تو اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اگر آپ اس مسئلہ کی صحیح تحقیق چاہتے ہیں تو ازواج مطہرات سے معلوم کریں، چنانچہ انہوں نے اولاً حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیجا لیکن انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی خدمت میں قاصد بھیجا تو انہوں نے فرمایا إِذَا جَاوَزَ

---

[1] صحیح البخاری - کتاب الغسل - باب إذا التقى الختانان ۲۸۷، صحیح مسلم - کتاب الحیض - باب نسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانین ۳۴۸

[2] صحیح مسلم - کتاب الحیض - باب إنما الماء من الماء ۳۴۳

الخِتَانُ الخِتَانَ، فَقَدْ وَجَبَ الغُسْلُ، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیا اس واقعہ کی تخریج امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار [1] میں کی ہے۔

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے مابین اس مسئلے میں اختلاف شروع میں رہا ہے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے بعد وجوب غسل پر اجماع ہو گیا تھا لیکن اس پر حافظ ابن حجرؒ نے اشکال کیا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف صحابہ کے درمیان مشہور تھا اور اس کے بعد تابعین میں بھی رہا، لیکن یہ صحیح ہے کہ جمہور کا مسلک ہمیشہ ایجاب غسل ہی رہا ہے اور وہی صحیح ہے لیکن حافظ کے کلام پر علامہ عینیؒ نے تعقب کیا ہے اور ابن العربیؒ کے کلام کی تائید کی ہے، نیز ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اہم مسائل میں سے ہے گو شروع میں مختلف فیہ رہا لیکن بعد میں اجماع ہو گیا تھا سوائے داود ظاہری کے، ولا یعبأ بخلافہ ان کے اختلاف کی ہمیں پرواہ نہیں، پھر وہ آگے فرماتے ہیں لیکن مشکل معاملہ امام بخاریؒ کا ہے کہ وہ اجل علماء مسلمین میں سے ہیں اور پھر بھی وہ اس میں صرف استحباب غسل کے قائل ہیں۔

اس مسئلہ میں امام بخاریؒ کا میلان: لیکن جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں امام بخاریؒ کے میلان میں شراح بخاری مختلف ہیں، دراصل بخاری شریف میں امام بخاریؒ کے الفاظ یہ ہیں قال أبو عبد الله الغسل أحوط [2]، اس پر بعض کی رائے تو یہ ہے کہ ان کی مراد احتیاط سے احتیاط ایجابی ہے یعنی غسل نہ کرنا خلاف احتیاط ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کی مراد احتیاط سے احتیاط استحبابی ہے حضرت گنگوہیؒ اور اسی طرح حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ ان کا مذہب اس سلسلے میں جمہور کے موافق ہے، احقر کہتا ہے کہ امام بخاریؒ کے کلام کو دیکھنے سے بخوبی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ وجوب غسل ہی کے قائل ہیں اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ کے قائل نہیں، امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ امت کا اس وقت اجماع ہے وجوب غسل پر خواہ انزال ہو یا نہ ہو [3]۔

حدیث الماء من الماء کی توجیہات: جمہور کی جانب سے اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں:

① یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ ابی ابن کعبؓ کی حدیث میں اسی باب میں آ رہا ہے۔

② یہ حدیث محمول ہے مباشرت فی غیر الفرج پر اور اس صورت میں غسل سب کے نزدیک انزال ہی پر موقوف ہے [4]، قالہ ابن رسلان۔

③ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ کو عام رکھا جائے حقیقی ہو یا حکمی پس ایلاج [5] ماء حکمی ہے یعنی انزال کے حکم میں ہے یہ جواب حضرت گنگوہیؒ

---

[1] شرح معانی الآثار - كتاب الطهارة - باب الذي يجامع ولا ينزل ٣٣٥ (ج ١ ص ٥٨)

[2] صحيح البخاري - كتاب الغسل - باب غسل ما يصيب من فرج المرأة ٢٨٩

[3] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٤ ص ٣٦

[4] والثاني أنه محمول على ما إذا باشرها فيما سوى الفرج والله أعلم (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٤ ص ٣٦)

[5] ادخال الذكر في الفرج ١٢

کی بعض تقاریر میں ملتا ہے۔

④ ابن عباسؓ کی توجیہ جس کو امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کیا ہے وہ یہ کہ یہ حدیث احتلام پر محمول ہے [1]، یعنی جماع کی دو قسمیں ہیں، ایک جماع فی الیقظہ اور ایک جماع فی المنام جس کو احتلام کہتے ہیں، اول صورت میں إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ والی حدیث پر عمل ہو گا اور دوسری صورت میں اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ پر، چنانچہ احتلام میں بلا انزال کے بالاتفاق غسل واجب نہیں ہوتا، یہ ایک بڑی اچھی توجیہ ہے امام نسائیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ انہوں نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے بَابُ الَّذِي يَحْتَلِمُ وَلَا يَرَى الْمَاءَ۔

لیکن اس پر ایک بڑا قوی اشکال ہے وہ یہ کہ یہ توجیہ مسلم شریف کی روایت کے خلاف ہے جس کا مضمون یہ ہے ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبا جا رہا تھا راستے میں ہم محلہ بنو سالم میں پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچ کر عتبان بن مالکؓ کے دروازے پر ٹھہرے اور دستک دی وہ اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ مشغول تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن کر اسی حال میں جلدی سے حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد انہوں نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص بیوی سے صحبت کرے اور انزال نہ ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ [2]، ظاہر ہے کہ انہوں نے جماع فی الیقظہ کے بارے میں سوال کیا تھا لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ، لہٰذا اس حدیث کو احتلام پر محمول کرنا صحیح نہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہ نہیں کہ یہ حدیث شروع ہی سے احتلام پر محمول ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مسئلے میں نسخ واقع ہونے کے بعد اب یہ حکم صرف احتلام میں باقی رہ گیا ہے۔

٢١٤ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي بَعْضُ، مَنْ أَرْضَى، أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ، أَخْبَرَهُ، أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ ذَلِكَ رُخْصَةً لِلنَّاسِ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ لِقِلَّةِ الثِّيَابِ، ثُمَّ أَمَرَ بِالْغُسْلِ، وَنَهَى عَنْ ذَلِكَ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: يَعْنِي الْمَاءَ مِنَ الْمَاءِ.

ترجمہ: سہل بن سعد سعدی سے ابی بن کعبؓ نے بیان کیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے اسلام کے زمانے میں لوگوں کو (جماع بلا انزال) کی صورت میں غسل نہ کرنے کی رخصت دی تھی کپڑوں کی قلت کے سبب پھر (اسکے بعد) غسل (کے وجوب) کا حکم دیا اور سابقہ حکم (رخصت) سے منع فرما دیا۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں (سابقہ حکم کا) مطلب یہ ہے کہ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ کا حکم (انزال ہونے کے بعد ہی غسل فرض ہوتا تھا اور جماع بلا انزال میں غسل فرض نہ ہوتا تھا یہ سابقہ حکم منسوخ ہو گیا)۔

---

[1] عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِي الِاحْتِلَامِ» (جامع الترمذی - کتاب الطھارۃ - باب ما جاء أن الماء من الماء ۱۱۲)

[2] صحیح مسلم - کتاب الحیض - باب إنما الماء من الماء ۳۴۳

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (۱۱۰) سنن أبي داود - الطهارة (۲۱٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۶۰۹) مسند أحمد - مسند الأنصار رضي الله عنهم (۱۱٦/٥) سنن الدارمي - الطهارة (۷٥۹)

شرح الحدیث: قوله: إنّما جعل ذلك رخصة للنّاس في أوّل الإسلام لقلّة الثّياب: یعنی ابتداء اسلام میں لوگوں کی سہولت کیلئے قلت ثیاب کی وجہ سے الماء من الماء کا حکم دیا گیا تھا اس جملہ کی شرح میں شراح کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ بار بار غسل کرنے کی صورت میں جب ایک ہی کپڑے میں جسم کی تری بار بار لگے گی تو وہ کپڑا جلد ہی کمزور اور پرانا ہو گا، دوسرا قول جس کو ابن رسلانؒ نے لکھا ہے یہ ہے کہ کپڑوں کی کمی کی وجہ سے زوجین کو جب رات میں ایک ہی بستر اور لحاف میں سونا ہو گا تو اس میں مقاربت اور مصاحبت کی نوبت زائد آئے گی جس میں کبھی انزال ہو گا اور کبھی نہیں ہو گا تو اس مجبوری کی وجہ سے بغیر انزال کے ترک غسل کی رخصت اور اجازت دے دی گئی تھی۔

اور ایک نسخہ میں بجائے ثیاب کے لفظ ثبات ہے جس سے مراد پختگی ہے یعنی ابتداء اسلام میں ثبات فی الدین کی کمی اور کمزوری کی وجہ سے یہ سہولت دے دی گئی تھی، دیکھئے! حضرات شراح حدیث نے شرح حدیث کا حق ادا کر دیا۔ فجزاهم الله احسن الجزاء۔

۲۱٥ - حدّثنا محمّد بن مهران البزّاز الرّازيّ، حدّثنا مبشّر الحلبيّ، عن محمّد أبي غسّان، عن أبي حازم، عن سهل بن سعد، حدّثني أبيّ بن كعب، «أنّ الفتيا الّتي كانوا يفتون، أنّ الماء من الماء، كانت رخصة رخّصها رسول الله في بدء الإسلام، ثمّ أمر بالاغتسال بعد».

ترجمہ: سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابی بن کعبؓ نے بیان کیا کہ شریعت کا یہ حکم جو بیان کیا جاتا ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ جو فتویٰ دیتے ہیں کہ جماع میں غسل تب لازم ہو گا جب انزال ہو گا الماء من الماء یہ وہ رخصت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے ابتدائی دور میں دی تھی پھر آپ ﷺ نے اس کے بعد غسل کا حکم فرما دیا تھا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (۱۱۰) سنن أبي داود - الطهارة (۲۱٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۶۰۹) مسند أحمد - مسند الأنصار رضي الله عنهم (۱۱٦/٥) سنن الدارمي - الطهارة (۷٥۹)

۲۱٦ - حدّثنا مسلم بن إبراهيم الفراهيديّ، حدّثنا هشامٌ، وشعبة، عن قتادة، عن الحسن، عن أبي رافع، عن أبي هريرة، أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم، قال: «إذا قعد بين شعبها الأربع، وألزق الختان بالختان فقد وجب الغسل».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مرد عورت کے چار اعضاء کے درمیان بیٹھ جائے اور مرد اپنے عضو مخصوص کو عورت کے عضو مخصوص میں ڈال دے تو غسل واجب ہوتا ہے (چاہے انزال ہو یا نہ ہو)۔

صحيح البخاري - الغسل (۲۸۷) صحيح مسلم - الحيض (۳٤۸) سنن النسائي - الطهارة (۱۹۱) سنن النسائي -

الطهارة (١٩٢) سنن أبي داود - الطهارة (٢١٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦١٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٣٤/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٤٧/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٩٣/٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٤٧١/٢) سنن الدارمي - الطهارة (٧٦١)

شرح الحديث: قولہ: وَأَلْزَقَ الْخِتَانَ بِالْخِتَانِ: ختان سے مراد موضع ختان ہے اسلئے کہ ختان کے معنی تو ختنہ کے ہیں، ختان کا استعمال مرد اور عورت دونوں کے حق میں ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے اسکے بالمقابل دوسرا لفظ خفاض ہے اس کا استعمال عورت کے ساتھ خاص ہے، عورت کی شرمگاہ کے اوپر ایک کھال کا ٹکڑا سا ہوتا ہے عرف الدیك (مرغی کی کلغی) کے مشابہ اس کو قطع کیا جاتا ہے، عرب میں اس کا دستور تھا گو ہندوستان میں اس کا رواج نہیں۔

شراح نے لکھا ہے کہ أَلْزَقَ الْخِتَانَ بِالْخِتَانِ کنایہ ہے ایلاج حشفہ سے اس لئے کہ اول تو جماع کے وقت میں ختانین کا تماس نہیں ہوتا کیونکہ عورت کا محل ختان فرج کے اوپر ہوتا ہے دوسرے یہ کہ محض التقاء ختانین سے جماع اور دخول کا تحقق نہیں ہوتا، چنانچہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے إِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ، وَتَوَارَتِ الْحَشَفَةُ، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ [1]، بہر حال بدون غیبوبۃ حشفہ نہ جماع کا تحقق ہوتا ہے اور نہ غسل واجب ہوتا ہے بالاتفاق [2]۔

٢١٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ»، وَكَانَ أَبُو سَلَمَةَ يَفْعَلُ ذَلِكَ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غسل خروج منی سے واجب ہوتا ہے اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن کا اسی پر عمل تھا کہ وہ بغیر انزال کے جماع کی صورت میں غسل کے قائل نہیں تھے۔

تخریج: صحيح مسلم - الحيض (٣٤٣) سنن أبي داود - الطهارة (٢١٧) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٩/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٦/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٤٧/٣)

٨٤۔ بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَعُودُ

باب جنبی شخص کے (بغیر غسل) دوبارہ جماع کرنے کے بارے میں

یعنی اگر ایک مرتبہ جماع کرنے کے بعد عود الی الجماع کرے تو درمیان میں غسل کرنا ضروری ہے یا نہیں، جواب یہ ہے کہ بالاتفاق ضروری نہیں، زائد سے زائد اولیٰ ہے، البتہ درمیان میں وضو کرنا جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے یہ مختلف فیہ ہے، جمہور

---

[1] سنن ابن ماجه - كتاب الطهارة وسننها - باب ما جاء في وجوب الغسل إذا التقى الختانان ٦١١

[2] قال النووي في شرح مسلم قال أصحابنا لو غيب الحشفة في دبر إمرأة أو دبر رجل أو فرج بهيمة أو دبرها وجب الغسل إلى آخر ماذكر (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٤ ص ٤١)۔

علماء ائمہ اربعہ کے یہاں وضوء علی المعاود یعنی وضوء بین الجماعین مستحب ہے، داود ظاہری، ابن حبیب مالکیؒ کے یہاں واجب ہے اور امام ابویوسفؒ سے عدم استحباب منقول ہے، انہوں نے اس سلسلے میں جو امر وارد ہوا ہے اس کو اباحت پر محمول کیا ہے اس لئے کہ وضو عبادت کیلئے مشروع ہے نہ کہ قضاء شہوت کیلئے لیکن ان کی یہ تعلیل حدیث کے خلاف ہے۔

۲۱۸ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ، عَنْ أَنَسٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَكَذَا رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، وَمَعْمَرٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، وَصَالِحُ بْنُ أَبِي الْأَخْضَرِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، كُلُّهُمْ عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنی سب ازواج کے پاس چکر لگایا (ان سے جماع فرمایا) اور ایک ہی غسل پر اکتفا فرمایا۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں ہشام بن زید نے حضرت انسؓ سے اور معمر نے قتادہ کے واسطے سے حضرت انسؓ سے اور صالح بن ابو الاخضر نے زہری کے واسطے حضرت انسؓ سے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کی ہے۔

تخریج: صحيح البخاري - الغسل (٢٦٥) صحيح البخاري - الغسل (٢٨٠) صحيح البخاري - النكاح (٤٧٨١) صحيح البخاري - النكاح (٤٩١٧) صحيح مسلم - الحيض (٣٠٩) جامع الترمذي - الطهارة (١٤٠) سنن النسائي - الطهارة (٢٦٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٦٤) سنن النسائي - النكاح (٣١٩٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢١٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٨٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٨٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (١٦٠/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (١٦٦/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (١٨٥/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (١٨٩/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٢٥/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٥٢/٣) سنن الدارمي - الطهارة (٧٥٣) سنن الدارمي - الطهارة (٧٥٤)

شرح الحدیث: یعنی ایک مرتبہ آپ ﷺ رات میں جملہ ازواج مطہرات کے پاس پہنچے اور ہر ایک سے مقاربت فرمائی اور آخر میں صرف ایک غسل پر اکتفاء فرمایا اور بعض روایات میں ہے وَهُنَّ تِسْعٌ کہ وہ نو تھیں، یوں تو ازواج مطہرات ایک قول کی بناء پر گیارہ اور دوسرے قول کی بناء پر بارہ تھیں، لیکن مشہور قول کی بناء پر نو سے زائد کا اجتماع ثابت نہیں۔

ازواج مطہرات کے اسماء گرامی: ازواج مطہرات کے اسماء گرامی حسب ترتیب نکاح یہ ہیں: خدیجہؓ، سودہ بنت زمعہؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، زینب بنت خزیمہؓ، ام سلمہؓ، زینب بنت جحشؓ، جویریہؓ بنت الحارث، ام حبیبہ بن ابی سفیانؓ، صفیہ بنت حیی بن اخطبؓ، میمونہ بنت الحارثؓ، یہ کل گیارہ ہوئیں جن سے آپ ﷺ کا استمتاع ثابت ہے، اور بعض علماء نے ریحانہ بنت عمرو یا بنت زید کو بھی ازواج میں شمار کیا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ازواج میں سے نہیں بلکہ آپ کی سُرِّیّہ یعنی کنیز تھیں، چنانچہ دو کنیزیں آپ ﷺ کی مشہور ہیں، ماریہ قبطیہ اور دوسری ریحانہ، ان گیارہ ازواج میں سے دو یعنی خدیجہ اور زینب بنت خزیمہ نے آپ ﷺ کی حیات میں وفات پائی اور باقی نو آپ ﷺ کی وفات کے وقت میں موجود تھیں، ان کے علاوہ بھی بعض اور نساء ہیں، جن سے عقد ہوا لیکن دخول کی نوبت نہیں آئی بلکہ بعض وجوہ سے قبل از رخصت علیحدگی ہو گئی جن

میں بعض کا واقعہ اور ذکر صحاح کی بعض کتب میں آتا ہے۔

فائدہ: بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ سے انکے شاگرد نے معلوم کیا کہ أو کان يُطِيقُ ذٰلِكَ ؟ کہ کیا آپ ﷺ اتنی طاقت رکھتے تھے کہ ایک شب میں سب سے مقاربت فرمالیں تو انہوں نے جواب دیا كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ أُعْطِيَ قُوَّةَ ثَلَاثِيْنَ رَجُلًا [1] یعنی آپ ﷺ کو تیس مردوں کی طاقت عطاء کی گئی تھی، اور معارف السنن میں علامہ عینیؒ سے نقل کیا ہے کہ صحیح اسماعیلی میں ہے حضرت معاذؓ فرماتے ہیں: أُعْطِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوَّةَ أَرْبَعِيْنَ رَجُلًا اور کتاب الحلیۃ لابی نعیم میں ہے مجاہد فرماتے ہیں کہ آپ کو رجال جنت میں سے چالیس مردوں کی طاقت عطاء ہوئی تھی، اور مسند احمد و ترمذی میں حضرت زید ابن ارقمؓ اور انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رجال جنت میں سے ہر شخص کو سو مردوں کی طاقت عطاء کی جائے گی، اور چالیس کو سو میں ضرب دینے سے چار ہزار بن جاتے ہیں گویا آپ ﷺ کو چار ہزار مردوں کی طاقت عطاء کی گئی تھی۔

حدیث الباب پر یہ اشکال کہ اقل قسمۃ ایک شب ہے اور اس کے جوابات: جاننا چاہئے کہ یہاں پر فقہی اشکال ہے وہ یہ کہ اقل قسمۃ ایک شب ہے تو پھر ایک شب میں ہر ایک کے پاس آپ ﷺ کیسے پہنچے، جواب یہ ہے کہ اول تو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ آپ ﷺ پر قسم یعنی عدل بین الزوجات واجب تھا یا نہیں اگر واجب نہیں تھا پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں اور اگر واجب تھا تو پھر مختلف جواب دیے گئے ہیں: ① ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: وكان طوافه صلى الله عليه وسلم برضاهن، یعنی صاحبة النوبة (جسکی باری تھی) کی رضامندی سے آپ ﷺ نے ایسا کیا [2]، ② ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں: كان ذلك عند قدومه من سفر یعنی کسی سفر سے واپسی میں ابتداء دور سے پہلے آپ نے ایسا کیا، کسی زوجہ محترمہ کی باری میں آپ ﷺ سب کے پاس تشریف نہیں لے گئے، ③ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دن و رات میں ایک ساعت ایسی عطاء فرمائی تھی جس میں کسی زوجہ کا حق نہ تھا، بلکہ آپکو اس میں اختیار تھا جسکے پاس چاہیں جاسکتے ہیں اور مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساعت بعد العصر تھی اور اگر اس میں موقعہ نہ ملتا ہو تو بعد المغرب [3]، ④ کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ سفر حجۃ الوداع کا ہے چنانچہ جملہ ازواج مطہرات اس سفر میں آپکے ساتھ تھیں، آپ ﷺ ظہر کی نماز ادا فرما کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور عصر ذوالحلیفہ میں پہنچ کر اداء فرمائی جو میقات اہل مدینہ ہے اور وہاں ایک رات قیام فرمایا، اگلے روز بعد الظہر احرام باندھ کر وہاں سے روانہ ہوئے تو اس شب میں آپ ﷺ نے جملہ ازواج سے مجامعت فرمائی اور صبح کی نماز سے پہلے غسل جنابت فرمایا، جیسا کہ جزء حجۃ الوداع میں بحوالہ کتب حضرت شیخؒ نے لکھا ہے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ واقعہ سفر کا ہے اور سفر

---

[1] صحیح البخاری - کتاب الغسل - باب إذا جامع ثم عاد ومن دار على نسائه في غسل واحد ٢٦٥

[2] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ٢ ص ١٤٣

[3] عارضة الأحوذي شرح صحيح الترمذي - ج ١ ص ٢٣١

میں قسم بین الزوجات واجب ہی نہیں، مولانا انور شاہ صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ العرف الشذی [1] میں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے غسل بین الجماعین نہیں فرمایا اب یہ کہ درمیان میں وضو بھی فرمایا یا نہیں اس میں دونوں احتمال ہیں ہو سکتا ہے کہ وضو فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے اس کو بھی ترک کر دیا ہو بیان جواز کیلئے۔

قولہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَكَذَا رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ زَيْدٍ الخ: مصنفؒ حدیث مذکور کی تقویت کیلئے اس کے چند طرق اور ذکر فرما رہے ہیں، متن میں جو روایت مذکور ہے اس کو روایت کرنے والے انسؓ سے حمید طویل ہیں، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو انسؓ سے نقل کرنے والے حمید کے علاوہ ہشام بن زید، قتادہ اور زہری بھی ہیں چونکہ یہ سب طرق مصنفؒ نے پوری سند سے بیان نہیں کئے اسلئے ان سب کو تعلیقات کہا جائیگا، اب یہ کہ یہ روایات موصولاً کس کتاب میں ہیں، حضرتؒ نے بذل [2] میں لکھا ہے کہ ہشام کی روایت مسلم اور قتادہ و زہری کی ابن ماجہ میں موجود ہے۔

٨٥- بَابُ الْوُضُوءِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ

باب: جو شخص دوبارہ ہمبستری کا ارادہ کرے اس کیلئے وضو کرنے کا حکم

اس مسئلے پر کلام گذشتہ باب میں آ گیا۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَمَّتِهِ سَلْمَى، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى نِسَائِهِ، يَغْتَسِلُ عِنْدَ هَذِهِ وَعِنْدَ هَذِهِ» ، قَالَ: قُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَا تَجْعَلُهُ غُسْلًا وَاحِدًا؟ قَالَ: «هَذَا أَزْكَى وَأَطْيَبُ وَأَطْهَرُ» ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَحَدِيثُ أَنَسٍ أَصَحُّ مِنْ هَذَا

ترجمہ: ابورافع سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک دن اپنی سب ازواج کے پاس تشریف لے گئے آپ ﷺ ہر ایک زوجہ کے پاس (جماع فرمانے کے بعد) غسل فرماتے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نے ایک ہی مرتبہ غسل کیوں نہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ طریقہ زیادہ عمدہ اور پاکیزہ ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں اور انسؓ کی حدیث اس حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تخریج: سنن أبي داود- الطهارة (٢١٩) سنن ابن ماجه- الطهارة وسننها (٥٩٠)

شرح الحديث: **بابین کی دو مختلف حدیثوں میں مصنفؒ کی رائے**: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَحَدِيثُ أَنَسٍ أَصَحُّ مِنْ هَذَا: اس سے پہلے باب میں مصنفؒ نے حضرت انسؓ کی حدیث ذکر فرمائی تھی جس میں صرف ایک بار غسل کرنا مذکور تھا اور اس باب میں ابورافعؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں تعدد غسل مذکور ہے کہ ہر ایک زوجہ کے یہاں آپ

---

[1] العرف الشذي شرح سنن الترمذي- ج ١ ص ١٥٩

[2] بذل المجهود في حل أبي داود- ج ٢ ص ١٨٢

صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا: هَذَا أَزْكَى وَأَطْيَبُ وَأَطْهَرُ، یہ یعنی تعدد غسل زیادہ ثواب والا ہے اور اس میں ظاہر وباطن کی طہارت بھی زائد ہے۔

یہاں پر ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ ابورافعؓ کو اس خاص واقعہ اور ہر ایک کے پاس غسل کرنے کی کیسے اطلاع ہوگئی؟ جواب ظاہر کہ ابورافعؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی اور خدام میں سے ہیں، کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ غسل کا پانی مہیا کر رہے ہوں، اب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مختلف طرز عمل ہیں جو ان دو بابوں کی دو حدیثوں میں مذکور ہیں، اکثر حضرات شراح کی رائے تو یہ ہے کہ ان دونوں میں آپس کوئی تعارض نہیں ایک وقت میں آپ نے اینا کیا اور ایک وقت میں ایسا کیا اگر ایک ہی واقعہ سے یہ دونوں حدیثیں متعلق ہوتیں تب بیشک تعارض تھا، بہر حال صحیح بات تو یہ ہے، لیکن مصنف علامؒ ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض سمجھ رہے ہیں اور دفع تعارض کیلئے فرمارہے ہیں کہ وَحَدِيثُ أَنَسٍ أَصَحُّ مِنْ هَذَا، یعنی پہلے باب میں جو حدیث انس گزری ہے وہ اس ثانی حدیث کے مقابلے میں اصح ہے، لہٰذا یہ ثانی حدیث مرجوح اور پہلی حدیث راجح ہوئی باقی اس ثانی حدیث کو مصنفؒ ضعیف قرار دے رہے ہیں بلکہ صرف اصحیت کی نفی فرمارہے ہیں، لہٰذا یہ سوال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ ثانی حدیث کیوں ضعیف ہے اور اسی بات کے پیش نظر مصنفؒ نے پہلے باب کی حدیث کے متعدد طرق کی طرف اشارہ فرماکر اسکو مؤکد کیا ہے۔

۲۲۰ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ، ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يُعَاوِدَ، فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءًا».

ترجمہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آئے پھر دوبارہ ہمبستری کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ دونوں مرتبہ کے درمیان وضو کرلے۔

تخریج صحيح مسلم - الحيض (۳۰۸) جامع الترمذي - الطهارة (۱٤۱) سنن النسائي - الطهارة (۲٦۲) سنن أبي داود - الطهارة (۲۲۰) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۸۷) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۲۱/۳) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۲۸/۳)

شرح الحدیث قوله: فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءًا: اس حدیث میں وضو بین الجماعین کا امر ہے جو ظاہر یہ اور ابن حبیب مالکیؒ کے یہاں وجوب کے لئے ہے اور جمہور کے نزدیک استحباب کیلئے ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ حاکمؒ کی روایت میں فَإِنَّهُ أَنْشَطُ لِلْعَوْدِ [1] وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی شرعی مصلحت نہیں بلکہ آدمی کی اپنی ذاتی اور طبعی مصلحت کیلئے ہے گویا یہ امر امر ارشادی ہوا۔

[1] المستدرك على الصحيحين كتاب الطهارة ٥٤٢ - ج ١ ص ٢٥٤

٨٦۔ بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَنَامُ

باب جنبی شخص کے (بغیر غسل) سونے کے بارے میں

جنبی کیلئے وضو قبل النوم جمہور علماء ائمہ اربعہ کے یہاں مستحب ہے داؤد ظاہری اور ابن حبیب مالکیؒ کے نزدیک واجب ہے۔

۲۲۱ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ. أَنَّهُ قَالَ: ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، ثُمَّ نَمْ».

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ مجھے رات کے وقت جنابت لاحق ہو جاتی ہے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وضو کر لیا کریں اور عضو مخصوص کو دھو کر سو جایا کریں۔

تخریج: صحيح البخاري - الغسل (٢٨٣) صحيح البخاري - الغسل (٢٨٥) صحيح البخاري - الغسل (٢٨٦) صحيح مسلم - الحيض (٣٠٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٩) سنن النسائي - الطهارة (٢٦٠) سنن أبي داود - الطهارة (٢٢١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٨٥) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢/٤٦) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢/٥٦) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢/٦٤) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢/٧٥) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢/٧٩) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٢/١١٦) موطأ مالك - الطهارة (١٠٩) سنن الدارمي - الطهارة (٧٥٦)

شرح احادیث: قوله: أَنَّهُ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ: شراح کے درمیان اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ أَنَّهُ کی ضمیر کس طرف راجع ہے بذل المجهود میں حضرتؒ نے یہ ضمیر ابن عمرؓ کی طرف لوٹائی ہے [1] جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ضمیر اقرب کی طرف راجع نہیں بلکہ ابعد کی طرف راجع ہے، منشاء اس کا یہ ہے کہ نسائیؒ کی سنن کبریٰ میں یہ روایت ذرا تفصیل سے وارد ہوئی ہے جس میں اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ ابن عمرؓ کو رات میں جنابت لاحق ہوئی تو وہ اپنے والد حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ان سے اس کا ذکر کیا اس پر حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کیا [2]، اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ ضمیر ابن عمرؓ کی طرف راجع ہونی چاہئے گو ابوداؤد کی اس روایت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ ضمیر عمرؓ کی طرف راجع ہو، چنانچہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ حضرت سہارنپوریؒ نے مسودۂ بذل میں شروع میں ضمیر عمرؓ ہی کی طرف راجع کی تھی، چنانچہ اسی کے مطابق کتابت بھی ہو گئی تھی، اور حضرت شیخؒ کتابت شدہ کاپیوں کو طباعت کیلئے لے

---

[1] أي ابن عمر كما صرح به الزرقاني (بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ١٨٦)

[2] السنن الكبرى للنسائي - كِتَابُ الطَّهَارَةِ - أَبْوَابُ الْغُسْلِ باب وضوء الجنب وغسله ذكره إذا أراد أن ينام ٢٥٦ ج ١ ص ١٢٠

جارہے تھے زرقانی کی شرح مؤطا حضرت شیخ کے ساتھ تھی ریل میں بیٹھے ہوئے حضرت اس کا مطالعہ کر رہے تھے اتفاق سے یہی حدیث نظر سے گزری اس میں علامہ زرقانی نے ضمیر ابن عمرؓ کی طرف راجع کی تھی تو حضرت شیخ نے فوراً اسی وقت حضرت سہارنپوریؒ کے نام ایک خط لکھ کر اس بات کو دریافت کیا کہ اگر حضرت والا کی رائے ہو تو ضمیر کا مرجع بدل دیا جائے، بجائے عمرؓ کے ابن عمرؓ کر دیا جائے، حضرتؒ کا جواب پہنچا مناسب ہے کہ بجائے عمرؓ کے ابن عمرؓ کر دیا جائے، حضرت شیخ فرماتے تھے کہ حضرت سہارنپوریؒ کا جواب اس وقت پہنچا جب کاپی پلیٹ پر جم چکی تھی حضرت کا جواب پڑھ کر میں نے پلیٹ پر اصلاح کر کے بجائے عمرؓ کے ابن عمرؓ لکھوا دیا۔

بہر حال احقر کہتا ہے کہ ابوداؤد کی اس حدیث کے پیش نظر اگر ضمیر عمرؓ کی طرف لوٹائی جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس روایت کے ظاہر الفاظ کا یہی تقاضا ہے اور اگر نسائی کی روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضمیر ابن عمرؓ کی طرف لوٹائی جائے تب بھی ٹھیک ہے اس لئے کہ مشہور ہے کہ روایت مفصلہ قاضی ہوا کرتی ہے روایت مجملہ پر، یعنی فیصلہ روایت مفصلہ کے مطابق ہوا کرتا ہے اور صاحب منہل [1] کا میلان تعدد واقعہ کی طرف ہے اور یہ کہ ابوداؤد کی روایت میں ضمیر کا مرجع عمرؓ قرار دیا جائے ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے لئے اور ایک مرتبہ اپنے بیٹے کیلئے سوال کیا ہو، لیکن میں کہتا ہوں تعدد خلاف اصل ہے اور نہ ایک ہی مسئلہ کو دوبارہ دریافت کرنے کی حاجت ہے، اور روایت میں جو لفظ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ بصیغۂ خطاب مذکور ہے اس کا مخاطب بھی ابن عمرؓ ہو سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عمرؓ سے فرمایا کہ اپنے بیٹے سے جا کر یہ کہو۔

اس حدیث میں وضو قبل النوم کا جو امر کیا گیا ہے وہ جمہور کے نزدیک استحباب کیلئے ہے، دوسری روایت سے جن کو حضرتؒ نے بذل میں ذکر کیا ہے عدم وجوب ہی ثابت ہوتا ہے [2]۔

۸۷۔ بَابُ الْجُنُبِ يَأْكُلُ

باب جنبی کے کھانے کے بارے میں

جنبی کیلئے اکل و شرب سے پہلے وضو کرنا بالاجماع واجب نہیں بلکہ صرف اولیٰ ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اکل و شرب سے پہلے وضو فرماتے تھے جیسا کہ آئندہ باب کی حدیث میں آرہا ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ صرف غسل یدین فرماتے تھے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جہاں پر وضو آیا ہے وہاں پر بھی وضو سے

[1] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود – ج ۲ ص ۲۸۶

[2] صحيح ابن خزيمة – كتاب الوضوء – باب استحباب وضوء الجنب إذا أراد النوم ۲۱۱ – ج ۱ ص ۱۰۶

مراد وضو لغوی یعنی غسل یدین ہی ہے [1]، حضرت سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ صحیحین کی ایک روایت میں ہے تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ [2]، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو شرعی مراد ہے پھر آگے حضرتؒ نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے یہ اختلاف اختلاف اوقات پر محمول ہو کہ گاہے آپ ﷺ غسل یدین فرماتے ہوں اور کبھی وضو شرعی [3]۔

۲۲۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ، تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب حالت جنابت میں سونے کا ارادہ فرماتے تو نماز کی طرح وضو فرمالیا کرتے تھے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت: جاننا چاہئے کہ اس باب کی پہلی حدیث کو ترجمۃ الباب سے مناسبت نہیں اسلئے کہ اس میں وضو عند الاکل کا ذکر نہیں ہے نہ نفیًا نہ اثباتًا، جواب یہ ہے کہ اس باب کی پہلی حدیث اور دوسری حدیث دونوں ایک ہی ہیں اور یہ دو مستقل حدیثیں نہیں ہیں، اور حدیث ثانی میں آرہا ہے وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ يَدَيْهِ، لہٰذا اس حدیث ثانی میں جو زیادتی وارد ہے اسکی وجہ سے حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق ہوگئی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، زَادَ: «وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ يَدَيْهِ»، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، فَجَعَلَ قِصَّةَ الْأَكْلِ قَوْلَ عَائِشَةَ مَقْصُورًا، وَرَوَاهُ صَالِحُ بْنُ أَبِي الْأَخْضَرِ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، كَمَا قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: عَنْ عُرْوَةَ، أَوْ أَبِي سَلَمَةَ، وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا، قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ.

ترجمہ: محمد بن الصباح بزاز فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن مبارک نے یونس کے واسطے سے زہری سے سفیان ثوری کی سند اور سفیان ثوری کی حدیث کے ہم معنی حدیث نقل کی اور یہ اضافہ کیا کہ جب وہ کھانے کا ارادہ کرلے اس حال میں کے جنبی ہو تو دونوں ہاتھ دھولے، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں اس کو ابن وہب نے یونس سے روایت کیا اور ابن وہب نے حضرت عائشہؓ سے مسئلہ اکل کو موقوفًا نقل کیا اور صالح بن ابو الاخضر نے زہری کے واسطے سے ابن مبارک ہی کی طرح بیان کیا کہ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ والے جملہ کو مرفوع نقل کیا مگر یہ کہ صالح نے فرمایا عن عروۃ یا عن أبي سلمة اور اوزاعیؒ نے یونس سے انہوں نے زہری سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ابن مبارک کی طرح ہی روایت کی ہے یعنی اکل والے واقعہ کو مرفوعًا نقل کیا۔

---

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ۲ ص ۴۳۵

[2] صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له، وغسل الخ ۳۰۵

[3] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۱۸۹

تخریج: صحيح البخاري - الغسل (٢٨٢) صحيح البخاري - الغسل (٢٨٤) صحيح مسلم - الحيض (٣٠٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٢٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٨٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٠٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١١٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٢٠) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٢٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٢٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٤٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٤٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٦٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٠٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢١٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٣٧) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٧٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٧٩) سنن الدارمي - الطهارة (٧٥٧)

شرح الحدیث: قولہ: زَادَ: «وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ يَدَيْهِ»: زَادَ کی ضمیر یونس کی طرف راجع ہے پہلی سند میں زہری کے شاگرد سفیان تھے اور اس میں یونس ہیں مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو سفیان نے جب زہری سے نقل کیا تو انہوں نے صرف وضوء عند النوم کو ذکر کیا اور یونس نے جب اس کو ان سے نقل کیا تو انہوں نے اکل کا بھی ذکر کیا کہ آپ ﷺ کھانے سے پہلے صرف غسل یدین فرماتے تھے۔

قولہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، فَجَعَلَ قِصَّةَ الْأَكْلِ قَوْلَ عَائِشَةَ مَقْصُورًا: یہاں سے مصنفؒ یونس کے تلامذہ کا اختلاف بیان کر رہے ہیں، یونس کے شاگرد پہلی سند میں ابن المبارکؒ تھے اس دوسری سند میں ابن وہب ہیں ان دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ ابن المبارکؒ نے یونس سے مسئلہ اکل و نوم دونوں کو مرفوعاً روایت کیا اور ابن وہب نے مسئلہ نوم کو تو مرفوعاً ہی ذکر کیا اور مسئلہ اکل کو موقوفاً علی عائشہ ذکر کیا، اس کلام کی شرح حضرت نے بذل میں اور صاحب منہل نے اسی طرح کی ہے اور صاحب عون المعبود نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ابن وہب نے صرف قصۂ اکل کو ذکر کیا اور قصۂ نوم کو ذکر ہی نہیں کیا[1]، بظاہر پہلا ہی مطلب صحیح ہے۔

قولہ: وَرَوَاهُ صَالِحُ بْنُ أَبِي الْأَخْضَرِ: اس سے ابن المبارکؒ کی روایت کی تائید مقصود ہے جیسا کہ ظاہر ہے، وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسکا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ زہری براہ راست حضور ﷺ سے روایت کر رہے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسکو زہری بسندہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، مصنفؒ کی غرض اس سے بھی ابن المبارکؒ ہی کی تائید ہے۔

٨٨- بَابُ مَنْ قَالَ: يَتَوَضَّأُ الْجُنُبُ

باب ان علماء کے مذہب کا بیان جو فرماتے ہیں کہ جنبی آدمی وضو کرلے

ترجمۃ الباب کی غرض: جاننا چاہئے کہ یہ ایک ہی سلسلے کے تین باب ہیں جن میں یہ تیسرا ہے، مصنفؒ نے باب اول

[1] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ٢ ص ٢٨٩، بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ١٨٧، عون المعبود على سنن أبي داود - ج ١ ص ٣٧٤

اور اسکی حدیث سے وضو الجنب عند النوم کو ثابت کیا ہے، اسکے بعد کے دو باب وضو عند الاکل سے متعلق ہیں، جن میں اول سے مصنفؒ نے یہ ثابت کیا کہ آپ ﷺ نے عند الاکل غسل یدین پر اکتفاء فرمایا اور اس دوسرے باب سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ سے عند الاکل (حالت جنابت میں) وضو کرنا بھی ثابت ہے جیسا کہ اس باب کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ بذل کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے اس تیسرے باب سے وضو الجنب عند النوم والاکل دونوں کو ثابت کیا ہے [1]، اس باب کی حدیث میں تو دونوں ہی جزء مذکور ہیں لیکن میرے نزدیک مصنفؒ کی غرض صرف اکل سے متعلق ہے کیونکہ وضو عند النوم کو مصنفؒ پہلے باب سے ثابت کر چکے ہیں، میری بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس باب میں مصنفؒ نے حدیث ذکر کرنے کے بعد جن بعض صحابہ کے اقوال بیان کئے ہیں وہ بھی وضو عند الاکل ہی سے متعلق ہیں۔

٢٢٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَنَامَ، تَوَضَّأَ» تَعْنِي وَهُوَ جُنُبٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو وضو فرما لیتے یعنی حالتِ جنابت میں۔

تخریج: صحيح البخاري - الغسل (٢٨٢) صحيح البخاري - الغسل (٢٨٤) صحيح مسلم - الحيض (٣٠٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٢٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٨٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٦/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٠٢/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١١٩/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٢٠/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٢٦/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٢٨/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٤٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٤٩/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٦٦/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٠٢/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢١٦/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٣٧/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٧٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٧٩/٦) سنن الدارمي - الطهارة (٧٥٧)

٢٢٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، أَخْبَرَنَا عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ لِلْجُنُبِ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ أَوْ نَامَ، أَنْ يَتَوَضَّأَ». قَالَ أَبُو دَاوُد: «بَيْنَ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، وَعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ رَجُلٌ» وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، وَابْنُ عُمَرَ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو «الْجُنُبُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ تَوَضَّأَ».

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنبی آدمی کو رخصت عطا فرمائی کہ جب وہ کھانے یا پینے یا سونے لگے تو وضو کر لے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن یعمر اور عمار بن یاسر کے درمیان اس حدیث (کی

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ١٨٨

سند) میں ایک شخص اور ہے اور حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ابن عمرؓ اور عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جب جنبی آدمی کھانے کا ارادہ کرے تو وہ وضو کر لے۔

تخریج جامع الترمذي - الجمعة (٦١٣) سنن أبي داود - الطهارة (٢٢٥) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/ ٣٢٠)

٨٩۔ بَابٌ فِي الْجُنُبِ يُؤَخِّرُ الْغُسْلَ

باب جنبی کے غسل کو مؤخر کرنے کے بیان میں

یعنی یہ ضروری نہیں کہ اگر کسی شخص کو ابتداء لیل میں جنابت لاحق ہو تو وہ اسی وقت غسل کرے بلکہ آخر شب میں غسل کرے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

٢٢٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، ح وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَا: حَدَّثَنَا بُرْدُ بْنُ سِنَانٍ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَرَأَيْتِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ أَوْ فِي آخِرِهِ؟ قَالَتْ: «رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي آخِرِهِ»، قُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً قُلْتُ: أَرَأَيْتِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ أَوَّلَ اللَّيْلِ أَمْ فِي آخِرِهِ؟ قَالَتْ: «رُبَّمَا أَوْتَرَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا أَوْتَرَ فِي آخِرِهِ»، قُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً. قُلْتُ: أَرَأَيْتِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقُرْآنِ أَمْ يَخْفُتُ بِهِ؟ قَالَتْ: «رُبَّمَا جَهَرَ بِهِ وَرُبَّمَا خَفَتَ»، قُلْتُ اللهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً.

ترجمہ غضیف بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا ذرا مجھے بتایئے کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل رات کو شروع حصہ میں فرمالیا کرتے تھے یا آخری حصہ میں تو انہوں نے (جواب میں) فرمایا کہ کبھی تو شروع رات میں غسل فرمالیتے اور کبھی اس کے آخری حصے میں فرمالیتے تو میں نے بطور شکر کے کہا اللہُ أَكْبَرُ سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ہر معاملے میں گنجائش (آسانی) فرمادی۔ (پھر) میں نے عرض کیا ذرا مجھے بتلایئے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے شروع حصے میں وتر ادا فرمالیتے تھے یا اس کے آخری حصے میں ادا فرماتے تھے تو انہوں نے فرمایا کبھی تو رات کے اوّل حصہ میں وتر ادا فرماتے اور کبھی آخری حصہ میں ادا فرماتے میں نے (بطور شکر کے) کہا اللہُ أَكْبَرُ سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے ہر معاملے میں گنجائش (آسانی) فرما دی۔ پھر میں نے عرض کیا آپ کیا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ (رات میں) تلاوتِ قرآن بلند آواز سے فرمایا کرتے تھے یا آہستہ آہستہ تو فرمایا کہ کبھی بلند آواز سے فرماتے اور کبھی پست آواز سے میں نے کہا اللہُ أَكْبَرُ سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے ہر معاملے میں گنجائش (آسانی) فرمادی۔

تخریج صحيح مسلم - الحيض (٣٠٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٢٢) سنن أبي داود - الطهارة (٢٢٦)

شرح الحديث • جیسا کہ حدیث الباب میں حضرت عائشہؓ نے سائل کے سوال کے جواب میں فرمایا: رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ، وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي آخِرِهِ، یعنی آپ ﷺ کبھی تو جنابت پیش آنے کے بعد شروع شب میں اسی وقت غسل فرمالیا کرتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ اس وقت وضو فرما کر سوجاتے اور آخر شب میں اٹھ کر غسل فرماتے۔ لیکن یہاں ایک احتمال عقلاً یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مراد یہ ہو کہ بعض مرتبہ جنابت کی حالت شروع شب میں پیش آتی تو آپ اسی وقت غسل فرماتے اور جب آخر شب جنابت پیش آتی تو آخر شب میں غسل فرماتے، اس صورت میں تاخیر غسل جو ترجمۃ الباب میں مذکور ہے وہ ثابت نہ ہوگا، لیکن یہ معنی اس لئے مراد نہیں ہوسکتے کہ سائل نے حضرت عائشہؓ کا جواب سن کر کہا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً، اس لئے کہ گنجائش کا ہونا تو جب ہی ثابت ہوگا جب پہلے معنی مراد ہوں۔

آگے پھر حدیث میں ہے کہ سائل نے حضرت عائشہؓ سے دو سوال اور کئے ایک وتر کے بارے میں کہ آپ ﷺ کا معمول وتر کے بارے میں کیا تھا، شروع رات میں ادا فرماتے تھے یا اخیر شب میں جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ کبھی آپ اس طرح فرماتے اور کبھی اس طرح، دوسرا سوال یہ کیا کہ آپ ﷺ قیام لیل میں قرآن کریم کی تلاوت جہراً فرماتے یا سراً، اس کا جواب انہوں نے یہی دیا کہ دونوں طرح۔

٢٢٧ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُجَيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ».

ترجمہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر یا کتا یا جنبی ہو۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (٢٢٧) سنن الدارمي - الاستئذان (٢٦٦٣)

شرح الحديث **ایک اشکال اور اسکا جواب:** قولہ: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ: یہ حدیث بظاہر باب کی پہلی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ پہلی حدیث سے تاخیر غسل کا جواز ثابت ہو رہا تھا، اور اس میں یہ ہے کہ جس گھر میں جنبی ہوتا ہے اس میں ملائکہ رحمت داخل نہیں ہوتے، نیز یہ حدیث بظاہر ترجمۃ الباب کے بھی خلاف ہے، مصنفؒ کی عادت ہے کہ وہ بعض مرتبہ ترجمۃ الباب کے موافق حدیث لانے کے بعد کوئی حدیث ایسی بھی لاتے ہیں جو بظاہر ترجمۃ الباب کے خلاف ہوتی، میرے نزدیک مصنفؒ کی غرض اس سے طالبین کو متوجہ کرنا ہے کہ وہ اسکا جواب سوچیں اور ہر دو حدیث کا محمل متعین کریں، سو اس کا جواب حضرتؒ نے بذل میں امام خطابیؒ سے یہ نقل فرمایا ہے کہ اس حدیث میں جنبی سے وہ جنبی مراد نہیں ہے جو غسل کو مؤخر کرے نماز کے وقت تک، اور نماز کا وقت آنے پر غسل کرلے بلکہ اس سے وہ جنبی

مراد ہے جو غسل کے بارے میں ہمیشہ تہاون اور تکاسل برتتا ہو ورنہ آنحضرت ﷺ سے تاخیر غسل ثابت ہی ہے نفس تاخیر میں کیا اشکال ہے [1]۔

میں کہتا ہوں کہ امام نسائیؒ نے اس حدیث کی ایک اور نفیس توجیہ فرمائی ہے اور انہوں نے اس توجیہ کی طرف اشارہ کرنے کیلئے مستقل ترجمۃ الباب قائم کیا ہے وہ یہ کہ اس سے مراد وہ جنبی ہے جو رات میں جنابت پیش آنے پر بغیر وضو کے سو جائے [2]، یہ توجیہ ان کی بڑی اچھی ہے اور احادیث سے بھی عموماً یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حالت جنابت میں وضو کے بعد ہی آرام فرماتے تھے، پھر اس کے بعد احقر کو یہ بات ابوداؤد کی ایک روایت میں صراحۃً مل گئی، چنانچہ مصنفؒ نے کتاب الترجل بَابٌ فِي الْخَلُوقِ لِلرِّجَالِ میں حضرت عمار بن یاسرؓ کی یہ حدیث مرفوعًا ذکر فرمائی ثَلَاثَةٌ لَا تَقْرَبُهُمُ الْمَلَائِكَةُ: جِيفَةُ الْكَافِرِ، وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوقِ، وَالْجُنُبُ، إِلَّا أَنْ يَتَوَضَّأَ [3]، جس سے معلوم ہوا کہ وضو کر لینے کے بعد حالت جنابت قرب ملائکہ سے مانع نہیں ہوتی، فالحمدللہ۔

پھر جاننا چاہئے کہ عند الجمہور حدیث میں صورت سے مراد صورت ذی روح ہے خواہ سایہ دار ہو (مجسم) یا غیر سایہ دار، نیز وہ صورت ایسی ہو کہ جس کو آویزاں کیا گیا ہو زینت کیلئے یا ثوب ملبوس میں ہو مثلاً، اور جو تصویر ممتہن و مبتذل ہو پامال ہوتی ہو مثلاً فرش میں ہو یا تکیے میں یا جوتے میں یا پایدان میں اسکا جواز حدیث سے ثابت ہے، لیکن بنانا اس قسم کی صورت کا بھی جائز نہیں، تو گویا دو چیزیں ہوئیں: ① ایک عمل تصویر (تصویر کشی)، اور ② دوسرے استعمال تصویر، عمل تصویر یعنی ذی روح کی مطلقاً ناجائز ہے، اور استعمال تصویر بعض صورتوں میں حرام اور بعض صورتوں میں مباح ہے، تیسری چیز حدیث میں جو مذکور ہے وہ کلب ہے، کلب کی دو قسمیں ہیں: ماذون الاتخاذ جیسے کلب صید وغیرہ، غیر ماذون الاتخاذ، اس میں شراح کا اختلاف ہو رہا ہے کہ دخول ملائکہ سے مانع مطلق کلاب ہیں یا صرف وہ جو غیر ماذون الاتخاذ ہیں چنانچہ امام نوویؒ نے امام خطابیؒ اور قاضی عیاضؒ سے نقل کیا ہے کہ دخول ملائکہ سے مانع صرف وہ کلاب ہیں جو ممنوع الاقتناء ہیں اور اسی طرح تصویر بھی لیکن خود امام نوویؒ کی یہ رائے نہیں ہے ان کے نزدیک یہ حکم عام ہے دونوں قسموں کو شامل ہے [4]، اور حاشیۂ ترمذی میں علامہ طیبیؒ کا قول قاضی عیاضؒ کے موافق اور امام محی السنۃ کی رائے امام نوویؒ کی رائے کی موافق لکھی ہے، اور ہمارے حضرت سہارنپوریؒ کی رائے جو بذل میں یہاں اور اس کے علاوہ آگے کتاب اللباس میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ امتناع ملائکہ مخصوص ہے ممنوع الاقتناء کے ساتھ مگر یہ بات حضرتؒ نے انشاء اللہ کے ساتھ لکھی ہے بالجزم نہیں۔

---

1. معالم السنن - ج ۱ ص ۷۵، بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۱۹۹ - ۲۰۰
2. سنن النسائي - كتاب الطهارة - باب في الجنب إذا لم يتوضأ ۲٦۱
3. سنن أبي داود - كتاب الترجل - باب في الخلوق للرجال ٤۱۸۰
4. المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ١٤ ص ٨٤

جاننا چاہئے کہ بعض حضرات نے جروِ کلب کے قصے کو امام نووی ؒ ومن وافقہ کی رائے کی تائید میں پیش کیا ہے کہ جب جروِ کلب جس کا ہونا صاحب خانہ کو معلوم بھی نہ تھا وہ دخول جبرئیل سے مانع ہوا اور یہ علم میں نہ ہونا عذر نہیں سمجھا گیا تو پھر یہ حکم عام کیوں نہ ہوگا، لیکن یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کلب صغیر اور کبیر کا کوئی فرق حدیث سے تو ثابت نہیں دونوں کا حکم ظاہر ہے کہ ایک ہی ہے، نیز یہ جرو کلب حراست یا صید کیلئے بھی نہ تھا لہذا یہ غیر ماذون الاتخاذ ہوا جو بالاتفاق مانع ہے، لہذا اس سے تائید درست نہیں۔

۲۲۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً» ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ يَزِيدَ بْنَ هَارُونَ، يَقُولُ: «هَذَا الْحَدِيثُ وَهْمٌ» يَعْنِي حَدِيثَ أَبِي إِسْحَاقَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کی حالت میں سو جایا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے غسل نہ فرمایا ہوتا۔ امام ابوداؤد ؒ فرماتے ہیں کہ حسن بن علی واسطی نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے یزید بن ہارون سے فرماتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث وہم ہے یعنی ابو اسحٰق کی حدیث۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (۱۱۸) سنن أبي داود - الطهارة (۲۲۸) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۸۱) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۸۲) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۸۳) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۴۳/۶) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۰۹/۶) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۱۱/۶) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۴۶/۶) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۷۱/۶)

شرح الحديث: قوله: يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً: اس حدیث سے بھی ظاہر ہے تاخیر غسل ثابت ہو رہا ہے جس کے لئے ترجمہ منعقد کیا گیا ہے لیکن مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً میں دونوں احتمال ہیں کہ غسل اور وضو دونوں کی نفی ہو، دوسرا یہ کہ صرف غسل کی نفی مراد ہو، ابھی قریب میں حضرت عائشہ ؓ کی حدیث میں گزرا ہے کہ آپ ﷺ جب حالت جنابت میں نوم کا ارادہ فرماتے تو تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہاں صرف غسل کی نفی مراد لی جائے اور اگر دونوں کی نفی مراد لی جائے تو یہ بیان جواز پر محمول ہوگا، امام نووی ؒ کا میلان اس دوسرے احتمال کی طرف ہے اور امام بیہقی ؒ نے احتمال اول کو اختیار کیا ہے۔

مصنف ؒ کے دعوئے وہم کی توضیح اور اس مقام کی تحقیق:

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «هَذَا الْحَدِيثُ وَهْمٌ»: جاننا چاہئے کہ اس حدیث کے بارے میں جو رائے مصنف ؒ کی ہے وہی رائے امام ترمذی ؒ کی ہے انہوں نے بھی بہت سے علماء سے اس حدیث کا وہم ہونا نقل کیا ہے اور یہی رائے امام احمد بن حنبل ؒ کی ہے بلکہ بعض علماء جیسے ابن المفوز ؒ نے تو اس حدیث کے خطاء ہونے پر محدثین کا اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ اجماع نقل کرنا صحیح نہیں اسلئے کہ اس حدیث کی امام بیہقی ؒ نے تصحیح کی ہے بلکہ انہوں نے تغلیط کرنے والوں کی تردید کی ہے۔

جاننا چاہئے کہ یہ سب حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ اس حدیث میں ابو اسحاق راوی سے غلطی ہوئی، وہ غلطی کیا ہوئی؟ اس کو ابن العربیؒ نے شرح ترمذی میں واضح کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث دراصل طویل تھی جس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی اور پھر اس کے بعد اپنی فہم کے اعتبار سے اس کا اختصار کیا، صورت حال یہ ہے کہ اصل روایت میں اس طرح تھا، حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ وَيُحْيِي آخِرَهُ، ثُمَّ إِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ قَضَى حَاجَتَهُ، ثُمَّ يَنَامُ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ مَاءً [1]، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ شروع شب میں آرام فرماتے اور آخر میں بیدار رہتے پھر اگر آپ کو حاجت ہوتی تو اس کو پورا فرماتے اور پھر سو جاتے قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ مَاءً، ابن العربیؒ [2] کہتے ہیں کہ یہاں پر قضاء حاجت سے مراد بول وبراز کی حاجت ہے اور مطلب یہ ہے کہ حاجت انسانیہ سے فارغ ہو کہ آپ ﷺ آرام فرماتے بغیر مس ماء کے، ابو اسحاق سے یہاں پر یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے حاجت کو بجائے حاجت انسانیہ کے حاجت الی الاہل یعنی وطی پر محمول کیا حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ اسی حدیث کے آخر میں ہے: كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حالت جنابت میں بغیر وضو کے آپ نہ سوتے تھے، تو اب اگر شروع میں حاجت کو حاجت وطی پر محمول کیا جائے اور وَلَا يَمَسُّ مَاءً کو مطلق ماء پر محمول کیا جائے یعنی ماء وضو اور ماء اغتسال دونوں کی نفی مراد لیجائے تو اس صورت میں اول حدیث آخر حدیث کے معارض ہو جائے گی وہ فرماتے ہیں کہ صحیح محمل تو اس حدیث کا یہی تھا کہ اگر حاجت وطی پر محمول کیا جائے تو وَلَا يَمَسُّ مَاءً میں ماء مطلق کی نہیں بلکہ صرف ماء اغتسال کی نفی مراد لی جائے اور اگر حاجت کو حاجت انسانیہ پر محمول کی جائے تب بیشک وَلَا يَمَسُّ مَاءً کو اپنے عموم پر رکھ سکتے ہیں، لیکن ابو اسحاق نے یہ کیا کہ حاجت کو حاجت وطی پر محمول کیا اور وَلَا يَمَسُّ مَاءً کو اپنے عموم پر رکھا غسل اور وضو دونوں کی نفی کر دی اور یہ بات خلاف واقع ہونے کے علاوہ آخر حدیث کے معارض بھی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا معمول حالت جنابت میں بغیر وضو کے سونے کا نہ تھا، یہ تو تشریح ہوئی ان لوگوں کی مراد کی جو اس حدیث کو غلط کہتے ہیں۔

لیکن اس تنقید کا جواب یہ ہے کہ اول حدیث کا آخر حدیث سے معارضہ تو جب لازم آئے گا جب ہم حدیث ابو اسحاق میں وَلَا يَمَسُّ مَاءً کو عموم پر محمول کریں کہ وضو اور غسل دونوں کی نفی ہو رہی ہو لیکن اگر حدیث میں ماء سے خاص ماء اغتسال مراد لیا جائے تو پھر کیا اشکال ہے، اور ابو اسحاق نے یہ کب کہا کہ ماء سے مطلق ماء مراد ہے، تعارض تو اس حدیث میں ناقدین کا خود پیدا کردہ ہے کہ وہ ماء سے مطلق ماء مراد لے کر پھر اول حدیث و آخر حدیث میں تعارض بتلا رہے ہیں، لہٰذا حدیث ابو اسحاق وہم نہ ہوئی، چنانچہ امام بیہقیؒ اور ابو العباس بن سریج کی یہی رائے ہے کہ اس حدیث میں کچھ وہم نہیں ہے، اور وَلَا يَمَسُّ مَاءً میں

---

[1] شرح معاني الآثار - كتاب الطهارة - باب الجنب يريد النوم أو الأكل أو الشرب أو الجماع ٧٦٣ ج ١ ص ١٢٥

[2] عارضة الأحوذي شرح صحيح الترمذي - ج ١ ص ١٨١ - ١٨٢

صرف ماء اغتسال کی نفی ہے، وضو کی نفی نہیں اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ایک شکل یہ بھی ہے کہ یہاں مطلق ماء کی نفی مراد لی جائے اور اس کو بیان جواز پر محمول کیا جائے کہ گاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بھی کیا ہے عادت مراد نہیں [1]، لیکن احقر کو اس میں یہ اشکال ہے کہ اس توجیہ سے تو ناقدین کا اصل اشکال پھر لوٹ آئے گا یعنی اول حدیث اور آخر حدیث میں تعارض، کیونکہ یہاں پر گفتگو ایک خاص حدیث کو سامنے رکھ کر ہو رہی ہے، مطلقاً مسئلہ کی حیثیت سے نہیں، حضرت سہارنپوریؒ نے بھی بذل میں امام بیہقیؒ وغیرہ کی رائے کو اختیار فرمایا ہے اور اس میں حضرت ناقدین حدیث کے ہمنوا نہیں۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ ابو اسحاق کی یہ روایت مطولہ مسلم شریف میں بھی ہے جس کے لفظ یہ ہیں ثُمَّ إِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى أَهْلِهِ قَضَى حَاجَتَهُ [2]، اس روایت میں إِلَى أَهْلِهِ موجود ہے اب اسکے معنی وطی کے متعین ہو گئے، لیکن مسلم شریف کی اس روایت میں اسکے بعد وَلَا يَمَسُّ مَاءً جملہ نہیں ہے جس کی وجہ سے سارا اشکال کھڑا ہوا تھا۔

امام طحاویؒ کی رائے: نیز جاننا چاہئے کہ امام طحاویؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ اس روایت میں ابو اسحاق سے غلطی ہوئی، مگر ان کے نزدیک غلطی یہ نہیں کہ ابو اسحاق نے حاجت کا مطلب غلط سمجھا، حاجت کا مفہوم تو امام طحاویؒ کے نزدیک بھی جماع ہی ہے لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ ابو اسحاق کا وَلَا يَمَسُّ مَاءً کے ذریعہ وضو اور غسل ہر دو کی نفی کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ دوسری روایات کے خلاف ہے، دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت میں وضو کے بعد ہی آرام فرماتے تھے نہ کہ قبل الوضو، لیکن پھر امام طحاویؒ نے آگے چل کر لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابو اسحاق کی مراد وَلَا يَمَسُّ مَاءً سے صرف غسل ہی کی نفی ہو [3]، لہٰذا پھر کوئی اشکال نہیں رہے گا، یہ وہی بات ہو گئی جو بندہ نے شروع میں کہی تھی کہ تعارض تو ناقدین کا خود پیدا کردہ ہے، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں امام طحاویؒ کی رائے نقل نہیں فرمائی بلکہ صرف قاضی ابوبکر ابن العربیؒ کی رائے شوکانیؒ کے کلام سے اور بیہقیؒ کی رائے خود ان کی کتاب سے نقل فرمائی، ہاں البتہ صاحب معارف السنن نے امام طحاویؒ کا کلام اور ان کی رائے نقل کی ہے، انہوں نے اس موضوع پر کافی طویل بحث کی ہے۔

٩٠ـ بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَقْرَأُ [الْقُرْآنَ]

باب جنبی کے قرآن کی تلاوت کے حکم کے بیان میں

حالت جنابت میں اذکار و ادعیہ کا پڑھنا بالاجماع جائز ہے لیکن تلاوت قرآن مختلف فیہ ہے، مذاہب اس میں یہ ہیں کہ داؤد ظاہری کے نزدیک مطلقاً جائز ہے اور یہی مروی ہے ابن عباسؓ، سعید بن المسیبؒ اور عکرمہ سے، اور امام شافعیؒ کے یہاں مطلقاً

---

[1] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٣ ص ٢١٨

[2] صحيح مسلم - كتاب صلاة المسافرين وقصرها - باب صلاة الليل، وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل الخ ٧٣٩

[3] شرح معاني الآثار - ج ١ ص ١٢٥

حرام ہے ولو حرفاً، امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں ایک مثل شافعیہ کے، دوسری روایت مادون الآیۃ کے جواز کی ہے، اسی طرح ہمارے یہاں بھی دو روایتیں ہیں، چنانچہ امام طحاویؒ نے مادون الآیۃ کی اباحت نقل کی ہے اور امام کرخیؒ نے عدم جواز، اور امام مالکؒ کے نزدیک آیت یا آیتین پڑھنے کی گنجائش ہے، (کذا فی المیزان الکبریٰ للشعرانی [1])۔

جاننا چاہئے کہ امام بخاریؒ کا میلان اس مسئلہ میں مطلق جواز کی طرف ہے چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں متعدد روایات اور آثار ذکر فرمائے ہیں، نیز كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ [2] سے بھی استدلال کیا ہے اسی طرح ابن المنذرؒ اور ابن جریر طبریؒ کی رائے بھی یہی ہے، نیز طبری نے منع کی روایات کو اولویت پر محمول کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ مصنفؒ نے اس مسئلے میں حائض کا حکم بیان نہیں کیا، امام ترمذیؒ نے ایک ہی ترجمۃ الباب میں دونوں کو ذکر فرمایا ہے بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُنُبِ وَالْحَائِضِ أَنَّهُمَا لَا يَقْرَآنِ الْقُرْآنَ، حائض کا حکم جمہور کے یہاں وہی ہے جو جنبی کا ہے البتہ اس میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے انکے نزدیک حائض کیلئے مطلقاً جائز ہے اسلئے کہ مدت حیض طویل ہوتی ہے اگر اس عرصہ کے اندر مطلقاً نہیں پڑھے گی تو نسیان کا خوف ہے جس پر وعید وارد ہوئی ہے بخلاف جنابت کے کہ وہ ایک وقتی چیز ہے اسکا ازالہ آدمی کے اختیار میں ہے۔ (کذا فی المنہل [3])۔

۲۲۹ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلِمَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَا وَرَجُلَانِ، رَجُلٌ مِنَّا وَرَجُلٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ أَحْسَبُ، فَبَعَثَهُمَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَجْهًا، وَقَالَ: إِنَّكُمَا عِلْجَانِ، فَعَالِجَا عَنْ دِينِكُمَا، ثُمَّ قَامَ فَدَخَلَ الْمَخْرَجَ ثُمَّ خَرَجَ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَخَذَ مِنْهُ حَفْنَةً فَتَمَسَّحَ بِهَا، ثُمَّ جَعَلَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَأَنْكَرُوا ذَلِكَ، فَقَالَ: "إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ، وَيَأْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهُ - أَوْ قَالَ: يَحْجُزُهُ - عَنِ الْقُرْآنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ".

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں اور دو اور آدمی حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک ہمارے قبیلے (بنی مراد) کا اور دوسرا شخص قبیلہ بنو اسد کا تھا تو حضرت علیؓ نے ان دونوں کو کسی جگہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور فرمایا کہ تم دونوں قوی آدمی ہو لہٰذا دین کی خدمت میں اپنی قوت استعمال کرو۔ پھر حضرت علیؓ اٹھے اور بیت الخلاء تشریف لے گئے فراغت کے بعد باہر آئے اور پانی طلب کیا پھر اس میں سے ایک چلو لے کر (ہاتھ اور چہرہ کا)

---

[1] كتاب الميزان الكبرى للشعراني - ج ۱ ص ۳۷۶-۳۷۷

[2] صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب ذكر الله تعالى في حال الجنابة وغيرها ۳۷۳. صحيح البخاري - كتاب الحيض - باب تقضي الحائض المناسك كلها إلا الطواف بالبيت تعليقا

[3] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ۲ ص ۳۰۳

مسح کیا اور پھر قرآن شریف پڑھنے لگے لوگوں نے اس کو اوپر جانا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ بسا اوقات بیت الخلاء سے آنے کے بعد ہمیں قرآن شریف پڑھاتے تھے اور ہمارے ساتھ گوشت (وغیرہ) کھاتے پیتے تھے اور کوئی چیز آپ کیلئے قرأت قرآن سے مانع نہ ہوتی تھی بجز جنابت کے۔ یا (راوی کو شک ہے کہ يَحْجُبُهُ کی بجائے) يَحْجِزُهُ فرمایا۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (١٤٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٦٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٦٦) سنن أبي داود - الطهارة (٢٢٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٩٤) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٨٣/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٨٤/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٩٠/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٠٧/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٢٤/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٤/١)

شرح الحديث قوله: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلِمَةَ: یہ سلمہ بکسر اللام ہے کتب رجال میں اس کی تصریح ہے، اور امام نوویؒ نے شرح مسلم کے مقدمہ میں اس فصل میں جس میں انہوں نے اسماء مشتبہ کے اصول لکھے ہیں تحریر فرمایا ہے کہ سلمہ ہر جگہ بفتح اللام ہے بجز عمرو بن سلمہ (جن کی امامت کا قصہ حالت صغر میں کتب حدیث میں مشہور ہے) اور بنو سلمہ کے یہ دونوں بکسر اللام ہیں لیکن انہوں نے عبد اللہ بن سلمہ کا استثنا نہیں کیا اس لئے کہ جو ضابطہ انہوں نے لکھا ہے وہ صرف رجال صحیحین سے متعلق ہے اور یہ عبد اللہ بن سلمہ کتب سنن کے راوی ہیں۔ (الفیض السمائی)

قوله: رَجُلٌ مِنَّا وَرَجُلٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ أَحْسَبُ: عبد اللہ بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور دو شخص جن میں ایک ہمارے قبیلے یعنی قبیلہ مراد کا اور دوسرا شخص قبیلہ بنو اسد کا تھا، ان دونوں کو حضرت علیؓ نے کسی جگہ بھیجنے کا ارادہ فرمایا، اور فرمایا کہ تم قوی اور مضبوط آدمی ہو لہٰذا دین کی خدمت کرو (یہ بات ہوگئی اس کے بعد راوی کہتا ہے) پھر حضرت علیؓ اٹھے اور مخرج یعنی بیت الخلاء تشریف لے گئے فراغت کے بعد باہر آئے اور پانی طلب کیا پانی حاضر خدمت ہونے پر اس میں سے ایک چلو لے کر (ہاتھوں اور چہرہ کا) مسح کیا اور پھر قرآن شریف پڑھنے لگے، اس پر (یعنی بلا وضو تلاوت پر) لوگوں نے اشکال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ بسا اوقات بیت الخلاء سے آنے کے بعد ہم کو قرآن شریف پڑھاتے تھے اور کھاتے پیتے بھی تھے اور کوئی چیز آپ کیلئے قرأت قرآن سے مانع نہ ہوتی لَيْسَ الْجَنَابَةَ، بجز جنابت کے۔

٩١ - بَابٌ فِي الْجُنُبِ يُصَافِحُ

باب جنبی کے مصافحہ کرنے کے بارے میں

جنبی کا ظاہر جسم پاک ہے جنابت ایک معنوی نجاست ہے لہٰذا جنبی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا مصافحہ کرنا سب جائز ہے جیسا کہ حدیث الباب سے معلوم ہو رہا ہے۔

٢٣٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَقِيَهُ فَأَهْوَى إِلَيْهِ، فَقَالَ: إِنِّي جُنُبٌ، فَقَالَ: «إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ».

ترجمہ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ان سے ملاقات ہوگئی تو آپ ﷺ ان کی طرف مصافحہ کیلئے مائل ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ میں جنبی ہوں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

تخریج صحیح مسلم - الحیض (۳۷۲) سنن النسائي - الطهارة (۲٦۷) سنن النسائي - الطهارة (۲٦۸) سنن أبي داود - الطهارة (۲۳۰) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۳۵) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۳۸٤/۵) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤۰۲/۵)

شرح الحدیث: قوله: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فَأَهْوَى إِلَيْهِ: حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی مجھ سے ملاقات ہوئی اس پر حضور ﷺ حذیفہؓ کی طرف مصافحہ کیلئے مائل ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ میں جنب ہوں۔ یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے لقاء کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی، یہ ادب کے خلاف ہے ملاقات چھوٹے کیا کرتے ہیں بڑوں سے نہ کہ برعکس، جواب یہ ہے کہ ایسا انہوں نے قصداً کہا اس لئے وہ اپنے نزدیک اس حال میں نہیں تھے کہ حضور ﷺ سے ملاقات کریں کیونکہ حالت جنابت میں تھے۔

قوله: إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان ناپاک نہیں ہوتا یعنی جنابت کی وجہ سے اس کا ظاہر جسم ناپاک نہیں ہوتا کہ مصافحہ وغیرہ سے مانع ہو، حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے (بطریق المفهوم) بعض ظاہریہ نے کافر کی نجاست پر استدلال کیا ہے کہ وہ نجس العین ہے نیز انہوں نے باری تعالیٰ کے قول إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ [1] سے بھی استدلال کیا ہے جواب یہ ہے کہ حدیث میں آپ کی مراد لا ینجس سے تجافی عن النجاسة ہے یعنی مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ نجاست سے بچتا ہے بخلاف کافر کے کہ نجاست سے بچنا اس کا شعار نہیں، یا یہ کہا جائے کہ حدیث میں مؤمن کی تخصیص کافر کے مقابلے میں نہیں ہے بلکہ صرف اس حیثیت سے ہے کہ چونکہ خطاب اسی کے ساتھ ہو رہا ہے، اور آیت کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میں نجاست سے اعتقاد اور باطن کی نجاست مراد ہے [2]۔

۲۳۱ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، وَبِشْرٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَأَنَا جُنُبٌ، فَاخْتَنَسْتُ فَذَهَبْتُ فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ جِئْتُ فَقَالَ: «أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟» قَالَ: قُلْتُ: إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ. فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ، إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ» وَقَالَ فِي حَدِيثِ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، حَدَّثَنِي بَكْرٌ.

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجھ سے مدینہ کے ایک راستے میں ملاقات ہوگئی اس

---

[1] مشرک جو ہیں سو پلید ہیں (سورۃ التوبۃ ۲۸)

[2] فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ۱ ص ۳۹۰

حالت میں کہ میں جنبی تھا تو میں پیچھے ہٹ گیا پس میں گیا اور غسل کر کے آیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابو ہریرہ تم کہاں تھے؟ میں نے عرض کیا کہ میں جنابت سے تھا تو مجھے یہ بات ناپسندیدہ معلوم ہوئی کہ میں آپ کے ساتھ بغیر طہارت کے بیٹھوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔ اور (امام ابوداودؒ نے) فرمایا کہ بشر کی حدیث میں سند اسطرح ہے حدثنا حمید قال حدثني بكر الخ یعنی بشر راوی نے اس حدیث کو حدثنا کے صیغہ کے ساتھ نقل کیا ہے جبکہ یحیٰی راوی نے اس حدیث کو معنعن نقل کیا تھا۔

صحيح البخاري - الغسل (٢٧٩) صحيح البخاري - الغسل (٢٨١) صحيح مسلم - الحيض (٣٧١) جامع الترمذي - الطهارة (١٢١) سنن النسائي - الطهارة (٢٦٩) سنن أبي داود - الطهارة (٢٣١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٣٤) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٣٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٣٨٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٧١)

٩٢ - بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ

باب جنبی کے مسجد میں داخل ہونے کے (حکم کے) بیان میں

جنابت کے احکام چل رہے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ حالت جنابت میں آدمی مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، سو اس میں علماء کے تین مذہب ہیں:

مذاہب ائمہ اور ہر ایک کی دلیل: جاننا چاہئے کہ یہاں دو چیزیں ہیں: ایک مرور، دوسرے مکث، امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک جنب اور حائض کے لئے مطلقاً کوئی خاص ضرورت ہو یا نہ ہو وضو سے ہو یا بلا وضو دخول اور مرور فی المسجد جائز ہے البتہ حائض کے لئے شرط ہے کہ تلویث مسجد کا خوف نہ ہو، دوسرا مذہب ہے حنفیہ اور مالکیہ کا، ان کے یہاں جنب اور حائض کے لئے مرور فی المسجد جائز نہیں، مگر کسی ضرورت اور مجبوری کی بناء پر، دوسری چیز ہے مکث فی المسجد یعنی جنبی کا مسجد میں ٹھہرنا، اٹھنا، بیٹھنا، سو یہ جمہور علماء اور ائمہ ثلاث حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، کے یہاں ناجائز ہے حنابلہ اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک جائز ہے لیکن بعد الوضو، داؤد ظاہری اور مزنی وغیرہ کے نزدیک جنب اور حائض دونوں کیلئے مرور اور مکث دونوں مطلقاً جائز ہیں، منہل میں مذاہب ائمہ اسی طرح لکھے ہیں [1]، اب یہاں دو اختلاف ہیں، ایک حنفیہ وشافعیہ کا تقابل اور ایک تقابل جمہور علماء ائمہ ثلاثہ اور حنابلہ کا، دونوں کی دلیل سنیے، مصنفؒ نے اس باب میں حضرت عائشہؓ کی حدیث مرفوع ذکر فرمائی ہے جس کے اخیر میں ہے إِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ، یہ حدیث اس مسئلے میں جمہور علماء کی دلیل ہے اور حنابلہ وظاہریہ کے خلاف ہے، بذل میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی ابن خزیمہؒ نے تصحیح اور ابن القطانؒ اور ابن سید الناسؒ نے تحسین کی ہے، لیکن ابن حزم ظاہری نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کے اندر ایک راوی ہیں افلت بن خلیفہ جو

[1] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ٢ ص ٣١٢-٣١٣

مجہول ہیں قابل استدلال نہیں، خطابی شارح ابوداؤد کہتے ہیں کہ تضعیف کرنیوالوں کی یہ بات درست نہیں اس لئے کہ افلت کی ابن حبانؒ وامام احمد بن حنبلؒ وغیرہ محدثین نے توثیق کی ہے، اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے بھی تضعیف کرنے والوں کی تردید کی ہے، پس صحیح یہ ہے کہ یہ راوی مجہول نہیں بلکہ ثقہ اور مشہور ہیں۔

اب حنفیہ اور شافعیہ کا تقابل لیجئے، شافعیہ جو جواز مرور کے قائل ہیں ان کا استدلال آیت کریمہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ [1] سے ہے وہ کہتے ہیں کہ صلوۃ سے مراد موضع صلوۃ یعنی مسجد ہے اور عَابِرِيْ سَبِيْلٍ سے یہی عبور ومرور مراد ہے لہذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنب کے لئے مرور فی المسجد جائز ہے، ہمارے علماء نے اس کا جواب دیا کہ آپ کا استدلال حذف مضاف پر مبنی ہے اور ہمارے نزدیک یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے صلوۃ سے صلوۃ ہی مراد ہے موضع صلوۃ مراد نہیں اور عَابِرِيْ سَبِيْلٍ سے مراد مسافرین ہیں، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہیے مگر یہ کہ آدمی مسافر ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو پھر اس کو تیمم کرنا چاہیے، تیمم میں مسافر کی قید اس لئے لگائی گئی کہ عام طور سے سفر ہی میں عدم وجدان ماء کی حالت پیش آتی ہے، لہذا آیت کریمہ کا مفہوم بغیر حذف مضاف کے بالکل صاف اور واضح ہے، اس پر انہوں نے یہ اشکال کیا کہ عَابِرِيْ سَبِيْلٍ سے اگر مسافر مراد لیا جائے تو پھر آیت میں مسافر کے اعتبار تکرار ہو جائے گا کیونکہ آگے پھر مسافر کا ذکر ہے وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ، جواب یہ ہے کہ تکرار کوئی ایسی قبیح چیز نہیں کہ اس سے بچنا ضروری ہو، البتہ اسکے لئے کوئی نکتہ ہونا چاہئے سو یہاں نکتہ یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ مریض کا حکم بیان کرنا تھا اور مریض واجد الماء ہونے کے باوجود تیمم کرتا ہے تو اس کے ساتھ مسافر کو دوبارہ اس لئے ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ واجد الماء یعنی مریض اور عادم الماء یعنی مسافر دونوں باعتبار حکم کے یکساں ہیں، لہذا مریض کو جواز تیمم میں وجدان ماء کی وجہ سے کوئی تردد نہ ہونا چاہئے مطمئن ہو کر تیمم کر لے۔

٢٣٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا الْأَفْلَتُ بْنُ خَلِيفَةَ قَالَ: حَدَّثَتْنِي جَسْرَةُ بِنْتُ دَجَاجَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ: جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُجُوهُ بُيُوتِ أَصْحَابِهِ شَارِعَةٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: «وَجِّهُوا هَذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ» . ثُمَّ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَصْنَعِ الْقَوْمُ شَيْئًا رَجَاءَ أَنْ تَنْزِلَ فِيهِمْ رُخْصَةٌ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ بَعْدُ فَقَالَ: «وَجِّهُوا هَذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ، فَإِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هُوَ فُلَيْتٌ الْعَامِرِيُّ.

ترجمہ جسرہ بنت دجاجہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ کرامؓ کے حجروں کے (دروازوں کے) رخ مسجد کیطرف تھے یعنی دروازے مسجد میں کھلتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے (سورۃ النساء ٤٣)

ارشاد فرمایا کہ ان گھروں کے دروازوں کو مسجد سے ہٹا (کر دوسری طرف کھول) دو پھر آپ ﷺ (دوبارہ) تشریف لائے لیکن صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم ﷺ کے اس حکم پر اس توقع سے عمل نہ کیا کہ شاید اس سلسلے میں کوئی رخصت نازل ہو جائے چنانچہ آپ ﷺ صحابہ کی طرف آئے اور پھر وہی فرمایا کہ ان گھروں کے رخ مسجد سے پھیر دو کیونکہ میں مسجد میں حائضہ یا جنبی کا داخل ہونا حلال نہیں کرتا۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں افلت راوی سے مراد فلیت عامری ہے۔

شرح الحديث حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ ابتداء میں جن صحابہ کرامؓ کے حجرات مسجد نبوی کے ارد گرد تھے ان کے دروازے مسجد کے صحن کی طرف کھلے ہوئے تھے، ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا: وَجِّهُوا هَذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ کہ ان گھروں کے دروازوں کو مسجد کی طرف سے ہٹا کر دوسری جانب کھول لو، اس لئے کہ اس صورت میں بعض مرتبہ جنب اور حائض کا مرور فی المسجد لازم آئے گا لیکن صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کے اس حکم پر اس توقع سے عمل نہیں کیا کہ شاید اس سلسلے میں کوئی رخصت نازل ہو جائے، پھر اس کے بعد دوسری مرتبہ حضور ﷺ کا اس طرف کو گزر ہوا تو آپ ﷺ نے دوبارہ وہی بات ارشاد فرمائی کہ دروازوں کے رخ پھیر دو، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس پر حکم کی تعمیل کی۔

جاننا چاہئے کہ یہ جو اس باب میں مسئلہ چل رہا ہے یعنی جنبی کیلئے دخول مسجد کی ممانعت، اس حکم سے حضور اقدس ﷺ اور حضرت علیؓ مستثنیٰ ہیں، چنانچہ ترمذی میں مناقب علیؓ میں ایک روایت وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: يَا عَلِيُّ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُجْنِبَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِي وَغَيْرِكَ [1]، معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اور حضرت علیؓ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ بحالت جنابت مسجد میں آ جا سکتے ہیں، حضرت شیخؒ حاشیہ لامع میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس خصوصیت کی تصریح ہمارے علماء میں سے علامہ شامیؒ نے بھی کی ہے، نیز علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ روافض کا یہ کہنا کہ یہ حکم تمام اہلبیت کیلئے عام ہے اور یہ کہ لبس حریر بھی ان سب کیلئے جائز ہے غلط ہے مخترعات شیعہ میں سے ہے۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ حدیث الباب میں تحویل ابواب کا حکم مطلقاً وارد ہوا ہے، باب علیؓ یا باب ابو بکرؓ کا اس میں استثنا مذکور نہیں جو ترمذی کے اندر مناقب علیؓ میں بروایت ابن عباسؓ موجود ہے أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَرَ بِسَدِّ الْأَبْوَابِ إِلَّا بَابَ عَلِيٍّ [2]، گو ابن الجوزی نے اس پر وضع کا حکم لگایا ہے کہ یہ روافض کا اختراع ہے جو انہوں نے باب ابی بکر کے استثناء کے مقابلہ میں کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کی تردید کی ہے انہوں نے باب علیؓ کے استثناء کے سلسلہ میں متعدد روایات ذکر کی ہیں اور ان سب کو ذکر کرنے کے بعد کہا کہ ان سب احادیث کے طرق قابل استدلال ہیں اور ایک کی دوسرے سے تقویت ہو رہی ہے، اور باب ابی بکرؓ کے استثناء کی روایت تو بخاری شریف میں ہے، بخاری کی ایک روایت میں جو

---

[1] جامع الترمذي - كتاب المناقب - باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، يقال وله كنيتان: أبو تراب، وأبو الحسن ٣٧٢٧

[2] جامع الترمذي - كتاب المناقب - باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، يقال وله كنيتان: أبو تراب، وأبو الحسن ٣٧٣٢

کتاب المناقب میں ہے لفظ باب کے ساتھ استثناء وارد ہے اور ایک روایت میں لفظ خوخہ کے ساتھ لَا تُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةُ أَبِي بَكْرٍ[1]، اور اسی طرح ترمذی میں بھی ہے، اب ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے کہ ایک جگہ صرف باب علیؓ کا استثناء فرمایا گیا اور دوسری روایت میں صرف باب ابو بکرؓ یا خوخہ ابی بکر کا، حافظؒ[2] وغیرہ شراح نے جمع بین الروایتین اس طور پر کیا ہے کہ شروع میں آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ کو جن کے ابواب مسجد کی طرف مفتوح تھے تحویل ابواب کا حکم دیا بجز حضرت علیؓ کے، چنانچہ اس پر عمل درآمد ہو گیا، لیکن اس سب حضرات نے یہ کیا کہ اپنے گھروں میں مسجد کی طرف خوخات یعنی کھڑکیاں کھول لیں، حضور ﷺ نے ان کو بھی بند کرنے کا حکم فرمایا، مگر اس مرتبہ خوخہ ابی بکر کا استثناء فرمادیا کہ ان کی کھڑکی مسجد کی جانب کھلی رہے تو کچھ حرج نہیں یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خصوصیت تھی اور حضرت علیؓ کی خصوصیت تو شروع ہی میں فرمادی گئی کہ ان کا اصل دروازہ مسجد کی طرف باقی رکھا جائے اور اسی طرح یہ بھی کہ ان کے لئے بحالت جنابت مسجد میں آنا جانا مباح ہے، یہ بڑی اچھی توجیہ ہے جو شراح حدیث نے فرمائی ہے۔

قولہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هُوَ فُلَيْتٌ الْعَامِرِيُّ: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ سند میں جو افلت بن خلیفہ راوی آئے ہیں یہ وہی ہیں جو فلیت عامری سے مشہور ہیں، میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اس سے اشارہ ہو ان لوگوں کے رد کی طرف جو ان کو مجہول اور غیر معروف کہتے ہیں۔

۹۳- بَابٌ فِي الْجُنُبِ يُصَلِّي بِالْقَوْمِ وَهُوَ نَاسٍ

﴿باب ہے کہ جنبی آدمی [جنابت کی حالت میں] بھول کر لوگوں کو نماز پڑھانے لگے (تو اس کا کیا حکم ہے؟)﴾

یعنی کوئی شخص اپنا جنبی ہونا بھول جائے اور بغیر غسل کے نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ جاننا چاہئے کہ یہ باب اور اس کی احادیث فقہی حیثیت سے اہمیت رکھتی ہیں، مسئلہ بھی مختلف فیہ اور باب کی روایات میں بھی اختلاف ہے، مسئلۃ الباب کی وضاحت سے قبل باب کی حدیث اول کا مفہوم سمجھ لیجئے۔

۲۳۳ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ زِيَادٍ الْأَعْلَمِ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «دَخَلَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ أَنْ مَكَانَكُمْ، ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلَّى بِهِمْ».

ترجمہ: ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر شروع کرائی اور پھر آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے (صحابہ کو) سمجھایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہیں پھر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی

---

[1] صحيح البخاري - كتاب فضائل الصحابة - باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة ۳۶۹۱، صحيح مسلم - كتاب فضائل الصحابة - باب من فضائل أبي بكر رضي الله عنه ۲۳۸۲

[2] فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ۷ ص ۱۴-۱۵

ٹپک رہا تھا پھر صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔

٢٣٤ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ، قَالَ: فِي أَوَّلِهِ: «فَكَبَّرَ». وَقَالَ فِي آخِرِهِ: "فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: «إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنِّي كُنْتُ جُنُبًا»". قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: "فَلَمَّا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ، وَانْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ انْصَرَفَ، ثُمَّ قَالَ: «كَمَا أَنْتُمْ»". قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ أَيُّوبُ، وَابْنُ عَوْنٍ، وَهِشَامٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ مُرْسَلًا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «فَكَبَّرَ ثُمَّ أَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى الْقَوْمِ أَنِ اجْلِسُوا، فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ». وَكَذَلِكَ رَوَاهُ مَالِكٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «كَبَّرَ فِي صَلَاةٍ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَلِكَ حَدَّثَنَاهُ مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَنَّهُ كَبَّرَ».

ترجمہ: حماد بن سلمہ مذکورہ حدیث جیسی سند اور اسی کی طرح روایت بیان فرماتے ہیں اور اسکے شروع میں فرق یہ ہے کہ یزید راوی نے کہا جب آپ ﷺ تکبیر تحریمہ سے فارغ ہوگئے (تو آپ غسل کیلئے تشریف لے گئے) اور آخر میں فرق یہ ہے کہ یزید راوی نے کہا جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا میں بھی انسان ہوں اور میں حالت جنابت میں تھا، اور امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ زہری نے اس کو ابوسلمہ کے واسطہ سے اور انہوں نے ابوہریرہؓ کے واسطہ سے بیان کیا کہ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ اپنی جائے نماز پر کھڑے ہوگئے اور ہم لوگ تکبیر کا انتظار کرنے لگے تو آپ ﷺ وہاں سے پھر گئے اور فرمایا کہ تم اپنی جگہوں پر جسطرح ہو اسی طرح رہو۔ اور ایوب اور ابن عون اور ہشام نے اس کو محمد بن سیرین کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا کہ آپ ﷺ نے تکبیر کہی پھر لوگوں کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں پھر باہر تشریف لے گئے پھر غسل فرمایا اور اسی طرح روایت کی مالک نے اسماعیل بن ابی حکیم کے واسطے سے اور انہوں نے عطاء بن یسار سے کہ عطاء بن یسار تابعی نے مرسلا نقل فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں تکبیر کہی تھی۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ مسلم بن ابراہیم نے اپنی سند کے ساتھ ربیع بن محمد تابعی سے نبی اکرم ﷺ سے مرسلا حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ تکبیر تحریمہ فرما چکے تھے۔

تخریج: صحيح البخاري - الغسل (٢٧١) صحيح البخاري - الأذان (٦١٣) صحيح البخاري - الأذان (٦١٤) صحيح مسلم - المساجد ومواضع الصلاة (٦٠٥) سنن النسائي - الإمامة (٧٩٢) سنن النسائي - الإمامة (٨٠٩) سنن أبي داود - الطهارة (٢٣٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٣٣٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٥١٨) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٥/٤١) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٥/٤٥).

شرح الأحاديث: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «دَخَلَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ أَنْ مَكَانَكُمْ، ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلَّى بِهِمْ»: یعنی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز شروع کرائی اور پھر فوراً یاد آیا کہ آپ ﷺ

حالت جنابت میں ہیں اسی وقت آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے صحابہ کرامؓ کو سمجھایا کہ اپنی اپنی جگہ کھڑے رہیں اور پھر فوری غسل فرما کر واپس تشریف لائے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اور آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کے فساد کو مستلزم ہے یا نہیں؟ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ حالت جنابت ہی میں نماز شروع کرا چکے تھے اور پھر بعد میں یاد آنے پر غسل فرما کر شروع کردہ نماز کو پورا کرادیا یعنی اس پر بناء فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ امام کی نماز کا فساد مقتدی کی نماز کے فساد کو مستلزم نہیں، چنانچہ شافعیہ وغیرہ جمہور علماء کا مسلک یہی ہے لہذا یہ حدیث حنفیہ کے خلاف اور جمہور کے موافق ہوئی، اب احناف کو جواب کی فکر کرنی چاہئے، جواب یہ ہے کہ غالباً معترض کو اس مسئلے کی تحقیق نہیں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر معلوم ہوا کہ امام کی نماز کسی وجہ سے فاسد ہو گئی ہے تو اس صورت میں جمہور یہ کہتے ہیں کہ مقتدیوں کی نماز درست ہے فاسد نہیں ہوئی اور حنفیہ کے یہاں امام کے ساتھ مقتدیوں کی بھی نماز گئی، اصل مسئلہ تو یہ ہے اور اس حدیث میں جو صورت پیش آئی وہ یہ نہیں ہے یہاں تو نماز شروع کرنے کے بعد نماز کے دوران ہی میں امام کو یاد آ گیا اور پھر طہارت حاصل کرنے کیلئے چلا گیا، "فاین هذا من ذالك" اب رہی یہ بات کہ جو صورت اس حدیث میں مذکور ہے اس میں ائمہ کی کیا رائے ہے، سو جاننا چاہئے کہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز شروع کرنے کے بعد اگر امام کو حدث سابق اثناء صلوۃ میں یاد آئے تو ان دونوں کے نزدیک نماز باطل ہو گئی اور تحصیل طہارت کے بعد استیناف واجب ہے بناء جائز نہیں، شافعیہ کا بھی صحیح مسلک یہی ہے کہ نماز باطل ہو گئی اور استیناف واجب ہو گا، چنانچہ ابن رسلانؒ نے خود امام شافعیؒ سے ان کا مسلک یہی نقل کیا ہے لیکن ابن قدامہ نے مغنی میں شافعیہ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ ان کے یہاں مقتدیوں کی نماز باطل نہیں ہوتی بلکہ اسی نماز پر بناء کر سکتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ ان کی کوئی روایت ہو، اب رہ گیا مسلک امام مالکؒ کا وہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت پیش آنے پر دو طریقے ہیں کہ یا تو مقتدی اپنی نماز فرادی فرادی پوری کر لیں یا کسی ایک کو ان میں سے نائب بنا کر اپنی نماز کو پوری کر لیں، حاصل یہ کہ ان کے یہاں نماز باطل نہیں ہو گی، اسی پر بناء کر سکتے ہیں، لیکن اگر مقتدی امام کا انتظار کریں تو ان کے یہاں بھی مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی، اور حدیث الباب میں بھی ایسا ہی ہے کہ انہوں نے امام کا انتظار کیا، تو اب خلاصہ یہ ہوا کہ صورت مذکورہ فی الحدیث میں مقتدیوں کی نماز ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہوئی، لہذا یہ حدیث سب ہی کے خلاف ہوئی اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں: ① یہ کہ روایات صحیحہ جو صحیحین وغیرہ میں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ابھی تک نماز میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے بلکہ صرف مصلے میں داخل ہوئے تھے اسی وقت آپ ﷺ کو یاد آ گیا لہذا سارا اشکال ہی رفع ہو گیا، چنانچہ آگے اسی باب میں کئی روایتیں ایسی آرہی ہیں جن میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ مصلی اور مقام صلوۃ ہی میں پہنچے تھے کہ آپ کو اپنی جنابت یاد آ گئی لہذا حدیث کسی کے بھی خلاف نہیں، ② یہ کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آپ

ﷺ نماز میں داخل ہو چکے تھے تو پھر ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ ﷺ نے اپنی نماز پر بناء کی بلکہ نماز کا استیناف فرمایا، چنانچہ ابن حبان کی روایت میں استیناف صلوۃ کی تصریح ہے یہ جو کچھ مسئلے کی تحقیق و تفصیل ہم نے بیان کی اسی طرح حضرت شیخؒ نے حاشیۂ بذل اور اس کے علاوہ لامع الدراری اور أوجز المسالك میں تحریر فرمائی ہے۔

امام محمدؒ کا استنباط: جاننا چاہئے کہ امام محمدؒ نے مؤطا محمد [1] میں حدیث الباب کو حدث فی الصلوۃ پر محمول کیا ہے اور پھر اس سے جواز البناء فی الصلوۃ کا مسئلہ مستنبط کیا ہے جس کے حنفیہ قائل ہیں اور جمہور نہیں جس کی تفصیل باب الحدث فی الصلوۃ میں ہمارے یہاں گزر چکی، مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ نے حاشیۂ مؤطا میں اس استنباط کو رد فرمایا ہے، اور اس سب بحث کو حضرت سہارنپوریؒ نے بذل [2] میں نقل فرمایا ہے اور حضرت نے اس میں امام محمدؒ کی جانب سے مدافعت فرمائی ہے اور یہ لکھا ہے کہ مولانا عبدالحیؒ صاحب کے جتنے اشکالات ہیں وہ سب اس بات پر مبنی ہیں کہ وہ مؤطا محمد کی روایت کو اور اس کے علاوہ دوسری کتب صحاح میں اس سلسلے کی جو روایات وارد ہوئی ہیں ان سب کو وہ وحدت واقعہ پر محمول کر رہے ہیں لیکن اگر ان روایات کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے تو پھر امام محمدؒ کی رائے میں کوئی اشکال نہ ہوگا اور امام محمدؒ نے روایت کے جو الفاظ مؤطا میں ذکر فرمائے ہیں ان کو حدث فی الصلوۃ پر بلا کسی تردد کے محمول کیا جا سکتا ہے، ہاں جو اس کے علاوہ یہ دوسری روایات ہیں ان کو بے شک حدث فی الصلوۃ پر محمول نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان میں سے بعض میں جنابت اور غسل کی تصریح ہے۔

٢٣٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا الزُّبَيْدِيُّ، ح وحَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْأَزْرَقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، ح وحَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ إِمَامُ مَسْجِدِ صَنْعَاءَ، حَدَّثَنَا رَبَاحٌ، عَنْ مَعْمَرٍ، ح وحَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ كُلُّهُمْ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: "أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، وَصَفَّ النَّاسُ صُفُوفَهُمْ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا قَامَ فِي مَقَامِهِ ذَكَرَ أَنَّهُ لَمْ يَغْتَسِلْ فَقَالَ لِلنَّاسِ: «مَكَانَكُمْ». ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ، فَخَرَجَ عَلَيْنَا يَنْطُفُ رَأْسُهُ، وَقَدِ اغْتَسَلَ وَنَحْنُ صُفُوفٌ وَهَذَا لَفْظُ ابْنِ حَرْبٍ، وَقَالَ عَيَّاشٌ فِي حَدِيثِهِ «فَلَمْ نَزَلْ قِيَامًا نَنْتَظِرُهُ حَتَّى خَرَجَ عَلَيْنَا وَقَدِ اغْتَسَلَ».

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نماز کھڑی ہو گئی اور لوگوں نے اپنی صفیں بنالیں تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ جب آپ اپنی جگہ (مصلے) پر کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ کو یاد آیا کہ آپ ﷺ نے غسل نہیں فرمایا تو لوگوں سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو پھر خود اپنے گھر تشریف لے گئے پھر واپس ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے یعنی آپ ﷺ نے غسل فرمایا اس حال میں کہ ہم

---

[1] التعليق الممجد على موطأ محمد - ج ١ ص ٥٢٢

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٢١٢ - ٢١٣

صفوں میں کھڑے رہے اور یہ ابن حرب کے الفاظ ہیں اور عیاش نے اپنی حدیث میں یوں الفاظ ذکر کئے کہ ہم اسی (صفوں کی) حالت میں آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کے آپ غسل فرماچکنے کے بعد دوبارہ تشریف لے آئے (اس سے معلوم ہوا کہ غسل فرمانے کا واقعہ تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے کا ہے لہذا یہ حدیث مذہب احناف کے موافق ہے)۔

تخریج: صحيح البخاري - الغسل (٢٧١) صحيح البخاري - الأذان (٦١٣) صحيح البخاري - الأذان (٦١٤) صحيح مسلم - المساجد ومواضع الصلاة (٦٠٥) سنن النسائي - الإمامة (٧٩٢) سنن النسائي - الإمامة (٨٠٩) سنن أبي داود - الطهارة (٢٣٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٣٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٥١٨)

٩٤ - بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَجِدُ الْبِلَّةَ فِي مَنَامِهِ

باب جو شخص سو کر اٹھے اور اپنے کپڑوں میں تری پائے تو اس کے حکم کے بارے میں

بِلّة بکسر الباء ہے اور بَلل بفتح الباء ہے بمعنی تری، یعنی آدمی سو کر اٹھے اور اپنے کپڑے پر تری پائے تو اس پر غسل واجب ہے یا نہیں؟ احتلام کی کن کن صورتوں میں غسل واجب ہوتا ہے اور کن صورتوں میں نہیں یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے خصوصا حنفیہ کے یہاں اس میں بڑی تفصیل ہے۔

٢٣٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ الْخَيَّاطُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ الْعُمَرِيُّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ احْتِلَامًا. قَالَ: «يَغْتَسِلُ»، وَعَنِ الرَّجُلِ يَرَى أَنَّهُ قَدِ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ الْبَلَلَ. قَالَ: «لَا غُسْلَ عَلَيْهِ» فَقَالَتْ: أُمُّ سُلَيْمٍ الْمَرْأَةُ تَرَى ذَلِكَ أَعَلَيْهَا غُسْلٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ. إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو (سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے پر) تری پائے اور اسکو احتلام یاد نہ ہو تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر غسل واجب ہے اور اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کو احتلام یاد ہو لیکن تری نہ پائے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسے شخص پر غسل واجب نہیں۔ تو ام سلیم نے عرض کیا اگر یہی بات عورت کو پیش آئے کہ عورت خواب میں اپنے کپڑوں پر منی نکلتی ہوئے دیکھے اور اسے احتلام یاد نہ ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں اور عورتیں تو مردوں کی مثل ہیں (یعنی حکم میں)۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٢٣٦) سنن الدارمي - الطهارة (٧٦٥)

شرح الحدیث: قوله: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ: آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جو شخص اٹھنے کے بعد کپڑے پر تری پائے اور احتلام اس کو یاد نہ ہو تو اس صورت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے شخص پر غسل واجب ہے اور اس شخص کے بارے میں جس کو احتلام ہونا یاد ہو لیکن تری نہ پائے تو اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا

کہ ایسے شخص پر غسل واجب نہیں بعض علماء جیسے شعبیؒ اور ابراہیم نخعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس حدیث میں بلل سے مطلق تری مراد ہے خواہ اس کا منی ہونا محقق ہو یا نہ ہو اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے منی کی تری مراد ہے۔

جاننا چاہئے کہ علامہ شامیؒ نے اس مسئلے کی چودہ شکلیں ذکر فرمائی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے: ① تیقن منی، ② تیقن مذی، ③ تیقن ودی، یہ تین شکلیں تیقن کی ہوئیں اور چار صورتیں عدم تیقن اور شک کی ہیں، ① الشك بين الاولين (منی و مذی)، ② الشك بين الاخيرين (مذی و ودی)، ③ الشك بين الاول و الثالث (منی و ودی)، ④ الشك في الثلاث، یعنی تری کے بارے میں تینوں خیال ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ منی ہو، ہو سکتا ہے کہ مذی ہو، ہو سکتا ہے کہ ودی ہو، یہ کل سات صورتیں ہوئیں اور ان میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہیں تذکر احتلام و عدم تذکرِ احتلام، لہذا کل چودہ صورتیں ہوئیں اب ان کا حکم سنئے۔ تذکر احتلام کی سات صورتوں میں سے ایک کے علاوہ باقی سب صورتوں میں غسل واجب ہے اور وہ ایک صورت تیقن ودی کی ہے اس میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ متفق ہیں، اور عدم تذکر احتلام میں یہ تفصیل ہے کہ ایک صورت یعنی تیقن منی کی صورت میں بالاتفاق غسل واجب ہے اور تیقن غیر منی کی صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب نہیں اور وہ تین صورتیں ہیں: ① تیقن مذی، ② تیقن ودی، ③ شك بين المذي والودي، اور احتمال منی (جسکی تین صورتیں ہیں) میں طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہیں اور وہ تین صورتیں یہ ہیں: شك بين الاولين، شك بين الاول و الثالث، شك في الثلاث، حاصل یہ کہ عدم تذکر کی سات صورتوں میں سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف ایک صورت یعنی تیقن منی میں غسل ہے باقی چھ میں نہیں، اور عند الطرفین تیقن منی اور احتمال منی جس کی تین صورتیں ہیں ان چار صورتوں میں بھی غسل واجب ہے یہ تفصیل تو مذہب احناف میں ہے۔

شافعیہ [1] کے نزدیک کل تین صورتیں ہیں تیقن منی، تیقن غیر منی، اور احتمال منی، پہلی دو صورتوں کا حکم ظاہر ہے اور تیسری صورت میں انکے یہاں اختیار ہے غسل اور عدم غسل میں، اور اسی طرح حنابلہ کے یہاں ہے لیکن وہ شک اور احتمال کی صورت میں یہ کہتے ہیں کہ اگر قبل النوم خروج مذی کے اسباب میں سے کوئی سبب پایا گیا ہو تب تو غسل واجب نہیں اور اگر سبب خروج مذی نہ پایا گیا ہو تو غسل واجب ہے اور مالکیہ کے یہاں احتمال منی کے سلسلے میں یہ ہے کہ اگر شک ہو منی اور باقی دو (مذی اور ودی) میں سے کسی ایک میں تب تو غسل واجب ہے اور اگر شک ایک ساتھ تینوں میں ہو تو اب چونکہ احتمال منی ضعیف ہو گیا اس لئے غسل واجب نہ ہو گا، ان ائمہ ثلاثہ کا مذہب صاحب منہل نے اسی طرح لکھا ہے، اور اس سب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے یہاں تذکر احتلام اور عدم تذکر احتلام کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

---

[1] لکن لا یذھب علیك ان ابن رسلان شارح ابی داؤد نقل مذھب الشافعی انه لو تیقن انه منی ولکن لم یذکر الاحتلام لایجب الغسل عنده، لہذا شافعیہ کے مذہب کی مزید تحقیق کر لی جائے۔

٩٥۔ بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تَرَى مَا يَرَى الرَّجُلُ

باب اس بیان میں کہ عورت بھی مرد کی طرح (احتلام) دیکھے

باب سابق احتلام رجل سے متعلق تھا اور یہ احتلام مرأۃ ہے، لیکن احتلام فی النساء نادر ہے جیسا کہ رجال میں عدم احتلام نادر ہے، کذا قالوا۔

۲۳۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ، حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: قَالَ عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ الْأَنْصَارِيَّةَ هِيَ أُمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ أَرَأَيْتَ الْمَرْأَةَ إِذَا رَأَتْ فِي النَّوْمِ مَا يَرَى الرَّجُلُ أَتَغْتَسِلُ أَمْ لَا؟ قَالَتْ عَائِشَةُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ، فَلْتَغْتَسِلْ إِذَا وَجَدَتِ الْمَاءَ». قَالَتْ عَائِشَةُ: فَأَقْبَلْتُ عَلَيْهَا، فَقُلْتُ: أُفٍّ لَكِ وَهَلْ تَرَى ذَلِكَ الْمَرْأَةُ؟ فَأَقْبَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «تَرِبَتْ يَمِينُكِ يَا عَائِشَةُ، وَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ؟» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَلِكَ رَوَى عُقَيْلٌ، وَالزُّبَيْدِيُّ، وَيُونُسُ، وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَوَافَقَ الزُّهْرِيَّ: مُسَافِعٌ الْحَجَبِيُّ قَالَ: عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، وَأَمَّا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ فَقَالَ: عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ام سلیم انصاریہ جو حضرت انسؓ کی والدہ ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ حق بات بیان فرمانے سے نہیں شرماتا مجھے بتلایئے اگر عورت بھی خواب میں ایسی بات دیکھے جو مرد دیکھتا ہے تو کیا وہ بھی غسل کرے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں اگر عورت منی پائے تو وہ بھی غسل کرے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ام سلیم کی طرف متوجہ ہوئی اور ان سے کہا تیرا بھلا ہو، بھلا عورت بھی اس چیز کو دیکھتی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوا ے عائشہؓ پھر کہاں سے بچے کو (ماں سے) مشابہت ہوتی ہے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح عقیل اور زبیدی اور یونس اور ابن اخی الزہری نے زہری سے اور ابن ابی وزیر نے مالک سے انہوں نے زہری سے روایت کی ہے اور مسافع حجبی نے زہری کی موافقت کی ہے انہوں نے فرمایا: عن عروۃ عن عائشۃ اور جو ہشام بن عروہ ہیں تو انہوں نے کہا کہ عروہ نے زینب بنت ابی سلمہ سے انہوں نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ ام سلیم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں۔

تخریج سنن النسائي - الطهارة (١٩٦) سنن أبي داود - الطهارة (٢٣٧) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٥٦) موطأ مالك - الطهارة (١١٧) سنن الدارمي - الطهارة (٧٦٣).

شرح الحديث قوله: إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ: حضرت ام سلیمؓ کو آپ ﷺ سے ایک ایسا مسئلہ

دریافت کرنا تھا، جو عرفاً وطبعاً قابل استحیاء تھا، لیکن چونکہ شریعت میں تحصیل علم میں استحیاء نہیں ہے اس لئے انہوں نے بطور تمہید کے اپنے کلام کے شروع میں یہ بات کہی۔

جاننا چاہئے کہ حیاء انفعال اور تاثر کے قبیل سے ہے جس سے باری تعالیٰ منزہ ہیں اس لئے علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں استحیاء سے اسکے لازم معنی مراد ہیں یعنی ترک اور امتناع، اس لئے کہ جس چیز سے آدمی شرماتا ہے اس کو ترک کر دیتا ہے، لہذا یہاں لازمی معنی مراد ہوئے یعنی حق تعالیٰ شانہ حق بات ظاہر کرنے سے یا حق بات کے سوال کرنے سے منع نہیں فرماتے، بعضوں نے اس پر یہ کہا کہ اس سوال وجواب کی کوئی حاجت نہیں اس لئے کہ یہاں حدیث میں حق تعالیٰ کے لئے استحیاء کی نفی کی جارہی ہے نہ کہ اثبات، جواب یہ ہے کہ یہاں پر یہ مذکور ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حق سے استحیاء نہیں فرماتے، تو اس سے بطور مفہوم مخالف مستفاد ہورہا ہے کہ غیر حق سے استحیاء فرماتے ہیں، لہذا سوال وجواب برمحل ہے فضول نہیں۔

قولہ: قَالَتْ عَائِشَةُ: فَأَقْبَلْتُ عَلَيْهَا، فَقُلْتُ: أُفٍّ لَكِ وَهَلْ تَرَى ذَلِكَ الْمَرْأَةُ؟ ام سلیمؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احتلام مرأۃ کا جب مسئلہ دریافت کیا تو اس پر حضرت عائشہؓ کو جو وہاں پر موجود تھیں بڑی شرم آئی اور ام سلیمؓ کو خطاب کرکے فرمانے لگیں بھلا عورت بھی اس چیز کو دیکھتی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اول تو عورتوں میں احتلام نادر ہے دوسرے حضرت عائشہؓ تو عمر تھیں، اس لئے ان کو تعجب ہوا اس پر علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام احتلام سے محفوظ ہوتے ہیں اسی طرح ازواج مطہرات احتلام سے محفوظ تھیں اور یہ انکے خصائص میں سے ہے، اس کو علامہ زرقانیؒ اور حافظ عراقیؒ نے یہ کہہ کر رد فرمایا الخصائص لا تثبت بالاحتمال [1]، مولانا عبدالحئی صاحبؒ نے سعایۃ میں اس مسئلے پر بحث کی ہے اور انہوں نے اپنی تحقیق یہ لکھی ہے: "انهن لا يحتلمن بالجماع بشخص اجنبي" نیز احتلام کا اثر شیطانی ہونا بھی متعین نہیں ہے بلکہ وہ کبھی کثرت شبع یا مرض، یا امتلاء اوعیہ منی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔

قولہ: تَرِبَتْ يَمِينُكِ يَا عَائِشَةُ: اس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں جو کنایہ ہوا کرتا ہے، فقر و احتیاج سے لیکن عرب لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اس لفظ کو غیر معنی اصلی میں استعمال کرتے ہیں، اور اس سے صرف نکیر مقصود ہوتی ہے نہ کہ بد دعاء ویسے ابن العربیؒ نے شرح ترمذی میں اس لفظ کے معنی کی تحقیق وتشریح میں علماء کے دس اقوال لکھے ہیں جن کو حضرت شیخؒ نے أوجز میں نقل کیا ہے [2]۔

قولہ: وَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ؟ شبہ بفتحتین اور بکسر الشین وسکون الباء دونوں طرح منقول ہے یعنی مشابہت اور

---

[1] والخصائص لا تثبت بالاحتمال، وإنما تثبت بالنص الصحيح الصريح (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية — ج ٥ ص ٤٦١)

[2] عارضة الأحوذي شرح صحيح الترمذي — ج ١ ص ١٨٨. أوجز المسالك إلى موطأ مالك — ج ١ ص ٥٤٤

اشتراک آپ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ بچہ کبھی والد اور کبھی والدہ کے جو مشابہ ہوتا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ یہی تو ہے کہ جب مرد کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے تو جب عورت کیلئے منی کا ثبوت ہو گیا تو پھر احتلام میں کیا استبعاد ہے صحیح مسلم کی ایک روایت[1] میں ہے کہ جب ماء رجل غالب ہوتا ہے ماء المرأۃ پر تو بچہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے، اور جب ماء المرأۃ غالب ہوتا ہے ماء الرجل پر تو اس وقت مولود اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے، نیز مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب مرد کی منی غالب ہوتی ہے تو بچہ مذکر ہوتا ہے، باذن اللہ تعالی اور جب اسکا عکس ہوتا ہے تو بچہ مؤنث ہوتا ہے باذن اللہ تعالی۔

ثبوت المنی للمرأۃ والاختلاف فیہ: جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں عورت کیلئے اثبات منی ہے اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے، صرف بعض فلاسفہ کا اس میں اختلاف ہے، چنانچہ ارسطاطالیس کہتا ہے عورت کے منی نہیں ہوتی بلکہ عورت کے دم حیض ہی میں قوت تولید ہوتی ہے اور ابو علی سینا کہتا ہے کہ عورت کے رطوبت ہوتی ہے جو منی کے مشابہ ہوتی ہے اور فی الواقع وہ منی نہیں ہوتی حضرت شیخ ؒ سعایۃ سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ محققین فلاسفہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ عورت کے منی ہوتی ہے، پھر حضرت شیخ ؒ لکھتے ہیں لیکن حافظ ابن حجر ؒ نے فتح الباری میں بعض علماء جیسے ابراہیم نخعی ؒ سے عورت کیلئے منی ہونے کا انکار نقل کیا اگرچہ امام نووی ؒ نے شرح مہذب میں ابراہیم نخعی ؒ کی طرف اس قول کی نسبت کو مستبعد لکھا ہے لیکن حافظ ؒ کہتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ نے اس قول کو ابراہیم نخعی ؒ سے بسند جید نقل کیا ہے۔

قولہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَلِكَ رَوَى عُقَيْلٌ، وَالزُّبَيْدِيُّ الخ: اوپر روایت میں ابن شہاب کے شاگرد یونس تھے، یہاں مصنف ؒ یونس کے علاوہ ابن شہاب کے دوسرے تلامذہ کو بیان کر رہے ہیں کہ جس طرح ابن شہاب سے یونس روایت کرتے ہیں اسی طرح اور بہت سے رواۃ بھی اس کو ان سے روایت کرتے ہیں جس سے یونس کی روایت کو تقویت ہوگئی اور وہ رواۃ یہ ہیں: زبیدی، عقیل، یونس (لیکن یونس کا ذکر یہاں مکرر ہے اس لئے کہ ان کی روایت تو اوپر آہی چکی) ابن اخی الزہری اور ابن ابی الوزیر جو کہ اس کو زہری سے بواسطہ مالک روایت کرتے ہیں، واضح رہے کہ عبارت میں عن مالک کا تعلق صرف ابن ابی الوزیر سے ہے اس سے پہلے جو رواۃ مذکور ہیں ان سے نہیں، وہ بغیر واسطہ مالک کے براہ راست زہری سے روایت کرتے ہیں۔

روایتین میں تعارض اوراسکے دفعیہ میں محدثین کی آراء: وَوَافَقَ الزُّهْرِيُّ: مُسَافِعًا الْحَجَبِيَّ الخ: جاننا چاہئے کہ یہاں پر روایات حدیثیہ میں یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ حضرت ام سلیم ؓ کے سوال پر رد کرنے والی حضرت عائشہ ؓ ہیں یا حضرت ام سلمہ ؓ زہری کی روایت میں یہ ہے کہ رد کرنے والی حضرت عائشہ ؓ ہیں اور اسکے بالمقابل ہشام بن عروہ کی روایت میں یہ

---

[1] ولفظه في رواية إذا علا ماؤها ماء الرجل، أشبه الولد أخواله، وإذا علا ماء الرجل ماءها أشبه أعمامه (صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب بيان صفة مني الرجل، والمرأة وأن الولد مخلوق من مائهما ٣١٤)، وفي رواية ماء الرجل أبيض، وماء المرأة أصفر، فإذا اجتمعا، فعلا مني الرجل مني المرأة، أذكرا بإذن الله، وإذا علا مني المرأة مني الرجل، آنثا بإذن الله (صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب بيان صفة مني الرجل، والمرأة وأن الولد مخلوق من مائهما ٣١٥) وفي نسخة أنثا

ہے کہ وہ ام سلمہ ہیں، مصنفؒ زہری کی روایت کو ہشام کی روایت پر ترجیح دے رہے ہیں اس لئے کہ مسافع حجبی نے زہری کی موافقت کی ہے لہذا زہری کی روایت مؤید و مؤکد ہو گئی، ان دونوں روایتوں میں جو تعارض ہے اس کے جواب میں محدثین کی آراء مختلف ہیں، امام ابو داؤد نے زہری کی روایت کو ترجیح دی ہے جس میں رد کرنے والی حضرت عائشہؓ ہیں اور قاضی عیاضؒ نے ہشام کی روایت کو ترجیح دی ہے جس میں رد کرنے والی حضرت ام سلمہؓ ہیں اور امام نوویؒ نے بجائے مسلک ترجیح کے جمع بین الروایتین کو اختیار فرمایا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں گویا ام سلیمؓ کے سوال کے وقت ام سلمہؓ وعائشہؓ دونوں موجود تھیں دونوں ہی نے ام سلیمؓ پر نکیر کی اب یہ رواۃ کا اختصار ہے کہ بعض نے انکو ذکر کیا بعض نے ان کو، حافظ ابن حجرؒ نے امام نوویؒ کی رائے کو پسند کیا ہے، اور علامہ سندھیؒ نے حاشیہ نسائی میں ایک اور توجیہ لکھی ہے یعنی احتمال تعدد واقعہ ممکن ہے کہ ام سلیمؓ نے جب پہلی بار حضور ﷺ سے سوال کیا تو ان دو میں سے کسی ایک نے نکیر کی پھر کچھ روز بعد ام سلیمؓ نے نسیان واقع ہونے کی وجہ سے دوبارہ آپ سے سوال کیا تو اس وقت مجلس میں دوسری زوجہ محترمہ تھیں تو انہوں نے بھی اس سوال پر نکیر فرمائی، لہذا دونوں روایتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔

٩٦ - بَابٌ فِي مِقْدَارِ الْمَاءِ الَّذِي يُجْزِئُ فِي الْغُسْلِ

باب پانی کی اس مقدار کے بیان میں جو غسل کیلئے کافی ہو جاتا ہے

موجبات غسل کا بیان پورا ہوا، اب یہاں سے مصنفؒ غسل کا بیان شروع کرتے ہیں، مصنفؒ نے طہارت صغریٰ یعنی وضو میں بھی ایسا ہی کیا تھا کہ وضو سے پہلے موجبات وضو یعنی استنجاء اور آداب استنجاء کو بیان فرمایا اس کے بعد وضو کو، مصنفؒ کیفیت غسل کے بیان سے پہلے مقدار ماء غسل کو بیان کرتے ہیں اسی قسم کا باب ابواب الوضوء کے شروع میں آچکا ہے، جس میں ماء وضو کی مقدار بیان کی گئی تھی، ہم نے اسی جگہ مقدار ماء غسل کو بھی بیان کر دیا تھا، لہذا دوبارہ کلام کی حاجت نہیں۔

٢٢٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ «يَغْتَسِلُ مِنْ إِنَاءٍ - هُوَ الْفَرَقُ - مِنَ الْجَنَابَةِ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ: مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَتْ: «كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ فِيهِ قَدْرُ الْفَرَقِ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَى ابْنُ عُيَيْنَةَ نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ: الْفَرَقُ: سِتَّةَ عَشَرَ رِطْلًا وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: صَاعُ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وَثُلُثٌ. قَالَ: فَمَنْ قَالَ: ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ؟ قَالَ: لَيْسَ ذَلِكَ بِمَحْفُوظٍ. قَالَ: وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ يَقُولُ: مَنْ أَعْطَى فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ بِرِطْلِنَا هَذَا خَمْسَةَ أَرْطَالٍ وَثُلُثًا فَقَدْ أَوْفَى قِيلَ الصَّيْحَانِيُّ ثَقِيلٌ. قَالَ: الصَّيْحَانِيُّ أَطْيَبُ قَالَ: لَا أَدْرِي.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل ایسے برتن سے فرماتے تھے جو فرق کے وزن کا تھا (فرق برتن میں سولہ رطل کی مقدار آسکتی ہے۔ بذل) امام ابو داؤد فرماتے ہیں معمر نے زہری کے واسطے سے اس

حدیث میں یہ الفاظ بیان فرمائے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنابت کا غسل ایسے برتن سے فرماتے تھے جو فرق کے وزن کا تھا۔ فرق برتن میں سولہ رطل کی مقدار آسکتی ہے۔ امام ابوداود فرماتے ہیں کہ معمر نے زھری کے واسطے سے اس حدیث میں یہ الفاظ بیان فرمائے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے غسل کرلیا کرتے تھے جس میں فرق کی بقدر پانی تھا۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں: اور ابن عیینہ نے مالکؒ کی حدیث کے مثل فرق کی روایت کی ہے، امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے اور میں نے امام احمد کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابن ابی ذئب کا صاع پانچ اور تہائی رطل کا ہے، امام ابوداودؒ کہتے ہیں میں نے امام احمدؒ سے پوچھا جو کہے صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے تو یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ امام احمدؒ نے جواب دیا کہ یہ غیر محفوظ ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جس نے صدقہ فطر ہمارے اس پانچ اور تہائی رطل والے رطل سے ادا کیا تو اس نے پورا ادا کیا۔ ان سے کہا گیا کہ صیحانی (کھجور کی اقسام میں سے سب سے عمدہ قسم) وزنی ہوتی ہے (اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کھجور وزنی ہونے کی وجہ سے اسکے پانچ رطل اور ثلث رطل سے صاع پورا نہ بھرے گا تو یہاں وزناً ایک صاع ہے لیکن صورتاً اور کیلاً ایک صاع سے کم ہے تو اس سے واجب اداء ہو جائے گا یا نہیں؟) تو امام احمدؒ نے فرمایا صیحانی عمدہ قسم کی ہوتی ہے (تو اس سے کیسے واجب ادا نہ ہو)، پھر فرمایا مجھے اسکا علم نہیں۔

تخریج صحيح البخاري - الغسل (٢٤٧) صحيح البخاري - الغسل (٢٥٨) صحيح البخاري - الغسل (٢٦٠) صحيح البخاري - الغسل (٢٦٩) صحيح البخاري - الحيض (٢٩٥) صحيح مسلم - الحيض (٣١٩) صحيح مسلم - الحيض (٣٢١) صحيح مسلم - الحيض (٣٣١) جامع الترمذي - اللباس (١٧٥٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٢٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٣١) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٢) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٣٥) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٠) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١١) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٢) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٤) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٦) سنن أبي داود - الطهارة (٢٣٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٣٧٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٠٤) موطأ مالك - الطهارة (١٠١) سنن الدارمي - الطهارة (٧٤٩) سنن الدارمي - الطهارة (٧٥٠)

شرح الحديث قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ: مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ: اس حدیث کے راوی ابن شہاب زہری ہیں ان سے روایت کرنے والے پہلی سند میں مالک اور دوسری میں جس کو یہاں سے بیان کر رہے ہیں معمر ہیں، زہری کے ان شاگردوں کی روایت کے درمیان فرق یہ ہے کہ مالک کی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک فرق پانی سے غسل فرماتے تھے، اور معمر کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضور ﷺ دونوں مل کر ایک فرق پانی سے غسل فرماتے تھے، اب یا تو یہ کہا جائے کہ پہلی روایت میں غسل عائشہؓ مذکور نہیں تو اس کی نفی بھی نہیں ہے اور دوسری روایت میں دونوں کا غسل صراحۃً مذکور ہے، لہذا پہلی روایت کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، یا یہ کہا جائے کہ یہ اختلاف اوقات واحوال پر محمول

ہے گاہے آپ ﷺ تنہا ایک فرق پانی سے غسل فرماتے اور گاہے آپ ﷺ اور حضرت عائشہؓ دونوں۔

• آگے مصنفؒ نے فرق اور صاع کی مقدار کو بیان فرمایا ہے اس کی تفصیلی بحث ہمارے یہاں ابواب الوضوء میں گزر چکی ہے اور اس پر تفصیلی کلام حضرتؒ نے بذل [1] میں یہاں فرمایا ہے۔

قوله: قَالَ: وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ يَقُولُ: مَنْ أَعْطَى فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ الخ: حضرت امام احمدؒ کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ حدیث شریف میں صدقۃ الفطر کی مقدار ایک صاع تمر بیان کی گئی ہے اور صاع ایک مشہور پیمانہ کا نام ہے اب اگر کوئی شخص اس پیمانہ کے ذریعہ صدقۃ الفطر اداکرتا ہے تب تو کوئی شک وشبہ کی بات ہی نہیں لیکن اگر کوئی شخص صدقۃ الفطر بجائے پیمانہ کے وزن کے ذریعہ پانچ رطل و ثلث رطل اداکردے جو کہ وزن صاع ہے تو اس سے بھی صدقۃ الفطر ادا ہو جائیگا۔

قوله: قِيلَ لَهُ الصَّيْحَانِيُّ ثَقِيلٌ. قَالَ: الصَّيْحَانِيُّ أَطْيَبُ قَالَ: لَا أَدْرِي: صیحانی [2] ایک خاص قسم کی کھجور کا نام ہے جو عرب میں مشہور ہے جب میں ۱۳۹۳ھ میں پہلی بار حج کو گیا تھا تو وہاں پہنچ کر معلوم کیا تھا کہ کھجور کی کوئی قسم کیا صیحانی بھی ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ہاں ایک خاص قسم ہے، چنانچہ میں وہ خرید کر لایا تھا جو عام کھجوروں کے مقابلہ میں ذرا گراں تھی، اور عمدہ قسم کی شمار ہوتی ہے۔

تشریح حدیث: حضرت امام احمدؒ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ آپ نے ابھی فرمایا کہ اگر وزن کے اعتبار سے پانچ رطل و ثلث رطل تمر ادا کی جائے تو وہ کافی ہے، حالانکہ صیحانی کھجور بھاری اور وزنی ہوتی ہے اس کے پانچ رطل و ثلث رطل سے پیمانہ یعنی صاع پر نہیں ہو گا اب بتلایئے کہ اس سے بھی واجب ادا ہو گا یا نہیں؟ اس لئے کہ حدیث میں تو ایک صاع دینے کا حکم ہے اور یہاں وزن کے اعتبار سے ایک صاع ہے لیکن صورۃً وکیلاً وہ ایک صاع سے کم ہے اس پر امام صاحبؒ نے سوال فرمایا الصَّيْحَانِيُّ أَطْيَبُ یعنی کیا صیحانی کھجور عمدہ ہوتی ہے؟ یہ سوال انہوں نے بظاہر اس لئے کیا کہ اگر صیحانی کھجور عمدہ ہوتی ہے تو پھر اس سے صدقۃ الفطر یقیناً اداء ہو جائیگا، لیکن یہ بات جو ان کے ذہن میں آئی سوال کے مطابق نہ تھی چنانچہ امام صاحبؒ نے جب سوال میں دوبارہ غور کیا تب سمجھے کہ سائل کا سوال تو کچھ اور ہی ہے اس میں عمدہ وغیر عمدہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے اپنی بات سے رجوع کرتے ہوئے امام صاحبؒ نے فرمایا لَا أَدْرِي یعنی اس سوال کا جواب مجھے مستحضر نہیں ہے، اس کلام کی

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود — ج ۲ ص ۲۲۸

[2] صیحانی کی وجہ تسمیہ صاحب قاموس نے یہ لکھی ہے کہ دراصل صیحانی ایک مینڈھے کا نام ہے جو کھجور کی اس قسم کے درخت کے ساتھ باندھا جاتا تھا، اس مناسبت سے اس درخت ہی کو صیحانی کہنے لگے، اور حضرت شیخؒ نے حاشیۂ بذل (ج ۲ ص ۲۳۳) میں لسان العرب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک غیر صحیح حدیث میں وارد ہے کہ صیحانی کھجور کو صیحانی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ صیاح سے ہے جس کے معنی بولنے اور چیخنے کے ہیں، ہوا یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اور حضرت علی مرتضیٰؓ ایک کھجور کے درخت کے قریب تشریف فرما تھے تو اس درخت نے دوسرے درخت کو پکار کر کہا "هذا النبي المصطفى وعلي المرتضى" گویا اصل مادہ اس کا صیاح ہے نسبت کے وقت تغیر کر کے صیحانی کہنے لگے۔

شرح میں ایک دوسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ امام احمدؒ نے جب سوال فرمایا الصَّيحَانِيُّ أَطْيَبُ تو اس پر مجیب نے جواب دیا لَا أَدْرِي کہ یہ تو میں نہیں جانتا کہ وہ عمدہ ہے یا غیر عمدہ، اور پھر اسی پر بات ختم ہوگئی آگے معلوم نہیں کہ پھر امام صاحبؒ نے کیا فیصلہ فرمایا ہوگا گویا لَا أَدْرِي کے قائل میں دو احتمال ہوئے ایک یہ کہ اس کے قائل خود امام احمدؒ ہیں، دوسرا یہ کہ اس کا قائل مخاطب یعنی سائل ہے حضرتؒ نے بذل میں پہلے معنی اختیار کئے ہیں اور ابن رسلانؒ نے دوسرے معنی ذکر کئے ہیں۔

فقہی مسئلہ یہ ہے جیسا کہ حضرتؒ نے بذل میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے یہاں اس صورت میں صدقۃ الفطر ادا نہ ہوگا، اور منہل میں بقیہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی لکھا ہے۔

٩٨- بَابٌ فِي الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ

باب غسل جنابت کی کیفیت کے بیان میں

یہ باب کیفیت غسل کے بارے میں ہے اور خاصا طویل ہے، اور کیفیت وضو کا تو اس سے بھی بہت طویل تھا اس باب میں مصنفؒ نے گیارہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، امام نسائیؒ نے اس سلسلہ میں متعدد ابواب قائم کئے ہیں، مکرر سہ کرر ابواب قائم کرکے کیفیت غسل کو خوب واضح فرمایا ہے، میں تو کہا کرتا ہوں تراجم کی یہ تکثیر اور ہر ہر جزء پر الگ باب قائم کرنا شغف بالحدیث، حدیث پاک کی عظمت اور حب رسول ﷺ کی بناء پر ہے:

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانَ لَنَا إِنَّ ذِكْرَهُ *** هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

٢٣٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّهُمْ ذَكَرُوا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُسْلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَمَّا أَنَا فَأُفِيضُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا». وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا.

ترجمہ سلیمان بن صرد، جبیر بن مطعمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں غسل جنابت کے بارے میں مذاکرہ فرما رہے تھے (ہر ایک اپنا طریقہ غسل بیان کر رہا تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں غسل میں اپنے سر پر صرف تین بار پانی بہاتا ہوں اور اپنے دونوں ہاتھوں سے (پانی بہانے کا) اشارہ فرمایا۔

تخریج صحيح البخاري - الغسل (٢٥١) صحيح مسلم - الحيض (٣٢٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٠) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٢٥) سنن أبي داود - الطهارة (٢٣٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٧٥) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٨١/٤) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٨٤/٤) مسند أحمد - أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٨٥/٤)

شرح الحدیث قوله: أَمَّا أَنَا فَأُفِيضُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا: یعنی ایک مرتبہ بعض صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کی مجلس میں غسل

جنابت کے سلسلہ میں مذاکرہ فرمارہے تھے، ہر ایک اپنا طریقہ غسل بیان کررہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں غسل میں اپنے سر پر صرف تین بار پانی بہاتا ہوں۔ ابن رسلان لکھتے ہیں کہ ظاہر الفاظ سے معلوم ہورہا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے تین سے زائد عدد ذکر کیا ہوگا یعنی کسی نے کہا ہوگا کہ میں پانچ مرتبہ بہاتا ہوں اور کسی نے کہا ہوگا کہ میں سات مرتبہ، اس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَمَّا أَنَا فَأُفِيضُ عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا، أَمَّا دراصل تفصیل کیلئے آتا ہے جو تعدد کو چاہتا ہے یہاں روایت میں مدخول أَمَّا کی صرف ایک شق مذکور ہے اسکی شق ثانی مقام سے سمجھ میں آرہی ہے یعنی "أما انتم فتفعلون كذا او كذا"۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث سے غسل میں تثلیث غسل رأس کا مستحب ہونا معلوم ہورہا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ غسل رأس میں تثلیث کا استحباب تو متفق علیہ ہے ہمارے علماء نے باقی بدن کو بھی اسی پر قیاس کرتے ہوئے اس میں بھی تثلیث کو مستحب قرار دیا ہے اور اسی طرح وضو پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے بلکہ غسل بہ نسبت وضو کے تثلیث کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ وضو کی بناء تخفیف پر ہے البتہ اس میں قاضی ابو الحسن ماوردی شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ باقی بدن کی تثلیث کو مستحب نہیں مانتے [1]، صاحب منہل [2] لکھتے ہیں کہ امام نوویؒ نے جو مسلک شافعیہ کا لکھا ہے وہی حنفیہ اور حنابلہ کا بھی ہے، اور مالکیہ کے یہاں صرف غسل رأس میں تثلیث مستحب ہے باقی بدن میں نہیں اسی طرح غسل کے شروع میں جو وضو کیجاتی ہے ان کے یہاں اس میں بھی تثلیث مستحب نہیں بلکہ اعضاء وضو کا غسل صرف مرۃً ہوگا۔ (کمافی الشرح الکبیر)

٢٤٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ حَنْظَلَةَ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوِ الْحِلَابِ، فَأَخَذَ بِكَفَّيْهِ فَبَدَأَ بِشِقِّ رَأْسِهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ الْأَيْسَرِ، ثُمَّ أَخَذَ بِكَفَّيْهِ، فَقَالَ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ».

ترجمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو ایسے برتن میں پانی منگواتے جو حلاب کی مقدار کے برابر ہوتا پھر اپنے ہاتھوں میں پانی لے کر اپنے سر کے داہنے طرف سے ڈالتے پھر بائیں طرف سے ڈالتے پھر دونوں ہاتھوں سے پانی لیکر سارے سر پر ڈالتے۔

تخریج صحيح البخاري - الغسل (٢٤٥) صحيح البخاري - الغسل (٢٥٥) صحيح مسلم - الحيض (٣١٦) صحيح مسلم - الحيض (٣١٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٠٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٩) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٢٣) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٢٤) سنن أبي داود - الطهارة (٢٤٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٧٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٧٠/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٩٦/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٠١/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١١٥/٦) مسند أحمد

---

[1] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج ج ٤ ص ٩

[2] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ٣ ص ٣-٤

- باقي مسند الأنصار (٦/١٤٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٦١) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٧٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٨٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٢٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٥٢) موطأ مالك - الطهارة (١٠٠) سنن الدارمي - الطهارة (٧٤٨)

شرح الحديث قوله: إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ مِنْ نَحْوِ الْحِلَابِ: یعنی جب آپ غسل کا ارادہ فرماتے تو ایسے برتن میں پانی منگاتے جو حلاب جیسا ہوتا ہے، حلاب کہتے ہیں اس برتن کو جس میں اونٹنی کا ایک مرتبہ کا دودھ سما جائے جس کی مقدار ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک معروف و متعین ہوگی۔

قوله: فَقَالَ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ: یعنی دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر اس کو سر پر بہاتے، لفظ قال متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے جو معنی مقام و محل کے مناسب ہوتے ہیں وہ لے لئے جاتے ہیں، چنانچہ قال بیدہ و قال برجلہ کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ہاتھ سے پکڑا اپنے پاؤں سے چلا۔

حدیث الباب پرامام بخاریؒ کا ایک خاص ترجمہ: جاننا چاہئے کہ حضرت امام بخاریؒ نے لفظ حلاب کے پیش نظر اس حدیث پر بخاری شریف میں ترجمہ قائم فرمایا باب مَنْ بَدَأَ بِالْحِلَابِ أَوِ الطِّيبِ عِنْدَ الْغُسْلِ، اور ان کا یہ ترجمہ بخاری شریف کے ان مشہور تراجم میں سے ہے جو معرکۃ الآراء اور مشکل سمجھے جاتے ہیں، ترجمۃ الباب کے الفاظ بظاہر اس بات کو مشعر ہیں کہ غسل کی ابتداء حلاب اور طیب سے ہونی چاہئے گویا حلاب کوئی ایسی شئ ہے جو از قبیل طیب ہے، امام خطابیؒ فرماتے ہیں غالباً امام بخاریؒ کو وہم ہوا اور ان کا ذہن حلاب سے محلب کی طرف چلا گیا اور محلب واقعی ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو ہاتھ و بدن دھونے میں استعمال کی جاتی ہے، لیکن حدیث میں محلب کا ذکر نہیں بلکہ حلاب کا ہے جو ایک ظرف کا نام ہے [1]، حضرتؒ نے بذل میں خطابیؒ سے اسی قدر نقل فرمایا ہے ویسے شراح بخاری نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، حضرت شیخؒ نے حاشیہ بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ حافظؒ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ سے اس میں وہم ہوا، اور کوئی بھی انسان ایسا نہیں جو غلطی سے محفوظ ہو (اور غلطی وہی ہے جس کا ذکر اوپر خطابیؒ کے کلام میں آیا) اور بعض شراح کی رائے یہ ہے کہ حدیث میں تصحیف واقع ہوئی ہے، صحیح حلاب نہیں بلکہ جلاب ضم جیم اور لام کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی ماء الورد جو یقیناً از قبیل طیب ہے اور بعض شراح بخاری کی رائے یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصد اس ترجمۃ الباب سے استعمال طیب قبل الغسل کو ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی نفی مقصود ہے کہ غسل سے پہلے استعمال طیب ثابت نہیں۔

٢٤١ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ، عَنْ زَائِدَةَ بْنِ قُدَامَةَ، عَنْ صَدَقَةَ، حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَيْرٍ أَحَدُ بَنِي تَيْمِ اللهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أُمِّي وَخَالَتِي عَلَى عَائِشَةَ، فَسَأَلَتْهَا إِحْدَاهُمَا كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ عِنْدَ

---

[1] معالم السنن ج ١ ص ٨٠. بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٢٣٦

الْغُسْلِ؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَنَحْنُ نُفِيضُ عَلَى رُءُوسِنَا خَمْسًا مِنْ أَجْلِ الضُّفُرِ».

ترجمہ: جمیع بن عمیر سے روایت ہے کہ میں اپنی والدہ اور خالہ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان دونوں میں سے کسی نے ان (حضرت عائشہؓ) سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کا طریقۂ غسل کیا تھا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز جیسا وضو فرماتے پھر اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتے اور ہم بالوں کے (مینڈھیوں کی صورت) میں ہونے کی وجہ سے اپنے سروں پر پانچ مرتبہ پانی بہاتے ہیں۔

تخریج: صحيح البخاري - الغسل (٢٤٩) صحيح البخاري - الغسل (٢٥٥) صحيح مسلم - الحيض (٣١٦) جامع الترمذي - الطهارة (١٠٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٧) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٢٣) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٢٤) سنن أبي داود - الطهارة (٢٤١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٧٤) موطأ مالك - الطهارة (١٠٠) سنن الدارمي - الطهارة (٧٤٨)

شرح الحدیث: وَنَحْنُ نُفِيضُ عَلَى رُءُوسِنَا خَمْسًا مِنْ أَجْلِ الضُّفُرِ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ غسل میں اپنے سر مبارک پر تین بار پانی بہاتے تھے اور ہم یعنی آپ کی ازواج مطہرات بالوں کے بٹا ہوا ہونے کے وجہ سے پانچ بار پانی بہاتی تھیں۔

اس حدیث پر حضرتؒ نے تو بذل میں کوئی اشکال نہیں فرمایا بلکہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ بظاہر وہ ایسا احتیاطاً کرتی تھیں تا کہ پانی اچھی طرح اصول شعر تک پہنچ جائے اور حضرت شیخؒ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ مراد عائشہؓ یہ ہے کہ گاہے ہم ایسا کرتے تھے ورنہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہو جائے گی جو اس سے اگلے باب (رقم الحديث ٢٥١) میں آرہی ہے جس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ام سلمہؓ سے فرمایا قال: «إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْفِنِي عَلَيْهِ ثَلَاثًا» ...... «تَحْثِي عَلَيْهِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ مِنْ مَاءٍ» یعنی عورت کیلئے یہ بات کافی ہے کہ غسل کے وقت نقض ضفائر نہ کرے اور اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لے، لہٰذا اصل تو تثلیث ہی ہے اور اس حدیث کو یہ کہا جائیگا کہ یہ انکا اپنا فعل تھا، حضور ﷺ کی طرف سے اسکا حکم نہیں تھا اور یا یہ کہا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اسلئے کہ اسکے اندر ایک راوی جمیع بن عمیر ہیں جو متکلم فیہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

٢٤٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الْوَاشِحِيُّ، وَمُسَدَّدٌ قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ - قَالَ سُلَيْمَانُ - يَبْدَأُ فَيُفْرِغُ مِنْ يَمِينِهِ [1] عَلَى شِمَالِهِ» وَقَالَ مُسَدَّدٌ: «غَسَلَ يَدَيْهِ يَصُبُّ الْإِنَاءَ عَلَى يَدِهِ الْيُمْنَى، ثُمَّ اتَّفَقَا فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ»، وَقَالَ مُسَدَّدٌ: «يُفْرِغُ عَلَى شِمَالِهِ، وَرُبَّمَا كَنَّتْ عَنِ الْفَرْجِ، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْإِنَاءِ، فَيُخَلِّلُ شَعْرَهُ، حَتَّى إِذَا رَأَى أَنَّهُ قَدْ أَصَابَ

---

[1] یہاں اختلاف نسخ ہے، بعض نسخ میں من یمینہ ہے اور بعض میں بیمینہ، شیخ عوامہ نے حاشیہ میں اشارہ کیا ہے۔ (کتاب السنن - ج ١ ص ٢٦٨)

الْبَشَرَةَ، أَوْ أَنْقَى الْبَشَرَةَ أَفْرَغَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا، فَإِذَا فَضَلَ فَضْلَةٌ صَبَّهَا عَلَيْهِ».

ترجمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جنابت کا غسل فرماتے تو سلیمان راوی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سب سے پہلے برتن میں سے دائیں ہاتھ میں پانی لے کر بائیں ہاتھ پر ڈالتے اور پھر دونوں ہاتھوں کو دھوتے اور مسدد استاد نے فرمایا کہ آپ ﷺ دونوں ہاتھوں کو دھوتے اور برتن جھکا کر دائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر دونوں استاد اس میں متفق ہیں کہ پھر آپ ﷺ استنجاء فرماتے اور مسدد (کیفیت استنجاء) بیان فرماتے ہیں کہ بوقت استنجاء آپ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے (اور مسدد فرماتے ہیں) کبھی تو حضرت عائشہؓ لفظ فرج کو صراحۃً ذکر فرماتیں اور کبھی کنایۃً پھر (استنجاء کے بعد) آپ ﷺ نماز والا وضو فرماتے پھر اپنے ہاتھ برتن میں داخل فرماتے پھر (سر کے) بالوں میں خلال فرماتے یہاں تک کہ جب محسوس فرمالیتے کہ پانی سر کی کھال تک پہنچ گیا یا سر کی کھال کو پانی نے صاف کر دیا تو سر پر تین مرتبہ پانی بہاتے پھر جب پانی بچا ہوتا تو اس کو بھی اپنے اوپر بہادیتے۔

تخریج صحيح البخاري - الغسل (٢٤٥) صحيح مسلم - الحيض (٣١٦) صحيح مسلم - الحيض (٣١٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٠٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٤٩) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٢٣) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤٢٤) سنن أبي داود - الطهارة (٢٤٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٧٤) موطأ مالك - الطهارة (١٠٠) سنن الدارمي - الطهارة (٧٤٨)

شرح الحدیث قَالَ سُلَيْمَانُ يَبْدَأُ فَيُفْرِغُ مِنْ يَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ وَقَالَ مُسَدَّدٌ: غَسَلَ يَدَيْهِ: اس حدیث میں حضرت عائشہؓ غسل جنابت کے سلسلہ میں حضور ﷺ کا معمول بیان فرمارہی ہیں غسل کی کیفیت مسنونہ جو احادیث میں وارد ہوئی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو اولاً دونوں ہاتھ دھوتے اور اسکے بعد استنجاء بالماء فرماتے، اور بعض روایات میں ہے: فیغسل مذاکیرہ یعنی محل استنجاء کے ارد گرد مثلاً فخذین واصول فخذین وغیرہ پر جو نجاست ہوتی اسکو آپ ﷺ زائل فرماتے پھر ہاتھ دھو کر وضو فرماتے اسکے بعد اولاً سر پر تین بار پانی ڈالتے اور پھر باقی بدن پر پانی بہاتے۔

اس کے بعد آپ سمجھئے کہ مصنفؒ کے اس حدیث میں دو استاذ ہیں: سلیمان اور مسدد، ان دونوں استاذوں کے الفاظ میں جو فرق ہے مصنفؒ اس کو بیان کر رہے ہیں سلیمان کی روایت میں ہے: يَبْدَأُ فَيُفْرِغُ بِيَمِينِهِ یعنی آپ غسل یدین اس طرح فرماتے کہ پہلے برتن سے دائیں ہاتھ سے پانی لے کر بائیں ہاتھ پر ڈالتے اور پھر دونوں ہاتھوں کو دھوتے، اور مسدد نے اولاً تو غسل یدین کو مجملاً ذکر کیا اور کہا: غسل یدیہ اس کے بعد غسل یدین کی جو کیفیت بیان کی وہ سلیمان کی بیان کردہ کیفیت سے ذرا مختلف ہے، سلیمان کی روایت سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پانی لینے کے لئے ادخال ید فی الاناء فرمایا، اور مسدد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بجائے ادخال ید کے اصغاء اناء فرمایا یعنی برتن جھکا کر پانی ہاتھ پر ڈالا۔

قولہ: ثُمَّ اتَّفَقَا فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ: یعنی سلیمان اور مسدد دونوں نے غسل یدین کا ذکر کرنے کے بعد کہا فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ، جس سے

استنجاء بالماء مراد ہے پھر آگے مصنفؒ کہتے ہیں کہ مسدد نے کیفیت استنجاء کو بھی بیان کیا **يُفْرِغُ عَلَى شِمَالِهِ** یعنی بوقت استنجاء آپ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے تھے۔

قوله: وَرُبَّمَا كَنَتْ عَنِ الْفَرْجِ: مسدد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کبھی تو لفظ فرج کو صراحۃً ذکر فرماتیں اور کبھی کنایۃً، چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے **ثُمَّ صَبَّ الْمَاءَ عَلَى الْأَذَى الَّذِي بِهِ** ● یہ الفاظ متن کی تشریح ہوئی جو یقیناً قابل اعتناء ہے۔

قوله: ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ: یعنی استنجاء وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ غسل کے شروع میں وضو فرماتے نماز والی وضو۔

ابتداء غسل میں وضوء سے متعلق اختلافات: جاننا چاہئے کہ وضو قبل الغسل میں تین مسئلے اختلافی ہیں: اول اس کا حکم، ثانی یہ کہ یہ وضو کامل ہوگی یا اس میں غسل رجلین کو مؤخر کیا جائے گا، ثالث یہ کہ اس وضو کے اندر مسح راس بھی ہوگا یا نہیں۔

① اختلاف اول جمہور علماء کے نزدیک یہ وضو سنت ہے اور داود ظاہری کے نزدیک واجب ہے اور امام احمدؒ کی بھی ایک روایت وجوب کی ہے جس کی تحقیق اس سے اگلے باب **بَابٌ فِي الْوُضُوءِ بَعْدَ الْغُسْلِ** میں آئے گی۔

② اختلاف ثانی، اس سلسلہ میں روایات بھی مختلف ہیں اور علماء کے اقوال بھی، حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے تکمیل وضو سمجھ میں آرہا ہے اور حضرت میمونہؓ کی روایت جو اس سے آگے آرہی ہے اس میں تاخیر غسل رجلین مذکور ہے، امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ کی روایات جو صحیحین میں ہیں ان کے ظاہر سے تکمیل وضو مستفاد ہوتی ہے اور اکثر روایات میمونہ سے تاخیر غسل قدمین معلوم ہوتی ہے، نیز وہ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا قول اصح واشہر اولویت تکمیل وضو ہے اسی طرح علامہ زرقانی مالکیؒ فرماتے ہیں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب تکمیل وضو ہے یعنی عدم تاخیر غسل قدمین اور حنابلہ کے یہاں اس میں دونوں روایتیں ہیں، کما فی المغنی اور حنفیہ کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں: ① قول مختار عند الاکثر جو متون احناف میں مذکور ہے وہ اولویت تاخیر مطلقاً ہے، ② عدم تاخیر مطلقاً، ③ اگر غسل کی جگہ مستنقع الماء ہے تب تو تاخیر ہے ورنہ تقدیم۔

③ اختلاف ثالث، اس وضو میں مسح راس ہے یا نہیں؟ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے یہاں ہے البتہ حسن بن زیاد کی امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ اس وضو میں مسح راس نہیں ہے امام نسائیؒ نے اس مسئلہ پر مستقل ترجمہ قائم کیا ہے **بَابُ تَرْكِ مَسْحِ الرَّأْسِ فِي الْوُضُوءِ مِنَ الْجَنَابَةِ**، اور اس باب میں انہوں نے حضرت عائشہؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ کی وہ روایت ذکر فرمائی

● صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة الخ ٣٢١

ہے جس میں ہے: حَتّٰی إِذَا بَلَغَ رَأْسَهُ لَمْ یَمْسَحْ وَأَفْرَغَ عَلَیْهِ الْمَاءَ[1]، لیکن چونکہ کثرت سے روایات میں یَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ وارد ہے اس لئے جمہور علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے اور نسائی کی اس روایت کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں ممکن ہے بیان جواز کیلئے گاہے آپ نے ایسا بھی کیا ہو۔ (کذا قال السندی فی الحاشیة)۔

قوله: فَیُخَلِّلُ شَعْرَهُ: علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ غسل میں تخلیل شعر رأس بالاتفاق غیر واجب ہے الا یہ کہ سر کے بال کسی شیٔ کیساتھ ملبد ہوں یعنی کوئی چکنی چیز لگ رہی ہو جس سے بغیر تخلیل کے پانی خلال شعر میں نہ پہنچ سکے البتہ تخلیل لحیہ فی الغسل مختلف فیہ ہے جسکا بیان ابواب الوضو میں گزر چکا۔

قوله: قَدْ أَصَابَ الْبَشَرَةَ: یہ لفظ بفتحتین ہے اس کے معنی ظاہر جلد انسان کے ہیں صاحب عون المعبود کو یہاں پر وہم ہوا انہوں نے اس کو بکسر الموحدة وسکون الشین ضبط کیا ہے یہ صحیح نہیں بشر بالکسر کے معنی طلاقة الوجہ یعنی خندہ پیشانی کے ہیں اسی طرح آگے لفظ فضلة کو صاحب عون نے بضم الفاء ضبط کیا ہے یہ بھی صحیح نہیں یہ لفظ بفتح الفاء ہے، کما ضبطه فی البذل[2]، البتہ فضالة بضم الفاء ہے۔

۲۴۳ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الْبَاهِلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ، حَدَّثَنِي سَعِيدٌ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنِ النَّخَعِيِّ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَسِلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ بِكَفَّيْهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ مَرَافِغَهُ، وَأَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ، فَإِذَا أَنْقَاهُمَا أَهْوَى بِهِمَا إِلَى حَائِطٍ، ثُمَّ يَسْتَقْبِلُ الْوُضُوءَ، وَيُفِيضُ الْمَاءَ عَلَى رَأْسِهِ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو اپنی ہتھیلیوں کے دھونے سے ابتداء فرماتے۔ اسکے بعد بدن کے جوڑ (جن میں پسینہ اور میل جمع ہو جاتا ہے جیسے دونوں بغلیں، رانوں کے کنارے اور شرمگاہ) دھوتے پھر جب وہ صاف ہو جاتے تو دونوں ہاتھ دیوار پر مار کر جھاڑ لیتے پھر وضو فرماتے اور اپنے سر پر پانی بہاتے۔

تخریج: صحیح البخاري - الغسل (۲۴۵) صحیح مسلم - الحیض (۳۱٦) صحیح مسلم - الحیض (۳۱۸) جامع الترمذي - الطهارة (۱۰٤) سنن النسائي - الطهارة (۲٤۳) سنن النسائي - الطهارة (۲٤٦) سنن النسائي - الطهارة (۲٤۷) سنن النسائي - الطهارة (۲٤۸) سنن النسائي - الغسل والتیمم (٤۲۳) سنن النسائي - الغسل والتیمم (٤۲٤) سنن أبي داود - الطهارة (۲٤۳) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۷٤) موطأ مالك - الطهارة (۱۰۰) سنن الدارمي - الطهارة (۷٤۸)

شرح الحدیث: قوله: ثُمَّ غَسَلَ مَرَافِغَهُ: یعنی آپ ﷺ غسل میں غسل کفین سے ابتداء فرماتے اس کے بعد غسل مرافغ فرماتے، دراصل اس سے مراد استنجاء بالماء ہے جیسا کہ روایات میں مشہور ہے یہ رفغ کی جمع ہے، مرافغ کہتے ہیں مغابن ومطاوی بدن کو یعنی مواضع عرق ووسخ، بدن کا وہ حصہ جہاں پسینہ اور میل جمع ہو جاتا ہے جیسے ابطین اور اصول فخذین اور یہاں

---

[1] سنن النسائي - کتاب الغسل والتیمم - باب ترك مسح الرأس في الوضوء من الجنابة ٤۲۲

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۲٤۰

اس سے مراد فرج اور اصول فخذین ہے ایک روایت میں ہے إِذَا الْتَقَى الرُّفْغَانِ وَجَبَ الْغُسْلُ، أي الفرجان والختانان۔

قولہ: وَأَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ: اس روایت کے الفاظ میں یہاں کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے حضرتؒ نے بذل میں تحریر فرمایا ہے کہ بظاہر روایت کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے [1]، بندہ کی رائے یہ ہے کہ جس کو حضرتؒ نے بھی احتمالاً بیان فرمایا ہے علیہ کی ضمیر بتاویل مذکور مرافغ کی طرف راجع ہے اور یہاں تک استنجے کا بیان پورا ہوا، آگے فاذا انقاهما میں غسل یدین کا ذکر ہے حاصل یہ ہے کہ اولاً آپ ﷺ نے غسل مرافغ یعنی استنجاء بالماء فرمایا اس کے بعد پھر غسل یدین کیا اور غایت تنظیف کے لئے اپنے ہاتھوں کو دیوار یعنی مٹی سے رگڑا اس صورت میں عبارت میں تقدیم وتاخیر ماننے کی ضرورت نہیں۔

۲۴۴ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ شَوْكَرٍ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ عُرْوَةَ الْهَمْدَانِيِّ، حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: «لَئِنْ شِئْتُمْ لَأُرِيَنَّكُمْ أَثَرَ يَدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَائِطِ حَيْثُ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تم کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں کے نشانات دکھاؤں جس جگہ آپ ﷺ غسل جنابت فرمایا کرتے تھے۔

۲۴۵ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ، عَنْ خَالَتِهِ مَيْمُونَةَ قَالَتْ: «وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا يَغْتَسِلُ بِهِ مِنَ الْجَنَابَةِ فَأَكْفَأَ الْإِنَاءَ عَلَى يَدِهِ الْيُمْنَى، فَغَسَلَهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ صَبَّ عَلَى فَرْجِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِشِمَالِهِ، ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَغَسَلَهَا، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ صَبَّ عَلَى رَأْسِهِ وَجَسَدِهِ، ثُمَّ تَنَحَّى نَاحِيَةً فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ، فَنَاوَلْتُهُ الْمِنْدِيلَ فَلَمْ يَأْخُذْهُ وَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ عَنْ جَسَدِهِ» فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ: «كَانُوا لَا يَرَوْنَ بِالْمِنْدِيلِ بَأْسًا، وَلَكِنْ كَانُوا يَكْرَهُونَ الْعَادَةَ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ مُسَدَّدٌ: قُلْتُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ دَاوُدَ: كَانُوا يَكْرَهُونَهُ لِلْعَادَةِ؟ فَقَالَ: هَكَذَا هُوَ، وَلَكِنْ وَجَدْتُهُ فِي كِتَابِي هَكَذَا.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے غسل جنابت کیلئے غسل کا پانی رکھا تو آپ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ پر برتن کو جھکا کر پانی ڈالا پھر اس کو دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھویا پھر شرمگاہ پر ڈال کر شرمگاہ کو بائیں ہاتھ سے دھویا پھر اپنا ہاتھ زمین پر رگڑ کر دھویا پھر کلی فرمائی پھر ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا پھر اپنے سر اور جسم پر پانی ڈالا پھر غسل کی جگہ سے ایک کنارہ ہٹ کر اپنے پیروں کو دھویا میں نے آپ ﷺ کو تولیہ دیا تو آپ ﷺ نے وہ نہیں لیا اور ویسے ہی آپ اپنے بدن مبارک سے پانی جھاڑتے رہے (اعمش کہتے ہیں کہ) میں نے اس حدیث کو ابراہیم نخعی سے ذکر کیا اور ان سے پوچھا کہ تولیہ کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ صحابہ مطلق مندیل کے استعمال میں حرج نہیں سمجھتے البتہ یہ مکروہ سمجھتے ہیں کہ اس کو عادت

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۲۴۲ - ۲۴۳

بنالیا جائے۔

امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ مسدّد نے بیان کیا کہ میں نے عبداللہ بن داؤد سے پوچھا کہ کیا آپ کی مراد تَكَرُّهُونَ الْعَادَةَ سے يَكْرَهُونَهُ لِلْعَادَةِ (لام کے ساتھ) ہے تو انہوں نے فرمایا مراد تو یہی ہے لیکن میری کتاب میں اسی طرح (بغیر لام) کے ہے۔

صحيح البخاري - الغسل (٢٤٦) صحيح البخاري - الغسل (٢٥٤) صحيح البخاري - الغسل (٢٥٦) صحيح البخاري - الغسل (٢٥٧) صحيح البخاري - الغسل (٢٦٢) صحيح البخاري - الغسل (٢٦٣) صحيح البخاري - الغسل (٢٧٠) صحيح البخاري - الغسل (٢٧٢) صحيح البخاري - الغسل (٢٧٧) صحيح مسلم - الحيض (٣١٧) صحيح مسلم - الحيض (٣٣٧) جامع الترمذي - الطهارة (١٠٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٥٣) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٨) سنن النسائي - الغسل والتيمم (٤١٩) سنن أبي داود - الطهارة (٢٤٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٤٦٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٧٣) سنن الدارمي - الطهارة (٧١٢) سنن الدارمي - الطهارة (٧٤٧)

شرح الحديث قوله: ثُمَّ تَنَحَّى نَاحِيَةً: یہ ہے حضرت میمونہؓ کی وہ روایت جس میں تاخیر غسل قدمین کی تصریح ہے۔

تمسح بالمندیل کی بحث اور مذاہب ائمہ: فَنَاوَلْتُهُ الْمِنْدِيلَ فَلَمْ يَأْخُذْهُ: حضرت میمونہؓ نے بدن خشک کرنے کیلئے آپ ﷺ کو رومال پیش کیا مگر آپ نے اسکو قبول نہیں فرمایا، تمسح بالمندیل کے بارے میں امام [1] ترمذیؒ نے مستقل باب قائم کیا ہے اور پھر اسکے ذیل میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں ایک حضرت عائشہؓ کی حدیث جس کے الفاظ ہیں: كَانَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا بَعْدَ الْوُضُوءِ [2]، اور دوسری حضرت معاذؓ کی حدیث جس میں ہے رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ [3]، اور ایک روایت میں ہے جس کو علامہ جزریؒ نے نہایۃ میں ذکر کیا ہے كَانَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَشَّافَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا غُسَالَةَ وَجْهِهِ [4]، اور امام ترمذیؒ نے ان دونوں حدیثوں کو تضعیف کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اس سلسلہ میں حضور ﷺ سے کوئی حدیث صحیح اور ثابت نہیں، بندہ کہتا ہے صحیحین میں آپ ﷺ سے ترک تنشیف ہی مروی ہے اور اسی طرح حضرت امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں بجائے تمسح بالمندیل کے بَابُ نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنَ الْغُسْلِ عَنِ الْجَنَابَةِ قائم کیا ہے یعنی اعضاء کو بجائے کپڑے سے خشک کرنے کے ویسے ہی جھٹک دینا، اور امام نسائیؒ نے بَابُ تَرْكِ الْمِنْدِيلِ بَعْدَ الْغُسْلِ کا ترجمہ قائم کیا ہے۔

علماء کے مابین بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، چنانچہ علامہ کرمانیؒ نے امام نوویؒ سے شافعیہ کے یہاں اس میں پانچ قول نقل کئے ہیں: ① اصح یہ ہے کہ ترک تنشیف اولیٰ ہے، ② تنشیف مکروہ ہے، ③ مباح ہے، ④ مستحب ہے، ⑤ مکروہ فی الصیف دون الشتاء

---

[1] تمسح بالمندیل کے سلسلہ میں مثبت پہلو میں صرف امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے باب قائم کیا ہے۔

[2] جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب المنديل بعد الوضوء ٥٣

[3] جامع الترمذي - كتاب الطهارة - باب المنديل بعد الوضوء ٥٤

[4] النهاية في غريب الحديث والأثر - ج ٥ ص ٥٨

اور باقی ائمہ ثلاث امام ابو حنیفہؒ وامام مالکؒ وامام احمدؒ کے یہاں تنشیف مباح ہے، ہمارے یہاں راجح قول یہی ہے جیسا کہ قاضی خانؒ نے فرمایا، لیکن صاحب منیۃ نے نشف کو مستحب لکھا ہے، معارف السنن میں صاحب بحر سے نقل کیا ہے کہ حنفیہ کے یہاں اس کا استحباب بجز صاحب منیہ کے کسی اور نے نقل نہیں کیا، میں کہتا ہوں حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں حنفیہ کا مسلک استحباب تنشیف تحریر فرمایا ہے اور لکھا ہے اس میں گو احادیث ضعیف ہیں، لیکن فضائل میں عمل بالضعیف جائز ہے، اور حضرت شیخؒ حاشیۂ کوکب میں لکھتے ہیں کہ صاحب در مختار نے تمسح بالمندیل کو آداب میں شمار کیا ہے اور ابن عابدین نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، حضرت گنگوہیؒ کی رائے کوکب میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کا تمسح بالمندیل فرمانا بیان جواز کیلئے تھا[1]، اور اسی طرح علامہ طحاویؒ نے امام محمدؒ کی کتاب الآثار سے نقل کیا ہے کہ تمسح بالمندیل لابأس به کے قبیل سے ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں وھو قول ابي حنيفة، علامہ سندھی حنفیؒ حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں والظاهر أنه مباح إن لم يفض إلى الكبر[2]، اور بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ بہر کیف تنشیف مبالغہ کے ساتھ نہ کرنا چاہئے یہ تو تحقیق ہے مذاہب ائمہ کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شافعیہ کے یہاں قول اصح میں ترک تنشیف اولی ہے اور مالکیہ وحنابلہ کے یہاں تنشیف مباح ہے اور حنفیہ کے یہاں راجح قول کی بناء پر مباح اور دوسرے قول میں مستحب ہے۔

اسکے علاوہ بعض دوسرے علماء سے اسکی کراہت منقول ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے سعید بن المسیبؒ وامام زہریؒ سے کراہت تنشیف نقل کیا ہے اور اسکی وجہ یہ نقل کی ہے الوضوء يوزن یعنی ماء وضو کا قیامت کے روز دوسرے اعمال کے ساتھ وزن ہوگا لہذا اسکا ازالہ نہیں کرنا چاہئے اور ابن العربیؒ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں: ① ایک یہ کہ جائز ہے وضو اور غسل دونوں میں، ② قول ثانی یہ کہ مکروہ ہے دونوں میں، اسکو انہوں نے منسوب کیا ہے ابن عمرؓ اور ابن ابی لیلی کی طرف، ③ قول ثالث یہ کہ مکروہ ہے وضو میں مباح ہے غسل میں، اسکو ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے، نیز ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ وہ جو بعض علماء سے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے الوضوء يوزن، اس سے کراہت پر استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس کا وزن ہونا اس کے مسح سے مانع نہیں ہے میں کہتا ہوں اس لئے کہ اگر مسح نہ بھی کیا گیا تب بھی بہر حال کچھ وقفہ بعد بدن کی حرارت اور ہوا سے تو خشک ہونا ہی ہے اور بعض نے کراہت کی وجہ یہ بیان کی کہ وضو ایک عبادت ہے اور تری آثار عبادت میں سے ہے لہذا اس کا ازالہ اپنے اختیار سے مناسب نہیں ہے[3]۔

قولہ: وَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ عَنْ جَسَدِهِ: یعنی بجائے کپڑے سے بدن خشک کرنے کے آپ ﷺ نے بدن سے پانی کو

---

[1] الكوكب الدري على جامع الترمذي - ج ١ ص ٧٦

[2] شروح سنن ابن ماجة — ج ١ ص ٢٤٦ (الطبعة الأولى . بيت الأفكار الدولية)

[3] عارضة الأحوذي شرح صحيح الترمذي - ج ١ ص ٦٩ - ٧٠

ویسے ہی جھاڑنے اور جھٹکنے پر اکتفاء فرمایا، صاحب منہل لکھتے ہیں جس روایت میں نفض کی ممانعت وارد ہے یعنی لَا تَنْفُضُوا أَيْدِيَكُمْ ، فِي الوضوء فَإِنَّهَا مَرَاوِحُ الشَّيْطَانِ وہ ضعیف ہے [1]۔

وضوء کے بعد نفض الیدین کی بحث: جاننا چاہئے کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک ترک تنشیف جسکی بحث اوپر گزر چکی، دوسرے نفض الیدین، نفض الیدین کو کسی نے مستحب نہیں لکھا امام نوویؒ فرماتے ہیں ہمارا مشہور قول یہ ہے کہ ترک نفض مستحب اور اولیٰ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ مکروہ ہے اور تیسرا یہ کہ یہ مباح ہے، امام نوویؒ نے اسی کو پسند کیا ہے اس لئے کہ یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے، علامہ قسطلانیؒ نے ترجمہ بخاری باب نَفْضِ الْيَدَيْنِ مِنَ الْغُسْلِ عَنِ الْجَنَابَةِ کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اسکا ترک اولیٰ ہے اسلئے کہ نفض میں تبری من العبادۃ کا شائبہ ہے [2]، اور حنفیہ میں سے صاحب در مختار نے عدم نفض الیدین کو مندوبات وضو میں شمار کیا ہے یہ ساری بحث بالتفصیل الحل المفہم میں مذکور ہے، نیز اس میں حضرت گنگوہیؒ کی بعض تقاریر سے نقل کیا ہے کہ حدیث میں جو وضو یا غسل کے بعد نفض یدین آتا ہے اس سے مراد ہے "انه جعل یمشی مسترسلاً یدیه فیقطر الماء من یدیه بنفسه" یعنی ہاتھوں کو ویسے ہی ڈھیلا چھوڑ دینا جس سے پانی خود بخود ٹپک جائے، نفض الیدین مراد نہیں ہے۔

قوله: فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِإِبْرَاهِيمَ: ابوداؤد کی اس روایت سے یہ پتہ چلنا مشکل ہے کہ اس جملہ کا قائل کون ہے، مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قائل راوی حدیث اعمش ہیں جو یہاں سند میں مذکور ہیں، اعمش کہتے ہیں کہ سالم سے جو حدیث میں نے سنی تھی اس کا میں نے ابراہیم نخعیؒ سے ذکر کیا تو انہوں نے اس حدیث کو سننے کے بعد فرمایا كَانُوا لَا يَرَوْنَ بِالْمِنْدِيلِ بَأْسًا الخ یعنی علماء مطلق استعمال مندیل میں حرج نہیں سمجھتے تھے، البتہ یہ مکروہ سمجھتے تھے کہ اسکو عادت بنایا جائے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ مُسَدَّدٌ الخ: اس جملہ کی شرح میں شراح نے دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ کہ مسدد کہتے ہیں میں نے اپنے استاذ عبداللہ بن داؤد سے پوچھا کہ یہ جو اس روایت میں اعمش اور ابراہیم کے درمیان سوال وجواب واقع ہوا کیا یہ آپ کو اچھی طرح یاد ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جہاں تک حفظ کا تعلق ہے اس میں تو یہ زیادتی نہیں ہے بلکہ صرف حضرت میمونہؓ کی روایت مجھ کو یاد ہے بغیر اس سوال وجواب کے لیکن میرے پاس جو کتاب ہے اس میں یہ زیادتی مذکور ہے، اور دوسرا احتمال اسکی شرح میں یہ ہے کہ اوپر روایت میں آیا تھا كَانُوا يَكْرَهُونَ الْعَادَةَ (بغیر لام جارہ کے) تو اس پر مسدد نے اپنے استاذ سے پوچھا کہ کیا آپ کی مراد يَكْرَهُونَ الْعَادَةَ سے يَكْرَهُونَهُ لِلْعَادَةِ ہے اس پر انہوں نے کہا کہ مراد تو یہی ہے لیکن میری کتاب میں بغیر

---

[1] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ٣ ص ١٦

[2] إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري - ج ١ ص ٣٣٠

لام جارہ ہی کے ہے، حضرتؒ نے بذل [1] میں احتمال ثانی پر اکتفاء کیا ہے اور صاحب منہل نے دونوں احتمال لکھے ہیں۔

٢٤٦ - حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عِيسَى الْخُرَاسَانِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: "إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى سَبْعَ مِرَارٍ، ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهُ - فَنَسِيَ مَرَّةً كَمْ أَفْرَغَ، فَسَأَلَنِي كَمْ أَفْرَغْتُ؟ فَقُلْتُ لَا أَدْرِي. فَقَالَ: لَا أُمَّ لَكَ، وَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَدْرِيَ؟ - ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى جِلْدِهِ الْمَاءَ". ثُمَّ يَقُولُ: «هَكَذَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ».

ترجمہ: شعبہ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ جب غسل جنابت فرماتے تو ابتداء میں دائیں ہاتھ سے سات مرتبہ بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر شرمگاہ دھوتے پس ایک مرتبہ ابن عباسؓ بھول گئے کہ کتنی مرتبہ انہوں نے پانی ڈالا تو مجھ سے پوچھا کہ میں نے کتنی مرتبہ پانی ڈالا تو میں نے عرض کیا مجھے معلوم نہیں تو فرمانے لگے تمہاری ماں نہ رہے تم کو کس نے منع کیا کہ تم نے یہ بات یاد نہ رکھی پھر نماز کی طرح وضو فرمایا پھر اپنے بدن پر پانی ڈالا پھر فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح طہارت حاصل فرمایا کرتے تھے۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٢٤٦) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٠٧/١)

شرح الحديث: قوله: يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى سَبْعَ مِرَارٍ: حضرت ابن عباسؓ ابتداء غسل میں سات بار ہاتھ دھویا کرتے تھے۔ اسمیں دو احتمال ہیں یا تو یہ کہا جائے کہ ایسا شروع میں تھا پھر احادیث تثلیث سے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہو سکتا ہے ابن عباسؓ اسکے نسخ کے قائل نہ ہوں، یا یہ کہا جائے کہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اسکی سند میں شعبة بن دینار راوی ہے جو ضعیف ہے۔

٢٤٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ جَابِرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُصْمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: «كَانَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِينَ، وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مِرَارٍ، وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ مِرَارٍ، فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتَّى جُعِلَتِ الصَّلَاةُ خَمْسًا، وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ مَرَّةً، وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ مَرَّةً».

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ شروع میں نمازیں پچاس فرض تھیں اور غسل جنابت سات مرتبہ کرنا فرض تھا اور کپڑے سے پیشاب کو سات بار دھونا واجب تھا۔ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کرتے رہے یہاں تک کہ نمازیں پانچ اور غسل جنابت ایک بار اور پیشاب کی وجہ سے ناپاک کپڑے کو ایک بار دھونا رہ گیا۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٢٤٧) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (١٠٩/٢)

شرح الحديث: قوله: كَانَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِينَ الخ: یعنی شروع میں نمازیں پچاس اور غسل جنابت سات بار اور ثوب

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٢٤٦

نجس کو سات بار دھونا واجب تھا، حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کرتے رہے یہاں تک کہ نمازیں پچاس کی پانچ اور غسل جنابت ایک بار اور پیشاب سے ناپاک کپڑے کو ایک بار دھونا رہ گیا، نماز میں تخفیف کا واقعہ تو مشہور ہے کہ لیلۃ الاسراء میں پیش آیا اس کے علاوہ اور دو چیزیں جو اس حدیث میں مذکور ہیں اس میں دونوں احتمال ہیں ہو سکتا ہے ان کا نسخ بھی اسی شب میں ہوا ہو یا اور کسی وقت۔

ثوب نجس کی تطہیر میں مذاہب ائمہ: اس حدیث میں ثوب نجس کی تطہیر کا جو مسئلہ مذکور ہے وہ مختلف فیہ ہے۔ امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے یہاں اس حدیث کے مطابق صرف ایک بار دھونا کافی ہے، اور امام احمدؒ کی اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ سات بار دھونا ضروری ہے دوسری یہ کہ ایک بار کافی ہے، مغنی میں ان کا مذہب مثل شافعیہ کے لکھا ہے، اور ابن العربیؒ فرماتے ہیں امام احمدؒ کے نزدیک تمام نجاسات کا سات بار دھونا ضروری ہے، اور حنفیہ کے یہاں تین بار دھونا ضروری ہے اس لئے کہ حدیث میں ولوغ کلب کے سلسلہ میں ایک روایت میں تطہیر اناء ثلثاً وارد ہوا ہے، نیز استیقاظ من النوم میں تین بار غسل یدین کا حکم حدیث میں وارد ہے جبکہ وہاں صرف احتمال نجاست ہے، ظاہر ہے کہ تحقق نجاست کی شکل میں یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا، اور حدیث الباب مالکیہ اور شافعیہ کے موافق ہے، ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ایوب بن جابر اور عبد اللہ بن عصم دونوں ضعیف ہیں۔

جاننا چاہئے کہ ہمارے یہاں تقدیر بالثلاث لازم نہیں ہے بلکہ اصل اس میں مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہے جب اسکو طہارت کا ظن غالب ہو جائے تب کپڑا پاک ہوگا لیکن چونکہ عامۃً تین مرتبہ میں ظن غالب ہو ہی جاتا ہے اسلئے تین کی قید ہے، نیز یہ حکم نجاست غیر مرئیہ کا ہے اور نجاست مرئیہ میں طہارت کا مدار عین نجاست کے زوال پر ہے جب تک اس کا ازالہ نہ ہوگا طہارت حاصل نہ ہوگی۔

٢٤٨ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنِي الْحَارِثُ بْنُ وَجِيهٍ، حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ، وَأَنْقُوا الْبَشَرَ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: الْحَارِثُ بْنُ وَجِيهٍ حَدِيثُهُ مُنْكَرٌ، وَهُوَ ضَعِيفٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے پس بالوں کو دھوؤ اور بدن کو بھی پاک کرو۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ حارث بن وجیہ کی حدیث منکر ہے اور وہ خود ضعیف راوی ہیں۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (١٠٦) سنن أبي داود - الطهارة (٢٤٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٩٧)

شرح الحدیث: قوله: إِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً الخ: خطابیؒ کہتے ہیں کہ بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے

کہ غسل جنابت میں استنشاق واجب ہے کیونکہ داخل انف میں بال ہوتے ہیں اور أَنْقُوا الْبَشَرَ جو آگے آرہا اس سے ایجاب مضمضہ پر استدلال کیا ہے کیونکہ داخل فم پر بشر صادق آتا ہے، مگر خطابیؒ نے اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ بشرہ کا اطلاق ماظہر من البدن پر ہوتا ہے اور داخل فم کو أدمة سے تعبیر کیا جاتا ہے[1]، لیکن علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے وجوب مضمضہ پر بھی استدلال صحیح ہے اس لئے کہ داخل فم ظاہر بدن سے ہے یہی وجہ ہے کہ منہ کے اندر کھانے پینے کی کوئی چیز لینا روزہ میں مضر نہیں، میں کہتا ہوں خطابیؒ نے جو یہ بات کہی کہ داخل فم کو أدمة کہتے ہیں، اس پر حضرتؒ نے بذل[2] میں اور صاحب منہل نے بھی اہل لغت کے کلام کو لے کر اس پر تعقب کیا ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ یہ حدیث ضعیف اور منکر ہے کما قال المصنفؒ اس لئے کہ اس کی سند میں حارث بن وجیہ ہیں (وقیل وجبہ) وہ ضعیف ہیں۔

۲۴۹ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ، عَنْ زَاذَانَ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهِ[3] كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ» قَالَ عَلِيٌّ: فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي، فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي، ثَلَاثًا، وَكَانَ يَجُزُّ شَعْرَهُ.

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غسل جنابت میں ایک بال کے برابر بھی جگہ خشک چھوڑ دے گا تو اس کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا جائے گا (یعنی عذاب دیا جائے گا) اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اسی خطرے کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کے ساتھ عداوت اور دشمنی کا معاملہ رکھتا ہوں، تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی (چنانچہ) راوی فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے سر کے بال (کتروایا) منڈوایا کرتے تھے۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۲۴۹) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۹۹) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (۹۴/۱). مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (۱۰۱/۱) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (۱۳۳/۱) سنن الدارمي - الطهارة (۷۵۱).

شرح الحدیث: قوله: قَالَ عَلِيٌّ: فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي الخ: حضرت علیؓ کی اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص غسل جنابت میں ایک بال کے برابر جگہ بھی خشک چھوڑ دے گا تو اس کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا جائے گا یعنی عذاب دیا جائے گا، اس پر حضرت علیؓ فرماتے ہیں اسی خطرہ کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کے ساتھ عداوت اور دشمنی کا معاملہ رکھتا ہوں، چنانچہ راوی ان کا عمل نقل کرتا ہے وَكَانَ يَجُزُّ شَعْرَهُ۔

التفضیل بین حلق الرأس واتخاذ الشعر: علامہ طیبیؒ نے اس حدیث سے سنیت حلق رأس پر استدلال کیا ہے لیکن ملا علی قاریؒ اور شیخ ابن حجر مکیؒ نے اس کو رد کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی خلفاء راشدین کی عادت شریفہ بال رکھنے کی تھی نہ

---

[1] معالم السنن - ج ۱ ص ۸۰ - ۸۱

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۲۵۱ - ۲۵۲

[3] یہاں اختلاف نسخ ہیں لہذا بعض نسخ میں بها ہے، جیسا کہ محی الدین عبد الحمیدؒ اور شیخ عوامہؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔

کہ منڈانے کی، تو اسکو رخصت کہا جائیگا نہ کہ سنت، لہذا یہ تو سنت غلوی ہوئی نہ کہ سنت نبوی [1]، حضرت شیخؒ نے حاشیۂ بذل میں ابن قدامہ حنبلی سے نقل کیا ہے کہ اتخاذ شعر افضل ہے ازالۂ شعر سے اور حلق رأس امام احمدؒ کی ایک روایت میں مکروہ ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کو خوارج کی علامت فرمایا ہے، حدیث میں ہے سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ [2]۔

کیفیت غسل کا باب پورا ہوا جس میں مصنفؒ نے گیارہ حدیثیں بیان کی ہیں۔

۹۸ - بَابٌ فِي الْوُضُوءِ بَعْدَ الْغُسْلِ

باب غسل کے بعد وضو کرنے کے بیان میں

بذل [3] میں لکھا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وضوء کرنا مستحب نہیں اس پر حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کا اس میں اختلاف ہے اس لئے کہ ان کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص کو حدث اصغر واکبر دونوں لاحق ہوں اس پر وضو اور غسل دونوں واجب ہے اگر وضو قبل الغسل نہ کی تو بعد الغسل کرے، دوسری روایت ان کی یہ ہے کہ اگر غسل ہی میں جنابت اور حدث دونوں سے طہارت کی نیت کر لے تو غسل کے ضمن میں وضو بھی ادا ہو جائے گی اور اگر نہ مستقلاً وضو کی اور نہ غسل میں طہارت عن الحدث کی نیت کی تو پھر ان کا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ وضو واجب ہے۔

۲۵۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ وَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ وَصَلَاةَ الْغَدَاةِ، وَلَا أَرَاهُ يُحْدِثُ وُضُوءًا بَعْدَ الْغُسْلِ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما کر دو رکعتیں ادا فرماتے اور فجر کی نماز پڑھتے تھے مگر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کے بعد نیا وضو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (۱۰۷) سنن النسائي - الغسل والتيمم (۴۳۰) سنن أبي داود - الطهارة (۲۵۰) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۷۹).

۹۹ - بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ هَلْ تَنْقُضُ شَعْرَهَا عِنْدَ الْغُسْلِ

باب اس بیان میں کہ کیا عورت غسل کے وقت اپنے بالوں (کی مینڈھیاں) کھولے

عورت کے بال اگر مضفور یعنی بٹے ہوئے ہوں تو کیا غسل کے وقت ان کو کھولنا ضروری ہے؟ ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک نقض ضفائر مطلقاً ضروری ہے، امام نوویؒ نے اپنا اور جمہور کا مسلک یہ لکھا ہے کہ اگر پانی بغیر نقض کے بالوں کے ظاہر و باطن سب میں

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ۲ ص ۱۳۶

[2] سنن أبي داود - كتاب السنة - باب في قتال الخوارج ۴۷۶۶

[3] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۲۵۵

پہنچ جاتا ہے تب تو نقض واجب نہیں ورنہ نقض ضفائر واجب ہے، اور یہی مسلک مالکیہ کا ہے، صاحب منہل نے انکے مسلک میں ذرا تفصیل لکھی ہے اور حنابلہ کے یہاں غسل حیض ونفاس میں نقض ضروری ہے اور غسل جنابت میں نہیں بشرطیکہ پانی اصول شعر تک پہنچ جائے (کما فی نیل المآرب والمنہل [1] وغیرہما) اور یہی مذہب ہے حسن بصریؒ اور طاؤسؒ کا، ہمارے یہاں ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ صرف اصول شعر کو تر کرنا کافی ہے، در مختار میں لکھا ہے اگر بال مضفور ہوں تو صرف اصول شعر کو تر کرنا کافی ہے اور اگر منقوض ہوں تو پھر پورے بالوں کو تر کرنا ضروری ہے [2]، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل [3] میں یہ مسئلہ یہاں نہیں ذکر فرمایا ہے بلکہ اس سے پہلے باب میں إِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً الخ [4] کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل حضرت انسؓ کی وہ حدیث مرفوع ہے جو دار قطنی اور بیہقی [5] میں ہے جس میں غسل حیض اور جنابت میں اس فرق کی تصریح ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس کی سند میں مسلم بن صبیح الیحمدی ہیں جو کہ ضعیف ہیں۔

جاننا چاہئے کہ حنفیہ کے یہاں اس مسئلہ میں مرد عورت کے درمیان فرق ہے، مرد کیلئے اگر ضفائر ہوں تو ان کو کھولنا اور اثناء شعر میں پانی پہنچانا ضروری ہے صرف اصول شعر کو تر کرنا کافی نہیں بخلاف جمہور کے ان کے یہاں اس مسئلہ میں مرد وعورت کے درمیان کوئی فرق نہیں (کذا نقل فی البذل عن الخطابی وهکذا فی هامش الکوکب عن کتب الفروع) اس فرق کی دلیل اسی باب کی آخری حدیث ثوبانؓ (رقم الحدیث ۲۵۵) ہے جس کے لفظ ہیں أَمَّا الرَّجُلُ فَلْيَنْشُرْ [6] رَأْسَهُ فَلْيَغْسِلْهُ الخ۔

۲۵۱ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَابْنُ السَّرْحِ قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَافِعٍ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ - وَقَالَ زُهَيْرٌ أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي امْرَأَةٌ - أَشُدُّ ضُفُرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ؟ قَالَ: «إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْفِنِي عَلَيْهِ ثَلَاثًا» - وَقَالَ زُهَيْرٌ: «تَحْثِي عَلَيْهِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ مِنْ مَاءٍ» ثُمَّ تُفِيضِي عَلَى سَائِرِ جَسَدِكِ، فَإِذَا أَنْتِ قَدْ طَهُرْتِ".

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مسلمان عورت نے اور زہیر راوی فرماتے ہیں کہ خود ام سلمہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میری عادت ہے کہ میں اپنے بالوں کو کس کر باندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے وقت ان کو کھولوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے لئے تین لپ پانی اپنے سر پر بہادینا کافی ہے اور زہیر فرماتے ہیں کہ تین

---

[1] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ۳ ص ۲٦

[2] رد المحتار على الدر المختار - ج ۱ ص ۲۸۷

[3] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۲۵۱

[4] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب في الغسل من الجنابة ۲٤۸

[5] السنن الكبرى للبيهقي - كتاب الطهارة - باب ترك المرأة نقض قرونها الخ ۸٦۳

[6] یہاں اختلاف نسخ ہے، بعض میں فلینغر ہے، جیسا کہ شیخ عوامہؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (کتاب السنن - ج ۱ ص ۲۷۳)

چلو پانی بھر کر ان پر ڈالو پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہالو تو تم پاک ہو جاؤ گی۔

شرح الحدیث: قوله: وَقَالَ زُهَيْرٌ أَنَّهَا قَالَتْ الخ: اس حدیث کی سند میں مصنف ؒ کے دو استاذ ہیں زہیر اور ابن السرح جن کا نام احمد بن عمرو بن السرح ہے ان دونوں کی روایت میں فرق یہ ہے کہ ابن السرح کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والی امْرَأَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ہے اور زہیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والی خود ام سلمہؓ ہیں اور جمع بین الروایتین یہ ہے..... جیسا کہ اس کے بعد آنے والی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں ایک عورت آئیں اور انہوں نے اپنا عرض حال کیا اس پر ام سلمہؓ نے حضور ﷺ سے ان کیلئے مسئلہ دریافت کیا اس روایت سے معلوم ہوا کہ سوال کرنے والی تو ام سلمہؓ ہی ہیں لیکن ان کا سوال اپنے لئے نہ تھا بلکہ اس امراۃ کیلئے تھا لہذا جس روایت میں سوال کی نسبت ام سلمہؓ کی طرف کی گئی وہ حقیقت ہے جس میں امراۃ کی طرف نسبت کی گئی وہ مجاز ہے لیکن بندہ کو اس میں یہ خلجان ہے کہ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضُفْرَ رَأْسِي کا مصداق کون ہے؟ چوٹی کو کس کر باندھنے والی کون ہیں؟ اگر امْرَأَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ہے تو ام سلمہؓ کا بوقت سوال یہ کہنا إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضُفْرَ رَأْسِي کہاں صحیح ہوگا اور اگر اس کا مصداق خود ام سلمہؓ ہیں تو پھر یہ کہنا کہاں صحیح ہوا کہ انہوں نے امْرَأَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ کیلئے سوال کیا، لہذا ظاہر یہ ہے کہ سوال کرنے والی خود امْرَأَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ہی ہیں بعد میں سوچنے سے اس خلجان کا دفعیہ بھی ذہن میں آیا وہ یہ کہ اس کا مصداق تو امْرَأَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ہی ہے لیکن سوال کرنے والی ام سلمہؓ ہیں اور ان کا یہ کلام بطریق حکایت عن الغیر کے ہے یعنی انہوں نے حضور ﷺ سے اس طور پر سوال کیا کہ ایک عورت میرے پاس آئی جس نے اپنے بارے میں یہ کہا لیکن راوی نے روایت میں اجمال سے کام لیا۔

قوله: إِنِّي امْرَأَةٌ - أَشُدُّ ضُفْرَ رَأْسِي: یہ لفظ یا تو بفتح الضاد وسکون الفاء ہے اس صورت میں یہ مصدر ہوگا اور یا بضمتین ہے اس صورت میں یہ ضفیرۃ کی جمع ہوگی یعنی میری عادت یہ ہے کہ اپنے سر کے بالوں کو کس کر باندھتی ہوں، کیا غسل جنابت کے وقت ان کو کھولوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا تین لپ پانی ان پر بہادینا کافی ہے اور اس سے اگلی روایت میں ہے وَاغْمِزِي قُرُونَكِ عِنْدَ كُلِّ حَفْنَةٍ یعنی ہر مرتبہ بالوں کو نچوڑنا اور دبانا بھی ضروری ہے تاکہ پانی اندر تک پہنچ سکے۔

۲۵۲ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، حَدَّثَنَا ابْنُ نَافِعٍ يَعْنِي الصَّائِغَ، عَنْ أُسَامَةَ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَتْ: فَسَأَلْتُ لَهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ فِيهِ: «وَاغْمِزِي قُرُونَكِ عِنْدَ كُلِّ حَفْنَةٍ».

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت اس مسئلہ کو لے کر ام سلمہؓ پاس آئی ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے اس عورت کیلئے مسئلہ دریافت کیا پھر گزشتہ حدیث کی طرح بیان کیا لیکن اس روایت میں یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی کا ہر چلو بہا کر اپنی لٹوں (چوٹیوں) کو نچوڑ لیا کر۔

تخریج: صحيح مسلم-الحيض (٣٣٠) جامع الترمذي-الطهارة (١٠٥) سنن النسائي-الطهارة (٢٤١) سنن أبي داود-الطهارة (٢٥١) سنن ابن ماجه-الطهارة وسننها (٦٠٣) مسند أحمد-باقي مسند الأنصار (٢٨٩/٦) مسند أحمد-باقي مسند الأنصار (٣٦٥/٦) سنن الدارمي-الطهارة (١١٥٧)

شرح الحدیث: عَنْ أُسَامَةَ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ: یہ پہلی حدیث ہی کا دوسرا طریق ہے پہلی سند میں مقبری سے روایت کرنے والے ایوب تھے اور یہاں پر اسامہ ہیں، مقبری سے مراد سعید بن ابی سعید ہیں پہلی سند میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ پہلی سند میں مقبری اور ام سلمہ کے درمیان عبد اللہ بن رافع کا واسطہ تھا اور یہ روایت بلا واسطہ ہے مصنف نے دونوں طریق ذکر کر دیے ہیں کسی ایک کی ترجیح نہیں بیان کی، اور امام بیہقی نے واسطہ والی روایت کو ترجیح دی ہے، امام بیہقی ایوب کے بارے میں فرماتے ہیں: وقد حفظ في إسناده ما لم يحفظ أسامة بن زيد [1]۔

٢٥٣ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَتْهَا جَنَابَةٌ أَخَذَتْ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ - هَكَذَا تَعْنِي بِكَفَّيْهَا جَمِيعًا - فَتَصُبُّ عَلَى رَأْسِهَا، وَأَخَذَتْ بِيَدٍ وَاحِدَةٍ فَصَبَّتْهَا عَلَى هَذَا الشِّقِّ، وَالْأُخْرَى عَلَى الشِّقِّ الْآخَرِ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ہمارا معمول غسل جنابت میں یہ تھا کہ یکے بعد دیگرے تین لپ پانی اپنے سر پر اس طرح بہاتیں۔ حضرت عائشہؓ کی مراد هکذا سے یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں اور پھر ایک چلو سر کی دائیں جانب اور ایک چلو بائیں جانب ڈالتیں۔

شرح الحدیث: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارا معمول غسل جنابت میں یہ تھا کہ یکے بعد دیگرے تین لپ پانی اپنے سر پر بہاتیں اور پھر اسکے بعد ایک چلو پانی سر کے دائیں جانب اور ایک چلو پانی بائیں جانب ڈالتیں، لہذا کل مجموعہ ثلث حفنات اور غرفتین ہوا۔

٢٥٤ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: «كُنَّا نَغْتَسِلُ وَعَلَيْنَا الضِّمَادُ، وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحِلَّاتٌ وَمُحْرِمَاتٌ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم غسل کرتی تھیں اور ہمارے سر کے بالوں پر ضماد (گوند وغیرہ کا پانی) اسی طرح باقی رہتا تھا حالانکہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں حالت احرام اور حالت غیر احرام دونوں میں۔

تخریج: سنن أبي داود-الطهارة (٢٥٤) مسند أحمد-باقي مسند الأنصار (٧٩/٦)

شرح الحدیث: قوله: قَالَتْ: كُنَّا نَغْتَسِلُ وَعَلَيْنَا الضِّمَادُ الخ: ضماد بکسر الضاد اس کے مشہور معنی تو لیپ کرنے کے ہیں کسی چیز کو کسی چیز پر لگا دینا اور مل دینا، اور یہاں اس سے گوند وغیرہ کا پانی مراد ہے جس کو عورتیں سر کے بالوں پر پھیر لیتی ہیں خصوصاً سفر میں کہیں جاتے وقت تاکہ بال پراگندہ اور منتشر نہ ہوں۔

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي ج ١ ص ٢٨٠

اس حدیث میں حضرت عائشہؓ فرمارہی ہیں کہ ہم غسل کرتی تھیں اور ہمارے سر کے بالوں پر ضماد اسی طرح باقی رہتا تھا حالانکہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھیں، حالت احرام اور حالت غیر احرام دونوں میں یعنی خواہ سفر حج ہو یا کوئی عام سفر، مصنفؒ نے اس حدیث سے عدم نقض ضفائر پر استدلال کیا اس لئے کہ ضماد بالوں پر اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب ان کو کھولا نہ جائے۔

اس حدیث کی جو شرح ہم نے کی ہے یہ اسکے مطابق ہے جس کو حافظ ابن الاثیرؒ نے جامع الأصول [1] میں بیان کیا ہے اور ترجمۃ الباب کے مناسب بھی یہی معنی ہیں، لیکن حضرتؒ نے بذل میں اس حدیث کی شرح مجمع البحار سے دوسری نقل فرمائی ہے اور بذل والے معنی اس حدیث کے ہم معنی ہیں جو اس سے اگلے باب بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِخِطْمِيٍّ أَيُجْزِئُهُ ذَلِكَ میں آرہی ہے۔

۲۵۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ، قَالَ: قَرَأْتُ فِي أَصْلِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ قَالَ: ابْنُ عَوْفٍ، وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ أَبِيهِ، حَدَّثَنِي ضَمْضَمُ بْنُ زُرْعَةَ، عَنْ شُرَيْحِ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ: أَفْتَانِي جُبَيْرُ بْنُ نُفَيْرٍ عَنِ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ، أَنَّ ثَوْبَانَ حَدَّثَهُمْ أَنَّهُمُ اسْتَفْتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: «أَمَّا الرَّجُلُ فَلْيَنْشُرْ رَأْسَهُ فَلْيَغْسِلْهُ حَتَّى يَبْلُغَ أُصُولَ الشَّعْرِ، وَأَمَّا الْمَرْأَةُ فَلَا عَلَيْهَا أَنْ لَا تَنْقُضَهُ لِتَغْرِفْ عَلَى رَأْسِهَا ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ بِكَفَّيْهَا».

ترجمہ شریح بن عبید فرماتے ہیں کہ جبیر بن نفیر نے مجھے غسل جنابت کے بارے میں فتوٰی بیان کیا کہ ثوبان نے انہیں یہ بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (غسل جنابت کے) اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا تو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مرد کو تو چاہیے کہ اپنے بالوں کو کھول کر انہیں دھوئے یہاں تک کہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے اور عورت پر یہ لازم نہیں کہ بالوں کو کھولے لیکن اسے چاہیے کہ دونوں ہاتھوں سے تین چلو پانی بھر کر سر پر ڈالے۔

شرح الحدیث قوله: قَالَ: قَرَأْتُ فِي أَصْلِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ: اصل اسماعیل سے مراد وہ نوشتہ اور صحیفہ ہے جس میں اسماعیل کی اپنی مسموعات و مرویات لکھی ہوئی تھیں، محمد بن عوف کہہ رہے ہیں یہ حدیث جس کو میں اب بیان کر رہا ہوں وہ میں نے براہ راست اسماعیل بن عیاش کی کتاب میں دیکھ کر پڑھی ہے اور اس حدیث کو مجھ سے ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل نے بھی بیان کیا ہے، پہلی شکل وجادہ [2] کی ہوئی اور دوسری تحدیث وسماع کی، لیکن سماع براہ راست اسماعیل سے نہیں

[1] جامع الأصول في أحاديث الرسول — ج۷ ص ۳۰۲

[2] الوجادة (وهي مصدر وَجَدَ يَجِدُ): وجد کا مصدر ہے اور اس کا مطلب ہے کسی چیز کو پانا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک طالب علم کو شیخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا حدیث کا کوئی نسخہ مل جائے اور وہ طالب علم شیخ کی تحریر کو پہچانتا ہو۔ ایسی صورت میں اس نے حدیث کو نہ تو براہ راست سنا ہوتا ہے اور نہ ہی اسے حدیث کو شیخ سے روایت کرنے کی اجازت ملی ہوتی ہے۔ وجادہ کے ذریعے روایت منقطع حدیث کی طرح ہوتی ہے لیکن اس میں ایک قسم کا اتصال پایا جاتا ہے۔ اس کو ادا کرنے کیلئے یہ الفاظ ادا کئے جاتے ہیں: وجدت بخط فلان أو: قرأت بخط فلان أو: في كتاب فلان بخطه: أخبرنا فلان بن فلان، یعنی مجھے فلاں کی تحریر ملی ہے یا میں نے فلاں کی تحریر پڑھی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے (مقدمة ابن الصلاح في علوم الحديث ص ۱۷۸ دار الفكر ۱٤۰٦ ھ)

بلکہ ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل سے ہے یہ وہی حدیث ثوبان ہے جس میں یہ ہے کہ مرد کیلئے غسل جنابت میں نقض شعر ضروری ہے جس کا حوالہ ہمارے یہاں پہلے آچکا۔

۱۰۰ - بَابُ فِي الْجُنُبِ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِخِطْمِيٍّ أَيُجْزِئُهُ ذَلِكَ

باب جنبی شخص کے اپنے سر کے بالوں کو خطمی سے دھونے کے بارے میں

خطمی مشہور بکسر الخاء ہے اور فتح خاء کے ساتھ بھی آتا ہے، یہ ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے جو دواؤں میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کو پانی میں بھگونے سے پانی میں لعاب پیدا ہو جاتا ہے پھر اس سے داڑھی اور سر کے بالوں کو دھوتے ہیں جس سے بال ملائم اور جلد صاف ہوتے ہیں، اس کے بیج بھی اسی کام میں آتے ہیں جو تخم خطمی کے نام سے مشہور ہیں، فقہاء نے بھی غسل میت میں خاص طور سے سر کے بال اور داڑھی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کو ماء خطمی سے دھویا جائے اور باقی بدن کو بیری کے پانی سے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں ہندوستان میں لوگوں نے عملاً خطمی کو میت کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے، حالانکہ اس میں میت کی خصوصیت نہیں، زندگی میں بھی اسکا استعمال کرنا چاہئے، چنانچہ کچھ عرصہ تک حضرت کے یہاں غسل میں اسکے استعمال کا معمول رہا، جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ حضور ﷺ اپنے سر کے بالوں کو خطمی سے دھوتے تھے، لہٰذا اس کا استعمال سنت ہوا۔

۲۵۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ قَيْسِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُوَاءَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّهُ كَانَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِالْخِطْمِيِّ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَزِئُ بِذَلِكَ، وَلَا يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ».

ترجمہ: بنی سواءہ بن عامر کے ایک شخص حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے سر کے بالوں کو حالت جنابت میں خطمی سے دھوتے تھے وہی کافی ہو جاتا اور مزید پانی نہیں بہاتے تھے۔

شرح الحدیث: قوله: يَجْتَزِئُ بِذَلِكَ، وَلَا يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ: یعنی آپ ﷺ غسل جنابت میں سر مبارک کو ماء خطمی سے دھونے پر اکتفاء فرماتے تھے اور خالص پانی نہ بہاتے تھے۔

ماء مخلوط بشئ طاہر سے وضو اور غسل میں اختلاف: جاننا چاہئے کہ جمہور کے نزدیک ماء مخلوط بشئ طاہر سے وضو یا غسل جائز نہیں، حنفیہ کے یہاں جائز ہے، یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے اور ایسے ہی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے غسل فرمایا بماء فیہ اثر العجین جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے اور امام نسائی نے اس پر مستقل ترجمہ قائم کیا ہے، اور اسی طرح غسل میت میں ماء سدر کا استعمال یہ سب چیزیں مسلک حنفیہ کی مؤید ہیں مگر غسل میت والی روایت کا حافظؒ نے شافعیہ کی طرف

سے یہ جواب نقل کیا ہے کہ غسل میت تنظیف کیلئے ہے نہ کہ تطہیر کیلئے [1]، حضرت نے بذل [2] میں تحریر فرمایا ہے کہ حافظ کا یہ کہنا کہ غسل میت تنظیف کیلئے ہے، یہ امام شافعیؒ وغیرہ کا قول ہے اور حنفیہ کے یہاں یہ غسل تطہیر کیلئے ہے اس لئے کہ حلول موت کی وجہ سے آدمی ناپاک ہو جاتا ہے جس طرح اور دوسرے حیوانات جن میں دم سائل ہے، موت سے ناپاک ہو جاتے ہیں، مگر آدمی کی خصوصیت یہ ہے اکراماًله کہ وہ غسل دینے سے پاک ہو جاتا ہے، حدیث الباب کا جواب یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ایک رجل مجہول ہے، اس کے علاوہ ابن رسلانؒ نے اس حدیث کی ایک تاویل بھی کی ہے وہ یہ کہ ہو سکتا ہے مراد یہ ہو کہ آپ ﷺ سر پر خطمی رکھ کر پھر اوپر سے پانی بہاتے ہوں لیکن یہ خلاف ظاہر ہے اس لئے کہ ماء خطمی سے بالوں کو دھونے کا فائدہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب پہلے اس کو کچھ دیر پانی میں تر رکھا جائے تاکہ پانی میں لعاب پیدا ہو، دراصل اس کا لعاب ہی مطلوب ہوتا ہے۔

۱۰۱ - بَابٌ فِيمَا يَفِيضُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ مِنَ الْمَاءِ

باب اس پانی کے بارے میں جو مرد وعورت کے مابین اختلاط سے بہتا ہے

۲۵۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ قَيْسِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُوَاءَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ عَائِشَةَ فِيمَا يَفِيضُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ مِنَ الْمَاءِ قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ كَفًّا مِنْ مَاءٍ يَصُبُّ عَلَيَّ [3] الْمَاءَ، ثُمَّ يَأْخُذُ كَفًّا مِنْ مَاءٍ، ثُمَّ يَصُبُّهُ عَلَيْهِ».

ترجمہ بنی سواءہ بن عامر کے ایک شخص حضرت عائشہؓ سے اس پانی کے بارے میں جو مرد وعورت کے مابین اختلاط سے بہتا ہے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہتھیلی پر پانی لے کر اس ناپاک پانی پر بہاتے پھر دوبارہ ہتھیلی پر پانی لے کر اس ناپاکی (منی یا مذی) پر پانی بہاتے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (۲۵۷) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۵۳/٦)

شرح الحدیث حضرت عائشہؓ اس پانی کے بارے میں جو مرد اور عورت کے مابین اختلاط سے بہتا ہے فرماتی ہیں کہ اگر وہ کپڑے پر لگ جاتا تھا تو آپ ﷺ چند بار اس پر پانی بہا کر اس کو دھوتے تھے، اس ماء کا مصداق اگر مذی ہے تب تو کپڑے کو دھونا بالاتفاق تطہیر کیلئے تھا اور اگر منی ہے تو پھر غسل ثوب حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں تطہیر کیلئے تھا اور شافعیہ وحنابلہ کے یہاں تنظیف کیلئے، کیونکہ منی ان کے یہاں طاہر ہے۔

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ۳ ص ۱۲٦
[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۲٦۵
[3] یہاں اختلاف نسخ ہے، لہٰذا بعض نسخ میں علی ہے، جیسا کہ شیخ عوامہ نے اس کی وضاحت کی ہے (کتاب السنن - ج ۱ ص ۲۷۴-۲۷۵)

۱۰۲۔ بَابٌ فِي مُؤَاكَلَةِ الْحَائِضِ وَمُجَامَعَتِهَا

باب حائضہ کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ رہن سہن کے بارے میں

یعنی حائضہ کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ رہن سہن، مجامعت سے مراد مساکنت فی البیوت ہے نہ کہ جماع۔

۲۵۸ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ الْيَهُودَ كَانَتْ إِذَا حَاضَتْ مِنْهُمُ الْمَرْأَةُ أَخْرَجُوهَا مِنَ الْبَيْتِ، وَلَمْ يُؤَاكِلُوهَا وَلَمْ يُشَارِبُوهَا وَلَمْ يُجَامِعُوهَا فِي الْبَيْتِ، فَسُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ: {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ[1]} قُلْ: هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «جَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ، وَاصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ غَيْرَ النِّكَاحِ». فَقَالَتِ الْيَهُودُ: مَا يُرِيدُ هَذَا الرَّجُلُ أَنْ يَدَعَ شَيْئًا مِنْ أَمْرِنَا إِلَّا خَالَفَنَا فِيهِ. فَجَاءَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ، وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ الْيَهُودَ تَقُولُ كَذَا وَكَذَا أَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ فِي الْمَحِيضِ؟ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا. فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا، فَظَنَنَّا أَنَّهُ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا.

ترجمہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ حالت حیض میں عورت کو گھر سے نکال دیتے نہ اس کے ساتھ کھاتے نہ پیتے اور نہ ہی گھر میں اس کے ساتھ رہتے تو رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ الآیۃ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کے ساتھ گھروں میں رہو سہو اور ان کے ساتھ وطی کے علاوہ باقی انواع مباشرت کرو۔ فرماتے ہیں کہ یہود اس سلسلہ میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ یہ شخص (یعنی نبی کریم ﷺ) ہر معاملے میں ہماری مخالفت سے کیا چاہتے ہیں تو اسید بن حضیر اور عباد بن بشر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول یہود اس اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم حالتِ حیض میں عورتوں کے ساتھ صحبت کر لیا کریں (تاکہ یہود کی مخالفت اچھے طریقہ سے ہو جائے) تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا یہاں تک کہ ہمیں یہ گمان ہوا کہ آپ ﷺ ان پر ناراضگی کا اظہار فرمائیں گے تو وہ (آپ ﷺ کی ناراضگی کے خوف سے) وہاں سے نکل گئے پھر (ان کے جانے کے بعد) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دودھ کا ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے انہیں بلایا اور ان دونوں کو دودھ پلایا تو ہمیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ان دونوں سے ناراض نہیں ہیں۔

تخریج صحيح مسلم - الحيض (۳۰۲) جامع الترمذي - تفسير القرآن (۲۹۷۷) جامع الترمذي - تفسير القرآن (۲۹۷۷) سنن النسائي - الطهارة (۲۸۸) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (۳٦۹) سنن أبي داود - الطهارة (۲۵۸) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٤٤) مسند

[1] اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا (سورۃ البقرۃ ۲۲۲)

أحمد - باقي مسند المكثرين (١٣٣/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢٤٧/٣) سنن الدارمي - الطهارة (١٠٥٣)

شرح الحديث: یعنی یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ عورت کے ساتھ حالت حیض میں کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب بند کر دیتے تھے اس کی رہائش گاہ بھی الگ کر دیتے تھے، صحابہ کرامؓ نے اس سلسلہ میں آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا اس پر آیت نازل ہوئی وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ الآية۔

قولہ: وَاصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ غَيْرَ النِّكَاحِ: یعنی حالت حیض میں عورت کے ساتھ صرف وطی سے اجتناب ضروری ہے اس کے علاوہ باقی انواع مباشرت جائز ہیں۔

شرح حدیث میں شراح کی رائے کا اختلاف: قولہ: أَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ فِي الْمَحِيضِ؟ اسید بن حضیر اور عباد بن بشر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! حائضہ کے بارے میں آپ نے جو حکم فرمایا ہے یہود اس سلسلہ میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اور ناراض ہو رہے ہیں کہ ہر بات میں ہماری مخالفت کی جاتی ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم حالت حیض میں عورتوں کے ساتھ صحبت بھی کر لیا کریں تا کہ ان یہود بے بہبود کی پوری پوری مخالفت ہو جائے۔

جاننا چاہئے کہ مسلم شریف کی روایت میں بجائے أَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ کے أَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ؟ وارد ہے اور اس کی شرح ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ [1] میں اور شیخ عبد الحق نے لمعات میں مجامعت فی البیوت سے کی ہے اور مطلب یہ لکھا ہے کہ اگر آپ کی رائے ہو تو ہم عورتوں کے ساتھ حالت حیض میں مجامعت یعنی مساکنت (ان کے ساتھ رہن سہن) ترک کر دیں تا کہ فی الجملہ یہود سے موافقت ہو اور ان کے طعن و تشنیع سے بچ سکیں، حضرت بذلؒ [2] میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابو داؤد کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت میں مجامعت سے مجامعت فی البیوت مراد نہیں بلکہ نکاح یعنی وطی مراد ہے، اور صحابی کی مراد وہ ہے جو شروع میں ہم بیان کر چکے ہیں، میں کہتا ہوں ترمذی شریف کی کتاب التفسیر میں بھی وہی لفظ ہیں جو یہاں ابو داؤد میں ہیں لیکن اس کے باوجود الکوکب الدری میں اس لفظ کے معنی میں دونوں احتمال لکھے ہیں گویا حضرت گنگوہیؒ کے نزدیک لفظ نکاح وطی کے معنی میں نص نہیں ہے جس طرح لفظ مجامعت عند الشراح معنیین کو محتمل ہے اسی طرح لفظ نکاح میں بھی دونوں معنی کا احتمال ہے لیکن ظاہر یہ ہے جیسا کہ حضرت سہارنپوریؒ نے تحریر فرمایا أَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ وطی کے معنی میں متعین ہے بخلاف لفظ أَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ کے وہ بیشک معنیین کو محتمل ہے، لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان صحابی کے اصل لفظ کیا تھے اس لئے کہ روایتیں دونوں صحاح کی ہیں اور واقعہ میں تعدد نہیں ہے، اب ظاہر ہے کہ صحابی نے ان دونوں لفظوں میں سے کوئی سا ایک لفظ اپنے کلام میں اختیار کیا ہوگا اب وہ کیا ہے۔ واللہ تعالی أعلم

---

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ٢ ص ٢٢٨

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٢٧٠

قوله: فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یعنی اس سوال پر آپ ﷺ کا چہرۂ انور غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا اس لئے کہ مخالفت یہود اگرچہ مطلوب ہے لیکن ایسی مخالفت جو حکم منصوص کے خلاف ہو کب جائز ہو سکتی ہے، ان دو صحابیوں کا سوال ظاہر ہے کہ اخلاص پر مبنی تھا لیکن خلاف اصول تھا اس لئے آپ ناراض ہوئے مگر آپ کی ناراضی تنبیہا اور صرف ایک وقتی تھی، اسی لئے آگے روایت میں آرہا ہے کہ ان دونوں کو آپ ﷺ نے ہدیہ لبن میں شریک کرنے کیلئے بلایا جس سے حاضرین کو اطمینان ہوا کہ آپ ﷺ ان سے ناراض نہیں ہیں۔

قوله: لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا: یہ موجدہ اور وجد سے ہے جس کے معنی غضب کے ہیں اور وجد یجد کا مصدر وجود بھی آتا ہے جس کے معنی پانے کے ہیں دونوں میں صرف مصدر کا فرق ہے۔

٢٥٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنْ مِسْعَرٍ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كُنْتُ أَتَعَرَّقُ الْعَظْمَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَأُعْطِيهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَمَهُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي فِيهِ وَضَعْتُهُ، وَأَشْرَبُ الشَّرَابَ فَأُنَاوِلُهُ فَيَضَعُ فَمَهُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي كُنْتُ أَشْرَبُ مِنْهُ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں بسا اوقات ہڈی پر سے گوشت کو کھاتی جبکہ میں حائضہ ہوتی اور پھر اس ہڈی کو آپ ﷺ کو دے دیتی تو آپ ﷺ خاص اس جگہ سے اس ہڈی کو نوش فرماتے جس جگہ سے میں نے کھایا تھا اور میں پانی پی کر آپ ﷺ کو دیتی تو آپ اسی جگہ اپنا منہ لگا کر پانی نوش فرماتے جس جگہ سے میں نے پیا تھا۔

تخریج: صحيح مسلم - الحيض (٣٠٠) سنن النسائي - الطهارة (٢٧٩) سنن النسائي - الطهارة (٢٨٠) سنن النسائي - الطهارة (٢٨١) سنن النسائي - الطهارة (٢٨٢) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٧٧) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٧٨) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٧٩) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٨٠) سنن أبي داود - الطهارة (٢٥٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٤٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٩٢/٦)

شرح الحدیث: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں بسا اوقات ہڈی پر سے گوشت کو کھاتی جبکہ میں حائض ہوتی اور پھر اس کو آپ ﷺ کو عطاء کرتی تو آپ ﷺ خاص اس جگہ سے اس کو نوش فرماتے جس جگہ سے میں کھاتی، اس طرز میں جہاں کمال الفت بین الزوجین کی تعلیم ہے اسی طرح یہود کی مخالفت بھی مقصود ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ وہ عورت سے زمانہ حیض میں اظہار نفرت کرتے تھے۔

تعرق کے معنی ہڈی پر سے گوشت کھانے کے ہیں اور بعض روایات میں آتا ہے كُنْتُ أَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ، عرق اور عراق اس عظم کو کہتے ہیں جسکا گوشت کھالیا گیا ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ عرق وہ عظم ہے جس پر لحم باقی ہو اور جس سے لحم اتار لیا گیا ہو وہ عراق ہے۔

٢٦٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ صَفِيَّةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ رَأْسَهُ فِي حِجْرِي فَيَقْرَأُ وَأَنَا حَائِضٌ».

ترجمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حالتِ حیض میں ہوتی تھی تو رسول اللہ ﷺ میری گود میں اپنا سر مبارک رکھے ہوتے اور آپ قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے۔

تخریج صحيح البخاري - الحيض (٢٩٣) صحيح البخاري - التوحيد (٧١١٠) صحيح مسلم - الحيض (٣٠١) سنن النسائي - الطهارة (٢٧٤) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٨١) سنن أبي داود - الطهارة (٢٦٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٣٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦٩/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٧٢/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١١٧/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٣٥/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٤٨/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٥٨/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٩٠/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٠٤/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٥٨/٦)

١٠٣ - بَابٌ فِي الْحَائِضِ تُنَاوِلُ مِنَ الْمَسْجِدِ

باب حائضہ کے مسجد سے کوئی چیز اٹھانے کے بارے میں

اگر یہ لفظ باب تفاعل سے ہے تو اصل میں تھا تتناول، تناول کے معنی لینے کے آتے ہیں اور اگر باب مفاعلہ سے ہے تو پھر تناول بضم التاء ہو گا جس کے معنی عطاء کرنے کے ہیں۔

٢٦١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ» . فَقُلْتُ: إِنِّي حَائِضٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ».

ترجمہ - حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا مسجد میں جو بوریا ہے وہ مجھ کو دیدو میں نے عرض کیا کہ میں حائضہ ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حیض کا خون تمہارے ہاتھ پر نہیں لگ رہا۔

تخریج صحيح مسلم - الحيض (٢٩٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٣٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٧١) سنن أبي داود - الطهارة (٢٦١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٣٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٥/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٠١/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٠٦/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١١٠/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١١٢/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١١٤/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٧٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٧٩/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢١٤/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٢٩/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٤٥/٦) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧١) سنن الدارمي - الطهارة (١٠٦٥)

شرح الحدیث اس حدیث کی شرح میں دو قول ہیں ایک یہ کہ مِنَ الْمَسْجِدِ حال واقع ہے رسول اللہ ﷺ سے اور معنی یہ نہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا جبکہ آپ مسجد میں تھے مجھ کو بوریا دیدو، اس صورت میں حضور ﷺ تو ہوں گے داخل مسجد اور حصیر ہو گا خارج مسجد اور دوسرا احتمال یہ لکھا ہے کہ مِنَ الْمَسْجِدِ حال واقع ہے

الْخُمْرَةَ سے، یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ خمرہ جو مسجد میں ہے وہ اٹھا کر مجھ کو دیدو، اس صورت میں آپ ﷺ ہوں گے خارج مسجد اور حصیر مسجد میں، صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں کہ مِنَ الْمَسْجِدِ یا تو متعلق ہے نَاوِلِينِي سے یا قال سے، پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا (یہ بوریا مسجد سے اٹھا کر مجھے دیدو) اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے مسجد سے فرمایا کہ یہ بوریا مجھے اٹھادو، اور بہر کیف دونوں ہی صورتوں میں حائض کا مسجد میں ہاتھ داخل کرنا پایا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حائض مسجد میں ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز دوسرے سے لے دے سکتی ہے کیونکہ ممانعت دخول سے ہے نہ کہ ادخال ید سے اور ادخال ید کو عرف میں دخول نہیں سمجھا جاتا ہے، مسئلہ اتفاقی ہے کوئی اختلاف نہیں، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مسئلہ میں اگر اختلاف ہو تب ہی اسکو بیان کیا جائے، مختلف فیہ اور متفق علیہ سب ہی طرح کے مسائل بیان کئے جاتے ہیں۔

لفظ حدیث کی تحقیق اوراس میں شراح کااختلاف: قولہ: إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ: حضور ﷺ کے طلب حصیر پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میں تو حالت حیض میں ہوں (مسجد میں ہاتھ کیسے داخل کر سکتی ہوں) اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دم حیض تمہارے ہاتھ پر نہیں لگ رہا ہے۔

یہاں پر شراح کا اس بات میں اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ لفظ حیضۃ بکسر الحاء ہے یا بفتح الحاء، خطابیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ بکسر الحاء ہے اس کے معنی ہیں وہ حالت جو حائضہ کو حیض کی وجہ سے عارض ہوتی ہے، جیسے جنابت جو آدمی کو خروج منی سے عارض ہوتی ہے، اور حیضۃ بفتح الحاء کے معنی دم حیض کے ہیں، خطابی نے ان محدثین پر رد کیا ہے جو اس کو بالفتح پڑھتے ہیں [1]، اس کے بالمقابل قاضی عیاضؒ نے خطابی کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ درست وہی ہے جو محدثین کہتے ہیں یعنی بالفتح اور حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دم حیض جس سے مسجد کو بچانا ضروری ہے وہ ہاتھ پر کہاں ہے، امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ خطابی جو کچھ کہہ رہے ہیں اسکی بھی ایک معقول وجہ ہے، اور ہمارے حضرتؒ نے بذل [2] میں خطابی ہی کی رائے کو ترجیح دی ہے اس لئے کہ یہ بات تو حضرت عائشہؓ بھی جانتی تھیں کہ دم حیض ہاتھ کو نہیں لگ رہا ہے وہ ادخال ید فی المسجد سے اس لئے رکیں کہ خروج حیض کی وجہ سے عورت کو جو حالت عارض ہوتی ہے اس کا حلول ہاتھ میں بھی ہے، مگر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ حیض کی وجہ سے عورت کو جو حالت عارض ہوتی ہے اس کا تعلق مجموع بدن سے ہے الگ الگ اعضاء سے نہیں، چنانچہ صرف ہاتھ کو حائض نہیں کہا جاتا، علی ہذا القیاس جنبی شخص کے ید یا کسی اور عضو کو جنبی نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کا اطلاق مجموع جسم پر ہوگا۔

---

[1] معالم السنن- ج ۱ ص ۸۳

[2] بذل المجهود في حل أبي داود- ج ۲ ص ۲۷۳

۱۰۴ ـ بَابٌ فِي الْحَائِضِ لَا تَقْضِي الصَّلَاةَ

باب حائضہ کے نماز کی قضاء نہ کرنے کے بارے میں

مسئلہ اہل سنت کے درمیان اجماعی ہے کہ زمانۂ حیض کی نمازوں کی قضاء واجب نہیں بخلاف صوم کے کہ اس کی قضاء واجب ہے، خوارج کا اس میں اختلاف وہ وجوب قضاء صلوۃ کے قائل ہیں، صحابہؓ میں سے حضرت سمرہ بن جندبؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ شروع میں نماز کی قضاء کے قائل تھے اس پر حضرت ام سلمہؓ نے ان پر نکیر فرمائی تب وہ رک گئے، جیسا کہ ابوداؤد میں آگے بَابُ مَا جَاءَ فِي وَقْتِ النُّفَسَاءِ میں یہ روایت آرہی ہے اور دونوں میں فرق کی وجہ مشہور ہے کہ اگر نمازوں کی قضاء واجب ہو تو فرض مکرر اور دوگنا ہو جائے گا جس میں حرج ہے اور حرج شریعت میں مدفوع ہے، اور قضاء صوم میں یہ بات لازم نہیں آتی۔

۲۶۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مُعَاذَةَ، أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ: أَتَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلَاةَ؟ فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ لَقَدْ «كُنَّا نَحِيضُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا نَقْضِي، وَلَا نُؤْمَرُ بِالْقَضَاءِ».

ترجمہ حضرت معاذہؒ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ حائضہ نمازوں کی قضاء کرے گی؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا تم حروریہ ہو؟ ہم کو جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حیض آتا تھا تو ہم نہ تو (نماز کی) قضاء کرتی تھیں اور نہ ہمیں اس کا حکم دیا جاتا تھا۔

۲۶۳ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ، عَنْ عَائِشَةَ، بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَزَادَ فِيهِ: «فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ، وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ».

ترجمہ حضرت معاذہ عدویہ حضرت عائشہؓ سے اسی (گزشتہ) حدیث کی طرح روایت کرتی ہیں اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ہمیں روزے کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا، نماز کی قضاء کا ہمیں حکم نہیں دیا جاتا۔

تخریج صحيح البخاري – الحيض (۳۱۵) صحيح مسلم – الحيض (۳۳۵) جامع الترمذي – الطهارة (۱۳۰) جامع الترمذي – الصوم (۷۸۷) سنن النسائي – الحيض والاستحاضة (۳۸۲) سنن النسائي – الصيام (۲۳۱۸) سنن أبي داود – الطهارة (۲۶۲) سنن ابن ماجه – الطهارة وسننها (۶۳۱) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (۳۲/۶) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (۹۴/۶) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (۹۷/۶) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (۱۲۰/۶) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (۱۴۳/۶) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (۱۸۵/۶) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (۲۳۲/۶) سنن الدارمي – الطهارة (۹۷۹) سنن الدارمي – الطهارة (۹۸۰) سنن الدارمي – الطهارة (۹۸۶) سنن الدارمي – الطهارة (۹۸۸)

شرح الحديث قوله: فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ حضرت عائشہؓ سے سوال کیا گیا کہ زمانہ حیض کی نمازوں کی قضاء ہے؟ تو اس پر انہوں نے یہ فرمایا۔

لفظ حروریہ اوراس نسبت کی تشریح: حروریہ نسبت ہے حروراء کی طرف جو کوفہ کے قریب ایک قریہ ہے، حضرت علیؓ کے خلاف وہاں خوارج کا اجتماع ہوا تھا اسی لیے خوارج کو اس قریہ کی طرف منسوب کر کے حروری کہا جاتا ہے۔

خوارج کی حضرت علیؓ کے ساتھ بغاوت کا قصہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور ہے، پہلے وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے جنگ صفین کے موقع پر مسئلہ تحکیم میں حضرت علیؓ سے ناراض ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے، اور مقابلہ کیلئے ہتھیار لے کر تیار ہوئے یہ آٹھ ہزار کا لشکر تھا اس لشکر کا امیر عبداللہ بن الکوی تھا، حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو ان لوگوں کے پاس سمجھانے اور مناظرہ کیلئے بھیجا، عبداللہ بن عباسؓ سے ان کا مناظرہ ہوا اور اس لشکر میں دو ہزار نے رجوع کر لیا چھ ہزار باقی رہ گئے، حضرت علیؓ نے مقام نہروان میں ان کا مقابلہ کیا، جنگ نہروان اسی کا نام ہے جس میں حضرت علیؓ کو شاندار فتح ہوئی، اس جنگ اور فتح سے متعلق روایت ابوداؤد شریف میں ابواب شرح السنہ میں موجود ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس سوال کرنے والی کو اس کے سوال پر دفعۃً فرقۂ خوارج کی طرف کیسے منسوب کر دیا جو کہ یقیناً ایک بد دین فرقہ ہے جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کو بظاہر یہ شبہ ہوا کہ سائلہ کو اس حکم شرعی کے ثبوت میں تردد ہے جیسا کہ مسلم کی روایت کے الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے، مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ عورت نے کہا! مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ، وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ، اس بناء پر حضرت عائشہؓ نے جواب میں یہ طرز اختیار فرمایا، اور ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ کہنا بطور ظرافت اور خوش طبعی کے تھا حقیقت کلام مراد نہیں۔

۱۰۵ ـ بَابٌ فِي إِتْيَانِ الْحَائِضِ

باب حالت حیض میں وطی کرنے کے کفارہ کے بیان میں

یعنی حالت حیض میں وطی کرنا۔ یہاں پر دو مسئلے ہیں: ① ایک وطی فی حالۃ الحیض کا حکم، ② ثانی حدیث میں جو کفارہ مذکور ہے اسکی شرعی حیثیت۔ سو جاننا چاہئے کہ وطی فی حالۃ الحیض بالاجماع حرام ہے، نص قطعی سے اس کی حرمت ثابت ہے، البتہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اسکے مستحل کی تکفیر کی جائیگی یا نہیں، قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس کی تکفیر کی جائے اور بہت سے علماء کی رائے بھی یہی ہے لیکن درمختار میں لکھا ہے کہ محققین کے نزدیک اسکی تکفیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ وطی فی حالۃ الحیض قبیح لعینہ نہیں بلکہ لغیرہ ہے۔

دوسرے مسئلے کا جواب یہ ہے کہ جو کفارہ حدیث میں مذکور ہے وہ جمہور اور ائمہ اربعہ کے نزدیک بطریق استحباب ہے اور ایسے

شخص پر اصل واجب توبہ واستغفار ہے، البتہ امام احمدؒ کی ایک روایت اور امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ اس میں کفارہ واجب ہے اور یہی مذہب ہے حسن بصریؒ، اسحق بن راہویہ اور سعید بن جبیر کا، پھر جو لوگ وجوب تکفیر کے قائل ہیں ان میں اختلاف ہے کہ کفارہ میں کیا واجب ہے؟ حسن بصری اور سعید بن جبیر کے نزدیک عتق رقبہ ہے اور باقی کے نزدیک دینار یا نصف دینار۔

نیز جاننا چاہئے کہ حدیث میں جو لفظ أَوْ وارد ہے کہ دینار دے یا نصف دینار یہ امام احمدؒ کے نزدیک تخییر کیلئے ہے (کما فی الروض المربع) اور امام شافعیؒ کے نزدیک تنویع کیلئے ہے کما قال ابن رسلان یعنی اگر ابتداء زمان حیض میں وطی کی تب تو ایک دینار کا تصدق کیا جائے اور اگر اخیر زمان حیض میں وطی کی تو نصف دینار، اسی طرح ترمذی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر دم احمر ہے تو ایک دینار اور اگر اصفر ہے تو نصف دینار، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ حیض ابتداء مدت میں احمر اور آخر مدت میں اصفر ہو جاتا ہے، اور بظاہر اول وآخر کے حکم میں فرق اس لئے ہے کہ پہلی صورت میں جرم شدید ہے اور دوسری صورت میں صحبت کو کسی قدر فصل ہو جانے کی وجہ سے فی الجملہ اس کو معذور سمجھا گیا ہے، اسلئے کفارہ میں تخفیف کر دی گئی۔

۲۶۴ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، حَدَّثَنِي الْحَكَمُ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ: «يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ أَوْ نِصْفِ دِينَارٍ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَكَذَا الرِّوَايَةُ الصَّحِيحَةُ قَالَ: «دِينَارٌ أَوْ نِصْفُ دِينَارٍ». وَرُبَّمَا لَمْ يَرْفَعْهُ شُعْبَةُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے ہمبستری کرلے تو وہ صدقہ کرے گا ایک دینار یا آدھا دینار۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ صحیح روایت میں اسی طرح ہے کہ انہوں نے کہا ایک دینار یا نصف دینار اور بسا اوقات شعبہ نے اس روایت کو مرفوعاً نقل نہیں کیا۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (۱۳۶) جامع الترمذي - الطهارة (۱۳۷) سنن النسائي - الطهارة (۲۸۹) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (۳۷۰) سنن أبي داود - الطهارة (۲۶۴) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۶۴۰) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۶۵۰) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۲۳۰/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۲۳۷/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۲۴۵/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۲۷۲/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۲۸۶/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۳۰۶/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۳۱۲/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۳۲۵/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۳۳۹/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۳۶۳/۱) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (۳۶۷/۱) سنن الدارمي - الطهارة (۱۱۰۵) سنن الدارمي - الطهارة (۱۱۰۶) سنن الدارمي - الطهارة (۱۱۰۷) سنن الدارمي - الطهارة (۱۱۰۸) سنن الدارمي - الطهارة (۱۱۰۹)

شرح الحدیث: قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَكَذَا الرِّوَايَةُ الصَّحِيحَةُ: اس روایت کو صحیح اس دوسری روایت کے مقابلے میں فرمارہے ہیں جو اس سے آگے آرہی ہے جس میں صرف نصف دینار مذکور ہے اور اس سے بھی آگے تیسری روایت میں بِخُمُسَيْ دِينَارٍ آرہا ہے۔

٢٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ -يَعْنِي ابْنَ سُلَيْمَانَ-، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ الْبُنَانِيِّ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْجَزَرِيِّ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: «إِذَا أَصَابَهَا فِي أَوَّلِ الدَّمِ فَدِينَارٌ، وَإِذَا أَصَابَهَا فِي انْقِطَاعِ الدَّمِ فَنِصْفُ دِينَارٍ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَلِكَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ، عَنْ مِقْسَمٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی سے ابتداء حیض میں ہمبستری کرے تو ایک دینار اور اگر حیض کے اختتامی دنوں میں ہمبستری کرے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: اسی طرح ابن جریجؒ نے عبد الکریم کے واسطے سے اور انہوں نے مقسم کے واسطے سے بیان کیا۔

٢٦٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ خُصَيْفٍ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِأَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِينَارٍ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَا قَالَ عَلِيُّ بْنُ بَذِيمَةَ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا، وَرَوَى الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «آمُرُهُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِخُمُسَيْ دِينَارٍ»، وَهَذَا مُعْضَلٌ.

ترجمہ: ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی اپنی بیوی سے حالت حیض میں وطی کرلے تو اسے چاہیے کہ آدھا دینار صدقہ کرے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں اسی طرح علی بن بذیمہ نے مقسم کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً نقل فرمایا۔ اور اوزاعی نے یزید بن ابی مالک سے انہوں نے عبد الحمید بن عبد الرحمٰن سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار کے دو خمس صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور یہ روایت معضل ہے (جس میں دو راوی سند سے ساقط کر دیئے گئے ہیں)۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (١٣٦) جامع الترمذي - الطهارة (١٣٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٨٩) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٧٠) سنن أبي داود - الطهارة (٢٦٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٤٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٥٠) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٣٠/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٣٧/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٤٥/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٧٢/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٢٨٦/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٠٦/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣١٢/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٢٥/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٣٩/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦٣/١) مسند أحمد - من مسند بني هاشم (٣٦٧/١) سنن الدارمي - الطهارة (١١٠٥) سنن الدارمي - الطهارة (١١٠٦) سنن الدارمي - الطهارة (١١٠٧) سنن الدارمي - الطهارة (١١٠٨) سنن الدارمي - الطهارة (١١٠٩)

شرح الحدیث: قوله: وَهَذَا مُعْضَلٌ: باب کی اس آخری حدیث کے بارے میں مصنفؒ معضل ہونے کا حکم لگا رہے ہیں، معضل وہ حدیث ہے جس کی سند سے دو راوی مسلسل ساقط ہوں، یہاں پر جو دو راوی ساقط ہیں وہ عبد الحمید کے بعد کے ہیں، وہ دو راوی کون ہیں؟ مصنفؒ نے اس سے تعرض نہیں کیا، البتہ بیہقی کی روایت جو آگے آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ ان میں سے ایک حضرت عمرؓ ہیں، لیکن جاننا چاہئے کہ ابوداؤد کی اس روایت کو امام بیہقیؒ نے ابن داسہ کے نسخہ سے نقل فرمایا ہے، جس کی سند اس طرح ہے عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَظُنُّهُ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے عبد الحمید اور عمرؓ کے درمیان انقطاع ہے [1]، لہذا یہ روایت نسخۂ ابن داسہ کے اعتبار سے صرف منقطع ہے ہمارا نسخہ جو ابو علی لؤلؤی کی طرف منسوب ہے اس کے لحاظ سے معضل ہے۔

نیز بیہقی کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہاں متن میں آمُرُهُ أَنْ يَتَصَدَّقَ میں ضمیر کا مرجع عمرؓ ہیں، آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بجائے دینار یا نصف دینار کے دو خمس دینار تصدق کا جو حکم فرمایا اس کی وجہ بظاہر یہ ہے جیسا کہ بیہقی میں اس عورت کے بارے میں ہے أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ امْرَأَةٌ تَكْرَهُ الرِّجَالَ کہ یہ عورت مرد کی خواہش نہ رکھتی تھی اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس سے وطی اس حالت میں یہ سمجھ کر کی کہ یہ ویسے ہی بہانہ کر رہی ہے، قصداً نہیں کی تھی اس لئے کفارہ میں تخفیف کی گئی۔

١٠٦ - بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُصِيبُ مِنْهَا مَا دُونَ الْجِمَاعِ

باب اس شخص کے بارے میں جو حالت حیض میں جماع کے علاوہ دوسرے جائز امور اختیار کرے

مباشرت حائض کے انواع اورانکے بارے میں ائمہ کا اختلاف: جاننا چاہئے کہ مباشرت حائض کی تین قسمیں ہیں، ایک بالاجماع حرام، اور ایک بالاجماع جائز اور ایک مختلف فیہ: ① مباشرة في الفرج بالاجماع حرام ہے، ② مباشرة فيما فوق السرة وتحت الركبة باتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے البتہ ابن عباسؓ اور عبیدہ سلمانی کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے، ③ مباشرة بين السرة والركبة سوى القبل والدبر مختلف فیہ [2] ہے، ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز اور امام احمدؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔

قسم ثالث جو مختلف فیہ ہے اسکے بارے میں امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ قول اصح واشہر جمہور شافعیہ کے یہاں تو یہی ہے کہ یہ حرام ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ حرام نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر مباشر کو اپنے نفس پر اعتماد ہے تب تو جائز ہے ورنہ نہیں، امام نوویؒ نے قول جواز ہی کو قول مختار اور من حيث الدليل اقوى لکھا ہے اسی طرح ہمارے علماء میں سے علامہ عینیؒ نے بھی اس کو اقوی لکھا ہے، مجوزین یعنی امام احمدؒ وامام محمدؒ کی دلیل حضرت انسؓ کی حدیث مرفوع: اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي - كتاب الحيض - باب ما روي في كفارة من أتى امرأته حائضا ١٥١٨ (ج ١ ص ٤٤١-٤٤٢)

[2] حضرت شیخ اس اختلاف کو اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ اس مسئلہ میں بڈھے ایک طرف اور جوان ایک طرف ہیں، بڈھوں کے نزدیک ناجائز اور جوانوں کے نزدیک جائز، امام محمدؒ چونکہ امام ابو یوسف سے چھوٹے تھے اور حضرت امام احمد ائمہ اربعہ میں زمانا سب سے مؤخر ہیں، غالباً اس وجہ سے ان دو کو جوان فرمایا۔

النِّكَاحِ ہے جو صحیح مسلم اور سنن ابو داؤد [1] وغیرہ کی روایت ہے، مانعین کی دلیل احادیث الباب ہیں، چنانچہ حدیث اول جو حضرت میمونہؓ سے مروی ہے اس میں كَانَ يُبَاشِرُ الْمَرْأَةَ مِنْ نِسَائِهِ وَهِيَ حَائِضٌ، إِذَا كَانَ عَلَيْهَا إِزَارٌ، اور حدیث ثانی جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اس میں ہے يَأْمُرُ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا أَنْ تَتَّزِرَ، ثُمَّ يُضَاجِعُهَا زَوْجُهَا، اور مجوزین، ان اتزار کی روایات کو استحباب اور تورع پر محمول کرتے ہیں۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ حافظ نے فتح الباری میں امام طحاویؒ کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، حضرت شیخؒ حاشیۂ اوجز میں لکھتے ہیں کہ حافظؒ کے علاوہ ابن رسلانؒ اور صاحب تعلیق الممجد نے بھی امام طحاویؒ سے اسی قول کی ترجیح نقل کی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں، امام طحاویؒ نے معانی الآثار میں اپنے شروع کلام میں اسی کو ترجیح دی تھی مگر پھر آگے چل کر اس سے رجوع کرتے ہوئے امام صاحب ہی کے قول کو ترجیح دی ہے، ان حضرات کو طحاویؒ کے شروعِ کلام سے وہم ہوا اور انہوں نے آخر کلام کو نہیں دیکھا۔

٢٦٧ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَبِيبٍ مَوْلَى عُرْوَةَ، عَنْ نُدْبَةَ مَوْلَاةِ مَيْمُونَةَ، عَنْ مَيْمُونَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُبَاشِرُ الْمَرْأَةَ مِنْ نِسَائِهِ وَهِيَ حَائِضٌ، إِذَا كَانَ عَلَيْهَا إِزَارٌ إِلَى أَنْصَافِ الْفَخِذَيْنِ أَوِ الرُّكْبَتَيْنِ تَحْتَجِزُ بِهِ».

ترجمہ: حبیب (عروہ کے آزاد کردہ غلام) حضرت میمونہؓ کی آزاد کردہ باندی کے واسطے سے حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات سے حالتِ حیض میں اختلاط فرماتے جبکہ گھٹنوں یا نصف رانوں تک کپڑا ہوتا جس سے وہ زوجۂ محترمہ رکاوٹ کرلیا کرتیں۔

تخریج: صحيح البخاري - الحيض (٢٩٧) صحيح مسلم - الحيض (٢٩٤) صحيح مسلم - الحيض (٢٩٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٨٧) سنن أبي داود - الطهارة (٢٦٧) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٣٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٣٦) سنن الدارمي - الطهارة (١٠٤٦) سنن الدارمي - الطهارة (١٠٥٧)

٢٦٨ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا أَنْ تَتَّزِرَ، ثُمَّ يُضَاجِعُهَا زَوْجُهَا» وَقَالَ مَرَّةً: «يُبَاشِرُهَا».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو حالتِ حیض میں حکم فرماتے کہ تہبند (ازار) باندھ لیں اور پھر بستر پر ساتھ لیٹ جاتے اور راوی نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ اس سے مباشرت

---

[1] صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهارة سؤرها والاتكاء في حجرها وقراءة القرآن فيه ٣٠٢. سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب في مؤاكلة الحائض ومجامعتها ٢٥٨

فرماتے۔

تخریج صحیح البخاري - الحیض (۲۹٦) صحیح مسلم - الحیض (۲۹۳) جامع الترمذي - الطھارۃ (۱۳۲) سنن النسائي - الطھارۃ (۲۸۵) سنن النسائي - الطھارۃ (۲۸٦) سنن النسائي - الحیض والاستحاضۃ (۳۷۳) سنن النسائي - الحیض والاستحاضۃ (۳۷٤) سنن النسائي - الحیض والاستحاضۃ (۳۷۵) سنن أبي داود - الطھارۃ (۲٦۸) سنن ابن ماجہ - الطھارۃ وسننھا (٦۳۵) سنن ابن ماجہ - الطھارۃ وسننھا (٦۳٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۵۵) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱۳٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱٤۳) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱٦۱) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱۷٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱۸۲) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱۸۹) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۲۰۹) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۲۳۵) موطأ مالك - الطھارۃ (۱۲۷) موطأ مالك - الطھارۃ (۱۲۸) سنن الدارمي - الطھارۃ (۱۰۳۳) سنن الدارمي - الطھارۃ (۱۰۳۷) سنن الدارمي - الطھارۃ (۱۰٤۷)

شرح الحدیث: لفظ حدیث پر قاعدۂ صرفیہ کی مخالفت کا اشکال اور اس کا جواب: قولہ: یأمُرُ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا أَنْ تَتَّزِرَ: لفظ تتّزر کے سلسلہ میں شروح حدیث میں بڑا تفصیلی کلام کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس لفظ پر قواعد صرفیہ کے لحاظ سے اشکال ہے، قاعدہ کے اعتبار سے ان تأتزر ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ اس کا مصدر ائتزار ہے اور فاء افتعال کو تاء سے بدل کر تاء میں ادغام کرنا قاعدہ کے خلاف ہے اور اتخاذ میں گو ایسا ہی ہوا ہے لیکن اہل صرف نے اس کو شاذ کہا ہے روایات حدیثیہ میں کہیں تو قاعدہ کے مطابق آتا ہے اور کہیں ادغام کے ساتھ خلاف قیاس وارد ہے، اب بہت سے شراح نے جن میں ابن ہشام، زمخشری اور صاحب قاموس وغیرہ ہیں اس کو خطا اور تحریف کہا ہے، البتہ ابن مالکؒ نے یہ کہا کہ اس کا مدار سماع پر ہے [1]، باب افتعال کے بعض مصادر میں یہ تغیر ہوا ہے اس کی نظائر موجود ہیں جیسے "اتکل اور اتمن کما في قراءۃ فلیؤد الذي اتمن" لہذا یہ لفظ بھی اسی قبیل سے ہو سکتا ہے اور اگر اس کو خطا ہی قرار دیا جائے تو اس صورت میں ہو سکتا ہے جب یہ مانا جائے کہ یہ رواۃ کا تصرف ہے، حضرت عائشہؓ کا لفظ نہیں، لیکن اگر حضرت عائشہؓ سے ثابت ہو جائے تو پھر کلام عائشہؓ بذات خود حجت ہے، لانھا من فصحاء العرب۔ علامہ کرمانیؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ کلام عائشہ حجت ہے، اور حافظؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے جواز ادغام کو کوفیین کا مذہب لکھا ہے [2] اس صورت میں تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں، ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ جو بڑے ادیب تھے فرماتے تھے کہ اہل لسان قواعد صرف و نحو کے پابند نہیں بلکہ خود یہ قواعد فصحائے عرب کے کلام اور استعمالات سے ماخوذ ہیں۔

۲٦۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ جَابِرِ بْنِ صُبْحٍ، سَمِعْتُ خِلَاسًا الْهَجَرِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ: "كُنْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيتُ فِي الشِّعَارِ الْوَاحِدِ، وَأَنَا حَائِضٌ طَامِثٌ، فَإِنْ أَصَابَهُ مِنِّي شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهُ وَلَمْ

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۲۸٦
[2] فتح الباري شرح صحیح البخاري - ج ۱ ص ٤۰٤

يَغْسِلُهُ، ثُمَّ صَلَّى فِيهِ، وَإِنْ أَصَابَ -تَعْنِي: ثَوْبَهُ- مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهُ وَلَمْ يَعْدُهُ، ثُمَّ صَلَّى فِيهِ".

ترجمہ: خلاس الہجری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میں اور حضور ﷺ دونوں ایک ہی کپڑے میں رات گزارتے تھے جبکہ میں حائض ہوتی تھی۔ پھر اگر آپ کو مجھ سے کچھ لگ جاتا یعنی دم حیض، تو آپ صرف اُسی جگہ کو دھوتے جہاں نجاست لگی ہوتی اس سے آگے تجاوز نہ فرماتے پھر اسی میں نماز پڑھ لیتے اور اگر آپ کے کپڑے کو کچھ حیض کا خون لگ جاتا تو اس کو اسی جگہ سے دھو کر اس میں نماز پڑھ لیتے۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (٢٨٤) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٧٢) سنن النسائي - القبلة (٧٧٣) سنن أبي داود - الطهارة (٢٦٩) سنن الدارمي - الطهارة (١٠١٣)

شرح الحدیث: **ظاہر لفظ حدیث پر ایک اشکال اور اسکی توجیہ** حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور ﷺ دونوں ایک ہی کپڑے میں رات گزارتے تھے جبکہ میں حائض ہوتی تھی، پھر اگر آپ کو مجھ سے کچھ لگ جاتا یعنی دم حیض تو آپ صرف اسی جگہ کو دھوتے جہاں نجاست لگی ہوتی اس سے آگے تجاوز نہ فرماتے آگے روایت میں ہے ثُمَّ صَلَّى فِيهِ، اس لفظ کا ماقبل سے کچھ ربط معلوم نہیں ہوتا اسلئے کہ ماقبل میں بظاہر بدن کا ذکر ہے کہ اگر آپکو کچھ لگ جاتا تو دھو لیتے، بدن میں نماز پڑھنے کا کیا مطلب؟ اور اس سے اگلا جو جملہ آرہا ہے وہاں پر بھی یہ لفظ ہے لیکن وہاں درست ہے اسلئے کہ اسمیں ثوب کا ذکر ہے کہ اگر آپ کے کپڑے کو کچھ لگ جاتا تو اسکو دھو کر اس میں نماز پڑھ لیتے اسی لئے حضرت "بذل"[1] میں لکھتے ہیں کہ بظاہر یہ لفظ یہاں پر غلط ہے جس کے دو قرینے ہیں، ایک یہ کہ ماقبل سے معنوی ربط نہیں، دوسرے یہ کہ امام بیہقیؒ نے بھی اس روایت کو ابن داسہ کے نسخہ سے نقل کیا ہے وہاں پر یہ لفظ ثُمَّ صَلَّى فِيهِ مذکور نہیں[2]، میں کہتا ہوں اسی طرح یہ روایت آگے ابوداؤد کی کتاب النکاح میں آرہی ہے وہاں بھی یہ لفظ نہیں ہے[3]۔

ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا اسعد اللہؒ نے اپنی بذل کے حاشیہ میں اس کی ایک توجیہ فرمائی ہے وہ یہ کہ حدیث کے دونوں جملوں کا تعلق کپڑے ہی سے قرار دیا جائے بدن سے نہیں اور تکرار سے بچنے کیلئے یہ کہا جائے کہ جملۂ اولی میں شعار مذکور ہے اور جملۂ ثانیہ میں ثوب، اور ثوب سے مراد غیر شعار ہے، نیز ایک اور توجیہ بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ مراد دونوں جگہ ایک ہی کپڑا ہو لیکن مقصود یہ ہے کہ ایک مرتبہ کپڑے کو دھو کر اس میں نماز پڑھ لیتے اس کے بعد پھر دوبارہ اگر اس پر کوئی چیز لگ جاتی تو پھر اس کو اسی طرح دھو کر اس میں نماز پڑھ لیتے جیسا کہ یہی مضمون نسائی[4] کی ایک روایت میں بھی ہے جس کو

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٢٨٨

[2] السنن الكبرى للبيهقي - كتاب الحيض - باب الرجل يصيب من الحائض ما دون الجماع ١٥٠٤

[3] سنن أبي داود - كتاب النكاح - باب في إتيان الحائض ومباشرتها ٢١٦٦

[4] سنن النسائي - كتاب الطهارة - باب مضاجعة الحائض ٢٨٤

حضرتؒ نے بذل میں نقل فرمایا ہے، لہذا یہ تکرار تعدد واقعہ پر محمول ہے غرضیکہ ان توجیہات کی صورت میں ثم صلی فیہ دونوں جگہ درست ہو جائے گا۔

قوله: وَلَمْ يَعْدُهُ: یہ لم یدع کے وزن پر ہے عدا یعدو سے ماخوذ ہے جس کے معنی تجاوز کرنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ صرف اسی جگہ کو دھوتے جہاں کچھ لگا ہو اس سے تجاوز نہ کرتے یعنی باقی کو نہ دھوتے۔

۲۷۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ بْنِ غَانِمٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غُرَابٍ، إِنَّ عَمَّةً لَهُ حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِحْدَانَا تَحِيضُ وَلَيْسَ لَهَا وَلِزَوْجِهَا إِلَّا فِرَاشٌ وَاحِدٌ؟ قَالَتْ: أُخْبِرُكِ بِمَا صَنَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ فَمَضَى إِلَى مَسْجِدِهِ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ: تَعْنِي مَسْجِدَ بَيْتِهِ - فَلَمْ يَنْصَرِفْ حَتَّى غَلَبَتْنِي عَيْنِي وَأَوْجَعَهُ الْبَرْدُ فَقَالَ: «ادْنِي مِنِّي». فَقُلْتُ: إِنِّي حَائِضٌ. فَقَالَ: «وَإِنْ، اكْشِفِي عَنْ فَخِذَيْكِ». فَكَشَفْتُ فَخِذَيَّ فَوَضَعَ خَدَّهُ وَصَدْرَهُ عَلَى فَخِذِي، وَحَنَيْتُ عَلَيْهِ حَتَّى دَفِئَ وَنَامَ.

ترجمہ: حضرت عمارہ بن غراب اپنی پھوپھی سے روایت کرتی ہیں کہ ان کی پھوپھی نے انہیں بتایا کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا ہے اور اسکے اور اسکے شوہر کیلئے ایک ہی بستر ہوتا ہے (تو کیا حالت حیض میں ایک جگہ لیٹ سکتے ہیں)؟ تو اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک واقعہ بتلاتی ہوں کہ رسول ﷺ (گھر میں) داخل ہوئے اور مصلی یعنی نماز پڑھنے کی جگہ تشریف لے گئے، امام ابو داودؒ فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ کی مراد اپنے گھر کی مسجد ہے اور نماز میں مشغول ہو گئے پھر جب تک حضور ﷺ نماز سے فارغ ہو کر بستر پر تشریف لائے میں سو چکی تھی اور آپ کو اس وقت سردی نے ستایا تھا اس لئے آپ نے مجھ سے فرمایا مجھ سے قریب ہو جاؤ میں نے عرض کیا میں حائضہ ہوں اس پر آپ نے (میرے شک اور تردد کو زائل کرنے کے لئے) فرمایا کہ اپنی رانوں سے کپڑا بھی ہٹالو۔ چنانچہ میں نے ہٹالیا اور آپ نے اپنا رخسار مبارک اور سینہ میری ران پر رکھا اور میں بھی آپ پر اچھی طرح جھک گئی یہاں تک کہ آپ کو گرماہٹ مل گئی اور آپ سو گئے۔

تخریج: صحيح البخاري - الحيض (۲۹٦) صحيح مسلم - الحيض (۲۹۳) جامع الترمذي - الطهارة (۱۳۲) سنن النسائي - الطهارة (۲۸۵) سنن النسائي - الطهارة (۲۸٦) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (۳۷۳) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (۳۷٤) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (۳۷۵) سنن أبي داود - الطهارة (۲۷۰) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦۳۵) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦۳٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۵۵) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٦٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱۲۳) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱۳٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱٤۳) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱٦۱) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱۷٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱۸۲) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۱۸۹) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۲۰٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۲۰۹) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۲۳۵) موطأ مالك - الطهارة (۱۲۷) موطأ مالك - الطهارة (۱۲۸) سنن الدارمي - الطهارة (۱۰۳۳) سنن الدارمي - الطهارة (۱۰۳۷) سنن الدارمي - الطهارة (۱۰٤۷)

شرح حدیث قولہ: أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِحْدَانَا تَحِيضُ الخ: مضمون حدیث یہ ہے کہ عمارہ بن غراب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری پھوپھی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے ہم میں سے کسی کو حیض آتا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کے اور اس کے شوہر کیلئے ایک ہی بستر ہوتا ہے تو کیا حالت حیض میں ایک جگہ لیٹ سکتے ہیں، یعنی مضاجعۃ مع الحائض کا سوال کیا تو اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں تجھ کو ایک مرتبہ کا واقعہ سناؤں وہ یہ کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضور ﷺ گھر میں داخل ہوئے اور مصلی یعنی نماز پڑھنے کی جو جگہ تھی اس پر تشریف لے گئے، اور نماز میں مشغول ہو گئے، ادھر میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی جب تک حضور ﷺ نماز سے فارغ ہو کر بستر پر تشریف لائے میں سو چکی تھی، آپ کو اس وقت سردی نے ستایا تھا اس لئے آپ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے قریب ہو جاؤ میں نے عرض کیا کہ میں حائض ہوں اس پر آپ ﷺ نے (میرے شک اور تردد کو زائل کرنے کیلئے) یہ فرمایا کہ اپنی فخذین سے کپڑا بھی ہٹالو، چنانچہ میں نے ہٹالیا اور آپ نے اپنا رخسار مبارک اور سینہ میری فخذ پر رکھا اور میں بھی آپ پر اچھی طرح جھک گئی، یہاں تک کہ آپ کو گرماہٹ مل گئی اور آپ سو گئے۔

اس حدیث سے مباشرت حائض کی یہ نوع یعنی مضاجعت ثابت ہو رہی ہے جس کیلئے مصنفؒ نے ترجمہ منعقد کیا ہے، گو فی نفسہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی سند میں عبد الرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی ہیں جن کی جرح وتعدیل مختلف فیہ ہے اور اسی طرح عمارہ وام عمارہ دونوں مجہول ہیں لیکن مضاجعۃ مع الحائض احادیث صحیحہ سے ثابت ہے بلکہ علماءؒ نے لکھا ہے کہ اگر اتباع کی نیت سے کی جائے تو ماجور ہوگا، ویسے انواع مباشرت میں اختلاف علماء شروع باب میں آ ہی چکا۔

۲۷۱ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي الْيَمَانِ، عَنْ أُمِّ ذَرَّةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: «كُنْتُ إِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَى الْحَصِيرِ، فَلَمْ نَقْرُبْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ نَدْنُ مِنْهُ حَتَّى نَطْهُرَ».

ترجمہ: ام ذرہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مجھے حیض آتا تو میں بستر سے نیچے چٹائی پر اتر آتی اور جب تک حیض سے طہارت حاصل نہ ہو جاتی ہم آپ کے قریب نہ جاتے۔

شرح الحدیث **حدیث محتاج تاویل ہے**: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مجھے حیض آتا تو میں فراش سے (جو ان کا اور حضور ﷺ کا مشترک تھا) نیچے حصیر پر اتر آتی تھی، اور جب تک حیض سے طہارت حاصل نہ ہو جاتی ہم آپ کے قریب نہ جاتے۔ یہ حدیث احادیث صحیحہ نیز اسی باب کی گزشتہ احادیث کے خلاف ہے، لہذا اسکو یا تو ان احادیث سے منسوخ مانا جائے یا مؤول، اور تاویل یہ کی جائے کہ یہاں قرب سے مخصوص قرب کی نفی مراد ہے یعنی قربان بالجماع، ویسے اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہیں ابو الیمان انکے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مستور ہیں۔

وہ جو انواع مباشرت ہم نے بیان کی تھیں اس میں ایک قول ابن عباسؓ کا گزرا ہے کہ ان کے نزدیک مباشرت مطلقاً ممنوع ہے

اس روایت سے ان کی تائید ہو سکتی ہے۔

۲۷۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ مِنَ الْحَائِضِ شَيْئًا أَلْقَى عَلَى فَرْجِهَا ثَوْبًا».

ترجمہ: حضرت عکرمہ آپ ﷺ کی ازواج میں سے کسی ایک زوجہ محترمہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب حائضہ سے کچھ نفع اٹھانا چاہتے تو اس کی شرمگاہ پر کپڑا ڈال دیتے۔

۲۷۳ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا فِي فَوْحِ حَيْضَتِنَا أَنْ نَتَّزِرَ، ثُمَّ يُبَاشِرُنَا. وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ إِرْبَهُ؟

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضور ﷺ ہمارے حیض کے شروع میں جو اسکی شدت کا زمانہ ہوتا حکم فرماتے کہ اپنی ازار کو باندھ لیں اس کے بعد آپ ہم سے مباشرت (یعنی مضاجعت) فرماتے اور تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنی خواہش اور حاجت پر اتنا قابو یافتہ ہو جتنا آپ تھے۔

تخریج: صحيح البخاري - الحيض (٢٩٦) صحيح مسلم - الحيض (٢٩٣) جامع الترمذي - الطهارة (١٣٢) سنن النسائي - الطهارة (٢٨٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٨٦) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٧٣) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٧٤) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٧٥) سنن أبي داود - الطهارة (٢٧٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٣٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٣٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٥٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٣٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٤٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٦١) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٧٠) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٧٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٨٢) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٨٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٠٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٠٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٣٥) موطأ مالك - الطهارة (١٢٧) موطأ مالك - الطهارة (١٢٨) سنن الدارمي - الطهارة (١٠٣٣) سنن الدارمي - الطهارة (١٠٣٧) سنن الدارمي - الطهارة (١٠٤٧)

شرح الحدیث: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے حیض کے شروع میں جو اس کی شدت اور کثرت کا وقت ہوتا ہے حکم فرماتے کہ اپنی ازار کو درست کر لیں، اس کے بعد آپ ہم سے مباشرت یعنی مضاجعت فرماتے بعض روایات میں بجائے لفظ فوح کے لفظ فور آیا ہے اور معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ ابتداء زمانہ حیض میں حیض کی کثرت وشدت ہوتی ہے اور پھر جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں اس میں کمی ہوتی جاتی ہے، غالباً حضرت عائشہؓ اس سے یہ بیان فرمانا چاہتی ہیں کہ آپ ﷺ حائض کے ساتھ مباشرت صرف آخر زمانہ حیض ہی میں نہیں بلکہ اول زمانہ حیض میں بھی فرمالیا کرتے تھے۔

قوله: وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ: ارب بکسر الالف اور ارب بفتحتین دونوں طرح ہے اسکے معنی حاجت کے ہیں اور بعض

نے لکھا ہے کہ ارب کے معنی تو حاجت کے ہیں اور ارب بالکسر کے معنی حاجت اور عضو مخصوص دونوں کے آتے ہیں۔
حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں کہ آپ ﷺ ہم سے زمانہ حیض میں مضاجعت فرماتے تھے اور تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنی حاجت اور خواہش پر اتنا قابو یافتہ ہو جتنا آپ ﷺ تھے، شراح نے حضرت عائشہؓ کی بیانِ مراد میں دو احتمال لکھے ہیں: ایک یہ کہ ان کی غرض یہ ہے کہ دوسرے لوگ اپنے کو حضور ﷺ پر قیاس نہ کریں اور ان کو احتیاط کرنی چاہئے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ ﷺ جب قابو یافتہ ہونے کے باوجود مباشرت حائض فرماتے تھے اور اس سے رکتے نہ تھے تو پھر دوسروں کیلئے کیوں جائز نہ ہو گی۔ بطریق اولیٰ ہو گی۔

١٠٧ - بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تُسْتَحَاضُ، وَمَنْ قَالَ: تَدَعُ الصَّلَاةَ فِي عِدَّةِ الْأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ

باب استحاضہ کے احکام کے بیان میں اور حائضہ کے ایام حیض میں نماز چھوڑ دینے کے بارے میں

استحاضہ کی روایات میں مصنفؒ کا اہتمام اور ان روایات کا تعدد انواع: یہاں سے استحاضہ کے ابواب کی ابتدا ہو رہی ہے، حضرت امام بخاریؒ نے اولاً حیض سے متعلق چند ابواب واحکام ذکر کئے اسکے بعد استحاضہ کا صرف ایک باب ذکر فرمایا، لیکن امام ابو داؤدؒ اور اسی طرح امام مسلمؒ نے ابتداء استحاضہ کی روایات سے کی ہے، اسکے بعد جاننا چاہئے کہ استحاضہ کی روایات کو جس کثرت اور اہتمام سے امام ابو داؤدؒ نے بیان کیا ہے ہمارے علم میں اتنا صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں بیان کیا گیا، مصنفؒ نے ہر نوع کی روایات کو الگ الگ ذکر کر کے ہر ایک پر مستقل ترجمہ قائم کیا ہے اور ہر ترجمہ کے ذیل میں متعدد روایات اور تعلیقات لائے ہیں۔

استحاضہ کے بارے میں روایات کا اختلاف مختلف اعتبار اور حیثیت سے ہے چنانچہ بعض روایات میں [1] اعتبار تمیز مذکور ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام عدت کا اعتبار ہے، نیز بعض میں توحید غسل ہے، اور بعض میں تعدد غسل اور بعض میں جمع بین الصلوتین بغسلٍ اور بعض میں غسل لکل صلوۃٍ اور بعض من ظهرٍ الى ظهرٍ ہے اور بعض میں من طهرٍ الى طهرٍ نیز ان روایات میں ایک اشکال اور خلجان کی بات یہ پائی جاتی ہے کہ ایک ہی عورت کے بارے میں بعض روایات میں رد الی العادۃ کا حکم دیا گیا ہے اور بعض میں اعتبار تمیز کا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ ہمارے حضرت سہارنپوریؒ فرماتے تھے کہ استحاضہ کی روایات مختلفہ میں ہمیشہ (سمجھنے کے اعتبار سے) اشکال و خلجان رہا، یہ سمجھتے تھے کہ ابو داؤد کی شرح لکھنے پر شاید یہ خلجانات رفع ہو جائیں، مگر شرح پر عبور کے بعد بھی انشراح اور تسلی نہیں ہوئی، میں کہتا ہوں کہ خاص طور سے اس کتاب میں سرد روایات کے وقت بعض ابواب میں مصنفؒ کی بعض عبارات ایسی ہیں جن کا حل دشوار نظر آتا ہے، چنانچہ اسی باب کی

[1] یعنی الوان دم کا اعتبار ایک مخصوص رنگ (اسود واحمر) کے خون کو حیض اور دوسرے (مثلاً اصفر) کو استحاضہ قرار دیا جائے۔

آٹھویں حدیث (رقم ۲۸۱) حدثنا یوسف بن موسیٰ میں ایک مقام خاص طور سے قابل اشکال ہے جب ہم ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہو جائے گا۔

استحاضہ کی تعریف اور استحاضہ کی انواع: استحاضہ کی تعریف کی گئی ہے "وهي دم يخرج من المرأة في غير أوقاتها المعتادة والمعينة" یعنی استحاضہ وہ خون ہے جو فرج مرأۃ سے جاری ہوتا ہے او قات معینہ کے علاوہ میں۔ رحم کے قریب ایک رگ ہوتی ہے جس کا نام عاذل ہے، اس سے یہ خون بہتا ہے بخلاف حیض کے کہ وہ قعر رحم سے نکلتا ہے۔ استحاضہ حیض سے مأخوذ ہے جس کے معنی لغۃً سیلان کے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: حاض الوادی جب اس میں پانی بہنے لگے، اس کو باب استفعال میں لے گئے تاکہ انقلاب اور تغیر پر دلالت کرے جو کہ خاصہ ہے باب استفعال کا جیسے کہا جاتا ہے استحجر الطين یہاں بھی حیض میں تغیر واقع ہو کر وہ استحاضہ ہو گیا یا یہ استفعال میں لے جانا اس لئے ہے کہ تاکہ مبالغہ اور کثرت پر دلالت کرے، علماء نے لکھا ہے کہ حیض ہمیشہ بصیغۂ معروف استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے حاضت المرأۃ اور استحاضہ بصیغہ مجہول استحيضت المرأة اس میں نکتہ یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دم استحاضہ خلاف عادت اور غیر معروف چیز ہے "وكأنه أمر جهل سببه" بخلاف حیض کے کہ وہ معروف اور جانی پہچانی چیز ہے سب ہی عورتوں کو آتا ہے۔

استحاضہ کی روایات کو من حیث الفقہ والمسائل سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ اولاً مستحاضہ کے اقسام اور ان میں اقوال ائمہ معلوم کئے جائیں تاکہ پھر اس کی روشنی میں روایات کو سمجھنا اور ان کا انطباق سہل ہو جائے، اسلئے کہ حضرات فقہاء کرام احادیث اور روایات کی مغز تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور روایات کا لب لباب نکال لیتے ہیں، لہذا ان ہی حضرات کے اقوال اور مذاہب کی روشنی میں ان روایات کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے، پہلے ایک بات سنئے وہ یہ کہ حضرت شیخ نے أوجز میں مغنی [1] سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا حیض واستحاضہ کا مدار صرف تین احادیث پر ہے، حدیث فاطمہ، حدیث ام حبیبہ اور حدیث حمنہ۔ حضرت ام حبیبہ، حضرت حمنہ، حضرت زینب بنت جحش تینوں آپس میں بہنیں ہیں سب کی سب بنات جحش ہیں گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنات جحش نے استحاضہ کا ٹھیکہ لے رکھا تھا، رضی اللہ عنهن اجمعین۔

مستحاضہ کی انواع حنفیہ کے یہاں تو تین ہیں، المبتدئة، المعتادة، المتحيرة، لیکن مجموع مذاہب ائمہ کی حیثیت سے کل انواع پانچ ہیں، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے أوجز المسالك میں یہ جملہ انواع نہایت تہذیب و ترتیب کے ساتھ مع اختلاف ائمہ بیان فرمائی ہیں، اسی کے مطابق میں بھی اسباق میں بیان کیا کرتا ہوں۔

انواع مستحاضہ کے بیان سے پہلے ایک بنیادی بات سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں: ① ایک العبرة بالعادة اور ② ایک العبرة بالتمييز خواہ اس طرح کہہ لیجئے اعتبار الایام اور اعتبار الالوان یعنی عورتوں کی حیض کے بارے میں خاص عادت بھی

---

[1] المغني ويليه الشرح الكبير - ج ١ ص ٣٢٥، أوجز المسالك إلى موطأ مالك - ج ١ ص ٦٠٥

ہوتی ہے کسی کو سات روز آتا ہے اور کسی کو دس روز اور ایسی عورت کو فقہاء معتادہ سے تعبیر کرتے ہیں اور بہت سی عورتوں کو حیض کے رنگ کی پہچان ہو جاتی ہے اور وہ رنگ کے ذریعہ پہچان لیتی ہیں کہ یہ حیض ہے یا غیر حیض ایسی عورت کو ممیزہ کہا جاتا ہے، بہت سی احادیث سے حیض کا مدار ایام عادت پر ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے الوان دم پر، اسی لئے حضرات فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا، اور حضرات محدثین بھی الگ الگ دونوں کے باب قائم کرتے ہیں ہر باب میں اس کے موافق روایات ذکر کرتے ہیں، جمہور علماء عادت اور تمییز دونوں ہی کو تسلیم کرتے ہیں، اور احناف کے یہاں تمییز باللون کوئی معیاری چیز نہیں اصل چیز ایام عادت ہے، نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ [1] عادت کا ثبوت کتنی مرتبہ سے ہوتا ہے اس کی تفصیل أوجز [2] میں مذکور ہے جو وہاں دیکھی جاسکتی ہے، اب اس تمہید کے بعد آپ انواع مستحاضہ عند الائمہ سمجھئے۔

① اول **ممیزہ غیر معتادہ** یعنی وہ عورت جس کو حیض وغیر حیض کی پہچان ہو اور عادت کچھ نہ ہو اسمیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمییز کا اعتبار ہوگا۔

② ثانی **معتادہ غیر ممیزہ** یعنی صرف عادت ہے تمییز نہیں، اس میں بالاتفاق عادت کا اعتبار ہوگا، مگر امام مالکؒ اعتبار عادت کے ساتھ تین دن استظہار کے بھی قائل ہیں بشرطیکہ ایام عادت واستظہار کا مجموعہ پندرہ دن سے متجاوز نہ ہو ورنہ استظہار اسی حساب سے ہوگا لہٰذا اگر کسی عورت کو بارہ روز کی عادت ہو تو تین دن استظہار کے ملا کر پندرہ دن ہو جائیں گے، اور اگر کسی کو تیرہ دن کی عادت ہو تو اس کیلئے استظہار صرف دو دن کا ہوگا، استظہار کے معنی انتظار کے ہیں، مراد احتیاط ہے۔

③ ثالث **غیر ممیزہ معتادہ** یعنی عادت اور تمییز دونوں ہیں، پس اگر عادت اور تمییز دونوں متفق ہوں فبہا ورنہ حنفیہ اور امام احمدؒ کے راجح قول میں عادت کا اعتبار ہوگا اور ایام عادت میں جس رنگ کا بھی خون آئے گا اسکو حیض قرار دیا جائے گا اور ایام گزرنے کے بعد جیسا بھی خون ہوگا اس کو استحاضہ کہا جائے گا اور امام شافعی وامام مالکؒ کے نزدیک تمییز کا اعتبار ہوگا یعنی جس خون کو اسکے رنگ کی وجہ سے حیض سمجھتی ہے اسکو حیض قرار دے اور جو اسکی پہچان میں استحاضہ ہو اسکو استحاضہ قرار دے، ایام اور زمان حیض پر مدار نہیں ہوگا۔

④ رابع **غیر معتادہ وغیر ممیزہ** یعنی اس کو نہ عادت ہے نہ تمییز، اس نوع رابع کی دو قسمیں ہیں، **مبتدئہ** اور **متحیرہ**، **متحیرہ** کا مطلب یہ ہے کہ اس کو عادت تھی لیکن بھول گئی، **مبتدئہ** کے بارے میں جمہور کے تین قول ہیں: ① غالب حیض کا اعتبار ہوگا،

---

[1] حضرت شیخ نے لکھا ہے علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں اصح عند المالکیہ والشافعیہ یہ ہے کہ عادت کا ثبوت ایک مرتبہ سے ہو جاتا ہے اور ابن قدامہؒ نے مغنی میں حنابلہ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ انکے یہاں ایک مرتبہ سے عادت بالاتفاق ثابت نہیں ہوتی، اور دو مرتبہ سے ثبوت میں اختلاف ہے اور تین مرتبہ میں بلا اختلاف ثابت ہو جاتی ہے، اور حنفیہ میں سے طرفین کے نزدیک عادت کا ثبوت مرتین سے ہوتا ہے اس لئے کہ عادت عود سے مشتق ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک مرتبہ سے عادت ثابت ہو جاتی ہے۔

[2] أوجز المسالك إلى موطأ مالك - ج ۱ ص ٦٠٥ - ٦١١

③ اس حیض کا اعتبار ہوگا، ④ اکثر مدت حیض...... غالب حیض کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کے مشابہ خاندان کی جو دوسری عورتیں ہیں انکو عام طور سے جتنے روز آتا ہے اسکا اعتبار کیا جائے یہ تو مسلک ہوا ائمہ ثلاثہ کا، اور حنفیہ کے نزدیک اکثر مدت حیض کا اعتبار ہے اور قسم ثانی یعنی متحیرہ کے بارے میں جمہور کے یہاں تفصیل ہے جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے، اور حنفیہ کے نزدیک متحیرہ کا حکم یہ ہے کہ وہ تحری کرے، پس اگر اسکی تحری کسی شی پر واقع ہو جائے فبہا، اور اگر تحری میں کوئی رائے متعین نہیں ہوئی بلکہ تردد ہی رہتا ہے "فمتی ترددت بین حیض وطھر ودخول فی الحیض تتوضأ لکل صلوۃ، ومتی ترددت بین الحیض وطھر ودخول فی الطھر تغتسل لکل صلوۃ" یعنی جب عورت کو حیض واستحاضہ میں تردد ہونے کے ساتھ خیال ہو کہ میں اس وقت زمانہ حیض میں داخل ہو رہی ہوں تو اسکا حکم وضو لکل صلوۃ ہے اور جب اسکو حیض واستحاضہ کے درمیان تردد ہونے کے ساتھ یہ خیال ہو کہ اب میں زمانہ طہر میں داخل ہو رہی ہوں اور یہ انقطاع حیض کا وقت ہے تو پھر وہ غسل لکل صلوۃ کرے [1]۔

مستحاضہ کے اقسام واحکام جو ذکر کئے گئے ہیں ان سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حنفیہ کے یہاں کسی قسم میں تمیز کا اعتبار نہیں اور جو عورت صرف معتادہ ہے اس میں بالاتفاق عادت کا اعتبار ہے، اور جو ممیزہ ومعتادہ دونوں ہو اس میں امام احمدؒ ہمارے ساتھ ہیں اور امام شافعیؒ وامام مالکؒ ایک طرف ہیں گویا حنابلہ اس مسئلہ میں اقرب الی الحنفیۃ ہیں اور امام مالکؒ کے یہاں ایک اور چیز بھی ہے استظہار، اس کا بھی ان کے یہاں اعتبار ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض انواع متحیرہ میں حنفیہ کے یہاں بھی غسل لکل صلوۃ ہے۔

حکم استحاضہ اوراقل مدت حیض واکثرمیں اختلاف ائمہ: جاننا چاہئے کہ مستحاضہ کا حکم ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ پورے ماہ میں صرف ایک بار غسل کرے عند انقطاع الحیض یہ الگ بات ہے کہ انقطاع حیض کا پتہ شافعیہ کے یہاں الوان اور ایام دونوں سے ہو سکتا ہے اور ہمارے یہاں صرف ایام سے اور اس کے بعد پھر پورے ماہ میں غسل نہیں بلکہ وضو ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک لکل مکتوبۃ اور حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک لوقت کل صلوۃ (حضرت شیخؒ اوجز میں لکھتے ہیں بعض شراح کو وہم ہوا انہوں نے اس مسئلہ میں امام احمدؒ کو امام شافعیؒ کے ساتھ کر دیا ہے یہ صحیح نہیں ہے) اور امام مالکؒ کے نزدیک وضو مطلقا واجب ہی نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ استحاضہ ان کے نزدیک ناقض نہیں جیسا کہ نواقض وضو کے بیان میں گزر چکا۔

نیز جاننا چاہئے کہ حیض کی اقل مدت واکثر مدت میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک اقل مدت تین دن تین رات ہے اور اکثر مدت عشرۃ ایام، امام شافعیؒ وامام احمدؒ کے نزدیک اقل حیض یوم ولیلۃ اور اکثر مدت پندرہ یا سترہ دن ہے، اور امام مالکؒ کے

[1] رد المحتار على الدر المختار - ج ١ ص ٤٨٠. أوجز المسالك إلى موطأ مالك - ج ١ ص ٦٠٩.

نزدیک لاحدلاقله اور اکثر مدت سترہ یا اٹھارہ دن ہیں، لیکن امام ترمذیؒ نے ائمہ ثلاث تینوں کا مسلک ایک ہی لکھا ہے "اقله یوم ولیلة واکثره خمسة عشر یوماً"۔

احناف کے نزدیک عدم اعتبار تمییز کا منشاء: اسکے بعد جاننا چاہئے کہ حنفیہ نے الوان دم کو معیار نہیں ٹھہرایا جس کی متعدد وجوہ ہیں، جو مشہور ہیں اور بذل میں بھی مذکور ہیں، اصل وجہ یہ ہے کہ تمییز کے بارے میں جو روایات صریح ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ متکلم فیہ ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں، چنانچہ لون کے بارے میں جو روایت صریح ہے وہ اس باب سے اگلے باب میں بروایت عائشہؓ آرہی ہے جس کے لفظ یہ ہیں إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ [1]، یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی دونوں میں ایک ہی سند سے مروی ہے اور دونوں ہی نے اس پر کلام کیا ہے جو اس جگہ پہنچ کر آئے گا اس کو آپ الفیض السمائی میں بھی دیکھ سکتے ہیں، اور یہ جو ہم نے کہا کہ جو روایات صحیح ہیں وہ صریح نہیں اسکی تشریح یہ ہے کہ بہت سی روایات صحیحہ کے اندر وارد ہے فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي [2]، جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ اقبال وادبار کی روایات تمییز پر محمول ہیں، اور وہ مطلب ان روایات کا یہ لیتے ہیں کہ جب مخصوص رنگ کا خون آنے لگے تو نماز چھوڑدے اور جب وہ خاص رنگ کا خون چلا جائے اور دوسرے رنگ کا آنے لگے تو نماز شروع کردے، گویا یہ آنا اور جانا ان کے یہاں لون کے اعتبار سے ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ احادیث اس معنی میں صریح نہیں، کیا یہ آنا اور جانا ایام کے اعتبار سے نہیں ہوسکتا؟ جبکہ ایام کا ذکر روایات صحیحہ شہیرہ میں موجود ہے، لہذا احناف کی رائے یہ ہے کہ ایام کی روایات تو اپنے معنی میں صریح ہیں ہی، اقبال وادبار کی روایات بھی اسی پر محمول ہیں، لہذا "اقبلت وادبرت" کے معنی یہ ہوں گے کہ جب آئے حیض یعنی اس کے ایام اور تاریخیں اور گزر جائیں اس کے ایام و تاریخیں، ہمارے علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اول تو لون کا ثبوت روایۃً ضعیف ہے دوسرے درایۃً وعقلاً بھی اس لئے کہ لون میں اختلاف بسا اوقات اختلاف اغذیہ واختلاف امزجہ کی وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ کسی عورت کا مزاج حار اور کسی کا بارد اور کسی کا معتدل ہوتا ہے لہذا اس کو معیار قرار دینا کوئی مضبوط بات نہیں۔

ان ابتدائی مباحث کے جاننے کے بعد آپ سمجھئے کہ مصنفؒ نے استحاضہ کے سلسلہ میں یہ پہلا باب جو قائم کیا ہے یہ عادت اور عبرۃ بالایام پر ہے اور تمییز کے بارے میں ترجمۃ الباب کے بعد آرہا ہے جس کو مصنفؒ نے اقبال حیض وادبار سے تعبیر کیا ہے۔

٢٧٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدِّمَاءَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَفْتَتْ لَهَا أُمُّ سَلَمَةَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «لِتَنْظُرْ عِدَّةَ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُصِيبَهَا الَّذِي أَصَابَهَا، فَلْتَتْرُكِ

---

[1] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب من قال توضأ لكل صلاة ٣٠٤

[2] صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب المستحاضة وغسلها وصلاتها ٣٣٣

الصَّلَاةَ قَدْرَ ذَلِكَ مِنَ الشَّهْرِ، فَإِذَا خَلَّفَتْ ذَلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ، ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيهِ».

ترجمہ: سلیمان بن یسار حضرت ام سلمہؓ جو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ہیں سے روایت کرتے ہیں کہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت کو حضور ﷺ کے زمانے میں کثرت سے خون آتا تھا تو اس کے بارے میں ام سلمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت کو چاہیے کہ اپنے حیض کے ایام اور تاریخوں کو شمار کرلے۔ استحاضہ میں مبتلا ہونے سے پہلے جتنے روز اس کو حیض کی عادت تھی اتنے روز نماز چھوڑے رکھے اور جب اتنے ایام گزر جائیں تو غسل کرلے اور لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھ لے۔

۲۷۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَجُلًا أَخْبَرَهُ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ. قَالَ: «فَإِذَا خَلَّفَتْ ذَلِكَ وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْتَغْتَسِلْ». بِمَعْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ انہیں ام سلمہؓ سے کسی نے خبر دی کہ ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت کو کثرت سے خون آتا تھا پھر اسی (گزشتہ) حدیث کی طرح الفاظ نقل فرمائے اور فرمایا پھر جب وہ ایام (حیض کے) گزر جائیں اور نماز کا وقت ہو تو غسل کرلے پھر آگے گزشتہ روایت کی طرح حدیث ذکر کی۔

۲۷۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ يَعْنِي ابْنَ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدِّمَاءَ، فَذَكَرَ مَعْنَى حَدِيثِ اللَّيْثِ قَالَ: «فَإِذَا خَلَّفَتْهُنَّ وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْتَغْتَسِلْ». وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمَعْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار ایک انصاری کے واسطے سے ایک عورت کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ کثرت سے خون بہاتی تھی پھر گزشتہ حدیث کی طرح حدیث بیان کی اور آگے آپ ﷺ نے فرمایا جب حیض کے متعین ایام بقدر کی نماز چھوڑ دے اسکے بعد نماز کا وقت ہو جائے تو غسل کرلے اور اسی کے ہم معنی آگے حدیث ذکر کی۔

۲۷۷ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ، عَنْ نَافِعٍ بِإِسْنَادِ اللَّيْثِ وَبِمَعْنَاهُ قَالَ: «فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ قَدْرَ ذَلِكَ، ثُمَّ إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْتَغْتَسِلْ، وَلْتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ تُصَلِّي».

ترجمہ: صخر بن جویریہ نے نافع کے واسطے سے لیث کی سند کے ساتھ اسی معنی کی حدیث نقل کی اور اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ حیض کے بقدر دنوں کی نمازیں چھوڑ دے پھر جب نماز کا وقت آئے تو غسل کرلے اور لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھ لے۔

۲۷۸ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ فِيهِ: «تَدَعُ الصَّلَاةَ وَتَغْتَسِلُ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ وَتَسْتَثْفِرُ بِثَوْبٍ وَتُصَلِّي» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: "سَمَّى الْمَرْأَةَ الَّتِي كَانَتِ اسْتُحِيضَتْ

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ".

ترجمہ: سلیمان بن یسار نے ام سلمہؓ سے یہی قصہ نقل کیا اس میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ نماز چھوڑدے اور اس کے علاوہ دنوں میں غسل کرلے اور لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھ لے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس عورت کا نام جو کہ مستحاضہ تھی۔ حماد بن زید نے ایوب کے واسطے سے اس حدیث میں فاطمہ بنت ابی حبیش نقل کیا ہے۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (٢٠٨) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٥٤) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٥٥) سنن أبي داود - الطهارة (٢٧٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٢٠) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٢٣) موطأ مالك - الطهارة (١٣٨) سنن الدارمي - الطهارة (٧٨٠)

شرح الاحادیث: یہ باب کافی طویل ہے اس میں مصنفؒ نے تقریباً آٹھ حدیثیں اور متعدد تعلیقات ذکر فرمائی ہیں، باب کے شروع میں مصنفؒ نے ام سلمہؓ کی حدیث متعدد طرق سے بیان کی ہے، اکثر طرق کا مدار نافع پر ہے اور پھر نافع سے روایت کرنے والے ان کے مختلف تلامذہ ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلی سند میں ان سے روایت کرنے والے مالک ہیں، اور دوسری میں لیث، اور تیسری میں عبید اللہ، اور چوتھی میں صخر بن جویریہ۔ اس کے بعد مصنفؒ نے ایک اور طریق ذکر کیا جس میں نافع کے بجائے ایوب مذکور ہیں گویا ایوب نافع کے عدیل ہوئے جس طرح نافع اس حدیث کو سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں اسی طرح ایوب بھی ان سے راوی ہیں۔

اس حدیث ام سلمہؓ کا مضمون یہ ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت کو حضور ﷺ کے زمانہ میں کثرت سے خون آتا تھا اس کے بارے میں حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس عورت کو چاہئے کہ اپنے حیض کے ایام اور ان کی تاریخوں کو شمار کرے، استحاضہ میں مبتلا ہونے سے پہلے جتنے روز اس کو حیض کی عادت تھی اتنے روز اپنے آپ کو حائضہ قرار دے اور نماز چھوڑے رکھے، اور جب وہ ایام گزر جائیں تو غسل کر کے نماز شروع کردے۔ اس امرأة کی تعیین نافع کے طریق سے کسی روایت میں نہیں ہے، البتہ ایوب کے طریق میں بعض رواة نے اس مرأة کی تعیین فاطمہ بنت ابی حبیش کے ساتھ کی ہے چنانچہ مصنفؒ فرماتے ہیں: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: "سَمَّى الْمَرْأَةَ الَّتِي كَانَتِ اسْتُحِيضَتْ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ"۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ امام ترمذیؒ اور امام بیہقیؒ کی رائے یہ ہے کہ فاطمہ ممیزہ تھیں اور ام سلمہؓ کی اس روایت میں جو بطریق ایوب ہے اس عورت کی تعیین فاطمہ بنت ابی حبیش کے ساتھ کی گئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ فاطمہ معتادہ تھیں اسی لئے ان کو ردالی العادة کا حکم دیا گیا اور یہ بات امام بیہقیؒ کی رائے کے خلاف ہے اسی لئے انہوں نے ام سلمہؓ کی اس حدیث کو مرجوح قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ فاطمہؓ کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث بطریق ہشام بن عروہ عن ابیہ زیادہ صحیح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاطمہ ممیزہ تھیں، اور ام سلمہؓ نے جس عورت کے بارے میں سوال کیا تھا وہ فاطمہؓ کے علاوہ کوئی اور ہوں گی،

اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اگر حدیث ام سلمہؓ کو فاطمہ کے سلسلہ میں صحیح اور ثابت مان لیا جائے تو پھر یوں کہا جائے گا کہ ہو سکتا ہے فاطمہؓ کی مختلف زمانوں میں دو حالتیں ہوں ایک تمییز کی دوسری عدم تمییز کی، تمییز کے زمانہ میں ان کو اسکے مطابق حکم دیا گیا، اور عدم تمییز کے زمانہ میں رد الی العادۃ (کذا فی البذل [1])، میں کہتا ہوں امام بیہقیؒ حضرت عائشہؓ کی جس حدیث کو اصح قرار دے رہے ہیں جس سے فاطمہ کا ممیزہ ہونا معلوم ہوتا ہے وہ آئندہ باب کی پہلی ہی حدیث ہے اس کو دیکھ لیا جائے [2]۔

٢٧٩ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ عِرَاكٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّمِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَرَأَيْتُ مِرْكَنَهَا مَلْآنَ دَمًا، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ، ثُمَّ اغْتَسِلِي» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ قُتَيْبَةُ بَيْنَ أَضْعَافِ حَدِيثِ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ فِي آخِرِهَا، وَرَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ، وَيُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنِ اللَّيْثِ، فَقَالَا: جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ.

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ام حبیبہؓ نے نبی کریم ﷺ سے (استحاضہ کے) خون کے متعلق دریافت کیا پس میں دیکھتی تھی (کہ وہ بڑے برتن میں پانی بھر کر علاجاً بیٹھا کرتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا) کہ ٹب (برتن) خون سے لبریز ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا اپنے حیض کے ایام کی بقدر (نماز سے) رکی رہو پھر غسل کرو۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں اس کو میرے استاد قتیبہ نے اس روایت کو جعفر بن ربیعہ کی احادیث کے سلسلے میں اخیر میں ذکر کیا ہے اور روایت کیا ہے علی بن عیاش اور یونس بن محمد نے لیث سے اور انہوں نے جعفر بن ربیعہ سے۔

تخریج صحيح البخاري - الحيض (٣٢١) صحيح مسلم - الحيض (٣٣٤) جامع الترمذي - الطهارة (١٢٩) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٢) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٩) سنن النسائي - الطهارة (٢١٠) سنن أبي داود - الطهارة (٢٧٩) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٨٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٨٧) سنن الدارمي - الطهارة (٧٦٨) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٥) سنن الدارمي - الطهارة (٧٨٢)

شرح الحديث قوله: أَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ سَأَلَتِ الخ: اس سے پہلی روایت جس کو مصنفؒ نے متعدد طرق سے ذکر کیا وہ ام سلمہؓ کی تھی فاطمہ بنت ابی حبیش کے بارے میں، اور یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی ہے ام حبیبہ بنت جحش کے بارے میں، جو عبدالرحمن بن عوفؓ کی زوجہ ہیں جیسا کہ صحیح مسلم اور نسائی کی روایت میں مصرح ہے۔

مؤطا کی روایت میں ایک وہم اوراسکی تحقیق: اور یہ جو ابوداود و مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے یہی صحیح

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٣٠٩

[2] آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے شروع میں تمہیدی مضمون میں بیان کیا تھا کہ استحاضہ کی بعض روایات میں ایک اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی عورت کے بارے میں دو مختلف روایتیں آجاتی ہیں کسی میں رد الی العادۃ کا حکم ہوتا ہے اور کسی میں تمییز کا یہ اسی کی ایک مثال ہوئی۔

ہے بخلاف مؤطا امام مالک کے کہ اس میں اس روایت میں بجائے ام حبیبہؓ کے زینب بنت جحش مذکور ہے، وہ صحیح نہیں، دوسری تمام کتب کی روایات کے خلاف ہے، نیز تحت عبد الرحمن بن عوف جو خود مؤطا کی روایت میں بھی موجود ہے وہ زینبؓ پر صادق نہیں آتا بلکہ وہ ام حبیبہؓ ہی ہیں، چنانچہ شراح موطا نے موطا کی اس روایت کو وہم قرار دیا ہے، اور یہاں ایک لطیفہ کی بات یہ ہے کہ بعض شراح موطا نے مؤطا کی روایت کو وہم سے بچانے کے لئے یہ تاویل کی کہ جملہ بنات جحش کو زینب کہا جاتا ہے تو گویا ان کا مطلب یہ ہوا کہ مؤطا کی روایت میں زینب بنت جحش کا مصداق ام حبیبہؓ ہی ہے۔

نیز واضح رہے کہ زینب بنت جحش تو ام المؤمنینؓ ہیں جو آپ ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے زید بن حارثہؓ کے نکاح میں تھیں جیسا کہ مشہور ہے، اور وہ ام حبیبہؓ جو ام المؤمنینؓ ہیں وہ بنت جحشؓ نہیں بلکہ بنت ابی سفیان ہیں۔

قوله: فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَرَأَيْتُ مِرْكَنَهَا مَلْآنَ دَمًا: یعنی ام حبیبہؓ بڑے برتن میں پانی بھر کر علاجاً اس میں بیٹھا کرتی تھیں چونکہ مستحاضہ تھیں اس لیے خون کی رنگت کی وجہ سے وہ برتن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خون میں لبریز ہے، آگے اس روایت میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو عبرۃ بالایام کا حکم فرمایا، یعنی صرف ایام عادت میں اپنے آپ کو حائضہ سمجھیں اس کے بعد طاہرہ، اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بالکل ظاہر ہے کیونکہ ترجمۃ الباب بھی عبرۃ بالایام ہی کے بارے میں ہے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ قُتَيْبَةُ بَيْنَ أَضْعَافِ حَدِيثِ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ فِي آخِرِهَا: اس جملہ کے صحیح معنی یہ ہیں کہ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو میرے استاذ قتیبہ نے جعفر بن ربیعہ کی احادیث کے سلسلہ اور اس کے اثناء میں ذکر کیا اخیر میں، اضعاف اور تضاعیف کا استعمال اثناء اور درمیان کے معنی میں آتا ہے، مصنفؒ دراصل یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اوپر سند میں جعفر مذکور ہیں ان سے مراد جعفر بن ربیعہ ہیں اور قرینہ اس کا یہ بیان کیا کہ میرے استاذ قتیبہ نے اس حدیث کو جعفر بن ربیعہ کی احادیث کے اثناء میں ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ جعفر جعفر بن ربیعہ ہیں ایک ہی نام کے بہت سے راوی ہوتے ہیں، نسب سے تعیین ہو جاتی ہے۔

دوسرے معنی اسکے جو غلط ہیں وہ یہ کہ بعض شراح نے یہ سمجھا کہ بین تبیین سے ماضی کا صیغہ ہے اور اسکے بعد جو لفظ اضعاف ہے اس کو انہوں نے باب افعال کا مصدر بمعنی تضعیف قرار دیا اور حاصل معنی یہ بیان کیے کہ مصنف کہتے ہیں میرے استاذ قتیبہ نے جعفر بن ربیعہ کی حدیث کا ضعیف ہونا بیان کیا، غلط فہمی کی وجہ یہ ہوئی کہ لفظ اضعاف ان بعض شراح کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہے؟ حالانکہ اضعاف بفتح الالف اور تضاعیف دونوں کا استعمال مصنفین کے یہاں رائج ہے جس کو وہ اثناء اور درمیان کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

۲۱۰ - حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشَكَتْ إِلَيْهِ الدَّمَ، فَقَالَ لَهَا

رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ فَانْظُرِي إِذَا أَتَى قَرْؤُكِ فَلَا تُصَلِّي، فَإِذَا مَرَّ قَرْؤُكِ فَتَطَهَّرِي، ثُمَّ صَلِّي مَا بَيْنَ الْقَرْءِ إِلَى الْقَرْءِ».

ترجمہ عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا اور آپ سے (استحاضہ کے) خون آنے کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک رگ ہے پس تم کو جب حیض آئے تب نماز کو ترک کر دو پھر جب ایام حیض گزر جائیں تو غسل کر کے پاک ہو جاؤ اور دو حیضوں کے درمیانی زمانے (یعنی طہر کے زمانہ) میں نماز پڑھ لیا کرو۔

تخریج سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٥٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٨٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٠) مسند أحمد - من مسند القبائل (٦/٤٢٠) مسند أحمد - من مسند القبائل (٦/٤٦٤) مسند أحمد - من مسند القبائل (٦/٤٦٤)

٢٨١ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ سُهَيْلٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي صَالِحٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ، أَنَّهَا أَمَرَتْ أَسْمَاءَ أَوْ أَسْمَاءُ حَدَّثَتْنِي أَنَّهَا أَمَرَتْهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ، أَنْ تَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «فَأَمَرَهَا أَنْ تَقْعُدَ الْأَيَّامَ الَّتِي كَانَتْ تَقْعُدُ، ثُمَّ تَغْتَسِلُ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ قَتَادَةُ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ اسْتُحِيضَتْ، "فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلَ وَتُصَلِّي" قَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَمْ يَسْمَعْ قَتَادَةُ مِنْ عُرْوَةَ شَيْئًا وَزَادَ ابْنُ عُيَيْنَةَ، فِي حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «فَأَمَرَهَا أَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَذَا وَهْمٌ مِنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ لَيْسَ هَذَا فِي حَدِيثِ الْحُفَّاظِ عَنِ الزُّهْرِيِّ، إِلَّا مَا ذَكَرَ سُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ وَقَدْ رَوَى الْحُمَيْدِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ لَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: «تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا» وَرَوَتْ قَمِيرُ بِنْتُ عَمْرٍو زَوْجُ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ «الْمُسْتَحَاضَةُ تَتْرُكُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ» وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَمَرَهَا أَنْ تَتْرُكَ الصَّلَاةَ قَدْرَ أَقْرَائِهَا» وَرَوَى أَبُو بِشْرٍ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي وَحْشِيَّةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ اسْتُحِيضَتْ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ. وَرَوَى شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي الْيَقْظَانِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «الْمُسْتَحَاضَةُ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي» وَرَوَى الْعَلَاءُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، أَنَّ سَوْدَةَ اسْتُحِيضَتْ، «فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَضَتْ أَيَّامُهَا اغْتَسَلَتْ وَصَلَّتْ» وَرَوَى سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ «الْمُسْتَحَاضَةُ تَجْلِسُ أَيَّامَ قُرْئِهَا» وَكَذَلِكَ رَوَاهُ عَمَّارٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، وَطَلْقُ بْنُ حَبِيبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَكَذَلِكَ رَوَاهُ مَعْقِلٌ الْخَثْعَمِيُّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَذَلِكَ رَوَى الشَّعْبِيُّ، عَنْ قَمِيرَ امْرَأَةِ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ

قَوْلُ الْحَسَنِ، وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعَطَاءٍ، وَمَكْحُولٍ، وَإِبْرَاهِيمَ، وَسَالِمٍ، وَالْقَاسِمِ، «أَنَّ الْمُسْتَحَاضَةَ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «لَمْ يَسْمَعْ قَتَادَةُ مِنْ عُرْوَةَ شَيْئًا».

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیرؒ فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیشؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں اسماءؓ سے عرض کیا یا اسماء نے مجھ سے بیان کیا کہ ان سے فاطمہ نے کہا کہ حضور ﷺ سے میرے لئے مسئلہ دریافت کریں۔ تو آپ ﷺ نے انکو حکم دیا کہ وہ بیٹھی رہیں اتنے ایام جتنے ایام وہ پہلے حیض سے بیٹھتی تھیں پھر غسل کر لیں۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ قتادہ نے عروہ بن زبیرؓ سے انہوں نے زینب بنت ام سلمہ سے نقل کیا کہ ام حبیبہ بنت جحش مستحاضہ ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انکو حکم دیا کہ وہ اپنے حیض کے (بقدر) ایام کی نمازیں چھوڑ دیں پھر غسل کریں اور نماز پڑھیں۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ قتادہ نے عروہ سے کچھ نہیں سنا اور ابن عیینہ نے زہری کی حدیث میں یہ اضافہ کیا کہ عمرہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ام حبیبہؓ کو استحاضہ ہوتا تھا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مسئلہ معلوم کیا تو آپ ﷺ نے انہیں حیض کے ایام کے بقدر نماز چھوڑنے کا حکم دیا۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں یہ ابن عیینہ کا وہم ہے حفاظ رواۃ کی حدیث میں یہ اضافہ نہیں ہے سوائے سہیل بن ابی صالح کی ذکر کردہ روایت کے اور حمیدی نے اس حدیث کو ابن عیینہ سے روایت کیا لیکن اس میں یہ نہیں ذکر کیا کہ وہ اپنے ایام حیض کے بقدر نماز کو ترک کریں اور قمیر بنت عمرو جو مسروق کی بیوی ہیں حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض کے بقدر نمازیں چھوڑ دے گی پھر غسل کرے گی اور عبد الرحمن بن القاسم اپنے والد کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں (مستحاضہ کو) حکم دیا کہ وہ اپنے حیض کے بقدر دنوں کی نماز ترک کر دیں اور ابو بشر جعفر بن ابی وحشیہ عکرمہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ام حبیبہ بنت جحش مستحاضہ ہو گئیں اسی طرح پوری حدیث بیان کی۔ اور شریک نے ابو الیقظان سے انہوں نے عدی بن ثابت سے انہوں نے اپنے والد سے اپنے دادا کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کی کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں نماز ترک کر دے پھر غسل کرے گی اور نماز پڑھے گی اور علاء بن المسیب نے حکم سے انہوں نے ابو جعفر سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ سودہؓ مستحاضہ ہو گئیں تو نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ جب ان کے ایام حیض گزر جائیں تو وہ غسل کر کے نماز پڑھ لیں اور سعید بن جبیر نے حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کی کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں بیٹھی رہے گی اور اسی طرح بنی ہاشم کے مولی عمار اور طلق بن حبیب نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی اور اسی طرح معقل الخثعمی نے حضرت علیؓ سے روایت کی اور اسی طرح شعبی نے قمیر سے جو مسروق کی زوجہ ہیں حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ حسن اور سعید بن المسیب اور عطاء اور مکحول اور ابراہیم اور سالم اور قاسم کا قول یہی ہے کہ مستحاضہ اپنے ایام حیض میں نماز کو چھوڑ دے گی امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ قتادہ نے عروہ سے کچھ نہیں سنا۔

تخریج: سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٤٩) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٥٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٨١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٠) مسند أحمد - من مسند القبائل (٦/ ٤٢٠) مسند أحمد - من مسند القبائل (٦/ ٤٦٤) مسند أحمد - من مسند القبائل (٦/ ٤٦٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٩)

شرح الحديث: قوله: حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ، أَنَّهَا أَمَرَتْ أَسْمَاءَ الخ: عروہ کہتے ہیں کہ مجھ سے فاطمہ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت اسماءؓ سے عرض کیا کہ میرے لئے حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کریں، آگے شک راوی ہے وہ یہ کہ عروہ کہتے ہیں کہ یا اسماء نے مجھ سے بیان کیا کہ ان سے فاطمہ نے کہا تھا کہ حضور ﷺ سے میرے لئے مسئلہ دریافت کرو، جاننا چاہئے کہ اس حدیث کے راوی زہری ہیں اور ان کی یہ روایت فاطمہ کے قصہ میں ہے اور آگے چل کر اس میں یہی مضمون ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو عبرۃ بالایام کا حکم فرمایا۔

مصنفؒ کی غرض اور اس مقام کی صحیح تحقیق: قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ قَتَادَةُ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: رواہ کی ضمیر منصوب کا مرجع یہاں عبارت میں صراحۃً تو کہیں مذکور نہیں ہے پس یہ کہا جائے گا کہ یہ ضمیر راجع ہے مایدل علی الترجمة کی طرف، دراصل ہر مصنف ہر باب کے تحت میں وہی حدیث لاتا ہے جو ترجمۃ الباب پر دال ہو، لہٰذا یہاں اس ضمیر کا مرجع وہ حدیث مستحاضہ ہوگی جو ترجمۃ الباب یعنی ایام عادت پر دلالت کرے اس تعلیق میں مصنفؒ نے قتادہ کی روایت کو ذکر کیا ہے جو ام حبیبہ کے سلسلہ میں ہے، دراصل یہ قتادہ مقابل ہیں زہری کے، زہری کی ایک روایت تو اوپر آچکی ہے جو فاطمہ کے سلسلہ میں تھی، زہری کی ایک دوسری بھی روایت ہے جو ان ہی ام حبیبہ کے قصہ میں ہے اس میں بھی ایام عادت مذکور ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے، تو اب زہری کی دو روایتیں ہوئیں ایک وہ جو اوپر گزری فاطمہ کے قصے میں دوسری وہ جو ام حبیبہ کے قصہ میں وارد ہے قتادہ کی طرح۔

قوله: قَالَ [1] أَبُو دَاوُدَ: لَمْ يَسْمَعْ قَتَادَةُ مِنْ عُرْوَةَ شَيْئًا وَزَادَ ابْنُ عُيَيْنَةَ، فِي حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، قَالَتْ: عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ: یہ مقام مشکل اور من مزال الاقدام ہے، غور سے سنئے! اولاً یہ سمجھ لیجئے کہ قتادہ اور زہری دونوں ایک ہی طبقہ کے ہیں ان دونوں کی روایت کا تقابل ہو رہا ہے، مصنفؒ کی رائے یہ ہے کہ قتادہ کی روایت جو ام حبیبہؓ کے سلسلہ میں ہے جو ابھی اوپر گزری، اس میں تو ذکر ایام صحیح ہے اور زہری کی روایت جو ام حبیبہؓ کے سلسلہ میں ہے اس میں ذکر

---

[1] غرض المصنف ان الرواية الصحيحة من روايات الزهري التي في قصة ام حبيبة ليس فيها ذكر الايام ومن ذكر ها فيه فقد وهم، نعم ذكر الايام في حديث الزهري الذي هو في قصة فاطمة صحيح كما تقدم في رواية سهيل عن الزهري، والصحيح من رواية الزهري في قصة ام حبيبة ما سيأتي عند المصنفؒ في الباب الاتي. واما رواية قتادة (مقابل الزهري) في قصة ام حبيبة فقد وقع فيها ذكر الايام فليس الغرض نفي ذكر الايام في قصة ام حبيبة رأساً بل في رواية الزهري في قصتها. والله سبحانه وتعالى اعلم. وعلى هذا الغرض لا يرد شيء من الايراد المذكور في البذل وغيره من الشروح. فكلام المصنف مضبوط محفوظ من الوهم او الخبط ان شاء الله تعالى۔

ایام صحیح نہیں، لیکن زہری کے شاگردوں میں سے ابن عیینہ نے یہ غلطی کی کہ انہوں نے زہری سے ام حبیبہؓ کے سلسلہ میں ایام عادت کو ذکر کر دیا حالانکہ یہ صحیح نہیں چنانچہ ابن عیینہ کے علاوہ زہری کے جو دوسرے تلامذہ ہیں ان میں سے کسی نے اس روایت میں ایام عادت کو ذکر نہیں کیا۔

جاننا چاہئے کہ زہری کی روایت جو ام حبیبہؓ کے بارے میں ہے اس میں مصنفؒ کے نزدیک زہری کے دو شاگردوں سے غلطی ہوئی، ایک ابن عیینہ سے جس کو مصنفؒ نے یہاں ذکر کر دیا ہے، اور دوسرے اوزاعی سے جس کو مصنفؒ آئندہ باب میں ذکر کریں گے، چنانچہ مصنفؒ اس باب میں فرماتے ہیں: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: زَادَ الْأَوْزَاعِيُّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اسْتُحِيضَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ ..... فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي [1]، مصنفؒ کے بیان کے مطابق اوزاعی نے یہ غلطی کی کہ اس روایت میں اقبال وادبار کو ذکر کر دیا، اور یہ پہلے آہی چکا کہ اقبال وادبار محدثین کے یہاں تمیز پر محمول ہے تو اب زہری کی روایت جو ام حبیبہؓ کے سلسلہ میں ہے اس میں دو غلطیاں ہوئیں ایک ابن عیینہ کی طرف سے کہ انہوں نے اس روایت میں ایام عادت کو ذکر کر دیا، دوسری غلطی اوزاعی سے کہ انہوں نے اس روایت میں اقبال وادبار کو ذکر کیا گویا ابن عیینہ کی بیان کردہ روایت کے مطابق ام حبیبہؓ معتادہ ہوئیں جن کو عبرۃ بالایام کا حکم دیا گیا، اور اوزاعی کی روایت کے مطابق علی اصطلاح المحدثین ان کو ممیزہ قرار دیا گیا۔

الصحیح من روایة الزہری فی قصة ام حبیبة عندالمصنف: اب سوال یہ ہے کہ پھر اس روایت میں صحیح عندالمصنف کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک اس روایت میں صرف اتنا ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ام حبیبہؓ کے بارے میں فرمایا: إِنَّ هَذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلَكِنْ هَذَا عِرْقٌ، فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي، نہ اس میں ذکر ایام ہے نہ ذکر اقبال وادبار جیسا کہ اگلے باب میں حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَقِيلٍ والی روایت میں آرہا ہے وہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک صحیح کیا ہے اس مقام کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے اس کی تشریح جس طرح میں نے کی ہے اس طرح مجھے کہیں اور نہیں ملی ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ صحیح مسلم میں بھی ام حبیبہؓ سے متعلق یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے ان میں سے بعض میں تو صرف اتنے ہی الفاظ مذکور ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے، اور بعض طرق میں امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ [2] بھی وارد ہے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَذَا وَهْمٌ مِنَ ابْنِ عُيَيْنَةَ لَيْسَ هَذَا فِي حَدِيثِ الْحُفَّاظِ عَنِ الزُّهْرِيِّ: اس وہم کی تشریح ہمارے یہاں اوپر آچکی ہے۔

---

[1] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب من قال إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة ٢٨٥

[2] صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب المستحاضة وغسلها وصلاتها ٣٣٤

قوله: إِلَّا مَا ذَكَرَ سُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ: مصنفؒ یہ کہہ رہے ہیں کہ زہری کی روایت میں صحیح وہ ہے جس کو سہیل بن ابی صالح نے ذکر کیا سہیل بن ابی صالح کی روایت وہی ہے جو اوپر متن میں مذکور ہے، شراح کو جن میں حضرت اقدس سہارنپوریؒ اور صاحب منہل بھی ہیں یہاں پر یہ اشکال ہو رہا ہے کہ سہیل بن ابی صالح کی روایت تو فاطمہ بنت ابی حبیش کے قصہ میں ہے اور گفتگو یہاں اس روایت کے بارے میں ہو رہی ہے جو ام حبیبہ کے قصہ میں ہے تو پھر اسکا حوالہ دینا کیسے صحیح ہے، اور دوسرا اشکال شراح کو یہاں مصنفؒ کے کلام پر یہ ہو رہا ہے کہ ابن عیینہ نے جو زیادتی ذکر کی ہے اس کا مضمون اور سہیل ابن ابی صالح کی روایت کا مضمون دونوں ایک ہی ہیں، دونوں میں عادت اور ایام کا ذکر ہے پھر ایک کو صحیح قرار دینا اور ایک کو وہم، اس کا کیا مطلب ❶؟ ہم نے مصنف کے کلام کی جو تشریح کی ہے اس کو سمجھنے کے بعد ان میں سے کوئی سا بھی اشکال وارد نہیں ہوتا، مصنف یہی تو کہہ رہے ہیں کہ زہری کی روایت جو ام حبیبہ کے بارے میں ہے اس میں ذکر ایام غلط ہے، ہاں از ہری کی وہ روایت جس کو سہیل بن ابی ❷ صالح نے ذکر کیا ہے جو فاطمہ کے قصہ میں ہے اس میں ذکر ایام صحیح ہے، مصنفؒ کی بات بالکل واضح ہے، بحمد اللہ اس میں کوئی تردد کی بات نہیں، صاحب منہل نے اس اشکال ثانی کا جو جواب دیا ہے اور مصنفؒ کی جو غرض بیان کی ہے احقر کو اس سے اتفاق نہیں۔

نیز حضرتؒ نے بذل میں مصنفؒ کے کلام پر ایک اور اشکال فرمایا ہے، وہ یہ کہ مصنفؒ حصر کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ اس زیادتی کو صرف ابن عیینہ نے ذکر کیا، مصنف کا یہ دعوئے تفرد صحیح نہیں بلکہ اس زیادتی کو اوزاعی نے بھی ذکر کیا ہے جس کو خود مصنفؒ نے بھی آگے چل کر بیان کیا ہے لیکن ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان دونوں زیادتیوں میں فرق ہے اور اس فرق بین الحقیقین کا اعتراف خود حضرتؒ نے بھی آگے چل کر جہاں یہ مضمون آرہا ہے فرمایا ہے لہذا کوئی خلجان کی بات نہیں رہی۔

قوله: وَقَدْ ❸ رَوَى الْحُمَيْدِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ لَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: «تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا»: مصنف کے نزدیک

---

❶ حضرت نے تو بذل میں اشکال فرما کر چھوڑ دیا لیکن صاحب منہل نے اس کے جواب کی کوشش کی ہے انہوں نے لکھا ہے اگرچہ دونوں کے لفظوں کا مفہوم ایک ہی ہے لیکن بہر حال لفظوں میں فرق ہے اور حضرات محدثین لفظوں کے فرق کو بھی بڑے اہتمام سے بیان کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں یہ بات گو صحیح ہے کہ حضرات محدثین لفظی فرق کو بھی بیان کرتے ہیں مگر محض لفظی فرق کو وہم سے تعبیر نہیں کرتے، نیز مصنف نے یہاں پر کہا ہے زاد ابن عیینۃ جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے مضمون حدیث میں اضافہ کیا ہے، ہمارے خیال میں یہاں شراح غرض مصنف ہی کو نہیں سمجھے "وکم ترك الأول للآخر" واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

❷ آپ کو یاد ہوگا کہ باب کی پہلی حدیث یعنی حدیث ام سلمہ کے ذیل میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ امام بیہقیؒ کی رائے یہ ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش ممیزہ ہیں نہ کہ معتادہ (البتہ ام حبیبہ معتادہ ہیں) اسی لئے جس حدیث سے فاطمہ کا معتادہ ہونا معلوم ہوتا ہے امام بیہقیؒ یا تو اسکو ضعیف قرار دیتے ہیں یا تاویل کرتے ہیں چنانچہ سہیل بن ابی صالح کی روایت جس کا امام ابوداؤد نے حوالہ دیا ہے اور درست کہا ہے، اس سے چونکہ فاطمہ کا معتادہ ہونا ظاہر ہوتا ہے اسلئے امام بیہقیؒ نے اسکو بھی وہم قرار دیا ہے لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ جو تحقیق بیہقی کی ہو وہی مصنف کی بھی ہو۔ ۱۲۔

❸ مصنفؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیدی کی روایت ابن عیینہ سے ام حبیبہ بنت جحشؓ کے قصہ میں ہے لیکن سنن بیہقی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بذل میں ہے حمیدی کی روایت فاطمہ بنت ابی حبیش کے قصہ میں ہے لیکن مصنفؒ علام بجائے خود امام اور حجت ہیں اس لئے ہو سکتا ہے حمیدی کی روایت ام حبیبہؓ کے سلسلہ میں بھی ہو، واللہ تعالی أعلم۔

چونکہ ابن عیینہ کی روایت وہم ہے اس سے اس وہم ہونے کی تائید فرمارہے ہیں وہ اس طور پر کہ خود ابن عیینہ کا حال یہ ہے کہ کبھی وہ اس زیادتی کو ذکر کرتے ہیں اور کبھی نہیں، چنانچہ حمیدی کی روایت جو ابن عیینہ سے ہے اس میں یہ زیادتی نہیں پائی جاتی۔

① وَرَوَتْ قَمِيرُ بِنْتُ عَمْرٍو الخ، ② وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ الخ، ③ وَرَوَى أَبُو بِشْرٍ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي وَحْشِيَّةَ الخ، ④ وَرَوَى شَرِيكٌ. عَنْ أَبِي الْيَقْظَانِ، ...... عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْتَحَاضَةُ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا الخ، ⑤ وَرَوَى الْعَلَاءُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الخ، یہ پانچ تعلیقات ہیں اور سب میں مستحاضہ کیلئے ایام عادت کے اعتبار کا حکم دیا گیا ہے ان سب کو ذکر کرنے سے مصنفؒ کی غرض یہ ہے کہ مصنفؒ کے ابن عیینہ کی روایت میں ذکر ایام کو وہم قرار دینے سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ مصنف مستحاضہ کیلئے ایام عادت کا اعتبار کرنے کے قائل نہیں ہیں اسلئے کہ یہ حکم فی نفسہ متعدد روایات سے ثابت ہے اور ابن عیینہ کی روایت میں ذکر ایام کو وہم قرار دینا ایک مخصوص روایت کے اعتبار سے ہے۔

قوله: وَرَوَى سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ الخ: یہاں سے مصنفؒ نے متعدد صحابہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور بہت سے تابعین حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ، عطاءؒ، مکحولؒ، ابراہیم نخعیؒ، سالمؒ اور قاسمؒ کے متعلق نقل کیا ہے کہ یہ سب حضرات بھی اعبرة بالایام کے قائل ہیں۔

کیا امہات المؤمنین میں سے کوئی مستحاضہ تھیں؟ مصنفؒ نے اوپر جو تعلیقات بیان کی ہیں اس میں ایک روایت میں آیا ہے أَنَّ سَوْدَةَ اسْتُحِيضَتْ، یہ سودہ بنت زمعہ ام المؤمنینؓ ہیں، اس روایت سے معلوم ہوا کہ بعض ازواج مطہرات مستحاضہ ہوئی ہیں اور یہی صحیح ہے، لیکن ابن الجوزیؒ نے امہات المؤمنینؓ کے استحاضہ کے ثبوت کا انکار کیا ہے، حضرت شیخؒ اوجز میں لکھتے ہیں کہ ابن الجوزی نے جو ازواج مطہرات کے استحاضہ کی مطلقاً نفی کی ہے یہ ان کی روایات صحیحہ سے غفلت ہے ①، جس کی حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے تصریح کی ہے، آپ کی ازواج میں سے زینب بنت جحش کا مستحاضہ ہونا بھی بعض روایات میں آتا ہے، خود مصنفؒ نے بھی اگلے باب میں بروایت عائشہؓ اس کو ذکر کیا ہے، لیکن حضرت زینبؓ کے استحاضہ والی روایت کا ثبوت محدثین کے یہاں متنازع فیہ ہے، بعض محدثین اس کو ثابت مانتے ہیں اور بعض نہیں، دراصل زینب بنت جحش کے استحاضہ کی روایت مؤطا مالک میں بھی ہے، اور حضرت شیخ نے اوجز میں اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے، ابن العربیؒ، علامہ سیوطیؒ اور ابن رسلانؒ شارح ابوداؤد اس روایت کے ثبوت کے منکر ہیں اور حافظ ابن عبد البرؒ اس کے ثبوت کے قائل ہیں، حافظ ابن حجرؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ کی روایات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ام حبیبہ بنت جحش تو مستقل مرض استحاضہ میں مبتلا تھیں اور ان کی بہن زینب بنت جحش ام المؤمنینؓ کو بھی کبھی کبھی آتا تھا ②۔

---

① أوجز المسالك إلى موطأ مالك - ج ١ ص ٦٣١

② فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ١ ص ٤١١

فائدہ: جاننا چاہئے کہ بنات جحش میں سے تین کا استحاضہ کی روایات حدیثیہ میں ذکر آتا ہے، ام حبیبہؓ، حمنہؓ، زینبؓ، علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: بعض علماء کی رائے ہے بنات جحش کلھن یستحضن، اور بعض کہتے ہیں زینب کے علاوہ باقی دو کا مستحاضہ ہونا ثابت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ صرف ام حبیبہؓ کا مستحاضہ ہونا ثابت ہے اس سے معلوم ہوا کہ ام حبیبہؓ کا مستحاضہ ہونا متفق علیہ ہے، چنانچہ آگے روایت (رقم ۲۸۵) میں آرہا ہے إنها استحيضت سبع سنين۔

۱۰۸ - بَابُ مَنْ رَوَى أَنَّ: الْحَيْضَةَ إِذَا أَدْبَرَتْ لَا تَدَعُ الصَّلَاةَ

یہ باب ہے اس بیان میں کہ جب (عورت کو) حیض آجائے تو وہ نماز (پڑھنا) چھوڑ دے

یہاں پر اختلاف نسخ ہے، بذل المجهود کے نسخہ میں یہ ترجمہ یہاں نہیں ہے بلکہ دو حدیثوں کے بعد آرہا ہے، اس باب کی شروع کی دو حدیثیں حدثنا أحمد بن يونس الخ اور حدثنا عبد الله بن مسلمة القعنبي الخ ترجمہ سابقہ کے تحت میں ہیں، لیکن یہ نسخہ جس کو ہم نے اختیار کیا ہے وہ زیادہ صحیح ہے، بذل کے نسخہ کے اعتبار سے اشکال ہو جائے گا [1]، اس لئے کہ ان دونوں حدیثوں میں ایام کا ذکر نہیں ہے بلکہ اقبال وادبار مذکور ہے اس کے بعد سمجھئے!

اب تو آپ اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں کہ عادت اور تمییز دو مختلف چیزیں ہیں ترجمہ سابقہ عادت سے متعلق تھا اور یہ ترجمہ تمییز سے متعلق ہے، کیونکہ حضرات محدثین اقبال وادبار والی روایات کو تمییز یعنی معرفت لون پر محمول کرتے ہیں، لیکن یہاں یہ کہنا پڑے گا کہ مصنفؒ کی مراد اس ترجمۂ ثانیہ سے صرف تمییز نہیں بلکہ مطلق حیض کا آنا مراد ہے، خواہ وہ ایام عادت کے اعتبار سے ہو یا الوان کے اعتبار سے، اس لئے کہ مصنفؒ نے اس باب میں دونوں طرح کی روایات ذکر فرمائی ہیں، لہٰذا ترجمہ کو عام رکھنا ہی مناسب ہوگا۔

۲۸۲ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ، جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ؟ قَالَ: «إِنَّمَا ذَلِكِ عِرْقٌ، وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ، ثُمَّ صَلِّي».

ترجمہ: حضرت عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں مستحاضہ عورت ہوں پس میں پاک نہیں ہوتی کیا میں نمازیں چھوڑے رکھوں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ تو ایک رگ ہے اور حیض نہیں ہے پھر جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور

[1] اختلاف نسخ کے ضمن میں یہاں مقام ترجمہ کے علاوہ ایک اور اختلاف بھی ہے، بذل اور شارح کے نسخہ میں "بَابُ مَنْ قَالَ إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ تَدَعُ الصَّلَاةَ" ترجمہ قائم کیا گیا ہے، جبکہ "محمد محي الدين عبد الحميد" کے نسخہ میں یہاں "بَابُ مَنْ رَوَى أَنَّ: الْحَيْضَةَ إِذَا أَدْبَرَتْ لَا تَدَعُ الصَّلَاةَ" ترجمہ قائم کیا گیا ہے، اور دو احادیث کے بعد وہی بذل اور شارح والا ترجمہ "بَابُ مَنْ قَالَ إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ تَدَعُ الصَّلَاةَ" قائم کیا گیا ہے۔

جب رُک جائے تو (غسل کر اور) خون دھو کر نماز پڑھ لو۔

٢٨٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامٍ بِإِسْنَادِ زُهَيْرٍ، وَمَعْنَاهُ وَقَالَ: «فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ، فَاتْرُكِي الصَّلَاةَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا، فَاغْسِلِي الدَّمَ عَنْكِ وَصَلِّي».

ترجمہ: قعنبی مالک سے وہ ہشام سے زہیر کی سند اور انہی کے معنی میں حدیث روایت کرتے ہیں اور فرمایا کہ جب حیض کے دن آئیں تو نماز ترک کردے پھر جب اس کے بقدر اندازے سے دن گزر جائیں تو خون دھو کر نماز پڑھ لے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (٢٢٦) صحيح البخاري - الحيض (٣٠٠) صحيح البخاري - الحيض (٣١٤) صحيح البخاري - الحيض (٣١٩) صحيح البخاري - الحيض (٣٢٤) صحيح مسلم - الحيض (٣٣٣) جامع الترمذي - الطهارة (١٢٥) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٠٩) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٣) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٤) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٥) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٦) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٧) سنن أبي داود - الطهارة (٢٨٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٢/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٩٤/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٠٤/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٦٢/٦) موطأ مالك - الطهارة (١٣٧)

شرح الأحاديث: قوله: هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ: حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث فاطمہؓ کے قصہ میں اسی طریق سے بخاری اور مسلم میں بھی ہے جس میں اقبال وادبار مذکور ہے جو محدثین کے یہاں تمیز پر محمول ہوتا ہے، لہٰذا اس متفق علیہ روایت سے معلوم ہوا کہ فاطمہؓ ممیزہ تھیں، فاطمہؓ کے بارے میں یہی رائے امام بیہقیؒ وترمذیؒ کی بھی ہے جس کا ذکر ہمارے یہاں پہلے بھی آچکا ہے۔

قوله: فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا الخ: اس حدیث میں یہ ہے کہ جب اقبال حیض ہو تو عورت نماز ترک کردے اور جب اس کی مقدار گزر جائے تو غسل کر کے نماز شروع کردے، ایک بات سمجھئے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اقبال کی روایات محدثین لون دم پر محمول کرتے ہیں اور حنفیہ ایام عادت پر، اس حدیث میں ذکر اقبال کے بعد فرمایا جارہا ہے فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا، یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ اقبال حیض باعتبار ایام عادت کے مراد ہے نہ کہ باعتبار الوان کے، اس لئے کہ لون مقدار کے قبیل سے نہیں بلکہ کیف کے قبیل سے ہے، سبحان اللہ کیا خوب رہا، افادہ الشیخ فی الأوجز [1]۔

١٠٩ - بَابُ مَنْ قَالَ إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ تَدَعُ الصَّلَاةَ

یہ باب ہے ان فقہاء کے قول کے بیان میں جو کہتے ہیں کہ جب (عورت کو) حیض آجائے تو وہ نماز (پڑھنا) چھوڑ دے

٢٨٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ، عَنْ بُهَيَّةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ امْرَأَةً تَسْأَلُ عَائِشَةَ عَنِ امْرَأَةٍ فَسَدَ حَيْضُهَا

[1] أوجز المسالك إلى موطأ مالك - ج ١ ص ٦١٦

وَأُهَرِيقَتْ دَمًا، فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ آمُرَهَا «فَلْتَنْظُرْ قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحِيضُ فِي كُلِّ شَهْرٍ وَحَيْضُهَا مُسْتَقِيمٌ، فَلْتَعْتَدَّ بِقَدْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأَيَّامِ، ثُمَّ لِتَدَعِ الصَّلَاةَ فِيهِنَّ أَوْ بِقَدْرِهِنَّ، ثُمَّ لِتَغْتَسِلْ، ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّ»

ترجمہ بہیہ کہتی ہیں میں نے ایک عورت کو سنا جو حضرت عائشہؓ سے سوال کر رہی تھی ایسی عورت کے بارے میں جس کا حیض کا نظام بگڑ جائے (یعنی حیض اور استحاضہ کا نظام آپس میں خلط ہو جائے) اور وہ خون بہاتی رہے (یعنی مسلسل اسکا خون بہتا رہے) (حضرت عائشہؓ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا) تو آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں اس عورت کو کہوں کہ وہ اتنے دنوں کو شمار کرے جتنے دن اس کو ہر مہینے حیض آتا تھا جب اس کے حیض کا نظام درست تھا پھر وہ استحاضہ کے دنوں میں سے ان ایام کو ان حیض کے ایام کے بقدر (جتنے دن اسکی عادت تھی) حیض کے دن شمار کرے۔ پھر اسے چاہیے کہ نماز چھوڑ دے ان ایام میں (جنہیں اس نے حیض شمار کیا ہے) یا (راوی نے کہا) ان ایام کے بقدر دنوں میں نماز چھوڑ دے پھر غسل کرے پھر کپڑے کا لنگوٹ باندھ لے اور نماز پڑھے۔

۲۸۵ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَقِيلٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمِصْرِيَّانِ قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، وَعَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ خَتَنَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ، فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ هَذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلَكِنْ هَذَا عِرْقٌ، فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: زَادَ الْأَوْزَاعِيُّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اسْتُحِيضَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ وَهِيَ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ سَبْعَ سِنِينَ، "فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَلَمْ يَذْكُرْ هَذَا الْكَلَامَ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ غَيْرُ الْأَوْزَاعِيِّ وَرَوَاهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، وَاللَّيْثُ، وَيُونُسُ وَابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، وَمَعْمَرٌ، وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ، وَابْنُ إِسْحَاقَ وَسُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ «وَلَمْ يَذْكُرُوا هَذَا الْكَلَامَ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَإِنَّمَا هَذَا لَفْظُ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَزَادَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِيهِ أَيْضًا «أَمَرَهَا أَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا» وَهُوَ وَهْمٌ مِنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ الزُّهْرِيِّ فِيهِ شَيْءٌ يَقْرُبُ مِنَ الَّذِي زَادَ الْأَوْزَاعِيُّ فِي حَدِيثِهِ".

ترجمہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ام حبیبہ بنت جحش جو حضور ﷺ کی سالی تھیں اور عبد الرحمن بن عوفؓ کے نکاح میں تھیں کو سات سال تک استحاضہ کا خون آتا رہا۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے فتوی لیا (استحاضہ کے حکم کے بارے میں) تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ حیض (کا خون) نہیں ہے بلکہ یہ تو رگ (کا خون) ہے (یعنی استحاضہ کا خون ہے) سو تم غسل کرو (ایام حیض گزرنے کے بعد) اور نماز پڑھو۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ اوزاعی نے (ام حبیبہؓ کی) اس حدیث میں عن الزهری

عن عروة و عمرة عن عائشة کی سند سے یہ اضافہ ذکر کیا کہ ام حبیبہ بنت جحش جو کہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے نکاح میں تھیں کو سات سال تک استحاضہ کا خون آتا رہا تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ جب ایام حیض آجائیں تو نماز چھوڑ دو جب چلے جائیں تو غسل کر کے نماز پڑھ لو۔ امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں: اوزاعی کے علاوہ زہری کے کسی شاگرد نے یہ کلام ذکر نہیں کیا۔ زہری سے یہ روایت عمرو بن الحارث، لیث، یونس، ابن ابی ذئب، معمر، ابراہیم بن سعد، سلیمان بن کثیر، ابن اسحاق، سفیان بن عیینہ نے بیان کی ہے مگر کسی نے بھی یہ کلام (یعنی اوزاعی کا نقل کردہ اضافہ اذا اقبلت الحیضة تدع الصلوة) ذکر نہیں کیا۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں یہ لفظ تو (یعنی إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي) ھشام بن عروة عن أبيه عن عائشة کی حدیث کا ہے (امام اوزاعی نے بطور وہم کے زہری عن عروة کی حدیث میں یہ اضافہ ذکر کردیا) امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ نے بھی اس حدیث میں (یعنی زہری سے روایت کرتے ہوئے) یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے حیض کے ایام کے بقدر نماز کو چھوڑ دے اور یہ ابن عیینہ کا وہم ہے۔ اور محمد بن عمرو عن الزہری کی حدیث میں وہ کلام ہے جو اس کلام کے قریب قریب ہے جس کا اضافہ اوزاعی نے اپنی حدیث میں کیا ہے۔

تخریج صحيح البخاري - الحيض (٣٢١) صحيح مسلم - الحيض (٣٣٤) جامع الترمذي - الطهارة (١٢٩) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٢) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٩) سنن النسائي - الطهارة (٢١٠) سنن أبي داود - الطهارة (٢٨٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٤٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٨٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٨٧/٦) سنن الدارمي - الطهارة (٧٦٨) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٥) سنن الدارمي - الطهارة (٧٨٢)

شرح الحدیث زہری کی وہ روایت جو ام حبیبہ کے سلسلہ میں ہے جو عند المصنف صحیح ہے اور جس کا حوالہ ہمارے یہاں اس سے پہلے آچکا وہ یہ حدیث ہے جس کو مصنف یہاں ذکر کر رہے ہیں اس کے الفاظ آپ خود دیکھ لیجئے وہ صرف یہ ہیں إِنَّ هَذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلَكِنْ هَذَا عِرْقٌ، فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي، اس میں نہ ذکر ایام ہے نہ ذکر اقبال وادبار خوب سمجھ لیجئے۔

ابن ابی عقیل راوی کی تحقیق: اسکے بعد آپ سند کے بارے میں سنیے! وہ یہ کہ اس حدیث کی سند میں ابن ابی عقیل مذکور ہیں جن کے بارے میں حضرت نے بذل میں یہاں پر لکھا ہے لم أجد ذكره في شيء من كتب الرجال، اس کے بعد یہ راوی بَابٌ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ میں بھی ایک حدیث [1] کی سند میں آئے ہیں، وہاں پہنچ کر حضرتؒ نے اس راوی کا نام تہذیب التہذیب سے احمد بن ابی عقیل المصری نقل فرمایا ہے [2] اور یہی صاحب منہل نے بھی لکھا ہے لیکن حضرت شیخؒ کے

---

[1] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب في الغسل يوم الجمعة ٣٤٧

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٣ ص ٨٣-٨٤

حاشیہ بذل میں ہے کہ ابن رسلانؒ شارح ابوداؤد نے ان کا نام عبد الغنی بن رفاعہ لکھا ہے اور لکھا ہے روی عنہ الطحاوی [1]،
میں کہتا ہوں کہ ابن رسلانؒ نے جو تعیین کی ہے وہ بھی محتمل ہے اسلئے کہ عبد الغنی بھی امام ابوداؤد کے اساتذہ میں ہیں اور ان کو
بھی ابن ابی عقیل کہا جاتا ہے، چنانچہ حافظ نے تقریب میں عبد الغنی بن رفاعہ کے نام پر ابوداؤد کا رمز بنایا ہے اور اس کتاب میں
کتاب الحدود کے بَابُ الرَّجْمِ میں عبد الغنی بن رفاعہ سے ایک روایت آرہی ہے [2]، جو دیکھنا چاہے دیکھ لے۔

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: زَادَ الْأَوْزَاعِيُّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ الخ: اس پر کلام ہمارے یہاں قریب میں خاصی تفصیل سے گزر چکا۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَإِنَّمَا هَذَا اللَّفْظُ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ یعنی اقبال وادبار کی زیادتی زہری کی اس حدیث میں صحیح نہیں جو ام حبیبہؓ کے سلسلہ میں ہے، ہاں! یہ زیادتی هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ: عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ کی حدیث میں صحیح ہے جو کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کے قصہ میں ہے، اور یہ حدیث عائشہ فی قصۂ فاطمہ اسی باب کی پہلی حدیث ہے جس کی ابتداء حدثنا احمد بن یونس سے ہے، خوب سمجھ لیجئے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَزَادَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِيهِ أَيْضًا: ایضا کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اوزاعی نے اس حدیث میں وہ ایک زیادتی ذکر کی اسی طرح ابن عیینہ نے بھی، جیسا کہ پوری تفصیل کے ساتھ گزشتہ باب میں گزر چکا۔

قوله: وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ الزُّهْرِيِّ فِيهِ شَيْءٌ يَقْرُبُ مِنَ الَّذِي زَادَ الْأَوْزَاعِيُّ فِي حَدِيثِهِ: محمد بن عمرو کی حدیث وہی ہے جو اس کے بعد متصلاً آرہی ہے، مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ اوزاعی نے جو زیادتی ام حبیبہؓ کے قصہ میں ذکر کی اسی کے ہم معنی محمد بن عمرو کی حدیث میں مذکور ہے، محمد بن عمرو کی حدیث میں یہ ہے إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضَةِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، یہ اوزاعی کی زیادتی کے قریب المعنی اس لئے ہے کہ اوزاعی نے اقبال وادبار کو ذکر کیا اور محدثین کے نزدیک اقبال وادبار تمیز اور لون پر محمول ہے اور اس محمد بن عمرو کی روایت میں لون کا ذکر صراحۃً ہے۔

٢٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضَةِ فَإِنَّهُ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ ذَلِكِ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا بِهِ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ مِنْ كِتَابِهِ هَكَذَا، ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهِ بَعْدُ حِفْظًا قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَدْ رَوَى أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ قَالَ: «إِذَا رَأَتِ الدَّمَ الْبَحْرَانِيَّ فَلَا تُصَلِّي، وَإِذَا رَأَتِ الطُّهْرَ وَلَوْ سَاعَةً فَلْتَغْتَسِلْ وَتُصَلِّي» وَقَالَ مَكْحُولٌ: «إِنَّ

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود – ج ٢ ص ٣٢٠

[2] [illegible] داود – كتاب الحدود – باب رجم ماعز بن مالك ٤٤٢٤

النِّسَاءَ لَا تَخْفَى عَلَيْهِنَّ الْحَيْضَةُ إِنَّ دَمَهَا أَسْوَدُ غَلِيظٌ، فَإِذَا ذَهَبَ ذَلِكَ وَصَارَتْ صُفْرَةٌ رَقِيقَةٌ، فَإِنَّهَا مُسْتَحَاضَةٌ فَلْتَغْتَسِلْ وَلْتُصَلِّ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ: «إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ تَرَكَتِ الصَّلَاةَ، وَإِذَا أَدْبَرَتِ اغْتَسَلَتْ وَصَلَّتْ» وَرَوَى سُمَيٌّ وَغَيْرُهُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ «تَجْلِسُ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا» وَكَذَلِكَ رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَى يُونُسُ، عَنِ الْحَسَنِ «الْحَائِضُ إِذَا مَدَّ بِهَا الدَّمُ تُمْسِكُ بَعْدَ حَيْضَتِهَا يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ فَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ» وَقَالَ التَّيْمِيُّ: عَنْ قَتَادَةَ «إِذَا زَادَ عَلَى أَيَّامِ حَيْضِهَا خَمْسَةُ أَيَّامٍ فَلْتُصَلِّ» وَقَالَ التَّيْمِيُّ: فَجَعَلْتُ أَنْقُصُ حَتَّى بَلَغَتْ يَوْمَيْنِ. فَقَالَ: إِذَا كَانَ يَوْمَيْنِ فَهُوَ مِنْ حَيْضِهَا، وَسُئِلَ ابْنُ سِيرِينَ عَنْهُ فَقَالَ: النِّسَاءُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ.

ترجمہ: عروہ بن زبیرؓ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہیں (فاطمہ بنت ابی حبیش کو) مسلسل استحاضہ کا خون جاری رہتا تھا، تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: جب حیض کا خون ہو (یعنی آجائے) وہ سیاہ خون ہوتا ہے جو معروف رنگ ہے (عورتوں میں) پس جب وہ رنگ ہو تو نماز سے رک جاؤ، جب کسی دوسرے رنگ کا (خون) ہو تو وضو کر کے نماز پڑھو اس لئے کہ یہ تو رگ (کا خون) ہے (جس کا نکلنا مانع صلوۃ نہیں ہے) امام ابو داودؒ کہتے ہیں کہ ابن المثنی استاد نے کہا کہ ابن ابی عدی نے ہمیں یہ حدیث اپنی کتاب سے اسی طرح بیان کی تھی پھر بعد میں اپنے حافظہ سے بیان کی تو اس طرح بیان کی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ پھر پہلی حدیث کے ہم معنی حدیث ذکر کی (دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتاب والی حدیث میں عن عروۃ بن زبیر عن فاطمۃ بن ابی حبیش ہے جب کہ حافظہ سے ذکر کردہ حدیث میں عن عروۃ عن عائشۃ ہے، دوسرا فرق یہ کہ کتاب والی حدیث میں عن محمد ہے جبکہ اس میں حدثنا کی تصریح ہے) امام ابو داودؒ کہتے ہیں انس بن سیرین نے ابن عباسؓ سے استحاضہ کے متعلق (حکم) نقل کیا کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں جب مستحاضہ تیز سرخ خون دیکھے تو نماز نہ پڑھے اور جب طہر دیکھے اگرچہ ایک گھڑی ہی کیوں نہ ہو تو غسل کر کے نماز پڑھے۔ مکحول کہتے ہیں کہ عورتوں پر مخفی نہیں ہے کہ حیض کا خون گاڑھا سیاہ ہوتا ہے پس جب یہ کالا گاڑھا خون چلا جائے اور پیلا پتلا خون ہو جائے تو یہ عورت مستحاضہ ہے لہٰذا اُسے چاہیے کہ غسل کر کے نماز پڑھے۔ امام ابو داودؒ کہتے ہیں حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ کی سند سے روایت بیان کرتے ہیں مستحاضہ کے (حکم کے) بارے میں کہ (سعید بن المسیب کہتے ہیں) جب حیض آئے تو وہ نماز چھوڑ دے اور جب (حیض) چلا جائے تو غسل کر کے نماز پڑھے اور سمی وغیرہ نے سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا ہے کہ (سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ) مستحاضہ عورت اپنے حیض کے دنوں میں بیٹھی رہے گی (یعنی نماز نہیں پڑھے گی اور انتظار کرے گی) اور (حماد بن زید نے جس طرح روایت بیان کی) اسی طرح حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ کی سند سے

اس حدیث کو بیان کرتے ہیں۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں یونس نے حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے کہ حائضہ عورت کو جب مسلسل خون آتا رہے تو اپنے حیض کے بعد ایک یا دو دن (نماز سے) رکی رہے پھر (ان ایک یا دو دن کے گزرنے کے بعد) یہ مستحاضہ شمار ہوگی (یعنی پاک عورت کے حکم میں ہوگی لہٰذا نماز روزہ ادا کرے گی) سلیمان تیمی قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ قتادہ کہتے ہیں کہ جب مستحاضہ عورت کے ایام حیض سے پانچ دن اوپر ہو جائیں تو اسے چاہیے کہ نماز پڑھے تیمی کہتے ہیں کہ میں نے کم کرنا شروع کر دیا (یعنی میں نے یہ کہنا شروع کیا کہ جب چار دن اوپر ہو جائیں اور جب تین دن اوپر ہو جائیں) یہاں تک کہ میں دو دن پر پہنچ گیا تو قتادہ نے کہا جب دو دن اوپر ہو جائیں تو وہ حیض ہی کے شمار ہونگے۔ اور محمد بن سیرین سے حیض کے متعلق پوچھا گیا تو کہا عورتوں کو اس کا زیادہ علم ہے (یعنی عورتیں دونوں قسم کے خون میں زیادہ بہتر انداز میں پہچان کر سکتی ہیں اسی لئے ابن سیرین نے مبتلیٰ بہ کی رائے پر حکم کو چھوڑ دیا)۔

تخریج صحيح البخاري - الوضوء (٢٢٦) صحيح البخاري - الحيض (٣٠٠) صحيح البخاري - الحيض (٣١٤) صحيح البخاري - الحيض (٣١٩) صحيح البخاري - الحيض (٣٢٤) صحيح مسلم - الحيض (٣٣٣) جامع الترمذي - الطهارة (١٢٥) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٥٨) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٥٩) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٣) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٤) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٥) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٦) سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٦٧) سنن أبي داود - الطهارة (٢٨٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٢/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٩٤/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٠٤/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٦٢/٦) موطأ مالك - الطهارة (١٣٧)

شرح الحديث قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا بِهِ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ مِنْ كِتَابِهِ هَكَذَا، ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهِ بَعْدُ حِفْظًا: اوپر سند میں ابن المثنی کے استاذ ابن ابی عدی ہیں، ابن المثنی یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے استاذ ابن ابی عدی نے مجھ کو یہ حدیث جب اپنی کتاب سے سنائی تو اسی سند کے ساتھ سنائی جو اوپر مذکور ہے لیکن پھر اس کے کچھ روز بعد انہوں نے جب مجھ کو یہ حدیث اپنے حفظ سے سنائی تو سند میں فرق کر دیا، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی سند میں عروہ ابن الزبیر روایت کر رہے ہیں فاطمہؓ سے اور دوسری میں عائشہؓ سے، یہ کلام بعینہ اسی طرح نسائی شریف کی روایت میں بھی ہے۔

الكلام على قوله: فَإِنَّهُ أَسْوَدُ يُعْرَفُ: جاننا چاہئے کہ یہ وہی حدیث ہے جو اعتبار لون کے بارے میں صریح ہے اور جس کا حوالہ ہمارے یہاں پہلے آچکا، اسکی سند میں اختلاف واضطراب مصنفؒ نے خود ہی بیان کر دیا۔ چنانچہ شوکانی کہتے ہیں وقد ضعف الحديث أبوداؤد اور امام نسائیؒ نے بھی اس پر کلام کیا ہے وہ یہ کہ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ کو ابن ابی عدی کے علاوہ کسی اور نے ذکر نہیں کیا لَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنْهُمْ مَا ذَكَرَهُ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ [1]، اور امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں فرمایا انه مدرج، اسی طرح حضرت شیخ اوجز

---

[1] سنن النسائي - كتاب الطهارة - باب الفرق بين دم الحيض والاستحاضة ٢١٦

میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابو الولید الباجیؒ نے اس کا اقرار کیا ہے اور شوکانی لکھتے ہیں کہ امام ابو حاتم رازی نے اسکو منکر قرار دیا اور صاحب الجوهر النقی کہتے ہیں کہ ابن ابی حاتم کی کتاب العلل میں ہے کہ میں نے اپنے والد ابو حاتم سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا، فقال: منکر، اور ابن القطان فرماتے ہیں: عندی منقطع۔ اسکے بعد مصنفؒ نے بہت سی روایات تعلیقاً ذکر کی ہیں، بعض سے عبرۃ بالایام معلوم ہوتا ہے اور بعض سے تمیز اور بعض سے استظہار۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَى يُونُسُ، عَنِ الْحَسَنِ الخ: اس تعلیق میں استظہار مذکور ہے، حسن بصریؒ انقطاع حیض کے بعد ایک یا دو دن استظہار کے قائل ہیں، یہ ہمارے یہاں پہلے بالتفصیل گزر چکا کہ امام مالکؒ بھی استظہار کے قائل ہیں۔

وَقَالَ التَّيْمِيُّ: عَنْ قَتَادَةَ ...... قَالَ التَّيْمِيُّ: فَجَعَلْتُ أَنْقُصُ حَتَّى بَلَغَتْ يَوْمَيْنِ الخ: قتادہ چونکہ تیمی کے استاذ ہیں اور وہ پانچ دن تک استظہار کے قائل تھے، تیمی کہتے ہیں کہ میں ان سے استظہار کے ایام میں کمی کا سوال کرتا رہا یہاں تک کہ وہ پانچ سے نیچے اتر کر دو پر آگئے اور کہا کہ دو دن تو استظہار کیلئے ضروری ہیں۔

٢٨٧ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، وَغَيْرُهُ قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَمِّهِ عِمْرَانَ بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أُمِّهِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ: كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْتَفْتِيهِ وَأُخْبِرُهُ، فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِ أُخْتِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً، فَمَا تَرَى فِيهَا قَدْ مَنَعَتْنِي الصَّلَاةَ وَالصَّوْمَ. فَقَالَ: «أَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ، فَإِنَّهُ يُذْهِبُ الدَّمَ» . قَالَتْ: هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ. قَالَ: «فَاتَّخِذِي ثَوْبًا» . فَقَالَتْ: هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ إِنَّمَا أَثُجُّ ثَجًّا. قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «سَآمُرُكِ بِأَمْرَيْنِ أَيَّهُمَا فَعَلْتِ أَجْزَأَ عَنْكِ مِنَ الْآخَرِ، وَإِنْ قَوِيتِ عَلَيْهِمَا فَأَنْتِ أَعْلَمُ» . قَالَ لَهَا: «إِنَّمَا هَذِهِ رَكْضَةٌ مِنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِي عِلْمِ اللهِ، ثُمَّ اغْتَسِلِي حَتَّى إِذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ، وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَوْ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا وَصُومِي، فَإِنَّ ذَلِكِ يُجْزِيكِ، وَكَذَلِكِ فَافْعَلِي فِي كُلِّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ، وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيقَاتُ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ. وَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِي الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِي الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَتُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِي، وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِي، وَصُومِي إِنْ قَدَرْتِ عَلَى ذَلِكِ» . قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَهَذَا أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ عَمْرُو بْنُ ثَابِتٍ، عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ قَالَ: فَقَالَتْ: حَمْنَةُ فَقُلْتُ: «هَذَا أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ» لَمْ يَجْعَلْهُ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَهُ كَلَامَ حَمْنَةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَعَمْرُو بْنُ ثَابِتٍ رَافِضِيٌّ رَجُلُ سُوءٍ وَلَكِنَّهُ كَانَ صَدُوقًا فِي الْحَدِيثِ وَثَابِتُ بْنُ الْمِقْدَامِ رَجُلٌ ثِقَةٌ وَذَكَرَهُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ مَعِينٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ يَقُولُ: حَدِيثُ ابْنِ عَقِيلٍ فِي نَفْسِي مِنْهُ شَيْءٌ.

ترجمہ: حمنہ بنت جحش کہتی ہیں کہ مجھے بہت کثرت اور شدت سے (یعنی گاڑھے رنگ کا) استحاضہ کا خون آتا تھا۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی تاکہ آپ سے (اس کے حکم کے) متعلق فتویٰ لوں اور آپ کو (اپنے حال کی) خبر دوں۔ پس میں نے ان کو اپنی بہن زینب بنت جحش کے گھر میں پایا تو میںؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول میں ایسی عورت ہوں جسے بہت کثرت اور شدت سے استحاضہ کا خون آتا ہے (یعنی عام حیض کے خون کے مقابلہ میں زیادہ خون بہتا ہے اور زیادہ وقت تک رہتا ہے گویا کثرت کیت میں اور شدت کیفیت میں ہے) تو آپ اس حالت کے بارے میں کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں جس نے مجھے نماز اور روزے سے روک دیا ہے (یہ ان کے اپنے گمان کے مطابق کلام ہے کہ وہ سمجھ رہی تھیں کہ عورت کے اگلے حصہ سے جو بھی خون آئے گا وہ حیض ہوتا ہے اور نماز، روزہ سے مانع ہوگا) جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں (خون کے مقام پر) روئی رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں (کیونکہ روئی رکھنے سے خون رُک جائے گا)۔ حضرت حمنہؓ نے عرض کیا خون تو بہت زیادہ ہے (اس طرح روئی رکھنے سے نہیں رُکے گا) جناب رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لگام کی طرح کپڑے کو سختی سے باندھ لو۔ حضرت حمنہ نے عرض کیا خون اس سے بھی زیادہ ہے مجھے تو انتہائی بُری طرح سے بہہ بہہ کر خون آتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں ان میں سے جونسا کام بھی تم کر لوگی وہ کافی ہوگا اور اگر تم ان دونوں کاموں کے کرنے پر قادر ہو تو تم زیادہ جانتی ہو۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمنہؓ سے فرمایا یہ خون کا بہنا شیطان کی ایڑ مارنا ہے (یعنی شیطان اس بیماری میں مبتلا کر کے انسان کو دینی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے) لہٰذا تم چھ یا سات دن اپنے آپ کو حائضہ سمجھو یہ اللہ کا حکم ہے پھر تم غسل کر دیہاں تک کہ جب تم جان لو کہ تم پاکی کے وقت کو پہنچ گئی ہو اور حیض سے صاف ہو چکی ہو تو تم تیئیس (۲۳) دن راتیں یا چوبیس دن راتیں نمازیں پڑھتی رہو اور روزے رکھو، یہ تمہارے لئے کافی ہے تم ہر مہینے ایسا ہی کرتی رہو، جیسا کہ عورتیں اپنے حیض کے اوقات میں حائضہ ہوتی ہیں اور پاکی کے دنوں میں پاک ہوتی ہیں (دوسرا کام یہ ہے) اور اگر تم اس پر قادر ہو کہ تم ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے اس کے آخر وقت سے ذرا پہلے اور عصر کی نماز کو مقدم کر کے اس کے اوّل وقت میں پڑھ سکو تو تم ایک غسل کر کے ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو جمع کر لو اور تم مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے اور عشاء کی نماز کو اول وقت میں پڑھ سکو تو تم ایک غسل کر کے دونوں نمازوں (مغرب عشاء) کو جمع کر لو اور فجر کی نماز کیلئے الگ غسل کر و اور ان دنوں میں روزے بھی رکھو اگر تم میں طاقت ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دو نمازوں کو ایک غسل میں جمع کرنا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: عمرو بن ثابت نے ابن عقیل سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ حضرت حمنہؓ نے فرمایا یہ دو نمازوں کو ایک غسل میں جمع کرنا مجھے زیادہ پسندیدہ ہے۔ عمرو بن ثابت نے اس جملہ کو نبی اکرم ﷺ کا فرمان نہیں بنایا بلکہ اس جملہ کو حمنہؓ کا قول ذکر کیا ہے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں عمرو بن ثابت رافضی راوی تھا (لہٰذا مجھے اس کی بات پر اعتماد نہیں) امام ابو داؤد نے یحییٰ بن معین سے اس عمرو بن ثابت کی تضعیف

نقل کی ہے۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے احمد کو کہتے ہوئے سنا کہ ابن عقیل کی حدیث کی صحت میں مجھے کچھ تردد ہے۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (١٢٨) سنن أبي داود - الطهارة (٢٨٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٧) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٨٢/٦) مسند أحمد - من مسند القبائل (٤٣٤/٦) مسند أحمد - من مسند القبائل (٤٣٩/٦)

شرح الحدیث: قوله: عَنْ أُمِّهِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ: كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً الخ: اس میں اختلاف [1] ہے کہ حمنہ بنت جحشؓ اور ام حبیبہؓ دونوں ایک ہی ہیں یا الگ الگ صحیح یہی ہے کہ الگ الگ ہیں۔

قوله: فَقَالَ: أَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ: کرسف قطن کو کہتے ہیں جو رطوبت کو جذب کر لیتی ہے اور خصوصاً جب کہ کہنہ ہو جس کو زُوڑ کہتے ہیں "قال فتلجمی" یعنی آپ نے فرمایا کہ وضع کرسف کے بعد اس مقام کو ایک دوسری پٹی سے اس طرح باندھ لو جس طرح جانور کے منہ کو لگام سے باندھ دیتے ہیں، لجام معرب ہے لگام کا، اس پر حمنہ نے کہا هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ، آپ نے فرمایا پھر ایک اور کپڑے کا اضافہ کر لو، انہوں نے کہا إِنَّمَا أَثُجُّ ثَجًّا، جزین نیست کہ میں بہہ رہی ہوں بہنا، مبالغۃً کہتی ہیں کہ میری ساری جان کا خون بن گیا اور گویا میں خود بہہ رہی ہوں، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا سَآمُرُكِ بِأَمْرَيْنِ یعنی میں تم کو دو باتوں کا حکم کرتا ہوں ان میں سے جس کو بھی اختیار کرو گی کافی ہو گا۔

قوله: إِنَّمَا هَذِهِ رَكْضَةٌ مِنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ: رکضۃ بمعنی ایڑ مارنا، اس میں دونوں احتمال ہیں، حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے جیسے حدیث میں آتا ہے کہ بچہ کی پیدائش کے بعد شیطان اس کو مس کرتا ہے یعنی چونکا مارتا ہے جس سے وہ چلاتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ خون کی کثرت شیطان کے ایڑ مارنے کی وجہ سے ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ ایڑ مارنے سے مراد وسوسہ ڈالنا ہے کہ وہ مستحاضہ کو شک میں مبتلا کر کے پریشان کر دیتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ وہ حائضہ ہے نماز کے قابل نہ رہی حالانکہ استحاضہ صوم و صلوۃ سے مانع نہیں۔

قوله: فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ: یعنی اپنے آپ کو حائضہ قرار دے مہینہ میں چھ یا سات دن، دراصل یہ معتادہ تھیں جو اپنی عادت کو بھول گئی تھیں کہ چھ دن ہے یا سات دن، گویا وہ متحیرہ ہوئیں، لہذا آپ نے انکو تحری کا حکم فرمایا کہ جس عدد پر تحری واقع ہو جائے اس کو اختیار کر لے، اور خطابیؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ مبتدئہ تھیں اور مبتدئہ کا حکم یہ ہے کہ وہ غالب حیض کا اعتبار کرے گی اور وہ چھ یا سات ہی ہے اسلئے آپ نے چھ یا سات دن کا حکم فرمایا [2]، (قاله ابن رسلان) حضرت شیخ ہامش بذل میں لکھتے ہیں کہ بیہقی کی رائے بھی وہی ہے جو خطابی کی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ أَوْ شک راوی ہے [3]۔

---

[1] ذكر هذا الاختلاف في البذل تحت حديث: فرأيت مركنها ملآن دماً (برقم ٢٧٩)۔

[2] معالم السنن شرح سنن أبي داود - ج ١ ص ٨٩

[3] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٣٣٣

قوله: فِي عِلْمِ اللهِ: یعنی میں تجھ کو حکم شرعی بتاتا ہوں، اب آگے تو جانے اور تیرا خدا کہ تو اس پر صحیح طور پر عمل پیرا ہوتی ہے یا نہیں یا علم اللہ بمعنی حکم اللہ ہے یعنی جو بات میں تجھے بتارہا ہوں استحاضہ کے سلسلے میں سو وہ اللہ ہی کا حکم ہے یعنی حکم شرعی ہے (کذا فی العون عن ابن رسلان [1]) بندہ کی رائے یہ ہے کہ ماقبل میں جو چھ یا سات دن کی تحری کا حکم دیا گیا تھا یہ اسی سے متعلق ہے، اور علم اللہ کنایہ ہے "ماھو الصواب الموافق للواقع" سے اسلئے کہ جو بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو گی وہ یقیناً صحیح اور واقعی ہو گی، لہذا معنی یہ ہوئے کہ تو تحری کر لے ماھو الصواب کی یعنی صحیح صحیح اندازہ لگالے چھ یا سات جونسا بھی ہو۔

قوله: وَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِي الخ: یہاں سے امر ثانی کا بیان ہو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں تجھ کو دو باتوں کا حکم کروں گا جن میں سے ایک بات تو گزر گئی وہ یہ کہ چھ یا سات دن کی تحری کے بعد مہینہ میں ایک بار غسل کر کے نمازیں شروع کر دے اور امر ثانی جس کو یہاں سے بیان فرمارہے ہیں وہ یہ ہے کہ چھ یا سات روز حیض کے مستثنیٰ کر کے پھر روزانہ جمع بین الصلوتین بغسلٍ کرے، اور فجر کی نماز کیلئے مستقل غسل، اس صورت میں روزانہ (تیئیس یا چوبیس دن تک) تین بار غسل ہو گا۔

أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ کے مطالب: قوله: وهذا أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ امر ثانی یعنی جمع بین الصلوتین بغسلٍ کا حکم فرمانے کے بعد آپ فرمارہے ہیں کہ یہ امر ثانی میرے نزدیک دونوں میں زیادہ پسندیدہ ہے، أَعْجَبُ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جمع بین الصلوتین بغسلٍ تو مفضل ہے جس کو پسند کیا جارہا ہے اس کا مفضل علیہ کیا ہے؟ اس میں دو قول مشہور ہیں، بعض شراح [2] جن میں ملا علی قاریؒ، حضرت سہارنپوریؒ اور اسی طرح کوکب میں حضرت گنگوہیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس کا مفضل علیہ غسل لکل صلوۃ ہے جس کا ذکر گو اس روایت میں نہیں لیکن مستحاضہ کی دوسری روایات میں موجود ہے تو مطلب یہ ہوا کہ یہ امر ثانی یعنی جمع بین الصلوتین بغسلٍ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے بنسبت غسل لکل صلوۃ کے، کیونکہ وہ شاق زائد ہے اور اس میں مشقت کم ہے اور فائدہ دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے کہ ہر نماز غسل سے ہوئی، اس صورت میں اعجب بمعنی اسہل ہو گا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اعجب کا مفضل علیہ غسل لکل صلوۃ نہیں ہے کیونکہ وہ تو یہاں مذکور ہی نہیں بلکہ اس کا مفضل علیہ وہ امر اول ہے جو اسی حدیث کے شروع میں مذکور ہے یعنی تحری کے بعد پورے ماہ میں صرف ایک بار غسل کرنا، اور اس صورت میں آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ پورے مہینہ میں ایک بار غسل کے مقابلہ میں ہر روز جمع بین الصلوتین بغسلٍ زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں احتیاط زائد ہے۔ اس مطلب کو حضرت شیخؒ نے حاشیہ کوکب میں اختیار فرمایا ہے جس کو شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی پسند فرمایا تھا، اور اس مطلب کی تحسین کیلئے دیوبند سے سہارنپور تشریف لائے اور حضرت شیخ سے فرمایا کہ آپ نے أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ کا جو مطلب حاشیہ کوکب میں لکھا ہے ہمیں بہت پسند آیا اور فرمایا کہ کیا بات

---

[1] عون المعبود شرح سنن أبي داود ج ١ ص ٤٧٧

[2] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ٢ ص ٢٤٥. بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٣٣٥. الكوكب الدري على جامع الترمذي - ج ١ ص ١٦٨

ہے بڑوں میں سے کسی اور نے یہ مطلب نہیں لکھا اس پر شیخ نے فرمایا: کیا میں اس کا ذمہ دار ہوں کہ کسی نے کیوں نہیں لکھا۔ جاننا چاہئے کہ اسی مطلب کو صاحب عون المعبود نے بھی اختیار کیا ہے، لیکن انہوں نے اعجب ہونے کی لم دوسری لکھی ہے وہ یہ کہ اس میں مشقت زیادہ ہے والأجر على قدر المشقة، والنبي صلى الله عليه وسلم يحب ما فيه أجر عظيم [1]، اس علت کو حضرت سہارنپوری نے بذل میں رد فرمایا ہے کہ یہ صحیح نہیں اسلئے کہ حضور ﷺ امت کے حق میں امر اسہل کو پسند فرماتے تھے نہ کہ اصعب کو [2]۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث کا جو پہلا مطلب لکھا گیا ہے یعنی یہ کہ جمع بین الصلوتین بغسلٍ کا مقابل غسل لکل صلوۃ ہے یہی رائے امام ابوداؤد کی بھی معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ انہوں نے اگلا باب جو غسل لکلّ صلوۃ پر ہے اس کے اخیر میں فرمایا ہے قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَفِي حَدِيثِ ابْنِ عَقِيلٍ الْأَمْرَانِ جَمِيعًا [3]، ابن عقیل کی حدیث سے بظاہر یہی حدیث حمنہ مراد ہے جو یہاں چل رہی ہے اس لئے کہ اس کی سند میں بھی ایک راوی ابن عقیل ہیں۔

أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ کا ایک مطلب اور بھی سن لیجئے وہ یہ کہ آپ فرما رہے ہیں جمع بین الصلوتین بغسلٍ لاجل الاستحاضة میرے نزدیک زیادہ اولیٰ ہے بنسبت جمع بين الصلوتين لاجل السفر کے، مشکوۃ کے مشہور شارح ابن الملک نے یہی معنی لکھے ہیں لیکن ملا علی قاری نے اس کو خلاف ظاہر قرار دیا ہے۔

١١٠ ـ بَابُ مَنْ رَوَى أَنَّ الْمُسْتَحَاضَةَ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ

باب اس بیان میں ہے کہ مستحاضہ عورت ہر نماز کیلئے غسل کرے گی

مرقاۃ میں لکھا ہے غسل لکل صلوۃ کے وجوب کے قائل بعض صحابہ جیسے حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن الزبیرؓ وغیرہم ہیں، اور مصنف نے آخر باب میں ابن عباسؓ کا بھی نام لکھا ہے۔

٢٨٨ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَقِيلٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ خَتَنَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ، فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ هَذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، وَلَكِنْ هَذَا عِرْقٌ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي». قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ فِي مِرْكَنٍ فِي حُجْرَةِ أُخْتِهَا زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حَتَّى تَعْلُوَ حُمْرَةُ الدَّمِ الْمَاءَ..

---

[1] عون المعبود شرح سنن أبي داود ج ۱ ص ۴۷۹

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۳۳۶

[3] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب من روى أن المستحاضة تغتسل لكل صلاة ۲۹۳

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ بنت جحش نبی اکرم ﷺ کی سالی جو کہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے نکاح میں تھیں ان کو سات سال تک استحاضہ کا خون آتا رہا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسکے متعلق مسئلہ دریافت فرمایا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حیض کا خون نہیں ہے لیکن یہ تو رگ (کا خون) ہے لہٰذا تم غسل کرو اور نماز پڑھو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ ایک ٹب (بڑے برتن) میں اپنی بہن زینب بنت جحش کے کمرے میں غسل کیا کرتی تھیں یہاں تک کے خون کی سرخی پانی کے اوپر نظر آنے لگتی۔

شرح الحدیث: یعنی ام حبیبہؓ ایک بڑے برتن میں پانی بھر کر اس میں بیٹھ کر غسل کرتی تھیں اور چونکہ استحاضہ جاری تھا اس لئے خون کی رنگت پانی پر غالب آجاتی تھی لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ پانی چونکہ ناپاک تھا اس کے بعد پاک پانی بدن پر ضرور بہاتی ہونگی، اور یہ اس طور پر برتن میں بیٹھنا علاجاً تھا۔

۲۸۹ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ، حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَتْنِي عَمْرَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: «فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت حمنہؓ ہر نماز کیلئے غسل کیا کرتی تھیں۔

۲۹۰ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنِي اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ فِيهِ: فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ الْقَاسِمُ بْنُ مَبْرُورٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ جَحْشٍ وَكَذَلِكَ رَوَاهُ مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ وَرُبَّمَا قَالَ مَعْمَرٌ: عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِمَعْنَاهُ، وَكَذَلِكَ رَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، وَابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِي حَدِيثِهِ، وَلَمْ يَقُلْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ، وَكَذَلِكَ رَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ أَيْضًا قَالَ فِيهِ: قَالَتْ عَائِشَةُ: «فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث مروی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت حمنہؓ ہر نماز کیلئے غسل کیا کرتی تھیں۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ قاسم بن مبرور نے اپنی سند سے عمرہ کے واسطے سے حضرت عائشہؓ سے بواسطہ حضرت ام حبیبہؓ نقل کیا اسی طرح معمر نے بھی زہری سے عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ نقل کیا ہے (جبکہ باب کی پہلی حدیث میں عمرو بن حارث نے عن ابن شہاب کے بعد حضرت عائشہؓ سے پہلے عن عروۃ و عمرۃ دونوں کو ذکر کیا تھا اور ان راویوں نے صرف عمرہ کو ذکر کیا) معمر نے کبھی اپنی بات کی مخالفت کرتے ہوئے عن عمرۃ کے بعد حضرت عائشہؓ کے بجائے عن ام حبیبۃ ذکر کیا ہے .... ابراہیم بن سعد اور سفیان بن عیینہ نے زہری سے قاسم بن مبرور راوی کی طرح عن عمرۃ عن عائشۃ نقل کیا ہے۔ اور سفیان بن عیینہ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حمنہؓ کو ہر نماز کیلئے غسل کا حکم دیا ہو یہ بات مجھ سے

زہری استاد نے نہیں فرمائی۔ امام اوزاعی نے ایسے ہی ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ از خود ہر نماز کیلئے غسل کیا کرتی تھیں (حضور ﷺ نے ان کو حکم نہیں دیا تھا)۔

تخ صحيح البخاري - الحيض (٣٢١) صحيح مسلم - الحيض (٣٣٤) جامع الترمذي - الطهارة (١٢٩) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٩) سنن النسائي - الطهارة (٢١٠) سنن أبي داود - الطهارة (٢٨٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٤٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٨٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٨٧/٦) سنن الدارمي - الطهارة (٧٦٨) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٥) سنن الدارمي - الطهارة (٧٨٢)

٢٩١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ «فَأَمَرَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَغْتَسِلَ» فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہؓ کو سات سال تک استحاضہ کا خون آتا رہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ غسل کریں چنانچہ وہ ہر نماز کیلئے غسل کیا کرتی تھیں۔

٢٩٢ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، عَنْ عَبْدَةَ، عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ اسْتُحِيضَتْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «فَأَمَرَهَا بِالْغُسْلِ لِكُلِّ صَلَاةٍ»، وَسَاقَ الْحَدِيثَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ وَلَمْ أَسْمَعْهُ مِنْهُ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ كَثِيرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اسْتُحِيضَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ، فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اغْتَسِلِي لِكُلِّ صَلَاةٍ»، وَسَاقَ الْحَدِيثَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ عَبْدُ الصَّمَدِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ كَثِيرٍ قَالَ: «تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ». قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَذَا وَهْمٌ مِنْ عَبْدِ الصَّمَدِ، وَالْقَوْلُ فِيهِ قَوْلُ: أَبِي الْوَلِيدِ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ بنت جحشؓ کو عہد نبوی میں استحاضہ کا خون آتا رہا۔ پس حضور ﷺ نے انہیں ہر نماز کیلئے غسل کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد محمد بن اسحاق نے پوری حدیث ذکر کی۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں ابو الولید طیالسی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے لیکن میں نے ابو الولید سے خود نہیں سنا۔ انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے نقل کیا کہ زینب بنت جحش کو استحاضہ کا خون آتا رہا تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہر نماز کیلئے غسل کرو۔ اس کے بعد سلیمان راوی نے پوری حدیث نقل کی۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ عبد الصمد نے سلیمان بن کثیر سے نقل کیا کہ ہر نماز کیلئے وضو کرو۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں یہ وضو لکل صلوۃ والا حکم عبد الصمد راوی کا وہم ہے۔ صحیح بات وہ ہے جو سلیمان بن کثیر راوی سے ابو الولید راوی نے نقل کیا یعنی وضو لکل صلاۃ۔

تخریج: صحيح البخاري - الحيض (٣٢١) صحيح مسلم - الحيض (٣٣٤) جامع الترمذي - الطهارة (١٢٩) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٢) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٣) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٤) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٥) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٠٩) سنن النسائي - الطهارة (٢١٠) سنن أبي داود - الطهارة (٢٩١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٨٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٨٧/٦) سنن الدارمي - الطهارة (٧٦٨) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٥) سنن الدارمي - الطهارة (٧٨٢)

شرح الحدیث: قوله: فَأَمَرَهَا بِالْغُسْلِ لِكُلِّ صَلَاةٍ: جاننا چاہئے کہ یہ ترجمۃ الباب غسل لکل صلوۃ پر ہے، اس باب میں مصنفؒ نے متعدد روایات ذکر کی ہیں بعض میں تو غسل لکل صلوۃ مطلقاً مذکور ہی نہیں، اور بعض میں ہے فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ یعنی وہ اپنے طور پر غسل لکل صلوۃ کرتی تھیں، گویا حضور ﷺ نے ان کو اسکا حکم نہیں فرمایا تھا، باب کی اکثر روایات کا مدار زہری پر ہے، اور زہری سے روایت کرنے والے ان کے متعدد تلامذہ ہیں چنانچہ سب پہلی حدیث میں ان کے شاگرد عمرو بن الحارث تھے، دوسری حدیث میں یونس تھے، تیسری میں لیث بن سعد ہیں اور ایک روایت میں ابن ابی ذئب ہیں یہ تمام روایات اسی باب میں مذکور ہیں ان میں سے کسی میں بھی غسل لکل صلوۃ مرفوعاً مذکور نہیں اور جمہور علماء بھی مستحاضہ کیلئے وجوب الغسل لکل صلوۃ کے قائل نہیں۔

جمہور کی طرف سے حدیث الغسل لکل صلوۃ کے جوابات اور اس میں مصنفؒ کی رائے:

لیکن ایک روایت اس باب میں جو بطریق ابن اسحق عن الزہری ہے اس میں البتہ غسل لکل صلوۃ مرفوعاً مذکور ہے، لہٰذا اس روایت کو مسلک جمہور کے خلاف کہہ سکتے ہیں، جواب یہ ہے کہ دراصل یہ حدیث ایک ہی ہے جس کے طرق مختلف ہیں اکثر رواۃ نے غسل لکل صلوۃ کو مرفوعاً ذکر نہیں کیا صرف ابن اسحق کے طریق میں ہے اور وہ متکلم فیہ ہیں، اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ استحباب یا علاج پر محمول ہے، اور امام طحاویؒ کی رائے نسخ کی ہے، یہ جو کچھ ہم نے کہا جمہور کی طرف سے ہے، لیکن مصنفؒ کی رائے یہ ہے کہ حدیث الغسل لکل صلوۃ مرفوعاً ثابت ہے جیسا کہ ابن اسحق کی روایت میں ہے، اور پھر آگے چل کر مصنفؒ اس کی تائید بھی پیش کر رہے ہیں۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ وَلَمْ أَسْمَعْهُ مِنْهُ: یہ ابن اسحق کی روایت کی تائید ہے لیکن اس میں اشکال [1] یہ ہے کہ ابن اسحق کی روایت بلکہ باب کی جملہ روایات تو ام حبیبہؓ کے قصہ میں ہیں اور یہ روایت جس کو تائید میں پیش کر رہے ہیں، زینب بنت جحشؓ کے قصہ میں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت کے بارے میں مصنفؒ خود فرمارہے ہیں کہ میں نے یہ روایت ابوالولید الطیالسی سے نہیں سنی، لہٰذا یہ روایت تو منقطع ہوئی، حدیث منقطع سے کیا تائید ہوگی۔

---

[1] مصنفؒ کی جانب سے اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ مصنفؒ کی غرض طریق ابن اسحق کی تقویت مقصود نہیں، بلکہ نفس مسئلہ کی حیثیت سے غسل لکل صلوۃ کیلئے ایک دوسری حدیث بطور شاہد پیش کر رہے ہیں، هذا ما عندی۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهَذَا وَهْمٌ مِنْ عَبْدِ الصَّمَدِ: اس کا حاصل یہ ہے کہ مصنفؒ نے ابھی جو روایت تائیداً پیش کی تھی اس کو سلیمان سے روایت کرنے والے ابوالولید تھے اس میں تو بیشک غسل لکل صلوۃ مذکور تھا لیکن اسی روایت کو سلیمان سے عبدالصمد بھی روایت کرتے ہیں اور انہوں نے بجائے غسل لکل صلوۃ کے وضوء لکل صلوۃ ذکر کیا اس سے مصنفؒ کی تائید ختم ہو گی اس لئے مصنفؒ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ عبدالصمد کی روایت وہم ہے اور ابوالولید کی روایت صحیح ہے، لیکن بیہقی کہتے ہیں جیسا کہ بذل میں ہے ابوالولید کی روایت بھی غیر محفوظ ہے۔

۲۹۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ أَبِي الْحَجَّاجِ أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي زَيْنَبُ بِنْتُ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ، وَكَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «أَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَتُصَلِّي» وَأَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّ بَكْرٍ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: "إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي الْمَرْأَةِ تَرَى مَا يُرِيبُهَا بَعْدَ الطُّهْرِ «إِنَّمَا هِيَ»، أَوْ قَالَ: «إِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ» أَوْ قَالَ: «عُرُوقٌ»". قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَفِي حَدِيثِ ابْنِ عَقِيلٍ الْأَمْرَانِ جَمِيعًا وَقَالَ: «إِنْ قَوِيتِ فَاغْتَسِلِي لِكُلِّ صَلَاةٍ، وَإِلَّا فَاجْمَعِي» كَمَا قَالَ الْقَاسِمُ فِي حَدِيثِهِ، وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْقَوْلُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا.

ترجمہ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ زینب بنت ابی سلمہ نے مجھے بیان کیا کہ ایک عورت (ام حبیبہ بنت جحش) کو بہہ بہہ کر خون آیا کرتا تھا اور وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے نکاح میں تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں ہر نماز کے وقت غسل کا حکم دیا کہ غسل کر کے وہ نماز پڑھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی خاتون کے متعلق فرمایا جس کو پاکی حاصل ہونے کے بعد کچھ خون آتا ہوا نظر آئے جو اسے شک میں ڈالدے کہ یہ تو رگ کا خون ہے (رگ کے پھٹنے کی وجہ سے خون بہا ہے رحم کا خون نہیں ہے) یا فرمایا کہ رگوں کا خون ہے۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ ابن عقیل راوی کی حدیث میں دونوں کاموں کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اگر تمہیں قدرت ہے تو ہر نماز کیلئے غسل کرو ورنہ دو نمازوں کو ایک غسل میں جمع کرو جیسا کہ اگلے باب کی حدیث میں قاسم بن محمد نقل کر رہے ہیں اور یہ قول سعید بن جبیرؒ سے بواسطہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ مروی ہے (کہ یہ حضرات کہتے تھے کہ مستحاضہ عورت یا تو غسل لکل صلوۃ کرے یا دو نمازوں کو ایک غسل میں جمع کرے)۔

شرح الحدیث قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَفِي حَدِيثِ ابْنِ عَقِيلٍ الْأَمْرَانِ جَمِيعًا: مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ اس باب کی روایات میں تو صرف غسل لکل صلوۃ مذکور ہے لیکن ابن عقیل کی حدیث میں دو چیزیں مذکور ہیں غسل لکل صلوۃ اور جمع بین الصلوتین بغسل یہ پہلے ہمارے یہاں گزر چکا کہ اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ مصنفؒ کی مراد حدیث ابن عقیل سے وہی حدیث حمنہ ہے جس میں سَآمُرُكِ بِأَمْرَيْنِ مذکور ہے لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ حدیث حمنہ میں تو صرف جمع بین الصلوتین بغسل مذکور ہے غسل لکل صلوۃ مصرح نہیں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں ممکن ہے مصنفؒ کی مراد اس

سے کوئی اور حدیث ہو جس میں دونوں حکم صراحۃً مذکور ہوں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱۱ ۔ بَابُ مَنْ قَالَ تَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ وَتَغْتَسِلُ لَهُمَا غُسْلًا

باب اس قول کے متعلق کہ مستحاضہ عورت دو نمازوں کو جمع کر کے ان کیلئے ایک ہی غسل کرے گی

۲۹۴ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «اسْتُحِيضَتِ امْرَأَةٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُمِرَتْ أَنْ تُعَجِّلَ الْعَصْرَ وَتُؤَخِّرَ الظُّهْرَ وَتَغْتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا، وَأَنْ تُؤَخِّرَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلَ الْعِشَاءَ وَتَغْتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا، وَتَغْتَسِلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ غُسْلًا» . فَقُلْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ، [أ] عَنِ ❶ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ.

ترجمہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت کو عہد نبوی میں استحاضہ کا خون آیا کرتا تھا تو اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ عصر کی نماز جلدی پڑھے اور ظہر کی نماز کو مؤخر کرے اور ان دونوں نمازوں کیلئے ایک غسل کرے اور مغرب کی نماز کو مؤخر کرے اور عشاء کی نماز کو اوّل وقت میں پڑھے اور ان دونوں نمازوں کیلئے ایک غسل کرے اور فجر کی نماز کیلئے ایک غسل کرے۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن بن قاسم سے کہا کہ کیا یہ حدیث نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے تو عبدالرحمٰن بن قاسم نے جواب دیا کہ میں تمہیں نبی اکرم ﷺ ہی سے حدیث بیان کرتا ہوں۔

تخریج سنن النسائي - الحيض والإستحاضة (۳٦٠) سنن أبي داود - الطهارة (۲۹٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۱۹/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۳۹/٦) سنن الدارمي - الطهارة (۷۷٦)

شرح الحدیث یہ سہلہ بنت سہیل بھی ہو سکتی ہیں جن کا ذکر اگلی روایت میں آرہا ہے اور حمنہ بنت جحش بھی، بہر حال آپ ﷺ نے ان کو جمع بین الصلوتین بغسلٍ کا حکم فرمایا۔

جمع بین الصلوتین بغسلٍ والی روایات پرعمل کیلئے مسلک احناف کے پیش نظر توجیہ:

جاننا چاہئے کہ جمع بین الصلوتین بغسلٍ والی روایات پر عمل کرنے میں جمہور کے مسلک کے پیش نظر تو کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ ان کے یہاں جمع حقیقی جائز ہے، جیسا کہ سفر میں احناف کے یہاں جمع حقیقی نہ وہاں جائز ہے نہ یہاں، اب اگر ہم اسکو جمع ❷ صوری پر محمول کرتے ہیں تو مستحاضہ کے معذور ہونے کی وجہ سے نقض وضو بخروج الوقت کا اشکال وارد ہوگا اسلئے کہ

---

❶ یہاں اختلاف نسخ ہے، جیسا کہ محی الدین عبدالحمید نے [أ] کو قوسین میں لکھا ہے، اور شیخ عوامہ نے حاشیہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض نسخ میں عن النبی کی جگہ أعن النبی ہے (کتاب السنن - ج ۱ ص ۲۹۵)۔

❷ بایں طور کہ آخر وقتِ ظہر میں غسل کر کے ظہر کی نماز پڑھ لے اور پھر عصر کا وقت شروع ہونے پر اول وقت میں عصر کی نماز اسی غسل سے پڑھے، اب ظاہر ہے جس طرح خروج وقت سے معذور کی وضو ٹوٹ جاتی ہے اسی طرح یہ غسل بھی ٹوٹے گا، لہذا عصر کی نماز بغیر طہارت کے ہوگی۔

خروج وقت سے معذور کی طہارت زائل ہو جاتی ہے اس کا جواب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات میں یہ دیا ہے کہ ممکن ہے یوں کہا جائے: عام معذورین کا حکم تو یہی ہے کہ خروج وقت ان کے حق میں ناقض ہے لیکن اس حدیث کی رو سے مستحاضہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے (یعنی گو ہمارے فقہاء نے اس کی تصریح نہ کی ہو)، دوسرا جواب اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ اسی باب کی آخری حدیث میں ایک لفظ کی زیادتی آرہی ہے جس سے ان شاء اللہ مسلک احناف سے اعتراض ہٹ جائے گا وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وَتَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ، اب اس حدیث پر عمل کرنے کی شکل یہ ہوگی کہ ظہر کے آخر وقت میں غسل کر کے ظہر پڑھے پھر جب عصر کا وقت داخل ہو تو وضو کر کے عصر کی نماز پڑھ لے اسی طرح آخر وقتِ مغرب میں غسل کر کے نماز پڑھ لے، پھر دخول وقت عشاء کے بعد وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھ لے۔ اس لفظ: وَتَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ کی شرح حضرتؒ نے بذل [1] میں اسی طرح فرمائی ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہ اسلئے ہے کہ معذور کی وضو خروج وقت سے باقی نہیں رہتی۔

لیکن واضح رہے کہ اس جملہ کے دوسرے [2] معنی بھی ہو سکتے ہیں وہ یہ کہ وتتوضأ فيما بين ذلك أي لأحداث أخر غير الاستحاضة، یعنی استحاضہ کی وجہ سے ظہر اور عصر کی نماز کیلئے ایک غسل کافی ہو گیا، اس سے ان دونوں نمازوں کو ادا کرے گی لیکن ان اوقات کے درمیان اگر استحاضہ کے علاوہ کوئی اور حدث پایا جائے تو اس کیلئے وضو کرنا ہوگا، چنانچہ مالکیہ کے یہاں اس جملہ کے یہی معنی متعین ہیں اسلئے کہ استحاضہ ان کے یہاں مطلقاً ناقض ہی نہیں ہے نہ وقت کے اندر نہ بعد میں، اور شافعیہ چونکہ جمع بین الصلوتین میں جمع حقیقی کے قائل ہیں اسلئے ان کے یہاں خروج وقت کا تو اشکال ہوگا نہیں، لہٰذا وہ اپنے مسلک کے پیش نظر وَتَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ کے معنی یہ لیتے ہیں: أي لفرض آخر، یعنی ایک غسل تو ظہر و عصر کیلئے کافی ہو گیا اب اگر مستحاضہ کو اس دوران میں کوئی اور فرض قضاء نماز پڑھنی ہو تو اس کیلئے وضو کرے اس لئے کہ شافعیہ کے یہاں معذور کے حق میں وضو لکل صلوۃ واجب ہے۔

مثل اول وثانی سے متعلق مولانا انورشاہ صاحبؒ کی مخصوص رائے: حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی یہاں ایک جداگانہ رائے ہے وہ فرماتے ہیں کہ مختلف روایات حدیثیہ کو دیکھ کر میری یہ رائے قائم ہوئی ہے کہ زوال سے لے کر مثل اول تک خالص وقت ظہر ہے اور مثل ثانی سے غروب تک خالص وقت عصر ہے، اور مثل اول وثانی کا درمیانی وقت معذورین جیسے مستحاضہ ومسافر کے حق میں دونوں کام آسکتا ہے گویا یہ درمیانی وقت معذورین کے حق میں مشترک بین الظہر والعصر قرار دیا جائے، اور علی ہذا القیاس آخر وقت مغرب اور اول وقت عشاء کے درمیان کا وقت یعنی شفق ابیض جو جمہور کے نزدیک تو عشاء کا وقت ہے اور امام صاحب کے نزدیک مغرب کا، اس کو بھی مشترک قرار دیا جائے۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود- ج ۲ ص ۳۵۶

[2] لیکن ظاہر ہے کہ اس دوسرے معنی کے مراد ہونے کی صورت میں حنفیہ پر وارد ہونے والے اشکال کے لئے یہ حدیث رافع نہ ہوگی فتامل۔

قوله: فَقُلْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمنِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یہاں پر اس عبارت میں کتاب کے نسخے مختلف ہیں، بذل کے نسخہ میں دوسری طرح ہے، اس میں بغیر استثناء کے اس طرح ہے لَا أُحَدِّثُكَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ، اور بذل ہی کا نسخہ اقرب الی القیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں آگے عبارت میں بِشَيْءٍ آرہا ہے، إِلَّا کی صورت میں اس کا جوڑ نہیں لگتا، بہر حال تشریح اس مقام کی یہ ہے کہ اوپر روایت میں آیا تھا فامرت اس میں اس بات کی تصریح نہیں تھی کہ اس عورت کو یہ حکم کس کی جانب سے دیا گیا تو اسکے بارے میں شعبہ اپنے استاذ عبد الرحمن سے پوچھ رہے ہیں کیا یہ امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تھا؟ اس پر انہوں نے یہ جواب دیا، إِلَّا کی صورت میں تو مطلب ظاہر ہے یعنی میں تم سے حدیث نہیں بیان کر رہا ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی، یہ امر آپ ہی کی طرف سے تھا، اور بغیر إِلَّا کے جیسا کہ دوسرے نسخہ میں ہے، عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ میں اس امر کی نسبت صراحۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کر سکتا اسلئے کہ یہ روایت اسی طرح بغیر تصریح نسبت مجھے پہنچی ہے، اب خواہ حضور ہی مراد ہوں لیکن اپنی طرف سے صریح نسبت خلاف احتیاط ہے، دوسرا مطلب اس کا وہ ہو سکتا ہے جس کو حضرتؒ نے بذل میں اختیار فرمایا ہے کہ یہاں استفہام انکاری مقدر ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا میں تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں بیان کرتا ہوں یعنی یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مروی ہے، جب استفہام انکاری مقدر مان لیا گیا تو نفی نفی مل کر اثبات ہو گیا۔

۲۹۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ سَهْلَةَ بِنْتَ سُهَيْلٍ «اسْتُحِيضَتْ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ» فَلَمَّا جَهَدَهَا ذَلِكَ «أَمَرَهَا أَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِغُسْلٍ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِغُسْلٍ، وَتَغْتَسِلَ لِلصُّبْحِ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ امْرَأَةً اسْتُحِيضَتْ فَسَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا بِمَعْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل کو استحاضہ کا خون آتا رہا تو یہ خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے وقت غسل کا حکم ارشاد فرمایا۔ جب ہر نماز کیلئے غسل کرنا حضرت سہلہ پر شاق اور گراں گزرا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ظہر اور عصر کی نمازیں ایک غسل میں جمع کریں اور مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک غسل میں جمع کریں اور صبح کی نماز کیلئے ایک غسل کریں۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ نے عبد الرحمن بن قاسم کے واسطہ سے ان کے والد قاسم بن محمد سے نقل کیا کہ ایک عورت کو استحاضہ کا خون آتا تھا تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا، اس کے بعد سفیان بن عیینہ نے محمد بن اسحاق کی حدیث کے ہم معنی حدیث نقل کی۔

تخریج: سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (۳٦۰) سنن أبي داود - الطهارة (۲۹۵) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار

(١١٩/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٣٩/٦) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٦)

٢٩٦ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ سُهَيْلٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي صَالِحٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ اسْتُحِيضَتْ - مُنْذُ كَذَا وَكَذَا - فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «سُبْحَانَ اللهِ، هَذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَجْلِسْ فِي مِرْكَنٍ، فَإِذَا رَأَتْ صُفْرَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَاحِدًا، وَتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَاحِدًا، وَتَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَاحِدًا، وَتَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ مُجَاهِدٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ «لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ أَمَرَهَا أَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ قَوْلُ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ.

ترجمہ حضرت اسماء بنت عمیس کہتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ فاطمہ بنت ابی حبیش کو اتنی اتنی مدت سے استحاضہ کا خون آرہا ہے اور وہ نماز نہیں پڑھ رہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ یہ استحاضہ کا خون اور نمازوں کا چھوڑدینا شیطانی عمل ہے ان فاطمہ بنت ابی حبیش کو چاہیے کہ ایک بڑے ٹب میں بیٹھ جائیں جب وہ پانی کے اوپر پیلاہٹ دیکھیں تو ظہر اور عصر کیلئے ایک غسل کریں اور مغرب اور عشاء کیلئے ایک غسل کریں اور فجر کی نماز کیلئے ایک غسل کریں اور ان کے درمیان میں وضو کرتی رہیں۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ مجاہد نے ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ جب حضرت فاطمہؓ پر غسل کا حکم شاق گزرا تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں دو نمازوں کیلئے ایک غسل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم نے ابن عباسؓ سے یہ روایت مرسلاً نقل کی ہے اور ابراہیم نخعی، عبداللہ بن شداد کا یہی مذہب ہے۔

شرح الحدیث قوله: إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ اسْتُحِيضَتْ - كَذَا وَكَذَا -: بذل [1] میں كَذَا وَكَذَا کی تعیین سبع سنین سے کی ہے، اور اسی طرح صاحب منہل نے بھی لکھا ہے اور انہوں نے مزید براں یہ لکھا ہے: کما تقدم، لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ اس سے پہلے کتاب میں سبع سنین جو وارد ہوا ہے وہ فاطمہؓ کے بارے میں نہیں بلکہ ام حبیبہؓ کے سلسلہ میں ہے اور ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوۃ میں اس کی تفسیر شھر کے ساتھ کی ہے [2] اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ طحاوی کی ایک روایت میں ہے فاطمہ کہتی ہے أُحِيضُ الشَّهْرَ وَالشَّهْرَيْنِ کہ مجھے دو دو مہینہ تک استحاضہ آتا رہتا تھا [3]۔

حدیث کی تشریح میں متعدد قول: قوله: لِتَجْلِسْ فِي مِرْكَنٍ، فَإِذَا رَأَتْ صُفْرَةً فَوْقَ الْمَاءِ: اس جملہ کی

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٣٥٥

[2] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ٢ ص ٢٤٥

[3] شرح معاني الآثار - كتاب الطهارة - باب المستحاضة كيف تتطهر للصلاة ٦٣٨ (ج ١ ص ١٠٢)

شراح نے مختلف شرحیں کی ہیں بذل [1] میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ دراصل ان کو پانی کے برتن میں دیر تک بیٹھنے کا حکم علاجاً تھا تاکہ پانی کی برودت سے اندر کی حرارت میں کمی ہو جس سے خون میں کمی ہو جائے جب اس کو اس میں بیٹھے بیٹھے زیادہ دیر ہو جائے، یہاں تک کہ پانی کی رنگت بدل جائے تو اب چونکہ طبیعت کو اس میں بیٹھنے سے کراہت ہو گی اور ویسے بھی وہ پانی ناپاک ہو چکا ہے لہذا اس کو چاہئے کہ اس برتن میں سے ہٹ کر نجاست دم کو زائل کرنے کیلئے پاک پانی سے غسل کرکے ظہر وعصر کی نماز پڑھ لے اور صاحب منہل وصاحب عون المعبود نے اس کو معرفتِ لون پر محمول کیا ہے کہ یہ عورت ممیزہ تھیں ،اور مطلب یہ لکھا ہے کہ برتن میں بیٹھنے سے جب تک پانی پر لون حیض دکھائی دیتا رہے اس وقت تک نمازیں شروع نہ کریں کہ زمانۂ حیض ہے اور جب اس لون میں تغیر آجائے اور بجائے حمرۃ کے صفرۃ پیدا ہو جائے جو کہ لون استحاضہ ہے تو اس روز سے غسل کرکے نمازیں شروع کردے [2]، اور اس جملہ کے تیسرے معنی وہ ہیں جو مرقاۃ میں ملا علی قاریؒ نے لکھے ہیں کہ اس سے مقصود معرفت وقت ہے [3] اور صفرۃ سے مراد صفرۃ شمس ہے نہ کہ صفرۃ دم اسلئے کہ اس عورت کو ظہر کے آخر وقت میں غسل کرنا منظور ہے یعنی ایسے وقت میں کہ جوں ہی غسل کرکے ظہر کی نماز پڑھے تو عصر کا وقت شروع ہو جائے تو یہ اس غسل کا وقت بتایا گیا ہے کہ ایسے وقت میں غسل کرے۔ فیا للعجب ایک جملہ کے کتنے معانی! حق تعالیٰ شانہ ان شراح حدیث کو جزاء خیر عطاء فرمائے کہ ان حضراتؒ نے خدمت حدیث اور شرح حدیث کا حق ادا کر دیا نیز اس سے آنحضرت ﷺ کے زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ وکلمات کی جامعیت بھی عیاں ہے۔

۱۱۲ - بَابُ مَنْ قَالَ تَغْتَسِلُ مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ

باب اس قول کے متعلق کہ مستحاضہ عورت حیض سے پاک ہونے کے بعد طہر میں غسل کرے گی اگلے طہر تک

یعنی ایک ہی غسل جو ابتداء طہر میں کیا گیا وہ انتہاء طہر تک کافی ہے، جیسا کہ جمہور کا مسلک ہے اس سے پہلے جتنے ابواب قائم کئے گئے ہیں وہ تعدد غسل کے تھے۔

مصنفؒ کے قائم کردہ ابواب کی ترتیب: مصنفؒ نے پہلے غسل لکل صلوۃ کا باب باندھا جس کے خود مصنفؒ قائل ہیں، اس کے بعد جمع بین الصلوتین بغسلٍ کا باب ہے جس کے بعض علماء قائل ہیں، اور یہ باب غسل واحد کا ہے جس کے ائمہ اربعہ قائل ہیں، یہ پہلے آچکا کہ ائمہ اربعہ کے یہاں صرف ایک مرتبہ غسل ہے پھر اس کے بعد حنفیہ حنابلہ کے یہاں لوقت کل صلوۃ وضو واجب ہے اور شافعیہ کے یہاں لکل صلوۃ۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۳۵٦

[2] المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ۳ ص ۱۱۲ .عون المعبود شرح سنن أبي داود ج ۱ ص ٤٨٨

[3] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ۲ ص ۲٤٦

جاننا چاہئے کہ مصنفؒ نے اس باب کی جملہ روایات پر کلام کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ غسل مرۃً ثم الوضوء لکل صلوۃ کی روایات کی تضعیف کے درپے ہیں حالانکہ یہ جمہور کا مسلک ہے، لیکن مصنفؒ تو امام فن ہیں انکے پیش نظر تو صرف تحقیق روایات ہے۔

غسل مستحاضه کے بارے میں ائمه اربعه کے مؤقف کی تائیدصحیحین کی روایات سے:

جاننا چاہئے کہ غسل لکل صلوۃ یاجمع بین الصلوتین بغسلٍ مرفوعاً صحیحین میں سے کسی ایک بھی روایت سے ثابت نہیں ہے، امام بخاریؒ نے استحاضہ کے سلسلہ میں بخاری شریف میں صرف ایک روایت ذکر کی ہے جو فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کے بارے میں ہے اور اتفاق سے اس میں ایک مرتبہ بھی غسل کا ذکر نہیں ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک بار غسل کرنا تو مجمع علیہ ہے اور امام مسلمؒ نے اس سلسلہ میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ایک وہ جو فاطمہ کے قصہ میں ہے جس کو انہوں نے دو طریق سے ذکر کیا ہے، دوسری وہ جو ام حبیبہؓ کے قصہ میں ہے اس کو انہوں نے متعدد طرق سے ذکر کیا ہے جس میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو صرف ایک بار غسل کا حکم دیا تھا لیکن راوی کہتا ہے فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ [1]، یہ ان کا اپنا فعل تھا حضور ﷺ کی طرف سے نہ تھا، حاصل یہ کہ صحیحین میں مستحاضہ کے حق میں تعدد غسل کی کوئی بھی روایت مرفوعاً نہیں ہے، اس سے ائمہ اربعہ کے مذہب کی مضبوطی معلوم ہوتی ہے، امام نوویؒ نے بھی شرح مسلم میں یہی بات لکھی ہے جو ہم نے کہی، نیز وہ فرماتے ہیں: وأما الاحاديث الواردة في سنن أبي داود والبيهقي وغيرهما أن النبي صلى الله عليه وسلم أمرها بالغسل (لكل صلوة) فليس فيها شيء ثابت وقد بين البيهقي ومن قبله ضعفها [2]۔

نیز امام نوویؒ لکھتے ہیں جمہور علماء سلفاً وخلفاً اور ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ پر صرف ایک بار غسل واجب ہے، اور ابن عمرؓ، ابن الزبیرؓ وعطاء بن ابی رباحؒ سے مروی ہے کہ غسل لکل صلوۃ واجب ہے اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ہر روز ایک بار غسل واجب ہے، اور ابن المسیبؒ وحسن بصریؒ کے نزدیک روزانہ ایک مرتبہ ظہر کے وقت، اور حضرت علیؓ وابن عباسؓ سے دونوں روایتیں ہیں غسل مرۃً واحدۃً اور غسل لکل صلوۃ۔

٢٩٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ، وحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا شَرِيكٌ، عَنْ أَبِي الْيَقْظَانِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي «الْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي، وَالْوُضُوءُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «زَادَ عُثْمَانُ وَتَصُومُ وَتُصَلِّي».

ترجمہ: عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ کی سند سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا مستحاضہ

---

[1] صحيح مسلم - كتاب الحيض - باب المستحاضة وغسلها وصلاتها ٣٣٤

[2] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - ج ٤ ص ٢٠

عورت اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑے گی پھر حیض سے پاک ہونے کے بعد غسل کرے گی (غسل کرنے کے بعد) نماز پڑھے گی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے وقت مستحاضہ عورت کو وضو کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاذ عثمان بن ابی شیبہ نے اضافہ کیا کہ یہ عورت نماز بھی پڑھے گی اور روزے بھی رکھے گی۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (١٢٦) سنن أبي داود - الطهارة (٢٩٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٥) سنن الدارمي - الطهارة (٧٩٣)

شرح الحدیث: قوله: عَنْ عَلِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ: جد عدی کا نام عبد اللہ بن یزید خطمی ہے۔ یہ جد لامہ یعنی نانا ہیں، ویسے ان کے نام میں اختلاف ہے حافظؒ کے نزدیک راجح قول یہی ہے، اس حدیث میں غسل مرۃً مذکور ہے مگر یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ ابو الیقظان راوی متکلم فیہ ہے، یہ روایت تعلیقاً اسی سند سے ابواب استحاضہ میں سے سب سے پہلے باب میں تعلیقات کے ذیل میں گزر چکی۔

٢٩٨ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ خَبَرَهَا وَقَالَ «ثُمَّ اغْتَسِلِي، ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ وَصَلِّي».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں پھر راوی نے فاطمہ بنت ابی حبیش کا واقعہ ذکر کیا...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یا کسی راوی نے) فرمایا: پھر تم غسل کرو اور ہر نماز کیلئے وضو کر کے نماز پڑھو۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (٢٩٨) مسند أحمد - من مسند القبائل (٦/٤٦٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٤) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٩)

شرح الحدیث: قوله: عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ عُرْوَةَ: یہ وہی روایت ہے جس کا حوالہ مصنف نے بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ الْقُبْلَةِ میں دیا تھا وہاں مصنفؒ یحیی بن سعید کا یہ مقولہ نقل کر چکے ہیں کہ یہ حدیث شبه لا شي ہے [1]، اس کی وجہ وہاں یہ گزر چکی کہ یہ عروہ، عروہ بن الزبیر نہیں بلکہ عروہ المزنی ہیں جو بالاتفاق مجہول ہیں اس عروہ کی تفصیلی بحث وہاں گزر چکی، مگر یہاں حضرت نے بذل میں ان کو عروہ بن الزبیر قرار دیا ہے، اور صاحب منہل نے اس میں اختلاف اور دونوں احتمال لکھے ہیں [2]۔

٢٩٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ الْقَطَّانُ الْوَاسِطِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي مِسْكِينٍ، عَنِ الْحَجَّاجِ، عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ، عَنْ عَائِشَةَ «فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَغْتَسِلُ تَعْنِي مَرَّةً وَاحِدَةً، ثُمَّ تَوَضَّأُ إِلَى أَيَّامِ أَقْرَائِهَا».

---

[1] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب الوضوء من القبلة ١٧٩ - ١٨٠

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٣٦١ . المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داود - ج ٣ ص ١١٥

ترجمہ: حضرت عائشہؓ مستحاضہ عورت کے متعلق فرماتی ہیں کہ یہ عورت غسل کرے گی ام کلثوم راویہ نے کہا: حضرت عائشہؓ کی مراد یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد ایک مرتبہ غسل کرے گی..... پھر یہ عورت وضو کرے گی اپنے حیض کے دن آنے تک۔

۳۰۰ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ الْقَطَّانُ الْوَاسِطِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ، عَنْ أَيُّوبَ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ، عَنِ امْرَأَةِ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَحَدِيثُ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ وَالْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبٍ، وَأَيُّوبَ أَبِي الْعَلَاءِ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ لَا تَصِحُّ» وَدَلَّ عَلَى ضُعْفِ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ عَنْ حَبِيبٍ هَذَا الْحَدِيثُ أَوْقَفَهُ حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الْأَعْمَشِ، وَأَنْكَرَ حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، أَنْ يَكُونَ حَدِيثُ حَبِيبٍ مَرْفُوعًا، وَأَوْقَفَهُ أَيْضًا أَسْبَاطٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ مَوْقُوفٌ عَنْ عَائِشَةَ" قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ ابْنُ دَاوُدَ، عَنِ الْأَعْمَشِ مَرْفُوعًا أَوَّلُهُ، وَأَنْكَرَ أَنْ يَكُونَ فِيهِ الْوُضُوءُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ، وَدَلَّ عَلَى ضُعْفِ حَدِيثِ حَبِيبٍ هَذَا أَنَّ رِوَايَةَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ» فِي حَدِيثِ الْمُسْتَحَاضَةِ وَرَوَى أَبُو الْيَقْظَانِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَعَمَّارٍ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَرَوَى عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ، وَبَيَانٌ، وَالْمُغِيرَةُ، وَفِرَاسٌ، وَمُجَالِدٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ حَدِيثِ قَمِيرَ، عَنْ عَائِشَةَ «تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ» وَرِوَايَةُ دَاوُدَ، وَعَاصِمٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ قَمِيرَ، عَنْ عَائِشَةَ «تَغْتَسِلُ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّةً» وَرَوَى هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ «الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ» وَهَذِهِ الْأَحَادِيثُ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ إِلَّا حَدِيثَ قَمِيرَ، وَحَدِيثَ عَمَّارٍ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ، وَحَدِيثَ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، وَالْمَعْرُوفُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْغُسْلُ".

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ عدی بن ثابت کی گزشتہ حدیث اور اعمش نے جو حدیث حبیب سے نقل کی اور ایوب ابو العلاء کی حدیث یہ ساری کی ساری ضعیف ہیں ان میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ اعمش عن حبیب کی حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حفص بن غیاث نے اعمش سے اس روایت کو موقوفاً ذکر کیا ہے اور حفص بن غیاث نے انکار کیا ہے کہ حبیب کی یہ حدیث مرفوع ہو۔ نیز اسباط راوی نے بھی اعمش سے اس روایت کو حضرت عائشہؓ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابن داؤد نے اعمش سے گزشتہ حدیث کے پہلے حصہ کو مرفوعاً روایت کیا ہے اور انہوں نے حدیث کے وضو عند کل صلوۃ والے جملہ کا انکار کیا ہے۔ اور حبیب کی اس حدیث کے ضعیف ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ زہری نے عروہ بن الزبیر کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مستحاضہ کی حدیث میں فرمایا کہ یہ مستحاضہ عورت ہر نماز کیلئے غسل کیا کرتی تھی۔ ابو الیقظان نے عن عدی بن ثابت عن ابیہ کی سند سے حضرت علیؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے نیز عمار مولی بنی ہاشم نے ابن عباسؓ سے اسی طرح وضو عند کل صلوۃ نقل کیا ہے اور عبد الملک بن میسرہ، بیان، مغیرہ، فراس، اور مجالد راوی نے شعبیؒ سے

بواسطہ قمیر تابعہ حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ مستحاضہ خاتون ہر نماز کیلئے وضو کرے گی، جب کہ داؤد اور عاصم نے شعبی سے بواسطہ قمیر تابعہ حضرت عائشہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ مستحاضہ عورت ہر روز ایک دفعہ غسل کرے گی۔ ہشام بن عروہ نے اپنے والد عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ مستحاضہ عورت ہر نماز کیلئے وضو کرے گی۔ یہ تمام حدیثیں ضعیف ہیں سوائے قمیر تابعیہ اور عمار مولی بنی ہاشم اور ہشام بن عروہ عن ابیہ کی حدیث کے۔ ابن عباسؓ سے معروف روایت میں یہ ہے کہ مستحاضہ عورت ہر نماز کیلئے غسل کرے گی (جبکہ عمار نے ابن عباسؓ سے جو روایت نقل کی تھی وہ منکر ہے۔ غالباً ابن عباسؓ کی اس روایت میں وضو عند کل صلوۃ ہوگا جس کو منکر کہا جارہا ہے واللہ تعالیٰ أعلم)۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٢٩٩) سنن الدارمي - الطهارة (٨١٤)

شرح الأحاديث: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ . . . قوله: عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ، عَنْ عَائِشَةَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَغْتَسِلُ تَعْنِي مَرَّةً وَاحِدَةً:
عائشہؓ کی یہ روایت موقوفاً ہے اس کو ان سے روایت کرنے والی ام کلثوم ہیں اس سے اگلی حدیث بھی عائشہؓ ہی کی ہے اس کو نقل کرنے والی امرأۃ مسروق ہے جس کا نام قمیر ہے لیکن وہ حدیث مرفوع ہے، مضمون دونوں کا ایک ہی ہے غسل مرۃ واحدۃ ثم الوضوء لکل صلوۃ، یہاں تک باب کی کل چار روایتیں ہوگئیں: ① حدیث جد عدی ② حدیث عروہ عن عائشہ مرفوعاً ③ حدیث ام کلثوم عن عائشہ موقوفاً ④ حدیث قمیر عن عائشہ مرفوعاً۔

مصنفؒ کی طرف سے احادیث الباب کی تضعیف: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَحَدِيثُ ① عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ هَذَا ② وَالْأَعْمَشِ، عَنْ حَبِيبٍ، ③ وَأَيُّوبَ ④ أَبِي الْعَلَاءِ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ لَا تَصِحُّ»: اخیر کی دونوں حدیثوں کی سند میں ایوب مذکور ہیں، لہٰذا حدیث ایوب سے اخیر کی دونوں حدیثیں مراد ہیں گویا مصنفؒ نے چاروں حدیثوں پر ضعف کا حکم نافذ کر دیا۔

قوله: وَدَلَّ عَلَى ضُعْفِ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ عَنْ حَبِيبٍ: یہاں سے مصنفؒ اپنے دعوئے تضعیف کو مبرہن کرنا چاہتے ہیں لیکن پہلے بجائے حدیث اول کے حدیث ثانی کے ضعف کی دلیل کو بیان فرمارہے ہیں بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث اول کا ضعیف ہونا کچھ زیادہ محتاج دلیل نہ تھا بخلاف اس دوسری حدیث کے، مصنفؒ نے اس کے ضعف کی دو دلیلیں پیش کی ہیں پہلی دلیل یہ کہ اس حدیث کا مدار اعمش پر ہے اور اعمش کے تلامذہ میں اختلاف ہے، وکیع اس کو ان سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں اور حفص بن غیاث اور اسباط یہ دونوں موقوفاً گویا حدیث میں رفعاً و وقفاً اضطراب ہوا اور حدیث مضطرب ضعیف ہے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ ابْنُ دَاوُدَ، عَنِ الْأَعْمَشِ مَرْفُوعًا أَوَّلُهُ: یہ دفع دخل مقدر ہے وہ یہ کہ کسی نے کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ اس روایت کو مرفوعاً صرف وکیع روایت کرتے ہیں اور موقوفاً روایت کرنے والے دو شخص ہیں گویا موقوفاً نقل کرنے والوں میں تعدد ہے، معترض کہتا ہے مرفوعاً نقل کرنے والے بھی دو ہیں ایک وکیع دوسرے ابن داؤد (حضرتؒ نے لکھا ہے ابن داؤد کی روایت دار قطنی میں ہے)، مصنفؒ اس کا جواب دے رہے ہیں وہ یہ کہ ابن داؤد نے بیشک اس کو اعمش سے مرفوعاً

نقل کیا لیکن اس حدیث کے صرف پہلے جزء یعنی غسل مرۃً کو اور حدیث کا جزء ثانی یعنی وضوء لکل صلوٰۃ جو دراصل ہمارا مطمح نظر ہے اس کو انہوں نے مطلقاً ذکر ہی نہیں کیا نہ مرفوعاً نہ موقوفاً، لہذا ابن داؤد کی روایت کان لم یکن ہوئی۔

حدیث ثانی کے ضعف کی دوسری دلیل: قوله: وَدَلَّ عَلَى ضُعْفِ حَدِيثِ حَبِيبٍ هٰذَا أَنَّ رِوَايَةَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ الخ: حدیث حبیب سے مراد وہی حدیث الاعمش عن حبیب ہے جس پر بحث ہو رہی ہے، یہاں سے مصنفؒ اس کی تضعیف کی دوسری دلیل بیان فرمار ہے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں حبیب نے امام زہری کی مخالفت کی ہے اس لئے کہ حبیب اور زہری دونوں اس حدیث کو عروہ سے روایت کرتے ہیں، حبیب نے تو ان سے غسل مرۃً ثم الوضوء لکل صلوٰۃ روایت کیا اور زہری نے ان سے غسل لکل صلوٰۃ نقل کیا ہے، اور زہری حبیب سے زیادہ اونچے راوی ہیں، لہذا اب وضوء لکل صلوۃ والی روایت کے ضعف کی دو دلیلیں ہو گئیں، لیکن دلیل ثانی کو حضرتؒ نے بذل میں خطابیؒ کے کلام سے رد کیا ہے کہ وضوء لکل صلوٰۃ اول تو جمہور فقہاء کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ زہری کی روایت سے حبیب کی روایت کی تردید نہیں ہوتی اور نہ ان دونوں روایتوں میں کچھ تخالف ہے اسلئے کہ زہری کی روایت میں وضوء لکل صلوۃ کے بجائے غسل لکل صلوۃ جو مذکور ہے وہ مرفوعاً نہیں ہے بلکہ وہ منسوب ہے فعل مرأۃ کی طرف چنانچہ اس میں ہے فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ، یہ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غسل لکل صلوۃ کا امر فرمایا تھا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ حضرتؒ نے بذل میں اس حدیث عروہ عن عائشہ میں وضوء لکل صلوٰۃ کا مرفوعاً مروی ہونا حدیث بخاری سے ثابت کیا ہے گو اس کا مرفوع ہونا بخاری میں لفظ روایت کے اعتبار سے منصوص اور صریح نہیں لیکن حافظؒ کی رائے یہی ہے کہ یہ مرفوع ہے، اس پر تفصیلی کلام ہم نے الفیض السمائی مین کیا ہے اس کو دیکھا جائے۔

قوله: وَرَوَى أَبُو الْيَقْظَانِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ الخ: اب تک بات چل رہی تھی باب کی حدیث ثانی کی تضعیف پر جس کی مصنفؒ نے دو دلیلیں بیان کیں اب یہاں سے مصنفؒ بظاہر حدیث اول کے ضعف کی دلیل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ اس طرح کے ابو الیقظان کی روایت میں اضطراب پایا جارہا ہے، چنانچہ انہوں نے پہلے سند اس طرح بیان کی تھی "عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ" اور یہاں وہ کہہ رہے ہیں عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ. عَنْ عَلِيٍّ اور یہ اضطراب فی السند علامت ضعف ہے۔

قوله: وَرَوَى عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ الخ: بظاہر یہاں سے مصنفؒ حدیث نمبر ④ کے ضعف کی دلیل بیان کر رہے ہیں وہ اس طور پر کہ شروع میں امرأۃ مسروق یعنی قمیر عن عائشہؓ کی جو روایت گزری وہ مرفوعاً تھی اور یہاں ان کی یہ روایت جس کو قمیر سے شعبی روایت کر رہے ہیں موقوفاً ہے اور اسی سے حدیث نمبر ③ ام کلثوم عن عائشہؓ کی بھی تضعیف نکل آئے گی اسلئے کہ اس سند میں نیچے کے راوی ایوب ابو العلاء ہیں جو حدیث نمبر ③، ④ دونوں کی سند میں مشترک ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ

ایوب کبھی کسی طرح روایت کرتے ہیں اور کبھی کسی طرح، لہذا اس اضطراب سے دونوں روایتیں متأثر ہوئیں۔

قوله: وَرِوَايَةُ دَاوُدَ، وَعَاصِمٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ: اس سے مصنفؒ مزید اختلاف ثابت کر رہے ہیں وہ اس طور پر کہ حدیث قمیر جو بطریق شعبی ہے اس میں اکثر رواۃ نے وضو لکل صلوۃ کو ذکر کیا اور داؤد وعاصم نے شعبی سے اس حدیث میں بجائے وضوء لکل صلوۃ کے غسل کل یوم کو ذکر کیا۔

قوله: وَرَوَى هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ: مصنفؒ چونکہ وضوء لکل صلوۃ کی روایات کی تضعیف کے درپے ہیں، اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ یہ وضوء لکل صلوۃ بعض طرق سے تو اس کا عن عائشہ مرفوعاً ہونا ثابت ہوتا ہے اور بعض سے موقوفاً علی عائشہؓ اور بعض سے موقوفاً علی عروہ۔

قوله: وَهَذِهِ الْأَحَادِيثُ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ: جاننا چاہئے کہ مصنفؒ نے اس باب میں کل نو روایات ذکر کی ہیں جن میں تین مرفوع ہیں: ① حدیث جد عدی، ② حدیث عروہ عن عائشہ، ③ حدیث قمیر عن عائشہ، اور چھ روایات موقوفہ ہیں: ① اثر ام کلثوم عن عائشہ، ② اثر علی، ③ اثر عمار عن ابن عباس، ④ اثر قمیر عن عائشہ (اول) جس میں وضوء لکل صلوۃ ہے، ⑤ اثر قمیر عن عائشہ (ثانی) جس میں غسل کل یوم مرۃ ہے، ⑥ اثر عروہ۔ مصنف علامؒ نے شروع میں احادیث مرفوعہ ثلاثہ اور اثر ام کلثوم چاروں کو ذکر کرنے کے بعد ان پر ضعف کا حکم لگایا تھا اس کے بعد پانچ آثار اور ذکر کئے، اب اخیر میں پھر فرما رہے ہیں هَذِهِ الْأَحَادِيثُ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ، اس میں آپ کو اختیار ہے کہ چاہے تو ہذہ الاحادیث سے جملہ روایات تسعہ مراد لے لیجئے اور چاہے اخیر کی پانچ روایات، کیونکہ پہلی چار کی تضعیف تو شروع میں کر ہی چکے ہیں، لیکن آگے چل کر مصنفؒ نے ان نو روایات میں سے تین کا استثناء کر دیا کہ وہ ضعیف نہیں ہے: ① اثر قمیر عن عائشہ اول، ② اثر عمار عن ابن عباس، ③ اثر عروہ، پھر مصنفؒ فرماتے ہیں وَالْمَعْرُوفُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ الْغُسْلُ، لہذا ان تین میں سے پھر ایک ساقط ہو گیا، اب حکم ضعف سے صرف دو کا استثناء باقی رہا، باقی سب ضعیف ہیں، الحمد للہ اس باب پر کلام پورا ہوا۔

ہذا الباب عندی من أصعب الأبواب: یہ باب باعتبار حل عبارات کتاب وبیانِ غرضِ مصنف کے میرے نزدیک مشکل ترین باب ہے، حضرتؒ نے بذل میں اس باب کے حل کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، فجزاہ اللہ تعالی أحسن الجزاء۔ بحمد اللہ احقر کو صحیح بخاری کے علاوہ صحاح کی سب ہی کتابوں کے پڑھانے کا موقع ملا، میرے خیال میں مجموعی حیثیت سے سنن ابو داؤد ان کتب میں سب سے زیادہ اہم اور دقیق ہے۔

۱۱۳۔ بَابُ مَنْ قَالَ الْمُسْتَحَاضَةُ تَغْتَسِلُ مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ

باب اس قول کے متعلق کہ مستحاضہ عورت ظہر کے وقت سے اگلے دن کے ظہر کے وقت تک ایک غسل کرے گی
یہ دونوں ظہر ظاء معجمہ کے ساتھ ہیں یعنی روزانہ ایک بار ظہر کے وقت غسل کرنا اس باب میں مصنفؒ نے کوئی حدیث مرفوع ذکر نہیں کی بلکہ شروع میں سعید بن المسیبؒ کی ایک روایت ہے اور اس کے بعد بعض صحابہؓ کے آثار تعلیقاً ہیں، مستحاضہ کے لئے روزانہ بوقت ظہر غسل ہمارے یہاں گزشتہ باب کے شروع میں امام نوویؒ سے گزر چکا ہے کہ یہ سعید بن المسیبؒ اور حسن بصریؒ سے منقول ہے۔

۳۰۱ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ الْقَعْقَاعَ، وَزَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ أَرْسَلَاهُ إِلَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ يَسْأَلُهُ كَيْفَ تَغْتَسِلُ الْمُسْتَحَاضَةُ؟ فَقَالَ: «تَغْتَسِلُ مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ، وَتَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ، فَإِنْ غَلَبَهَا الدَّمُ اسْتَثْفَرَتْ بِثَوْبٍ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ «تَغْتَسِلُ مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ» وَكَذَلِكَ رَوَى دَاوُدُ، وَعَاصِمٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ امْرَأَتِهِ، عَنْ قَمِيرَ، عَنْ عَائِشَةَ، " إِلَّا أَنَّ دَاوُدَ قَالَ: «كُلَّ يَوْمٍ»، وَفِي حَدِيثِ عَاصِمٍ «عِنْدَ الظُّهْرِ»، وَهُوَ قَوْلُ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَالْحَسَنِ، وَعَطَاءٍ " قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ مَالِكٌ: إِنِّي لَأَظُنُّ حَدِيثَ ابْنِ الْمُسَيَّبِ إِنَّمَا هُوَ: «مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ» فَقَلَبَهَا النَّاسُ مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ، وَلَكِنَّ الْوَهْمَ دَخَلَ فِيهِ، وَرَوَاهُ مِسْوَرُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَرْبُوعٍ، قَالَ فِيهِ: «مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ» فَقَلَبَهَا النَّاسُ: مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ.

ترجمہ: حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس قعقاع بن حکیم اور زید بن اسلم نے سمی مولی ابی بکر کو یہ دریافت کرنے کیلئے بھیجا کہ مستحاضہ عورت کس طرح غسل کرے گی؟ تو سعید بن مسیبؒ نے جواب دیا کہ ایک دن ظہر کے وقت غسل کرے گی پھر اگلے دن ظہر کے وقت غسل کرے گی (اس طرح روزانہ ظہر کے وقت غسل کرے گی) اور ہر نماز کیلئے وضو کرے گی اگر اس کو خون زیادہ آنے لگے تو مضبوطی کے ساتھ وہاں پر کپڑا باندھ لے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں عبد اللہ بن عمرؓ اور انس بن مالکؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ مستحاضہ عورت روزانہ ظہر کے وقت غسل کرے گی۔ داؤد اور عاصم نے شعبی سے نقل کیا کہ قمیر تابعیہ نے حضرت عائشہؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے (کہ مستحاضہ عورت غسل کرے گی) فرق یہ ہے کہ داؤد راوی نے کہا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مستحاضہ عورت روزانہ غسل کرے گی اور عاصم کی حدیث میں یہ ہے کہ مستحاضہ عورت ظہر کے وقت غسل کرے گی ...... سالم بن عبد اللہ، حسن اور عطاء کا بھی یہی مذہب ہے (کہ مستحاضہ عورت روزانہ ظہر کے وقت غسل کرے گی)۔ امام ابو داود فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں میرے خیال میں سعید بن المسیبؒ کی حدیث کہ مستحاضہ عورت روزانہ ظہر کے وقت سے اگلے دن ظہر کے وقت تک غسل کرے گی اس میں وہم ہو گیا ہے۔ سعید بن

السیبؒ نے یہ فرمایا تھا کہ مستحاضہ عورت ایک طہر سے اگلے طہر تک ایک غسل کرے گی پس لوگوں نے اس میں نقطے کا اضافہ کرکے من ظہر الی ظہر نقل کر دیا۔ مسور بن عبدالملک نے اس حدیث کو من طہر الی طہر کے ساتھ نقل کیا ہے پس لوگوں نے اس حدیث میں نقطہ کا اضافہ کر کہ من ظہر الی ظہر نقل کر دیا۔

شرح الحدیث: قولہ: عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ امْرَأَةٍ، عَنْ قَمِيرَ اور بعض نسخوں میں ہے عَنِ امْرَأَتِهِ، عَنْ قَمِيرَ یہ دوسرا نسخہ تو بالکل غلط ہے اسلئے کہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ شعبی روایت کرتے ہیں اپنی بیوی سے اور ان کی بیوی قمیر سے حالانکہ شعبی تو براہ راست قمیر سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ ابھی قریب میں اس سے پہلے باب میں گزرا، اور پہلا نسخہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شعبی کسی عورت سے روایت کرتے ہیں اور وہ قمیر سے، ہاں! اس نسخہ کی صحت کی ایک شکل ممکن ہے وہ یہ کہ عن قمیر کو عن امرأة سے بدل قرار دیا جائے، اصل بات یہ ہے کہ یہ لفظ یہاں ہونا ہی نہیں چاہئے صحیح عن الشعبی عن قمیر ہے یا پھر اس طرح ہو عن الشعبی عن امرأة مسروق اور یہ امرأة مسروق قمیر ہی ہیں جیسا کہ باب کے شروع میں گزر چکا۔

ان روایات میں وقت ظہر کی تخصیص بظاہر اس لئے ہے کہ دراصل یہ غسل کا حکم علاجاً ہے، برودت پیدا کرنے کیلئے اور ظہر کا وقت چونکہ حرارت کا ہوتا ہے اس لئے وہی زیادہ مناسب ہے۔

قولہ: قَالَ مَالِكٌ: إِنِّي لَأَظُنُّ الخ: حضرت امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ سعید بن المسیبؒ کی روایت جس میں من ظُهرٍ الی ظُهرٍ ہے وہم ہے، صحیح من طُهرٍ الی طُهرٍ ہے، ایک نقطہ کی زیادتی سے کچھ کا کچھ ہو گیا اسلئے کہ نقطہ والی روایت کا حاصل یہی ہے کہ روزانہ ایک مرتبہ غسل کرے اور حذف نقطہ والی روایت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ پورے ماہ میں صرف ایک مرتبہ غسل کرے۔ امام مالکؒ کی اس رائے پر امام خطابیؒ خوشی میں اچھل پڑے اور کہنے لگے: ما أحسن ما قال مالك وما أشبهه بما ظنه من ذلك [1]، یعنی امام مالکؒ نے کیا ہی اچھی بات کہی اور کیسا صحیح گمان ہے ان کا، لیکن حضرتؒ کو اس رائے سے اتفاق نہیں اسلئے کہ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیبؒ کا یہ اثر سنن الدارمي [2] میں متعدد طرق اور مختلف الفاظ سے مروی ہے ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ طہر نہیں بلکہ ظہر ہی ہے (ظاء منقوطہ کے ساتھ) اسلئے کہ اسکی ایک روایت میں اسطرح ہے تَغْتَسِلُ كُلَّ يَوْمٍ عِنْدَ صَلَاةِ الْأُولَى [3]، اور صلاة الأولى ظہر ہی کو کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب.

---

[1] معالم السنن - ج ۱ ص ۹۳.

[2] سنن الدارمي - كتاب الطهارة - باب من قال تغتسل من الظهر إلى الظهر وتجامع رقم ۸۰۸ - ۸۰۹

[3] سنن الدارمي - كتاب الطهارة - باب من قال تغتسل من الظهر إلى الظهر وتجامع رقم ۸۱۶

١١٤ - بَابُ مَنْ قَالَ تَغْتَسِلُ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّةً وَلَمْ يَقُلْ عِنْدَ الظُّهْرِ

ان علماء کے مذہب کا بیان جن کے نزدیک مستحاضہ عورت روزانہ ایک مرتبہ غسل کرے گی اور ان علماء نے ظہر کے وقت کی قید ذکر نہیں کی

مستحاضہ کا روزانہ ایک بار غسل کرنا یہ حضرت علیؓ وابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کما تقدم۔

٣٠٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي إِسْمَاعِيلَ وَهُوَ مُحَمَّدُ بْنُ رَاشِدٍ، عَنْ مَعْقِلٍ الْخَثْعَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «الْمُسْتَحَاضَةُ إِذَا انْقَضَى حَيْضُهَا اغْتَسَلَتْ كُلَّ يَوْمٍ، وَاتَّخَذَتْ صُوفَةً فِيهَا سَمْنٌ أَوْ زَيْتٌ».

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں مستحاضہ عورت حیض کے دن ختم ہونے کے بعد روزانہ غسل کرے اور استحاضہ کے مقام پر ایک ایسا اونی کپڑا جسے گھی یا زیتون کے تیل میں گیلا کیا گیا ہو رکھ دے۔

شرح حدیث: یہ تدبیر وعلاج کے طور پر بتلایا جارہا ہے کہ ایک پھایا روغن زیتوں وغیرہ میں تر کرکے مخصوص مقام پر رکھ لے اس لئے کہ یہ پھایا صلابت عروق جو کہ سیلان دم کا سبب ہے اس کو دور کرکے عروق میں نرمی پیدا کرے گا۔

١١٥ - بَابُ مَنْ قَالَ تَغْتَسِلُ بَيْنَ الْأَيَّامِ

ان علماء کا قول جو کہتے ہیں کہ مستحاضہ عورت پاکی کے دنوں کے درمیان میں غسل کرتی رہے گی

٣٠٣ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُثْمَانَ، أَنَّهُ سَأَلَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، عَنِ الْمُسْتَحَاضَةِ فَقَالَ: «تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ فَتُصَلِّي، ثُمَّ تَغْتَسِلُ فِي الْأَيَّامِ».

ترجمہ: محمد بن عثمان نے قاسم بن محمد سے مستحاضہ عورت کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو قاسم بن محمد نے جواب دیا کہ مستحاضہ عورت اپنے حیض کے دنوں میں نماز پڑھنا چھوڑ دے گی پھر حیض سے پاک ہونے کے بعد غسل کرے گی (یہ غسل واجب ہے) پھر نماز پڑھے گی پھر اپنے پاکی کے دنوں میں غسل کرتی رہے گی۔

شرح حدیث: یعنی مستحاضہ ایک مرتبہ غسل تو عند انقطاع الحیض کرے اور پھر ایک مرتبہ دوبارہ وجوباً زمانہ طہر کے اثناء میں کرے یہ قاسم بن محمد کا قول ہے جس میں وہ متفرد ہیں جمہور کے نزدیک صرف ایک بار غسل واجب ہے اس سے زائد مستحب ہے۔

١١٦ - بَابُ مَنْ قَالَ تَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ

ان علماء کا قول جن کے نزدیک مستحاضہ عورت ہر نماز کیلئے وضو کرے گی

٣٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو، حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ،

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ، أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ، فَإِذَا كَانَ ذَلِكِ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ، فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى، وَحَدَّثَنَا بِهِ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ حِفْظًا، فَقَالَ: عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ فَاطِمَةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرُوِيَ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَشُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ: الْعَلَاءُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَوْقَفَهُ شُعْبَةُ عَلَى أَبِي جَعْفَرٍ «تَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ».

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے مروی ہے کہ انہیں استحاضہ کا خون آیا کرتا تھا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب حیض کا خون ہو جو کالے رنگ کا خون ہوتا ہے جس کو پہچان لیا جاتا ہے جب ایسا خون آنے لگے تو تم اپنی نماز سے رُک جاؤ اور جب دوسرے رنگ کا خون آنے لگے تو تم وضو کر کے نماز پڑھو۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاذ محمد بن مثنّٰی نے فرمایا کہ ابن ابی عدی نے جب ہمیں یہ حدیث اپنے حافظہ سے سنائی تو اس طرح سنائی: عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ سے مروی ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کا یہ واقعہ ہوا (یعنی ابن ابی عدی نے اپنے حافظہ سے اس روایت کو نقل کیا تو حضرت عائشہؓ کے بعد حضرت فاطمہؓ کے مسندات میں ذکر کیا اور جب ابن ابی عدی نے اپنی کتاب سے نقل کیا تو حضرت عائشہؓ کے واسطہ کے بغیر عروۃ عن فاطمۃ نقل کیا ہے) امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث علاء بن مسیب اور شعبہ سے بواسطہ حکم، ابو جعفر سے منقول ہے۔ علاء بن مسیب نے آپ ﷺ سے مرفوعاً بلا روایت نقل کی ہے لیکن شعبہ نے ابو جعفر سے موقوفاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ مستحاضہ عورت ہر نماز کیلئے وضو کرے گی۔

تخریج: صحيح البخاري-الوضوء(٢٢٦)صحيح البخاري-الحيض(٣٠٠)صحيح البخاري-الحيض(٣١٤)صحيح البخاري-الحيض(٣١٩)صحيح البخاري-الحيض(٣٢٤)صحيح مسلم-الحيض(٣٣٣)جامع الترمذي-الطهارة(١٢٥)سنن النسائي-الحيض والاستحاضة(٣٥٨)سنن النسائي-الحيض والاستحاضة(٣٥٩)سنن النسائي-الحيض والاستحاضة(٣٦٣)سنن النسائي-الحيض والاستحاضة(٣٦٤)سنن النسائي-الحيض والاستحاضة(٣٦٥)سنن النسائي-الحيض والاستحاضة(٣٦٦)سنن النسائي-الحيض والاستحاضة(٣٦٧)سنن أبي داود-الطهارة(٣٠٤)سنن ابن ماجه-الطهارة وسننها(٦٢١)سنن ابن ماجه-الطهارة وسننها(٦٢٤)مسند أحمد-باقي مسند الأنصار(٤٢/٦)مسند أحمد-باقي مسند الأنصار(١٩٤/٦)مسند أحمد-باقي مسند الأنصار(٢٠٤/٦)مسند أحمد-باقي مسند الأنصار(٢٦٢/٦)موطأ مالك-الطهارة(١٣٧).

شرح الحدیث: مستحاضہ کیلئے وضوء لکل صلوۃ یعنی ہر فرض نماز کیلئے مستقل وضو کرنا اگرچہ وقت کے اندر ہو یہ شافعیہ کا مسلک ہے مصنفؒ کی غرض اسی مذہب کو بیان کرنا ہے، اس باب کی حدیث پر کلام اور اسکی شرح بَابُ مَنْ قَالَ: إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ تَدَعُ الصَّلَاةَ میں گزر چکی ہے۔

١١٧ - بَابُ مَنْ لَمْ يَذْكُرِ الْوُضُوءَ إِلَّا عِنْدَ الْحَدَثِ

(ان علماء کا قول جن کے نزدیک مستحاضہ عورت صرف حدث کے وقت وضو کرے گی)

بظاہر اس ترجمہ میں مالکیہ کا مسلک مذکور ہے جو یہ کہتے ہیں کہ استحاضہ موجب وضو نہیں الا یہ کہ استحاضہ کے علاوہ کوئی دوسرا

حدث پایا جائے۔

۳۰۵ - حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ اسْتُحِيضَتْ «فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَنْتَظِرَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا، ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي، فَإِنْ رَأَتْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، تَوَضَّأَتْ وَصَلَّتْ».

ترجمہ: عکرمہ کہتے ہیں کہ امّ حبیبہ بنت جحش کو استحاضہ کا خون آتا رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے حیض کے دنوں کے گزرنے کا انتظار کریں (اور اس میں نماز نہ پڑھیں) پھر غسل کرکے نماز پڑھیں اگر حیض کے دن گزرنے کے بعد نواقض وضو میں سے کوئی ناقض دیکھیں تو وضو کرکے نماز پڑھیں۔

شرح الحدیث: قوله: فَإِنْ رَأَتْ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ: أي من نواقض الوضوء غير دم الاستحاضة[1]، یعنی ذلك سے مراد استحاضہ کے علاوہ دوسرے نواقض وضو ہیں، مطلب یہ ہے کہ مستحاضہ عند انقطاع الحیض ایک بار غسل کرکے اسی غسل سے نمازیں پڑھتی رہے جتنی چاہے، خروج وقت کے بعد بھی جب تک استحاضہ کے علاوہ کوئی دوسرا حدث پایا نہ جائے اور یہی مذہب بعینہ مالکیہ کا ہے، اس مطلب کو لے کر یہ حدیث جمہور کے خلاف ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ کہا جائے کہ ذلك سے اشارہ استحاضہ کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تک استحاضہ کا سلسلہ قائم رہے مستحاضہ وضو کرکے نماز پڑھتی رہے ایک مرتبہ سے زائد غسل کی حاجت نہیں، اب یہ وضو کرنا عام ہے خواہ لکل صلوۃ کما عند الشافعیۃ، خواہ لوقت کل صلوۃ ھو کما عند الحنفیۃ۔

۳۰۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ رَبِيعَةَ، «أَنَّهُ كَانَ لَا يَرَى عَلَى الْمُسْتَحَاضَةِ وُضُوءًا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ إِلَّا أَنْ يُصِيبَهَا حَدَثٌ غَيْرُ الدَّمِ، فَتَوَضَّأُ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: هَذَا قَوْلُ مَالِكٍ يَعْنِي ابْنَ أَنَسٍ.

ترجمہ: ربیعہ الرائی کا مذہب یہ تھا کہ مستحاضہ عورت کو ہر نماز کیلئے وضو کرنا لازم نہیں مگر یہ کہ اسے استحاضہ کے خون کے علاوہ کوئی اور حدث (نواقض وضو میں سے) پیش آئے تو وہ وضو کرے گی۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔

شرح الحدیث: ربیعہ شیخ مالک اور خود امام مالکؒ دونوں کا مسلک ایک ہی ہے کہ مستحاضہ کو استحاضہ کی وجہ سے وضو کی حاجت نہیں نہ وقت کے اندر اور نہ بعد خروج الوقت، اور حنفیہ کے نزدیک گو داخل وقت وضو کی حاجت نہیں لیکن خروج وقت کے بعد وضو ضروری ہے، ربیعہ اور حنفیہ کے مسلک کے درمیان یہی فرق ہے، بذل میں حضرتؒ نے قول ربیعہ کو اس پر محمول کیا ہے کہ داخل وقت وضو کی حاجت نہیں پھر اسی لئے حضرتؒ نے اس پر لکھا کہ یہی مذہب حنفیہ کا بھی ہے، نبہ علیہ شیخنا ایضاً فی هامش البذل[2]۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ...

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۲ ص ۲۸۰

۱۱۸ ـ بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تَرَى الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ

عورت حیض سے پاک ہونے کے بعد پیلا اور گدلا رنگ دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

یعنی جو عورت صفرۃ و کدرۃ یہ دو رنگ دیکھے حصول طہر یعنی مدت حیض کے گزر جانے کے بعد، کدرۃ سے مراد وہ رنگ ہے جو مشابہ ہو ماء مکدر یعنی گدلے پانی کے جس میں غبار وغیرہ مل جائے، مصنفؒ کا یہ ترجمہ بلفظ الحدیث ہے۔

۳۰۷ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا حَمَّادٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أُمِّ الْهُذَيْلِ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ - وَكَانَتْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَتْ: «كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ، وَالصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا».

ترجمہ: ام عطیہ فرماتی ہیں ..... یہ ان خواتین میں سے ہیں جنہوں نے حضور ﷺ سے بیعت کی تھی ..... ہم (عہد نبوی میں) حیض سے پاک ہونے کے بعد گدلے اور پیلے رنگ کو حیض اور ناپاکی شمار نہیں کرتے تھے۔

۳۰۸ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، أَخْبَرَنَا، أَيُّوبُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، بِمِثْلِهِ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: أُمُّ الْهُذَيْلِ هِيَ حَفْصَةُ بِنْتُ سِيرِينَ كَانَ ابْنُهَا اسْمُهُ هُذَيْلٌ، وَاسْمُ زَوْجِهَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ.

ترجمہ: ام عطیہ سے اسی طرح روایت ہے۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں: ام الہذیل کا نام حفصہ بنت سیرین ہے۔ ان کے بیٹے کا نام ہذیل اور ان کے شوہر کا نام عبد الرحمن تھا۔

شرح الاحادیث: **مسئلة الباب میں مذاہب علماء اور ان کے دلائل:** یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس میں علماء کے تین قول ہیں: ① جمہور علماء جس میں حنفیہ بھی ہیں کا مسلک یہ ہے کہ عورت صفرۃ و کدرۃ اگر مدت حیض میں دیکھے تب تو وہ حیض ہے ورنہ استحاضہ، اور یہی مصنف ترجمۃ الباب میں بھی کہہ رہے ہیں، لہذا یہ ترجمہ مسلک جمہور کے موافق ہوا۔ ② دوسرا قول ابن حزم ظاہریؒ کا ہے کہ یہ دونوں رنگ مطلقاً استحاضہ ہیں اگرچہ مدت حیض کے اندر دیکھے۔ ③ تیسرا قول وہ ہے جو امام مالکؒ کی ایک روایت ہے کہ صفرۃ و کدرۃ مطلقاً حیض ہیں خواہ عادت کے اندر دیکھے یا اسکے پورا ہونے کے بعد، اور دوسری روایت امام مالکؒ کی مثل جمہور کے ہے، ④ یہاں پر ایک چوتھا قول وہ ہے جو حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ کدرۃ حیض ہے بشرطیکہ شروع میں اثر دم (اسود یا احمر) دیکھے ورنہ یہ محض ایک رطوبت ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

جمہور کی دلیل ابو داؤد کی حدیث الباب ہے، ابن حزمؒ کی دلیل بھی یہی حدیث الباب یعنی حدیث ام عطیہ ہے لیکن بروایت بخاری و نسائی، اسلئے کہ ان دونوں میں اس روایت کے الفاظ میں بَعْدَ الطُّهْرِ مذکور نہیں بس اس طرح ہے: كُنَّا لَا نَعُدُّ الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ شَيْئًا، اسی لئے امام نسائیؒ نے اس پر ترجمہ بھی مطلق ہی قائم کیا ہے[1]، جمہور کی طرف سے اسکا جواب یہ دیا جائیگا کہ

[1] صحیح البخاری - کتاب الحیض - باب الصفرۃ والکدرۃ فی غیر أیام الحیض ۳۲۰. سنن النسائی - کتاب الحیض والاستحاضۃ - باب الصفرۃ والکدرۃ ۳٦۸

ابو داؤد کی روایت میں بَعْدَ الطُّھْرِ کی زیادتی موجود ہے اسی لئے امام ابو داؤدؒ نے ترجمۃ الباب میں بھی یہ قید ذکر فرمائی ہے اور اسی طرح امام بخاریؒ نے بھی بخاری شریف میں ترجمۃ الباب ابو داؤد ہی کی روایت کے مطابق بَعْدَ الطُّھْرِ کی قید کے ساتھ قائم کیا ہے، لہٰذا ابن حزمؒ کیلئے اب اس سے استدلال کی گنجائش نہیں رہی، اور تیسرے قول کی دلیل بخاری شریف کی وہ مشہور حدیث ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں لاَ تَعْجَلْنَ حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ [1]، کیونکہ بظاہر اس حدیث عائشہؓ سے صفرۃ وکدرۃ کا مطلقاً حیض ہونا ثابت ہوتا ہے مدت حیض کی قید نہیں، اسکا جواب بھی حدیث ام عطیہؓ سے خود بخود نکل آیا کہ حدیث عائشہؓ کو محمول کیا جائیگا زمانہ حیض پر، لہٰذا اب حدیث عائشہؓ وحدیث ام عطیہؓ دونوں کو ملا کر حاصل یہ ہوا کہ صفرۃ وکدرۃ حیض ہیں قبل الطہر یعنی زمان حیض میں اور استحاضہ ہیں بَعْدَ الطُّھْرِ یعنی غیر ایام حیض میں۔

جاننا چاہئے کہ یہ اختلاف مذاہب کا بیان تو کلی طور پر تھا، پھر آگے اس میں مزید تفصیل ہے وہ یہ کہ عورت کے صفرۃ وکدرۃ کو مدت حیض میں دیکھنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ یہ دیکھنا عادت سے متجاوز ہو کر اکثر مدت حیض پر آکر منقطع ہو جائے، دوسرے یہ کہ اکثر مدت پر آکر منقطع نہ ہو بلکہ اس سے بھی متجاوز ہو جائے، حنفیہ کے یہاں اول صورت میں سب حیض ہے اور صورت ثانیہ میں مازاد علی العادۃ استحاضہ ہے اور یہی قول شافعیہ کا بھی ہے مگر فرق یہ ہے کہ ہمارے یہاں اکثر مدت حیض دس دن ہے اور انکے یہاں پندرہ دن، اور دوسرا قول شافعیہ کا یہ ہے کہ صفرۃ وکدرۃ ایام عادت میں تو حیض ہے اور مازاد علی العادۃ مطلقاً استحاضہ ہے۔

۱۱۹ ۔ بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ يَغْشَاهَا زَوْجُهَا

باب مستحاضہ عورت سے (استحاضہ کے دوران) اس کا شوہر جماع کر سکتا ہے

وطی مستحاضہ جمہور کے نزدیک جائز ہے اور ایک جماعت کے نزدیک ناجائز ہے جس میں ابراہیم نخعیؒ بھی ہیں اور یہی ایک روایت امام احمدؒ کی ہے، اور ابن سیرینؒ سے کراہت منقول ہے۔

۳۰۹ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: «كَانَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ تُسْتَحَاضُ فَكَانَ زَوْجُهَا يَغْشَاهَا» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَقَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ: مُعَلًّى ثِقَةٌ، وَكَانَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ لَا يَرْوِي عَنْهُ لِأَنَّهُ كَانَ يَنْظُرُ فِي الرَّأْيِ.

ترجمہ: عکرمہ کہتے ہیں حضرت ام حبیبہ کو استحاضہ کا خون آتا تھا اور ان کے شوہر (عبد الرحمن بن عوفؓ) ان سے استحاضہ کے دوران جماع کیا کرتے تھے۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں یحیٰی بن معین نے فرمایا کہ معلی راوی ثقہ ہے اور امام احمد بن

[1] صحیح البخاری - کتاب الحیض - باب إقبال المحیض وإدباره

حنبل ان سے روایت نقل نہیں کرتے تھے کیونکہ معلی راوی اجتہاد اور عقل اور قیاس سے کام لیا کرتے تھے۔

۳۱۰ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ الرَّازِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْجَهْمِ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ أَبِي قَيْسٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ، «أَنَّهَا كَانَتْ مُسْتَحَاضَةً وَكَانَ زَوْجُهَا يُجَامِعُهَا».

ترجمہ: عکرمہ کہتے ہیں حمنہ بنت جحش حالت استحاضہ میں ہوتی تھیں اور ان کے شوہر (طلحہ بن عبید اللہ) ان سے جماع کیا کرتے تھے۔

شرح الأحاديث: مصنف نے اس باب میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ذکر کی بلکہ اثر عکرمہ کو ذکر کیا وہ یہ کہ ام حبیبہ سے ان کے شوہر اور حمنہ سے ان کے شوہر بحالت استحاضہ وطی کرتے تھے، ام حبیبہ کے شوہر عبد الرحمن بن عوف ہیں اور حمنہ بنت جحش کے شوہر طلحہ بن عبید اللہ ہیں، اس مسئلہ میں فعل صحابی سے استدلال اس طور پر ہے کہ یہ ہر دو جلیل القدر صحابی جو کہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اس فعل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر جرأت نہیں کر سکتے تھے، خصوصاً جبکہ قربان حائض سے ممانعت بھی وارد ہے، دوسری بات یہ کہ منع کیلئے دلیل کی حاجت ہے اور اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نہی ثابت نہیں لیکن حضرت شیخ نے حاشیہ بذل میں لکھا ہے کہ اس سلسلہ کی بعض روایات جمع الفوائد [1] میں موجود ہیں۔

۱۲۰- بَابُ مَا جَاءَ فِي وَقْتِ النُّفَسَاءِ

نفاس والی عورتوں کے وقت کی تعیین کا بیان

اقل مدت نفاس میں عند الائمہ الاربعہ کوئی تحدید نہیں ہے، اکثر مدت میں اختلاف ہے، حنفیہ وحنابلہ کے یہاں چالیس روز ہے اور امام شافعی وامام مالک کے نزدیک ستون یوماً، اور ایک روایت میں امام شافعی سے سبعون یوماً مروی ہے اور امام ترمذی نے امام شافعی کا مسلک وہی لکھا ہے جو حنفیہ اور حنابلہ کا ہے لیکن کتب شافعیہ میں ستون یوماً مذکور ہے۔

۳۱۱ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، أَخْبَرَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، عَنْ أَبِي سَهْلٍ، عَنْ مُسَّةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: «كَانَتِ النُّفَسَاءُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْعُدُ بَعْدَ نِفَاسِهَا أَرْبَعِينَ يَوْمًا - أَوْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً - وَكُنَّا نَطْلِي عَلَى وُجُوهِنَا الْوَرْسَ - تَعْنِي - مِنَ الْكَلَفِ».

---

[1] جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد (كتاب الطهارة - باب الحيض ج ۱ ص ۱۴۹) میں اس سلسلہ میں دونوں طرح کی روایات ہیں جواز وعدم جواز۔ ہم اسکی عبارت بعینہ یہاں نقل کرتے ہیں: عائشة قالت: المستحاضة لا يأتيها زوجها. للدارمي (برقم ۹۰۱)، وله بلين عن إبراهيم النخعي قال: كان يقال: المستحاضة لا تجامع، ولا تصوم، ولا تمس المصحف، إنما رخص لها في الصلاة. وقال يزيد: يجامعها زوجها، ويحل لها ما يحل للطاهرة (برقم ۹۰۲)، وله عن ابن جبير، وقد سئل أيجامع المستحاضة، فقال الصلاة أعظم من الجماع (برقم ۹۰۳)، اسکے بعد اس میں ابو داؤد کے حوالہ سے اسی اثر عکرمہ کو ذکر کیا ہے، ام حبیبہ اور حمنہ کے بارے میں۔

ترجمہ: ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ عہد نبوی میں نفاس والی عورتیں اپنے نفاس کے شروع ہونے کے بعد چالیس دن یا چالیس راتوں تک (نماز سے) رکی رہتی تھیں اور ہم عورتیں اپنے چہروں پر جھائیوں کی وجہ سے ورس جڑی بوٹی لگایا کرتی تھیں۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (١٣٩) سنن أبي داود - الطهارة (٣١١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٤٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٠٠) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٠٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٠٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣١٠) سنن الدارمي - الطهارة (٩٥٥)

شرح الحدیث: اس سے معلوم ہوا کہ اکثر مدت نفاس چالیس دن ہے جیسا کہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، اور صحابی کا قول "كنا نفعل كذا في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم" بالا تفاق حدیث [1] مرفوع کے حکم میں ہے کما فی کتب الاصول اور یہاں تو یہ حدیث ایک اور لحاظ سے بھی مرفوع ہے وہ اس لئے کہ صحابیہ کی مراد یہ ہے کہ نفساء حضور ﷺ کی جانب سے اس بات کی مامور تھی کہ چالیس دن بیٹھے یہ مطلب نہیں کہ بیٹھتی تھی اور یہ مراد اس لئے ہے کہ حدیث کو اگر ظاہر پر رکھا جائے تو مضمون حدیث خلاف واقع ہو گا کیونکہ یہ مستبعد ہے کہ ایک زمانہ کی تمام عورتیں عادت نفاس میں متحد ہو جائیں یقیناً سب کو چالیس ہی روز نفاس آئے یقیناً اس میں عادت کے اعتبار سے عورتیں مختلف ہوتی ہیں کذا فی البذل عن الشوکانی [2]، اور یہی بات شیخ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں بھی لکھی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ بڑے بڑے حضرات تو یہی لکھ رہے ہیں لیکن مضمون کے خلاف واقع ہونے کی بات اس احقر کے کچھ سمجھ میں نہیں آرہی اسلئے کہ اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں نفساء زائد سے زائد چالیس روز بیٹھتی تھی اس میں کچھ بھی اشکال نہیں، اور اگر یہاں امر مقدر مانیں تب بھی یہی مطلب لینا پڑے گا کہ نفساء آپ ﷺ کی طرف سے مامور تھی اس بات کی کہ زائد سے زائد چالیس روز بیٹھے، اور اگر یہ مطلب لیا جائے کہ چالیس دن بیٹھتی تھی یا ہر نفساء چالیس دن بیٹھنے کی مامور تھی تب دونوں صورتوں میں اشکال ہو گا۔

فائدہ: مصنفؒ نے مدت نفاس کے بارے میں تو ترجمہ قائم کیا لیکن مدت حیض کے بارے میں کوئی ترجمہ نہیں قائم کیا اور نہ ہی اس کی کوئی حدیث ذکر کی بظاہر اسلئے کہ اسکے بارے میں کوئی حدیث ثابت ہی نہیں جیسا کہ ابن العربیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے (کذا فی ھامش البذل)۔

فائدہ ثانیہ: مصنفؒ نے غسل نفاس کے بارے میں ترجمہ قائم نہیں فرمایا اس لئے کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے، کما فی فيض السمائي فارجع إليه۔

---

[1] اور اس سلسلہ میں ایک حدیث سنن ابن ماجہ میں مرفوع صریح بھی ہے: عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «وَقَّتَ لِلنُّفَسَاءِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، إِلَّا أَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذَلِكَ» (سنن ابن ماجه - كتاب الطهارة وسننها - باب النفساء كم تجلس ٦٤٩)۔

[2] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ٣٨٧

وَكُنَّا[1] نَطْلِي عَلَى وُجُوهِنَا الْوَرْسَ - تَعْنِي - مِنَ الْكَلَفِ: کلف یعنی داغ ونشان عورت۔ کے چہرہ پر ولادت کی شدتِ تکلیف وغیرہ کی وجہ سے کچھ نشان سے پڑ جاتے ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ اس کے بارے میں کہہ رہی ہیں ہم اس کی تدبیر یہ کیا کرتی تھیں کہ ورس جو ایک مشہور گھاس ہے اس کو پیس کر نفساء اپنے چہرہ پر مل لیا کرتی تھی، جس سے وہ نشانات صاف ہو جاتے تھے۔

٣١٢ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ يَعْنِي حِبِّي، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي الْأَزْدِيَّةُ يَعْنِي مُسَّةَ قَالَتْ: حَجَجْتُ فَدَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ يَأْمُرُ النِّسَاءَ يَقْضِينَ صَلَاةَ الْمَحِيضِ فَقَالَتْ: «لَا يَقْضِينَ كَانَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْعُدُ فِي النِّفَاسِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً لَا يَأْمُرُهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَضَاءِ صَلَاةِ النِّفَاسِ» قَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ حَاتِمٍ: وَاسْمُهَا مُسَّةُ تُكْنَى أُمَّ بُسَّةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: كَثِيرُ بْنُ زِيَادٍ كُنْيَتُهُ أَبُو سَهْلٍ.

ترجمہ: حضرت مسہ الازدیہ کہتی ہیں کہ میں حج کیلئے گئی اور اس سفر کے دوران ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے عرض کیا: اے ام المؤمنین! سمرہ بن جندبؓ حائضہ عورتوں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ حیض کے زمانے کی نمازوں کو قضاء کیا کریں، حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ حائضہ عورتیں حیض کے زمانہ کی نمازوں کو قضاء نہیں کریں گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ اور رشتہ داروں کی عورتیں نفاس کیلئے چالیس دن تک نماز سے رکی رہتی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو نفاس کے زمانہ کی نمازوں کو قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا (تو زمانہ حیض کی نمازوں کی قضاء بطریق اولیٰ نہ ہوگی) محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ مسہ کی کنیت ام بسہ ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کثیر بن زیاد کی کنیت ابوسہل ہے۔

تخریج: جامع الترمذي - الطهارة (١٣٩) سنن أبي داود - الطهارة (٣١٢) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٤٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٠٠) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٠٣) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٠٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣١٠) سنن الدارمي - الطهارة (٩٥٥)

شرح الحدیث: حضرت سمرہ بن جندبؓ غالباً اپنے قیاس واجتہاد سے عورتوں کو زمانہ حیض کی نمازوں کی قضاء کا حکم دیا کرتے تھے، حضرت ام سلمہؓ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا آپ ﷺ زمانہ نفاس کی نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں فرمایا کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ جب زمانہ نفاس کی نمازوں کی قضاء نہیں تو زمانہ حیض کی نمازوں کی قضاء بطریق اولیٰ نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں حرج زائد ہے، کیونکہ حیض، نفاس کے مقابلہ میں بہت زائد کثیر الوقوع ہے تو جب دفع حرج کیلئے وہاں قضاء نہیں تو یہاں بطریق اولیٰ نہ ہوگی۔

[1] یہ طلاء یطلی مجرد سے بھی ہو سکتا ہے اور نطّلی بتشدید الطاء باب افتعال سے بھی ہو سکتا ہے، یہ دو احتمال علامہ سندھیؒ نے حاشیۂ نسائی میں قول ابن عمر: لان اصبح مطلیاً بقطران کے ذیل میں لکھے ہیں۔

۱۲۱۔ بَابُ الاغْتِسَالِ مِنَ الْحَيْضِ

حیض سے فارغ ہونے کے بعد غسل کرنے کی کیفیت کا بیان

اس باب سے مقصود غسل حیض کی کیفیت کو بیان کرنا ہے جیسا کہ اس سے پہلے شروع میں غسل جنابت کی کیفیت کو بیان کیا تھا غسل چاہے جنابت کیلئے ہو یا حیض کیلئے دونوں کا طریقہ تو ایک ہی ہے لیکن غسل حیض کے بارے میں روایات میں بعض ایسی چیزیں آتی ہیں جن کا تعلق خاص حیض ہی سے ہے، مثلاً فرصۂ ممسکہ وغیرہ کا ذکر جو آگے روایت میں آرہا ہے اس لئے اس کو الگ بیان کیا جاتا ہے۔

۳۱۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا سَلَمَةُ يَعْنِي ابْنَ الْفَضْلِ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ إِسْحَاقَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ سُحَيْمٍ، عَنْ أُمَيَّةَ بِنْتِ أَبِي الصَّلْتِ، عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي غِفَارٍ قَدْ سَمَّاهَا لِي قَالَتْ: أَرْدَفَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَقِيبَةِ رَحْلِهِ قَالَتْ: فَوَاللهِ، لَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصُّبْحِ. فَأَنَاخَ وَنَزَلْتُ عَنْ حَقِيبَةِ رَحْلِهِ. فَإِذَا بِهَا دَمٌ مِنِّي فَكَانَتْ أَوَّلَ حَيْضَةٍ حِضْتُهَا قَالَتْ: فَتَقَبَّضْتُ إِلَى النَّاقَةِ وَاسْتَحْيَيْتُ. فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بِي وَرَأَى الدَّمَ قَالَ: «مَا لَكِ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ؟» قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: «فَأَصْلِحِي مِنْ نَفْسِكِ، ثُمَّ خُذِي إِنَاءً مِنْ مَاءٍ، فَاطْرَحِي فِيهِ مِلْحًا، ثُمَّ اغْسِلِي مَا أَصَابَ الْحَقِيبَةَ مِنَ الدَّمِ. ثُمَّ عُودِي لِمَرْكَبِكِ». قَالَتْ: فَلَمَّا فَتَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ رَضَخَ لَنَا مِنَ الْفَيْءِ قَالَتْ: وَكَانَتْ لَا تَطَّهَّرُ مِنْ حَيْضَةٍ إِلَّا جَعَلَتْ فِي طَهُورِهَا مِلْحًا، وَأَوْصَتْ بِهِ أَنْ يُجْعَلَ فِي غُسْلِهَا حِينَ مَاتَتْ.

ترجمہ: بنی غفار قبیلہ کی ایک خاتون سے مروی ہے، راوی کہتا ہے کہ میرے استاد نے مجھے ان کا نام بتایا تھا لیکن میں بھول گیا وہ خاتون کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پالان کی پچھلی لکڑی پر مجھے اپنی سواری میں سوار کیا یہ خاتون کہتی ہیں کہ خدا کی قسم حضور ﷺ نے ساری رات سفر فرما کر صبح کے قریب کسی مقام پر پڑاؤ ڈالا اور اپنی سواری کو بٹھایا۔ میں آپ کے پالان کے پیچھے کی لکڑی سے نیچے اتری تو اس لکڑی پر میرا خون لگا تھا اور یہ مجھے پہلا حیض آیا تھا چنانچہ میں (عورتوں کی عادت کے مطابق) اونٹنی کے پاس سکڑ کر کھڑی ہو گئی اور شرم کے مارے پانی پانی ہونے لگی۔ جب جناب رسول اللہ ﷺ نے میری اس کیفیت کو دیکھا اور آپ نے اس خون کو دیکھا جو پالان کی لکڑی پر لگ گیا تھا تو فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم حیض سے ہو گئی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اپنے کپڑے درست کر لو (تاکہ حیض کا خون مزید نہ پھیلے) پھر پانی سے بھرا ایک برتن لو اور اس میں نمک ڈالو پھر اس پالان کی لکڑی پر لگا ہوا خون دھو دو پھر اپنی سواری پر لوٹ جاؤ۔ یہ خاتون کہتی ہیں جب اللہ پاک نے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں خیبر کی زمین کو فتح فرمایا تو آپ نے ہمیں مال غنیمت میں کچھ تھوڑا سا حصہ عطا فرمایا۔ امیہ راویہ کہتی ہیں کہ یہ خاتون جب بھی حیض سے پاکی کے بعد غسل کرتیں تو اس غسل کیلئے استعمال کئے جانے والے پانی میں نمک ڈالتی تھیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے وصیت کی کہ جس پانی سے انہیں مرنے کے بعد

غسل دیا جائے تو اس میں بھی نمک ڈالا جائے۔

شرح الحدیث قوله: عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي غِفَارٍ الخ: کہا گیا ہے ان کا نام لیلی ہے اور یہ ابوذر غفاریؓ کی بیوی ہیں، مضمون حدیث یہ ہے کہ وہ اپنے کسی سفر کا حال بیان کر رہی ہیں غالباً یہ سفر غزوۂ خیبر کے لئے تھا جیسا کہ آخر حدیث سے معلوم ہو رہا ہے، وہ کہتی ہیں کہ سفر میں حضور ﷺ نے مجھے حقیبۂ رحل یعنی پالان کے پیچھے کی لکڑی پر ردیف بنالیا اور (یہ قافلہ جس میں آپ ﷺ بھی تھے رات بھر چلتا رہا یہاں تک کہ) صبح کے قریب کسی منزل پر پہنچ کر آپ ﷺ نے نزول فرمایا اور میں بھی اپنی جگہ پر سے اتری، تو میں نے دیکھا کہ وہاں خون کا دھبہ لگ رہا ہے اور یہ مجھے پہلی مرتبہ حیض آیا تھا، وہ کہتی ہیں اس کو دیکھ کر میں وہاں سکڑ گئی اور شرما گئی، جب حضور ﷺ نے میری کیفیت دیکھی اور اس دم پر بھی آپ کی نظر پڑی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ شاید تجھ کو حیض آگیا ہے میں نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا اپنے کپڑے درست کر لے تا کہ حیض کا خون منتشر نہ ہو، اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا تھوڑا پانی لیکر اس میں نمک ملاؤ اور حقیبۂ رحل کو جس پر خون لگ گیا ہے اس سے دھو دو پھر اپنی سواری پر لوٹ جاؤ، آگے راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ان کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ جب بھی غسل حیض کرتی تھیں تو غسل کے پانی میں نمک ملالیا کرتی تھیں، بلکہ یہاں تک اس کا اہتمام ہوا کہ وصیت کی کہ مرنے کے بعد جب مجھ کو غسل دیا جائے اس پانی میں بھی نمک ملایا جائے۔

اس حدیث میں غسل حیض کی کوئی خاص کیفیت تو مذکور نہیں نہ جانے مصنفؒ نے سب سے پہلے اسی روایت کو کیوں [1] ذکر کیا، ہاں البتہ اس حدیث سے ایک مسئلہ اور معلوم ہو رہا ہے یعنی ماء مخلوط بشئ طاہر سے غسل کا جواز جو بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِخِطْمِيٍّ أَيُجْزِئُهُ ذٰلِكَ میں تفصیل سے گزر چکا۔

قوله: قَالَتْ: فَلَمَّا فَتَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ: آپ ﷺ سفر غزوات میں گاہے عورتوں کو بھی ساتھ لے جاتے تھے، لیکن یہ لے جانا قتال کیلئے نہیں ہوتا تھا بلکہ دوسری خدمات کیلئے مجروحین کی مرہم پٹی اور تیمارداری کیلئے، اور اس قسم کی عورتوں کو باقاعدہ سہم غنیمت تو نہیں دیا جاتا تھا، البتہ انعام کے طور پر کوئی معمولی سی چیز مال غنیمت میں سے دے دی جاتی تھی جس کو رضخ کہتے ہیں، فئی سے مراد یہاں مال غنیمت ہے، ویسے مشہور یہ ہے کہ فئی وہ مال ہے جو کفار سے حاصل ہو بغیر قتال کے اور جو حاصل ہو قتال سے اس کو غنیمت کہتے ہیں، یہ چیزیں کتاب الجہاد میں آئیں گی۔

٣١٤ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، أَخْبَرَنَا سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُهَاجِرٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَتْ أَسْمَاءُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ تَغْتَسِلُ إِحْدَانَا إِذَا طَهُرَتْ مِنَ

---

[1] ممکن ہے مصنفؒ کو ان صحابیہ کی یہ ادا بہت پسند آئی ہو کہ حدیث پر عمل میں اس قدر اہتمام، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اس حدیث کا جو مرفوع حصہ ہے اس میں تو اغتسال حائض ہی مذکور نہیں بلکہ غسل دم حیض مذکور ہے البتہ فعل صحابیہ غسل حیض سے متعلق ہے، ١٢۔

الْمَحِيضِ؟ قَالَ: «تَأْخُذُ سِدْرَهَا وَمَاءَهَا فَتَوَضَّأُ، ثُمَّ تَغْسِلُ رَأْسَهَا، وَتَدْلُكُهُ حَتَّى يَبْلُغَ الْمَاءُ أُصُولَ شَعْرِهَا، ثُمَّ تُفِيضُ عَلَى جَسَدِهَا، ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَتَهَا فَتَطَهَّرُ بِهَا» قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا. قَالَتْ: عَائِشَةُ فَعَرَفْتُ الَّذِي يَكْنِي عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهَا: تَتَبَّعِينَ بِهَا آثَارَ الدَّمِ.

ترجمہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت اسماءؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب ہم میں سے کوئی عورت حیض سے پاک ہو جائے تو وہ پاکی کا غسل کیسے کرے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ عورت بیری ملے ہوئے (بیری ڈال کر جوش دیے ہوئے) پانی کو لے کر اس سے وضو کرے پھر اپنے سر کو دھوئے اور سر کو رگڑے یہاں تک کہ پانی اس کے بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہائے پھر اپنی روئی کے ٹکڑے کو لے کر اس سے پاکی حاصل کرے (کہ اسکو اپنی فرج میں رکھے)۔ حضرت اسماءؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس روئی کے ٹکڑے سے کس طرح صفائی اور پاکی حاصل کروں؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جو بات کنایۃً فرمارہے تھے میں سمجھ گئی تو میں نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ تم اس روئی یا اُون کے پھایہ کو لے کر ان تمام جگہوں کو صاف کرو جہاں خون کے دھبے لگے ہوں۔

۳۱۵ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُهَاجِرٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ نِسَاءَ الْأَنْصَارِ، فَأَثْنَتْ عَلَيْهِنَّ وَقَالَتْ لَهُنَّ: مَعْرُوفًا، وَقَالَتْ: دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ مَعْنَاهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ «فِرْصَةً مُمَسَّكَةً». قَالَ مُسَدَّدٌ: كَانَ أَبُو عَوَانَةَ يَقُولُ: «فِرْصَةً». وَكَانَ أَبُو الْأَحْوَصِ يَقُولُ: «قَرْصَةً».

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے انصاری خواتین کا تذکرہ کیا اور ان کی تعریف کی اور ان کی خوبی بیان فرمائی چنانچہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا انصار کی خواتین میں سے ایک خاتون آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس کے بعد گزشتہ حدیث والا واقعہ ذکر کیا البتہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسا پھایہ جس میں مشک کی خوشبو بسائی گئی ہو لے کر صفائی حاصل کرو۔ مسدد استاد کہتے ہیں کہ ابو عوانہ نے فرصة (فاء کے ساتھ) فرمایا اور ابوالاحوص نے قرصة (ق کے ساتھ) فرمایا (قرصة قاف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی چٹکی کے ہیں اب مطلب ہوگا کہ چٹکی کے بقدر جو چھوٹے چھوٹے خون کے دھبے لگ جاتے ہیں ان کو صاف کرو۔

۳۱۶ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ، أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ يَعْنِي ابْنَ مُهَاجِرٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أَسْمَاءَ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ: «فِرْصَةً مُمَسَّكَةً». قَالَتْ: كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ:

«سُبْحَانَ اللهِ تَطَهَّرِي بِهَا وَاسْتَتِرِي [1] بِثَوْبٍ» . وَزَادَ وَسَأَلَتْهُ عَنِ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقَالَ: «تَأْخُذِينَ مَاءَكِ فَتَطَّهَّرِينَ أَحْسَنَ الطُّهُورِ وَأَبْلَغَهُ، ثُمَّ تَصُبِّينَ عَلَى رَأْسِكِ الْمَاءَ، ثُمَّ تَدْلُكِينَهُ حَتَّى يَبْلُغَ شُؤُونَ رَأْسِكِ، ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَيْكِ الْمَاءَ» قَالَ: وَقَالَتْ عَائِشَةُ: «نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَسْأَلْنَ عَنِ الدِّينِ، وَأَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِيهِ».

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت اسماءؓ نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا اسکے بعد گزشتہ حدیث کی طرح واقعہ ہے۔ شعبہ استاد نے یہ اضافہ فرمایا کہ ایسا پھایہ جس میں خوشبو بسائی گئی ہو اور اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ حضرت اسماءؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس روئی کے پھایہ سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ تم اس پھایہ سے صفائی اور پاکی حاصل کرو اور آپ ﷺ نے شرماتے ہوئے اپنے اوپر کپڑا ڈال لیا۔ اس روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ حضرت اسماءؓ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے غسل جنابت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے پانی کو لے کر بہترین اور کامل ترین طریقے سے طہارت حاصل کرو (یعنی وضو اور استنجاء کرو) پھر اپنے سر پر پانی بہاؤ، پھر اپنے سر کو ملو یہاں تک کہ پانی تمہارے سر کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر تم اپنے اوپر پانی بہاؤ..... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں کتنی اچھی عورتیں ہیں کہ دینی مسائل سیکھنے اور ان مسائل کے سمجھنے میں ان کو شرم وحیاء مانع نہیں ہوتی۔

تخریج صحيح البخاري – الحيض (٣٠٨) صحيح البخاري – الحيض (٣٠٩) صحيح البخاري – الاعتصام بالكتاب والسنة (٦٩٢٤) صحيح مسلم – الحيض (٣٣٢) سنن النسائي – الطهارة (٢٥١) سنن النسائي – الغسل والتيمم (٤٢٧) سنن أبي داود – الطهارة (٣١٤) سنن ابن ماجه – الطهارة وسننها (٦٤٢) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (١٢٢/٦) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (١٤٨/٦) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (١٨٨/٦) سنن الدارمي – الطهارة (٧٧٣)

شرح الأحاديث قولہ: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَتْ أَسْمَاءُ الخ: یہ اسماء بنت شکل ہیں جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے بخاری میں بھی یہ حدیث ہے اس میں "دخلت امرأة" بلا تعیین ہے حافظ کہتے ہیں خطیب نے مبہمات میں اس روایت کو ذکر کیا اس میں بجائے اسماء بنت شکل کے اسماء بنت یزید بن السکن ہے دمیاطی وغیرہ بعض محدثین نے مسلم کی روایت کو تصحیف قرار دیا ہے اس لئے کہ انصار میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کا نام شکل ہو، حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ہو سکتا ہے شکل ان کا لقب ہو اور نام یزید ہو بلکہ حافظ کہتے ہیں زیادہ تر مشہور کتابوں میں اسماء بنت شکل ہی ہے یا اسماء بغیر نسب کے جیسا کے ابو داؤد میں ہے [2]۔

قولہ: ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَتَهَا فَتَطَّهَّرُ بِهَا: یعنی آپ نے فرمایا کہ حائضہ کو چاہئے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد مزید

---

[1] یہاں اختلاف نسخ ہے، محی الدین عبد الحمید کے نسخہ میں واستتري ہے اور شیخ عوامہؒ کے نسخہ میں واستتر ہے (کتاب السنن – ج ۱ ص ۳۰۵)۔

[2] فتح الباري شرح صحيح البخاري – ج ۱ ص ٤١٥

نظافت وطہارت حاصل کرے، فرصۃ کی فاء میں تینوں حرکات پڑھی گئی ہیں اس کے معنی ہیں روئی یا اون کا قطعہ یعنی پھایہ، یہاں اس سے مراد مشک آلود پھایہ ہے جیسا کہ اگلی روایت میں ہے فِرْصَةً مُمَسَّكَةً، اور بعض روایات میں ہے من مسك [1]، مطلب یہ ہے کہ کسی پھایہ پر مشک لگا کر رائحہ کریہہ زائل کرنے کیلئے اس کو اپنی فرج میں رکھے اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ فرج کے علاوہ جہاں جہاں خون کا اثر ہو وہاں اس کو لگا کر پھر فرج میں رکھے، چنانچہ اس سے اگلی روایت میں تَتَبَّعِينَ بِهَا آثَارَ الدَّمِ آرہا ہے بعض روایات میں فِرْصَةً کے بجائے قَرْصَةً قاف کے ساتھ ہے اور بعض نے اس کو قَرْضَةً قاف اور ضاد کے ساتھ ضبط کیا ہے تو گویا اس میں تین روایتیں ہو گئیں فِرْصَةٌ، قَرْصَةٌ، قَرْضَةٌ، مراد سب سے ایک ہی ہے۔

ہم نے ابھی کہا تھا کہ بعض روایات میں من مسك ہے مشہور تو یہ ہے کہ مسک بکسر المیم ہے جو کہ معروف خوشبو ہے، اور بعض نے اس کو مَسَك بفتح المیم پڑھا ہے اور مسک چمڑے کو کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ مشک تو بڑی گراں چیز ہے اور حضرات صحابہ عام حالات میں عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے لہذا مطلب یہ ہے کہ چمڑے کا ٹکڑا لے کر بدن کے جس جس حصہ پر خون کا اثر ہو اس سے رگڑ دے اور جن لوگوں نے اس کو مسک پڑھا ان کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے فِرْصَةً مُمَسَّكَةً (وہ پھایہ جس میں مسک کی خوشبو بسائی گئی ہو) دوسرے فریق نے اس کا جواب دیا کہ ہو سکتا ہے یہ لفظ ممسکۃ ہو امساک بالید سے اس صورت میں معنی ہوں گے وہ پھایہ جس کو ہاتھ میں پکڑا گیا ہو لیکن یہ معنی رکیک اور خلاف ظاہر ہیں، امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ مسک بکسر المیم زیادہ صحیح ہے، اور عسرت وحاجت والی بات بس ایسی ہی ہے، عرب لوگ بڑے فراخ دل تھے خصوصاً استعمال طیب کے معاملہ میں۔

نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ استعمال مشک میں حکمت کیا ہے اس میں دو قول ہیں بعض نے کہا رائحہ کریہہ کے ازالہ کیلئے اور بعض نے کہا اس لئے کہ مشک کا استعمال فرج میں اسرع الی الحبل ہے اس سے استقرار حمل جلد ہوتا ہے لیکن امام نوویؒ نے اس قول کی تردید فرمائی ہے، حضرت شیخ فرماتے تھے کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں لاحول ولا قوۃ کہاں پہنچ گئے۔

قولہ: فَأَثْنَتْ عَلَيْهِنَّ الخ: حضرت عائشہؓ نے انصاری عورتوں کا ذکر کیا اور ان کی تعریف ومدح کی، مدح کے الفاظ اگلی روایت میں آرہے ہیں نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ، یعنی انصاری عورتیں کیسی اچھی ہیں ان کو دین سیکھنے اور مسائل معلوم کرنے سے حیاء مانع نہ ہوتی تھی۔

طہارتِ مائیہ جو کہ اصل ہے اس کا بیان پورا ہوا۔ الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔

---

[1] صحیح مسلم - کتاب الحیض - باب استحباب استعمال المغتسلة من الحیض فرصة ۳۳۲

١٢٢۔ بَابُ التَّيَمُّمِ

باب تیمم کے بارے میں

اس باب سے مصنفؒ کا مقصود مشروعیت تیمم اور صفت تیمم دونوں ہی کو بیان کرنا ہے چنانچہ باب کی حدیث اول سے مشروعیت اور اس کے مابعد کی روایات سے صفت تیمم کو بیان کیا۔

تیمم سے متعلق مباحث عشرہ: یہاں پر ہمیں مندرجہ ذیل امور بیان کرنے ہیں: ① المناسبة بما قبله، ② معنى التيمم لغةً وشرعاً، ③ متى شرع التيمم، ④ طهارة مطلقةٌ أو ضرورية، ⑤ رخصة أو عزيمة، ⑥ هل التيمم من خصائص هذه الأمة، ⑦ مايجوز به التيمم، ⑧ اختلاف الائمة في كيفية التيمم، ⑨ دلائل الفريقين اور حدیث عمار جو کہ اس باب میں اصل ہے اس پر کلام، ⑩ هل يجوز التيمم للجنابة۔

بحث اول (المناسبة بما قبله): مصنفؒ جب طہارتِ مائیہ صغری و کبری یعنی وضو اور غسل اور ان کے متعلقات کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے طہارتِ ترابیہ کو شروع کر رہے ہیں جو کہ طہارت مائیہ کا نائب اور اس کا بدل ہے اور نائب مؤخر ہوا کرتا ہے اصل سے۔

بحث ثانی (معنى التيمم لغةً وشرعاً): تیمم کے لغوی معنی قصد کے ہیں اور حج کے معنی بھی قصد کے ہیں لیکن اس میں معظم و محترم کی قید ہے یعنی کسی معظم و محترم چیز کا قصد کرنا اور تیمم کے معنی شرعی ہیں پاک مٹی کو قاعدہ شرعی کے مطابق استعمال کرنا طہارت [1] کی نیت سے، ابن رسلانؒ کہتے ہیں چونکہ تیمم کے لغوی معنی ہی قصد کے ہیں اس لئے فقہاء امصار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تیمم میں نیت واجب ہے گو وضو میں اختلاف ہے اس لئے کہ ہر اصطلاحی معنی میں لغوی معنی ملحوظ ہوا کرتے ہیں، البتہ امام اوزاعیؒ سے اس میں اختلاف منقول ہے کہ ان کے نزدیک تیمم میں نیت ضروری نہیں اور اسی طرح صاحب ہدایہ نے اس میں امام زفرؒ کا اور ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں حسن بن حی کا بھی اختلاف لکھا ہے۔

بحث ثالث (متى شرع التيمم): جاننا چاہئے کہ جس طرح افک عائشہ کے قصہ کی بناء فقدِ عِقد (ہار کا گم ہونا) ہے

---

[1] فی نفسہ تیمم تو مطلق طہارت کی نیت سے صحیح ہو جاتا ہے لیکن اسکے ذریعہ سے ادائے صلوۃ یہ امر آخر ہے اس میں تفصیل اور اختلاف ہے طرفین کے نزدیک تیمم کے ذریعہ صحت صلوۃ اس پر موقوف ہے کہ وہ تیمم ایسی عبادت مقصودہ کیلئے کیا گیا ہو جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہو، مثلاً صلوۃ جنازہ اور سجدۂ تلاوت، اور اگر ایسی عبادت مقصودہ ہے جو بغیر طہارت کے صحیح ہو جاتی ہے، جیسے اسلام لانا تو اس تیمم سے نماز صحیح نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو تیمم عبادت مقصودہ کیلئے کیا گیا ہو عام اس سے کہ وہ بغیر طہارت کے صحیح ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو اس سے ادائے صلوۃ جائز ہے اور جو تیمم قربت غیر مقصودہ کیلئے کیا گیا ہو جیسے دخول مسجد اور مس مصحف اس تیمم سے بالاتفاق ادائے صلوۃ جائز نہیں، نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ اس بحث میں مقصودہ و غیر مقصودہ کا بھی ایک خاص مفہوم ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے شرح وقایہ کے حاشیہ میں بھی لکھی ہے۔

اسی طرح مشروعیت تیمم کا سبب بھی یہی ہار کا گم ہونا ہے، افک کا واقعہ بالاتفاق غزوۂ مریسیع میں پیش آیا جس کو غزوۂ بنو المصطلق بھی کہتے ہیں اور ایک بڑی جماعت جن میں ابن عبد البرؒ، ابن سعدؒ، ابن حبانؒ بھی ہیں ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ آیت تیمم کا نزول بھی اسی غزوہ میں ہوا، اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ قصۂ افک پیش آنے کے بعد ایک دوسرے سفر میں دوبارہ ہار گم ہوا اور اس پر آیت تیمم کا نزول ہوا، چنانچہ طبرانی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ واقعہ افک پیش آنے کے بعد میں حضور ﷺ کے ایک ساتھ دوسرے غزوہ میں شریک ہوئی اس میں تیمم کا نزول ہوا، لیکن اس روایت میں اس سفر کا نام مذکور نہیں ہے، حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد میں فرماتے ہیں وھذا ھو الظاھر، اور ایسے ہی حافظ ابن حجرؒ کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، حافظؒ نے بعض علماء سے آیت تیمم کا نزول غزوۂ ذات الرقاع میں ہونا نقل کیا ہے ہو سکتا ہے وہ دوسرا غزوہ یہی ہو جس کو حضرت عائشہؓ فرمارہی ہیں لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ذات الرقاع مقدم ہے یا بنو المصطلق، قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ آیت تیمم کا نزول ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا، اور تاریخ خمیس میں ۵ھ لکھا ہے اور ابن الجوزیؒ نے التلقیح میں ۴ھ لکھا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بحث رابع (طهارة مطلقة أو ضرورية): تیمم حنفیہ کے نزدیک طہارتِ مطلقہ (کاملہ) ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طہارتِ ضروریہ ہے، اسی لئے ہمارے یہاں تیمم...... دخول وقت صلوۃ سے پہلے بھی کر سکتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں دخول وقت صلوۃ سے پہلے تیمم جائز نہیں اس لئے کہ ضرورت کا تحقق وقت کے بعد ہی ہوتا ہے، نیز ان کے یہاں خروج وقت سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے نیز امام احمدؒ کے نزدیک وقت کے اندر اندر تیمم واحد سے متعدد نمازیں قضاء واداء پڑھ سکتے ہیں اور شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک ہر فرض نماز کیلئے مستقل تیمم ضروری ہے "ولو في وقتٍ واحدٍ" البتہ نوافل ان دونوں کے یہاں فرائض کے تابع ہیں، شافعیہ کے یہاں نوافل قبلیہ وبعدیہ دونوں، مالکیہ کے یہاں صرف بعدیہ۔

بحث خامس (رخصة أو عزيمة): اس میں تین قول ہیں: ① عزیمت ہے مطلقاً، ② رخصت ہے مطلقاً، ③ تیسرا قول یہ ہے کہ عند عدم الماء عزیمت ہے، اور پانی کے ہوتے ہوئے مرض وغیرہ کی وجہ سے رخصت ہے۔

بحث سادس (هل التيمم من خصائص هذه الأمة): تیمم اس امت کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں اسکی تصریح ہے أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي اور اس کے اخیر میں ہے وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا[1]۔

بحث سابع (ما يجوز به التيمم): قرآن پاک میں حکم ہے کہ صعید طیب سے تیمم کیا جائے لہذا صعید طیب سے بالاجماع جائز ہے لیکن صعید طیب کی تفسیر میں اختلاف ہے امام شافعیؒ وامام احمدؒ نے اسکی تفسیر صرف تراب کے ساتھ کی ہے لہذا

---

[1] صحيح البخاري - كتاب التيمم ٣٢٨، صحيح مسلم - كتاب المساجد ومواضع الصلاة - باب جعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً ٥٢١

ان کے یہاں تیمم صرف تراب سے کر سکتے ہیں، نیز ان دونوں کے نزدیک تراب ذی غبار ہونی چاہئے "تعلق الغبار بالید" ضروری ہے، کتب شافعیہ وحنابلہ میں اس کی تصریح ہے اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کے نزدیک بھی علی القول الأصح تیمم تراب کے ساتھ خاص ہے، اور امام ابو حنیفہؒ وامام مالکؒ کے نزدیک صعید کا مصداق وجہ الأرض (روئے زمین) ہے، لہٰذا تیمم تراب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ "کل ماکان من جنس الأرض" سے جائز ہے، اور جنس الارض سے مراد یہ ہے کہ جو چیز آگ پر گرم کرنے سے نہ پگھلے اور جلانے سے راکھ نہ ہو جیسے جص، نورہ، زرنیخ، حجر وغیرہ، اور بعض مالکیہ کے نزدیک اس میں مزید عموم ہے وہ یہ کہ "ما اتصل بالأرض" سے بھی جائز ہے جیسے نبات بشرطیکہ مقلوع نہ ہو نیز وقت میں تنگی ہو اور دوسری کوئی چیز سامنے نہ ہو (ذکرہ صاحب المنہل)

بحث ثامن (اختلاف الائمة فی کیفیة التیمم): کیفیت تیمم میں اختلاف ائمہ۔ جاننا چاہئے کہ یہاں پر اختلاف دو جگہ ہے، ① ایک عدد ضربات، ② دوسرے مقدار یدین میں، امام احمدؒ، اسحق بن راہویہؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کے نزدیک تیمم کے لئے ضربہ واحدہ ہے، اور حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک ضربتین ہیں اور مالکیہ کے یہاں دونوں روایتیں ہیں مثل المذہبین، اور تیسری روایت امام مالکؒ کی یہ ہے کہ ضربہ واحدہ فرض اور ثانیہ سنت اور یہی ان کا راجح قول ہے اسی کو مختصر خلیل وغیرہ کتب مالکیہ میں اختیار کیا گیا ہے، اور مقدار یدین میں اختلاف یہ ہے کہ امام احمدؒ کے نزدیک مسح صرف الی الکوعین (کفین) ہے اور حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک الی المرفقین، اور امام مالکؒ سے دونوں روایتیں ہیں، اور تیسری روایت ان سے یہ ہے کہ مسح الی الکفین فرض ہے اور إلی المرفقین سنت، لیکن کتب مالکیہ میں إلی المرفقین ہی لکھا ہے اور امام مالکؒ کی مؤطا اور مدونۃ کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے لہٰذا راجح قول کی بناء پر مالکیہ اس مسئلہ میں حنفیہ وشافعیہ کے ساتھ ہوئے اور عدد ضربات میں راجح قول کی بناء پر وہ امام احمدؒ کے ساتھ ہیں۔

بحث تاسع (دلائل الفریقین): جاننا چاہئے کہ امام بخاریؒ نے ان دونوں مسئلوں میں حنابلہ اور جمہور اہل حدیث کے مسلک کے مطابق باب قائم کئے ہیں بَابُ التَّيَمُّمُ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ اور بَابُ التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ، پھر اسی کے مطابق روایات لائے ہیں اور امام مسلمؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہے، اور وہ روایات جو تعدد ضربہ اور مسح الی المرفقین پر دال ہیں وہ غیر صحیحین اور سنن کی روایات ہیں، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں ان کو تفصیل کے ساتھ مع سند وحوالہ کتب کے درج فرمایا ہے جو متعدد صحابہ سے مروی ہیں، حضرتؒ فرماتے ہیں یہ روایات اگرچہ قوت وصحت میں صحیحین کی روایات کے مثل نہیں ہیں تاہم ان کے ضعف کا انجبار تعدد طرق اور موافقت قیاس سے ہورہا ہے یعنی "قیاس الفرع بالاصل" وہ اس طور پر کہ وضو جو کہ تیمم کی اصل ہے اس میں ایک ہی پانی کو دو عضو میں استعمال کرنا جائز نہیں لہٰذا تیمم میں بھی ایک ہی تراب کو دو عضو میں استعمال کرنا جائز نہ ہونا چاہئے اور اسی طرح وضو میں غسل یدین الی المرفقین ہے لہٰذا تیمم میں بھی مسح یدین الی المرفقین ہونا چاہئے، نیز حضرت نے تحریر فرمایا

ہے کہ جن روایات میں صرف ضربہ واحد مذکور ہے یا مطلق ضرب ہے وہ مافوق کی نفی پر دلالت نہیں کرتیں مگر بطریق مفہوم مخالف کے اور استدلال بالمفہوم کے حنفیہ قائل نہیں لہذا روایات دالة علی وحدة الضربة کو روایات مثبتة للضربتین کے معارض نہیں کہا جاسکتا۔

اسکے بعد جاننا چاہئے کہ امام ابوداؤد نے بَابُ التَّيَمُّمِ مطلق قائم کیا ہے جس میں نہ ضربہ واحدہ کی قید ہے نہ ضربتین کی، اسی طرح نہ کفین کی نہ الی المرفقین کی، اسی لئے مصنفؒ نے اس باب میں ضربة واحدة، ضربتین الی الکفین، الی المرفقین، الی الذراعین حتی کہ الی المنکبین سب طرح کی روایات ذکر کی ہیں۔

حدیث عمار کا اضطراب: اور یہ سب اختلاف حدیث عمارؓ ہی کے مختلف طرق میں موجود ہیں اسی لئے امام طحاویؒ وغیرہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں حدیث عمارؓ قابل استدلال نہیں، امام ترمذیؒ نے بھی لکھا ہے کہ اسی اختلاف کی بناء پر بعض اہل علم نے حدیث عمار کی تضعیف کی ہے [1]۔

حدیث عمار باوجود اضطراب کے صحیحین میں: امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حدیث عمار کو صرف ان طرق سے لیا ہے جس میں ضربہ واحدہ اور کفین مذکور ہے بندہ کو اس سلسلہ میں ایک خلجان رہا ہے وہ یہ کہ اس حدیث عمار میں جب اتنا شدید اضطراب ہے تو پھر امام بخاریؒ وامام مسلمؒ نے اس کو اپنی صحیحین میں کیسے جگہ دی؟ یہ تو الگ بات ہے کہ ان حضرات نے صرف ان طرق کو لیا جن میں ضربہ واحدہ اور کفین مذکور ہے مگر صرف ان طرق کو اختیار کرنے سے دوسرے طرق تو کالعدم نہیں ہوسکتے، اس کا صحیح جواب تو بڑے حضرات دیں گے میرے غور کرنے سے ایک بات سمجھ میں آئی وہ یہ کہ دراصل حدیث عمار دو ہیں، ایک وہ جس میں ابتداء تیمم اور اسکی مشروعیت کا ذکر ہے جس میں وہ فرماتے ہیں ہم نے نزول تیمم کے بعد حضور ﷺ کے ساتھ تیمم کیا، اور دوسری حدیث عمار وہ ہے جسکو انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا جو تیمم جنب کے سلسلہ میں ہے، زیادہ تر اختلاف واضطراب جس کا اوپر ذکر آیا عمار کی حدیث اول میں ہے اسی لئے حضرات شیخین نے اسکو نہیں لیا اور عمار کی وہ حدیث ثانی جس کو حضرات شیخین نے لیا اس میں یہ سارے اختلافات نہیں بلکہ اسکے تمام طرق میں ضربہ واحدہ مذکور ہے اسکے خلاف نہیں البتہ مقدار یدین کے بارے میں اس میں بھی فی الجملہ اختلاف ہے بعض میں الی الکفین ہے اور اسی کو شیخین نے لیا ہے اور بعض میں اسکے خلاف بھی ہے الی المرفقین وغیرہ، الی المناکب والآباط اس میں نہیں ہے، هذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم۔ بعد میں جب ترمذی شریف کو دیکھا گیا تو اس سے معلوم ہوا امام ترمذی نے اسحق بن راہویہ سے یہی بات نقل فرمائی یعنی یہ کہ حدیث عمار دو ہیں اور یہ اختلاف واضطراب ان میں سے صرف ایک میں ہے فللہ الحمد والمنة ۱۲۔

حضرات شیخین نے حدیث عمار کے علاوہ ابوالجہیم کی حدیث بھی ذکر کی ہے جس کو امام ابوداؤد نے آئندہ باب میں ذکر کیا ہے،

---

[1] جامع الترمذی - کتاب الطهارة - باب ما جاء في التيمم ۱٤٤

ابو الجہیم کی حدیث میں ضربۂ واحدہ مذکور ہے اور یدین کے بارے میں وہ مجمل ہے راوی نے صرف الی الیدین کہا اس کی مقدار نہیں بیان کی۔

بحث عاشر (هل يجوز التيمم للجنابة): یہ کل نو بحثیں ہوئیں تکمیل عشرہ کے لئے ایک مسئلہ اور سن لیجئے وہ بھی اہم ہے وہ یہ کہ تیمم حدث اصغر واکبر دونوں میں مشروع ہے یا صرف حدث اصغر میں؟ وبعبارۃ اخری تیمم صرف وضو کے قائم مقام ہوتا ہے یا وضو وغسل دونوں کے؟ جمہور علماء سلفاً وخلفاً ومنهم الأئمة الأربعة کے نزدیک عموم ہے، البتہ ابراہیم نخعیؒ کا اس میں خلاف منقول ہے ان کے نزدیک صرف حدث اصغر میں مشروع ہے اور صحابہ میں حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن اخیرین سے رجوع مروی ہے۔

تیمم جنب کا ثبوت کتاب اللہ سے: بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو تیمم جنب کتاب اللہ سے ثابت ہے اس لئے کہ آیت تیمم میں جو اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ہے اس کو حنفیہ جماع پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل اپنے محل میں گزر چکی۔
تیمم کے ان مباحث کے بعد اب باب کی حدیث اول لیجئے۔

۳۱۷ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، ح وحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ الْمَعْنَى وَاحِدٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَأُنَاسًا مَعَهُ فِي طَلَبِ قِلَادَةٍ أَضَلَّتْهَا عَائِشَةُ، «فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوءٍ، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لَهُ، فَأُنْزِلَتْ آيَةُ التَّيَمُّمِ» زَادَ ابْنُ نُفَيْلٍ: فَقَالَ لَهَا أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ: يَرْحَمُكِ اللهُ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ إِلَّا جَعَلَ اللهُ لِلْمُسْلِمِينَ وَلَكِ فِيهِ فَرَجًا.

ترجمہ: حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد عروہؓ کے واسطے سے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اسید بن حضیر اور ان کے ساتھ کچھ لوگوں کو اس ہار کی تلاش میں بھیجا جو حضرت عائشہؓ سے گم ہو گیا تھا اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا ان حضرات نے (پانی میسر نہ ہونے کی وجہ سے) بغیر وضو کے نماز پڑھ لی اور پھر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات عرض کر دی تو تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ ابن نفیل (اس جگہ) راوی اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسید بن حضیر نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کہا کہ جب بھی آپ کو کوئی ناگوار بات پیش آئی تو اس میں اللہ تعالیٰ نے (ابو بکرؓ کے گھرانے کی بدولت) ان تمام مسلمانوں اور آپ کیلئے راحت وسہولت عطاء فرمائی۔

تخریج: صحيح البخاري - التيمم (۳۲۷) صحيح البخاري - التيمم (۳۲۹) صحيح البخاري - المناقب (۳٤٦۹) صحيح البخاري - المناقب (۳٥٦۲) صحيح البخاري - تفسير القرآن (٤۳۰۷) صحيح البخاري - تفسير القرآن (٤۳۳۱) صحيح البخاري - تفسير القرآن (٤۳۳۲) صحيح البخاري - النكاح (٤۸٦۹) صحيح البخاري - اللباس (٥٥٤۳) صحيح البخاري - الحدود (٦٤٥۲) صحيح مسلم - الحيض (۳٦۷) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۰) سنن النسائي - الطهارة (۳۲۳) سنن أبي داود - الطهارة (۳۱۷) سنن ابن ماجه - الطهارة

وسننها (٥٦٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٥٧) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/١٧٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٢٧٣) موطأ مالك - الطهارة (١٢٢) سنن الدارمي - الطهارة (٧٤٦)

شرح الحديث: فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوءٍ الخ: صلوۃ سے مراد فجر کی نماز ہے، صحابہ کرامؓ نے پانی نہ ہونے کے وجہ سے بغیر وضو کے نماز ادا کی اور تیمم اس وقت تک مشروع نہ ہوا تھا، اس سے فاقد الطہورین کا مسئلہ نکلتا ہے جس میں اختلاف مشہور ہے، ہمارے یہاں یہ مسئلہ باب فرض الوضو میں گزر چکا۔

قوله: فَأُنْزِلَتْ آيَةُ التَّيَمُّمِ: آیت کے مصداق میں شراح کا اختلاف ہے، ابن العربیؒ فرماتے ہیں: هذه معضلة ما وجدت لدائها دواء یعنی یہ ایسا مشکل مسئلہ ہے کہ اس مرض کا میں نے کوئی علاج نہیں پایا کہ حضرت عائشہؓ کی مراد کونسی آیت ہے ابن بطالؒ نے کہا کہ اس سے مراد آیت النساء ہے یا آیت مائدہ انہوں نے کوئی تعیین نہیں کی، اور علامہ قرطبیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد آیت النساء ہے اس لئے کہ آیت مائدہ آیت وضو کے نام سے مشہور ہے گو اس میں تیمم کا بھی ذکر ہے، اور آیت نساء میں صرف تیمم ہی ہے وضو نہیں، علامہ عینیؒ نے ایک روایت کی بناء پر جو حمیدی کی جمع بین الصحیحین میں ہے جس میں اس طرح ہے "فنزلت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلوٰةِ" آیت مائدہ کا متعین ہونا لکھا ہے۔

قوله: مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ إِلَّا جَعَلَ اللهُ لِلْمُسْلِمِينَ، وَلَكِ فِيهِ فَرَجًا: حضرت اسید بن حضیر حضرت عائشہؓ کو دعاء دے رہے ہیں کہ جب بھی ان کو کوئی ناگوار بات پیش آئی تو اس میں اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کے گھرانے کی بدولت (كما في رواية ما هي بأول بركتكم يا آل أبي بكر) خود ان کیلئے اور تمام مسلمانوں کیلئے راحت و سہولت کا ساماں مہیا فرمایا، شراح نے لکھا ہے اس سے واقعہ افک کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کا بھی امر مکروہ ہونا ظاہر ہے اور اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ واقعہ افک مقدم ہے واقعہ نزول تیمم پر جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں۔

٣١٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ حَدَّثَهُ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّهُمْ «تَمَسَّحُوا وَهُمْ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّعِيدِ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوا بِأَكُفِّهِمُ الصَّعِيدَ، ثُمَّ مَسَحُوا وُجُوهَهُمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً، ثُمَّ عَادُوا فَضَرَبُوا بِأَكُفِّهِمُ الصَّعِيدَ مَرَّةً أُخْرَى فَمَسَحُوا بِأَيْدِيهِمْ كُلِّهَا إِلَى الْمَنَاكِبِ وَالْآبَاطِ مِنْ بُطُونِ أَيْدِيهِمْ».

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مٹی سے تیمم کیا فجر کی نماز کیلئے پس مٹی پر اپنی دونوں ہتھیلیاں ماریں پھر ان کو اپنے چہروں پر ایک مرتبہ پھیرا پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارے پھر ان کو اپنے دونوں ہاتھوں پر (اندرون و بیرون) کندھوں اور بغلوں تک پھیرا۔

٣١٩ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، نَحْوَ هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: «قَامَ الْمُسْلِمُونَ

فَضَرَبُوا بِأَكُفِّهِمُ التُّرَابَ، وَلَمْ يَقْبِضُوا مِنَ التُّرَابِ شَيْئًا» . فَذَكَرَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَنَاكِبَ وَالْآبَاطَ قَالَ: ابْنُ اللَّيْثِ: «إِلَى مَا فَوْقَ الْمِرْفَقَيْنِ».

ترجمہ عبد الملک بن شعیب نے ابن وہب سے اسی گزشتہ حدیث کی طرح روایت نقل کی، فرمایا مسلمانوں نے کھڑے ہو کر اپنی ہتھیلیاں مٹی پر ماریں اور مٹی اپنے ہاتھوں میں نہیں لی پھر اسی طرح روایت ذکر کی اور کندھوں اور بغلوں کا ذکر نہیں کیا۔ ابن لیث فرماتے ہیں کہ کہنیوں سے اوپر کے حصہ تک صحابہؓ نے تیمم کیا۔

تخریج صحيح البخاري - التيمم (٣٣١) صحيح مسلم - الحيض (٣٦٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٤٤) سنن النسائي - الطهارة (٣١٢) سنن النسائي - الطهارة (٣١٣) سنن النسائي - الطهارة (٣١٥) سنن النسائي - الطهارة (٣١٦) سنن النسائي - الطهارة (٣١٧) سنن النسائي - الطهارة (٣١٨) سنن النسائي - الطهارة (٣١٩) سنن النسائي - الطهارة (٣٢٠) سنن أبي داود - الطهارة (٣١٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٦٩) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٦٣/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٦٥/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٣٢٠/٤)

شرح الحدیث باب کی حدیث اول سے مشروعیت تیمم بیان کرنے کے بعد اب مصنف اس حدیث سے کیفیت تیمم بیان کرتے ہیں یہ حدیث عمار ہے جس کو مصنفؒ نے مختلف اور متعدد طرق سے بیان کیا ہے اس حدیث کے تمام طرق کا مدار ابن شہاب پر ہے، پھر ابن شہاب سے روایت کرنے والے متعدد ہیں، پہلی سند میں ان کے شاگرد یونس بن یزید الایلی ہیں اور دوسری سند میں بھی وہی ہیں لیکن نیچے کے راوی یعنی مصنفؒ کے استاذ بدل گئے اور دونوں روایتوں میں ضربتین مذکور ہے، البتہ مقدار یدین میں کچھ فرق ہے ایک میں الی المناکب والآباط ہے اور دوسری میں نہیں۔

٣٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ فِي آخَرِينَ قَالُوا: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، "أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَّسَ بِأُولَاتِ الْجَيْشِ وَمَعَهُ عَائِشَةُ فَانْقَطَعَ عِقْدٌ لَهَا مِنْ جَزْعِ ظَفَارٍ، فَحُبِسَ النَّاسُ ابْتِغَاءَ عِقْدِهَا ذَلِكَ حَتَّى أَضَاءَ الْفَجْرُ، وَلَيْسَ مَعَ النَّاسِ مَاءٌ فَتَغَيَّظَ عَلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ: حَبَسْتِ النَّاسَ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُخْصَةَ التَّطَهُّرِ بِالصَّعِيدِ الطَّيِّبِ، فَقَامَ الْمُسْلِمُونَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبُوا بِأَيْدِيهِمُ إِلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ رَفَعُوا أَيْدِيَهُمْ، وَلَمْ يَقْبِضُوا مِنَ التُّرَابِ شَيْئًا، فَمَسَحُوا بِهَا وُجُوهَهُمْ وَأَيْدِيَهُمْ إِلَى الْمَنَاكِبِ، وَمِنْ بُطُونِ أَيْدِيهِمْ إِلَى الْآبَاطِ" زَادَ ابْنُ يَحْيَى فِي حَدِيثِهِ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فِي حَدِيثِهِ: «وَلَا يَعْتَبِرُ بِهَذَا النَّاسُ» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَلِكَ رَوَاهُ ابْنُ إِسْحَاقَ قَالَ فِيهِ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ «وَذَكَرَ ضَرْبَتَيْنِ» . كَمَا ذَكَرَ يُونُسُ، وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ «ضَرْبَتَيْنِ» ، وَقَالَ مَالِكٌ: عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمَّارٍ، وَكَذَلِكَ قَالَ أَبُو أُوَيْسٍ: عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَشَكَّ فِيهِ ابْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ: مَرَّةً عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، أَوْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَمَرَّةً قَالَ: عَنْ أَبِيهِ، وَمَرَّةً قَالَ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

اضْطَرَبَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِيهِ، وَفِي سَمَاعِهِ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَلَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنْهُمْ فِي هَذَا الْحَدِيثِ «الضَّرْبَتَيْنِ» إِلَّا مَنْ سَمَّيْتُ.

ترجمہ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک مرتبہ) آخر شب میں اولات الجیش (مدینہ منورہ سے ایک منزل پر یہ مقام ہے) میں پڑاؤ فرمایا اور آپ کے ہمراہ حضرت عائشہؓ بھی تھیں تو حضرت عائشہؓ کا قیمتی ہار جو مقام ظفار کے ہیرون کا بنا ہوا تھا (ظفار یمن کے قبیلہ حمیر میں ایک شہر کا نام ہے اور جزع مہرہ جس میں سفیدی وسیاہی ہوتی ہے اسکا واحد جزعۃ ہے، مصباح اللغات) ٹوٹ کر گر گیا تو لوگ اس ہار کی تلاش میں رُک گئے یہاں تک کہ صبح روشن ہونے لگی اور لوگوں کے پاس پانی نہ تھا تو حضرت ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ پر ناراض ہونے لگے اور کہنے لگے تم نے لوگوں کو روک دیا اس حال میں کہ ان کے پاس پانی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی جس میں رسول اللہ ﷺ کو (مٹی سے) تیمم کی رخصت عطا فرمائی تو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوگئے اور اپنی ہتھیلیوں کو زمین پر مارا پھر اپنے ہاتھ اُٹھائے اس طرح کہ ان میں کچھ بھی مٹی نہ رہی پھر ان ہاتھوں میں اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا کندھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔ ابن یحییٰ نے اپنی حدیث میں یہ زیادتی کی ہے کہ ابن شہاب اپنے حدیث میں فرماتے ہیں کہ فقہاء نے اس قول کو قابل اعتبار نہیں سمجھا۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں اور اسی طرح ابن اسحق نے روایت کی اس میں صالح راوی کی طرح عبید اللہ بن عبد اللہ اور عمار بن یاسر کے درمیان عبد اللہ بن عباسؓ راوی کو ذکر کیا ہے اور دو ضربوں کا ذکر کیا جس طرح کہ اس کو یونس نے ذکر کیا۔ اور معمر نے زہری سے دو ضربوں کی روایت کی اور مالک نے زہری سے انہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے انہوں نے اپنے والد سے بواسطہ حضرت عمار اسی طرح روایت کی اور ابو اویس نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کی اور ابن عیینہ کو اس میں شک ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اس میں فرمایا عن عبید اللہ عن ابیہ اور کبھی عن عبید اللہ عن ابن عباس۔ اس میں اضطراب ہے [کہ کبھی فرمایا عن ابیہ اور کبھی فرمایا عن ابن عباس] اور ابن عیینہ کے زہری سے سماع میں بھی اضطراب ہے۔ اور ان کے علاوہ جن کا میں نے ذکر کیا ان میں سے کسی نے دو ضربوں کو ذکر نہیں کیا۔

تخریج سنن النسائي - الطهارة (٣١٤) سنن أبي داود - الطهارة (٣٢٠)

شرح الحدیث حدیث عمارؓ کا یہ دوسرا طریق ہے اس میں ابن شہاب سے روایت کرنے والے صالح بن کیسان ہیں دونوں طریق میں فرق یہ ہے کہ یونس کی روایت میں عبید اللہ بن عبد اللہ اور عمار بن یاسر کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا اور اس دوسری سند میں ابن عباسؓ کا واسطہ ہے، اس چوتھی روایت میں بھی ہار گم ہونے کا ذکر ہے جیسا کہ باب کی حدیث اوّل حدیث عائشہؓ میں تھا۔

ذات الجیش کی تحقیق: قوله: عَرَّسَ بِأُوَلَاتِ الْجَيْشِ: تعریس کہتے ہیں مسافر کا آخر شب میں استراحت کیلئے کسی منزل پر اترنا اولات الجیش جس کو ذات الجیش بھی کہتے ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ مدینہ کے قریب تقریباً ایک برید (منزل) کی

مسافت پر ایک وادی ہے بخاری کی ایک روایت میں بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ [1] ہے مشہور قول کی بناء پر یہ دونوں جگہیں ذوالحلیفہ کے قریب مکہ ومدینہ کے درمیان ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ بیداء بنسبت ذوالحلیفہ کے مکہ سے زیادہ قریب ہے اور تیسرا قول اس میں یہ ہے کہ بیداء اور ذات الجیش مدینہ اور خیبر کے درمیان ہیں مکہ کے راستہ میں نہیں، حافظ نے قول اول کو ترجیح دی ہے قول ثالث کو مرجوح قرار دیا ہے، نیز قول ثالث پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نزول تیمم کا قصہ غزوۃ المریسیع میں نہیں پیش آیا کیونکہ مریسیع مدینہ سے بجانب مکہ واقع ہے۔

قوله: مِنْ جَزْعِ ظَفَارٍ: ظفار بفتح الظاء مبنی علی الکسر ہے جیسے قطام، یمن میں ایک شہر کا نام ہے، لفظ جزع جمع ہے جزعۃ کی اس کے معنی ہیں خرز یمانی یعنی خرمہرے اور قیمتی پتھر وجواہر جن سے ہار بناتے ہیں۔

ظفار واظفارکی تحقیق: بعض روایات میں بجائے ظفار کے اظفار ہے جیسا کہ نسائی میں ہے، شراح نے لکھا ہے اظفار جمع ہے ظفر کی یہ ایک معروف خوشبو کا نام ہے جس کو قسط اور قسط اظفار بھی کہتے ہیں جس سے بخور یعنی دھونی دیجاتی ہے، چونکہ وہ ظفر الانسان کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے اس کو اظفار کہتے ہیں، لیکن جاننا چاہئے کہ اس لفظ کا ذکر دو جگہ آتا ہے ایک یہاں باب التیمم میں دوسرے غسل حیض [2] میں، باب تیمم میں صحیح ظفار ہے، اور غسل میں بھی روایات میں دونوں طرح آتا ہے لیکن وہاں صحیح اظفار ہے، ظفار ایک شہر کا نام ہے اور اظفار جس کو قسط اظفار بھی کہتے ہیں خوشبو کا نام ہے۔

قوله: قَالَ: حَبَسْتِ النَّاسَ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ: یہاں پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس قافلہ نے تعریس اور نزول ایسی جگہ پر کیوں کیا جہاں پانی نہیں تھا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ تعریس اور نزول بالقصد نہ تھا بلکہ التماس عقد کیلئے مجبوراً ہوا تھا کذا یستفاد من أماني الأحبار غفر الله لمؤلفه اور حضرت شیخ کی تقریر بخاری میں اس کی ایک دوسری توجیہ لکھی ہے۔

قوله: فَضَرَبُوا بِأَيْدِيهِمْ إِلَى الْأَرْضِ: حدیث عمارؓ کے اس طریق میں ضربۂ واحدہ مذکور ہے، جب کہ اس سے پہلے طریق میں ضربتین کا ذکر تھا، نیز اس طریق میں مسح الیدین الی المناکب والآباط مذکور ہے جس کے بارے میں ابن شہاب کہہ رہے ہیں: وَلَا يَعْتَدُّ بِهَذَا النَّاسُ، یعنی بہت سے فقہاء اس کا اعتبار نہیں کرتے یا اشارہ ضربۂ واحدہ کی طرف ہے یعنی بہت سے علماء اکتفاء بضربۃ واحدۃ کے قائل نہیں یا دونوں کی طرف اشارہ مانا جائے۔

جاننا چاہئے کہ اس طرح کی عبارت ہوتی تو ہے رد اور تضعیف کیلئے لیکن چونکہ کیفیت تیمم کے بارے میں شراح نے ابن شہاب

---

[1] صحیح البخاری - کتاب التیمم ٣٢٧

[2] چنانچہ حدیث ام عطیہ میں وارد ہے: وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ (صحیح البخاری - کتاب الحیض - باب الطیب للمرأۃ عند غسلها من المحیض ٣٠٧) اور ایک روایت میں بجائے کست کے قسط ہے اور امام بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے بَابُ الطِّيبِ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيضِ یہ سب تفصیل

کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ وہ مسح الی المناکب والآباط کے قائل تھے اسلئے یہ مطلب لینا شاید صحیح نہ ہو، لہذا یہ کہا جائے کہ وہ بطور شکوہ کے کہہ رہے ہیں کہ دیکھئے مسح الی المناکب والآباط روایت سے ثابت ہے لیکن پھر بھی بہت سے علماء اس کے قائل نہیں اور یا یہ کہا جائے کہ انہوں نے اپنا مسلک بدل دیا ہو پہلے قائل ہوں بعد میں نہ رہے ہوں یا اسکے برعکس، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصنفؒ کے مسلسل کلام کی تشریح: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَكَذَلِكَ رَوَاهُ ابْنُ إِسْحَاقَ قَالَ فِيهِ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ «وَذَكَرَ ضَرْبَتَيْنِ». كَمَا ذَكَرَ يُونُسُ: اس جملہ میں مصنفؒ نے دو باتیں بیان کی ہیں، ایک سند سے متعلق اور دوسری متن سے، ابن اسحٰق زہری کے تلامذہ میں سے ہیں ذکر واسطہ وعدم واسطہ میں تلامذہ زہری کا اختلاف چل رہا ہے مصنفؒ فرما رہے ہیں جس طرح صالح بن کیسان نے سند میں ابن عباس کا واسطہ ذکر کیا اسی طرح ابن اسحٰق نے بھی کیا ہے لیکن دونوں کے متن میں فرق ہے وہ یہ کہ صالح کی روایت میں ضربۂ واحدہ مذکور تھا اور ابن اسحٰق کی روایت میں ضربتین ہے جیسا کہ یونس کی روایات میں بھی ضربتین گزر چکا۔

قوله: وَقَالَ مَالِكٌ: عَنِ الزُّهْرِيِّ الخ: امام مالکؒ زہری کے چوتھے شاگرد ہیں انہوں نے عبید اللہ اور عمار کے درمیان واسطہ تو ذکر کیا لیکن بجائے عن ابن عباس کے عن ابیہ کا، اور پھر آگے مصنفؒ کہتے ہیں نَوشَكَّ فِيهِ ابْنُ عُيَيْنَةَ، یہ بھی زہری کے تلامذہ میں ہیں انہوں نے اپنی سند میں واسطہ تو ذکر کیا لیکن اس واسطہ کی تعیین نہیں کی شک ظاہر کیا کہ وہ عن ابیہ ہے یا عن ابن عباس اور گاہے وہ بدون شک کے عن ابیہ اور کبھی عن ابن عباس کہتے تھے۔

قوله: وَلَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنْهُمْ فِي هَذَا الْحَدِيثِ «الضَّرْبَتَيْنِ» إِلَّا مَنْ سَمَّيْتُ: مَنْ سَمَّيْتُ کا مصداق مصنفؒ کی بیان کردہ روایات کے مطابق اصحاب زہری میں سے صرف تین ہیں یونس، ابن اسحٰق اور معمر لیکن حضرتؒ بذل[1] میں تحریر فرماتے ہیں کہ مصنف کا دعوئے حصر منقوض ہے، اس لئے کہ امام بیہقیؒ نے اس میں ابن ابی ذئب اور امام طحاویؒ نے صالح[2] بن کیسان کا اضافہ کیا ہے کہ یہ ہر دو بھی ضربتین کا ذکر کرنے والوں میں سے ہیں۔

۳۲۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ الضَّرِيرُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا بَيْنَ عَبْدِ اللهِ، وَأَبِي مُوسَى، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ؟ فَقَالَ: لَا، وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا. فَقَالَ أَبُو مُوسَى: فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ بِهَذِهِ الْآيَةِ الَّتِي فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ { فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٢ ص ١٥

[2] میں کہتا ہوں صالح بن کیسان کی روایت جو ابوداؤد میں ہے اس میں ضربۂ واحدہ ہی مذکور ہے ہو سکتا ہے امام طحاویؒ کو ان کی جو روایت پہنچی ہو اس میں ضربتین ہو اور یہ دونوں روایتیں دو مختلف وقت کی ہوں۔

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا ❶} فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هَذَا لَأَوْشَكُوا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَتَيَمَّمُوا بِالصَّعِيدِ. فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هَذَا لِهَذَا. قَالَ: نَعَمْ. فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ فَأَجْنَبْتُ، فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَتَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هَكَذَا فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى الْأَرْضِ فَنَفَضَهَا، ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ عَلَى يَمِينِهِ وَبِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ عَلَى الْكَفَّيْنِ، ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ» فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ: أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ.

ترجمہ: شقیق سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے درمیان بیٹھا ہوا تھا تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہنے لگے کہ اے ابو عبد الرحمن اگر کسی جنبی کو پانی ایک مہینے تک نہ ملے تو کیا وہ تیمم کر سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں کر سکتا اگرچہ اسکو ایک مہینے تک بھی پانی نہ ملے تو ابو موسیٰ اشعریؓ فرمانے لگے تو پھر آپ اس آیت کا کیا کریں گے جو سورۂ مائدہ میں نازل ہوئی فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرمانے لگے کہ اگر ہم لوگوں کو تیمم کی اجازت اس حالت (جنابت) میں دینے لگیں تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ جہاں ٹھنڈا پانی دیکھیں گے تو بس تیمم کرنے لگیں گے تو ابو موسیٰ اشعریؓ فرمانے لگے اچھا تو اس وجہ سے آپ جنبی کیلئے تیمم کو ناپسند کرتے ہیں؟ عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا ہاں تو ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان سے کہا کہ کیا آپ نے حضرت عمارؓ کی حدیث نہیں سنی کہ وہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے کسی کام سے (سفر پر) بھیجا تو وہاں مجھے جنابت لاحق ہو گئی مجھے پانی نہیں ملا تو میں نے مٹی میں لوٹ لگائی جس طرح جانور لوٹ لگاتا ہے پھر جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر خدمت ہوا تو میں نے اس کا حضور اکرم ﷺ سے تذکرہ کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے (تیمم کا) یہ طریقہ کافی تھا پھر آپ ﷺ نے طریقہ بتلایا پس اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور پھونک ماری پھر بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر پھیرا پھر اپنے چہرے پر پھیرا تو عبد اللہ بن مسعودؓ نے ان سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت عمرؓ نے عمارؓ کے قول پر قناعت کا اظہار نہیں فرمایا۔

تخریج: صحيح البخاري - التيمم (٣٣١) صحيح مسلم - الحيض (٣٦٨) جامع الترمذي - الطهارة (١٤٤) سنن النسائي - الطهارة (٣١٢) سنن النسائي - الطهارة (٣١٣) سنن النسائي - الطهارة (٣١٥) سنن النسائي - الطهارة (٣١٦) سنن النسائي - الطهارة (٣١٧) سنن النسائي - الطهارة (٣١٨) سنن النسائي - الطهارة (٣١٩) سنن النسائي - الطهارة (٣٢٠) سنن أبي داود - الطهارة (٣٢١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٦٩) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٦٣/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٢٦٥/٤) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٣٢٠/٤)

شرح الحدیث: تیمم جنب کے بارے میں حضرت ابن مسعودؓ اور ابو موسیٰ اشعری کا مباحثہ:

❶ پھر نہ ملا تم کو پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا (سورة النسآء ٤٣)

اس حدیث میں تیمم جنب کا مسئلہ مذکور ہے۔ ابو عبدالرحمن عبد اللہ بن مسعودؓ کی کنیت ہے۔ ابو موسی اشعریؓ نے جو کہ تیمم جنب کے جواز کے قائل تھے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کسی جنبی کو پانی نہ ملے تو کیا وہ تیمم کر سکتا ہے، عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا نہیں کر سکتا، اس پر ابو موسی اشعریؓ نے سورۂ مائدہ کی آیت [1] أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ پیش کی جس سے تیمم جنب ثابت ہوتا ہے، اس پر عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اگر ہم لوگوں کو تیمم جنب کی اجازت دیدیں تو اندیشہ ہے اس بات کا کہ وہ اس میں بے احتیاطی کریں گے جہاں دیکھا کہ پانی ٹھنڈا ہے اور سردی ہو رہی ہے بس تیمم کرنے لگیں گے، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هَذَا لِهَذَا یعنی ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا اچھا! اس وجہ سے فتوی نہیں دیتے ہو کیا حضور ﷺ نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا تھا، آپ ﷺ سے زیادہ کون مصلحت بین ہو گا، اور حضرت عمارؓ کی ایک حدیث بیان کی جو انہوں نے حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی تھی یہ پوری حدیث آگے متن میں آرہی ہے جس سے تیمم جنب کا جواز ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ حضرت عمارؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے مجھے کہیں سفر میں ایک کام سے بھیجا تھا، مجھے وہاں جنابت لاحق ہوئی اتفاق سے پانی تھا نہیں وہ کہتے ہیں میں نے جنابت کی نیت سے تیمم کیا (اور یہ مجھے معلوم نہ تھا کہ حدث اصغر واکبر دونوں سے تیمم کا طریقہ ایک ہی ہے) چنانچہ میں نے زمین میں لوٹ لگائی جس طرح دابہ گھوڑا وغیرہ لگاتے ہیں پھر جب میں سفر سے واپسی پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جنابت کے تیمم کے لئے تمرغ کی ضرورت نہیں تھی، اس کے بعد آپ نے تیمم کا جو معروف طریقہ ہے وہ بتلایا، عبد اللہ بن مسعودؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کی یہ پوری بات سن کر فرمایا أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ کیا نہیں دیکھتے ہو حضرت عمرؓ سے حضرت عمارؓ نے جب یہ حدیث بیان کی تھی تو عمرؓ نے اس پر قناعت اور اظہار اطمینان نہیں کیا تھا، اس پر ابو موسی اشعریؓ خاموش ہو گئے، قناعت نہ کرنے کی تشریح آئندہ روایت میں آرہی ہے۔

ترتیب استدلال پراشکال اوراسکی توجیه: جاننا چاہئے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے عبد اللہ بن مسعودؓ کے سامنے تیمم جنب کے جواز پر استدلال میں دو چیزیں پیش کیں، ایک آیت مائدہ دوسرے حدیث عمار ابوداؤد کی اس روایت میں ترتیب یہ ہے کہ انہوں نے پہلے استدلال بالآیۃ کیا اس کے بعد استدلال بالحدیث، اولاً جب انہوں نے آیت سے استدلال کیا تو اس پر عبد اللہ بن مسعودؓ نے ان کی بات کو تسلیم کر لیا، لیکن یہ فرمایا کہ ایک مصلحت سے ہم جواز کا فتویٰ نہیں دیتے، اس ترتیب پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے سامنے جب تیمم جنب کے جواز کا اعتراف کر لیا تو پھر ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس کے بعد دوبارہ استدلال بالحدیث کیوں کیا اس کی کیا حاجت رہی تھی، دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ کی رائے سے متفق ہیں کہ آیت میں لمس سے لمس بالید نہیں بلکہ جماع مراد ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے جواز تیمم کا اعتراف کرلیا تھا تو بعد میں ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان کے سامنے جب حدیث عمار پیش کی تو عبداللہ بن مسعودؓ نے اس استدلال پر نقد کیوں کیا، یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے ایک جگہ تو اس میں بھی ترتیب استدلال اسی طرح ہے جس طرح یہاں ابوداؤد میں ہے لیکن بخاری کی دوسری روایت میں ترتیب اس کے برعکس ہے اولاً استدلال بالحدیث پھر جب عبداللہ بن مسعودؓ نے اس پر نقد فرمادیا تو ثانیاً ابوموسیٰ اشعریؓ نے استدلال بالآیۃ فرمایا، روایت بخاری کی اس ترتیب پر کوئی اشکال واقع نہیں ہوتا اسی طرح ابوداؤد کی روایت کی تشریح اوپر جس اسلوب سے ہم نے کی ہے اس سے بھی اشکال رفع ہوجاتا ہے اس لئے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے شروع میں جواز تیمم کا گو اعتراف کرلیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی بیان فرمائی کہ فتوئے جواز خلاف مصلحت ہے، خلاف مصلحت ہونے کی تردید جب ابوموسیٰ اشعریؓ نے حدیث عمار سے کی تو اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کی دلیل پر نقد کردیا، سو ان کا نقد اصل جواز پر نہ ہوا بلکہ انکار مصلحت پر۔

۳۲۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عُمَرَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّا نَكُونُ بِالْمَكَانِ الشَّهْرَ وَالشَّهْرَيْنِ فَقَالَ عُمَرُ: أَمَّا أَنَا فَلَمْ أَكُنْ أُصَلِّي حَتَّى أَجِدَ الْمَاءَ. قَالَ: فَقَالَ عَمَّارٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَمَا تَذْكُرُ إِذْ كُنْتُ أَنَا وَأَنْتَ فِي الإِبِلِ، فَأَصَابَتْنَا جَنَابَةٌ، فَأَمَّا أَنَا، فَتَمَعَّكْتُ، فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ هَكَذَا، وَضَرَبَ بِيَدَيْهِ إِلَى الأَرْضِ، ثُمَّ نَفَخَهُمَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى نِصْفِ الذِّرَاعِ» فَقَالَ عُمَرُ: يَا عَمَّارُ اتَّقِ اللهَ، فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنْ شِئْتَ وَاللهِ لَمْ أَذْكُرْهُ أَبَدًا، فَقَالَ عُمَرُ: كَلَّا وَاللهِ لَنُوَلِّيَنَّكَ مِنْ ذَلِكَ مَا تَوَلَّيْتَ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابزیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھا تو ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر ہم کسی جگہ ایک مہینے یا دو مہینے ٹھہریں (اور جنابت لاحق ہوجائے مگر پانی نہ پائیں تو کیا کریں؟)۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے ساتھ یہ معاملہ ہوجائے تو میں تو جب تک پانی نہ ملے (حالت جنابت سے) تیمم کرکے نماز نہ پڑھوں، فرماتے ہیں کہ اس بات پر حضرت عمارؓ نے عرض کیا اے امیر المؤمنین کیا آپ کو وہ واقعہ یاد نہیں کہ ایک مرتبہ مجھے اور آپ کو اونٹوں کے چرانے کی ذمہ داری والے واقعے میں جنابت پیش آگئی تھی تو میں نے مٹی میں ایک لوٹ لگاکر تیمم کرکے نماز پڑھی تھی پھر سفر سے واپسی پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا ذکر کیا تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تیمم کا طریقہ بتلایا تھا کہ تم کو ایسا کرنا چاہیے تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر ان کو پھونک مار کر جھاڑا پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر نصف ذراع تک پھیرا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے عمار! اللہ سے ڈرو، تو انہوں نے عرض کیا: اچھا اے امیر المؤمنین! اگر آپ کہیں تو میں اس حدیث کا کبھی لوگوں سے ذکر نہ کروں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو میں نہیں چاہتا اگر تم اپنی ذمہ داری پر اس حدیث کو بیان کرو تو کرلو۔

شرح الحديث: یہ وہی حدیث عمار ہے جس کا حوالہ ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنے استدلال میں دیا تھا، مضمون اس کا یہ ہے۔

تیمم جنب کے بارے میں حدیث عمار: ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور اس نے تیمم جنب کے بارے میں سوال کیا کہ اگر کسی کو جنابت پیش آئے اور پانی نہ ہو تو کیا تیمم کر سکتا ہے؟ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر خود مجھے اس طرح کی نوبت آئے تو میں جنابت سے تیمم کر کے نماز نہ پڑھوں گا (گویا وہ تیمم جنب کے قائل نہ تھے) اس سوال وجواب کے وقت مجلس میں حضرت عمارؓ بھی موجود تھے وہ بولے یا امیر المؤمنین! کیا آپ کو وہ واقعہ یاد نہیں کہ ایک مرتبہ مجھے اور آپ کو سفر میں جنابت پیش آگئی تھی، اور میں نے ایک خاص قسم کا تیمم کر کے نماز پڑھی تھی پھر سفر سے واپسی پر آپ کے سامنے میں نے حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تھا تو اس پر حضور ﷺ نے مجھے تیمم کر کے بتلایا تھا کہ ایسے کرنا چاہئے تھا زمین پر لوٹ لگانے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن حضرت عمرؓ کو یہ واقعہ انکے یاد دلانے پر بھی یاد نہ آیا اور فرمایا: يَا عَمَّارُ اتَّقِ اللهَ، اس پر عمارؓ نے عرض کیا کہ اچھا! اگر آپ فرمائیں تو میں اس حدیث کو لوگوں سے ذکر نہ کروں، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو میں نہیں چاہتا نُوَلِّيكَ مِنْ ذَلِكَ مَا تَوَلَّيْتَ تم اپنی ذمہ داری پر اس حدیث کو بیان کرو، واضح رہے کہ یہ وہی ثانی حدیث عمار ہے جس کو شیخین نے صحیحین میں لیا ہے جس کی وضاحت سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

٣٢٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا حَفْصٌ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنِ ابْنِ أَبْزَى، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ: «يَا عَمَّارُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا، ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ، ثُمَّ ضَرَبَ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى، ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَالذِّرَاعَيْنِ إِلَى نِصْفِ السَّاعِدَيْنِ، وَلَمْ يَبْلُغِ الْمِرْفَقَيْنِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، وَرَوَاهُ جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى يَعْنِي، عَنْ أَبِيهِ.

ترجمہ: عبد الرحمٰن بن ابزی حضرت عمار بن یاسرؓ سے اس حدیث میں بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے اے عمار بس اتنا کرنا کافی تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو مٹی پر مارا پھر ایک ہاتھ دوسرے پر مارا (مٹی جھاڑنے کیلئے) پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر نصف کلائیوں تک ہاتھ پھیرا اور کہنیوں تک نہ پھیرا ایک ضرب میں۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ وکیع نے اعمش سے انہوں نے سلمہ بن کہیل سے انہوں نے عبد الرحمٰن بن ابزی سے روایت کی۔ اور (امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ) جریر نے اعمش سے انہوں نے سلمہ بن کہیل سے انہوں نے سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزی یعنی اپنے والد سے روایت کی۔

٣٢٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ، أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمَّارٍ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ، فَقَالَ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ وَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ إِلَى الْأَرْضِ،

ثُمَّ نَفَخَ فِيهَا، وَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ» شَكَّ سَلَمَةُ وَقَالَ: «لَا أَدْرِي فِيهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، يَعْنِي أَوْ إِلَى الْكَفَّيْنِ».

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابزی نے حضرت عمارؓ سے یہ قصہ نقل کیا پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں اتنا کافی تھا اور (طریقہ بتلاتے ہوئے) نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر اس میں پھونک ماری اور اس کو اپنے چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔ سلمہ کو شک ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس میں مرفقین تک کا ذکر ہے یا کفین تک۔

۳۲۵ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَهْلٍ الرَّمْلِيُّ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ يَعْنِي الْأَعْوَرَ، حَدَّثَنِي شُعْبَةُ بِإِسْنَادِهِ بِهَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: «ثُمَّ نَفَخَ فِيهَا وَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ» - أَوْ إِلَى الذِّرَاعَيْنِ - قَالَ شُعْبَةُ: كَانَ سَلَمَةُ يَقُولُ: الْكَفَّيْنِ وَالْوَجْهَ وَالذِّرَاعَيْنِ، فَقَالَ لَهُ مَنْصُورٌ ذَاتَ يَوْمٍ: انْظُرْ مَا تَقُولُ فَإِنَّهُ لَا يَذْكُرُ الذِّرَاعَيْنِ غَيْرُكَ.

ترجمہ: علی بن سہل الرملی نے حجاج یعنی اعور سے اور انہوں نے شعبہ سے اسی سند کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا کہ حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ پھر اس پر پھونک ماری اور چہرے اور ہاتھوں پر کہنیوں یا ذراع تک پھیرا۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ سلمہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ نے ہتھیلیوں پر اور چہرے اور کلائیوں پر ہاتھ پھیرا تو منصور نے ان سے ایک روز کہا کہ ذرا غور کرو تم کیا کہہ رہے ہو کیونکہ تمہارے سوا کلائیوں تک تیمم کرنے کا تذکرہ کوئی اور نہیں کرتا۔

۳۲۶ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْحَكَمُ، عَنْ ذَرٍّ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمَّارٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: فَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ إِلَى الْأَرْضِ، فَتَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ»، وَسَاقَ الْحَدِيثَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَاهُ شُعْبَةُ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّارًا يَخْطُبُ بِمِثْلِهِ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: «لَمْ يَنْفُخْ». وَذَكَرَ حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ: «ضَرَبَ بِكَفَّيْهِ إِلَى الْأَرْضِ وَنَفَخَ».

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابزی حضرت عمارؓ سے اس حدیث میں نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارو اور ان کو اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر پھیرو، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ شعبہ نے حصین سے اور انہوں نے ابومالک سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت عمارؓ کو خطبہ دیتے ہوئے اسی طرح سنا مگر یہ کہ انہوں نے لَمْ يَنْفُخْ کا لفظ استعمال فرمایا اور حسین بن محمدؒ شعبہ سے اور وہ حکم سے اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں اور پھونک ماری۔

تخریج: صحيح البخاري - التيمم (۳۳۱) صحيح مسلم - الحيض (۳٦۸) جامع الترمذي - الطهارة (۱٤٤) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۲) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۳) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۵) سنن النسائي - الطهارة (۳۱٦) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۷) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۸) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۹) سنن النسائي - الطهارة (۳۲۰) سنن أبي داود - الطهارة (۳۲۲) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٦۹) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/۲٦۳) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/۲٦٥) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/۳۲۰)

۳۲۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمِنْهَالِ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عَزْرَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّيَمُّمِ «فَأَمَرَنِي ضَرْبَةً وَاحِدَةً لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ».

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابزی حضرت عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے تیمم کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے مجھے چہرے اور ہتھیلیوں کیلئے ایک ضرب مارنے کا حکم فرمایا۔

تخریج: صحيح البخاري - التيمم (۳۳۱) صحيح مسلم - الحيض (۳٦۸) جامع الترمذي - الطهارة (۱٤٤) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۲) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۳) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۵) سنن النسائي - الطهارة (۳۱٦) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۷) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۸) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۹) سنن النسائي - الطهارة (۳۲۰) سنن أبي داود - الطهارة (۳۲۷) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵٦۹) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/۲٦۵) مسند أحمد - أول مسند الكوفيين (٤/۳۲۰)

۳۲۸ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ: سُئِلَ قَتَادَةُ، عَنِ التَّيَمُّمِ فِي السَّفَرِ فَقَالَ: حَدَّثَنِي مُحَدِّثٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ».

ترجمہ: موسیٰ بن اسماعیل نے ابان سے یہ بیان کیا کہ حضرت قتادہؓ سے حالت سفر میں تیمم کے متعلق سوال کیا گیا تو قتادہ نے جواب دیا کہ مجھے ایک محدث نے شعبی کے واسطے سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابزی کے واسطے سے حضرت عمار بن یاسرؓ سے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیمم [میں ہاتھوں کا مسح] کہنیوں تک ہوگا۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (۳۱۲) سنن النسائي - الطهارة (۳۱۹) سنن أبي داود - الطهارة (۳۲۸)

۱۲۳ - بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ

باب (مقیم ہونے کی) حالت میں تیمم کی اجازت کے بارے میں

کیفیت تیمم کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب مصنف "تیمم سے متعلق بعض دوسرے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ کیا پانی کے موجود ہوتے ہوئے حالت حضر میں بھی کسی عبادت کیلئے تیمم کرسکتے ہیں؟ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ ہاں! رد السلام کیلئے تیمم کرسکتے ہیں اس لئے کہ رد سلام ایک فوری چیز ہوتی ہے جس میں تراخی کی گنجائش نہیں ہوتی لہذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں سلام کا جواب طہارت کے ساتھ دوں تو اب ظاہر ہے کہ وضو کرتا رہے گا تو رد کا وقت نکل جائے گا، لہذا تیمم کرکے جواب دے دے۔

حدیث الباب سے امام طحاویؒ کا ایک استنباط: امام طحاویؒ نے حدیث الباب سے ایک اور مسئلہ بلکہ قاعدہ کلیہ پر استدلال کیا ہے جس کے صرف احناف قائل ہیں جمہور نہیں، وہ یہ کہ ہر وہ عبادت جو فائت لاالی خلف ہو یعنی جس کی قضاء نہ ہو، مثلاً صلوۃ الجنازۃ صلوۃ العیدین اور وضو کرنے کی صورت میں دیر ہوجانے کی وجہ سے اس کے فوت ہوجانے کا

اندیشہ ہو تو اس کیلئے تیمم جائز ہے، شافعیہ وغیرہ کے یہاں چونکہ یہ مسئلہ نہیں ہے اس لئے امام نوویؒ نے حدیث الباب میں آپ ﷺ کے تیمم کی توجیہ یہ کی کہ یہ تیمم عدم وجدان ماء کی وجہ سے تھا [1] لیکن ظاہر ہے [2] کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ یعنی حضر اور آبادی کا ہے، وہاں پانی نہ ہونے کا کیا مطلب "فلعل النووی لم یحملہ علی ذلک الانصرۃ مذہبہ" اس سلسلہ میں اور بھی آثار صحابہ ہیں جن سے ہمارے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

تیمم فی الحضر کے اسباب اور صورتیں مع اختلاف ائمہ: اس کے بعد جاننا چاہیے کہ ترجمۃ الباب میں جو مسئلہ مذکور ہے یعنی تیمم فی الحضر یہ طویل الذیل اور تفصیل طلب ہے سو اس کے مختلف اسباب اور وجوہ ہو سکتی ہیں اور وہ ہمارے تتبع کے اعتبار سے چار ہیں:

الوجه الاول (لعدم وجدان الماء): حنفیہ کے یہاں عدم وجدان ماء کی وجہ سے شہر میں تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض متون احناف سے معلوم ہوتا ہے عدم وجدان الماء فی الحضر معتبر نہیں، کیونکہ یہ بہت نادر ہے، صاحب ہدایہ کا میلان اسی طرف ہے اور بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ نادر ہے لیکن اتفاقاً ایسا ہو جائے تو راجح قول کی بناء پر ہمارے یہاں جائز ہے، در مختار میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے اور لامع میں حضرت گنگوہیؒ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے لیکن ان کے یہاں وجوب اعادہ میں اختلاف ہے یعنی جب پانی مل جائے تو اعادۂ صلوۃ واجب ہے یا نہیں؟ امام احمدؒ کے اس میں دونوں قول ہیں کما فی المغنی لیکن الروض المربع میں عدم وجوب اعادہ کی تصریح ہے اور امام مالکؒ کا بھی راجح قول عدم اعادہ ہی ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے البتہ امام شافعیؒ وجوب اعادہ کے قائل ہیں "فالائمۃ الثلاثۃ فی جانب والامام الشافعی فی جانب"۔

الوجه الثانی (تیمم فی الحضر لاجل المرض): ایک شخص مریض ہے اس کو استعمال ماء یا حرکت وغیرہ کی وجہ سے اشتداد مرض کا اندیشہ ہے سو ایسا مریض جمہور علماء ومنہم الائمۃ الثلاثۃ حنفیہ مالکیہ حنابلہ کے نزدیک تیمم کر سکتا ہے البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف اشتداد مرض کا اندیشہ کافی نہیں تاوقتیکہ تلف نفس یا تلف عضو کا خوف نہ ہو (کما فی الھدایۃ) لیکن کتب شافعیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خوف تلف کی قید انکے یہاں بھی نہیں ہے، لہٰذا وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور ہی کیساتھ ہوئے، داؤد ظاہریؒ کے نزدیک تیمم لاجل المرض مطلقاً جائز ہے خواہ استعمال ماء مضر ہو یا نہ ہو، اور یہی امام مالکؒ سے ایک روایت ہے، کما فی العینی۔

الوجه الثالث (تیمم الجنب لاجل البرد): یعنی پانی کے موجود ہوتے ہوئے سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے

---

[1] المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج — ج ٤ ص ٦٤

[2] نیز حنفیہ کے پاس اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ کا اثر بھی موجود ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اذا فجأتك جنازة وانت على غير طهارة فتيمم، طحاویؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے اور اسی طرح امام نسائیؒ نے کتاب الکنی میں اس کو روایت کیا ہے، اثر ابن عمرؓ میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کو جنازہ کی نماز پڑھنی تھی اور پہلے سے باوضو نہ تھے انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، امام بیہقیؒ نے اس کو معرفۃ السنن میں متعدد طرق سے ذکر کیا ہے (کذا فی المنہل)

تیمم کرنا، اس مسئلہ پر مصنف ؒ نے آگے چل کر مستقل باب باندھا ہے بَابٌ إِذَا خَافَ الْجُنُبُ الْبَرْدَ أَيَتَيَمَّمُ، اس مسئلہ میں اختلاف یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک تو ایسے شخص کیلئے تیمم ہی ضروری ہے البتہ حنفیہ میں سے صاحبین فرماتے ہیں کہ سردی کی وجہ سے جنبی کا تیمم کرنا مصر میں جائز نہیں خارج مصر جائز [1] ہے کیونکہ شہر میں گرم پانی کا انتظام ہو سکتا ہے بخلاف صحراء کے، پھر اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر کسی شخص نے سردی کی وجہ سے بجائے غسل کے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو پھر زوال عذر کے بعد غسل کر کے اعادۂ صلوۃ واجب ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک واجب نہیں، اور امام شافعیؒ کے یہاں واجب ہے، وعن احمد روایتان، لیکن الروض المربع میں صرف عدم وجوب اعادہ مذکور ہے، لہذا اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ ایک طرف ہوئے اور امام شافعیؒ ایک طرف یہ تو مذاہب ہوئے ائمہ اربعہ کے، اور عطاء بن ابی رباح و حسن بصریؒ کے نزدیک اصل مسئلہ میں اختلاف ہے ان کے یہاں تیمم الجنب لاجل البرد مطلقاً جائز نہیں، بل یجب الغسل وإن مات۔

تنبیہ: حضرت شیخ قدس سرہٗ نے حاشیہ بذل میں بحوالہ عینی و مغنی اس مسئلہ میں شافعیہ کے ساتھ صاحبین کو بھی ذکر فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اعادہ واجب ہے لیکن صاحبین کا یہ مذہب باوجود کافی تتبع کے کہیں نہیں ملا، شرح وقایہ اور اس کے حاشیہ میں یہ قاعدہ کلیہ لکھا ہے کہ وہ عذر جو تیمم کیلئے مبیح ہوتا ہے کبھی من جانب اللہ ہوتا ہے جیسے مرض، برد اور خوف عطش وغیرہ اس صورت میں تیمم جائز ہے اور بعد میں اعادہ واجب نہیں اور جو عذر من جہۃ العباد ہو جیسے وہ شخص جو کفار کے قبضہ میں قید ہو جو اس کو وضو سے روکتے ہوں یا محبوس فی السجن وغیرہ ان صورتوں میں تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے لیکن زوال مانع کے بعد اعادہ واجب ہے، یہ تیمم کے جملہ مسائل و اختلاف ائمہ مراجعت الی الکتب کے بعد احتیاط کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ تحقیق یہی ہے۔

الوجه الرابع: وہ صورت جو حدیث الباب میں مذکور ہے یعنی وہ تیمم جو اس عبادت کیلئے کیا جائے جو فائت لا الی خلف ہو جس کی تشریح باب کے شروع میں گزر چکی۔

۳۲۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ، أَخْبَرَنَا أَبِي، عَنْ جَدِّي، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبِي الْجُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ أَبُو الْجُهَيْمِ: «أَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ السَّلَامَ حَتَّى أَتَى عَلَى جِدَارٍ، فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ

---

[1] محشی ہدایہ لکھتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک تسخین الماء فی المصر واجب ہے اور یا یہ کہ اجرت دے کر حمام میں غسل کرے اور اصحاب المغتسل کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ اجرت بعد الفراغ عن الغسل لیتے ہیں لہذا اگر اسکے پاس اس وقت اجرت نہ ہو تو عذر کر دے اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف اختلاف زمان ہے نہ کہ اختلاف برہان، لیکن اس طرح کے مسائل میں عمل کرنے کیلئے ارباب فتویٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ».

ترجمہ: حضرت عمیرؒ جو حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں فرماتے ہیں کہ میں اور عبداللہ بن یسار جو حضور اکرم ﷺ کی زوجہ حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں ابوالجہیم بن حارث بن صمہ انصاری کے پاس حاضر خدمت ہوئے تو ابو جہیم فرمانے لگے کہ حضور اکرم ﷺ بئر جمل (مدینہ کے ایک گاؤں) سے آئے تو ایک شخص آپ ﷺ سے ملا اس نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنے (چہرے اور ہاتھوں کا مسح) تیمم فرمایا پھر حضور ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔

تخریج: صحيح البخاري - التيمم (٣٣٠) صحيح مسلم - الحيض (٣٦٩) سنن النسائي - الطهارة (٣١١) سنن أبي داود - الطهارة (٣٢٩) مسند أحمد - مسند الشاميين (١٦٩/٤)

شرح الحدیث: قوله: دَخَلْنَا عَلَى أَبِي الْجُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ: ابوالجہیم کنیت ہے ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے کہا ان کا نام حارث بن الصمہ ہے لہٰذا لفظ "بن" جو ابوالجہیم اور حارث کے درمیان متن میں ہے وہ غلط ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کا نام عبداللہ ہے اس کے بعد جاننا چاہئے کہ یہ نام اسی طرح مصغراً بخاری کی روایت میں بھی ہے اور مسلم میں بجائے مصغر کے مکبر یعنی ابوالجہیم واقع ہے، حافظؒ کہتے ہیں کہ یہ تحریف ہے اور صحیح بالتصغیر ہے انکی روایت صحاح ستہ میں دو جگہ آتی ہے، ایک یہاں رد السلام میں اور دوسرے مر در بین یدی المصلی یعنی ابواب السترہ میں [1]، علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ صحابہ میں ایک شخص اور ہیں جن کی کنیت ابوالجہم (مکبراً) ہے اور ان کا نام عامر بن حذیفہ ہے اور ابوالجہم وہی ہیں جن کے بارے میں حدیث میں آتا ہے ائْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِي جَهْمٍ۔

ابوالجہیم کی اس حدیث میں ضربہ واحدہ مذکور ہے، حضرات شیخین امام بخاری و مسلم چونکہ ضربہ واحدہ کے قائل ہیں اس لئے ان دونوں نے بھی اس روایت کو اپنی اپنی صحیح میں لیا ہے۔

٣٣٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَوْصِلِيُّ أَبُو عَلِيٍّ، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ثَابِتٍ الْعَبْدِيُّ، أَخْبَرَنَا نَافِعٌ قَالَ: انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي حَاجَةٍ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَضَى ابْنُ عُمَرَ حَاجَتَهُ فَكَانَ مِنْ حَدِيثِهِ يَوْمَئِذٍ أَنْ قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سِكَّةٍ مِنَ السِّكَكِ، وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى إِذَا كَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَتَوَارَى فِي السِّكَّةِ «ضَرَبَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْحَائِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ، ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرَى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ» وَقَالَ: «إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَكُنْ عَلَى طُهْرٍ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: "سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ: رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ ثَابِتٍ حَدِيثًا مُنْكَرًا فِي التَّيَمُّمِ" قَالَ ابْنُ دَاسَةَ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: لَمْ يُتَابَعْ مُحَمَّدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي هَذِهِ الْقِصَّةِ عَلَى «ضَرْبَتَيْنِ» عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري - ج ١ ص ٤٤٢

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَدُّوهُ إِلَى فِعْلِ ابْنِ عُمَرَ.

ترجمہ: نافع فرماتے ہیں کہ میں ابن عمرؓ کے ساتھ کسی ضرورت سے حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ابن عمرؓ نے اپنی ضرورت پوری کی اور ابن عباسؓ کی اس دن بیان کردہ حدیث یہ تھی کہ ایک شخص کا نبی کریم ﷺ کے پاس سے مدینہ کی گلیوں میں سے ایک گلی میں گزر ہوا اس وقت آپ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر نکلے تھے تو اس شخص نے آپ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ نے اسکو جواب نہ دیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ شخص گلی میں نظروں سے اوجھل ہو جاتا آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر مارے اور چہرے کا مسح کیا پھر دوبارہ ضرب لگائی اور کلائیوں کا مسح کیا پھر اس شخص کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں سلام کا جواب (فوراً) اس لیے نہ دیا کہ میں بے وضو تھا۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ محمد بن ثابت نے تیمم کے بارے میں یہ منکر روایت نقل کی ہے۔ ابن داسہ فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن ثابت سے کسی نے اس قصہ میں نبی کریم ﷺ سے دو ضربوں کے بیان کرنے میں متابعت نہیں کی اور اسکو ابن عمرؓ کا فعل نقل کیا۔

شرح الحدیث: قوله: فَكَانَ مِنْ حَدِيثِهِ يَوْمَئِذٍ: حَدِيثِهِ کی ضمیر ابن عمرؓ کی طرف راجع ہے نہ کہ ابن عباسؓ کی طرف، گو سیاق کلام دونوں کو محتمل ہے، لیکن دوسری روایات کے پیش نظر متعین ہے کہ یہ ضمیر ابن عمرؓ ہی کی طرف راجع ہے۔

کیفیت تیمم میں حنفیہ کی دلیل اور مصنفؒ کا اس پر نقد: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ: اس حدیث ابن عمرؓ میں ضربتین مذکور ہے اسی طرح بجائے کفین کے ذراعین ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے مگر اس پر مصنفؒ کلام کر رہے ہیں کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں محمد بن ثابت کی یہ حدیث منکر ہے، اور پھر آگے مصنفؒ فرماتے ہیں محمد بن ثابت نافع سے اس کو مرفوعاً نقل کرنے میں متفرد ہیں، ان میں کسی نے ان کی متابعت نہیں کی، محمد بن ثابت کے علاوہ نافع کے دوسرے تلامذہ نے اس کو موقوفاً علی ابن عمر روایت کیا یعنی فعل ابن عمرؓ قرار دیا، حضرتؒ نے بذل میں اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن ثابت ثقہ ہیں اور زیادۃ الثقہ مقبول ہے [1]۔

٣٣١ - حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَحْيَى الْبُرُلُّسِيُّ، حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، أَنَّ نَافِعًا حَدَّثَهُ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: «أَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ عِنْدَ بِئْرِ جَمَلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْحَائِطِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْحَائِطِ، ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، ثُمَّ رَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ».

ترجمہ: ابن الہاد سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نافع نے ان سے ابن عمرؓ کی یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود- ج ٣ ص ٤٤-٤٥

صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو ایک شخص بئر جمل کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے اسے جواب نہ دیا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کے پاس آئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دیوار پر رکھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیرا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

شرح الحدیث: یہ مذکورہ بالا حدیث ابن عمرؓ کا دوسرا طریق ہے اس میں نافع سے روایت کرنے والے ابن الہاد ہیں اور گذشتہ روایت میں محمد بن ثابت تھے، ان دونوں میں متن کے اعتبار سے فرق ہے وہ یہ کہ پہلی روایت میں ضربتین مذکور تھا اور اسمیں ضربہ واحدہ مذکور ہے، بظاہر مصنفؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حدیث ابن عمرؓ جو مرفوعا ہے اس میں ضربہ واحدہ ہے اور حدیث ابن عمرؓ جو موقوفا ہے اس میں ضربتین مذکور ہے، محمد بن ثابت نے ابن عمرؓ کی ضربتین والی روایت کو مرفوعا نقل کر دیا۔

۱۲۴ - بَابُ الْجُنُبِ يَتَيَمَّمُ

باب جنبی آدمی کیلئے تیمم کی اجازت کے بیان میں

جنابت کیلئے تیمم باتفاق ائمہ اربعہ جائز ہے اس میں بعض علماء کا اختلاف منقول ہے، جو تیمم کی ابحاث عشری میں سے بحث عاشر میں گزر چکا۔

۳۳۲ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، أَخْبَرَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللهِ الْوَاسِطِيَّ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ بُجْدَانَ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: اجْتَمَعَتْ غُنَيْمَةٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ ابْدُ فِيهَا». فَبَدَوْتُ إِلَى الرَّبَذَةِ فَكَانَتْ تُصِيبُنِي الْجَنَابَةُ فَأَمْكُثُ الْخَمْسَ وَالسِّتَّ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «أَبُو ذَرٍّ». فَسَكَتُّ فَقَالَ: «ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ أَبَا ذَرٍّ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ». فَدَعَا لِي بِجَارِيَةٍ سَوْدَاءَ فَجَاءَتْ بِعُسٍّ فِيهِ مَاءٌ فَسَتَرَتْنِي بِثَوْبٍ وَاسْتَتَرْتُ بِالرَّاحِلَةِ، وَاغْتَسَلْتُ فَكَأَنِّي أَلْقَيْتُ عَنِّي جَبَلًا فَقَالَ «الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلَى عَشْرِ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدْتَ الْمَاءَ فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ» وَقَالَ: مُسَدَّدٌ: «غُنَيْمَةٌ مِنَ الصَّدَقَةِ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَحَدِيثُ عَمْرٍو أَتَمُّ».

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بکریاں جمع ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! ان بکریوں کو کسی گاؤں میں لے کر چلے جاؤ (حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں) میں انہیں لے کر قریہ ربذہ میں چلا گیا تو وہاں دوران قیام مجھ کو جنابت بھی پیش آتی اور (کئی کئی دن) پانچ چھ دن گزر جاتے (پانی نہ ملتا) تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا [آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حالت کے بارے میں کشف ہوا] تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر بھی) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں خاموش رہا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ کو تیری

ماں روئے اے ابوذرؓ تیری ماں کیلئے خسارہ ہو پھر آپ ﷺ نے میرے لئے ایک سیاہ فام باندی سے پانی منگوایا وہ ایک گھڑے میں (میرے غسل کیلئے) پانی لائی میں نے پردہ کی آڑ میں غسل کیا اس طور پر کہ ایک طرف وہ باندی کپڑا لیکر کھڑی ہو گئی اور دوسری طرف میں نے سواری کے ذریعہ پردہ کیا میں نے غسل کے بعد اپنی طبیعت میں ایسا ہلکا پن محسوس کیا جیسے میں نے اپنے اوپر سے پہاڑ اُتار کر رکھ دیا ہو۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (پانی نہ ہونے کے وقت) پاک مٹی مسلمان کیلئے طہارت کا کام دیتی ہے اگرچہ دس سال گزر جائیں پھر جب تم پانی پالو تو اسے استعمال کرو کیونکہ اس میں خیر ہے۔ مسدد فرماتے ہیں کہ بکریاں صدقہ کی تھیں۔ امام ابو داود فرماتے ہیں: اور عمرو بن عون استاد کی حدیث مسدد کی حدیث سے زیادہ مکمل ہے۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (١٢٤) سنن النسائي - الطهارة (٣٢٢) سنن أبي داود - الطهارة (٣٣٢) مسند أحمد - مسند الأنصار رضي الله عنهم (٥/١٨٠)

شرح الحديث قَالَ: اجْتَمَعَتْ غُنَيْمَةٌ الخ: غنیمہ غنم کی تصغیر ہے جو یہاں تقلیل کیلئے لائی گئی ہے، مضمون حدیث یہ ہے کہ ابو ذر غفاریؓ فرماتے کہ ایک مرتبہ کچھ بکریاں حضور ﷺ کے یہاں جمع ہو گئیں (ممکن ہے یہ بکریاں آپ ہی کی ملک ہوں یا بیت المال و صدقہ کی ہوں لیکن آگے متن میں آرہا ہے کہ مسدد کی روایت میں غُنَيْمَةٌ مِنَ الصَّدَقَةِ ہے) پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان بکریوں کو کسی گاؤں میں لے چلے جاؤ (تاکہ بکریوں کے رہنے اور گھاس پانی کی سہولت رہے، یہ وجہ تو محض احتمال عقلی ہے آگے روایت میں اس کی علت دوسری مذکور ہے، یعنی ابو ذرؓ کو مدینہ کی آب و ہوا کا موافق نہ آنا) حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں میں ان بکریوں کو لے کر مع اپنے اہل و عیال کے قریہ ربذہ میں چلا گیا اور بکریوں کی نگرانی و خدمت کیلئے وہیں قیام اختیار کر لیا، تو وہاں دوران قیام مجھ کو جنابت بھی پیش آئی اور کئی کئی دن گزر جاتے کہ غسل کیلئے پانی نہ ملتا (اور یہ تیمم کر کے نماز پڑھ لیتے جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں ہے) مگر ان کو مسئلہ کی تحقیق نہ ہونے کی بناء پر تیمم جنابت پر انشراح نہیں تھا جس کی وجہ سے طبیعت پر بوجھ محسوس کر رہے تھے، وہ فرماتے ہیں اسی کشمکش کی حالت میں مدینہ منورہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، چونکہ یہ بغیر اطلاع اور بغیر حضور ﷺ کی طلب کے آئے تھے، اس لئے خاموش کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر بھی خاموش رہے اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ أَبَا ذَرٍّ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ (تجھ کو تیری ماں روئے اور تیری ماں کیلئے خسارہ ہو) اس سے مقصود بددعاء کرنا نہیں ہے بلکہ صرف اظہار ناگواری ہے، بظاہر یہ اس لئے کہ اول تو تیمم کا مسئلہ معلوم کئے بغیر چلے گئے جس کی بناء پر وہاں کشمکش کی حالت میں رہے دوسرے یہ کہ جس کام پر مامور فرمایا تھا، وہاں سے بغیر طلب و اجازت کے چلے آئے، فَدَعَا لِي بِجَارِيَةٍ سَوْدَاءَ آپ ﷺ نے ان کے غسل کیلئے ایک گھڑے میں پانی منگایا اور چونکہ وہاں کوئی باقاعدہ غسل کی جگہ نہ تھی، وقتی طور پر پردہ کی آڑ میں غسل کیا، اس طور پر کہ ایک طرف سواری کو بٹھا لیا اور دوسری طرف وہ جاریہ کپڑا لے کر کھڑی ہو گئی فَكَأَنِّي أَلْقَيْتُ عَنِّي جَبَلًا یعنی غسل کے بعد میں

نے اپنی طبیعت میں ایسا ہلکا پن محسوس کیا جیسے میں نے اپنے اوپر سے پہاڑ اتار کر رکھ دیا ہو۔

تیمم کے طہارت مطلقہ ہونے کی دلیل: فَقَالَ الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلَى عَشْرِ سِنِينَ: آپ نے ان کو ہمیشہ کیلئے ایک مسئلہ بتلایا کہ پانی نہ ہونے کے وقت صعید طیب وہی کام کرتا ہے جو وضو اور غسل لہذا تیمم سے طہارت حاصل ہونے میں آدمی کو کوئی شک وشبہ نہ ہونا چاہیے۔

امام خطابیؒ فرماتے ہیں اس حدیث [1] سے حنفیہ نے اس بات پر استدلال کیا کہ تیمم وضو کے حکم میں ہے کہ جس طرح ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں [2]، اسی طرح تیمم سے بھی اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام بخاریؒ کوفیین اور جمہور کے ساتھ ہیں [3]۔

شرح السند: جاننا چاہئے کہ حدیث الباب کی سند ہمارے نسخہ میں اسطرح ہے "حدثنا عمرو بن عون نا خالد الواسطی ح وحدثنا مسدد قال نا خالد" اور بعض نسخوں میں حاء تحویل نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے "حدثنا عمرو بن عون ومسدد قالا نا خالد" اور ہونا بھی اسی طرح چاہئے، بظاہر حاء تحویل کی کوئی وجہ نہیں اسلئے کہ یہ دو مختلف سندیں نہیں ہیں جن کو الگ الگ بیان کیا جائے بلکہ مصنفؒ کے استاذ دو ہیں: عمرو بن عون اور مسدد یہ دونوں روایت کرتے ہیں ایک ہی استاذ یعنی خالد واسطی سے، اور ہمارے نسخہ کے اعتبار سے مصنف کے دونوں استاذوں میں تعبیر کا بھی کوئی فرق نہیں البتہ بذل کے حاشیہ پر ایک نسخہ کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں عمرو بن عون کے بعد بجائے نا کے أخبرنا [4] ہے، اس صورت میں فرق تعبیر کی وجہ سے حاء تحویل لانا درست ہو جائے گا اسلئے کہ عمرو بن عون اور مسدد دونوں کے استاذ گو ایک ہی ہیں لیکن ان میں سے ایک اپنے استاذ سے بطریق تحدیث نقل کر رہا ہے اور دوسرا بطریق اخبار، اور اخبار و تحدیث کے فرق کی وجہ سے مصنفؒ بعض مرتبہ حاء تحویل لے آتے ہیں۔

٣٣٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، أَخْبَرَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ قَالَ: دَخَلْتُ فِي الْإِسْلَامِ فَأَهَمَّنِي دِينِي، فَأَتَيْتُ أَبَا ذَرٍّ فَقَالَ: أَبُو ذَرٍّ إِنِّي اجْتَوَيْتُ الْمَدِينَةَ، فَأَمَرَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَوْدٍ وَبِغَنَمٍ فَقَالَ لِي: «اشْرَبْ مِنْ أَلْبَانِهَا» - قَالَ حَمَّادٌ: وَأَشُكُّ فِي أَبْوَالِهَا. هَذَا قَوْلُ حَمَّادٍ - فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ: فَكُنْتُ أَعْزُبُ عَنِ الْمَاءِ، وَمَعِي

---

[1] جاننا چاہئے کہ یہ حدیث مسند احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم میں بھی ہے اور ترمذی میں مختصراً اور حاکم فرماتے ہیں شیخین نے اس کی تخریج اس لئے نہیں کی کہ اس حدیث کو عمرو بن بجدان سے ابو قلابہ کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کیا، صاحب منہل کہتے ہیں: حافظ منذریؒ نے تھذیب السنن میں امام ترمذیؒ سے اس حدیث کی تصحیح نقل کی ہے لیکن ہمارے پاس ترمذی کے موجودہ نسخہ میں اس کی تصحیح نہیں بلکہ تحسین ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس جو نسخہ ہو اس میں تصحیح ہو۔

[2] معالم السنن — ج ١ ص ١٠٢

[3] فتح الباري شرح صحيح البخاري — ج ١ ص ٤٤٦

[4] بذل المجهود في حل أبي داود — ج ٣ ص ٤٩

أَهْلِي فَتُصِيبُنِي الْجَنَابَةُ فَأُصَلِّي بِغَيْرِ طُهُورٍ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنِصْفِ النَّهَارِ، وَهُوَ فِي رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، وَهُوَ فِي ظِلِّ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ: فَقُلْتُ: نَعَمْ. هَلَكْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «وَمَا أَهْلَكَكَ؟» قُلْتُ: إِنِّي كُنْتُ أَعْزُبُ عَنِ الْمَاءِ، وَمَعِي أَهْلِي فَتُصِيبُنِي الْجَنَابَةُ فَأُصَلِّي بِغَيْرِ طُهُورٍ، فَأَمَرَ لِي رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِمَاءٍ، فَجَاءَتْ بِهِ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ بِعُسٍّ يَتَخَضْخَضُ مَا هُوَ بِمَلْآنَ، فَتَسَتَّرْتُ إِلَى بَعِيرِي، فَاغْتَسَلْتُ، ثُمَّ جِئْتُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَبَا ذَرٍّ: إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ طَهُورٌ، وَإِنْ لَمْ تَجِدِ الْمَاءَ إِلَى عَشْرِ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدْتَ الْمَاءَ، فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ" قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ لَمْ يَذْكُرْ أَبْوَالَهَا» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «هَذَا لَيْسَ بِصَحِيحٍ، وَلَيْسَ فِي أَبْوَالِهَا إِلَّا حَدِيثُ أَنَسٍ تَفَرَّدَ بِهِ أَهْلُ الْبَصْرَةِ».

ترجمہ ابو قلابہ بنو عامر کے ایک شخص سے یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب میں اسلام لایا اور مجھے دین کے معاملات کی اہمیت معلوم ہوئی تو میں حضرت ابو ذرؓ کے پاس حاضر ہوا تو ابو ذرؓ نے فرمایا کہ مجھے مدینہ کی آب وہوا موافق نہ ہوئی (مجھے پیٹ کا مرض لاحق ہو گیا) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے اونٹ اور بکریوں کا دودھ پینے کا حکم فرمایا اور راوی کہتے ہیں کہ مجھے بول کے لفظ میں شک ہے (کہ شاید پیشاب پینے کا حکم فرمایا) یہ حماد کا قول ہے۔ حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں پانی سے دور رہتا تھا اور میرے ساتھ میرے اہل وعیال بھی تھے تو مجھے جنابت لاحق ہوئی اور میں بغیر وضو کے تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا تو رسول اللہ ﷺ کے پاس دوپہر کے وقت میں حاضر خدمت ہوا دوپہر کے وقت اس وقت آپ ﷺ صحابہ کی جماعت کے ساتھ مسجد کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو ذرؓ! میں نے عرض کیا: جی، اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کس چیز نے تمہیں ہلاک کیا تو میں نے عرض کیا کہ میرے اہل وعیال میرے ساتھ پانی سے دور مقام میں رہتے ہیں اور مجھے جنابت بھی لاحق ہوتی ہے تو میں بغیر پاکی کے (تیمم کر کے) نماز پڑھ لیتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے پانی لانے کا حکم فرمایا چنانچہ ایک سیاہ باندی بڑے برتن میں پانی لے آئی، وہ پانی پیالہ بھرا ہوا نہ ہونے کی وجہ سے ہل رہا تھا میں نے اونٹ کی اوٹ سے پردہ بنا کر غسل کیا پھر حاضر خدمت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ذرؓ پاک مٹی (مسلمان کو) پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس برس تک بھی پانی نہ پاؤ، پھر جب پانی تمہیں مل جائے تو اس سے جسم کو پاک کر لو۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ حماد بن زید نے ایوب سے اس روایت کو نقل کیا اس میں لفظ أَبْوَالِهَا کو ذکر نہیں کیا اور أَبْوَالِهَا کا ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور انسؓ کے سوا کسی کی حدیث میں أَبْوَال کا ذکر نہیں ہے۔ اہل بصرہ اس کے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (١٢٤) سنن النسائي - الطهارة (٣٢٢) سنن أبي داود - الطهارة (٣٣٣) مسند أحمد - مسند الأنصار رضي الله عنهم (١٨٠/٥)

شرح الحديث قوله: فَقَالَ لِي: «اشْرَبْ مِنْ أَلْبَانِهَا» - قَالَ حَمَّادٌ: وَأَشُكُّ فِي أَبْوَالِهَا: حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے مجھے ان ابل وغنم کا دودھ پینے کا حکم فرمایا، اور راوی کہتا ہے کہ ذکر بول میں مجھے شک ہے، بظاہر یہ شک حماد کی جانب سے ہے اس لئے کہ آگے چل کر مصنفؒ فرمارہے ہیں قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ لَمْ يَذْكُرْ «أَبْوَالَهَا» یعنی اس حدیث کو ایوب سے حماد بن زیدؒ نے روایت کیا تو انہوں نے أَبْوَالِهَا کو ذکر نہیں کیا، نیز مصنفؒ کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ سند کے شروع میں جو حماد مذکور ہیں وہ حماد بن سلمہ ہیں۔

قوله: هَذَا لَيْسَ بِصَحِيحٍ الخ: یعنی اس حدیث میں ابوال کا ذکر صحیح نہیں حضور ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو صرف شرب البان کا حکم دیا تھا، وَلَيْسَ فِي أَبْوَالِهَا إِلَّا حَدِيثُ أَنَسٍ یعنی جس حدیث میں البان کے ساتھ شرب ابوال کا بھی ذکر ہے وہ دوسری حدیث ہے جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں، مصنفؒ کا اشارہ اس سے حدیث العرنیین کی طرف ہے جو کہ مشہور ہے اور صحیحین ودیگر اکثر کتب صحاح میں مذکور ہے۔

قوله: تَفَرَّدَ بِهِ أَهْلُ الْبَصْرَةِ: اس کا تعلق حدیث انسؓ سے نہیں بلکہ حدیث الباب حدیث ابوذرؓ سے ہے، بول ماکول اللحم کی طہارت ونجاست میں اختلاف بَابُ الِاسْتِبْرَاءِ مِنَ الْبَوْلِ میں گزر چکا۔

١٢٥ - بَابُ إِذَا خَافَ الْجُنُبُ الْبَرْدَ أَيَتَيَمَّمُ

باب جب جنبی شخص کو ٹھنڈ کا خطرہ ہو تو کیا تیمم کر سکتا ہے؟

اس ترجمۃ الباب کا حوالہ اور جو مسئلہ اس میں مذکور ہے وہ مع اختلاف ائمہ بالتفصیل بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ میں گزر چکا۔

٣٣٤ - حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، أَخْبَرَنَا أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ أَيُّوبَ يُحَدِّثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ الْمِصْرِيِّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: احْتَلَمْتُ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ فَأَشْفَقْتُ إِنِ اغْتَسَلْتُ أَنْ أَهْلِكَ فَتَيَمَّمْتُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ بِأَصْحَابِي الصُّبْحَ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «يَا عَمْرُو صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ؟» فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي مَنَعَنِي مِنَ الِاغْتِسَالِ وَقُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ اللهَ يَقُولُ: { وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا [1] } فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا قَالَ أَبُو دَاوُدَ: عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ جُبَيْرٍ مِصْرِيٌّ مَوْلَى خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ، وَلَيْسَ هُوَ ابْنُ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ.

ترجمہ حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے غزوہ ذات السلاسل میں ایک سردی کی رات میں احتلام ہوا۔ پس مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں ٹھنڈے پانی سے غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا اسلئے تیمم کر لیا پھر اپنے اصحاب کو

صبح کو نماز پڑھادی۔ سفر سے واپسی پر صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عمروؓ تم نے حالت جنابت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھادی؟ تو میں نے آپ ﷺ سے وہ بات عرض کی جس نے مجھے غسل سے روک دیا تھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سن رکھا تھا کہ "اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں (یہ سن کر) آپ ﷺ مسکرائے اور کچھ نہ کہا۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن جبیر مصری خارجہ بن حذافہ کے آزاد کردہ غلام، ہیں وہ جبیر بن نفیر نہیں ہیں۔

شرح الحدیث: قوله: عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: احْتَلَمْتُ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ السُّلَاسِلِ الخ: اس کو غزوہ کہنا توسعاً ہے اسلئے کہ مشہور قول کی بناء پر غزوہ تو وہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی شرکت ہو اور جس میں آپ کی شرکت نہ ہو وہ سریہ ہے، اور اس میں آپ ﷺ کی شرکت نہ تھی، لیکن یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں، یہ سریہ ابن العاصؓ کے نام سے معروف ہے جو جمادی الاولیٰ ۸ھ میں بھیجا گیا تھا، امیر سریہ عمرو بن العاصؓ ہی تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو تین سو سربر آوردہ مہاجرین وانصار کا امیر بنا کر مشرکین کے قبائل لخم وجذام وغیرہ کے مقابلہ میں بھیجا تھا، یہ مقابلہ موضع سلاسل میں ہوا، سلاسل ایک چشمہ (کنواں) کا نام ہے اس کے اور مدینہ کے درمیان دس دن کی مسافت ہے، اسی لئے اس کو غزوۂ ذات السلاسل کہتے ہیں، بعض نے اس کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ اس لڑائی میں مشرکین نے آپس میں ایک کو دوسرے سے باندھ لیا تھا تاکہ ان میں سے کوئی بھاگ نہ سکے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس میدان میں ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور جو پاؤں کی زنجیر (سلسلہ) کی طرح آگے قدم بڑھانے سے مانع ہوتے ہیں اس لئے ان ٹیلوں کو ذات السلاسل کہا جاتا ہے۔

مضمون حدیث: مضمون حدیث یہ ہے عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس غزوہ میں ایک سردی کی رات میں احتلام ہوا (ظاہر ہے کہ گرم پانی کا انتظام وہاں کہاں تھا) پس مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا اسلئے تیمم کر لیا اور اسی تیمم سے اپنے اصحاب کو صبح نماز پڑھائی، سفر سے واپسی پر حضور ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا گیا اس پر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم نے حالت جنابت میں نماز پڑھادی؟ آگے مضمون حدیث واضح ہے۔

قوله: وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا: حضور ﷺ کے سکوت اور تقریر سے جواز تیمم للجنب لاجل البرد معلوم ہو گیا، لیکن یہاں پر اشکال یہ ہے کہ اس سے پہلے آپ ﷺ نے صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ؟ کیوں فرمایا، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ شاید آپ ﷺ کا ان سے یہ فرمانا امتحاناً ہو کہ دیکھیں کیا جواب دیتے ہیں چنانچہ ان کے جواب پر آپ ﷺ مسکرائے۔

اس حدیث سے ایک مسئلہ اور معلوم ہوا یعنی امامة المتيمم للمتوضئين جو کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے لیکن امام مالکؒ کے نزدیک اس میں کراہت ہے، البتہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

٣٣٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ، وَعَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ كَانَ عَلَى سَرِيَّةٍ، وَذَكَرَ الْحَدِيثَ نَحْوَهُ، قَالَ: «فَغَسَلَ مَغَابِنَهُ وَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ صَلَّى بِهِمْ»، فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرِ التَّيَمُّمَ.

قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَرَوَى هَذِهِ الْقِصَّةَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ قَالَ فِيهِ: «فَتَيَمَّمَ».

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن جبیر ابو قیس سے جو عمرو بن العاصؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ ایک سریہ میں تھے اور اسی (گزشتہ) حدیث کی مثل حدیث بیان کی اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے اپنے میل کچیل جمع ہونے کے مقامات کو دھویا اور وضو کیا جس طرح نماز کیلئے کیا جاتا ہے پھر انہیں نماز پڑھائی پھر اسی طرح حدیث بیان کی اور اس میں تیمم کا ذکر نہیں۔ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ اوزاعی سے حسان بن عطیہ کے واسطے سے بھی مروی ہے اس میں انہوں نے (اوزاعی نے) فرمایا کہ پھر انہوں (عمرو بن العاصؓ نے) تیمم کیا۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٣٣٤) مسند أحمد - مسند الشاميين (٤/٢٠٤)

شرح الحدیث: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ الخ: یہ حدیث سابق کا دوسرا طریق ہے، گذشتہ سند میں یزید بن ابی حبیب سے روایت کرنے والے یحییٰ بن ایوب ہیں اور اس میں عمرو بن الحارث۔

قوله: فَغَسَلَ مَغَابِنَهُ وَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ: ان دونوں روایتوں میں بڑا فرق ہے، پہلی روایت میں یہ تھا کہ انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھائی اور اس دوسری روایت میں تیمم کا ذکر نہیں بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے غسل مغابن (یعنی استنجاء بالماء) اور وضو کیا، یہ بڑے اشکال کی بات ہے اسلئے کہ تیمم تو جنابت کیلئے کافی ہو سکتا ہے لیکن وضو غسل کے قائم مقام نہیں ہو سکتی یہ کسی کا بھی مذہب نہیں، بہر حال ان دونوں روایتوں میں اختلاف ہو گا، امام بخاریؒ نے ذکر تیمم والی روایت کو ترجیح دی ہے اور اسی کو صحیح بخاری میں تعلیقاً لیا ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں یحتمل انه جمعهما یعنی احتمال ہے کہ غسل مغابن کے ساتھ وضو اور تیمم دونوں کیا ہو، امام نوویؒ فرماتے ہیں یہی توجیہ صحیح اور متعین ہے، اور امام ابو داؤد کا میلان امام بخاریؒ کی رائے کی طرف معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ انہوں نے آگے چل کر ذکر تیمم کو حسان بن عطیہ کے طریق سے مؤید کیا ہے، مغابن کہتے ہیں مواضع وسخ وعرق کو یعنی بدن کے وہ حصے جہاں شکن اور جوڑ ہونے کی وجہ سے میل جمع ہو جاتا ہے جیسے الابطین واصول فخذین، یہاں اصول فخذین ہی مراد ہے اور اسکے ارد گرد اسی لئے ہم نے اسکا ترجمہ استنجاء سے کیا ہے۔

١٢٦ - بَابٌ فِي الْمَجْرُوحِ يَتَيَمَّمُ

زخمی آدمی کے تیمم کرنے کے بیان میں

یہاں پر تین نسخے ہیں، ہمارے نسخہ میں المجروح ہے اور ایک نسخہ میں المعذور ہے اور ایک میں المجدور ہے، یعنی وہ شخص جس کو

جدری ہو، جدری چیچک کو کہتے ہیں سارے بدن میں چھوٹی چھوٹی پھنسیاں نکل آتی ہیں، قیل اول من عذب بہ قوم فرعون۔

٣٣٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَنْطَاكِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ خُرَيْقٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ، ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ: هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ؟ فَقَالُوا: مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرَ بِذَلِكَ فَقَالَ: «قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللهُ أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ، إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ - أَوْ» يَعْصِبَ «شَكَّ مُوسَى - عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً، ثُمَّ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهِ».

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نکلے ہمارے ایک ساتھی کے سر پر پتھر آلگا جس سے اسکا سر زخمی ہو گیا پھر ان کو احتلام بھی ہو گیا ان صحابی نے اپنے رفقاء سے معلوم کیا کہ کیا میرے لئے تیمم کی گنجائش ہے ساتھیوں نے کہا کہ پانی (موجود ہے اور اس کے) استعمال پر قدرت بھی ہے لہٰذا ہمیں تمہارے لئے رخصت نظر نہیں آتی چنانچہ ان صحابی نے غسل کر لیا جس سے (انکے دماغ میں پانی پہنچا اور) ان کا انتقال ہو گیا پھر جب ہم واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی (اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا) اور فرمایا ان لوگوں نے اس شخص کو مارا ان کا ناس ہو۔ اگر انہیں مسئلہ کا علم نہ تھا تو انہوں نے مسئلہ دریافت کیوں نہ کیا بے شک عاجز شخص کی شفاء تو سوال دریافت کرنے میں ہے۔ اس (مذکورہ) شخص کو یہ کرنا چاہیے تھا کہ تیمم کر لیتا اور زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح اور باقی بدن دھولیتا۔ موسیٰ کو یہاں شک ہے کہ راوی نے یہاں زخم پر پٹی باندھنے کیلئے یَعْصِرَ کا لفظ استعمال کیا یا یَعْصِبَ کا۔

شرح الحدیث: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَنْطَاكِيُّ: مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں تھے ہمارے ایک ساتھی کے سر پر پتھر آکر لگا جس سے ان کا سر زخمی ہو گیا، پھر اتفاق سے ان کو احتلام بھی ہو گیا، ان صحابیؓ نے اپنے رفقاء سے معلوم کیا کہ کیا میرے لئے تیمم کی گنجائش ہے؟ انہوں نے کہا پانی موجود ہے اور اس کے استعمال پر قدرت بھی ہے لہٰذا کوئی گنجائش نہیں چنانچہ ان صحابیؓ نے غسل کیا جس سے دماغ کے اندر پانی پہنچا اور انتقال ہو گیا، واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کی گئی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور فرمایا قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللهُ، ان ہی لوگوں نے اس شخص کو مارا ان کا ناس ہو، اس میں ہلاکت کی نسبت لوگوں کی طرف کی گئی ہے اس لئے کہ بظاہر یہی لوگ ان صحابیؓ کی موت کا سبب بنے تھے۔

قولہ: فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ: جز یں نیست عاجز اور ناواقف کی شفاء اہل علم سے معلوم کرنے میں ہے، عِیّ کے معنی ہیں عدم قدرت علی الکلام، یہاں اس سے مراد عدم علم ہے اس لئے کہ بولنا اسی کو چاہئے جس کو معلوم بھی ہو۔

بذل [1] میں لکھا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مفتی کے خطأ غلط فتویٰ دینے کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہو جائے تو اس

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٣ ص ٦٤

میں قصاص یا دیت نہیں ہے، حضرت شیخؒ نے حاشیہ بذل میں ابن الصلاحؒ محدث سے نقل کیا ہے کہ اگر مستفتی کسی شخص کے فتوے پر کوئی چیز تلف کر دے اور پھر بعد میں فتوے کا خطا ہونا معلوم ہو تو اس صورت میں مفتی ضامن [1] ہوگا بشرطیکہ وہ مفتی افتاء کا اہل ہو، ورنہ ضمان نہیں کیونکہ اس دوسری صورت میں تقصیر مستفتی کی طرف سے ہے اور ابن رسلان کہتے ہیں جو شخص منصب افتاء پر قائم ہوا اور اس میں شہرت یافتہ ہو تو اس صورت میں مستفتی کی تقصیر نہیں۔

قوله: إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ - أَوْ - يَعْصِبَ: آپ نے فرمایا اس شخص مذکور کو یہ کرنا چاہئے تھا کہ تیمم کرتا اور زخمی سر پر پٹی باندھ کر اس پر مسح اور باقی بدن کا غسل کرتا۔

مسئله ثابته بالحديث ميں اختلاف علماء: اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کسی شخص کو غسل کی حاجت ہو اور اس کے بدن کا بعض حصہ زخمی ہو تو اس زخمی حصہ کو نہ دھوئے بلکہ اس کی نیت سے تیمم کرنے اور بدن کے صحیح حصہ کو پانی سے دھوئے یہی مذہب ہے امام شافعیؒ وامام احمدؒ کا جیسا کہ مغنی وغیرہ کتب فقہیہ میں ہے، اور حنفیہ ومالکیہ فرماتے ہیں بدن کے اکثر حصہ کا اعتبار ہوگا، اگر وہ جریح ہے تو صرف تیمم کرنے اور اگر بدن کا اکثر حصہ صحیح ہے تو اس حصہ کا غسل کرے اور باقی کا مسح، غسل اور تیمم کو جمع نہیں کیا جائیگا اور اگر جریح و صحیح دونوں حصے برابر ہوں تو اس تساوی کی صورت میں ہمارے یہاں دونوں روایتیں ہیں، ایک یہ کہ صرف تیمم کرنے دوسری یہ کہ صحیح کا غسل اور جریح کا مسح، اور کتب مالکیہ دسوقی وغیرہ میں اس مسئلہ میں بڑی تفصیل لکھی ہے، نیز لکھا ہے کہ جن صورتوں میں تیمم کا حکم ہے ان میں اگر تمام جسم کا غسل کرے تو کافی ہو جائیگا، لیکن اگر صحیح کا غسل اور جریح کا مسح کرے تو یہ بجائے تیمم کے کافی نہ ہوگا اور بہر کیف جمع بین الغسل والتیمم ان کے یہاں نہیں ہے۔

حنفیه کی طرف سے حدیث کا جواب: اس حدیث میں چونکہ جمع بین الغسل والتیمم مذکور ہے اسلئے یہ حنفیہ ومالکیہ کے خلاف ہوئی، جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی اگرچہ ابن السکنؒ نے تصحیح کی ہے لیکن دار قطنیؒ اور بیہقیؒ نے تضعیف کی ہے بیہقی نے متعدد طرق سے تخریج کے باوجود اس کی تضعیف کی ہے، اور امام نوویؒ نے تو لکھا ہے "اتفقوا على ضعفه" دراصل اس حدیث کے متن میں رواۃ کا اختلاف واضطراب ہے بعض رواۃ نے اس میں جمع بین الغسل والتیمم ذکر کیا ہے اور بعض

---

[1] بخاری شریف کتاب الأحکام (باب إذا قضى الحاكم بجور أو خلاف أهل العلم فهو رد ٦٧٦٦) میں ابن عمرؓ کی ایک حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خالد بن الولیدؓ نے بعض قیدیوں کو اجتہاداً غلطی سے قتل کر دیا تھا، جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، اس پر شراح لکھتے ہیں وانما لم يعاقبه لانه كان مجتهداً واتفقوا على ان القاضي اذا قضى بجور او بخلاف ما عليه اهل العلم فحكمه مردود. فان كان على وجه الاجتهاد واخطأ كما صنع خالد فالاثم ساقط والضمان لازم فان كان الحكم في قتل فالدية في بيت المال عند ابي حنيفة واحمد وعلى عاقلته عند الشافعي وابي يوسف ومحمد، لیکن ان دونوں قصوں میں مباشر اور متسبب کا فرق ہے، ابوداؤد کی روایت میں یہ مسئلہ بتانے والے متسبب تھے اور حضرت خالدؓ مباشر۔ گو بعض جگہ دونوں کا حکم ایک ہو جاتا ہے کما في الاشباه والنظائر وكما في مسئلة قطاع الطريق ففي الكنز وغير المباشر كالمباشر. والله تعالى اعلم۔

نے صرف غسل، چنانچہ زبیر بن خریق نے جب اس حدیث کو عطاء سے نقل کیا تو جمع بین الغسل والتیمم ذکر کیا، لیکن اول تو زبیر بن خریق ضعیف ہیں، ثانیاً یہ کہ عطاء کے دوسرے تلامذہ نے انکی مخالفت کی، چنانچہ اوزاعی اس حدیث کو عطاء سے بلاغاً روایت کرتے ہیں اور اسمیں صرف غسل کا ذکر ہے تیمم کا نہیں جیسا کہ باب کی اگلی روایت میں آرہا ہے، انکا جواب ایک اور بھی ہوسکتا ہے جس کو حضرتؒ نے بذل میں ذکر فرمایا ہے وہ یہ کہ اس حدیث کی تاویل کی جائے کہ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيَعْصِرَ میں واؤ بمعنی أو لیا جائے، اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے شخص مذکور کیلئے حصول طہارت کے دو طریقے ذکر فرمائے ایک یہ کہ صرف تیمم کرے دوسرے یہ کہ سر پر پٹی باندھنے کے بعد اس پر مسح کرے اور باقی بدن کو دھوئے یعنی آپ کی مراد یہ نہیں کہ دونوں کو جمع کیا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب اس قسم کی صورت پیش آئے تو یا صرف تیمم کیا جائے یا صرف غسل و مسح، جیسا کہ حنفیہ ومالکیہ کے یہاں ہے کہ ایک صورت میں تیمم اور ایک صورت میں غسل۔

کیا حدیث الباب پر مصنفؒ نے سکوت فرمایا ہے: واضح رہے کہ یہ حدیث جو کہ شافعیہ کے موافق پڑتی ہے امام نوویؒ نے تو اس کا ضعف تسلیم کرلیا ہے لیکن شیخ ابن حجر مکی شافعیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام ابوداودؒ نے اس پر سکوت کیا ہے لہذا یہ حجت ہے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں امام ابوداودؒ کا سکوت دوسرے محدثین کی تضعیف صریح کا مقابلہ نہیں کرسکتا[1]، احقر کہتا ہے ہمیں یہ تسلیم ہی نہیں کہ امام ابوداودؒ نے اس پر سکوت کیا ہے اسلئے کہ مصنفؒ نے اس میں اختلاف روایت کو ذکر کیا ہے، اولاً بایں سند روایت کیا: عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ خُرَيْقٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ اور اس میں جمع بین الغسل والتیمم مذکور ہے، پھر مصنفؒ نے اس کو ذکر کیا "عن الاوزاعی انه بلغه عن عطاء بن ابی رباح عن ابن عباس" اس میں جمع بین الغسل والتیمم نہیں ہے بلکہ صرف غسل ہے لہذا اس حدیث میں بظاہر سنداً ومتناً دونوں طرح اضطراب ہوا، پس اب یہ کہنا کہاں صحیح ہے کہ مصنفؒ نے اس پر سکوت فرمایا ہے، امام ابوداودؒ کا عموماً وہ طرز نہیں ہے جو امام ترمذیؒ کا ہے کہ صراحۃً روایت پر نقد کریں بلکہ مصنفؒ کا تو صنیع بتلاتا ہے کہ وہ روایت پر نقد کررہے ہیں یا سکوت خوب سمجھ لیجئے۔

٣٣٧ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَاصِمٍ الْأَنْطَاكِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ، أَخْبَرَنِي الْأَوْزَاعِيُّ أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: أَصَابَ رَجُلًا جُرْحٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ احْتَلَمَ فَأُمِرَ بِالِاغْتِسَالِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَلَمْ يَكُنْ شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالَ».

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص کو زخم لگا پھر اسے احتلام بھی ہوگیا تو اسے لوگوں نے غسل کا حکم دیا اس نے غسل کرلیا جس سے اسکی وفات ہوگئی جب یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان لوگوں نے اس شخص کو

---

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ٢ ص ٢١٦

قتل کیا اللہ ان کو ہلاک کرے کیا لا علم اور عاجز شخص کا علاج سوال کرنا نہیں ہے؟

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۳۳۷) سنن الدارمي - الطهارة (۷۵۲)

شرح الحدیث: قوله: فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ: اس طریق میں صرف واقعہ کا ذکر ہے اور یہ نہیں بتایا گیا کہ حضور ﷺ انکو کس چیز کا حکم فرمایا غسل یا تیمم یا ہر دو کا، لیکن بذل میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اسی سند سے ابن ماجہ میں بھی ہے اور اس میں ایک زیادتی ہے جو ابوداؤد میں نہیں قَالَ عَطَاءٌ: وَبَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَوْ غَسَلَ جَسَدَهُ، وَتَرَكَ رَأْسَهُ حَيْثُ أَصَابَهُ الْجِرَاحُ» [1]، دیکھئے اس حدیث میں صرف غسل کا ذکر ہے، جمع بین الغسل والتیمم نہیں اور ویسے بھی جمع بین الغسل والتیمم کا خلاف قیاس ہونا ظاہر ہے کیونکہ اس میں نائب اور اصل دونوں کا اجتماع ہے۔

۱۲۸ - بَابٌ فِي الْمُتَيَمِّمِ يَجِدُ الْمَاءَ بَعْدَ مَا يُصَلِّي فِي الْوَقْتِ

باب ایک شخص نے تیمم کر کے نماز پڑھی پھر نماز کے وقت میں پانی پالیا تو کیا کرے؟

یعنی ایک شخص نے عدم وجدان ماء کی وجہ سے تیمم کر کے نماز ادا کرلی اس کے بعد نماز کے وقت میں پانی دستیاب ہو گیا تو کیا اس صورت میں نماز کا اعادہ ہے؟ باتفاق ائمہ اربعہ نماز کا اعادہ نہیں ہے البتہ بعض تابعین جیسے عطاءؒ، طاوسؒ، زہریؒ وغیرہم کے نزدیک اعادہ واجب ہے اور اگر پانی حاصل ہو خروج وقت کے بعد تو پھر بلا خلاف اعادہ واجب نہیں۔

مسئلة الباب کی متعدد صورتیں اور ہر ایک کا حکم: یہاں دو صورتیں اور ہیں: ایک یہ کہ تیمم کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے پانی مل جائے اور دوسری یہ کہ اثناء نماز میں پانی میسر ہو جائے، پہلی صورت میں باتفاق ائمہ اربعہ وجمہور علماء تیمم باطل ہو جائیگا، وضو سے نماز پڑھنا ضروری ہے البتہ داؤد ظاہریؒ اور ابوسلمۃ بن عبدالرحمنؒ کا اسمیں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں وضو کی حاجت نہیں اسی تیمم سے نماز پڑھ لے اس لئے کہ تیمم اس کی صحت کے شرائط پائے جانے کے بعد کیا گیا تھا جو ایک عمل ہے اور ابطال عمل جائز نہیں، قال تعالی: وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ [2]، اور دوسری صورت یعنی جب اثناء صلوۃ میں پانی ملے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے [3] امام ابو حنیفہؒ واحمدؒ کے یہاں تیمم باطل ہو جائیگا، امام شافعیؒ وامام مالکؒ کے نزدیک باطل نہ ہوگا، مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کی کل چار صورتیں ہیں بعض اجماعی اور بعض مختلف فیہ۔

---

[1] سنن ابن ماجه - كتاب الطهارة وسننها - باب في المجروح تصيبه الجنابة، فيخاف على نفسه إن اغتسل ۵۷۲

[2] اور ضائع مت کرواپنے کیے ہوئے کام (سورۃ محمد ۳۳)

[3] اس صورت میں صحت صلوۃ وعدم صحت کے اعتبار سے صاحبین وامام صاحب کے درمیان قدرے اختلاف ہے، امام صاحب فرماتے ہیں اگر سلام پھیرنے سے پہلے ایسے شخص کو پانی مل جائے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک قعود قدر التشهد کے بعد پانی ملنے سے نماز باطل نہ ہوگی اور یہ مسئلہ ان مسائل اثنا عشریہ میں سے ہیں جن میں امام صاحبؒ وصاحبینؒ کا اختلاف مشہور ہے۔

٣٣٨ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ، عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ، فَتَيَمَّمَا صَعِيدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا، ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ، فَأَعَادَ أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ، ثُمَّ أَتَيَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ: «أَصَبْتَ السُّنَّةَ، وَأَجْزَأَتْكَ صَلَاتُكَ». وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَأَعَادَ: «لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَغَيْرُ ابْنِ نَافِعٍ، يَرْوِيهِ عَنِ اللَّيْثِ، عَنْ عُمَيْرَةَ بْنِ أَبِي نَاجِيَةَ، عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «وَذِكْرُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ لَيْسَ بِمَحْفُوظٍ وَهُوَ مُرْسَلٌ».

ترجمہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں دو شخص سفر پر نکلے جب نماز کا وقت آیا تو پانی کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر وقت کے اندر ان کو پانی مل گیا ایک نے ان میں سے وضو کر کے نماز کا اعادہ کیا اور دوسرے نے نہیں کیا پھر سفر سے واپسی پر انہوں نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اس شخص سے جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا فرمایا تم نے طریقہ مشروعہ کے مطابق کیا تمہاری پڑھی ہوئی نماز تمہارے لئے کافی ہے اور دوسرے شخص سے جس نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کیا تھا فرمایا تمہارے لئے دوہرا ثواب ہے، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ابن نافع کے علاوہ دیگر شاگردوں نے اس کو لیث سے انہوں نے عمیرۃ بن ابی ناجیہ سے انہوں نے بکر بن سوادۃ سے انہوں نے عطاء بن یسار سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اور امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں جو ابو سعید کا ذکر ہے وہ محفوظ نہیں اسلئے یہ حدیث مرسل ہے۔

شرح الحدیث قوله: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: خَرَجَ رَجُلَانِ: اس حدیث میں وہی صورت مذکور ہے جو ترجمۃ الباب میں ہے کہ دو شخصوں نے ایک سفر میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز ادا کر لی، پھر وقت کے اندر ان کو پانی مل گیا، ایک نے ان میں سے وضو کر کے نماز کا اعادہ کیا اور دوسرے نے نہیں کیا، پھر سفر سے واپسی پر انہوں نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ: أَصَبْتَ السُّنَّةَ، یعنی آپ ﷺ نے اس شخص سے جس نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا فرمایا تو نے طریقہ مشروعہ کے مطابق کیا، اور دوسرے شخص سے آپ نے فرمایا تیرے لئے دوہرا ثواب ہے، تیمم کے ذریعہ فرض ادا ہو گیا، اور دوسری نماز جو وضو سے پڑھی وہ نفل ہو گی، یہ حدیث ائمہ اربعہ کے موافق اور عطاء وغیرہ کے خلاف ہے۔

قوله: قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَغَيْرُ ابْنِ نَافِعٍ، يَرْوِيهِ عَنِ اللَّيْثِ الخ: مصنفؒ اختلاف فی السند کو بیان فرما رہے ہیں وہ یہ کہ لیث کے بعض تلامذہ نے اس حدیث کو لیث سے مرسلاً اور بعض نے مسنداً ذکر کیا، دوسرا اختلاف یہ کہ ابن نافع نے لیث و بکر بن سوادہ کے درمیان واسطہ نہیں ذکر کیا اور بعض رواۃ نے درمیان میں عمیرۃ بن ناجیہ کا واسطہ ذکر کیا ہے، ان بعض کی تعیین بذل

میں یحیی بن بکیر اور عبداللہ بن مبارک سے کی ہے[1]، مصنفؒ کی رائے یہ ہے کہ اس حدیث کا مسنداً ہونا صحیح نہیں بلکہ مرسلاً صحیح ہے، ابواب التیمم کا یہ آخری باب تھا، تیمم کا بیان پورا ہوا، فالحمد للہ۔

۳۳۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ مَوْلَى إِسْمَاعِيلَ بْنِ عُبَيْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ.

ترجمہ عطاء بن یسار سے مروی ہے کہ اصحاب رسول ﷺ میں سے دو صحابی..... آگے گزشتہ حدیث کے ہم معنی روایت ذکر کی۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (۳۳۸) سنن الدارمي - الطهارة (۷۴٤)

۱۲۸ - بَابٌ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب[2] جمعہ کیلئے غسل کرنے کے حکم کے بارے میں

باب سے متعلق ابحاث ستہ: یہاں پر چند باتیں سمجھ لیجیے: ① المناسبة بما قبله. ② التسميه ووجهه. ③ حكم الغسل. ④ هل الغسل لليوم أو للصلوة. ⑤ هل الغسل للجنابة يكفي غسل الجمعة. ⑥ هل الغسل يختص بمن يحضر الجمعة أم يعم۔

بحث اول (المناسبة بما قبله): مصنفؒ جب طہارت صغریٰ وکبریٰ وضو وغسل فرض اوراس کے نائب یعنی تیمم سے فارغ ہو گئے تو اب طہارت مسنونہ کو بیان کر رہے ہیں اسلئے کہ سنت کا درجہ تو فرض کے بعد ہی ہے، امام بخاریؒ نے غسل جمعہ کتاب الطہارۃ میں نہیں بلکہ کتاب الصلوۃ کے ذیل میں کتاب الجمعۃ کے اندر بیان فرمایا ہے، سنن ابو داؤد میں کتاب الجمعۃ گو کتاب الصلوۃ کے ذیل میں مستقلاً آرہی ہے، لیکن مصنفؒ نے غسل جمعہ کو وہاں نہیں بیان فرمایا وہاں جمعہ کے دوسرے احکام مسائل اور فضائل بیان کئے ہیں، طہارت کی مناسبت سے غسل جمعہ کو مصنفؒ کتاب الطہارۃ میں بیان کر رہے ہیں اور اس میں انہوں نے غسل مسنون کی صرف دو قسمیں بیان کی ہیں: ① ایک غسل جمعہ، ② دوسرا غسل عند الاسلام، اس کے علاوہ غسل مسنون کی کوئی اور قسم یہاں نہیں ذکر کی، فقہائے کرام نے غسل عیدین کو بھی مستحب قرار دیا ہے، لیکن غسل عیدین کی روایات سب کی سب ضعیف ہیں، صحاح میں سے صرف ابن ماجہ میں موجود ہیں، نیز مؤطا میں حدیث ابن عمرؓ موقوفاً أنه كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ[3] مروی ہے۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۳ ص ۷۰

[2] یہاں اختلاف نسخ ہے، محی الدین عبد الحمید کے نسخہ میں یوم الجمعۃ ہے، اور شیخ عوامہؒ کے نسخہ میں للجمعۃ ہے۔ (کتاب السنن - ج ۱ ص ۲۱۸)

[3] موطأ مالك - كتاب العيدين (الفطر والأضحى) - باب العمل في غسل العيدين والنداء فيهما ۶۰۹

بحث ثانی (التسمیہ ووجہہ): لفظ جمعہ میں دو لغت مشہور ہیں: ① اول بضم المیم وھو الافصح کما فی التنزیل العزیز، ② ثانی بسکون المیم اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر ذی ضمتین میں ثانی کو ساکن پڑھ سکتے ہیں، ③ اور تیسرا قول جمعہ بفتح المیم ہے، اس صورت میں یہ بمعنی الجامع ہوگا اور پہلی دو صورتوں میں المجموع فیہ کے معنی ہیں، اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ اسلامی نام ہے یا جاہلی؟ اس میں دونوں ہی قول ہیں بعض کہتے ہیں یہی نام پہلے سے چلا آرہا ہے، چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے إِنَّمَا سمي يَوْمَ الْجُمُعَة لِأَنَّ الله تَعَالَى جمع فِيهِ خَلْقَ آدَمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ [1] یعنی تخلیق آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے مادہ کو اسی روز میں جمع فرمایا تھا اسی لئے اس کو جمعہ کہتے ہیں، اور کہا گیا ہے کہ یہ اسلامی نام ہے جاہلیت میں اس کو عروبہ کہتے تھے، اور اسلام میں جمعہ اسلئے کہا گیا کہ لوگ اس دن میں نماز کیلئے زیادہ جمع ہوتے ہیں، بعض کہتے ہیں اس دن کا یہ نام انصار کی جانب سے ہے اسلئے کہ جمعہ کی نماز سب سے پہلے نزول جمعہ اور حضور ﷺ کی ہجرت سے بھی پہلے انصار ہی نے مدینہ منورہ میں پڑھی جیسا کہ کتاب میں بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرَى کی ایک روایت میں اس کی تصریح آرہی ہے کہ اسعد بن زرارہ نے آپ ﷺ کی ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں اس کی ابتداء کی [2]، پھر بعد میں باقاعدہ منجانب اللہ مشروع ہوگئی، اور اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس دن قریش قبیلہ قصی کی طرف دار الندوہ میں جمع ہوا کرتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ کعب بن لوی اس روز اپنی قوم کو جمع کر کے وعظ و تذکیر اور تعظیم حرم کی ترغیب دیا کرتا تھا، اور نیز یہ کہ اس کی نسل میں سے ایک نبی مبعوث ہوں گے۔

بحث ثالث (حکم الغسل): غسل جمعہ عند الظاہر یہ واجب ہے اور یہی امام مالکؒ واحمدؒ سے بھی ایک روایت ہے لیکن قول راجح ان دونوں کا عدم وجوب ہے، ابن القیمؒ نے اس میں حنابلہ کی تین روایتیں ذکر کی ہیں: وجوب اسی کو انہوں نے ترجیح دی ہے، عدم وجوب اور تیسری روایت یہ کہ اگر بدن یا کپڑے میں رائحہ کریہہ ہے تو واجب، ورنہ سنت اور حنفیہ وشافعیہ کے یہاں سنت ہے۔

بحث رابع (ھل الغسل للیوم او للصلوۃ): یہ غسل جمہور علماء ومنہم الائمۃ الاربعۃ کے نزدیک للصلوۃ ہے، اور امام محمدؒ وحسن بن زیادؒ وداؤد ظاہری کے نزدیک للیوم ہے لشرافۃ ھذا الیوم، بعض علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ غسل بعد صلوۃ الجمعۃ معتبر نہیں، لیکن نقل اجماع صحیح نہیں اسلئے کہ داؤد ظاہری کے نزدیک غسل قبیل مغرب بھی معتبر ہے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ غسل للصلوۃ ہے اور یہی ظاہر الروایۃ وامام ابو یوسفؒ کا قول ہے بخلاف حسن بن زیادؒ وامام محمدؒ کے، پھر آگے چل کر وہ لکھتے ہیں: ثمرۂ اختلاف اس شخص کے حق میں ظاہر ہوگا جس پر صلوۃ جمعہ نہیں ہے اور

---

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري — ج ٦ ص ١٦١

[2] سنن أبي داود — كتاب الصلاة — باب الجمعة في القرى ١٠٦٩

ایسے ہی جس شخص کو غسل کے بعد حدث لاحق ہو گیا ہو اور اس نے وضو کر کے نماز پڑھی ہو حسن بن زیاد کے نزدیک اسکو فضیلت حاصل ہو جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں۔

بحث خامس (ہل الغسل للجنابة یکفی غسل الجمعة): علامہ شعرانیؒ نے المیزان الکبریٰ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ غسل جنابت غسل جمعہ کیلئے کافی ہو جاتا ہے، اور انہوں نے اس میں امام مالکؒ کا خلاف نقل کیا ہے لیکن حضرت شیخؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے یہاں بھی کافی ہو جاتا ہے بشرطیکہ دونوں کی نیت کرلے جیسا کہ مدونة میں اسکی تصریح ہے، علامہ عینیؒ نے حنفیہ کا مذہب مطلقاً کفایت نقل کیا ہے خواہ غسل جمعہ کی نیت کرے یا نہ کرے اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفایت کیلئے نیت ضروری ہے۔

بحث سادس (ہل الغسل یختص بمن یحضر الجمعة ام یعم): جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ غسل خاص ہے اس شخص کیلئے جو جمعہ کی نماز کیلئے آئے اس لئے کہ یہ غسل للصلوۃ ہے، لاللیوم، علامہ شعرانیؒ نے ائمہ اربعہ کا مذہب یہی لکھا ہے اور جو علماء یہ کہتے ہیں یہ غسل للیوم ہے ان کے نزدیک یہ حکم عام ہو گا، امام بخاریؒ نے اس مسئلہ پر مستقل باب قائم کیا ہے بَابَ هَلْ عَلَى مَنْ لَمْ يَشْهَدِ الْجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ جس حدیث میں یہ ہے حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ [1] اس کا تقاضا عموم ہے اور جس روایت میں ہے إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ [2] اس کا تقاضا خصوصیت کا ہے۔

حضرت شیخؒ کی رائے میں اغتسالات ثلثه: یہ پہلے آچکا کہ اس غسل میں یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ یوم کیلئے ہے یا صلوۃ کیلئے اور اس میں اختلاف علماء کا منشأ اختلاف الفاظ روایات ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غسل یوم جمعہ کیلئے ہے اور بعض روایات سے صلوۃ جمعہ کیلئے ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات میں نہ جمعہ کے دن کی قید ہے نہ نماز کی بلکہ فی کل سبعة ایام ہے چنانچہ صحیحین میں بروایت ابو ہریرہؓ وارد ہے حَقٌّ لِلّٰهِ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ [3]، ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی یہاں ایک جداگانہ رائے ہے وہ یہ کہ مجموع روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین غسل ہیں ایک وہ جو سنت ہے اور بعض علماء کے نزدیک واجب اور دو اسکے علاوہ جو مندوب و مستحب ہیں، چنانچہ حضرتؒ فرماتے ہیں تین غسل اس طور پر ہیں: ① اول غسل اسبوع یعنی ہفتہ میں کسی روز ایک بار غسل کرنا یہ غسل نظافت مطلقہ کے قبیل سے

---

[1] صحیح البخاری - کتاب الجمعة - باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل من النساء والصبیان وغیرهم ٨٥٦. صحیح مسلم - کتاب الجمعة - باب الطیب والسواك یوم الجمعة ٨٤٩

[2] سنن أبي داود - کتاب الطهارة - باب في الغسل یوم الجمعة ٣٤٠

[3] صحیح مسلم - کتاب صلاة المسافرین وقصرها - باب الطیب والسواك یوم الجمعة ٨٤٩

ہے، اور یہ ہر مسلم کے حق میں ہے مرد ہو یا عورت جمعہ کی نماز اس پر واجب ہو یا نہ ہو، اور اس غسل کا ماخذ حضرت فرماتے ہیں صحیحین کی حدیث مذکور ہے جو بلفظ سبعة ایام مروی ہے جمعہ کے دن کی اس میں قید نہیں اسی طرح بعض فقہاء کے کلام میں بھی اسکی تصریح ملتی ہے، چنانچہ علامہ طحطاوی اور صاحب در مختار نے تقلیم اظفار، حلق عانہ و غسل فی کل اسبوع کے ذریعہ نظافت حاصل کرنے کو مستحبات میں لکھا ہے، ② ثانی غسل یوم الجمعہ اس کا تعلق خاص یوم جمعہ سے ہے، صلوۃ جمعہ سے پہلے ہو یا بعد بہر صورت اس کا تحقق ہو جائیگا بعض روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن کیلئے غسل کیا جائے چنانچہ صحیح ابن خزیمۃ میں ابو قتادہ سے مرفوعاً مروی ہے: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كَانَ فِي طَهَارَةٍ إِلَى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى [1]، اور یوم جمعہ کی فضیلت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کیلئے مستقل غسل ہونا چاہئے اسلئے کہ اس دن کو حدیث میں سید الایام کہا گیا ہے لیکن ان دونوں قسموں میں تداخل ہو سکتا ہے جو شخص جمعہ کے روز غسل کرے گا اسکو غسل جمعہ کے ساتھ غسل اسبوع کی بھی فضیلت حاصل ہو جائے گی، ③ ثالث غسل صلوۃ الجمعۃ اسکا تعلق صرف اسی شخص سے ہے جو جمعہ کیلئے حاضر ہو، چنانچہ بہت سی روایات میں حضور فی الصلوۃ کی قید موجود ہے، لیکن اس قسم ثالث کا بھی قسمین اولین میں تداخل ہو سکتا ہے، چنانچہ جو شخص ایام اسبوع میں سے یوم جمعہ میں صلوۃ الجمعہ سے قبل غسل کرے گا اسکو ان اغتسالات ثلثہ کا ثواب حاصل ہو سکتا ہے، اس مضمون کو حضرت شیخ نے أوجز المسالك [2] میں بڑی توضیح اور تفصیل کے ساتھ کئی صفحات میں لکھا ہے۔

٣٤٠ - حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ، أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ، عَنْ يَحْيَى، أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ عُمَرُ: أَتَحْتَبِسُونَ عَنِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ فَتَوَضَّأْتُ. فَقَالَ عُمَرُ: وَالْوُضُوءَ أَيْضًا، أَوَلَمْ تَسْمَعُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ».

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک شخص (مسجد میں) داخل ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ کیا تم جمعہ کی نماز سے رکتے ہو (یعنی دیر سے آتے ہو) تو اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے تو اذان سنی اور وضو کر لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا اور وضو بھی کیا (یعنی یہ دوسری غلطی کی کہ بجائے غسل کے وضو کیا) کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کیلئے حاضر ہو تو غسل کر لے۔

تخریج صحيح البخاري - الجمعة (٨٣٨) صحيح البخاري - الجمعة (٨٤٢) صحيح مسلم - الجمعة (٨٤٥) جامع الترمذي - الجمعة (٤٩٤) سنن أبي داود - الطهارة (٣٤٠) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١/١٥) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة

---

[1] ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث صحیح إبن خزیمۃ میں موجود نہیں، بلکہ السنن الکبری للبیهقي - کتاب الطهارة - باب هل يكتفي بغسل الجنابة عن غسل الجمعة الخ ١٤٢٤ (ج ١ ص ٤٤٦) پر ملی ہے۔

[2] أوجز المسالك إلى موطأ مالك - ج ٢ ص ٣٨٤

(۲۹/۱) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (۴۶/۱) موطأ مالك - النداء للصلاة (۲۲۹) سنن الدارمي - الصلاة (۱۵۳۹)

شرح الحدیث حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ ... قوله: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ: یہ آنے والے شخص حضرت عثمان غنیؓ تھے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے یعنی حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے اس وقت حضرت عثمانؓ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے اثناء خطبہ میں خطبہ کو روک کر ان پر نکیر کی کہ جمعہ کی نماز سے بھی رکے رہتے ہو اور دیر سے آتے ہو، حضرت عثمانؓ نے معذرت کے طور پر عرض کیا کہ میں نے اذان کی آواز سنتے ہی وضو کی اور نماز کیلئے حاضر ہوا (یعنی اذان سننے کے بعد تاخیر نہیں کی) تو اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا وَالْوُضُوءَ أَيْضًا کہ اچھا! ایک کمی آپ نے یہ کی کہ بجائے غسل کے وضو پر اکتفاء کیا (یک نہ شد دو شد) اور مسلم کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نکیر بطریق تعریض فرمائی تھی مَا بَالُ رِجَالٍ يَتَأَخَّرُونَ بَعْدَ النِّدَاءِ؟ اس پر حضرت عثمانؓ نے یا امیر المؤمنین کے خطاب کے ساتھ اپنا عذر ظاہر کیا: إِنِّي شُغِلْتُ الْيَوْمَ. فَلَمْ أَنْقَلِبْ إِلَى أَهْلِي حَتَّى سَمِعْتُ النِّدَاءَ، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ سے ترک غسل اور تاخیر کسی مشغولی کی وجہ سے اتفاقاً ہو گئی تھی۔

واقعہ عثمانؓ سے علماء کا استنباط: اس واقعہ پر امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ غسل جمعہ واجب نہیں اسی لئے حضرت عثمانؓ سماع نداء کے بعد بجائے غسل میں مشغول ہونے کے وضو فرما کر نماز کی طرف متوجہ ہو گئے ورنہ ظاہر ہے کہ غسل واجب ہوتا تو غسل فرما کر نماز کیلئے جاتے اور جو علماء وجوب کے قائل ہیں وہ بھی اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا علی رؤس الاشہاد ایک جلیل القدر صحابی پر اثنا خطبہ نکیر کرنا یہ صرف ترک مستحب پر نہیں ہو سکتا استحباب کی صورت میں نہ عمرؓ کا نکیر کرنا مناسب تھا نہ عثمانؓ کو عذر پیش کرنے کی حاجت تھی۔

۳۴۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ».

ترجمہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ آدمی کیلئے ضروری ہے۔

تخریج صحيح البخاري - الأذان (۸۲۰) صحيح البخاري - الجمعة (۸۳۹) صحيح البخاري - الجمعة (۸۴۰) صحيح البخاري - الجمعة (۸۵۵) صحيح البخاري - الشهادات (۲۵۲۲) صحيح مسلم - الجمعة (۸۴۶) سنن النسائي - الجمعة (۱۳۷۵) سنن النسائي - الجمعة (۱۳۷۷) سنن النسائي - الجمعة (۱۳۸۳) سنن أبي داود - الطهارة (۳۴۱) سنن ابن ماجه - إقامة الصلاة والسنة فيها (۱۰۸۹) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۶/۳) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۳۰/۳) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۶۰/۳) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۶۶/۳) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۶۹/۳) موطأ مالك - النداء للصلاة (۲۳۰) سنن الدارمي - الصلاة (۱۵۳۷)

شرح الحدیث حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ... قوله: غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ: وجوب سے مراد

ثبوت اور تاکد ہے، محتلم سے لازمی معنی بالغ مراد ہیں۔

٣٤٢ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الرَّمْلِيُّ، أَخْبَرَنَا الْمُفَضَّلُ يَعْنِي ابْنَ فَضَالَةَ، عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ رَوَاحُ الْجُمُعَةِ، وَعَلَى كُلِّ مَنْ رَاحَ إِلَى الْجُمُعَةِ الْغُسْلُ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: «إِذَا اغتسل الرَّجُلُ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ أَجْزَأَهُ مِنْ غُسْلِ الْجُمُعَةِ، وَإِنْ أَجْنَبَ».

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بالغ آدمی کیلئے جمعہ کی نماز کی حاضری ضروری ہے اور ہر وہ شخص جو نماز جمعہ میں حاضر ہو اسکے لئے غسل ضروری ہے۔امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں جب آدمی طلوع فجر کے بعد غسل کرلے تو یہ غسل جمعہ کیلئے کافی ہو جائے گا اگر چہ یہ غسل غسل جنابت ہو۔

تخریج: سنن النسائي - الجمعة (١٣٧١) سنن أبي داود - الطهارة (٣٤٢)

شرح حدیث: - قَالَ أَبُو دَاوُدَ: إِذَا اغتسل الرَّجُلُ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ الخ: یعنی اگر کوئی شخص جمعہ کے دن صبح کے بعد غسل کرے تو یہ غسل جمعہ کیلئے کافی ہوگا اگر چہ یہ غسل غسل جنابت ہو، یہ مسئلہ شروع میں گزر چکا بحث خامس یہی ہے۔

٣٤٣ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ الْهَمْدَانِيُّ، ح حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، ح حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَهَذَا حَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ: قَالَ يَزِيدُ، وَعَبْدُ الْعَزِيزِ فِي حَدِيثِهِمَا - عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَأَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ، وَمَسَّ مِنْ طِيبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ، ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ أَعْنَاقَ النَّاسِ، ثُمَّ صَلَّى مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ. ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ جُمُعَتِهِ الَّتِي قَبْلَهَا» - قَالَ: وَيَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: «وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ» - وَيَقُولُ: «إِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ أَتَمُّ، وَلَمْ يَذْكُرْ حَمَّادٌ كَلَامَ أَبِي هُرَيْرَةَ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اپنے کپڑوں میں سے بہترین لباس زیب تن کیا اور اگر خوشبو میسر ہو تو خوشبو بھی لگائی پھر جمعہ کیلئے حاضر ہوا اس طرح کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا نہ آیا پھر جو نماز اللہ نے مقدر فرمائی وہ پڑھی پھر امام کے نکلنے سے اپنے نماز سے فارغ ہونے تک خاموش رہا تو یہ اسکی گذشتہ جمعہ کی نماز کے وقت سے لے کر موجودہ جمعہ کی نماز کے وقت تک کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ تین دن کی زیادتی مزید ذکر فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ (اسکی دلیل یہ ہے کہ) نیکی کا ثواب دس گنا تک

ہو جاتا ہے۔ امام ابو داودؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ کی حدیث مکمل ہے اور حماد راوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کا کلام ذکر نہیں کیا۔

شرح الحديث: قوله: وَيَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: «وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ»: اس حدیث کے راوی ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ دونوں ہیں اب تک حدیث کے جو الفاظ آئے وہ دونوں کے مشترک تھے اور زِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ صرف ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے، ابو سعید خدریؓ کی روایت میں نہیں ہے، مضمون روایت یہ ہے جو شخص جمعہ کیلئے ایسا اہتمام کرے جو حدیث میں مذکور ہے اس کے لئے اس کی جمعہ کی نماز گذشتہ جمعہ کی نماز کے وقت سے لے کر موجودہ جمعہ کی نماز کی وقت تک کے گناہوں کا کفارہ ہے اس صورت میں یہ سات روز ہوئے، اور ابو ہریرہؓ کی روایت میں تین دن کی زیادتی مذکور ہے، اس لئے کل دس دن ہوئے، یعنی ایک جمعہ کی نماز دس دن کے گناہوں کا کفارہ ہے اور اگر دونوں طرف سے جمعہ کے دن کو ساقط کر دیں گے تو صرف چھ دن رہ جائیں گے اور اگر دونوں جمعہ کے پورے دن مراد لئے جائیں تو آٹھ دن ہو جائیں گے، پہلی صورت میں تین کی زیادتی ملا کر کل نو ہوں گے، اور دوسری صورت میں گیارہ دن ہو جائیں گے، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ ہر دو جمعہ کا نصف نصف روز مراد لیا جائے۔
یہاں پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ ابو ہریرہؓ اپنی طرف سے یہ زیادتی کیسے کر رہے ہیں جبکہ حدیث میں صرف ایک ہفتہ مذکور ہے اس لئے کہ یہ تین دن کی زیادتی ان کی اپنی جانب سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی مرفوعاً ثابت ہے، جیسا کہ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، البتہ إِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا ابو ہریرہؓ کی جانب سے مدرج ہے۔

٣٤٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ أَبِي هِلَالٍ، وَبُكَيْرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ حَدَّثَاهُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ، وَالسِّوَاكُ وَيَمَسُّ مِنَ الطِّيبِ مَا قُدِّرَ لَهُ» إِلَّا أَنَّ بُكَيْرًا لَمْ يَذْكُرْ عَبْدَ الرَّحْمَنِ وَقَالَ فِي الطِّيبِ: «وَلَوْ مِنْ طِيبِ الْمَرْأَةِ».

ترجمہ: عبد الرحمٰن بن ابو سعید خدری اپنے والد حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بالغ آدمی کیلئے جمعہ کے دن غسل کرنا اور مسواک کرنا اور خوشبو جیسی بھی لگا سکتا ہو (عمدہ یا گھٹیا) لگانا ضروری ہے مگر بکیر راوی نے عبد الرحمٰن کا ذکر نہیں کیا اور بکیر راوی نے خوشبو کے متعلق فرمایا کہ خوشبو لگائے خواہ عورت ہی کی خوشبو ہو۔

تخریج: صحيح البخاري - الأذان (٨٢٠) صحيح البخاري - الجمعة (٨٣٩) صحيح البخاري - الجمعة (٨٤٠) صحيح البخاري - الجمعة (٨٥٥) صحيح البخاري - الشهادات (٢٥٢٢) صحيح مسلم - الجمعة (٨٤٦) سنن النسائي - الجمعة (١٣٧٥) سنن النسائي - الجمعة (١٣٧٧) سنن النسائي - الجمعة (١٣٨٣) سنن أبي داود - الطهارة (٣٤٤) سنن ابن ماجه - إقامة الصلاة والسنة فيها (١٠٨٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٦/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٣٠/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٦٠/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٦٦/٣) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٦٩/٣) موطأ مالك - النداء للصلاة (٢٣٠) سنن الدارمي - الصلاة (١٥٣٧)

شرح الحدیث: قولہ: وَيَمَسُّ مِنَ الطِّيبِ مَا قُدِّرَ لَهُ: اور مسلم کی روایت میں ہے مَا قَدَرَ عَلَيْهِ اس میں دو احتمال ہیں یا اس سے مقصود تکثیر ہے کہ جتنی بھی لگا سکے لگائے یا تاکید ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو لگانی چاہئے چنانچہ بعض روایات میں ہے وَلَوْ مِنْ طِيبِ الْمَرْأَةِ، لیکن ابوداؤد کی روایت کے الفاظ مَا قُدِّرَ لَهُ احتمال ثانی کے زیادہ قریب ہیں یعنی جیسی بھی خوشبو مقدر میں ہے (گھٹیا یا بڑھیا) اس کو بہر حال لگائے، کہا گیا ہے کہ ابوہریرہؓ کے نزدیک یہ امر وجوب کیلئے ہے ان کے نزدیک جمعہ کے روز استعمال طیب واجب ہے۔

٣٤٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الْجَرْجَرَائِيُّ حِبِّي، حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، حَدَّثَنِي حَسَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ، حَدَّثَنِي أَبُو الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيُّ، حَدَّثَنِي أَوْسُ بْنُ أَوْسٍ الثَّقَفِيُّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ، ثُمَّ بَكَّرَ وَابْتَكَرَ، وَمَشَى وَلَمْ يَرْكَبْ، وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ فَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا».

ترجمہ: اوس بن اوس ثقفیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے روز خود بھی غسل کیا اور بیوی کو بھی غسل کرایا پھر جمعہ کیلئے سویرے سویر مسجد پیدل چل کر گیا سوار ہو کر نہ گیا اور امام سے قریب ہو کر خطبہ سنا اور کوئی لغو کام نہ کیا ایسے شخص کیلئے جمعہ کی نماز کیلئے چلنے میں ہر ہر قدم پر ایک سال کے روزہ اور تہجد کا ثواب ہے۔

شرح الحدیث: قولہ: مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ: غسل تخفیف و تشدید دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور دونوں [1] صورتوں میں دو معنی کا احتمال ہے یا اس سے مراد غسل رأس بالخطمی وغیرہ ہے یا مراد جماع ہے اور اس صورت میں اسکا مفعول محذوف ہوگا "أي من غسل امرأته" محاورۂ عرب میں "غسل امرأته" جماع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسلئے کہ جو شخص اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے گویا وہ اپنی بیوی کو غسل پر آمادہ کرتا ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد اعضاء وضو کو دھونا ہے اس صورت میں اشارہ ہوگا غسل مسنون کی طرف اس لیے کہ ابتداء غسل میں وضو سنت ہے، معنی ثانی کے پیش نظر بعض علماء نے جمعہ کے روز اپنی اہل کے ساتھ مجامعت کا استحباب بیان کیا ہے تاکہ خواہش پورا ہو جانے کی وجہ سے جمعہ کو جائے وقت بد نظری وغیرہ سے حفاظت رہے اس پر مزید کلام حدیث نمبر گیارہ [٣٥١] کے ذیل میں آرہا ہے۔

قولہ: ثُمَّ بَكَّرَ وَابْتَكَرَ: ان دونوں کو بعض علماء نے تاکید پر محمول کیا ہے اور ایک ہی معنی مراد لئے ہیں یعنی نماز کیلئے سویرے جانا، اور کہا گیا ہے کہ اول کا تعلق نماز سے ہے اور ثانی کا خطبہ سے، یعنی گیا نماز کیلئے سویرے اور اول خطبہ کو پایا، ابتکر

[1] كما في المنهل لیکن مرقاۃ میں ملا علی قاریؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع کے معنی میں صرف غسل بالتشدید ہے اور غسل بالتخفیف کی صورت میں اس سے مراد غسل رأس بالخطمی وغیرہ ہے۔

"باكورة" سے ماخوذ ہے، ہر چیز کے اول کو باکورہ کہتے ہیں "باكورة كل شي اوله"۔

مشی الی الجمعه کا ثبوت اوراسکی فضیلت: قوله: وَمَشَىٰ وَلَمْ يَرْكَبْ: اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کیلئے سعی ماشیاً افضل ہے نہ کہ راکباً، چنانچہ امام بخاریؒ نے اس پر مستقل ترجمہ قائم کیا ہے بَابُ الْمَشْيِ إِلَى الْجُمُعَةِ اور یہ احادیث [1] صحیحہ سے ثابت ہے، بخلاف صلوۃ عید کے کہ اس کیلئے مشی روایات صحیحہ سے ثابت نہیں گو یہ بھی جمہور علماء کے نزدیک اولی و مستحب ہے لیکن اس کا ثبوت روایت ضعیف ہے اس کی چند روایات سنن ابن ماجہ میں ہیں اور ایک روایت ترمذی میں بھی ہے اسی لئے امام بخاریؒ نے عید کیلئے اپنی صحیح میں ترجمہ قائم کیا ہے بَابُ الْمَشْيِ وَالرُّكُوبِ إِلَى الْعِيدِ گویا ان بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز عید کو جانے کیلئے مشی اور رکوب دونوں برابر ہیں، حافظؒ فرماتے ہیں ہو سکتا ہے کہ امام بخاریؒ کا اشارہ ترمذی کی روایت کی تضعیف کی طرف ہو جو حضرت علیؓ سے مروی ہے مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا [2]۔

قوله: وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ: اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت امام کا قرب مطلوب ہے، مصنفؒ نے کتاب الجمعة میں اس پر مستقل باب باندھا ہے بَابُ الدُّنُوِّ مِنَ الْإِمَامِ عِنْدَ الْمَوْعِظَةِ، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ مدینہ منورہ کے قیام میں اخیر زمانہ میں اپنی معذوری کی وجہ سے حرم شریف تک گاڑی سے تشریف لے جایا کرتے تھے، مسجد نبوی کے پچھلے حصہ میں ایک کونہ میں نماز ادا کرنے کا معمول تھا، میں نے سنا ہے کہ جب حضرتؒ زیادہ معذور نہیں ہوئے تھے جمعہ کے روز خدام کو ہدایت فرماتے کہ مسجد کے اندر کے حصے میں ایسی قریب جگہ لے جا کر بٹھائیں جہاں سے خطیب بھی نظر آتا ہو۔

حکم الکلام عندالخطبة: قوله: وَلَمْ يَلْغُ: اس سے مراد عدم تکلم ہے اسلئے کہ کلام عند الخطبہ لغو [3] ہے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مکروہ تحریمی بلکہ حرام ہے، اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور قول جدید ان کا یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے اور یہی مذہب ہے سفیان ثوری و داؤد ظاہری کا احادیث صحیحہ سے مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے۔

اکثرالاعمال ثوابا: كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا: یعنی ایسے شخص کیلئے جمعہ کی نماز کیلئے چلنے میں ہر ہر قدم پر ایک سال کے صیام و قیام یعنی قیام لیل جس کو تہجد کہتے ہیں کا ثواب ملتا ہے، اگر ہر قدم پر ایک روزہ اور ایک رات کے تہجد کا ثواب ملتا تب بھی ظاہر ہے کہ بہت تھا چہ جائیکہ ایک سال کا، میں اکثر سبق میں کہا کرتا ہوں کہ فضائل اعمال میں

---

[1] جیسا کہ ابوداؤد کی اس روایت میں ہے اور یہی روایت نسائی میں بھی ہے، امام بخاریؒ نے گو مشی الی الجمعہ کا مستقل باب قائم کیا ہے لیکن اس کی کوئی صریح روایت باب میں ذکر نہیں فرمائی بلکہ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ سے استدلال کیا ہے اس لئے کہ ظاہر ہے اغبرار قدم تو پیدل چلنے ہی میں ہوتا ہے (صحيح البخاري- كتاب الجمعة- باب المشي إلى الجمعة ٨٦٥)۔

[2] جامع الترمذي- كتاب العيدين- باب في المشي يوم العيد ٥٣٠

[3] شراح نے لکھا ہے حدیث شریف میں لفظ لہ یلغ ہو سکتا ہے کہ مقتبس ہو، اس آیت کریمہ سے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ (سورة فصلت ٢٦) اس سے کلام عند الخطبہ کی بڑی شناعت معلوم ہو رہی ہے۔

کوئی صحیح حدیث اس سے زیادہ فضیلت کی میرے علم میں نہیں ہے ضعاف تو بہت سے اعمال کے بارے میں بکثرت وارد ہیں، لیکن صحیح کی قید کیساتھ کسی اور عمل پر اتنی زیادہ فضیلت نہیں ہے، بعد میں مجھے یہ بات مرقاۃ شرح مشکوۃ [1] میں بھی مل گئی۔

٣٤٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ أَوْسٍ الثَّقَفِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: «مَنْ غَسَلَ رَأْسَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ» ثُمَّ سَاقَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت اوس ثقفی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن اپنا سر دھویا اور غسل کیا اور آگے گذشتہ حدیث کی طرح حدیث بیان کی۔

تخریج: جامع الترمذي-الجمعة (٤٩٦) سنن النسائي-الجمعة (١٣٨١) سنن النسائي-الجمعة (١٣٨٤) سنن النسائي-الجمعة (١٣٩٨) سنن أبي داود-الطهارة (٣٤٥) سنن ابن ماجه-إقامة الصلاة والسنة فيها (١٠٨٧) مسند أحمد-أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (٨/٤) مسند أحمد-أول مسند المدنيين رضي الله عنهم أجمعين (١٠/٤) مسند أحمد-مسند الشاميين (١٠٤/٤) سنن الدارمي-الصلاة (١٥٤٧)

٣٤٧ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَقِيلٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمِصْرِيَّانِ قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: ابْنُ أَبِي عَقِيلٍ، أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: «مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَسَّ مِنْ طِيبِ امْرَأَتِهِ إِنْ كَانَ لَهَا، وَلَبِسَ مِنْ صَالِحِ ثِيَابِهِ، ثُمَّ لَمْ يَتَخَطَّ رِقَابَ النَّاسِ، وَلَمْ يَلْغُ عِنْدَ الْمَوْعِظَةِ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهُمَا، وَمَنْ لَغَا وَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ كَانَتْ لَهُ ظُهْرًا».

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اپنی بیوی کی خوشبو میں سے خوشبو لگائی اگر اس کی بیوی کے پاس خوشبو ہو اور اپنے لباس میں سے بہتر لباس پہنا پھر لوگوں کی گردنیں بھی نہ پھلانگیں اور خطبہ جمعہ کے دوران لغو کام نہ کیا تو اسکے لئے دونوں جمعوں کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور جس نے لغویات کی اور لوگوں کی گردنیں پھلانگیں تو یہ اسکے لئے ظہر کی نماز (کی طرح) ہوگی (ثواب کے اعتبار سے)۔

٣٤٨ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ، حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ شَيْبَةَ، عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ الْعَنَزِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ "يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ: مِنَ الْجَنَابَةِ، وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَمِنَ الْحِجَامَةِ، وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ".

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ان سے حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ان

---

[1] اس حدیث کو صاحب مشکوۃ نے سنن اربعہ کی طرف منسوب کیا ہے مرقاۃ میں ہے: رواه الترمذي وقال: حسن. وقال النووي: إسناده جيد. نقله ميرك. (وأبو داود، والنسائي، وابن ماجه) قال ميرك: والحاكم، وقال: صحيح. قال ابن حجر: ورواه أحمد، وصححه ابن حبان والحاكم وقال: إنه على شرط الشيخين. قال بعض الأئمة: لم نسمع في الشريعة حديثا صحيحا مشتملا على مثل هذا الثواب (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ٣ ص ٤٣٧)۔

(چار) وجوہ سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ جنابت اور جمعہ کے دن اور پچھنے لگوانے اور میت کو غسل دینے سے۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٣٤٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٥٢/٦)

شرح الحديث: قوله: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ الخ: اس حدیث میں چار چیزوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ ان سے غسل فرمایا کرتے تھے: ① جنابت، ② یوم الجمعہ، ③ حجامہ یعنی پچھنے لگوانے کی وجہ سے اور ④ غسل میت کے وجہ سے، بذل میں بحوالہ علامہ سندھیؒ لکھا ہے کہ غسل سے مراد امر بالغسل ہے، یعنی آپ ﷺ چار چیزوں سے غسل کا حکم دیا کرتے تھے اور یہ اسلئے کہ ان چار میں غسل میت کا بھی ذکر ہے، اور حضور ﷺ کا کسی میت کو غسل دینا ثابت نہیں [1]، اور منہل میں لکھا ہے یغتسل سے مراد عام ہے غسل کرنا اور امر بالغسل اسلئے کہ ان چار میں سے صرف تین سے آپ کا غسل کرنا ثابت ہے چوتھی سے نہیں۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں غسل من الحجامة مذکور ہے جمہور علماء اس کے استحباب کے قائل نہیں ہیں، اس لئے کہ اس کی حیثیت رعاف سے زائد نہیں، تو جب رعاف سے غسل کا حکم نہیں ہے تو اس سے بطریق اولیٰ نہ ہوگا، نیز دار قطنی کی ایک روایت میں ہے أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، احْتَجَمَ ..... وَلَمْ يَزِدْ عَلَى غَسْلِ مَحَاجِمِهِ [2] یعنی آپ نے بدن کے صرف محل احتجام کو دھویا غسل نہیں کیا اور اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے اس میں ایک راوی ہیں مصعب بن شیبہ جو ضعیف ہیں بعض نسخ ابو داؤد میں امام ابو داؤدؒ سے ان کی تضعیف منقول ہے، دراصل مصعب بن شیبہ کی جرح و تعدیل میں علماء کا اختلاف ہے بعض ان کی تعدیل کرتے ہیں اور بعض تجریح۔

غسل میت سے وجوب غسل میں اختلاف: چوتھی چیز اس حدیث میں غسل میت کی وجہ سے غسل کرنا ہے یہ بھی مختلف فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستحب ہے بلکہ امام مالکؒ و امام شافعیؒ کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے اور حنفیہ کے یہاں اصالت تو مستحب بھی نہیں ہے، ہاں! البتہ خروج عن الخلاف کے طور پر مستحب ہے، اور بعض صحابہ جیسے حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کا وجوب منقول ہے، اسی طرح روافض میں سے فرقۂ امامیہ بھی وجوب کے قائل ہیں، یہ مسئلہ اصالۃً کتاب الجنائز کا ہے وہاں آئیگا، حافظ ابن قیمؒ نے اس میں تین مذہب لکھے ہیں: ① یجب عند ابن المسیب و ابن سیرین، ② عند الائمة الاربعه لایجب، ③ یجب من غسل المیت الکافر روایة لاحمد۔

٣٤٩ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ، أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَوْشَبٍ قَالَ: سَأَلْتُ مَكْحُولًا عَنْ هَذَا الْقَوْلِ «غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ» فَقَالَ: «غَسَلَ رَأْسَهُ وَغَسَلَ جَسَدَهُ».

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٣ ص ٨٥

[2] سنن الدارقطني - كتاب الطهارة - باب في الوضوء من الخارج من البدن كالرعاف والقيئ والحضامة ونحوه ٥٥٤ - ج ١ ص ٢٧٦

ترجمہ: علی بن حوشب فرماتے ہیں کہ میں نے مکحول سے اس ارشاد غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اپنا سر دھوئے اور اپنا جسم دھوئے۔

٣٥٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ الدِّمَشْقِيُّ، حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي «غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ». قَالَ: قَالَ سَعِيدٌ: «غَسَّلَ رَأْسَهُ وَغَسَلَ جَسَدَهُ».

ترجمہ: سعید بن عبد العزیز سے غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے سر کو دھویا اور اپنے بدن کو دھویا۔

٣٥١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ، ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً، فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ».

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن غسل جنابت کیا پھر اول وقت نماز کیلئے حاضر ہو گویا کہ اس نے اونٹ قربان کیا اور جو دوسری گھڑی میں پہنچا گویا کہ اس نے ایک گائے قربان کی اور جو (اور تاخیر سے) تیسری گھڑی میں پہنچا گویا کہ اس نے ایک مینڈھا سینگوں والا ذبح کیا اور جو چوتھی گھڑی میں حاضر ہوا گویا اس نے مرغی قربان کی اور جو پانچویں گھڑی میں پہنچا اس نے گویا ایک انڈہ قربان کیا پھر جب امام خطبہ کیلئے باہر آجائے تو (فرشتے رجسٹر بند کر کے) خطبہ سننے کیلئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

تخریج: صحيح البخاري - الجمعة (٨٤١) صحيح البخاري - الجمعة (٨٨٧) صحيح مسلم - الجمعة (٨٥٠) جامع الترمذي - الجمعة (٤٩٩) سنن النسائي - الجمعة (١٣٨٥) سنن النسائي - الجمعة (١٣٨٦) سنن النسائي - الجمعة (١٣٨٧) سنن النسائي - الجمعة (١٣٨٨) سنن أبي داود - الطهارة (٣٥١) سنن ابن ماجه - إقامة الصلاة والسنة فيها (١٠٩٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٣٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٥٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٨٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٦٠) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٤٩٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٥٠٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٥١٢) موطأ مالك - النداء للصلاة (٢٢٧) سنن الدارمي - الصلاة (١٥٤٣) سنن الدارمي - الصلاة (١٥٤٤)

شرح الحدیث: قولہ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ الخ: اس میں دو احتمال ہیں ایک تشبیہ کا یعنی جو شخص جمعہ کے روز اسی اہتمام سے غسل کرے جس طرح غسل جنابت کیا کرتے ہیں، دوسرا احتمال یہ ہے کہ حقیقت پر محمول ہو اور اشارہ ہو جمعہ کے روز جماع کی طرف جیسا کہ من اغتسل وغسل میں گزر چکا، امام نوویؒ اس دوسرے معنی کے بارے میں لکھتے ہیں ضعیف أو باطل لیکن حافظ ابن حجرؒ اور علامہ قسطلانیؒ نے امام نوویؒ کے کلام کا تعقب کیا ہے کہ یہ معنی بہت سے

حضرات نے لکھے ہیں جن میں امام احمدؒ بھی ہیں لیکن علامہ قسطلانیؒ نے امام نوویؒ کے کلام کی یہ توجیہ لکھی ہے کہ شاید ان کی مراد اس معنی کی تغلیط من حیث المذہب ہے کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے لکھا ہے کہ ہمارے بعض فقہاء نے اس حدیث کو ظاہر پر رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن انسان کے لئے اپنی بیوی سے مجامعت کرنا مستحب ہے تو امام نوویؒ کا انکار نقل استحباب پر ہے نہ کہ شرح حدیث پر۔

قوله: ثُمَّ رَاحَ [1] فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً: یہاں پر دو بحثیں ہیں: اول یہ کہ حدیث میں جو ساعات مذکور ہیں ان کی ابتداء کب سے ہے؟

حدیث الباب میں دوبحثیں: چنانچہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، امام مالکؒ، قاضی حسینؒ اور امام الحرمینؒ اس بات کے قائل ہیں کہ ساعات سے مراد لحظات لطیفہ ہیں جن کی ابتداء زوال شمس کے بعد ہوتی ہے اسلئے کہ حدیث میں لفظ راح مذکور ہے، ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ رواح لغۃ ذہاب بعد الزوال کو کہتے ہیں اسلئے ان ساعات کی ابتداء زوال کے بعد ہی سے مانی جائے گی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی بھی یہی رائے ہیں، چنانچہ اسی لئے امام مالکؒ تبکیر الی الجمعہ کے قائل ہیں اسکو وہ مکروہ فرماتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ وغیرہ نے امام مالکؒ کے اس قول کی شدت سے نکیر کی ہے کہ یہ خلاف حدیث ہے اور جمہور علماء کے نزدیک ان ساعات کی ابتداء اول نہار سے ہے اس سے لحظات لطیفہ نہیں بلکہ ساعات زمانیہ مراد ہیں جو ساعت کے مشہور معنی ہیں، اور رواح کے معنی لغت میں مطلق ذہاب کے بھی آتے ہیں خواہ قبل الزوال ہو یا بعد الزوال جیسا کہ بعض ائمہ لغت نے اسکی تصریح کی ہے اور دوسری روایات میں چونکہ تبکیر الی الجمعۃ کی ترغیب وارد ہے اسلئے اسکو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، اسکے بعد جمہور کے درمیان پھر اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ ان ساعات کی ابتداء طلوع فجر سے ہوگی یا طلوع شمس سے، اکثر کی رائے یہ ہے کہ طلوع فجر سے۔

حافظ ابن حجرؒ نے یہاں ایک اور بات فرمائی ہے وہ یہ کہ اس حدیث میں لفظ راح صرف امام مالکؒ کے طریق میں ہے اور غیر طریق مالک میں بجائے لفظ راح کے غدا ہے جس کے معنی علی الصباح چلنے کے ہیں اور بعض روایات میں بلفظ المُتَعَجِّلُ إِلَى الجُمُعَةِ كَالْمُهْدِي بَدَنَةً [2] آیا ہے اسکے علاوہ اس سلسلہ کی اور بھی بعض روایات میں لفظ غدو وارد ہوا ہے جیسے: اذا كان يوم الجمعة غدت الشياطين براياتها الى الاسواق وتغدو والملائكة الى أبواب المساجد يكتبون الأول فالأول [3]، جس سے

---

[1] حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ "أوجز" میں لکھتے ہیں روایات میں اس سلسلہ میں چار طرح کے الفاظ ملتے ہیں: الرواح والغدو، التبكير، التهجير جو ہاجرہ سے ماخوذ ہے، قسطلانیؒ کہتے ہیں تہجیر کے معنی سیر وقت الحر کے ہیں اور شدۃ الحر کی ابتداء عامۃً ربع نہار سے ہو جاتی ہے۔

[2] سنن الدارمي - كتاب الصلاة - باب فضل التهجير إلى الجمعة ١٥٤٤

[3] إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، غَدَتِ الشَّيَاطِينُ بِرَايَاتِهَا إِلَى الْأَسْوَاقِ، فَيَرْمُونَ النَّاسَ بِالتَّرَابِيثِ، أَوِ الرَّبَائِثِ، وَيُثَبِّطُونَهُمْ عَنِ الْجُمُعَةِ، وَتَغْدُو الْمَلَائِكَةُ فَيَجْلِسُونَ عَلَى أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ، فَيَكْتُبُونَ الرَّجُلَ مِنْ سَاعَةٍ (سنن أبي داود - كتاب الصلاة - باب فضل الجمعة ١٠٥١)

مسلک جمہور کی تائید ہوتی ہے۔

بحث ثانی: یہاں پر یہ ہے کہ نہار بارہ گھنٹہ کا ہوتا ہے جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے یَوْمُ الْجُمُعَةِ اثْنَتَا عَشْرَةَ سَاعَةً [1]، لہٰذا اول نہار سے لے کر زوال تک چھ ساعتیں ہوں گی حالانکہ یہاں حدیث میں پانچ ساعات مذکور ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ نسائی کی روایت میں ساعت [2] سادسہ بھی ہے، چنانچہ اس کی ایک روایت میں بطة اور ایک میں عُصْفُوْرًا مذکور ہے، فزال الاشکال بحمد اللہ۔

قولہ: وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً: مضمون حدیث یہ ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز کیلئے ساعت اولیٰ میں حاضر ہوگا اس کو تصدق ابل کا ثواب ملے گا اور جو ساعت ثانیہ میں حاضر ہو اس کو تصدق بقرۃ کا، اور جو ساعت ثالثہ میں حاضر ہو اس کیلئے کبش اقرن کا، اور جو ساعت رابعہ میں حاضر ہو اس کیلئے تصدق دجاجہ کا، اور پھر ساعت خامسہ میں ایک بیضہ کا اور پھر ساعت سادسہ میں جیسا کی نسائی کی روایت میں ہے ایک عُصْفُوْر کا [3]۔

فائدہ اولیٰ: نسائی کی ایک روایت میں اس طرح وارد ہے "فالناس فيه كرجل قدم بدنة وكرجل قدم بدنة وكرجل قدم بقرةً وكرجل قدم بقرةً"، اس روایت میں تمام ساعات کے اجر کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے بظاہر اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تمام ساعات متجزی وذو اجزاء ہیں، لہٰذا ساعت اولیٰ کے اجزاء میں سے جس جزء میں بھی کوئی شخص حاضر ہوگا ثواب موعود کا مستحق ہوگا، ایسے ہی ساعت ثانیہ کے اجزاء میں سے جس جزء میں بھی آنے والا آئے گا وہ اس ساعت کے ثواب کا مستحق ہوگا، میں کہتا ہوں اس سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے کہ یہ ساعات لحظات لطیفہ نہیں بلکہ ساعات زمانیہ (نجومیہ) ہیں۔

فائدہ ثانیہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمیشہ اس بات کی کوشش فرماتے تھے کہ جمعہ کی نماز کیلئے مسجد ساعت اولیٰ میں پہنچیں، ایک مرتبہ کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی مسجد میں دیر سے پہنچے، اس وقت مسجد میں پہلے سے تین شخص موجود تھے جو ان سے پہلے پہنچ گئے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنی تاخیر پر بڑا تأثر ہوا اور فرمانے لگے جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے رَابِعُ أَرْبَعَةٍ کہ اف ہو! اس جمعہ کو میں مسجد میں چوتھے نمبر پر پہنچنے والا ہوں، اور پھر فرماتے ہیں: وَمَا رَابِعُ أَرْبَعَةٍ بِبَعِيدٍ [4]، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک وہی تأثر والی بات کہ چوتھے نمبر پر آنے والا کس قدر بعید ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ

---

[1] سنن النسائي - كتاب الجمعة - باب وقت الجمعة ١٣٨٩

[2] چنانچہ اسمیں ذکر شاۃ کے بعد ثم کالمهدي بطة ثم کالمهدي دجاجة ثم کالمهدي بيضة اور ایک روایت میں بجائے بطة کے عصفور ہے۔

[3] سنن النسائي - كتاب الجمعة - باب التبكير إلى الجمعة ١٣٨٧

[4] سنن ابن ماجه - كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها - باب ما جاء في التهجير إلى الجمعة ١٠٩٤

بطور تسلی کے فرماتے ہوں کہ خیر میں چوتھاہی آنے والا ہوں زیادہ بعید نہیں ہوں۔

قولہ: فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ: اس سے معلوم ہوا کہ خروج امام کے بعد انصات کا وقت شروع ہو جاتا ہے، یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک قطع صلوۃ، دوسرے قطع کلام، ان دونوں کا وقت ایک ہی ہے یا الگ الگ یہ مسئلہ اختلافی ہے، يجيئ في محله إنشاء الله وهو كتاب الجمعة۔

۱۲۹ - بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

باب جمعہ کے دن غسل کے چھوڑنے کی اجازت کے بیان میں

غسل جمعہ کے سلسلہ میں چونکہ روایات دو طرح کی ہیں بعض سے وجوب مستفاد ہوتا ہے اور بعض سے عدم وجوب مصنف نے باب سابق میں پہلی قسم کی روایت کو ذکر کیا تھا اور اس دوسرے باب میں دوسری قسم کی روایات کو ذکر کرنا مقصود ہے، جمہور کے نزدیک وجوب کی روایات یا تو تاکد اور اہتمام پر محمول ہیں یا پھر نسخ پر۔

۳۵۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّاسُ مُهَّانَ أَنْفُسِهِمْ، فَيَرُوحُونَ إِلَى الْجُمُعَةِ بِهَيْئَتِهِمْ، فَقِيلَ لَهُمْ: «لَوِ اغْتَسَلْتُمْ».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ (ابتداء اسلام میں) لوگ اپنے خادم خود ہی تھے اسی لئے صحابہ کرامؓ اسی حالت میں جمعہ کیلئے مسجد حاضر ہو جاتے تھے (یعنی بدن اور کپڑوں میں کام کاج کی وجہ سے بدبو ہونے کی حالت میں) اسلئے ان سے کہا گیا (بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ) اگر تم غسل کر لیا کرو تو یہ بہتر ہے۔

شرح الحدیث: كَانَ النَّاسُ مُهَّانَ أَنْفُسِهِمْ الخ: مہان جمع ہے ماھن کی بمعنی خادم، یعنی ابتداء اسلام میں فتوحات کے زمانہ سے قبل لوگ اپنے خادم خود ہی تھے ان کے نوکر چاکر نہیں تھے، اپنے محنت ومشقت کے کام سب خود ہی کیا کرتے تھے، جس سے بدن اور کپڑوں میں بو پیدا ہو جاتی تھی اور چونکہ اس وقت تک آپ ﷺ کی طرف سے غسل کا حکم نہیں ہوا تھا اس لئے صحابہ اسی حال میں جمعہ کی نماز کیلئے پہنچ جاتے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی لَوِ اغْتَسَلْتُمْ الخ، اگر غسل کر لیا کرو تو بہتر ہے کیونکہ اس صیغہ سے بظاہر غسل کا استحباب اور عدم وجوب سمجھ میں آرہا ہے اسی لئے مصنف اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

۳۵۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ: أَنَّ أُنَاسًا مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوا فَقَالُوا: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنَّهُ أَطْهَرُ، وَخَيْرٌ لِمَنِ اغْتَسَلَ، وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ، وَسَأُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُودِينَ يَلْبَسُونَ الصُّوفَ وَيَعْمَلُونَ عَلَى ظُهُورِهِمْ،

وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ - إِنَّمَا هُوَ عَرِيشٌ - فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ الصُّوفِ حَتَّى ثَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ آذَى بِذَلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا. فَلَمَّا وَجَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيحَ قَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هَذَا الْيَوْمَ فَاغْتَسِلُوا، وَلْيَمَسَّ أَحَدُكُمْ أَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهِ وَطِيبِهِ» قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ثُمَّ جَاءَ اللهُ بِالْخَيْرِ وَلَبِسُوا غَيْرَ الصُّوفِ، وَكُفُوا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ، وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِي كَانَ يُؤْذِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ.

ترجمہ: عکرمہؒ سے روایت ہے کہ اہل عراق کے کچھ لوگ ابن عباسؓ کی خدمت میں آئے انہوں نے سوال کیا اے ابن عباسؓ کیا غسل جمعہ آپ کے نزدیک واجب ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا غسل جمعہ واجب تو نہیں لیکن بہتر ہے اور زیادتی نظافت کا باعث ہے اور جو شخص جمعہ کے دن غسل نہ کرے تو اس پر غسل واجب نہیں اور میں تم کو بتلاتا ہوں کہ غسل کی ابتداء کیسے ہوئی دراصل (شروع میں) لوگ تنگی میں گزر بسر کر رہے تھے (وہ مزدوری مشقت کرتے تھے) اور (موٹا جھوٹا) اون پہنتے تھے اپنے اوپر بوجھ لادتے تھے اور مسجدیں بھی تنگ و تاریک ہوتی تھیں اسکی چھتیں نیچی اور چھپر کی طرح تھیں ایک روز رسول اللہ ﷺ گرمی کے دن میں تشریف لائے اور لوگوں کو اس ادنی لباس میں پسینہ آرہا تھا جس سے بدبو پیدا ہو کر ایک دوسرے کیلئے تکلیف کا باعث بن رہی تھی تو آپ ﷺ نے بدبو محسوس کی تو فرمایا اے لوگو! جب جمعہ کا دن ہوا کرے تو غسل کرلیا کرو اور جو بہتر سے بہتر تیل یا خوشبو تم کو میسر ہو سکے وہ لگالیا کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اموال و حشم و خدم کی کثرت ہوگئی اور لوگ اونی کپڑوں کو چھوڑ کر دوسرے کپڑے پہننے لگے اور لوگوں کو مزدوری کی ضرورت بھی نہ رہی اور مسجدیں کشادہ ہوگئی اور بدبودار پسینہ جو ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے والا تھا وہ سبب باقی نہ رہا (تو غسل بھی واجب نہ رہا)۔

شرح الحدیث: قوله: أَنَّ أُنَاسًا مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوا فَقَالُوا: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ الخ: بعض اہل عراق ابن عباسؓ کی خدمت میں آئے ممکن ہے یہ اس وقت کا واقعہ ہو، جب ابن عباسؓ والی بصرہ تھے، بصرہ اور کوفہ دونوں ہی عراق کے شہر ہیں، ان لوگوں نے یہ سوال کیا کہ کیا غسل جمعہ آپ کے نزدیک واجب ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے صفائی کے ساتھ فرمایا کہ واجب نہیں صرف بہتر ہے اور پھر فرمایا کہ میں تم کو بتلاتا ہوں کہ غسل کی ابتداء کیسے ہوئی تھی كَانَ النَّاسُ مَجْهُودِينَ يَلْبَسُونَ الصُّوفَ دراصل بات یہ ہے کہ شروع میں لوگ تنگی و ترشی کی زندگی بسر کر رہے تھے موٹا جھوٹا پہنتے تھے مزدوری اور مشقت کے کام کرتے تھے جس سے کپڑے میلے اور خراب ہو جاتے تھے پسینہ کی وجہ سے بو پیدا ہو جاتی تھی اور مسجد بھی تنگ اور اس کی چھت نیچی تھی چھپر کی طرح تھی، ایک روز کی بات ہے کہ گرمی کا دن تھا اس اونی موٹے لباس میں لوگوں کو پسینہ آرہا تھا حضور ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بدبو محسوس کی جس سے سب ہی کو اذیت پہنچ رہی تھی تو اس موقعہ پر حضور ﷺ نے غسل کا حکم فرمایا تھا، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے حالت بدلی فتوحات کی وجہ سے مال و دولت حاصل ہوا لباس بھی

پہلے سے اچھا ہو گیا خدمت گزار اور کام کرنے والے بھی حاصل ہو گئے، نیز مسجد میں توسیع ہو گئی اور رائحہ کریہہ والی بات ختم ہو گئی، جس سے ایک دوسرے کو اذیت پہنچتی تھی۔

ابن عباسؓ کی بیان مرادمیں شراح کے تین قول: حاصل کلام ابن عباسؓ یہ ہے کہ ایجاب غسل کا حکم معلل بعلۃ ہے شروع میں علت پائی جاتی تھی اسلئے واجب تھا اب نہیں پائی جارہی ہے اسلئے واجب نہیں لہذا اسکو منسوخ نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر اب بھی وہ علت پائی جائے گی ایجاب غسل کا حکم لوٹ آیگا، ابن رسلانؒ نے اسکی تشریح اسی طرح کی ہے، کمافی ھامش الشیخ [1]،اس سے امام احمدؒ کی ایک روایت کی تائید ہوتی ہے کہ رائحہ کریہہ کی صورت میں غسل واجب ہے ورنہ نہیں، اور صاحب منہل یہ لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی مراد یہ ہے کہ غسل شروع میں واجب تھا بعد میں منسوخ ہو گیا، اور حضرتؒ نے بذل (ج ۳ ص ۹۲) میں تحریر فرمایا ہے کہ ابن عباسؓ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی طرف سے غسل کا حکم بطریق ایجاب نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ کسی کو اذیت نہ پہنچے۔

٣٥٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ فَهُوَ أَفْضَلُ».

ترجمہ حضرت سمرةؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے وضو کیا تو اس نے اچھی خصلت اور طریقہ کو اپنایا اور طریقہ بھی خوب ہے اور جس نے غسل کیا تو یہ زیادہ فضیلت کی بات ہے۔

تخریج جامع الترمذي - الجمعة (٤٩٧) سنن النسائي - الجمعة (١٣٨٠) سنن أبي داود - الطهارة (٣٥٤) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٥/٨) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٥/١١) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٥/١٥) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٥/١٦) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٥/٢٢) سنن الدارمي - الصلاة (١٥٤٠)

شرح الحديث مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ: أي فبالسنة أخذ ونعمت السنة، اس پر اشکال یہ ہے کہ سنت تو غسل ہے نہ کہ وضو لہذا التقدیر عبارت یہ اولی ہے "فبالرخصة أخذ ونعمت الرخصة" نعمت کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں نعمت کسر نون اور سکون عین کے ساتھ نعمت فتح نون وکسر عین کے ساتھ اور اصل یہی ہے۔

١٣٠ - بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ فَيُؤْمَرُ بِالْغُسْلِ

﴿باب اس شخص کے بارے میں جو اسلام قبول کرے پھر اسے غسل کا حکم دیا جائے﴾

مسئلة الباب میں مذاہب ائمہ: غسل مسنون کا یہ دوسرا باب ہے یعنی اسلام لانے کے بعد یا ارادۂ اسلام کے وقت غسل کرنا، اس میں کسی قدر اختلاف ہے امام احمدؒ کے یہاں مطلقاً واجب ہے، ائمہ ثلاثہ جن میں حنفیہ بھی ہیں کہتے ہیں

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٣ ص ٩٢

:اگر بوقت اسلام کوئی شخص جنبی ہو تو اس پر غسل واجب ہے ورنہ صرف مستحب ہے، لیکن اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر اسلام لانے سے پہلے جنابت کی حالت تھی اور اس نے غسل کر لیا تھا اس کے بعد اسلام لایا تو یہ غسل جو بحالت کفر کیا ہے معتبر ہوگا یا نہیں؟ حنفیہ کے یہاں غسل کافر معتبر ہے جمہور کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ ان کے یہاں صحت غسل کیلئے نیت شرط ہے اور کافر کی نیت معتبر نہیں۔

۳۵۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ، أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا الْأَغَرُّ، عَنْ خَلِيفَةَ بْنِ حُصَيْنٍ، عَنْ جَدِّهِ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ: «أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ الْإِسْلَامَ فَأَمَرَنِي أَنْ أَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ».

ترجمہ: قیس بن عاصم فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے حاضر ہوا (چنانچہ میں اسلام لے آیا) تو آپ ﷺ نے مجھے بیری کے پتوں والے پانی سے غسل کا حکم دیا۔

جامع الترمذي - الجمعة (٦٠٥) سنن أبي داود - الطهارة (٣٥٥) مسند أحمد - أول مسند البصريين (٦١/٥)

شرح الحدیث: قوله: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ الْإِسْلَامَ فَأَمَرَنِي أَنْ أَغْتَسِلَ: حضرتؒ [1] نے اس حدیث کی شرح میں دو احتمال لکھے ہیں ایک یہ کہ قیس بن عاصم فرماتے ہیں میں حضور ﷺ کی خدمت میں اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوا، چنانچہ اسلام لے آیا اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھے غسل کا حکم فرمایا، دوسرا احتمال یہ کہ میں آپ کی خدمت میں اسلام کے ارادہ سے حاضر ہوا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اول غسل کر کے آؤ، حضرتؒ نے جو احتمال اول لکھا ہے اس پر تو اشکال نہیں لیکن ظاہر الفاظ اس کے مساعد نہیں۔

تقدیم غسل کافر کی بحث: اور دوسرا احتمال جو ظاہر الفاظ کے زیادہ قریب ہے اس پر فقہی طور پر اشکال ہے وہ یہ کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ کافر جب اسلام لانے کا ارادہ کرے تو اسلام لانے سے پہلے اس کو غسل کا حکم دینا جائز نہیں اس سے تاخیر لازم آئے گی اور اسلام لانے میں کسی قسم کی تاخیر کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، ابن رسلانؒ نے اختیار تو معنی ثانی ہی کئے ہیں لیکن الفاظ حدیث کی ایک دوسری تاویل کی ہے وہ یہ کہ أُرِيدُ الْإِسْلَامَ سے قیس بن عاصم کی مراد اصل اسلام نہیں بلکہ تجدید اسلام علی ید رسول اللہ ﷺ ہے، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی لاچکے تھے اور وجہ اس تاویل کی یہی لکھی ہے کہ اسلام میں تاخیر کی گنجائش نہیں، حالانکہ آپ ﷺ اس کو یہ فرمارہے ہیں کہ پہلے غسل کر کے آؤ، اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ غسل کافر صحیح نہیں۔

قیس بن عاصم صحابیؓ: جاننا چاہئے کہ قیس بن عاصمؓ جن کے اسلام لانے کا قصہ اس حدیث میں ہے، حضرتؒ نے بذل میں ان کے حالات میں لکھا ہے یہ ۹ سنہ میں وفد بنو تمیم کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسی وقت اسلام

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٣ ص ٩٤

لائے یہ اپنی قوم کے سردار تھے، آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا ھذا سید اھل الوبر، لکھا ہے یہ بڑے فہیم اور حلیم الطبع تھے، کسی نے ان کے شاگرد احنف بن قیس سے پوچھا: ممن تعلمت الحلم ؟ قال من قیس ان کی وفات پر کسی نے مرثیہ میں یہ اشعار کہے تھے:

عَلَيْكَ سَلَامُ اللهِ قَيْسَ بْنَ عَاصِمٍ ... وَرَحْمَتُهُ مَا شَاءَ أَنْ يَتَرَحَّمَا

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهُ هُلْكَ وَاحِدٍ ... وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا [1]

۳۵۶ - حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أُخْبِرْتُ عَنْ عُثَيْمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: قَدْ أَسْلَمْتُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ» يَقُولُ: احْلِقْ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي آخَرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِآخَرَ مَعَهُ: «أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ».

ترجمہ: عثیم بن کلیب اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عثیم کے دادا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اسلام لے آیا ہوں اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ کفر کے بالوں کو ہٹادو یعنی سر منڈادو۔ عثیم کے والد نے کہا کہ مجھے ایک اور صاحب نے بتلایا کہ نبی اکرم ﷺ نے دوسرے شخص سے جو انکا ساتھی تھا ارشاد فرمایا کہ کفر کی علامت جو بال ہیں ان کو منڈوادو اور ختنہ کرو۔

شرح الحدیث: قولہ: قَالَ: أُخْبِرْتُ عَنْ عُثَيْمِ بْنِ كُلَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ: یہ عثیم عثیم بن کثیر بن کلیب ہیں، یہاں سند میں نسبت الی الجد مذکور ہے، لہذا عن ابیہ کا مصداق کثیر ہوئے اور عن جدہ کا کلیب، یہ بات قابل تنبیہ تھی اسلئے تنبیہ کی گئی۔

قولہ: أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ: کلیب کہتے ہیں میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں اسلام لے آیا ہوں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ کفری کے بالوں کا حلق کرالو یا شعر الکفر سے مراد وہ بال ہیں جو کفر کی علامت اور اس کا شعار ہیں مثلاً شارب طویل یا سر کے اینے بال جیسے یہاں ہندو سر پر چوٹی رکھتے ہیں۔

اس سے اگلی روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اختتان کا بھی حکم فرمایا، ختان کا حکم اور اس میں اختلاف علماء عشر من الفطرۃ والی حدیث کے ذیل میں گزر چکا لیکن باب کی اس حدیث میں غسل کا ذکر نہیں ہے جس پر مصنف ؒ نے ترجمہ باندھا ہے، ممکن ہے مصنف ؒ نے اس کو بطریق قیاس ثابت کرنا چاہا ہو کہ جب زمانہ کفر کے بالوں کے ازالہ کا حکم دیا گیا ہے تو اسی طرح اور بھی اوساخ بدن کا بذریعہ غسل ازالہ ہونا چاہئے۔

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود – ج ۳ ص ۹۳ – ۹۴

١٣١ ۔ بَابُ الْمَرْأَةِ تَغْسِلُ ثَوْبَهَا الَّذِي تَلْبَسُهُ فِي حَيْضِهَا

باب عورت کے ان کپڑوں کو دھونے کے بارے میں جو اس نے حالت حیض میں پہنے ہوں

ماقبل سے ربط اور ترجمة الباب سے مقصود: یہاں سے مصنفؒ ان مسائل اور ابواب کا سلسلہ شروع کر رہے ہیں جن کو فقہاء کرام باب تطہیر الانجاس سے تعبیر کرتے ہیں، نجاست کی دو قسمیں ہیں حسیہ اور معنویہ، یعنی انجاس واحداث، اب تک وضو اور غسل کا بیان چل رہا تھا جس کا تعلق احداث سے ہے ان سے فارغ ہونے کے بعد اب مصنفؒ طہارت عن النجاسات الحسیة کو بیان فرمارہے ہیں، بَابُ فَرْضِ الْوُضُوءِ میں ہم یہ اختلاف بیان کر چکے ہیں کہ صحت صلوۃ کیلئے طہارت عن الحدث کا شرط ہونا اجماعی ہے اور طہارت عن الخبث میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک صحت صلوۃ کیلئے یہ بھی ضروری ہے اور شرط ہے، مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے امام شافعیؒ بھی قول قدیم میں امام مالکؒ کے ساتھ ہیں۔

٣٥٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، حَدَّثَنِي أَبِي، حَدَّثَتْنِي أُمُّ الْحَسَنِ يَعْنِي جَدَّةَ أَبِي بَكْرٍ الْعَدَوِيِّ، عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ الْحَائِضِ يُصِيبُ ثَوْبَهَا الدَّمُ قَالَتْ: «تَغْسِلُهُ فَإِنْ لَمْ يَذْهَبْ أَثَرُهُ فَلْتُغَيِّرْهُ بِشَيْءٍ مِنْ صُفْرَةٍ» . قَالَتْ: «وَلَقَدْ كُنْتُ أَحِيضُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ حِيَضٍ جَمِيعًا لَا أَغْسِلُ لِي ثَوْبًا».

ترجمہ: حضرت معاذہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ اگر حائضہ کے کپڑے میں خون لگ جائے؟ انہوں نے فرمایا اس کو دھوئے پھر اگر خون کا اثر (رنگت) باقی رہ جائے تو اس کو صفرہ (زعفران) جیسی کسی چیز سے زائل کرے۔ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حائضہ ہوتی تھیں مسلسل تین حیض ہو جاتے مگر میں اپنے کپڑے نہ دھوتی (خون نہ لگنے کی وجہ سے)۔

تخریج: سنن أبي داود – الطهارة (٣٥٧) سنن الدارمي – الطهارة (١٠١١)

شرح الحديث: قوله: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ الْحَائِضِ يُصِيبُ ثَوْبَهَا الدَّمُ: حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ اگر حائض کے کپڑے میں خون لگ جائے تو کیا کرے؟ انہوں نے فرمایا اس کو دھوئے پھر اگر خون کا اثر، یا رنگت باقی رہ جائے تو اس کو صفرۃ کے ذریعہ زائل کرے، صفرۃ سے مراد ورس یا زعفران ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے۔

٣٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ، أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَعْنِي ابْنَ مُسْلِمٍ يَذْكُرُ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: «مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيضُ فِيهِ، فَإِنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ بَلَّتْهُ بِرِيقِهَا، ثُمَّ قَصَعَتْهُ بِرِيقِهَا».

ترجمہ: ابراہیم بن نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حسن یعنی ابن مسلم سے سنا کہ انہوں نے مجاہد کے واسطے سے ذکر کیا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ہمارے پاس پہننے کیلئے ایک ہی کپڑا ہوتا تھا اسی میں عورت حائضہ ہو جاتی تھی اگر اس پر خون لگ

جاتا تو اس کو اپنے لعاب دہن سے تر کر کے رگڑتی۔

شرح الحدیث: قوله: فَإِنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ بَلَّتْهُ بِرِيقِهَا: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ہمارے پاس زمانہ حیض میں پہننے کے لئے ایک ہی کپڑا ہوتا تھا اسی کو حیض سے پاک ہونے کے بعد پہنتی تھی (پاک ہونے کا ذکر اگلی روایت میں آرہا ہے) وہ فرماتی ہیں کہ میں اس کپڑے کو دیکھتی پس اگر اس پر خون لگا ہوا ہوتا تو اس کو اپنی ریق اور لعاب دہن سے تر کر کے رگڑتی اس حدیث میں صرف رگڑنے کا ذکر ہے اس کے بعد غسل کا نہیں، اس کی تین وجہ ہو سکتی ہیں: ① یہ لعاب دہن سے ان کو تر کرنا اور رگڑنا زمانہ حیض میں تھا انقطاع حیض کے بعد نہیں، لہذا کپڑے کو پاک کرنے کی حاجت نہیں اس لئے کہ اس سے نماز ہی نہیں پڑھنی ہے، ② بوجہ دم کے مقدار قلیل ہونے کے جو شرعاً معاف ہے، ③ گو اس روایت میں غسل کا ذکر نہیں ہے لیکن مراد ہے دم معفو کی مقدار اور اس میں اختلاف ہمارے یہاں بَابُ الْوُضُوءِ مِنَ الدَّمِ میں گزر چکا۔

۳۵۹ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنَا بَكَّارُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَسَأَلَتْهَا امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ عَنِ الصَّلَاةِ فِي ثَوْبِ الْحَائِضِ، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: «قَدْ كَانَ يُصِيبُنَا الْحَيْضُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَلْبَثُ إِحْدَانَا أَيَّامَ حَيْضِهَا ثُمَّ تَطَّهَّرُ، فَتَنْظُرُ الثَّوْبَ الَّذِي كَانَتْ تَقْلِبُ فِيهِ، فَإِنْ أَصَابَهُ دَمٌ غَسَلْنَاهُ وَصَلَّيْنَا فِيهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ تَرَكْنَاهُ وَلَمْ يَمْنَعْنَا ذَلِكَ مِنْ أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِ، وَأَمَّا الْمُمْتَشِطَةُ فَكَانَتْ إِحْدَانَا تَكُونُ مُمْتَشِطَةً فَإِذَا اغْتَسَلَتْ لَمْ تَنْقُضْ ذَلِكَ، وَلَكِنَّهَا تَحْفِنُ عَلَى رَأْسِهَا ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ، فَإِذَا رَأَتِ الْبَلَلَ فِي أُصُولِ الشَّعْرِ دَلَكَتْهُ، ثُمَّ أَفَاضَتْ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهَا».

ترجمہ: بکار بن یحییٰ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو قریش کی عورت نے ان سے پوچھا حیض کے دوران پہنے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے تو ام سلمہؓ نے ارشاد فرمایا کہ ہم میں سے کسی کو عہد نبوی میں حیض آتا تھا تو وہ حیض کے دنوں میں بیٹھ جاتی تھیں اور جب پاک ہو جاتی تو ان کپڑوں کو جو پہنے ہوتی دیکھتی کہ اگر اس میں خون لگا ہوتا تو ہم اسکو دھو لیتیں اور اسی میں نماز پڑھ لیتیں اور اگر خون نہ لگا ہوتا تو اسے ایسے ہی چھوڑ دیتیں اور ہمیں کوئی بات ان کپڑوں میں نماز پڑھنے سے مانع نہ ہوتی اور ہم میں سے جس عورت کے بال گندھے ہوئے ہوتے وہ بال باندھے رکھتی اور غسل جنابت کیلئے ان بالوں کو نہ کھولتی لیکن وہ سر پر تین لپ بھر کر پانی کے ڈالتی پھر جب وہ عورت دیکھتی کہ تری بالوں کی جڑوں تک پہنچ گئی ہے تو بالوں کو ملتی پھر سارے بدن پر پانی بہاتی۔

۳۶۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ: سَمِعْتُ امْرَأَةً تَسْأَلُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تَصْنَعُ إِحْدَانَا بِثَوْبِهَا إِذَا رَأَتِ الطُّهْرَ أَتُصَلِّي فِيهِ؟ قَالَ: «تَنْظُرُ فَإِنْ رَأَتْ فِيهِ دَمًا فَلْتَقْرُصْهُ بِشَيْءٍ مِنْ مَاءٍ، وَلْتَنْضَحْ مَا لَمْ تَرَ وَلْتُصَلِّ فِيهِ».

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک عورت سے جو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر رہی تھی سنا کہ ہم عورتوں میں سے جب کوئی پاک ہو جاتی ہے تو (جو کپڑے وہ پہنے ہوئے ہے ان) کپڑوں کا کیا کرے؟ کیا ان کپڑوں میں نماز پڑھ لے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھ لے اگر کپڑے پر خون نظر آئے تو تھوڑے سے پانی سے اس کو کھرچ دو اور اس پر چھینٹے مار دو یہاں تک کہ خون کا اثر باقی نہ رہے اور اس میں نماز پڑھ لو۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (٢٢٥) صحيح البخاري - الحيض (٣٠١) صحيح مسلم - الطهارة (٢٩١) جامع الترمذي - الطهارة (١٣٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٩٣) سنن أبي داود - الطهارة (٣٦٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٤٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٤٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٥٣) موطأ مالك - الطهارة (١٣٦) سنن الدارمي - الطهارة [illegible] (١٠١٦) سنن الدارمي - الطهارة (١٠١٨).

شرح الحدیث: قوله: فَلْتَقْرُصْهُ بِشَيْءٍ مِنْ مَاءٍ، وَلْتَنْضَحْ مَا لَمْ تَرَ. یعنی کپڑے پر جو خون لگا ہے اسکو پانی سے رگڑ رگڑ کر دھوئے تا کہ اس کا بالکلیہ ازالہ ہو جائے، اور جملہ ثانیہ وَلْتَنْضَحْ مَا لَمْ تَرَ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ یہ ما قبل سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ کپڑے کو دھوتے وقت اس پر پانی ڈالتی رہے جب تک اثر نجاست نہ دیکھے (جیسا کہ کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ ہے) اس صورت میں مَا بمعنی مَادَامَ ہوگا۔

ثوب مشکوک کی طہارت کا طریق: دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ما موصولہ ہو اور اس جملہ کا تعلق ما قبل سے نہیں بلکہ مستقل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زمانہ حیض کے جس کپڑے میں خون کا اثر لگا ہے اس کو تو با قاعدہ دھویا جائے، اور جس کپڑے میں خون لگا ہوا نظر نہیں آتا بلکہ صرف شبہ ہے ناپاک ہونے کا اس کا بجائے غسل کے نضح یعنی رش الماء کیا جائے جیسا کہ مالکیہ کا مذہب ہے مالکیہ فرماتے ہیں ثوب نجس کا حکم غسل ہے اور ثوب مشکوک کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر صرف پانی کا چھینٹا دے دیا جائے۔

یہ روایت جس میں وَلْتَنْضَحْ مَا لَمْ تَرَ مذکور ہے فاطمہ بنت المنذر کی روایت ہے محمد بن اسحق کے طریق سے، اس کے بعد مصنفؒ نے فاطمہ کی روایت بطریق ہشام بن عروہ ذکر کی اس میں یہ جملہ نہیں ہے اور ہشام بن عروہ محمد بن اسحق سے اثبت واقوی ہیں لہذا ان کی روایت راجح ہوگی، اس سے اس جملہ کے ثبوت میں ضعف پیدا ہو گیا جو ایک معنی کے اعتبار سے جمہور کے خلاف تھا، فزال الاشکال عن مذہب الجمہور۔

٣٦١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا قَالَتْ: سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ: «إِذَا أَصَابَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضِ فَلْتَقْرُصْهُ، ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِالْمَاءِ، ثُمَّ لِتُصَلِّ».

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا پس اس نے عرض

کیا کہ ہم میں سے کسی عورت کے کپڑوں میں حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے کپڑوں کو حیض کا خون لگ جائے تو اسے چاہیے کہ کپڑے کو کھرچ لے پھر اس پر پانی کے چھینٹے مارلے پھر اسی میں نماز پڑھ لے۔

٣٦٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، ح وحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، ح وحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ، عَنْ هِشَامٍ بِهَذَا الْمَعْنَى قَالَ: «حُتِّيهِ، ثُمَّ اقْرُصِيهِ بِالْمَاءِ، ثُمَّ انْضَحِيهِ».

ترجمہ: حماد یعنی ابن سلمہ ہشام سے اسی حدیث کے ہم معنی روایت نقل کرتے ہیں پس عیسی ابن یونس اور حماد بن سلمہ دونوں فرماتے ہیں اس خون کو کھرچو پھر پانی ڈال کر اس کو رگڑلو پھر پانی سے اس کو دھولو۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (٢٢٥) صحيح البخاري - الحيض (٣٠١) صحيح مسلم - الطهارة (٢٩١) جامع الترمذي - الطهارة (١٣٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٩٣) سنن أبي داود - الطهارة (٣٦١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٤٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٤٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٥٣) موطأ مالك - الطهارة (١٣٦) سنن الدارمي - الطهارة (٧٧٢) سنن الدارمي - الطهارة (١٠١٦) سنن الدارمي - الطهارة (١٠١٨)

٣٦٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ الْقَطَّانَ، عَنْ سُفْيَانَ، حَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْحَدَّادُ، حَدَّثَنِي عَدِيُّ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ قَيْسٍ بِنْتَ مِحْصَنٍ، تَقُولُ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يَكُونُ فِي الثَّوْبِ قَالَ: «حُكِّيهِ بِضِلْعٍ، وَاغْسِلِيهِ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ»

ترجمہ: عدی بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے ام قیس بنت محصن سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے حیض کے خون کے بارے میں دریافت کیا جو کپڑوں کو لگ جاتا ہو۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس خون کو لکڑی سے صاف کرو اور اس کو بیری کے پتوں کے جوش دیئے ہوئے پانی سے دھولو۔

تخریج: سنن النسائي - الحيض والاستحاضة (٣٩٥) سنن أبي داود - الطهارة (٣٦٣) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٦٢٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٥٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٥٦) سنن الدارمي - الطهارة (١٠١٩)

شرح الحدیث: قولہ: حُكِّيهِ بِضِلْعٍ، وَاغْسِلِيهِ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ: ضلع دراصل پسلی کی ہڈی کو کہتے ہیں اور یہاں مراد مطلقاً سخت چیز ہے جس کے ذریعہ دم حیض کو کھرچ سکے۔

حدیث الباب میں دو اختلافی مسئلے: جاننا چاہئے کہ احادیث الباب سے دو مسئلے اور اختلافی ثابت ہو رہے ہیں: ایک یہ کہ عند الجمهور، ومنهم الائمة الثلاثة ازالۂ نجاست کیلئے پانی متعین ہے، پانی کے علاوہ دیگر مائعات سے طہارت نہیں حاصل ہوتی، اور حنفیہ کے نزدیک ازالۂ حدث کیلئے تو پانی متعین ہے اور ازالہ خبث پانی اور دیگر مائعات سے بھی جائز ہے، خطابیؒ کہتے ہیں حدیث الباب اس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل ہے اس لئے کہ اس حدیث سے ریق کے ذریعہ ازالۂ نجاست مذکور

ہے اگر ریق کو مزیل نجاست نہ مانا جائے تو پھر اس سے مزید تلویث ہو گی، خطابی کہتے ہیں جمہور اس کا جواب یہ دے سکتے ہیں کہ ریق کے ذریعہ ازالہ نجاست مقصود نہیں بلکہ صرف تحلیل دم تا کہ بعد میں پانی سے بسہولت پاک ہو جائے [1]۔

مسئلہ ثانیہ اس حدیث میں ماء مخلوط بشیء طاہر کا ہے کہ اسکے ذریعہ ازالہ نجاست جائز ہے اس لئے کہ اس حدیث میں فرمارہے ہیں بماءٍ وسدرٍ، یہ مسئلہ ہمارے یہاں بَابُ فِي الْجُنُبِ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِخِطْمِيٍّ أَيُجْزِئُهُ ذَلِكَ میں تفصیل سے گزر چکا۔

۳۶۴ - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «قَدْ كَانَ يَكُونُ لِإِحْدَانَا الدِّرْعُ فِيهِ تَحِيضُ وَفِيهِ تُصِيبُهَا الْجَنَابَةُ، ثُمَّ تَرَى فِيهِ قَطْرَةً مِنْ دَمٍ فَتَقْصَعُهُ بِرِيقِهَا».

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی کے پاس ایک کرتا ہوتا اس میں حیض کا زمانہ گزرتا اور اسی میں جنابت ہوتی پھر اسمیں اگر کوئی خون کا دھبہ نظر آتا تو وہ عورت اس کو تھوک لگا کر رگڑ لیتی۔

۳۶۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. أَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ يَسَارٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَأَنَا أَحِيضُ فِيهِ فَكَيْفَ أَصْنَعُ؟ قَالَ: «إِذَا طَهُرْتِ فَاغْسِلِيهِ، ثُمَّ صَلِّي فِيهِ». فَقَالَتْ: فَإِنْ لَمْ يَخْرُجِ الدَّمُ؟ قَالَ: «يَكْفِيكِ غَسْلُ الدَّمِ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ».

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ خولہ بنت یسارؓ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگیں یارسول اللہ! میرے پاس صرف ایک کپڑا ہے اور اس میں مجھ پر حیض کے ایام بھی آتے ہیں تو اس کپڑے کا میں کیا کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم پاک ہو جایا کرو تو جس جگہ خون لگا ہو، وہ دھو کر اس میں ہی نماز پڑھ لیا کرو، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر خون کے دھبے کا نشان ختم نہ ہو؟ فرمایا: خون کو دھولینا کافی ہے، اس کا نشان ختم نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۳٦٥) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۲/ ۳٦٤) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (۲/ ۳۸۰)

۱۳۲ - بَابُ الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُصِيبُ أَهْلَهُ فِيهِ

باب ان کپڑوں میں نماز پڑھنے کی اجازت کے بارے، جن میں جس میں ہمبستری کی ہو

۳۶٦ - حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ الْمِصْرِيُّ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حُدَيْجٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ. أَنَّهُ سَأَلَ أُخْتَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُجَامِعُهَا فِيهِ؟ فَقَالَتْ: «نَعَمْ إِذَا لَمْ يَرَ فِيهِ أَذًى».

---

[1] معالم السنن - ج ۱ ص ۱۱۳

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن ام حبیبہ جو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ تھیں سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ ان کپڑوں میں جن میں ان سے ہمبستری فرماتے نماز پڑھ لیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اگر اس میں نجاست نہ دیکھتے۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (٢٩٤) سنن أبي داود - الطهارة (٣٦٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٤٠) مسند أحمد - من مسند القبائل (٤٢٧/٦) سنن الدارمي - الصلاة (١٣٧٥)

شرح الحدیث: قوله: فَقَالَتْ: نَعَمْ إِذَا لَمْ يَرَ فِيهِ أَذًى: بذل میں لکھا ہے یہ حدیث نجاست منی پر دلالت کر رہی ہے، اس میں اختلاف ہمارے یہاں ابواب الغسل میں بَابٌ فِيمَا يَفِيضُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ مِنَ الْمَاءِ میں گزر چکا وہ یہ کہ حنفیہ ومالکیہ اسکی نجاست کے قائل ہیں اور شافعیہ وحنابلہ علی القول المشہور طہارت کے، اور دلائل پر کلام آگے قریب ہی میں آرہا ہے۔

۱۳۳ - بَابُ الصَّلَاةِ فِي شُعُرِ النِّسَاءِ

عورتوں کے کپڑوں میں نماز پڑھنے کے متعلق باب

٣٦٧ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا الْأَشْعَثُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي فِي شُعُرِنَا، أَوْ فِي لُحُفِنَا» قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: شَكَّ أَبِي.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری چادروں یا لحافوں میں نماز نہیں پڑھتے تھے عبید اللہ راوی فرماتے ہیں کہ میرے والد کو اس میں شک ہے (یعنی شُعُرِنَا فرمایا یا لُحُفِنَا فرمایا)۔

تخریج: جامع الترمذي - الجمعة (٦٠٠) سنن النسائي - الزينة (٥٣٦٦) سنن أبي داود - الطهارة (٣٦٧) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٢٩/٦)

شرح الحدیث: شُعُر جمع ہے شعار کی جو مقابل ہے دثار کا، وہ کپڑا جو بدن سے متصل رہے اور اس سے اوپر والے کو دثار کہتے ہیں لیکن یہاں شعار سے مراد اوپر کا کپڑا ہے، جیسے چادر، لحاف، کمبل وغیرہ، چنانچہ حدیث الباب میں بھی لفظ لحف مذکور ہے اور اسی طرح امام ترمذیؒ نے اس پر ترجمہ بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ فِي لُحُفِ النِّسَاءِ باندھا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ عورتوں کا وہ کپڑا جس کو مرد بھی استعمال کر سکتے ہیں، ایسے کپڑے میں مرد کو نماز نہیں پڑھنی چاہئے، اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں جیسا کہ کوکب الدری میں ہے: ایک یہ کہ عورتوں کے مزاج میں طہارت ونجاست کے مسئلے میں احتیاط نہیں ہوتی لہٰذا مردوں کو ان کے کپڑوں کے استعمال میں احتیاط کرنی چاہئے، دوسری وجہ یہ کہ ہر ملبوس میں لابس کی بو ہوتی ہے تو ایسی صورت میں عورت کی چادر وغیرہ اوڑھ کر نماز پڑھنے میں شغل بال کا اندیشہ ہے کہ خیال اس کی طرف جائے گا[1]۔

[1] الكوكب الدري على جامع الترمذي - ج ١ ص ٤٧٢

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی ۔۔۔۔ چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی

لیکن یہ حکم صرف استحبابی ہے اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں، اسی لئے مصنفؒ نے آگے چل کر دوسرا باب رخصت کا باندھا ہے۔

٣٦٨ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُصَلِّي فِي مَلَاحِفِنَا» قَالَ حَمَّادٌ: وَسَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ أَبِي صَدَقَةَ قَالَ: سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْهُ فَلَمْ يُحَدِّثْنِي، وَقَالَ: سَمِعْتُهُ مُنْذُ زَمَانٍ، وَلَا أَدْرِي مِمَّنْ سَمِعْتُهُ، وَلَا أَدْرِي أَسَمِعْتُهُ مِنْ ثَبْتٍ أَوْ لَا فَسَلُوا عَنْهُ.

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے لحافوں میں نماز نہیں پڑھتے تھے حماد راوی کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن ابی صدقہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن سیرین سے اس (حدیث کے) بارے میں سوال کیا مگر انہوں نے میرے سوال پر مجھ سے یہ حدیث بیان نہیں کی اور عذر کر دیا کہ میں نے یہ حدیث بہت روز قبل سنی تھی لیکن اب یہ ذہن میں نہیں رہا کہ کس سے سنی تھی اور جس سے سنی تھی وہ ثقہ بھی ہے یا نہیں لہٰذا اس حدیث کو (دیگر علماء، محدثین سے) پوچھ لیں۔

تخریج جامع الترمذي - الجمعة (٦٠٠) سنن النسائي - الزينة (٥٣٦٦) سنن أبي داود - الطهارة (٣٦٨) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٢٩/٦)

شرح الحديث حَمَّادٌ: وَسَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ أَبِي صَدَقَةَ: یہ حماد، حماد بن زید اور سند کے رواۃ میں سے ہیں انہوں نے اوپر جو سند بیان کی وہ اس طرح ہے عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ عَائِشَةَ۔

حالانکہ ابن سیرین کا عائشہؓ سے سماع ثابت نہیں تو یہ اپنی بیان کردہ روایت کا منقطع ہونا بیان کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے سعید بن ابی صدقہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے محمد بن سیرین سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تھا، مگر انہوں نے میرے سوال پر مجھ سے یہ حدیث بیان نہیں کی اور عذر کر دیا کہ میں نے یہ حدیث بہت روز قبل سنی تھی لیکن اب یہ ذہن میں نہیں رہا کہ کس سے سنی تھی اور جس سے سنی تھی وہ ثقہ بھی ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ اس سند میں انقطاع حماد بن زید کے طریق کے اعتبار سے ہے اور اس سے پہلی سند جو غیر طریق حماد سے ہے وہ اس انقطاع سے سالم و محفوظ ہے اس میں محمد بن سیرین اور عائشہؓ کے درمیان عبد اللہ ابن شقیقؒ کا واسطہ موجود ہے جو ثقہ راوی ہیں لہٰذا اسناد ثانی یعنی حماد بن زید کے طریق کا انقطاع سند اول کے حق میں مؤثر اور قادح نہیں وہ اپنی جگہ محفوظ ہے اس لئے کہ ظاہر ہے محمد بن سیرین کو سماع حدیث کے ایک عرصہ بعد نسیان طاری ہوا شروع میں ان کو یہ سند محفوظ تھی تو جس راوی نے ان سے سند کو متصلاً ذکر کیا بدون انقطاع کے تو اس کی روایت شروع زمانہ کی ہوئی لہٰذا اس کا قول حجت ہوگا اس شخص پر جو ان

سے روایت کر رہا ہے ان پر نسیان طاری ہونے کے بعد یعنی من حفظ عنه حجت ہو گا من روی عنه بعد النسیان پر (کذا فی المنہل) اور حضرت نے بذل میں سند ثانی جو کہ منقطع ہے کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے فلا یثبت هذا الحدیث بهذا المسند [1]، اور سند اول جو سالم عن الانقطاع ہے اس سے حضرت نے کوئی تعرض نہیں فرمایا۔

۱۳۴ ۔ بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ

باب ہے اس مسئلہ (عورتوں کے کپڑوں میں نماز پڑھنے) کی اجازت کے بیان میں

۳۶۹ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ بْنِ سُفْيَانَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ، سَمِعَهُ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ يُحَدِّثُهُ، عَنْ مَيْمُونَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى وَعَلَيْهِ مِرْطٌ وَعَلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ مِنْهُ وَهِيَ حَائِضٌ، وَهُوَ يُصَلِّي وَهُوَ عَلَيْهِ».

ترجمہ حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے (برابر میں کوئی ایک زوجہ محترمہ تھیں) اور آپ ﷺ پر جو چادر تھی اس کا کچھ حصہ ان زوجہ پر تھا اس حال میں کہ وہ حائضہ تھیں اور حضور ﷺ اس کو اوڑھے نماز ادا فرمارہے تھے۔

تخریج سنن أبي داود - الطهارة (۳۶۹) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۶۵۳) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۳۳۰/۶)

شرح الحدیث قوله: وَعَلَيْهِ مِرْطٌ وَعَلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ مِنْهُ الخ: یعنی آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے برابر میں کوئی سی زوجہ محترمہ موجود تھیں، اور آپ ﷺ پر چادر تھی اس کا کچھ حصہ ان زوجہ کے اوپر تھا۔

اس حدیث سے ایک چادر میں مرد وعورت کا اشتراک بحالت صلوۃ تو ثابت ہو گیا اس کی تصریح نہیں کہ وہ چادر خود آپ کی تھی یا آپ کی زوجہ کی لیکن ترجمہ کے ثبوت کیلئے یہ اشتراک کافی ہے، البتہ اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی جو حدیث آرہی ہے اس کا مضمون بھی یہی ہے اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ وہ چادر عائشہؓ کی تھی۔

۳۷۰ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ، حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ وَأَنَا إِلَى جَنْبِهِ، وَأَنَا حَائِضٌ وَعَلَيَّ مِرْطٌ لِي وَعَلَيْهِ بَعْضُهُ».

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے پہلو میں حالت حیض میں ہوتی اسوقت میرے اُوپر جو چادر ہوتی اس کا کچھ حصہ آپ ﷺ کے اوپر بھی ہوتا۔

تخریج صحيح مسلم - الصلاة (۵۱۴) سنن النسائي - القبلة (۷۶۸) سنن أبي داود - الطهارة (۳۷۰) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۶۵۲) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۳۲/۶) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۱۴۶/۶) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۲۰۴/۶)

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۳ ص ۱۰۹

١٣٥ - بَابُ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ

باب منی کپڑوں پر لگ جانے کے بارے میں

٣٧١ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَاحْتَلَمَ، فَأَبْصَرَتْهُ جَارِيَةٌ لِعَائِشَةَ وَهُوَ يَغْسِلُ أَثَرَ الْجَنَابَةِ مِنْ ثَوْبِهِ، أَوْ يَغْسِلُ ثَوْبَهُ، فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةَ فَقَالَتْ: «لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَأَنَا أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: رَوَاهُ الْأَعْمَشُ كَمَا رَوَاهُ الْحَكَمُ.

ترجمہ: ہمام بن الحارث سے روایت ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس (مہمان) تھے کہ انکو احتلام ہو گیا تو حضرت عائشہؓ کی باندی نے ہمام بن الحارث کو اپنے کپڑوں سے جنابت کے اثر [منی] کو دھوتے ہوئے دیکھ لیا یا (راوی کو شک ہے کہ یہ کہا کہ) باندی نے انہیں اپنے کپڑے دھوتے دیکھ لیا تو اس باندی نے حضرت عائشہؓ کو بتایا حضرت عائشہؓ فرمانے لگیں مجھے اپنے متعلق خوب یاد ہے میں تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھی۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں: اعمش نے حکم کی طرح اس فرک والی روایت کو نقل کیا ہے۔

تخریج: صحيح مسلم - الطهارة (٢٨٨) صحيح مسلم - الطهارة (٢٩٠) جامع الترمذي - الطهارة (١١٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٩٦) سنن النسائي - الطهارة (٢٩٧) سنن النسائي - الطهارة (٢٩٨) سنن النسائي - الطهارة (٢٩٩) سنن النسائي - الطهارة (٣٠٠) سنن النسائي - الطهارة (٣٠١) سنن أبي داود - الطهارة (٣٧١) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٣٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٣٨) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٣٩) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٣٥/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٤٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦٧/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٩٧/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٠١/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٢٥/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٣٢/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٣٥/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٩٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢١٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٣٩/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٥٥/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٦٣/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٢٨٠/٦)

شرح الحدیث: قوله: عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَاحْتَلَمَ الخ: ہمام بن الحارث ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے یہاں مہمان ہوئے ان کو رات میں احتلام ہو گیا، صبح اٹھ کر کپڑے پر سے اثر نجاست کو دھو رہے تھے، حضرت عائشہؓ کی ایک جاریہ نے دھوتے ہوئے دیکھ لیا اس نے جا کر حضرت عائشہؓ سے اس کا ذکر کیا، یہ روایت ترمذی میں بھی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جاریہ عائشہؓ ہی کی تھی اور جب لڑکی نے ان سے مہمان کے دھونے کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: لِمَ أَفْسَدَ عَلَيْنَا ثَوْبَنَا؟ یعنی خواہ مخواہ اس نے ہمارے کپڑے کو دھو کر خراب کیا، کیا ضرورت تھی دھونے کی مطلب یہ تھا کہ خشک ہونے کے بعد ویسے ہی کھرچ دیا جاتا۔

۲۰۲ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّي فِيهِ» . قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَافَقَهُ مُغِيرَةُ، وَأَبُو مَعْشَرٍ وَوَاصِلٌ.

ترجمہ اسود حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ دیا کرتی تھی پھر آپ انہی میں نماز پڑھ لیتے۔ امام ابوداودؒ فرماتے ہیں: مغیرہ، ابو معشر اور واصل نے اس کی موافقت کی ہے۔

تخریج صحيح مسلم – الطهارة (۲۸۸) صحيح مسلم – الطهارة (۲۹۰) جامع الترمذي – الطهارة (۱۱٦) سنن النسائي – الطهارة (۲۹٦) سنن النسائي – الطهارة (۲۹۷) سنن النسائي – الطهارة (۲۹۸) سنن النسائي – الطهارة (۲۹۹) سنن النسائي – الطهارة (۳۰۰) سنن النسائي – الطهارة (۳۰۱) سنن أبي داود – الطهارة (۳۷۲) سنن ابن ماجه – الطهارة وسننها (۵۳۷) سنن ابن ماجه – الطهارة وسننها (۵۳۸) سنن ابن ماجه – الطهارة وسننها (۵۳۹) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۳۵) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/٤۳) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/٦۷) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۹۷) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۱۰۱) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۱۲۵) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۱۳۲) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۱۳۵) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۱۹۳) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۲۱۳) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۲۳۹) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۲۵۵) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۲٦۳) مسند أحمد – باقي مسند الأنصار (٦/۲۸۰).

شرح الحدیث **طرق حدیث کے اختلاف کی تشریح و تحقیق:** قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَافَقَهُ مُغِيرَةُ، وَأَبُو مَعْشَرٍ وَوَاصِلٌ: حدیث الباب کو مصنفؒ نے دو طریق سے ذکر فرمایا ہے پہلی سند میں ابراہیم سے نقل کرنے والے حکم تھے اور دوسری سند میں حماد بن ابی سلیمان، لیکن دونوں سندوں میں فرق یہ ہے کہ حکم کی روایت میں تھا کہ ابراہیم روایت کرتے ہیں ہمام سے اور حماد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم روایت کرتے ہیں اسود سے، اسی کے بارے میں مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ بعض رواۃ حماد کی موافقت ومتابعت کرتے ہیں، اور وہ یہی مذکورہ بالا تین شخص ہیں اور اعمش نے حکم کی موافقت کی ہے تو گویا حماد کی متابعت کرنے والی ایک جماعت ہوئی اور حکم کی متابعت کرنے والے صرف اعمش ہیں، بذل میں لکھا ہے یہ سند دونوں طرح صحیح ہے اور ثابت ہے اس لئے کہ یہ سب ہی رواۃ حفاظ وثقات ہیں جس کو اضطراب پر محمول نہیں کیا جاسکتا ہے چنانچہ طحاویؒ[1] کی روایت میں ہے "عن ابراھیم عن الاسود وھمام" اور یہی بات صاحب منہل نے بھی لکھی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ مصنفؒ کے کلام میں اس بات کا شائبہ ہے کہ وہ حکم کی روایت کے مقابلہ میں حماد کی روایت کو شاید ترجیح دے رہے ہیں، کیونکہ انہوں نے حماد کی متابعت کرنے والے تین بیان کئے اور حکم کی متابعت میں صرف ایک کو ذکر کیا۔

---

[1] شرح معاني الآثار – كتاب الطهارة – باب حكم المني هل هو طاهر أم نجس؟ ۲۸٤ – ۲۸۵. بذل المجهود في حل أبي داود – ج ۳ ص ۱۱۳ – ۱۱٤

اس سلسلہ میں امام ترمذیؒ کی رائے: اور حضرت امام ترمذیؒ نے اس کے برعکس کیا کہ انہوں نے اعمش کی [1] روایت کو ترجیح دی متابعت منصور کی وجہ سے۔

تنبیہ: حدیث الباب ان تمام طرق کے ساتھ جن کا امام ابوداؤدؒ نے حوالہ دیا ہے صحیح مسلم میں موجود ہے لیکن اس میں ضیف محتلم کی تعیین نہیں ہے اسی طرح ترمذی کی روایت میں بھی مبہم ہے، ابوداؤد کی روایت میں تعیین ہے کہ وہ ہمام بن الحارث تھے، لیکن امام مسلمؒ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد ایک اور حدیث ذکر کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ عبد اللہ بن شہاب خولانی کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کا مہمان تھا فَاحْتَلَمْتُ فِي ثَوْبَيَّ امام نوویؒ نے اس سے تعرض نہیں کیا، ہمارے حضرتؒ نے بذل میں لکھا ہے کہ یہ دو قصے الگ الگ ہیں ایک ہمام ابن الحارث کا اور ایک عبد اللہ بن شہاب خولانی کا اس کو تعارض نہ سمجھا جائے۔

۳۷۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ حِسَابٍ الْبَصْرِيُّ، حَدَّثَنَا سُلَيْمٌ يَعْنِي ابْنَ أَخْضَرَ الْمَعْنَى، وَالْإِخْبَارُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمٍ قَالَا: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ: «إِنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» قَالَتْ: «ثُمَّ أَرَى فِيهِ بُقْعَةً أَوْ بُقَعًا».

ترجمہ: میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ میں نے سلیمان بن یسار سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں سے منی کو دھویا کرتی تھیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پھر اس کپڑے میں دھونے کی وجہ سے ایک یا کئی نشان دیکھتی تھی۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (۲۲۷) صحيح البخاري - الوضوء (۲۲۸) صحيح البخاري - الوضوء (۲۲۹) صحيح البخاري - الوضوء (۲۳۰) صحيح مسلم - الطهارة (۲۸۹) جامع الترمذي - الطهارة (۱۱۷) سنن النسائي - الطهارة (۲۹۵) سنن أبي داود - الطهارة (۳۷۳) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۳٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٤٧) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار

---

[1] دراصل صورتحال یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی اولا تخریج بطریق اعمش کی اور پھر آگے چل کر فرمایا وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ الحَارِثِ، عَنْ عَائِشَةَ، مِثْلَ رِوَايَةِ الأَعْمَشِ اور ان دونوں کے مقابلہ میں انہوں نے صرف ابو معشر کی روایت کا حوالہ دیا اور فرمایا وَرَوَى أَبُو مَعْشَرٍ هَذَا الحَدِيثَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ الأَسْوَدِ، اور ابو معشر کا کوئی بھی متابع ذکر نہیں کیا، لہذا امام ترمذیؒ کے علم کے اعتبار سے ابو معشر اپنی روایت میں متفرد ہوئے اسی لئے انہوں نے ابو معشر کی روایت کو مرجوح اور اس کے مقابل اعمش کی روایت کو راجح قرار دیا، چنانچہ فرماتے ہیں وَحَدِيثُ الأَعْمَشِ أَصَحُّ، لہذا امام ترمذیؒ کی یہ ترجیح مذکورہ بالا صورتحال کے اعتبار سے ہمارے خیال میں درست ہے لیکن شراح ترمذی اس پر نقد کر رہے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے حدیث الاعمش کو کیسے اصح قرار دیا، لیکن ہماری مذکورہ بالا تقریر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام ترمذیؒ پر نقد صحیح نہیں *، گو فی نفسہ یہ بات اپنی جگہ محقق ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے متابع صحیح مسلم، ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ دونوں ہی طریق کو صحیح قرار دیا جائے، کما تقدم عن البذل۔

* میں اپنی اس رائے سے رجوع کرتا ہوں بلکہ نقد صحیح ہے امام ترمذیؒ کی طرف سے یہ عذر پیش کرنا کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے فرما رہے ہیں مانع عن النقد نہیں ہے اس لئے کہ ہر عالم جو کچھ کہتا ہے اپنے علم ہی کے اعتبار سے کہا کرتا ہے ورنہ تو پھر تنقید کا باب ہی مغلق ہو جائیگا فقط ۱۴۱۸ھ

(١٤٢/٦) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (١٦٢/٦)

شرح حدیث سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ: إِنَّمَا كَانَتْ تَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھوتی تھی، اور اس کپڑے میں ایک یا چند دھونے کے نشان دیکھتی تھی، ظاہر ہے کہ جب کپڑے کے کسی حصہ کو پانی سے دھویا جائے گا تو جس جگہ سے اس کو دھویا ہے وہ جگہ محسوس ہوتی رہے گی جب تک کہ خشک نہ ہو جائے اب اگر کپڑے کو ایک جگہ سے دھویا ہے تو صرف ایک نشان نظر آئے گا اور اگر کئی جگہ سے دھویا ہے تو کئی نشان محسوس ہوں گے، اسی کو وہ فرما رہی ہیں: ثُمَّ أَرَى فِيهِ بُقْعَةً أَوْ بُقَعًا۔

منی کی طہارت ونجاست میں فریقین کی دلیل: جاننا چاہئے کہ اس حدیث اور ترجمۃ الباب میں ایک مسئلہ اختلافی کی بحث ہے یعنی منی کی طہارت و نجاست اصل مسئلہ پہلے گزر چکا لیکن دلائل پر کلام ابھی تک نہیں ہوا، جو حضرات نجاست منی کے قائل ہیں وہ غسل کی روایات سے استدلال کرتے ہیں اور جو طہارت کے قائل ہیں وہ روایات فرک سے استدلال کرتے ہیں، اس لئے کہ ثوب منی کے بارے میں غسل اور فرک دونوں طرح کی روایات بکثرت وارد ہیں اسی لئے حضرات محدثین باب غسل المنی اور باب فرک المنی الگ الگ ابواب قائم کرتے ہیں جیسا کہ نسائی وغیرہ میں یہ باب ہیں، قائلین طہارت ان دونوں قسم کی روایتوں میں تطبیق اس طرح دیتے ہیں کہ غسل کی روایات استحباب اور تنظیف پر محمول ہیں اور فرک کی بیان جواز پر، اور قائلین نجاست غسل کی روایات کو منی رطب اور فرک کی روایات کو یابس پر محمول کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کے نزدیک طہارت ثوب کیلئے ازالہ منی ضروری ہے اگر تر ہو تو بذریعہ غسل اور خشک ہو تو بطریق فرک، اس لئے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدت العمر میں ایک مرتبہ بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثوب منی میں بغیر اس کے غسل یا فرک کے نماز پڑھی ہو، اگر منی طاہر ہوتی کم از کم ایک مرتبہ تو بیان جواز کیلئے آپ ایسا فرماتے، باقی شافعیہ کا روایات فرک سے استدلال صحیح نہیں اسلئے کہ فرک بھی تطہیر کا ایک طریقہ ہے جیسا کہ روایت میں آتا ہے: إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى، فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُورٌ [1]، جس طرح اس حدیث میں وطی اذیٰ کے بعد حصول طہارت بالتراب سے طہارت اذیٰ پر استدلال صحیح نہیں اسی طرح روایات فرک سے طہارت منی پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ دونوں جگہ غسل نہیں ہے ایک جگہ فرک ہے اور دوسری جگہ زمین کی رگڑ ہے۔

ابو الفضل ابن حجرؒ اور ابو جعفر طحاوی: امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں غسل و فرک کی روایات میں ایک دوسری طرح تطبیق دی ہے، وہ یہ کہ غسل کی روایات ثیاب صلوۃ پر محمول ہیں اور فرک کی ثیاب نوم پر، اس حافظ ابن حجرؒ نے امام طحاویؒ پر زور دار نقد کیا ہے کہ ثوب صلوۃ میں بھی فرک روایات صحیحہ سے ثابت ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ماشاء

[1] سنن أبي داود - كتاب الطهارة - باب في الأذى يصيب النعل ٣٨٥ (اس حدیث کی تشریح باب الرجل یطأ الاذی بر جلہ میں آرہی ہے۔)

اللہ! حافظ ابن حجرؒ بڑے مصروف و مشغول آدمی تھے ان کو امام طحاویؒ کا طویل و عریض پورا کلام پڑھنے کی نوبت غالباً نہیں آتی تھی، امام طحاویؒ کی عادت ہے کہ وہ اپنے مقصد و مدعیٰ کو بتدریج ثابت کرتے ہیں، بسا اوقات کلام کرتے کرتے بہت دور نکل جاتے ہیں اور آخر باب میں چل کر ان کی رائے کا استقرار معلوم ہوتا ہے، اسی لئے انکے ابتداء کلام سے بعض مرتبہ دیکھنے والے کو دھوکہ لگ جاتا ہے چنانچہ باب مباشرۃ الحائض میں بھی حافظ صاحبؒ کو یہی دھوکہ ہوا انہوں نے اس باب میں امام طحاویؒ کا اول کلام دیکھ کر سمجھ لیا کہ اس مسئلہ میں امام طحاویؒ امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دے رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں امام طحاویؒ کے آخر کلام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام صاحبؒ ہی کے قول کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ہمارے یہاں باب مباشرۃ الحائض میں اس کی تفصیل گزر چکی، اسی طرح مسئلۃ الباب میں امام طحاویؒ نے اولاً ثیاب صلوۃ وثیاب نوم کے درمیان فرق ذکر کیا ہے، پھر آگے چل کر انہوں نے خود ہی بات کھول دی کہ بعض روایات سے ثیاب صلوۃ میں بھی فرک ثابت ہے[1]۔

امام طحاویؒ کی رائے کا ماحصل: امام طحاویؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ فرما رہے ہیں قائلین طہارت منی کا روایات فرک سے استدلال صحیح نہیں اولاً تو اس لئے کہ روایات صحیحہ شہیرہ میں فرک کا ثبوت ثیاب صلوۃ میں نہیں ہے، ثیاب نوم میں ہے اور حالت نوم میں ناپاک کپڑا پہننا جائز ہے، پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اچھا اگر مان لیا جائے کہ فرک کا ثبوت ثیاب صلوۃ میں بھی ہے اور فی الواقع بعض روایات میں ہے بھی، تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ فرک منی سے طہارت منی پر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ فرک بھی ازالہ نجاست کا ایک طریقہ ہے جیسا کہ إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى سے طہارت اذیٰ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح فرک منی سے طہارت منی پر استدلال صحیح نہیں، سو حافظ ابن حجرؒ نے امام طحاویؒ کا صرف اول کلام دیکھا اور آخر کلام نہیں دیکھا فقال ماقال، حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے أمانی الاحبار میں حافظؒ کے کلام نقد پر اظہار تعجب فرمایا ہے کہ حافظ صاحبؒ نے امام طحاویؒ کے کلام کا وہ جزء تو لے لیا جو ان کے نزدیک قابل نقد تھا اور جو جزء رافع نقد تھا اس کو چھوڑ دیا، دراصل بات وہی صحیح نظر آتی ہے جو ہم نے اوپر کہی کہ امام طحاویؒ کی تو عادت ہے کلام پھیلانے کی اور بتدریج منزل مقصود تک پہنچنے کی اور حافظ صاحبؒ ان کا صرف اول کلام دیکھتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ثیاب صلوۃ وثیاب منام کا جو فرق امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے اس کو بعض علماء مالکیہ مثلاً ابن بطال مالکی اور قاضی ابو بکر بن العربیؒ نے بھی اختیار کیا ہے جیسا کہ الفیض السمائی میں ہم نے نقل کیا لہذا امام طحاویؒ اس رائے میں متفرد نہ ہوئے۔

---

[1] اس کی تیسری مثال باب الجمع بین الصلوتین میں ہے۔ از مترجم

١٣٦ ـ بَابُ بَوْلِ الصَّبِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ

باب بچے کا پیشاب کپڑے پر لگ جائے اس کے حکم کے بیان میں

جس مسئلہ کو مصنف اس ترجمہ سے ثابت کرنا چاہتے ہیں یعنی صبی رضیع اور جاریہ رضیعہ کے بول کے طریق تطہیر میں فرق، وہ مختلف فیہ ہے۔

مذاہب ائمہ: چنانچہ شافعیہ وحنابلہ ظاہر احادیث کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ بول صبی میں نضح یعنی رش الماء کافی ہے اور حنفیہ ومالکیہ کے قول مشہور میں دونوں میں کوئی فرق نہیں غسل ضروری ہے تیسرا مذہب یہاں امام اوزاعی کا ہے وہ فرماتے ہیں دونوں میں نضح کافی ہے، ولکن لا دلیل علیہ" وهذا الاختلاف مالم يطعم فإذا طعم فالغسل متعين عند الكل"، اسی طرح خود بول صبی وصبیہ دونوں ائمہ اربعہ کے نزدیک نجس ہیں، داؤد ظاہری اور ابوثور وغیرہ بعض علماء بول صبی کی طہارت کے قائل ہیں، اور بعض شراح نے اس میں امام شافعی وامام مالک کا جو اختلاف نقل کر دیا کہ انکے نزدیک بول صبی طاہر ہے یہ نقل غلط ہے امام نوویؒ اور علامہ زرقانیؒ نے اسکی تصریح کی ہے۔

حنفیہ ومالکیہ جو عدم الفرق کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان احادیث میں لفظ نضح سے مراد غسل اور صب الماء ہے نضح کے معنی صب الماء کے بھی آتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں ہے جس کو امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں ذکر کیا ہے: إِنِّي لَأَعْرِفُ مَدِينَةً يَنْضَحُ الْبَحْرُ بِجَانِبِهَا[1]، اس حدیث میں نضح سے ظاہر ہے کہ بہنا مراد ہے، آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں ایک ایسا شہر جانتا ہوں جس کی ایک جانب میں دریا بہتا ہے، کہا گیا ہے کہ یہ اشارہ قسطنطنیہ کی طرف، اسی طرح مذی کے بارے میں بھی لفظ نضح وارد ہوا ہے حالانکہ عند الجمہور اس کا غسل ضروری ہے ایسے ہی دم استحاضہ کے بارے میں لفظ نضح مذکور ہے جو ابھی قریب میں دو تین باب پہلے (برقم ٣٦٠) گزرا ولْتَنْضَحْ مَا لَمْ تَرَ حالانکہ دم حیض کا غسل بالاتفاق ضروری ہے، نیز صحیح مسلم میں بول غلام کی تطہیر کے سلسلہ میں چار طرح کے الفاظ وارد ہوئے ہیں بالنضح، الرش، الصب، اور اتباع الماء، مجموع روایات پر عمل جب ہی ہو سکے گا جب غسل پایا جائے۔

بول صبی وصبیہ میں وجہ فرق: اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب دونوں ہی میں غسل ضروری ہے اور نضح سے بھی غسل ہی مراد ہے تو پھر احادیث میں ہر ایک کو الگ الگ فرق کے ساتھ کیوں بیان کیا گیا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ شراح احناف نے اس کی دو مصلحتیں لکھی ہیں، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں عورتوں کے مزاج میں رطوبت وبرودت غالب ہوتی ہے جس کی وجہ سے بول صبیہ غلیظ اور منتن زیادہ ہوتا ہے لہذا اس کے ازالہ کیلئے مبالغہ فی الغسل کی حاجت ہے،

---

[1] شرح معانی الآثار - کتاب الطهارة - باب حکم المني هل هو طاهر أم نجس؟ ٣٠٠ (ج ١ ص ٥٣)

بخلاف صبی کے کہ اسکے مزاج کی حرارت کی وجہ سے اس کا بول رقیق زائد ہوتا ہے اور اس میں نہ ہی اتنی بو ہوتی ہے لہذا اسکے ازالہ کیلئے غسل خفیف کافی ہے [1]، اور امام طحاویؒ نے وجہ فرق یہ لکھی ہے کہ عورت کا مخرج بول چونکہ کشادہ ہوتا ہے اس لئے اس کا پیشاب جس کپڑے پر بھی گرے گا تو منتشر ہو کر گرے گا، لہذا ضرورت ہے اس بات کی کہ اچھی طرح تتبع کر کے اہتمام سے پاک کیا جائے اس لئے بول جاریہ میں لفظ غسل استعمال کیا گیا اور بول غلام میں لفظ نضح [2]، تیسری وجہ وہ ہے جو ابن ماجہ کی روایت میں ہے، امام شافعیؒ سے ان کے شاگرد رشید ابو الیمان المصری نے اس فرق کی حکمت دریافت کی تو انہوں نے ارشاد فرمایا وجہ اس کی یہ ہے کہ بول جاریہ پیدا ہوا ہے لحم ودم سے اور بول غلام ماء وطین سے لہذا دونوں کے پیشاب کی صفت اور خاصیت میں فرق کی وجہ سے حکم میں بھی فرق ہوا، اس کے بعد امام صاحبؒ نے شاگرد سے پوچھا فہمت؟ شاگرد نے عرض کیا: مافہمت امام صاحب نے فرمایا بات یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور حواء کی تخلیق آدم علیہ السلام کی پسلی سے ہوئی ہے، لہذا بول غلام کی تخلیق ماء وطین سے اور بول انثی کی لحم ودم سے ہوئی۔

٣٧٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ أَنَّهَا، «أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ».

ترجمہ حضرت ام قیس بنت محصن سے روایت ہے کہ وہ اپنے (دودھ پیتے) چھوٹے بچے کو جس نے غذا شروع نہیں کی تھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے بچے کو اپنی گود میں بٹھالیا تو اس نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس پر (کپڑے پر) چھینٹے مارے اور اس کو دھویا نہیں۔

صحیح صحيح البخاري - الوضوء (٢٢١) صحيح البخاري - الطب (٥٣٦٨) صحيح مسلم - السلام (٢٨٧) جامع الترمذي - الطهارة (٧١) سنن النسائي - الطهارة (٣٠٢) سنن أبي داود - الطهارة (٣٧٤) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٢٤) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٥٥) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/٣٥٦) موطأ مالك - الطهارة (١٤٣) سنن الدارمي - الطهارة (٧٤١)

شرح الحديث عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ أَنَّهَا. أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ الخ: اس میں یہ ہے کہ ام قیس بنت محصن کے ولد صغیر نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا اور اس سے اگلی روایت میں آرہا ہے کہ حسین بن علیؓ نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کیا اور اس سے اگلی روایت میں شک راوی کے ساتھ آرہا ہے کہ حسنؓ یا حسینؓ ان دونوں میں سے کسی ایک نے آپ ﷺ کے سینہ پر پیشاب کیا، شراح حدیث نے لکھا ہے پانچ بچوں کا آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کرنا ثابت ہے: حسنؓ، حسینؓ، عبد اللہ بن الزبیرؓ، ابن ام قیسؓ، سلیمان بن ہشامؒ اور کہا گیا ہے کہ صحیح سلیمان بن ہاشم ہے:

---

[1] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ج ٢ ص ١٨٦

[2] شرح معاني الآثار - كتاب الطهارة - باب حكم بول الغلام والجارية قبل أن يأكلا الطعام ٥٩٥ (ج ١ ص ٩٢)

حسن حسین ابن الزبیر بالوا ... قد بال فی حجر النبی اطفال ... ع

وابن ام قیس جاء فی الختام ... وکذا سلیمان بنی ہشام

قولہ: فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ: اس حدیث میں غسل کی نفی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ احادیث الباب میں نضح سے رش ہی مراد ہے صب الماء یا غسل مراد نہیں، لہٰذا حنفیہ کی تاویل درست نہیں، جواب یہ ہے کہ اس لفظ وَلَمْ يَغْسِلْهُ کے ثبوت میں کلام ہے، کہا گیا ہے کہ زہری کی طرف سے مدرج ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ مسلم کی ایک روایت میں ہے وَلَمْ يَغْسِلْهُ غَسْلًا اور مفعول مطلق تاکید کیلئے بھی آتا ہے لہٰذا روایت میں نفس غسل کی نفی نہ ہوئی بلکہ غسل مؤکد اور مبالغ فیہ کی نفی ہے۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں نظر عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دونوں میں فرق نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اکل طعام کے بعد غلام وجاریہ دونوں کا پیشاب یکساں ہے سو قیاس کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے بھی یکساں ہونا چاہیے۔

٣٧٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ، وَالرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ أَبُو تَوْبَةَ الْمَعْنَى قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ قَابُوسَ، عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ: كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي حِجْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَالَ عَلَيْهِ فَقُلْتُ: الْبَسْ ثَوْبًا وَأَعْطِنِي إِزَارَكَ حَتَّى أَغْسِلَهُ. قَالَ: «إِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْأُنْثَى وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ».

ترجمہ: لبابہ بنت الحارث فرماتی ہیں کہ حسین بن علیؓ نبی کریم ﷺ کی گود میں تھے کہ انہوں نے آپ ﷺ کے اوپر پیشاب کر دیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ دوسرا کپڑا بدل لیں اور مجھے اپنا تہبند دے دیں تاکہ میں اسے دھودوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لڑکی کے پیشاب کو (مبالغہ سے) دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب کو (بغیر مبالغہ کیے) معمولی دھویا جاتا ہے۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٣٧٥) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٢٢)

٣٧٦ - حَدَّثَنَا مُجَاهِدُ بْنُ مُوسَى، وَعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ الْمَعْنَى قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ الْوَلِيدِ، حَدَّثَنِي مُحِلُّ بْنُ خَلِيفَةَ، حَدَّثَنِي أَبُو السَّمْحِ قَالَ: كُنْتُ أَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَسِلَ قَالَ: «وَلِّنِي قَفَاكَ». فَأُوَلِّيهِ قَفَايَ فَأَسْتُرُهُ بِهِ، فَأُتِيَ بِحَسَنٍ، أَوْ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَبَالَ عَلَى صَدْرِهِ فَجِئْتُ أَغْسِلُهُ فَقَالَ: «يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ، وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ» قَالَ عَبَّاسٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْوَلِيدِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ أَبُو الزَّعْرَاءِ قَالَ هَارُونُ بْنُ تَمِيمٍ: عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: «الْأَبْوَالُ كُلُّهَا سَوَاءٌ».

ترجمہ: ابو السمح فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا چنانچہ آپ ﷺ جب غسل کرنا چاہتے تو مجھ سے فرماتے کہ پیٹھ موڑ کر کھڑے ہو جاؤ تو میں پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو جاتا، تاکہ آڑ ہو جائے۔ ایک روز حضرت حسنؓ یا حضرت حسینؓ کو کوئی شخص لے کر آیا تو انہوں نے آپ ﷺ کے سینہ مبارک پر پیشاب کر دیا تو میں دھونے کیلئے (

قریب) آیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا لڑکی کا پیشاب دھونا چاہیے اور لڑکے کے پیشاب پر (بغیر مبالغہ کے) پانی بہا دینا کافی ہے۔ عباسؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے یحیی بن ولید نے یہ حدیث بیان کی امام ابو داؤدؒ نے فرمایا کہ یحیی بن ولید کی کنیت ابو الزعراء ہے اور ہارون بن تمیم نے حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ پیشاب (کسی کا بھی ہو) حکم میں برابر ہے۔

تخریج: سنن النسائي - الطهارة (٣٠٤) سنن أبي داود - الطهارة (٣٧٦) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٢٦)

٣٧٧ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي حَرْبِ بْنِ أَبِي الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: «يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ، وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ مَا لَمْ يَطْعَمْ».

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں لڑکی کا پیشاب (مبالغہ سے) دھویا جائے گا اور لڑکے کا پیشاب معمولی دھویا جائے گا جب کہ دونوں نے غذاء یعنی شروع نہ کی ہو۔

٣٧٨ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي حَرْبِ بْنِ أَبِي الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَذَكَرَ مَعْنَاهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ «مَا لَمْ يَطْعَمْ» زَادَ. قَالَ قَتَادَةُ: «هَذَا مَا لَمْ يَطْعَمَا الطَّعَامَ، فَإِذَا طَعِمَا غُسِلَا جَمِيعًا».

ترجمہ: حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر اسی گزشتہ روایت کی طرح حدیث ذکر کی اور یہ اس میں نہ تھا کہ جب تک دونوں نے غذاء یعنی شروع نہ کی ہو (ماں کے دودھ کے علاوہ)۔ ہشام نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ زیادتی تو قتادہ نے کی ہے کہ جب تک دونوں غذاء نہ لیتے ہوں (جب تک دھونے میں فرق ہے) پھر جب دونوں غذاء لینا شروع کر دیں تو دونوں کا پیشاب دھویا جائے گا (یعنی مبالغہ کے ساتھ)۔

تخریج: جامع الترمذي - الجمعة (٦١٠) سنن أبي داود - الطهارة (٣٧٧) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٢٥) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٧٦/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (٩٧/١) مسند أحمد - مسند العشرة المبشرين بالجنة (١٣٧/١)

٣٧٩ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ أَبِي الْحَجَّاجِ أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أُمِّهِ، أَنَّهَا أَبْصَرَتْ أُمَّ سَلَمَةَ «تَصُبُّ الْمَاءَ عَلَى بَوْلِ الْغُلَامِ مَا لَمْ يَطْعَمْ، فَإِذَا طَعِمَ غَسَلَتْهُ، وَكَانَتْ تَغْسِلُ بَوْلَ الْجَارِيَةِ».

ترجمہ: حضرت حسن اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ام سلمہؓ کو لڑکے کے پیشاب پر پانی بہاتے دیکھا جب تک لڑکے نے غذا لینی شروع نہ کی ہوتی پھر جب وہ لڑکا غذا لینا شروع کر دیتا (ماں کے دودھ کے علاوہ) تو اس کو دھونے لگتیں اور لڑکی کے پیشاب کو تو دھوتی ہی تھیں۔

۱۳۷۔ بَابُ الْأَرْضِ يُصِيبُهَا الْبَوْلُ

باب: وہ زمین جس پر پیشاب لگ جائے اسکے (صاف کرنے کے) حکم کے بارے میں

اس باب سے مصنفؒ ناپاک زمین کو پاک کرنے کا طریقہ بیان فرمارہے ہیں۔

تطہیرارض کے طرق کی تفصیل مع اختلاف علماء: حنفیہ کے یہاں زمین پاک کرنے کے تین طریقے ہیں: ① اول جفاف، یعنی ناپاک زمین خشک ہوجانے سے خود بخود پاک ہوجاتی ہے، لیکن جفاف سے طہارت کاملہ حاصل نہیں ہوتی یعنی طاہر تو ہوجاتی ہے مطہر نہیں ہوتی اسی لئے ایسی زمین پر نماز تو پڑھ سکتے ہیں، اس سے تیمم نہیں کر سکتے، ② طریق ثانی صب الماء کہ زمین پر پانی بہانے سے وہ پاک ہوجاتی ہے لیکن ہر قسم کی زمین صب الماء سے پاک نہیں ہوتی اس میں تفصیل ہے جو آگے آئے گی، ③ طریق ثالث زمین پاک کرنے کا حفر ہے کہ زمین کھودنے اور ناپاک مٹی منتقل کردینے سے پاک ہوجاتی ہے۔ زمین کے صب الماء سے پاک ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ زمین دو حال سے خالی نہیں رخوہ اور صلبہ، اگر رخوہ ہے تو پانی بہانے سے پاک ہوجاتی ہے بوجہ تسفل ماء کے کہ زمین کے رخوہ اور نرم ہونے کی وجہ سے پانی کے ساتھ نجاست اندر اتر جائے گی جس سے اس کی بالائی سطح پاک ہوجائے گی، تسفل ماء یہاں پر بمنزلہ عصر ہے کہ جس طرح ناپاک کپڑے کو پاک کرتے وقت نچوڑنا ضروری ہے اسی طرح یہاں پر تسفل ہے جو خود بخود ہوجاتا ہے، اور اگر وہ ناپاک زمین رخوہ نہ ہو بلکہ صلبہ اور بنجر ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں: منحدرہ یعنی ڈھلواں اور مستویہ یعنی ہموار قسم اول صب الماء سے پاک ہوجاتی ہے اور قسم ثانی کی تطہیر کیلئے حفر اور نقل تراب ضروری ہے ایسی زمین صب الماء سے پاک نہ ہوگی کیونکہ ایسی زمین پر سے پانی کا بہنا مشکل ہے وہ ناپاک وہیں ٹھہر رہے گا یا کم از کم پورا زائل نہ ہوگا، یہ تفصیل اسی طرح علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں لکھی ہے، اور صاحب بحر الرائق نے زمین کی ایک اور قسم بھی لکھی ہے یعنی مجصصہ پختہ فرش جو چونے وغیرہ سے بنا ہو، اس کی تطہیر کا طریقہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ اس پر پانی ڈال کر ملیں اور کپڑے سے اس کو خشک کرتے رہیں یہاں تک کہ نجاست کا اثر زائل ہوجائے اور جمہور علماء کے نزدیک ہر قسم کی زمین بلا کسی تفصیل کے صب الماء سے پاک ہوجاتی ہے ان کے یہاں کسی زمین میں بھی حفر کی حاجت نہیں جبکہ حنفیہ کے یہاں بعض کا حفر ضروری ہے، اسی طرح جمہور جفاف سے بھی طہارت حاصل ہونے کے قائل نہیں اور حدیث الباب جس میں صب الماء مذکور ہے اس سے استدلال کرتے ہیں، بلکہ امام نوویؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہؒ پر حجت اور ان کے خلاف ہے اس لئے کہ ان کے یہاں حفر ضروری ہے لیکن یہ امام صاحبؒ سے ایک روایت ہے حکاہ العینی فی شرح البخاری قول مختار نہیں، اصح یہ ہے کہ اس میں ہمارے یہاں وہ تفصیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی، چنانچہ عینیؒ نے شروع میں اسی تفصیل کو قال اصحابنا کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

سنن کی روایات سے حفر کا ثبوت: اسکے بعد جاننا چاہئے کہ بول اعرابی والے قصہ میں صحیحین کی حدیث میں زمین کو پاک کرنے کیلئے صرف صب الماء کا ذکر ہے صحیحین کے علاوہ سنن ابو داؤد کی روایت میں جو اسی باب کی دوسری حدیث ہے، حفر کا بھی ذکر موجود ہے، اسی طرح طحاوی اور دار قطنی کی بھی بعض روایات میں حفر مذکور ہے، ان روایات میں بعض مرسل ہیں اور بعض مسند ان روایات کے بعض رواۃ پر بھی کلام ہے، حنفیہ پر شافعیہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ صحیحین کی حدیث قوی کو چھوڑ کر ضعیف حدیث پر عمل کرتے ہیں، ہماری طرف سے علامہ عینیؒ وغیرہ نے جواب دیا کہ ہم نے صحیحین کی روایات کو ترک کہاں کیا، زمین کی بعض قسموں میں صحیحین کی روایات پر عمل کرتے ہیں اور بعض میں سنن کی روایات پر، آپ نے صرف صب الماء کی روایت کو لیا اور حفر کی روایت کو ترک کر دیا، گویا آپ اعمال البعض و اہمال البعض کے مرتکب ہوئے۔

لیکن یہاں ایک خلجان رہ جاتا ہے کہ سنن کی ان روایات میں جن کو احناف اختیار کرتے ہیں صب الماء اور حفر الارض دونوں چیزیں جمع ہیں تو پھر ہمارے نزدیک دونوں کا جمع کرنا ضروری ہونا چاہئے لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس اعرابی نے چونکہ بول قائما کیا تھا تو اصل پیشاب کی جگہ کا تو حفر کیا گیا لیکن رشاش البول جو ظاہر ہے دور تک پہنچی ہونگی، اب سب جگہ کا حفر کرنا ظاہر ہے کہ دشوار تھا اس لیے ان مواضع کے اعتبار سے صب الماء کو بھی اختیار کیا گیا، افادھذا التوجیہ مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تعالی فی أماني الأحبار۔

٣٨٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ، وَابْنُ عَبْدَةَ فِي آخَرِينَ - وَهَذَا لَفْظُ ابْنِ عَبْدَةَ - أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فَصَلَّى قَالَ ابْنُ عَبْدَةَ: رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا، وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا». ثُمَّ لَمْ يَلْبَثْ أَنْ بَالَ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَأَسْرَعَ النَّاسُ إِلَيْهِ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: «إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ، صُبُّوا عَلَيْهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ» أَوْ قَالَ: «ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ».

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی مسجد میں آیا اور رسول اللہ ﷺ وہاں بیٹھے تھے اس نے نماز پڑھی۔ ابن عبدہ فرماتے ہیں کہ دو رکعتیں (پڑھیں) پھر دعا کرنے لگا کہ اے اللہ! مجھ پر رحم فرما اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ فرما۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اللہ کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا پھر ذرا ہی دیر گزری تھی کہ وہ اٹھا اور مسجد کے کونے میں پیشاب کر دیا صحابہ کرامؓ اسکی طرف اس کو روکنے کے ارادہ سے بڑھنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں روکنے سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ آسانی کیلئے بھیجے گئے ہو تنگی کرنے کیلئے نہیں بھیجے گئے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو یا فرمایا پانی کا بڑا ڈول بہا دو (راوی نے لفظ سجل کہا تھا یا لفظ ذنوب)۔

٣٨١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا جَرِيرٌ يَعْنِي ابْنَ حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الْمَلِكِ يَعْنِي ابْنَ عُمَيْرٍ، يُحَدِّثُ، عَنْ عَبْدِ

اللهِ بْنِ مَعْقِلِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ: صَلَّى أَعْرَابِيٌّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ فِيهِ: وَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «خُذُوا مَا بَالَ عَلَيْهِ مِنَ التُّرَابِ فَأَلْقُوهُ، وَأَهْرِيقُوا عَلَى مَكَانِهِ مَاءً» قَالَ أَبُو دَاوُدَ: وَهُوَ مُرْسَلٌ ابْنُ مَعْقِلٍ لَمْ يُدْرِكِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: عبداللہ بن معقل بن مقرن سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور اسی طرح کا واقعہ ہوا اس حدیث میں انہوں نے کہا کہ فرمایا یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس مٹی پر پیشاب کیا ہے اسکو اٹھا کر پھینک دو اور اس جگہ پر پانی بہادو، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں اور یہ روایت ابن معقل کی مرسلات میں سے ہے کیونکہ ابن معقل کی نبی کریم ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (٢١٧) صحيح البخاري - الأدب (٥٦٦٤) صحيح البخاري - الأدب (٥٧٧٧) جامع الترمذي - الطهارة (١٤٧) سنن النسائي - الطهارة (٥٦) سنن النسائي - السهو (١٢١٦) سنن النسائي - السهو (١٢١٧) سنن أبي داود - الطهارة (٣٨٠) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (٥٢٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٣٩) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٢٨٢) مسند أحمد - باقي مسند المكثرين (٢/٥٠٣)

شرح الاحادیث: قوله: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ: اعرابی کا اطلاق ساکن البادیہ یعنی بادیہ نشین، آبادی سے دور رہنے والے پر ہوتا ہے جو شہر میں کسی ضرورت ہی سے آتے ہیں اور اس کا ترجمہ دیہاتی سے بھی کرتے ہیں۔

اعرابی کی تعیین میں اقوال: اس اعرابی کی تعیین اور تسمیہ میں روایات مختلف ہیں، الاقرع بن حابس عیینۃ بن حصن، ذوالخویصرۃ الیمانی یا التمیمی یہ تین قول ہوئے جو عام طور سے شراح حدیث لکھتے ہیں، لیکن علامہ [1] دمنتی حاشیہ ترمذی نفع قوت المغتذي میں لکھتے ہیں کہ ذوالخویصرہ کے ساتھ اس کی تعیین مشکل ہے اس لئے کہ وہ شخص رأس الخوارج ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی جماعت کا سردار سربراہ ایسا اجڈ جاہل نہیں ہو سکتا۔

قوله: لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا: بندۂ خدا تو نے اللہ کی رحمت وسیعہ کو تنگ کر کے رکھ دیا اس کی رحمت تو بڑی وسیع ہے، اس نے یہ دعاء کہ میرے اور محمد کے علاوہ کسی اور پر رحم نہ کرنا بظاہر اس لئے کی تھی اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو عام کریں گے تو ہر ایک کے حصہ میں تھوڑی تھوڑی آئے گی اس لئے کہا کہ اپنی ساری رحمت صرف ہم دو پر تقسیم کر دے۔

قوله: إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ الخ: صحابہ کرامؓ نے جب اس کے پیشاب کرنے پر اس کے ساتھ سختی کا ارادہ کیا تو اس پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ یسر کا معاملہ کرو نہ کرو عسر کا یہاں یہ سوال ہوتا ہے صحابہ کہاں مبعوث ہیں مبعوث تو آپ ﷺ تھے جواب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ گو مبعوث نہیں لیکن نائب مبعوث اور حق نیابت ادا کرنے والے تو ہیں پس اسی حیثیت سے ان کو مبعوث کہا گیا یا یہ تاویل کی جائے کہ یہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے اس اعرابی کے ساتھ سختی کا ارادہ کیا تھا کوئی

---

[1] مترجم کے نزدیک یہ بات محل نظر ہے۔

سریہ اور دستہ ہوگا جس کو آپ نے کسی علاقہ میں بھیجا ہوگا اور اہل سریہ اسی وقت لوٹ کر آئے ہوں گے اور آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی سریہ کو روانہ فرماتے تو اس کو ہدایت فرماتے یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا [1]، تو یہاں پر ان کو مبعوث اسی معنی کے اعتبار سے کہاجاتا ہے یعنی بعث سے مراد بعثت الی الدنیا نہیں بلکہ الی ناحیة وجانب ہے جو سرایا کیلئے ہوا کرتی ہے۔

۱۳۸۔ بَابٌ فِي طُهُورِ الْأَرْضِ إِذَا يَبِسَتْ

باب ہے اس بیان میں کہ جب ناپاک زمین خشک ہوجائے تو اس کو کس طرح پاک کیا جائے

یہ باب سراسر مذہب حنفیہ کی تائید اور جمہور کے خلاف ہے۔

۳۸۲ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: «كُنْتُ أَبِيتُ فِي الْمَسْجِدِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكُنْتُ فَتًى شَابًّا عَزَبًا، وَكَانَتِ الْكِلَابُ تَبُولُ وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ، فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ».

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں شادی سے پہلے نوجوانی میں رات مسجد میں گزارتا تھا اور کتے بھی مسجد میں آتے جاتے رہتے اور پیشاب کر دیتے تھے تو صحابہ کرامؓ مسجد کو پانی سے نہ دھوتے تھے۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (١٧٢) سنن أبي داود - الطهارة (٣٨٢) مسند أحمد - مسند المكثرين من الصحابة (٧١/٢)

شرح حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں نوجوانی میں شادی سے پہلے جبکہ مجرد تھا مسجد میں رات گزارتا [2] تھا، اور چونکہ اس وقت رات میں مسجد کو بند کرنے کا کوئی دستور نہ تھا اس لئے احیاناً کتے مسجد میں آجاتے اور اس میں پیشاب بھی کر جاتے تھے اور اسکے بعد دن میں مسجد کو پانی سے دھویا نہیں جاتا تھا، ابن عمرؓ کی یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے لیکن اس میں لفظ تبول نہیں ہے، حافظ کہتے ہیں یہ حدیث بسند البخاری غیر بخاری میں بھی ہے اور اس میں لفظ تبول بھی موجود ہے [3]، مصنفؒ نے ترجمۃ الباب اور اس کی حدیث سے طہارۃ الارض بالجفاف کا مسئلہ ثابت کیا ہے جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر زمین جفاف سے پاک ہوجاتی ہے تو بول اعرابی فی المسجد والے قصہ میں جو باب سابق میں گزرا، پانی بہانے کی کیا ضرورت تھی، جواب یہ ہے کہ یہ ایک فضول سا اعتراض ہے، جب تطہیر الارض کے دونوں طریقے ہیں

---

[1] صحيح مسلم - كتاب الجهاد والسير - باب في الأمر بالتيسير وترك التنفير ١٧٣٤

[2] اگر یہ واقعہ جس کو بیان کیا جارہا ہے خواب والے قصہ سے پہلے کا ہے جسکا ذکر آگے آرہا ہے تب تو یہ رات گزارنا سو کر تھا، اور اگر خواب کے بعد کا قصہ بیان کر رہے ہیں تو پھر یہ رات گزارنا جاگ کر تھا۔

[3] فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ١ ص ٢٧٨

تو پھر ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں اعتراض کیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جفاف سے زمین پاک تو ہو جاتی ہے لیکن رائحہ کریہہ کا ازالہ اور اچھی طرح نظافت تو پانی ہی سے ہو سکتی ہے، ایک اور بھی بات ہے کہ وہ واقعہ دن کا تھا ہو سکتا ہے نماز کا وقت قریب ہو اس لئے تعجیلاً پانی کے ذریعہ پاک کی گئی اور بول کلاب کا قصہ شب کا ہے یہاں وقت میں گنجائش ظاہر ہے۔

خطابی کی تاویل اوراسکارد: خطابیؒ نے حدیث الباب کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہاں پر تین فعل مذکور ہیں: تبول، تقبل، تدبر، فِي الْمَسْجِدِ کا تعلق اخیرین سے ہے تبول سے نہیں، بول تو وہ خارج مسجد کرتے تھے البتہ ان کا اقبال وادبار گاہے مسجد میں ہو جاتا تھا[1]، اس کا جواب یہ ہے کہ جب کتوں کے مسجد میں اقبال وادبار سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی تھی تو بول سے کیا چیز مانع تھی، نیز اس صورت میں رکاکت معنی ایک اور اعتبار سے بھی ہے وہ یہ کہ جب فِي الْمَسْجِدِ کا تبول سے تعلق نہ رہا تو مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں کتے پیشاب کرتے تھے، اس میں اس زمانہ کی کیا تخصیص ہے وہ تو اب بھی کرتے ہیں، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ ظرف کا تعلق افعال ثلثہ سے ہے، اگر بول کو اس سے مستثنیٰ مان لیا جائے اور صرف اقبال وادبار سے اس کا تعلق باقی رکھا جائے تو اس صورت میں رش کی حاجت ہی کیا تھی جس کی نفی کی جارہی ہے، پھر توفَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذَٰلِكَ جملہ بے معنی ہو جائے گا[2]۔

حنفیہ کے پاس طہارۃ الارض بالجفاف کے سلسلہ میں ایک حدیث اور بھی ہے ذَكَاةُ الْأَرْضِ يَبَسُهَا، صاحب ہدایہ نے تو اسکو مرفوع قرار دیا ہے، لیکن اسکے مخرج علامہ زیلعیؒ[3] لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں بلکہ مصنف ابن أبي شيبة میں محمد بن علی اور محمد بن الحنفیہ سے خود ان کا اپنا قول مروی ہے، اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عائشہ سے موقوفاً مروی ہے۔

فائدہ: حدیث الباب میں ابن عمرؓ کا مسجد میں رات گزارنا مذکور ہے اسی سے متعلق بخاری کی ایک روایت میں ہے ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں شروع میں مسجد میں سویا کرتا تھا ایک شب میں نے خواب دیکھا کہ گویا دو فرشتے مجھ کو جہنم کی طرف لے گئے فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ میں نے دیکھا کہ اس کے ارد گرد ایسی دیوار اٹھی ہوئی تھی، جیسے کنویں کے چاروں طرف ہوتی ہے، میں نے اس کے اندر کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیکھا جن کو میں پہچانتا تھا، میں بہت گھبرایا اور أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ پڑھنے لگا، اتنے میں ایک فرشتہ نظر آیا اس نے مجھ سے کہا کہ تم گھبراؤ مت، ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے خواب کا یہ واقعہ اپنی بہن حفصہؓ سے بیان کیا، حفصہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب سن کر ارشاد فرمایا نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، پھر آگے راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت ابن عمرؓ مسجد میں بجائے سونے کے ساری رات جاگ

---

[1] معالم السنن ج۱ ص۱۱۷

[2] عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج۳ ص۴۴-۴۵

[3] نصب الراية لأحاديث الهداية ج۱ ص۲۱۱

کر گزارتے تھے إلّا قليلا [1]۔

۱۳۹۔ بَابٌ فِي الْأَذَى يُصِيبُ الذَّيْلَ

باب ہے کرتے کے دامن (یا لنگی کے کنارے) پر راستہ کی خشک ناپاکی لگ جائے تو اسکے حکم کے بارے میں
یعنی اگر چلتے وقت کرتے کے دامن یا لنگی کے کنارہ کو راستہ کی ناپاکی لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

۳۸۳ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَارَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أُمِّ وَلَدٍ لِإِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنِّي امْرَأَةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي، وَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ، فَقَالَتْ: أُمُّ سَلَمَةَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ».

ترجمہ ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف کی ام ولد (جن کا نام حمیدہ ہے) نے نبی کریم ﷺ کی زوجہ ام سلمہؓ سے سوال کیا کہ میں اپنے دامن اور کپڑے کو دراز رکھتی ہوں اور جس راستے میں چلتی ہوں اس میں گندگی بھی ہوتی ہے (یعنی لٹکے ہوئے کپڑے پر نجاست لگ جاتی ہے) تو ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کے بعد والی مٹی اس نجاست کو پاک کر دے گی۔

تخریج جامع الترمذي - الطهارة (۱٤۳) سنن أبي داود - الطهارة (۳۸۳) سنن ابن ماجه - الطهارة وسننها (۵۳۱) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۲۹۰) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (٦/۳۱٦) موطأ مالك - الطهارة (٤۷) سنن الدارمي - الطهارة (۷٤۲)

شرح الحدیث عَنْ أُمِّ [2] وَلَدٍ لِإِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ الخ: ابراہیم بن عبد الرحمٰن کی ام ولد نے جن کا نام حمیدہ ہے ام سلمہ سے سوال کیا فَقَالَتْ: إِنِّي امْرَأَةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي، وَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ، وہ کہتی ہیں کہ میری عادت یہ ہے کہ جب میں گھر سے باہر نکلتی ہوں تو اپنے دامن اور کپڑے کو دراز کر لیتی ہوں (یعنی تطہیر قدمین کیلئے) اور جس راستہ میں چلتی ہوں اس میں گندگی بھی ہوتی ہے اب وہ کپڑا جو لٹکا ہوا ہوتا ہے نجاست سے لگتا ہے۔

قوله: فَقَالَتْ: أُمُّ سَلَمَةَ الخ: سیاق روایت سے بظاہر ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ام سلمہؓ کو اس مسئلہ کا جواب پہلے سے معلوم تھا حضور ﷺ کی حدیث ان کے علم میں تھی اس لئے سائلہ کے سوال پر انہوں نے فوراً حکم بیان کر دیا بلکہ حضور ﷺ کی وہ حدیث ہی بیان کر دی جو ان کے علم میں تھی تاکہ مسئلہ و دلیل مسئلہ دونوں ہی ساتھ ساتھ معلوم ہو جائیں (منہل)۔

حدیث الباب بالاتفاق محتاج تاویل ہے: جاننا چاہئے کہ اگر کپڑا تر نجاست سے ناپاک ہو جائے تو اس کی تطہیر

---

[1] صحيح البخاري - كتاب التهجد - باب فضل قيام الليل ۱۰۷۰. صحيح مسلم - كتاب فضائل الصحابة - باب من فضائل عبد الله بن عمر ۲٤٧٩

[2] وهكذا في رواية مالك في الموطا وفي رواية الترمذي عن ام ولد لعبد الرحمن بن عوف وقال الترمذي وروى عبد الله بن المبارك بهذا الطريق عن ام ولد لهود بن عبد الرحمن وهو وهم وانما هو عن ام ولد لابراهيم بن عبد الرحمن بن عوف اهـ

کیلئے بالاتفاق غسل ضروری ہے علامہ توربشتیؒ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے اور اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ یعنی زمین کے ناپاک حصہ پر عبور کے بعد جب زمین کے پاک حصہ پر گزرے گی تو جو کچھ نجاست وغیرہ کپڑے کو لگی ہوگی تو وہ اس پاک مٹی کی رگڑ سے زائل ہو جائے گی اور کپڑا پاک ہو جائے گا، بظاہر یہ حدیث اجماع علماء کے خلاف ہے اسی لئے اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ حدیث میں لفظ قذر سے نجاست مراد نہیں ہے بلکہ طین شارع (راستہ کا گارا کیچڑ) یا گھناؤنی چیز تھوک بلغم وغیرہ مراد ہے اور اس صورت میں وہ کپڑا دراصل ناپاک ہی نہیں ہوا اس لئے کہ طین شارع معاف ہے اور حدیث میں يُطَهِّرُهُ سے مراد ينظفه ہے اور اگر اس کو نجاست ہی پر محمول کیا جائے تو اس سے نجاست یابسہ مراد لی جائے نہ کہ رطبہ، تاکہ یہ حدیث اجماع کے خلاف نہ ہو، اور اگر کسی کو تر نجاست مراد لینے پر اصرار ہو تو یہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لئے کہ اس کی سند میں ام ولد راویہ مجہولہ ہے۔

٣٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ، وَأَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَا: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عِيسَى، عَنْ مُوسَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لَنَا طَرِيقًا إِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ إِذَا مُطِرْنَا؟ قَالَ: «أَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيقٌ هِيَ أَطْيَبُ مِنْهَا؟» قَالَتْ: قُلْتُ: بَلَى. قَالَ: «فَهَذِهِ بِهَذِهِ».

ترجمہ: بنی عبدالاشہل قبیلہ کی ایک صحابیہ عورت فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر سے مسجد تک کا ایک راستہ گندا ہے پھر جب بارش بھی ہو جائے تو ہم کیا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا اس گندے راستے کے بعد دوسرا صاف رستہ نہیں ہے تو میں نے عرض کیا جی ہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ صاف راستہ گندے راستہ کا بدل ہے (یعنی جو گندگی لگ چکی اب صاف مٹی اسکو پاک کر دے گی)۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (٣٨٤) مسند أحمد - من مسند القبائل (٦/٤٣٥)

شرح الحديث: عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ: یہ امرأۃ مجہولہ ہے لیکن صحابیہ ہیں لہذا کچھ حرج نہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ گھر سے مسجد تک کا ہمارا راستہ گندا ہے خصوصاً جب بارش ہوتی ہے تو اور بھی مشکل پیش آتی ہے کہ راستہ کی گندگی ذیل وغیرہ کو لگ جاتی ہے اس پر آپ نے وہی ارشاد فرمایا جو گذشتہ حدیث ام سلمہؓ میں فرمایا تھا، لہذا یہاں بھی اسی تاویل کی حاجت ہے جو پہلی حدیث میں تھی، مگر حدیث ام سلمہؓ اور اس امرأۃ اشہلیہ والی حدیث میں فرق ہے وہ یہ کہ پہلی حدیث میں تو یہ تاویل چل سکتی ہے کہ نجاست سے نجاست یابسہ مراد ہے مگر یہاں یہ تاویل نہیں چلے گی کیونکہ اس میں بارش کا بھی ذکر ہے، لہذا دوسری تاویل متعین ہے، واضح رہے کہ اس قسم کی ایک حدیث بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَطَأُ الْأَذَى بِرِجْلِهِ کے ذیل میں گزر چکی ہے كُنَّا لَا نَتَوَضَّأُ مِنْ مَوْطِئٍ [1]، دونوں میں فرق یہ ہے کہ گذشتہ باب کا تعلق بدن یعنی

[1] سنن أبي داود - كتاب الطهارة باب في الرجل يطأ الأذى برجله ٢٠٤

رجل سے تھا اور زیر بحث باب کا تعلق ثوب سے ہے۔

۱۴۰۔ بَابٌ فِي الْأَذَى يُصِيبُ النَّعْلَ

باب جو (راستے کی) نجاست جوتے کو لگ جائے اس کے حکم کے بیان میں

مصنف اس باب میں یہ بیان کر رہے ہیں جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ اگر خف یا نعل کو چلتے وقت راستہ کی نجاست لگ جائے آدمی اس کو روندتا ہوا چلا جائے تو پھر بعد والی زمین جو پاک ہے اس سے رگڑ جانے کی وجہ سے نعل پاک ہو جاتا ہے، حدیث میں نعل اور خف ہی کا ذکر ہے لیکن فقہاء کرام نے ان دونوں کے حکم میں ہر اس چیز کو داخل کیا ہے جو صیقل یعنی صیقل شدہ اور صاف وشفاف ہو اس میں مسامات نہ ہوں جیسے مرآۃ (آئینہ) سیف اور ظفر وغیرہ۔

۳۸۵ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ، ح وحَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ مَزْيَدٍ، أَخْبَرَنِي أَبِي ح، وحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا عُمَرُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الْوَاحِدِ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ الْمَعْنَى قَالَ: أُنْبِئْتُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيَّ حَدَّثَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى، فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُورٌ».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے نجاست کو روندتا ہوا گزر جائے تو مٹی (جو آگے آ رہی ہے) اس کو پاک کرنے والی ہے۔

شرح الحدیث اور مذاہب ائمہ کی تفصیل: قوله: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى، فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُورٌ»: اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اذیٰ سے کیا مراد ہے، اس میں تین قول ہیں: ابو ثورؒ، اسحٰق بن راہویہؒ، اوزاعیؒ، ظاہریہ، امام احمدؒ فی روایۃ اور امام شافعیؒ کے قول قدیم میں اس سے مطلق نجاست مراد ہے یابسہ ہو یا رطبہ ہر صورت میں خف اور نعل دلک سے پاک ہو جائے گا غسل کی حاجت نہیں اور ظاہر الفاظ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ابن قدامہؒ نے امام احمدؒ کی اسی روایت کو ترجیح دی ہے، دوسرا قول اس میں امام مالک کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اذیٰ سے شیئ مستقذر یعنی گھناؤنی چیز یا نجاست یابسہ مراد ہے، نجاست رطبہ اس میں داخل نہیں، تر نجاست اگر نعل یا خف کو لگ جائے تو اس کا غسل ضروری ہے صرف دلک سے طہارت حاصل نہ ہوگی، امام احمدؒ کی دوسری روایت [1] اور امام شافعیؒ کا قول جدید بھی یہی ہے، کتب شافعیہ میں غسل ہی کو ضروری لکھا ہے، تیسرا قول اس میں حنفیہ کا ہے کہ اس سے نجاست یابسہ اور اسی طرح نجاست رطبہ متجسدہ یعنی ذی جرم مراد ہے رطبہ غیر متجسدہ اس میں داخل نہیں نجاست متجسدہ کو مرئیہ بھی کہتے ہیں یعنی جو خشک ہونے کے بعد بھی نظر آئے جیسے براز اور غیر مرئیہ جیسے بول کہ وہ خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتا پھر حنفیہ میں امام صاحبؒ اور امام ابو یوسف کے درمیان اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک اس قسم کی نجاست سے بعد الجفاف

[1] امام احمدؒ کی تیسری روایت کما فی المغنی یہ ہے کہ خف یا نعل کو اگر بول و براز لگ جائے تو تب تو غسل ضروری ہے ان دو کے علاوہ کوئی اور ناپاک چیز لگ جائے تو اس میں دلک کافی ہے۔

رگڑنے سے پاکی حاصل ہوگی قبل الجفاف نہیں اس لئے کہ نجاست کے خشک ہونے سے پہلے اس کو رگڑنے سے مزید تلویث ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جفاف کی قید نہیں، قبل الجفاف بھی دلک سے پاکی حاصل ہو جائے گی، در مختار میں ابو داؤد کی حدیث الباب کے اطلاق وعموم کی بناء پر امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، لہذا یہ حدیث امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قول جدید جو ان کے یہاں معتبر ہے بظاہر اس کے خلاف ہوئی یہ حضرات اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حدیث میں اذیٰ سے الشئ المستقذر یعنی گھناؤنی چیز مراد ہے، یا پھر زائد سے زائد نجاست یابسہ۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں سب سے زیادہ وسعت ظاہریہ وحنابلہ کے قول راجح میں ہے اور مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں اس میں تنگی ہے، ان کے یہاں نجاست رطبہ مطلقاً اس میں داخل نہیں اس کا غسل ہی ضروری ہے اور حنفیہ کے مسلک میں اعتدال ہے ان کے یہاں نجاست رطبہ کی ایک قسم یعنی متجسدہ اس میں داخل ہے دوسری قسم یعنی غیر متجسدہ داخل نہیں۔

قوله: عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ الْمَعْنَى: یہاں پر تین سندیں جمع ہوگئیں پہلی میں مصنف کے استاذ احمد بن حنبلؒ ہیں اس کے بعد تحویل اول میں عباس بن الولید اور تحویل ثانی میں محمود بن خالد، اور پھر تینوں کے استاذ جو سند میں مذکور ہیں یعنی ابو المغیرہ ولید بن مزید، عمر بن عبد الواحد یہ تینوں روایت کر رہے ہیں اوزاعی سے، لہذا اوزاعی ملتقی الاسانید ہوئے، اور المعنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ ان تینوں کی روایت کا مضمون ایک ہے اور الفاظ مختلف ہیں، آگے اوزاعیؒ فرما رہے ہیں أُنْبِئْتُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيَّ حَدَّثَ یعنی اوزاعی براہ راست سعید سے نہیں روایت کرتے بلکہ بالواسطہ، اور وہ واسطہ ہو سکتا ہے کہ محمد بن عجلان ہوں جیسا کہ اگلی سند سے معلوم ہو رہا ہے۔

۳۸٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ يَعْنِي الصَّنْعَانِيَّ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ: «إِذَا وَطِئَ الْأَذَى بِخُفَّيْهِ، فَطَهُورُهُمَا التُّرَابُ».

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے اسی گزشتہ روایت کے ہم معنی روایت نقل کی آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے خفین (چمڑوں کے موزے) سے زمین کو روندتا ہوا گزر جائے تو ان موزوں کیلئے مٹی پاکی کا ذریعہ ہے۔

۳۸۷ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ عَائِذٍ، حَدَّثَنِي يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ حَمْزَةَ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْوَلِيدِ، أَخْبَرَنِي أَيْضًا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس گزشتہ روایت کے ہم معنی روایت بیان کی۔

شرح الحدیث: **تشریح سند:** عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْوَلِيدِ، أَخْبَرَنِي أَيْضًا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ: اس سند کی شرح میں تین قول ہیں: ❶ اول یہ کہ قال اخبرنی کے قال کی ضمیر ابعد یعنی اوزاعیؒ کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ

اوزاعی فرماتے ہیں اس حدیث میں میرے دو شیخ ہیں، ایک محمد بن الولید، دوسرے سعید بن ابی سعید، جس طرح اس حدیث کی خبر مجھ کو محمد بن الولید نے دی اسی طرح سعید بن ابی سعید نے بھی دی، پھر یہ دونوں روایت کرتے ہیں عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيْمٍ، ❷ دوسرا قول یہ ہے کہ قال کی ضمیر اقرب یعنی محمد بن الولید کی طرف راجع ہے اور ایضاً کا تعلق عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيْمٍ سے ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ محمد بن الولید کہتے ہیں کہ اس حدیث کی خبر دی مجھ کو سعید بن ابی سعید نے قعقاع سے بھی اور بھی کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلی سند میں محمد بن الولید نے جب اس حدیث کو سعید بن ابی سعید سے روایت کیا تھا تو وہاں سعید کے استاذ ان کے باپ تھے، پہلی سند اس طرح تھی "عن سعيد بن ابي سعيد عن ابيه" اور اس دوسری سند میں سعید کے استاذ قعقاع بن حکیم ہیں، ❸ تیسرا قول یہ ہے محمد بن الولید کہتے ہیں اس حدیث کی خبر مجھ کو قعقاع بن حکیم سے سعید بن ابی سعید نے بھی دی ہے اور بھی کا مطلب یہ ہے کہ سعید کے علاوہ دوسرے استاذ نے بھی یہ حدیث مجھ کو قعقاع سے روایت کی ہے، حاصل یہ کہ محمد بن الولید کو یہ حدیث قعقاع سے دو استاذوں کے واسطہ سے پہنچی، سعید اور غیر سعید۔

❹ حضرت ناظم صاحبؒ نے اس کے چوتھے معنی اور لکھے ہیں وہ یہ کہ قال کی ضمیر اقرب یعنی محمد بن الولید ہی کی طرف راجع ہے لیکن ایضاً کا تعلق اخبرنی میں جو یاء متکلم ہے اس سے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ محمد بن الولید کہہ رہے ہیں سعید بن ابی سعید نے یہ حدیث جس طرح میرے علاوہ دوسرے تلامذہ سے بیان کی اسی طرح مجھ سے بھی بیان کی، لیکن یہ معنی صرف ایک احتمال عقلی ہے اسلئے کہ اس کہنے میں کوئی خاص فائدہ نہیں، اور حضرت ناظم صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا منشأ بھی غالباً تشحیذ اذہان ہی کیلئے بیان کرنا ہے۔

۱۴۱ ـ بَابُ الْإِعَادَةِ مِنَ النَّجَاسَةِ تَكُونُ فِي الثَّوْبِ

باب ہے کپڑے پر نجاست لگی ہونے کی حالت میں پڑھی گئی نماز کو دہرانے کے بیان میں

صحت صلوۃ کیلئے طہارت عن النجاسۃ کے شرط ہونے میں اختلاف: یعنی اگر کسی شخص کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد پتہ چلے کہ اس کے کپڑے پر نجاست لگی ہوئی تھی تو کیا اس شخص پر نماز کا اعادہ ضروری ہے؟ مسئلہ ہمارے یہاں بَابُ فَرْضِ الْوُضُوءِ میں گزر چکا کہ طهارة الثوب عن النجاسة کا شرط صحت صلوۃ ہونا جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے، مالکیہ کے یہاں شرط نہیں ان کے یہاں دو روایتیں ہیں ایک وجوب کی دوسری سنیت کی، اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی عدم اشتراط ہے یہی اختلاف اس صورت میں بھی جاری ہوگا جو اس ترجمۃ الباب اور حدیث میں مذکور ہے، چنانچہ ابن رسلانؒ لکھتے ہیں کہ اس صورت میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قول قدیم میں نماز صحیح ہو جائے گی اور اعادہ کی حاجت نہیں، اور امام ابو حنیفہ وامام احمد اور امام شافعیؒ کے قول جدید میں نماز باطل ہوگی یہی جمہور علماء سلف وخلف کا مذہب ہے۔

حضرتؒ نے بذل[1] میں اس ترجمۃ الباب کے مطلب میں ایک دوسرا احتمال بھی لکھا ہے لیکن میرے نزدیک یہی مطلب اصح ہے جو اوپر لکھا گیا۔

۳۸۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَتْنَا أُمُّ يُونُسَ بِنْتُ شَدَّادٍ قَالَتْ: حَدَّثَتْنِي حَمَاتِي أُمُّ جَحْدَرٍ الْعَامِرِيَّةُ، أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ: كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْنَا شِعَارُنَا، وَقَدْ أَلْقَيْنَا فَوْقَهُ كِسَاءً، فَلَمَّا أَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ الْكِسَاءَ فَلَبِسَهُ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الْغَدَاةَ، ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَذِهِ لُمْعَةٌ مِنْ دَمٍ، فَقَبَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا يَلِيهَا، فَبَعَثَ بِهَا إِلَيَّ مَصْرُورَةً فِي يَدِ الْغُلَامِ فَقَالَ: «اغْسِلِي هَذِهِ وَأَجِفِّيهَا، ثُمَّ أَرْسِلِي بِهَا إِلَيَّ». فَدَعَوْتُ بِقَصْعَتِي فَغَسَلْتُهَا، ثُمَّ أَجْفَفْتُهَا فَأَحَرْتُهَا إِلَيْهِ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنِصْفِ النَّهَارِ وَهِيَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: یونس بن شداد کی والدہ فرماتی ہیں کہ میری نند ام جحدر عامریہ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے حیض کا خون کپڑے میں لگ جانے کے بارے میں سوال کیا تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھی (حالت حیض میں رات گذار رہی تھی) ہمارے اوپر جسم سے متصل کپڑوں کے علاوہ اسکے اوپر چادر تھی جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ چادر اوڑھ کر فجر کی نماز کیلئے تشریف لے گئے اور نماز فجر ادا فرمائی وہاں آپ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے [آپ ﷺ کو توجہ دلائی اور] کہا: یارسول اللہ! چادر پر دم (حیض) کا اثر ہے آپ ﷺ نے اس حصے کو جس پر دم حیض لگ رہا تھا پکڑا اور لپیٹ کر ایک لڑکے کو دے کر میرے پاس بھجوایا پھر فرمایا کہ اس کو دھو کر خشک کر کے میرے پاس بھجوادو چنانچہ میں نے اس کو پانی کا برتن منگوا کر دھویا اور اس کو خشک کر کے آپ ﷺ کو لوٹا دیا پھر جب آپ ﷺ دوبارہ پھر نصف النہار کے وقت تشریف لائے تو وہ چادر (کمبل) آپ اوڑھے ہوئے تھے۔

تخریج: سنن أبي داود - الطهارة (۳۸۸) مسند أحمد - باقي مسند الأنصار (۲۵۰/٦)

شرح الحديث: قوله: فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَذِهِ لُمْعَةٌ مِنْ دَمٍ: مضمون حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھا کر مجلس میں تشریف فرما تھے، اور حال یہ ہے کہ آپ کی چادر پر دم حیض کا کچھ اثر تھا، حاضرین مجلس میں سے کسی نے آپ ﷺ کو اس طرف توجہ دلائی تو اس پر آپ ﷺ نے اس چادر کو اتارا اور جس حصہ پر خون کا اثر تھا اس کو علیحدہ پکڑ کر ایک لڑکے کے ذریعہ گھر بھجوایا اور فرمایا کہ اس کو دھلوا کر خشک کرا کر لے آؤ، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے اس حصہ کو دھو کر خشک کر کے چادر آپ ﷺ کے پاس بھیج دی۔

تاویل حدیث علی مسلک الجمہور: اس حدیث میں اعادۂ صلوۃ کا ذکر نہیں کہ آپ ﷺ نے اس نماز کو

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ۳ ص ۱۳۹

دوبارہ پڑھا ہو، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فی قولہ القدیم کے تو یہ موافق ہے اور جمہور علماء کے خلاف ہے ان کی طرف سے اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے وہ دم قلیل یعنی مقدار معفو ہو اور اس کو دھلوانا صرف تنظیف کیلئے ہو، یا پھر یہ کہا جائے کہ عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے اعادہ کیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور خلع نعلین والی حدیث جو آگے بَابُ الصَّلَاةِ فِي النَّعْلِ میں آرہی ہے اس میں بھی یہی مسئلہ اور اشکال پایا جارہا ہے لیکن وہاں جمہور یہ جواب دے سکتے ہیں کہ وہاں حدیث میں جو لفظ قذر مذکور ہے اس سے شئ مستقذر یعنی گھناؤنی چیز مراد ہے شئ نجس مراد نہیں ہے۔

١٤٢ - بَابُ الْبُصَاقِ يُصِيبُ الثَّوْبَ

باب کپڑے پر تھوک لگ جائے اسکے حکم کے بیان میں

یعنی اگر کسی کے کپڑے کو اس کا تھوک لگ جائے تو اس کی وجہ سے اس کپڑے کو پاک کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ علامہ عینیؒ اور ابن حزمؒ نے طہارت بزاق پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے بجز سلمان فارسیؓ اور ابراہیم نخعیؒ کے کہ ان دونوں سے نجاست بزاق منقول ہے یعنی لعاب دہن جب تک منہ کے اندر ہے طاہر ہے اور بعد الخروج عن الفم نجس ہے، لہٰذا جمہور کے نزدیک کپڑے کو پاک کرنے کی حاجت نہیں اور ان دونوں کے نزدیک ہے، یہ اختلاف ہمارے یہاں بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَسْتَاكُ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ میں بھی گزر چکا۔

٣٨٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ: «بَزَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبِهِ، وَحَكَّ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ».

ترجمہ: ابو نضرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (نماز میں) کپڑے پر تھوک کر کپڑے پر ہی اس کو مسل دیا (کپڑے کے ایک ہی حصہ کو تھوک والی جگہ لگا کر مل دیا)۔

شرح الحدیث: قولہ: بَزَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبِهِ الخ: یہ واقعہ حالت صلوۃ کا ہے جیسا کہ ابو نعیم کی روایت میں اس کی تصریح ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو نماز کی حالت میں کھانسی وغیرہ کی وجہ سے تھوکنے کی ضرورت پیش آئی، بظاہر وہاں نیچے تھوکنے کا موقع نہیں ہوگا اس لئے آپ نے اس کو اپنے کپڑے پر لے لیا وَحَكَّ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ، اور پھر اس کپڑے کو مل دیا تاکہ تھوک کپڑے میں جذب ہو جائے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے یہ طریقہ قولاً بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اگر نماز میں کسی کو تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو ضرورۃ اس طرح بھی کر سکتے ہیں اس نوع کی روایات ابواب المساجد میں آئیں گی۔

یہ حدیث مرسل ہے اس لئے کہ یہاں صحابی مذکور نہیں ہیں بلکہ اس کو آپ ﷺ سے ابو نضرہ روایت کر رہے ہیں جو کہ تابعی ہیں ان کا نام بذل میں منذر بن مالک بن قطعہ لکھا ہے [1]۔

۳۹۰ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

ترجمہ: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے اسی گزشتہ روایت کے مثل روایت کرتے ہیں۔

تخریج: صحيح البخاري - الوضوء (٢٣٨) صحيح البخاري - الصلاة (٣٩٧) صحيح البخاري - الصلاة (٤٠٧) سنن النسائي - الطهارة (٣٠٨) سنن أبي داود - الطهارة (٣٨٩) سنن ابن ماجه - إقامة الصلاة والسنة فيها (١٠٢٤) سنن الدارمي - الصلاة (١٣٩٦)

شرح الحدیث: قوله: عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ: پہلی روایت چونکہ مرسل تھی اسلئے مصنفؒ نے اس روایت مرسلہ کی تقویت کیلئے یہ روایت مسندہ ذکر فرمائی، یہ حدیث انسؓ اسی سند سے بخاری شریف میں بھی مذکور ہے۔

حسن اختتام: یہ کتاب الطہارۃ کی آخری حدیث ہے اس کے راوی حضرت انس بن مالکؓ مشہور صحابی خادم رسول اللہ ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارا شمار بھی خادمان حدیث نبوی میں فرمالے تو اس کی رحمت سے کیا بعید ہے۔ اللّٰھم آمین۔

آخر كِتَابُ الطَّهَارَة

وهذا آخر كتاب الطهارة وبه قد تم الجزء الأول من الدر المنضود على سنن أبي داؤد، اللّٰهم اجعله خالصاً لوجهك الكريم والحمد لله أولاً وآخراً والصلوة والسلام على نبيه سرمداً ودائماً

۵ شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ

يوم الجمعة المباركة

---

[1] بذل المجهود في حل أبي داود - ج ٣ ص ١٤١

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آنحضرت ﷺ کے فضلات کی طہارت

حامدًا ومُصلیا ومسلمًا، وبعد۔

امسال ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ میں حضرت شیخؒ نے بوقت روانگی حجاز مقدس بندہ سے ارشاد فرمایا کہ رسالہ شیم الحبیب جس کی طباعت کرانے کا ارادہ ہو رہا ہے اس میں حضور اقدس ﷺ کے فضلات کی طہارت کا ذکر ہے اور فرمایا کہ میرے مکاتیب علمیہ میں بھی یہ مضمون کئی جگہ ہے اور ایسے ہی میرے نسخۂ بذل المجہود کے حاشیہ پر اس مضمون کے حوالے لکھے ہوئے ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر تو اس مسئلہ کو مرتب کردے اور پورا ہونے کے بعد میرے پاس مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفا) جلد بھیج دے تاکہ میں اس کو سننے کے بعد تیرے ہی پاس طباعت کیلئے بھیج دوں۔ بندہ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اول تو سرور کائنات ﷺ کے فضلات کا مسئلہ، دوسرے میرے شیخ و مرشد کا ایماء وارشاد اس سے بہتر میرے حق میں کیا بات ہوگی، لہٰذا اپنی استطاعت کے بقدر بندہ نے اس مسئلہ کی تحقیق و تنقیح کرکے یہاں سے حضرت شیخؒ کی خدمت میں مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفا) ارسال کر دیا، اس پر حضرت شیخؒ کا گرامی نامہ بندہ کے نام موصول ہوا جس میں حضرت شیخؒ نے اس تحقیق مسئلہ کو بہت پسند فرمایا۔ اسکے بعد ایک اور مکتوب گرامی اس مضمون کی طباعت کے سلسلہ میں موصول ہوا، جو بعینہٖ درج ذیل ہے، اسی مکتوب گرامی کی تعمیل میں اس مضمون کو طبع کیا جارہا ہے۔

نقل مکتوب حضرت شیخ

عزیزم مولوی محمد عاقل سلمہٗ

حضور اقدس ﷺ کے فضلات کے متعلق میرے کئی رسالوں میں ذکر آیا اور لوگ پوچھتے ہی رہے اور میں جوابات بھی لکھتا رہا وہ بھی میرے خطوط میں چھپ گئے ہونگے، اب چونکہ تم نے اس مسئلہ کو کافی تفصیل و تحقیق سے لکھ دیا ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ اس مضمون کو تم رسالہ کے اخیر میں ضمیمہ کے طور پر چھاپ دو کہ مجھے بار بار جواب لکھنا مشکل ہے اور یہاں میری کتابیں بھی نہیں ویسے میں اب بیکار ہو گیا ہوں، میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی تقاریر بھی اب تو تمہاری ہمت پڑے تو چھاپ دی جیو اپنے حواشی کے ساتھ، میں تو اب اپنے کو صبح و شام کا مہمان سمجھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمائے، حسن خاتمہ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

فقط والسلام
(حضرت شیخ الحدیث صاحب)
بقلم حبیب اللہ ۲۴ صفر ۱۳۹۷ھ
یوم جمعہ از مدینہ منورہ

تحقیقِ مسئلہ

حضور اقدس ﷺ کے جسم اطہر کی نظافت اور جسم انور کی خوشبو اور مہک کے سلسلہ میں کتب سیرت و شمائل میں علماء نے صفحات کے صفحات لکھنے میں اپنی سعادت سمجھی ہے جن کی تفاصیل یہاں لکھنی مقصود نہیں، حضرات فقہاء و محدثین نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت حضور اقدس ﷺ کے فضلات کی طہارت کے سلسلہ میں کافی بحث و تحقیق فرمائی ہے جس کو بندہ حضرت شیخؒ کے ارشاد کی تعمیل میں بطور خلاصہ کے لکھتا ہے: واللہ الموفق للصواب وهو الملهم للصدق والرشاد۔

حضرت شیخؒ اپنے مکتوب علمی میں جو اس مسئلہ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ و ما حصل یہ ہے کہ بہت سے غیر مقلد اور اہل حدیث حضرات فضلات نبی ﷺ کی طہارت کا انکار کرتے ہیں ورنہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے جو اس ناکارہ نے حکایات صحابہ میں لکھا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، ہمارے اور آپ کیلئے علامہ شامیؒ کی یہ تصریح کافی ہے۔ اس کے علاوہ سیرت و شروح حدیث کی معتبر کتابوں میں مثلاً مواہب لدنیہ اور اس کی شرح از علامہ زرقانی، قاضی عیاض کی مشہور کتاب شفاء اور اس کی شروح، شرح شمائل از ملا علی قاری، اسی طرح فتح الباری میں، اور عینی شرح صحیح بخاری وغیرہ کتب میں اس مسئلہ کی تفاصیل اور دلائل موجود ہیں، چنانچہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا حضور اکرم ﷺ کے خون مبارک کو چوسنا اور بعض صحابیات کا آپ ﷺ کے پیشاب کو پی لینا، اور اس پر حضور اقدس ﷺ کا نکیر نہ فرمانا یہ سب روشن دلائل ہیں، گو ان روایات میں سے بعض پر محدثین نے کلام بھی فرمایا ہے، لیکن فرداً فرداً روایات پر خواہ کلام ہو باقی مجموعہ طرق کے اعتبار سے یہ روایات قوی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کا یہ قول فتح الباری میں قَدْ تَكَاثَرَتِ الْأَدِلَّةُ عَلَى طَهَارَةِ فَضَلَاتِهِ ﷺ [1] خاص طور سے قابل لحاظ ہے، جب بہت سے صحابہ و صحابیات سے شرب بول و شرب دم ثابت ہے اور حضور اقدس ﷺ کا اس پر نکیر نہ فرمانا بھی، تو کیا پھر بھی اس کی گنجائش باقی ہے کہ یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کے فضلات ناپاک ہیں، اور باوجود اس کے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو نجس چیز کے استعمال سے منع نہیں فرمایا (ماخوذ از مکتوبات علمیہ [2])۔

بندہ کے نزدیک اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے لکھنے کی ضرورت اس وجہ سے بھی ہے کہ اگرچہ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری — ج۱ ص ۲۷۲

[2] یہ حضرت شیخؒ کے علمی اور حدیثی خطوط کا بیش بہا اور قیمتی مجموعہ ہے جو مکتوبات علمیہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس میں مجموعی طور سے ایک سو تیس خطوط ہیں جن میں بہتر (۷۲) خطوط صحاح ستہ کی احادیث پر اشکالات و جوابات کے سلسلہ میں ہیں اور اٹھاون (۵۸) خطوط متفرق مضامین اور مختلف نوع کے اشکالات پر مشتمل ہیں، یہ کتاب کتب خانہ اشاعت العلوم محلہ مفتی سہارنپور سے شائع ہو چکی۔

مرقدۂ نے یہاں شیم الحبیب کے ترجمہ میں طہارت فضلات ہی کے قول کو ذکر فرمایا ہے لیکن حضرت نے اپنا میلان بعض خطوط میں جو بوادر النوادر میں موجود ہیں، ملا علی قاریؒ کی ایک عبارت کی بناء پر اس کے خلاف ظاہر فرمادیا ہے، لیکن واضح رہے کہ ملا علی قاریؒ کے کلام میں بھی اس مسئلہ میں بظاہر تعارض ہے، اس لئے کہ شرح شفاء میں ان کا میلان عدم طہارت کی طرف معلوم ہوتا ہے اور شمائل ترمذی کی شرح میں انہوں نے طہارتِ فضلات ہی کو ثابت فرمایا ہے، اور علامہ شامیؒ نے بھی بحوالہ ملا علی قاریؒ لکھا ہے کہ ہمارے اکثر اصحاب نے طہارت ہی کا قول اختیار کیا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ مذاہب اربعہ میں طہارت کی تصریح تتبع کے بعد مل گئی۔

چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا ارشاد فیض الباری میں منقول ہے:

ثم مسألةُ طهارة فضلات الأنبياء توجد في كتُب المذاهب الأربعة، ولكنْ لا نقْلَ فيها عندي عن الأئمة إلا ما في «المواهب» عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى نقلاً عن العيني، ولكنّي ما وجدتُه في العيني [1].

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فضلات (بول وبراز) کے طاہر ہونے کا مسئلہ مذاہب اربعہ کی کتب میں موجود ہے لیکن براہ راست ائمہ اربعہ کے اقوال کی تصریح مجھ کو نہیں ملی بجز اس کے جو مواہب لدنیہ میں بحوالہ عینی امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے اگرچہ مجھے عینی میں نہیں ملا اھ۔

حضرت شاہ صاحب نے جیسا کہ فرمایا یہ مسئلہ کتب مذاہب اربعہ میں ملتا ہے جیسا کہ آئندہ مذاہب کی مستند معتبر کتب فقہ سے نقل کیا جائے گا، علامہ عینیؒ کا وہ کلام جس کے بارے میں شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ مجھے نہیں ملا، حضرت شیخ کے مکتوب علمی میں اس کا حوالہ بقید صفحہ موجود ہے، اسی طرح حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ رشید المحدث الشہیر مولانا محمد یوسف بنوری دام فیضہ نے بھی معارف السنن میں بہت سے حوالوں کے ساتھ عینی کے کلام کا بھی حوالہ تعین صفحہ کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، چنانچہ علامہ عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری باب استعمال فضل وضوء الناس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وأبو حنيفة يقول بطهارة بوله وسائر فضلاته صلى الله عليه وسلم اھ [2].

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب اور باقی فضلات کی طہارت کے قائل ہیں۔

اسی طرح وہ باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان میں لکھتے ہیں:

وقد اخترق بعض الشافعية، وكاد أن يخرج عن دائرة الإسلام، حيث قال: وفي شعر النبي صلى الله عليه وسلم وجهان، وحاشا شعر النبي عليه الصلاة والسلام من ذلك، وكيف قال هذا وقد قيل بطهارة فضلاته فضلا عن شعره الكريم [3].

ترجمہ: اور بعض علماء شافعیہ تو اجماع کی مخالفت کر گزرے جس کی وجہ سے اندیشہ ہو گیا کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج

[1] فیض الباری علی صحیح البخاری — ج ۱ ص ۲٤۲
[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری — ج ۳ ص ۷۹
[3] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری — ج ۳ ص ۳۵

ہو جائیں، اس لئے کہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ آپ ﷺ کے موئے مبارک کے طاہر ہونے میں اختلاف ہے حاشا وکلا یہ کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ آپ ﷺ کے تو فضلات بھی طاہر ہیں، چہ جائے کہ موئے مبارک۔

اس کے بعد علامہ عینیؒ نے ان روایات کو ذکر فرمایا ہے جن میں بعض صحابہ وصحابیات کا حضور اکرم ﷺ کے پیشاب وخون کے پینے کا ثبوت ہے اور باوجود اس کے آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی، یہ روایات آئندہ ذکر کی جائیں گی، البتہ حضرات شافعیہ کے اس مسئلہ میں دونوں قول ہیں، چنانچہ علامہ رافعیؒ، امام غزالیؒ کا میلان عدم طہارت کی طرف ہے۔ امام غزالیؒ کے مسلک کا ذکر اور اس پر رد علامہ عینیؒ نے فرمایا ہے اور علامہ رافعیؒ جو ائمہ شافعیہ میں سے ہیں ان کے مسلک کی تردید علامہ خفاجیؒ نے نسیم الریاض شرح شفاء میں امام نوویؒ کے کلام سے کی ہے، صاحب نسیم الریاض لکھتے ہیں:

ثم وقع في فقه الشافعية أيضا أن حكم جميع فضلات الأنبياء عليهم الصلاة والسلام كذلك طاهرة [1].

یعنی فقہ شافعی میں یہ منقول ہے کہ جملہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے تمام فضلات پاک ہیں۔

علامہ زرقانیؒ شرح مواہب میں امام رافعیؒ کے قول کی تضعیف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال الرملي: وهو المعتمد يعني طهارة فضلاته [2].

ترجمہ: آپ ﷺ کے فضلات کا طاہر ہونا ہی راجح اور معتمد ہے۔

قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب شفاء میں اس مسئلہ پر تفصیل سے کلام فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

فقد قال قوم من أهل العلم بطهارة هذين الحدثين منه صلى الله عليه وسلم وهو قول بعض أصحاب الشافعي حكاه الإمام أبو نصر بن الصباغ في شامله وقد حكى القولين عن العلماء في ذلك أبو بكر بن سابق المالكي في كتابه البديع في فروع المالكية [3].

ترجمہ: علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے بول وبراز طاہر ہیں جیسا کہ ابو نصر بن الصباغ شافعی نے نقل کیا اور ابو بکر بن سابق مالکی نے اس میں دونوں قول نقل کئے ہیں اپنی کتاب البدیع میں جو فقہ مالکی میں ہے۔

فقہ مالکیہ کی بعض قدیم معتبر کتابوں میں جس کا پورا حوالہ آگے آرہا ہے اس مسئلہ کو اجماعی لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات مالکیہ کے یہاں بالاتفاق طاہر ہیں، قاضی عیاض مالکیؒ نے اپنی مشہور کتاب شفاء میں طہارت کے بہت سے دلائل وشواہد ذکر فرمائے ہیں، اور اس سلسلہ میں انہی روایات حدیث کو ذکر فرمایا ہے جن کو علامہ عینیؒ نے بھی شرح بخاری میں اور علامہ قسطلانیؒ نے المواھب اللدنیۃ اور اس کے شارح علامہ زرقانیؒ نے ذکر فرمایا ہے۔

---

[1] نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض – ج ٢ ص ٢٢

[2] قال الرملي: وهو المعتمد خلافًا لما صحّحه الرافعي (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية – ج ٥ ص ٥٥٢)

[3] كتاب الشفا بتعريف حقوق المصطفى – ج ١ ص ٦٤

قال العلامة العيني وقد وردت أحاديث كثيرة أن جماعة شربوا دم النبي عليه الصلاة والسلام [1].

علامہ عینیؒ اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں کہ متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کا زخم وغیرہ سے نکلنے والا خون پیا ہے، اس کے بعد علامہ عینیؒ نے اس نوع کی متعدد روایات ذکر فرمائی ہیں، اب ان روایات کو ذکر کیا جاتا ہے جو اس سلسلہ میں کتب حدیث میں وارد ہیں۔

منها حديث شرب عبد الله بن الزبير رضي الله عنهما دم حجامته صلى الله عليه وسلم رواه البزار والحاكم والبيهقي والبغوي والطبراني والدارقطني من طرق يقوي بعضها بعضا [2].

منجملہ ان روایات کے وہ حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے جسم کے کسی حصہ پر پچھنے لگوائے تھے تو حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ نے آپ ﷺ کے اس خون مبارک کو پیا تھا۔

منها حديث شرب مالك بن سنان دمه يوم أحد ومصه إياه، أخرجه الحاكم والبيهقي والطبراني في الأوسط وابن السكن عن أبي سعيد الخدري وفيه فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «من سره أن ينظر إلى من خالط دمي دمه فلينظر إلى مالك بن سنان» [3].

اسی طرح ثابت ہے کہ حضرت مالک بن سنان نے جنگ احد کے موقعہ پر آپ ﷺ کے جسم مبارک کے زخمی ہونے کی وجہ سے جو خون نکلا تھا انہوں نے اس کو چوسا تھا جس پر حضور اقدس ﷺ نے انہیں بشارت دی تھی کہ جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جس کے خون میں میرے خون کی آمیزش ہو تو وہ مالک بن سنانؓ کو دیکھ لے۔

فائدہ: یہ مالک بن سنانؓ مشہور صحابی اکابر صحابہ میں سے ہیں اور حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد ماجد ہیں، جنگ احد میں شہید ہوئے۔

ومنها حديث شرب سفينة مولى النبي صلى الله عليه وسلم دم حجامته صلى الله عليه وسلم وفيه فقال النبي صلى الله عليه وسلم: «شربته قلت نعم فتبسم». قال السيوطي: أخرجه البزار وأبو يعلى وابن أبي خيثمة والبيهقي في السنن والطبراني [4].

اور اسی طرح حضرت سفینہؓ حضور ﷺ کے مشہور خادم کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے سینگی لگوانے کے بعد آپ ﷺ کا خون پی لیا، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تم نے وہ خون پی لیا؟ انہوں عرض کیا جی ہاں، اس پر

1. عمدة القاري شرح صحيح البخاري - ج ٣ ص ٣٥.
2. نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض - ج ٢ ص ٢٩
3. نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض - ج ٢ ص ٢٥. الخصائص الكبرى - ج ٣ ص ٣٢٠ - ٣٢١
4. الخصائص الكبرى - ج ٣ ص ٣٢٠

حضور اقدس ﷺ مسکرائے (اور کچھ نہ فرمایا)۔

ومنها حديث شرب غلام من قريش دم حجامته صلى الله عليه وسلم وفيه فقال: «إذهب فقد أحرزت نفسك من النار»، قال السيوطي في الخصائص: أخرجه ابن حبان في الضعفاء عن ابن عباس رضي الله عنه[1].

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان قریشی نے آپ ﷺ کی سینگی کا خون پیا جس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تونے (جہنم کی) آگ سے اپنی حفاظت کرلی۔

ومنها حديث شرب أم أيمن بوله صلى الله عليه وسلم وفيه فقال صلى الله عليه وسلم: «أما والله لا يتجعن بطنك أبدا»[2]. قال القسطلاني في المواهب: أخرجه الحسن بن سفيان في مسنده، والحاكم والدارقطني والطبراني وأبو نعيم من حديث أبي مالك النخعي[3]. قال القاضي في الشفاء: وحديث هذه المرأة التي شربت بوله صحيح ألزم الدارقطني مسلما والبخاري إخراجه في الصحيح اه[4]. قال الخفاجي: يعني أنه مستجمع لشرطهما فهو في أعلى درجات الصحة، فكان ينبغي ذكره ثم قال يخالفه أنه قال في علله: إنه مضطرب، جاء عن أبي مالك النخعي وهو ضعيف اه[5]. قلت: وحكي الخفاجي في مبدئ البحث عن النووي أنه قال حديث شرب البول صحيح حسن. وذلك كاف في الإحتجاج اه[6].

اسی طرح حضرت ام ایمنؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت اقدس ﷺ کا پیشاب (جو پیشاب دانی میں رکھا ہوا تھا) اس کو پی لیا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ کبھی تمہیں پیٹ کی تکلیف نہ ہوگی۔ امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس درجہ کی ہے کہ بخاری اور مسلم شریف میں ہونی چاہئے تھی۔

اس کے بعد علامہ خفاجیؒ لکھتے ہیں لیکن امام دار قطنی سے دوسری جگہ اس حدیث پر یہ نقد بھی منقول ہے کہ اس کی سند میں ابو مالک نخعی راوی ہے جو ضعیف ہے، صاحب نسیم الریاض امام نوویؒ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح اور قابل استدلال ہے۔

فائدہ: ام ایمنؓ کا یہ قصہ بہت مشہور ہے، علامہ دمیریؒ لکھتے ہیں:

وأم أيمن استزادت شرفا ... إذ شربت بول النبي المصطفى[7]

---

1. الخصائص الكبرى - ج ٣ ص ٣٢٠
2. الخصائص الكبرى - ج ٣ ص ٣٢١
3. شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية - ج ٥ ص ٥٤٨
4. الشفا بتعريف حقوق المصطفى - ج ١ ص ٦٥
5. نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض - ج ٢ ص ٢١
6. نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض - ج ٢ ص ٢١
7. نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض - ج ٢ ص ٢٢

ترجمہ: اور ام ایمنؓ کو یہ خصوصی شرف حاصل ہے کہ انہوں نے نبی مصطفےٰ ﷺ کا پیشاب پیا ہے اور آپ ﷺ کے جسم مبارک کا فضلہ ان کے بدن کا جزء بنا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شرب بول کے دو قصے علیحدہ علیحدہ ہیں، ایک وہ جو حضرت ام ایمنؓ کے ساتھ پیش آیا جو اوپر مذکور ہے، اور ایک اسی قسم کا واقعہ حضرت ام یوسفؓ کے ساتھ پیش آیا، یہ ام یوسفؓ حضرت ام حبیبہ ام المؤمنینؓ کی خادمہ تھیں جو ان کے ساتھ حبشہ سے آئی تھیں نام دونوں کا برکہ ہے، تفصیل اس کی نسیم الریاض شرح شفاء[1] وغیرہ میں مذکور ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا رات کو پیشاب دانی میں پیشاب کرنا ابو داؤد کی روایت سے ثابت ہے، امام ابو داؤدؒ نے اس پر مستقل باب قائم فرمایا ہے، لیکن اس میں شرب بول کا قصہ مذکور نہیں، حضرت ام ایمنؓ کو شرب بول کا موقعہ اسی وجہ سے میسر ہوا کہ وہ پیشاب دانی میں رکھا ہوا تھا ورنہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات کو زمین فوراً جذب کر لیتی تھی اور کبھی زمین پر آپ ﷺ کا فضلہ نہیں دیکھا گیا۔

علامہ قسطلانیؒ "مواہب اللدنیہ" میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے احادیث شرب بول و شرب دم کو ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

وفي هذه الأحاديث دلالة على طهارة بوله ودمه -صلى الله عليه وسلم- . قال الزرقاني في شرحه : وبه جزم البغوي وغيره، واختاره كثير من متأخري الشافعية، وصححه السبكي، والبارزي والزركشي وابن الرفعة والبلقيني والقاياتي، قال الرملي: وهو المعتمد خلافًا لما صححه الرافعي اهـ. ثم قال صاحب المواهب وبهذا قال أبو حنيفة كما قال الأئمة وقطع به ابن العربي من المالكية، وعممه بعض متأخريهم في جميع الأنبياء وقال شيخ الإسلام ابن حجر: قد تكاثرت الأدلة على طهارة فضلاته -صلى الله عليه وسلم-، وعدّ الأئمة ذلك من خصوصياته[2].

اور ان احادیث میں دلالت ہے اس بات پر کہ آپ ﷺ کے فضلات پاک ہیں، علامہ زرقانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: اور اسی کو یقینی قرار دیا ہے امام بغویؒ وغیرہ نے، اور اکثر متاخرین شافعیہ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے اور بھی بہت سے علماء نے نیز علامہ رملی نے بھی اسی کو معتمد قرار دیا ہے، اگرچہ علامہ رافعیؒ کی رائے اس کے خلاف ہے، آگے چل کر صاحب مواہبؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ سے بھی طاہر ہونا منقول ہے، ابن العربی مالکی نے بھی یقین کے ساتھ یہی کہا ہے اور بعض علمائے متاخرین نے تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے فضلات کا یہی حکم لکھا ہے کہ سب پاک ہیں، اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات کی طہارت پر بہت سے دلائل فراہم ہو چکے ہیں اور ائمہ دین نے اس کو

---

[1] نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض - ج ٢ ص ٣١
[2] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية - ج ٥ ص ٥٥١-٥٥٢

آپ ﷺ کے خصائص میں شمار فرمایا ہے۔

صاحب مواہب نے حافظ ابن حجرؒ کی اسی عبارت پر اس بحث کو ختم فرمایا ہے، حافظ ابن حجرؒ کا یہ کلام فتح الباری شرح بخاری میں باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان [1] میں موجود ہے، علامہ سیوطیؒ نے خصائص الکبری میں اس مسئلہ پر مستقل باب قائم فرمایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: باب اختصاصه صلى الله عليه وسلم بطهارة دمه وبوله وغائطه اس کے بعد انہوں نے شرب بول و شرب دم سے متعلق متعدد روایات ذکر فرمائی ہیں جن میں سے اکثر اوپر ذکر کی جاچکی ہیں، اسی طرح امام بیہقیؒ اپنی سنن کبری میں اس پر مستقل باب باندھتے ہیں: باب ترك الإنكار على من شرب بوله ودمه [2] اور اس میں انہوں نے متعدد روایات جن کا اوپر تذکرہ آچکا ہے ذکر فرمائی ہیں، اسی طرح امیر یمانیؒ نے سبل السلام شرح بلوغ المرام میں ایک جگہ فضلات نبی ﷺ کی طہارت کی تصریح فرمائی ہے، ایسے ہی شمس الحق عظیم آبادی نے غاية المقصد شرح أبي داؤد میں طہارت ہی کا قول اختیار کیا ہے، لیکن ملا علی قاریؒ کا کلام اور ان کی تحقیق اس مسئلہ میں مختلف ہے، چنانچہ شرح شفاء میں ان کا میلان عدم طہارت کی طرف ہے، اور قاضی عیاض نے جو طہارت پر دلائل قائم کیے ہیں اس پر ملا علی قاریؒ نے کلام فرمایا ہے، اور ان کے اکثر استدلالات پر نقد کیا ہے، لیکن ان کے اکثر خدشات ضعیف ہیں، مثلاً انہوں نے ایک اشکال یہ کیا کہ قصہ شرب ام ایمن سے استدلال اس وجہ سے صحیح نہیں کہ وہ فرماتی ہیں فشربته وأنا لا أعلم، ملا علی قاریؒ اس پر لکھتے ہیں کہ وہ بطور اعتذار کے کہہ رہی ہیں کہ مجھے علم نہ تھا کہ وہ پیشاب ہے [3]۔

ملا علی قاریؒ نے اس جملہ کا جو مطلب اختیار فرمایا ہے بظاہر صحیح نہیں اس لئے کہ ام ایمنؓ تو حضور اقدس ﷺ کی مستقل خادمہ تھیں اور وہ خود فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کے پیشاب کیلئے ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو شب میں آپ ﷺ کے سریر کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا اور وہ خوب اس کو پہچانتی تھیں، لہٰذا ان کے اس جملہ کا مطلب وہی قرار دیا جائے گا جو علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اور علامہ خفاجی نے شرح شفاء میں ذکر فرمایا ہے، علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں: قوله: وأنا لا أشعر أنه بول لطيب رائحته [4]، اور اسی مطلب کو نسیم الریاض میں اور بھی زیادہ وضاحت سے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ام ایمنؓ بطور تعجب فرما رہی ہیں کہ جس وقت میں اس کو پی رہی تھی تو بوجہ اس کی لطافت و نظافت کے یہ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ پیشاب ہے [5]۔

اسی طرح ایک اشکال ملا علی قاریؒ نے یہ کیا کہ ابن عبد البر نے ایک روایت ذکر فرمائی جس میں ہے کہ سالم بن ابی الحجاج نے

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري — ج ۱ ص ۲۷۲
[2] السنن الكبرى للبيهقي — ج ۷ ص ۱۰۶ - ۱۰۷
[3] شرح الشفا للقاضي عياض للقاري - ج ۱ ص ۱۷۲
[4] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية — ج ۵ ص ۵۴۹
[5] نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض - ج ۲ ص ۳۳

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے پچھنے لگائے اور خون مبارک کو چوس لیا، اس پر حضور اکرم ﷺ نے نکیر فرمائی أما علمت أن الدم كله حرام [1]، لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے، اولاً تو یہ کہ ملا علی قاریؒ نے اس کی سند ذکر نہیں فرمائی، معلوم نہیں کس درجہ کی روایت ہے، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ ہمارا استدلال تو ان روایات صحیحہ سے ہے جن میں حضور ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ بعض کو ان میں سے بشارت عطا فرمائی اور اس روایت میں جو آپ ﷺ نے منع فرمایا سو کہا جا سکتا ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے اپنی خصوصیات نظر انداز کرتے ہوئے عام قاعدہ کے لحاظ سے امت کی تعلیم کیلئے تشریعاً منع فرمایا ہے، نیز خود ملا علی قاریؒ کی ایک عبارت سے شرح شفاء میں معلوم ہوتا ہے کہ قاضی عیاضؒ کا استدلال صحیح ہے اس لئے کہ وہ ایک روایت کے تحت میں لکھتے ہیں:

أقول فهذا من باب قلب الأعيان الذي عد من معجزات الأنبياء وبهذا يندفع نزاع الفقهاء [2].

یعنی اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات کی حقیقت ہی کچھ اور تھی اور شی کی حقیقت کا بدل جانا تو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے معجزات کے قبیل سے ہے، اور قلب حقیقت کے بعد پھر اختلاف علماء کا کوئی محل ہی باقی نہیں رہتا۔

ملا علی قاریؒ کی اس عبارت کا مقتضی بھی یہی ہے کہ قلب حقیقت ہو جانے کی وجہ سے انبیاء کرام کے فضلات پاک ہو سکتے ہیں اور اس میں کوئی عجب نہیں ہے اور ایسے ہی شمائل ترمذی کی شرح میں انہوں نے صرف انہی روایات کو ذکر فرمایا ہے جو طہارت پر دلالت کرتی ہیں، اور آخر میں حافظ ابن حجرؒ کی وہ عبارت نقل فرمائی ہے جو پہلے گذر چکی:

قد تكاثرت الأدلة على طهارة فضلاته صلى الله عليه وسلم وهو المختار الخ [3]

حاصل یہ ہے کہ اکثر شراح حدیث و شراح بخاری مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، امام نووی، حافظ سیوطی، اسی طرح امام بیہقی، قاضی عیاض مالکی، علامہ زرقانی، علامہ شہاب الدین خفاجی صاحب نسیم الریاض، ان سب حضرات کی تحقیق میں فضلات نبی ﷺ طاہر ہیں، اور اسی پر ان حضرات نے دلائل و شواہد قائم کئے ہیں اور اسکے خلاف قول کی تردید یا توجیہ کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ طہارت فضلات پر بکثرت دلائل فراہم ہو چکے ہیں، اور اس کے خلاف جو قول ہے وہ شاذ اور مرجوح ہے، اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وَأَنَا أَعْتَقِدُ أَنَّهُ لَا يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُه. وَإِن قَالُوا غَيْرَ ذَلِكَ فَأُذُنِي عَنْهُ صَمَّاء [4].

یعنی حضور اکرم ﷺ کو ان اشیاء میں عام انسانوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اس کے خلاف سننے کیلئے بھی میں تیار نہیں ہوں۔

---

1. شرح الشفا للقاضي عياض للقاري - ج ۱ ص ۱۷۱
2. شرح الشفا للقاضي عياض للقاري - ج ۱ ص ۱۷۰
3. جمع الوسائل في شرح الشمائل - ج ۲ ص ۳
4. عمدة القاري شرح صحيح البخاري - ج ۳ ص ۳۵

اب مذاہب اربعہ کی فقہ کی کتب معتبرہ سے عبارتیں نقل کی جاتی ہیں، بندہ کو کتب شافعیہ کے علاوہ باقی تینوں ائمہ کی کتب فقہیہ میں اس مسئلہ پر باوجود تتبع بلیغ کے اختلاف نہیں ملا، تینوں کے یہاں طہارت کی تصریح ہے، صرف شافعیہ کے یہاں دونوں قول ملتے ہیں، علامہ ابن عابدین رد المحتار شرح در مختار میں تحریر فرماتے ہیں:

صحح بعض أئمة الشافعية طهارة بوله - صلى الله عليه وسلم - وسائر فضلاته، وبه قال أبو حنيفة كما نقله في المواهب اللدنية عن شرح البخاري للعيني، وصرح به البيري في شرح الأشباه. وقال الحافظ ابن حجر: تظافرت الأدلة على ذلك، وعدّ الأئمة ذلك من خصائصه - صلى الله عليه وسلم -. ونقل بعضهم عن شرح المشكاة لملا علي القاري أنه قال: اختاره كثير من أصحابنا اه [1].

بعض علماء شافعیہ نے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پیشاب اور جملہ فضلات کے طاہر ہونے کو صحیح قرار دیا ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس پر بہت سے دلائل قائم ہیں، اور علماء نے اس کو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خصائص میں سے شمار فرمایا ہے اور ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوۃ میں اسی کو اکثر حنفیہ کا پسندیدہ قول لکھا ہے۔

فقہ مالکیہ کی معتبر کتاب الشرح الکبیر کے حاشیہ میں علامہ دسوقی مالکیؒ تحریر فرماتے ہیں:

واعلم أن الخلاف في طهارة ميتة الآدمي وعدمها عام في المسلم والكافر وقيل خاص بالمسلم، ولا يدخل الخلاف أجساد الأنبياء إذ أجسادهم بل جميع فضلاتهم طاهرة اتفاقا حتى بالنسبة لهم؛ لأن الطهارة متى ثبتت لذات فهي مطلقة واستنجاؤهم تنزيه وتشريع، ولو قبل النبوة، وإن كان لا حكم إذ ذاك لاصطفائهم من أصل الخلقة بل في شرح دلائل الخيرات للفاسي أن المني الذي خلق منه الرسول - صلى الله عليه وسلم - طاهر من غير خلاف [2].

جاننا چاہئے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے انتقال کے بعد ان کے اجسام بلکہ ان کے تمام فضلات (مالکیہ کے یہاں) بالاتفاق پاک ہیں حتی کہ نبوت سے پہلے بھی، اور قضائے حاجت کے بعد ان کا استنجاء فرمانا یہ صرف نظافت کے طور پر یا بیان شریعت کیلئے ہے یعنی امت کے حق میں تاکہ وہ اپنے آپ کو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر قیاس نہ کریں۔

اسی طرح کتب حنابلہ میں الروض المربع میں ہے:

(وإذا أخذ) أي شرع (في غسله ستر عورته) وجوبا، وهي ما بين سرته وركبته (وجرده) ندبا لأنه أمكن في تغسيله وأبلغ في تطهيره، وغسل - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - في قميص؛ لأن فضلاته طاهرة فلم يخش تنجيس قميصه اه [3].

---

[1] رد المحتار على الدر المختار - ج ١ ص ٥٢٢-٥٢٣

[2] حاشية الدسوقي على الشرح الكبير - ج ١ ص ٥٣-٥٤

[3] حاشية الروض المربع - ج ٣ ص ٣٦-٣٧

جب میت کو غسل دیا جائے تو اس کے کپڑے اتار دینے چاہئیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غسل قمیص پہنے ہوئے دیا گیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طاہر ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے ناپاک ہونے کا احتمال ہی نہیں تھا۔

وفي شرح الإقناع في فروع الشافعية قوله الإستنجاء واجب اي في حق غير النبي صلى الله عليه وسلم وكذا بقية الأنبياء على الأصح لطهارة فضلاتهم واستنجائه صلى الله عليه وسلم مبالغة في الطهارة لأجل التشريع اهـ [1]

اسی طرح کتب شافعیہ میں سے شرح اقناع میں ہے استنجاء واجب ہے امت کے حق میں اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام ودیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے حق میں واجب نہیں، صحیح قول یہی ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء کے فضلات طاہر ہیں، باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استنجاء فرمانا زیادتی نظافت اور تعلیم امت کیلئے تھا۔ شرح اقناع کی یہ عبارت الأنوار الساطعة في المذاهب الأربعة میں بھی منقول ہے۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہو رہا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ودیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے فضلات ائمہ اربعہ کے مذاہب میں پاک ہیں اور اس کے خلاف جو بعض شافعیہ سے منقول ہے وہ مرجوح اور خلاف تحقیق ہے۔ فقط

واللہ سبحانہ وتعالی أعلم بالصواب وله الحمد والمنة والصلوة والسلام على نبيه ذي الجود والهمة

بندہ محمد عاقل عفا اللہ عنہ

مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

اوائل ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

---

[1] والاستنجاء وزنه استفعال، والمراد بقوله واجب في حق غير النبي صلى الله عليه وسلم وكذا بقية الأنبياء على الأصح لطهارة فضلاتهم. وفي حاشية الرحماني على التحرير تنبيه: فضلات الأنبياء طاهرة على المعتمد، واستنجاؤه صلى الله عليه وسلم منها مبالغة في الطهارة لأجل التشريع (تحفة الحبيب ش.م. المعروف بالإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع - ج ١ ص ٢٦٥)